مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا صدق اللہ العظیم

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیں
اُسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو (القرآن الحکیم)

جلد دوم

اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور
رکن پاکستان سنی رائٹرز گلڈ

ناشر

فرید بک سٹال، ۴۰۔ اردو بازار ○ لاہور (پاکستان)

کتاب ——— اشعۃ اللمعات اردو جلد دوم

تصنیف منیف ——— شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تقدیم و حواشی ——— مولانا محمد سعید احمد نقشبندی خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

کتابت ——— حاجی محمد داؤد حضرت کیلیانوالہ شریف

پروف ریڈنگ ——— مولانا محمد سعید احمد نقشبندی

ناشر ——— فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

سال اشاعت ——— رجب ۱۴۰۳ھ / مئی ۱۹۸۳ء

تعداد ——— ایک ہزار

مطبع ——— عالمین پرنٹرز بالمقابل ریٹی گن روڈ ہجویری پارک لاہور

قیمت ——— ۱۰۰ روپے

★

گفتنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ فارسی مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کی کتاب الصلوٰۃ تا آخر کتاب الجنائز کا اردو ترجمہ ۹ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو اختتام پذیر ہوا تھا، ناشر کتاب جناب سید اعجاز احمد شاہ صاحب مالک فرید بک سٹال اردو بازار لاہور چونکہ ساتھ ساتھ اس کی کتابت بھی کروا رہے تھے، اس لئے اس حصے کی کتابت بھی جلد ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور اواخر نومبر ۱۹۸۲ء میں جناب شاہ صاحب موصوف ۳۰×۲۰ سائز کے ۹۳۲ صفحات پر پھیلا ہوا مکمل کتابت شدہ مسودہ تصحیح اور نظرِ ثانی کی غرض سے لے کر تشریف لائے۔ نظرِ ثانی اور پروف ریڈنگ کا یہ کام درحقیقت تین حصوں پر مشتمل تھا (۱) ۹۳۲ صفحات کی مکمل مفصل فہرست کی ترتیب و تدوین (۲) احادیثِ مشکوٰۃ کے عربی متن کی تصحیح اور نظرِ ثانی (۳) اردو ترجمے اور شرح کی اغلاط کی درستی۔

نظرِ ثانی کا یہ کام شروع کئے ابھی دس پندرہ دن ہوئے تھے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ۹۳۸ ویں سالانہ عرس مبارک کی تیاری سے متعلق مصروفیات کی بنا پر یہ کام رک گیا۔ یہ عرس مبارک ۵، ۶، ۷ دسمبر ۱۹۸۲ء کو منعقد ہو رہا تھا، وسط دسمبر تک فرصت نہ مل سکی، اس کے بعد اس مبارک کام میں زیادہ وقت لگانا شروع کیا کیونکہ ناشر کتاب جناب شاہ صاحب موصوف بہت پریشان تھے کہ ترجمہ کی اس دوسری جلد کے بازار میں آنے کو مسلسل تاخیر ہو رہی تھی۔ ناسازیٔ طبیعت اور مصروفیات کے باوجود نظرِ ثانی کا یہ کام پورے انہماک سے جاری تھا کہ اچانک ۲۱ جنوری ۱۹۸۳ء بروز جمعۃ المبارک ساڑھے گیارہ بجے دن ذیابیطس کا اچانک شدید حملہ ہوا، بلڈ پریشر خطرناک حد تک گر گیا اور میں گہری غشی میں ڈوب گیا، بیہوشی کی یہ حالت کم و بیش گھنٹے مسلسل رہی۔ اس دوران مجھے میو ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں لے جایا گیا جہاں جناب پروفیسر ڈاکٹر مختار احمد چشتی، ڈاکٹر خرم منظور چوہدری، جناب ڈاکٹر مطیع الرحمٰن اور ڈاکٹر احسان صاحب وغیرہم کی انتھک کوشش اور توجہ سے طبیعت سنبھل گئی اور راقم سترہ دن ہسپتال میں صاحبِ فراش رہنے کے بعد گھر واپس آیا ——— میں ان ڈاکٹر صاحبان اور ان سب حضرات کا تہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے کسی بھی شکل میں میری مدد کی، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ گھر آکر میں نے ضعف و نقاہت کے باوجود ۱۱ فروری ۱۹۸۳ء جمعہ کے دن اس کام کو مکمل کر لیا، والحمدللہ علی ذالک۔ میں نے پوری توجہ سے نظرِ ثانی اور درستی کی ہے، اس کے باوجود غلطیوں کا رہ جانا عین ممکن ہے، مزید احتیاط کیلئے شاہ صاحب کسی اور صاحب سے بھی نظرِ ثانی کروا رہے ہیں۔ احباب سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اردو ترجمہ کی باقی چار جلدوں کی تکمیل کی بھی توفیق عطا کرے، میری اس حقیر کوشش کو شرفِ قبولیت سے نوازے نیز میرے لئے اسے ذخیرۂ آخرت اور نفع عام کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین

العبد الضعیف

محمد سعید احمد نقشبندی مجددی غفرلہٗ   درگاہِ عالیہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور پاکستان، ۱۴ فروری ۱۹۸۳ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

کِتَابُ الصَّلٰوۃِ

نماز کا بیان

لغت میں صلوۃ کا معنی دعا، رحمت اور استغفار کا آتا ہے۔ نماز کو صلوۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں یہ سب معانی موجود ہیں۔ لفظ صلی کا معنی ہے آگ پر گوشت بھوننا۔ تصلیہ کا معنی ہے گوشت کو آگ میں جلانا۔ اور لفظ صلی کا معنی لکڑی گرم کرنا اور اسے آگ سے گرم کرکے سیدھا کرنے کا بھی آتا ہے۔ یہ معانی بھی حقیقتِ نماز کے مناسب ہیں۔ نماز گویا نمازی کو آتشِ مجاہدہ میں پگھلاتی اس کے گناہوں کو جلاتی اور اس کے نفس و طبیعت کی کجی کو درست اور سیدھا کرتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

۵۱۸ — عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلصَّلٰوتُ الْخَمْسُ وَ الْجُمُعَۃُ اِلَی الْجُمُعَۃِ وَ رَمَضَانُ اِلٰی رَمَضَانَ مُکَفِّرَاتٌ لِّمَا بَیْنَھُنَّ اِذَا اجْتُنِبَتِ الْکَبَائِرُ۔

(رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچوں وقت کی نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک ان کے درمیان کے گناہوں کو مٹانے والی ہیں جب کہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔

ؔ۱ یعنی یہ نیک کام درمیانی عرصہ میں واقع ہونے والے گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں اور ان کو چھپا دیتے اور مٹا دیتے ہیں۔

ؔ۲ کہ کبیرہ گناہ تو ان نیکیوں سے چھپتے ہیں نہ معاف ہوتے ہیں بلکہ ان کے لیے توبہ درکار ہے ہاں صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں جب کہ ان سے حق العباد متعلق نہ ہو۔ علماء کرام نے فرمایا ہے ان نیکیوں پر استقامت اور بار بار دہرانے سے صغیرہ گناہوں کی بخشش کے بعد کبیرہ گناہوں میں بھی تخفیف ہو جاتی ہے۔ اور اگر بندہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بالکل

عفو فرما کر پاک ہو تو نیکیاں اس کے لیے بلندیٔ درجات کا موجب بن جاتی ہیں۔

سوال:۔ اگر یومیہ نمازوں کی برکت سے تمام صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو جمعہ کی نماز کے لیے پیچھے کیا رہ جاتا ہے اور اگر جمعہ کی نماز سے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں تو پھر رمضان شریف کے روزے کون سے گناہوں کی مغفرت کا موجب بنتے ہیں۔

جواب:۔ مراد یہ ہے کہ یہ سب نیک اعمال گناہوں کو مٹاتے اور صلاحیت رکھتے ہیں کہ اگر ایک سے گناہ معاف نہ ہوں تو دوسرے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص سے نماز ادا کرنے میں کوتاہی واقع ہو جاتی ہے (کہ وہ رکوع سجود وغیرہ میں درستی اور تعدیل کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ مترجم) تو جمعہ کی نماز عفو کا ذریعہ بن جائے گی۔ اور اگر جمعہ کی نماز یا جمعہ اور پنج وقتہ نمازوں میں کوتاہی سرزد ہو جاتی ہے تو رمضان کے روزے بخشش کا موجب بن جائیں گے۔ اور اگر یہ مذکورہ سب نیکیاں یک وقت جمع ہو جائیں تو ان کا مجموعہ گناہوں کو مٹا دیتا اور زیادہ عفو و مغفرت اور بندے کے باطن اور قلب کے تزکیے اور روشنی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جس طرح اگر بہت سے چراغ روشن کیے جائیں تو ان میں سے ہر ایک مکان کی روشنی کے لیے کفایت کرتا ہے۔

۵۱۹/۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهَرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالُوْا لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالَ فَذٰلِكَ مِثْلُ الصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر پانی کی نہر بہتی ہو وہ اس میں ہر دن پانچ دفعہ نہاتا ہو کیا اس کے جسم پہ میل کچیل باقی رہے گی؟ صحابہ کرام نے عرض کیا اس کے بدن پر میل کچیل بالکل نہ رہے گی۔ فرمایا یہ پنج وقتہ نمازوں کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (متفق علیہ)

نیکیاں صغیرہ گناہوں کو ۔۔۔

۵۲۰/۳ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اَنَّ رَجُلًا اَصَابَ مِنِ امْرَاَةٍ قُبْلَةً فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نے غیر محرم عورت کا بوسہ لیا پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے اپنی اس حرکت کی آپ کو خبر دی۔ (ابھی آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا تھا کہ) اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِيْ هٰذَا قَالَ لِجَمِيْعِ اُمَّتِيْ كُلِّهِمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ اُمَّتِيْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نازل فرمائی اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔ قائم کر نماز دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے کچھ حصے میں بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (یہ فضل و مہربانی) صرف میرے لیے ہے؟ فرمایا بلکہ میری ساری[6] امت کے لیے ہے۔ اور ایک روایت میں اس طرح واقع ہے۔ یہ صرف تیرے لیے نہیں بلکہ میری امت میں سے جو بھی اس پر عمل کرے گا۔ (بخاری و مسلم)۔

۱ کہا گیا ہے کہ اس شخص کا نام ابوالیسر ہے نبہان یا اوس بن معلہ کے ساتھ۔ یہ شخص انصار میں سے تھا۔ کھجوریں بیچنے کا کام کرتا تھا۔ ایک عورت اس کے پاس کھجور خریدنے آئی۔ اس شخص میں نفسانی خواہش کا میلان پیدا ہوا۔ عورت سے بولا اچھی اور زیادہ شیریں کھجوریں کمرے کے اندر ہیں۔ اس بہانے عورت کو اندر لے گیا۔ اور آپ سے بوس و کنار کیا۔ عورت نے اس سے کہا خدا تعالیٰ سے ڈر۔ اس پر وہ مرد نادم اور پشیمان ہوا۔

۲ آپ نے اس کی بات سن کر کوئی جواب نہ دیا۔ اور فرمایا دیکھو اللہ تعالیٰ اس بارے میں کیا فرماتا ہے۔ اس کے بعد اس مرد نے نماز ادا کی۔

۳ ہر دو طرف یعنی صبح کی نماز اور سورج ڈھلنے کے بعد کی نمازیں ظہر و عصر کہ سورج ڈھلنے کے بعد دن کا پچھلا حصہ شروع ہو جاتا ہے۔

۴ یعنی نماز ادا کر رات کی ان چند گھڑیوں میں جو دن کے قریب ہیں۔ اس سے مغرب و عشاء کی نماز مراد ہے۔ زُلَف زا کی پیش اور لام کی زبر کے ساتھ زُلفۃ کی جمع ہے۔ بمعنی قرب و نزدیکی [illegible] کی دونوں نمازیں دن کے قریب ہیں۔ زُلَف، ظُلَم جمع ظُلمت کی طرح ہے۔

بعض مفسرین طرفی النہار سے صبح، ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں مراد لیتے ہیں۔ نماز صبح و ظہر ایک طرف کی اور عصر و مغرب دوسری طرف کی۔ اور زُلَفًا من اللیل کو عشاء کی نماز کے لیے مخصوص کرتے ہیں۔

۵ سیئات سے صغیرہ گناہ مراد ہیں۔ جو نماز و روزہ سے مٹ جاتے ہیں۔ مگر بعض فرقے نے اس آیت کو عموم پر حمل کرتے ہوئے کبیرہ گناہوں کو بھی داخل کر لیا ہے۔ مگر جمہور اہل سنت اس پر ہیں کہ یہ آیت صغائر کے ساتھ خاص ہے ان احادیث کی بنا پر جو اس تخصیص پر دلالت کرتی ہیں۔ کذا فی فتح الباری۔

۶ یہ لفظ تاکید میں مبالغہ کے لیے آیا ہے اور بعض روایات میں کلہم کا لفظ نہیں آیا۔

۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْهُ عَلَيَّ قَالَ وَلَمْ يَسْئَلْهُ عَنْهُ وَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَامَ الرَّجُلُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْ فِيَّ كِتَابَ اللّٰهِ قَالَ اَلَيْسَ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَنَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ ذَنْبَكَ اَوْ حَدَّكَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ سے ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جس سے مجھ پر حد جاری ہوتی ہے سلہذا آپ مجھ پر حد قائم کر دیں حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے کوئی بات دریافت نہ کی۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو وہ شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھ سے ایسا فعل واقع ہو گیا ہے جس سے مجھ پر حد جاری ہوتی ہے۔ لہذا آپ مجھ پر وہ حکم جاری کریں جو اللہ کی کتاب میں ہے۔ آپ نے فرمایا تو نے ہمارے ساتھ (یہ) نماز ادا نہیں کی جو اس نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ میں نے آپ کے ساتھ نماز ادا کی ہے۔ آپ نے فرمایا تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تیرا گناہ یا تجھ پر سے حد کو بخش دیا ہے۔[لہ] (بخاری و مسلم)۔

لہ واقع ہو کر حد جاری کرنے کے مطالبہ سے ظاہر آیہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس نے گناہ کبیرہ زنا اور سرقہ وغیرہ کا ارتکاب کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ میرے ساتھ نماز ادا کرنے کی بدولت تیرا وہ گناہ بخش دیا گیا ہے۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ نماز سے کبائر بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس مرد کے خیال میں وہ فعل حد کا متقاضی تھا واقع میں حد کا متقاضی نہ تھا۔ یا حد سے اس کی مراد تعزیر تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سے یہ دریافت نہ کرنے سے کہ اس نے کیا کیا ہے یا کبیرہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مغفرت دونوں قسم کے گناہوں کو شامل ہے۔ الا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرینہ یا وحی سے جان چکے ہوں کہ یہ شخص گناہ صغیرہ کا مرتکب ہوا ہے۔ جو حد کا موجب نہیں اس بنا پر آپ نے اس سے نہ پوچھا ہو۔ اور اسی وجہ سے اس مرد نے نماز کے بعد کے بیان میں کہا کہ مجھ پر اللہ کی کتاب کا حکم جاری کریں وہ حد ہو یا غیر حد ہو۔ اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے وہ مجھ پر قائم کریں۔ کذا قالوا۔

میں (حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہ) خدا تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں شاید کبیرہ گناہ کا معاف ہو جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کی خصوصیت ہو۔ گزشتہ حدیث میں مذکور قصہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ اس مرد نے آپ کے ساتھ نماز ادا کی تھی۔ بلکہ صاحب کشاف نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کہا تھا کہ وضو کرے اور دو رکعت نماز ادا کرے۔ اس کاتب حروف (شیخ عبدالحق قدس سرہ) کے دل میں یہ نکتہ مدینہ مطہرہ میں قیام کے

دوران روضہ شریفہ کی بعض زیارات مبارکہ کے موقعہ پر لقاء ہوا تھا اس لیے امید ہے کہ صبح ہوگا۔ اور اس وقت کی نورانیت کا پرتو ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۵۲۲/۵ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى قَالَ اَلصَّلٰوةُ لِوَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِيْ بِهِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُّهٗ لَزَادَنِيْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب و پسندیدہ عمل کونسا ہے فرمایا وقت پر نماز پڑھنا[1] میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل محبوب ہے فرمایا والدین سے نیک سلوک کرنا[2] میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل محبوب ہے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں یہ سب باتیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان فرمائیں اور اگر میں آپ سے اور باتیں دریافت کرتا تو آپ[3] وہ بھی بتاتے (بخاری و مسلم)

---

[1] کہ وقت مکروہ نہ ہونے پائے۔ بخاری شریف میں علیٰ وقتہا کے الفاظ [illegible] معلومات [illegible] اول وقتہا بھی آیا ہے اور علماء نے کہا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

[2] اور ان کی فرمانبرداری کرنا اور انہیں کسی قسم کی تکلیف و اذیت نہ پہنچانا۔

[3] یعنی اگر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے افضل اعمال اور مطلق مسائل دریافت کرتا تو آپ مجھے وہ بھی بتاتے اس سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی [illegible] اور آپ کی عنایت و التفات کا بیان ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے [illegible] اور آپ [illegible] کا لحاظ رکھتے ہوئے میں نے زیادہ مسائل دریافت نہ کیے۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں [illegible]

واضح ہو کہ افضل اعمال کے بیان میں احادیث مختلف وارد ہوئی ہیں بعض احادیث میں [illegible] لفظ السلام علیکم کو عام کرنا اور رات کو اس وقت نماز پڑھنا جب کہ لوگ سو رہے ہوں [illegible] سب سے افضل عمل ہے۔ یہ بھی آیا ہے کہ سب سے افضل عمل یہ ہے کہ تیرے ہاتھ و زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

اس طرح بھی وارد ہے کہ افضل اعمال وہ جہاد ہے جس میں مالِ غنیمت میں [illegible] نہ کی جائے اور وہ حج ہے جس میں کسی قسم کی معصیت صادر نہ ہو۔ اس طرح بھی آیا ہے کہ افضل اعمال ذکر اللہ ہے اور یوں بھی وارد ہوا ہے کہ افضل اعمال وہ ہے جو پابندی سے دائماً ادا کیا جائے اور اس پر مواظبت کی جائے۔

علماء نے کہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف جواب ارشاد فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ پوچھنے والے مختلف تھے۔ آپ نے ہر شخص کو وہ جواب دیا جو اس کے حال کے لائق و مناسب تھا اور جس کی اسے زیادہ ضرورت اور زیادہ رغبت و

جاہت تھی۔ یا مختلف اوقات میں آپ نے مختلف جواب ارشاد فرمائے۔
چنانچہ جہاد ابتدائے اسلام میں ہی افضل ترین عمل چلا آرہا ہے اور بہت سی نصوص (آیات و احادیث) اس بات کی تائید و حمایت میں وارد ہیں کہ نماز صدقہ سے افضل ہے۔ اس کے باوجود محتاج و مسکین کی شدت مسکنت و مجبوری کے وقت اس کی مدد کرنا اور صدقہ کرنا نماز سے افضل ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ مختلف اعمال مختلف وجوہات اور حیثیتوں کے تحت افضل قرار پاتے ہیں۔ ہر عمل حیثیت و مقام کے مطابق دوسرے سے افضل ہو جاتا ہے۔ اعمال کی افضلیت و خیریت کے باب میں ہمارا یہ کلام اصل عظیم کی حیثیت رکھتا ہے۔ بخوبی ذہن نشین کر لو۔

۵۲۳ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے اور کفر کے درمیان حدِ فاصل یہی ترکِ نماز ہے۔ (مسلم)۔

ف کہ نماز بندے کو روکتی اور اس بات سے دور رکھتی ہے کہ وہ کفر تک پہنچے۔ جب نماز کی یہ رکاوٹ اور حدِ فاصل درمیان سے اٹھ گئی تو یہ رکاوٹ ہٹ گئی اور بندہ کفر تک پہنچ گیا۔ جس طرح دیوار جو دو آدمیوں کے درمیان حائل ہو کر ایک کو دوسرے کے پاس نہ جانے دے۔ جب درمیان سے دیوار اٹھ گئی رکاوٹ ختم ہو گئی اور یہ آدمی اُس کے ساتھ مل گیا۔ علماء نے اس عبارت کی یہی توجیہ و تقریر کی ہے۔ اس عبارت کی اور بھی توجیہات ہیں جو شرح (عربی) میں مذکور ہیں۔ اس میں غور کرو۔

دراصل یہ ترکِ نماز پر سخت قسم کی زجر و ڈانٹ ہے۔ اور اس جانب اشارہ ہے کہ تارک نماز قریب ہے کہ کافر ہو جائے۔ اور تارکِ نماز، اصحابِ ظواہر کے نزدیک کافر ہے۔ بعض صحابہ کرام سے بھی ایسی روایات مروی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ تارکِ نماز کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔
بعض علماء کے نزدیک کہ امام شافعی اور امام مالک بھی ان میں سے ہیں تارکِ نماز اگرچہ کافر نہیں ہوتا مگر واجب القتل ہو جاتا ہے۔ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تارکِ نماز جب تک نماز ادا کرنے کا پابند نہ بنے مارا جائے گا اور حبس اور قید میں رکھا جائے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۵۲۴ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوٰتٍ اِفْتَرَضَھُنَّ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَھُنَّ وَصَلَّاھُنَّ لِوَقْتِھِنَّ وَاَتَمَّ رُکُوْعَھُنَّ وَخُشُوْعَھُنَّ کَانَ لَہٗ عَلَی اللّٰہِ عَھْدٌ اَنْ یَّغْفِرَلَہٗ وَمَنْ لَّمْ یَفْعَلْ فَلَیْسَ لَہٗ عَلَی اللّٰہِ عَھْدٌ اِنْ شَآءَ غَفَرَلَہٗ وَاِنْ شَآءَ عَذَّبَہٗ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَرَوٰی مَالِکٌ وَالنَّسَآئِیُّ نَحْوَہٗ۔

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ نمازیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے، جس نے ان کے لیے اچھا وضو کیا اور انہیں ان کے صحیح وقت میں ادا کیا اور ان کا رکوع وخشوع مکمل کیا۔ ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بخش دے گا۔ اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد اور ذمہ نہیں۔ چاہے اسے بخشے چاہے عذاب میں ڈالے۔ اسے احمد و ابوداؤد نے روایت کیا اور امام مالک و نسائی نے اس کی مثل روایت کیا۔

۱؎ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ۔ عبادہ عین کی پیش اور با غیر مشدد کے ساتھ، آپ مشاہیر اور کبار صحابہ کرام میں سے ہیں۔ آپ کے حالات متعدد جگہوں میں بیان ہو چکے ہیں۔

۲؎ یعنی وضو کے آداب و سنتوں کا خیال رکھا۔

۳؎ یعنی تمام و کامل طور سے اس کے احکام و ارکان بجا لائے۔ خصوصاً رکوع و سجود کو جن میں تنگی و فروگزاشت کا معنیٰ بیشتر پایا جاتا ہے۔ اور اکثر لوگ ان کی درست ادائیگی میں سستی سے کام لیتے ہیں۔

۴؎ یعنی اس کے لیے خدا تعالیٰ کی ذمہ داری ہے کہ اسے بخشے ضروری ہے کہ ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ بخشش ہے۔ اور جب کہ اس کا وعدہ سچا ہے کہ اس میں خلاف کا امکان و جواز نہیں تو اس وعدہ کو عہد سے تعبیر فرمایا گویا کہ اپنے ذمے کرے اور اس کی حفاظت و نگہداشت کرے۔

۵؎ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ تارک نماز کافر نہیں جیسے تمام مرتکب کبیرہ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور نہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے۔

۵۲۵/۸ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا خَمْسَکُمْ وَصُوْمُوْا شَھْرَکُمْ وَاَدُّوْا زَکٰوۃَ اَمْوَالِکُمْ وَاَطِیْعُوْا ذَا اَمْرِکُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّۃَ رَبِّکُمْ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے [illegible] فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی پانچ نمازیں پڑھو اور اپنے مہینہ رمضان کے روزے رکھو اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے اولی الامر کی فرمانبرداری کرو اور بجالاؤ، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ (احمد و ترمذی)۔

۱؎ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ قبیلہ باہلہ سے ہیں۔ آپ کا شمار مشاہیر صحابہ میں ہوتا ہے۔

۲؎ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان احکام کے بیان کے وقت ابھی حج فرض نہ ہوا تھا اس لیے اس کا ذکر

نہ فرمایا ہو۔

۱۰ ذی اَمر یعنی حاکم و تسعد کہ وہ خدا تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے جب کہ خدا اور رسول کے فرامین کے خلاف حکم نہ دے۔

۵۲۹ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَكَذَا رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وَفِي الْمَصَابِيْحِ عَنْ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ۔

حضرت عمرو بن شعیب[۱] سے وہ اپنے باپ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے اور فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب کہ وہ سات سال[۲] کے ہو جائیں اور انہیں نماز کے لیے مارو[۳] جب کہ وہ دس برس کے ہو جائیں۔ اور بستروں میں انہیں الگ لٹاؤ[۴]۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ اسی طرح شرح سنہ[۵] میں اسے حضرت عمرو بن شعیب سے روایت کیا۔ اور مصابیح میں حضرت سبرہ[۶] بن معبد[۷] سے روایت کیا۔

۱ اس اسناد کی کیفیت وحال بہت سی جگہوں میں لکھا جا چکا ہے۔

۲ تاکہ انہیں نماز پڑھنے کی عادت پڑے۔

۳ تاکید اور زور دینے کی غرض سے۔

۴ اسی طرح کہ بہن اور بھائی ایک بستر میں نہ سوئیں۔ یہ بھی احتیاط اور مواضع تہمت سے پرہیز کے لیے ہے۔ بچہ جب سات سال کا ہو جاتا ہے تو اس میں ایک معنوی قوت و طاقت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے اور وہ ایک دوسری حالت میں ہو جاتا ہے جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ تو مناسب ہوا کہ اسے نماز کا حکم دیا جائے۔ کہ وہ سات برس اور گزرنے پر حد بلوغت کو پہنچ جائے گا۔ اور جب کہ وہ عمر کے نصف حصے کو پہنچتا ہے۔ تو اس قابل ہو جاتا ہے کہ اسے نماز کی تاکید کی جائے۔ اور زور دیا جائے۔ یہی حکم دیا کہ جب دس سال کی عمر کو پہنچے اور نماز میں نرمی برتے تو اسے مار کر نماز پڑھاؤ۔ اور اسلامی آداب کی تلقین کرو۔ اسی لیے یہی فرمایا کہ اس عمر میں پہنچ کر بہن بھائیوں کو الگ الگ بستروں میں سلایا جائے۔ کہ یہ حد بلوغ کو پہنچے۔ اور شہوتِ نفس پیدا ہونے کا وقت اور فتنہ میں مبتلا ہونے کا امکان ہے۔

۵ محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے۔

۶ سبرہ سین کے زبر اور با کی جزم کے ساتھ۔

۷ میم اور با کے زبر کے ساتھ۔ آپ صحابی ہیں۔ مدینہ منورہ میں ہی قیام رہا۔ ان سے انیس احادیث مروی ہیں۔

٥٢٧/١٠ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلٰوةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ۔
رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت بریدہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے اور منافقین کے درمیان عہد و امان[2] نماز ہے جس نے نماز ترک کی اس کا کفر[3] ظاہر ہو گیا۔
(احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

۱ بُریدہ باکی پیش اور راکی زبر کے ساتھ۔ آپ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ آپ کے حالات متعدد جگہ لکھ دیے گئے ہیں۔

۲ یعنی وہ عہد و امان جو ہمارے اور منافقین کے درمیان ہے، حائل ہے۔ اور ہم منافقین کو جو قتل نہیں کرتے۔ اور ان پر اسلامی احکام جاری کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ظاہری احکام کی اطاعت میں مسلمانوں سے مشابہ ہیں۔ اس بارے میں عمدہ ترین چیز نماز ہے۔ یہ لوگ نماز میں حاضر ہوتے اور جماعت کی پابندی کرتے ہیں۔

۳ تو ان منافقین میں سے جس نے نماز ترک کر دی اس کا کفر ظاہر ہو گیا۔ اور وہ دائرۂ اسلام سے باہر نکل آیا۔ ایسے شخص پر اسلامی احکام جاری نہ ہوں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حکم منافقین کے ساتھ خاص نہ ہو بلکہ ہم کی ضمیر تمام امت اجابت کی طرف لوٹتی ہو۔ یہ آخری احتمال لفظ فقد کفر کے زیادہ مناسب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

٥٢٨/١١ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ عَالَجْتُ امْرَاَةً فِيْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَاِنِّيْ اَصَبْتُ مِنْهَا مَا دُوْنَ اَنْ اَمَسَّهَا فَاَنَا هٰذَا فَاقْضِ فِيَّ مَا شِئْتَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ لَقَدْ سَتَرَكَ اللّٰهُ لَوْ سَتَرْتَ عَلٰى نَفْسِكَ قَالَ وَلَمْ يَرُدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا وَقَامَ الرَّجُلُ فَانْطَلَقَ فَاَتْبَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَدَعَاهُ وَتَلَا عَلَيْهِ هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے آکر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
[illegible]
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا اللہ [illegible] پردہ پوشی کی تھی اگر تو بھی اپنے اوپر پردہ ڈالتا [illegible] ہوتا۔
حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کی بات سن کر کوئی جواب نہ دیا۔ اور وہ آدمی کھڑا ہو کر

طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذَّاكِرِیْنَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ هٰذَا لَهٗ خَاصَّةً فَقَالَ بَلْ لِّلنَّاسِ كَافَّةً۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

چلا پڑا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیچھے ایک آدمی روانہ کیا۔ آپ نے اسے بلا اور یہ آیت اس کے سامنے تلاوت فرمائی۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ۔ قائم کر نماز دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے قریبی حصے میں۔ بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ (ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ۔ یہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔ یہ آیت کا تتمہ ہے جو حدیث میں مذکور نہیں ہے اشعۃ اللمعات) تو لوگوں میں سے ایک شخص[۱] نے کہا اے اللہ کے نبی یہ حکم صرف اس شخص کے لیے ہے۔ فرمایا اس شخص کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لیے ہے۔ (مسلم شریف)

---

[۱] یہ شخص وہی حضرت ابوالیسر ہیں جن کا قصہ گزشتہ حدیث میں ذکر ہوا۔ یا کوئی دوسرا شخص ہے جیسا کہ دونوں کے اختلاف و مغائرت سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

[۲] یعنی میں نے ایک عورت کے جسم کو ہاتھ لگایا ہے اس سے دل لگی کی ہے اور میں نے شہر مدینہ کے باہر ایک جانب میں سے پکڑا ہے۔

[۳] اور میں نے جماع کے علاوہ ہر حرکت اس سے کی ہے۔ یعنی بوس و کنار وغیرہ۔

[۴] اور اللہ تعالیٰ نے اسے ظاہر نہیں کیا۔

[۵] اور حکم بھی یہی ہے کہ پوشیدہ گناہ کی توبہ بھی پوشیدہ ہی کرلی جائے۔ کہ پوشیدہ گناہ کی تشہیر کرنا شریعت پاک میں عزت درست کی بے دھی ہے۔

[۶] یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات کی تردید نہ فرمائی۔

[۷] بعض کہتے ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تھے۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ یَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَیُصَلِّی الصَّلٰوةَ یُرِیْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ فَتَهَافَتُ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم موسم سرما میں باہر تشریف لے گئے جب کہ درختوں کے پتے گر رہے تھے۔ آپ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑیں۔ حضرت ابوذر فرماتے ہیں۔ درخت کے پتے گرنے لگے حضرت ابوذر فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے

وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِیُّ وَالْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ ۔

سے اُسے ادا نہ کیا) تو نماز اس کے لیے نور، دلیل و حجت اور نجات نہ بنے گی اور وہ شخص قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور امیہ بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ احمد، دارمی اور بیہقی فی شعب الایمان۔

۱؎ یعنی نماز کی فضیلت و شان بیان فرمائی۔

۲؎ مطلب یہ ہے کہ وہ ان کفار کے ساتھ دوزخ میں جائے گا۔ اس میں اُس پر اظہار شدت و سختی ہے۔ اگرچہ یہ کفار ہمیشہ دوزخ میں اور اس تارک نماز سے بدتر جگہ میں ہوں گے۔ امیہ بن خلف۔ خلف لام کی زبر کے ساتھ۔ یہ اشقیاءِ قریش میں سے وہ بدبخت ہے جسے جنگ احد کے دن حضور علیہ السلام نے خود اپنے دست اقدس کے ساتھ واصل جہنم کیا۔ اسے امت کا بدبخت ترین شخص بھی کہتے ہیں۔

۵۴۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِّنَ الْاَعْمَالِ تَرْكُهٗ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلٰوةِ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ[۱] سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نماز کے سوا باقی اعمال میں سے کسی عمل کے ترک کو کفر قرار نہ دیتے تھے۔ (ترمذی شریف)

۱؎ حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ ثقہ تابعین اور ان کے اکابر آئمہ میں سے ہیں۔ آپ کو حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عثمان اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے سماع حاصل ہے۔ ۱۰۸ھ میں فوت ہوئے۔

۵۴۶ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِيْلِیْ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّاِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلٰوةً مَّكْتُوْبَةً مُّتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے میرے جانی دوست (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اور کافر نہ بن جانا اگرچہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں۔ اور تجھے جلا دیا جائے[۱]۔ اور جان بوجھ کر فرض نماز ترک نہ کرنا کہ جو آدمی فرض نماز دانستہ ترک کرتا ہے[۲] اس سے ذمہ اٹھ جاتا ہے۔ اور شراب نوشی نہ کرنا کہ وہ ہر شر و بدی کی چابی ہے۔ (ابن ماجہ)

۱؎ یہ عزیمت پر عمل کرنے کی وصیت و تاکید ہے۔ قُطِّعْتَ طا کی شد اور بغیر شد کے دونوں طرح مروی ہے۔ اور

تحرقت صرف شدّ کے ساتھ مروی ہے۔

سلہ ہاں اگر نیند یا بھول جانے کی وجہ سے نماز نہ پڑھی تو یہ امر دیگر ہے۔

سلہ کیونکہ بدی سے مانع اور رکاوٹ عقل ہے۔ اور جب عقل زائل ہو گئی تو ہر بدی کا دروازہ کھل گیا۔ اسی بنا پر شراب کو ام الخبائث کہتے ہیں۔

عہ یعنی اس سے مسلمانی کا عہد اٹھ جاتا اور وہ دائرہ اسلام سے باہر نکل جاتا ہے۔

بَابُ الْمَوَاقِيْتِ

اَوقاتِ نماز کا باب

مواقیت میقات بمعنی وقت کی جمع ہے۔ وقت اس زمانے کو کہتے ہیں جو کسی کام کے لیے مقرر کیا گیا ہو۔ نماز کے اوقات خمسہ کی تعیین و اندازہ شارع علیہ السلام کے حکم سے ہے۔ اس بارے میں عقل کی کوئی مستقل حیثیت نہیں۔ تاہم کچھ مناسب معانی اور حکمتیں دریافت ہو سکتی ہیں۔ مثلاً آدم زاد (انسان) رات کو جب نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور نیند کے ذریعے حاصل ہونے والے امن و امان اور عافیت کی نعمت کے شکرانہ سے نیند طاری ہونے کے باعث غافل اور اس کی تحصیل معاش کے اسباب معطل ہو جاتے ہیں۔ اور وہ نیند کی وجہ سے میت کی طرح بے حس و حرکت ہو جاتا ہے۔ پھر طلوع صبح سے اسے حیاتِ نو نصیب ہوتی اور وہ زندگی کے اسباب اور کام کاج کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ تو ان نعمتوں کے شکرانہ اور گزشتہ تقصیرات کی تلافی کے لیے فجر کی نماز اس کے ذمے لگائی گئی۔ پھر جب معیشت و روزگار کے اسباب و ذرائع حاصل ہو گئے۔ اور مولائے قدوس کے فضل و نعمتوں یعنی کھانے پینے وغیرہ کی چیزوں سے سرفراز ہوا تو اس کے شکرانہ کے لیے اس پیشینی (ظہر) کی نماز فرض کی گئی۔ اور چونکہ انسان کی عادت ہے کہ وہ دوپہر کو سوتا اور آرام کرتا ہے۔ اور فراغت پا کے تو ان تقصیرات و غفلت کے لیے نماز عصر لازم کی گئی۔ اور چونکہ نمازِ عصر کے بعد [illegible] کام کاج میں مصروف ہوتا ہے جیسا کہ مروج و متعارف ہے اس بنا پر نمازِ مغرب [illegible] رات کا کھانا کھانے اور نیند کرنے کا عادی ہے اس لیے دن کی نعمتوں کی تکمیل اور اچھے خاتمہ کے لیے نمازِ عشاء مقرر کی گئی تاکہ ایمان پر موت واقع ہونے کی طرح ہو جائے۔ الغرض تمام عبادات نعمتوں کے شکرانہ کے طور پر فرض کی گئی ہیں۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں دن رات کی گھڑیوں میں مسلسل، لگاتار اور ہر آن نازل ہو رہی ہیں تو چاہیے کہ بندہ ایک گھڑی کے لیے بھی اس کی عبادت سے فارغ اور غافل نہ ہو مگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت کے تقاضا سے عبادت کو پانچ عمدہ اوقات میں تقسیم اور منحصر کر دیا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یادِ حق سے غفلت اور اس میں کوتاہی سراسر کفرانِ نعمت ہے۔

مثنوی

ہر آں کو غافل از حق یک زمان است — دراں دم کافر است اما نہاں ست
اگر آں غفلتش پیوستہ بودے — درِ اسلام بروے بستہ بودے

ترجمہ۔ جو شخص ایک گھڑی کے لیے بھی خدا کی یاد سے غافل ہوتا ہے۔ وہ اس گھڑی میں کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی یہ برائی لوگوں سے پوشیدہ ہے۔

اگر بندے کی یہ غفلت مسلسل جاری رہتی تو اسلام کا دروازہ اس پہ بند ہو جاتا نعوذ باللہ من الکفر و الکفران۔ (ہم کفر و ناشکری سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں)۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۳۳۔ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقْتُ الظُّھْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَ کَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ کَطُوْلِہٖ مَا لَمْ یَحْضُرِ الْعَصْرُ وَ وَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَ وَقْتُ صَلٰوۃِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ یَغِبِ الشَّفَقُ وَ وَقْتُ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ اِلٰی نِصْفِ اللَّیْلِ الْاَوْسَطِ وَ وَقْتُ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاَمْسِکْ عَنِ الصَّلٰوۃِ فَاِنَّھَا تَطْلُعُ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطَانِ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سورج ڈھلنا[1] شروع ہو جائے تو نمازِ ظہر کے وقت کی ابتدا ہو جاتی ہے اور انسان کا سایہ اس کے جسم کی لمبائی[2] جتنا ہو جائے۔ ظہر کا یہ وقت عصر کا وقت[3] داخل ہونے تک رہتا ہے۔ اور عصر کا وقت دھوپ کا رنگ زرد[4] ہونے تک رہتا ہے۔ اور نمازِ مغرب کا وقت شفق[5] غائب ہونے تک رہتا ہے۔ اور نمازِ عشاء کا وقت شفق غائب ہونے سے نصف شب یعنی رات کے درمیانی[6] حصہ تک ہے۔ اور نمازِ صبح کا وقت طلوع فجر سے سورج کے طلوع[7] ہونے تک ہے۔ جب سورج طلوع ہونا شروع ہو جائے تو نماز سے رک جاؤ کہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان[8] طلوع[9] ہوتا ہے۔ (مسلم شریف)

[1] اوقات نماز کے بیان کی ابتداء وقت ظہر کے بیان سے اس وجہ سے کی کہ یہ سب سے پہلی نماز ہے جو با جماعت ادا کی گئی جب حضرت جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اوقات نماز کی تعلیم کے لیے حاضر ہوئے۔ جیسا کہ دوسری فصل میں آرہا ہے۔ اسی وجہ سے ظہر کو صلوٰۃ اولیٰ یعنی نمازِ پیشین (پہلی) نماز کہتے ہیں۔ اس نماز کا وقت سورج کے

درمیانِ آسمان سے جانب مغرب ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے۔ سورج ڈھلنے کے وقت کو وقت زوال بھی کہتے ہیں۔ یہ اس کا اول وقت ہے اس کا آخر وقت وکان الرجل کطولہ میں بیان فرمایا۔

۵۲ وکان الرجل کطولہ۔ یعنی انسان کا سایہ وقتِ زوال کا سایہ نکال کر اس کے جسم کی مقدار لمبا ہو جائے کہ ہر چیز کا سایہ اکثر ایسے علاقوں میں کہ سورج سر کی سمت نہیں پڑتا، وقت زوال تک سایہ کے علاوہ ایک مقدار رکھتا ہے۔ اس سایہ کے درازی میں انسان کے جسم جتنا ہونے تک ظہر کا وقت رہتا ہے۔

۵۳ مالم یحضر العصر۔ یعنی جب تک کہ عصر نہ آئے۔ اور ہر شے کا سایہ ایک مثل ہونے تک ابھی عصر کا وقت شروع نہ ہوا ہو اس کلام سے مقصود وقت ظہر کی تقریر و تاکید ہے۔ اور اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ ظہر و عصر کے درمیان کوئی وقت مشترک نہیں۔ جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ بات منسوب ہے۔ اور عربی شرح میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے تو اس حد تک سایہ پہنچنے تک ظہر کا وقت رہتا ہے۔ اور یہیں سے عصر کے وقت کی ابتدا ہوتی ہے۔

۵۴ یعنی نماز دیگر کے وقت کی ابتداء انسان کا سایہ ایک مثل ہو جانے سے ہوتی ہے۔ اور دھوپ کے زرد ہونے تک اس کا وقت رہتا ہے۔ یہ اس کا مختار و مستحب وقت ہے۔ جس میں کراہت نہیں۔ اور اس کا وقت جواز غروب آفتاب تک ہے۔ سورج کی زردی سے بعض کے نزدیک سورج کی ٹکیا کی زردی مراد ہے جب کہ آنکھ اس کی ٹکیا کو دیکھنے سے نہیں چندھیاتی۔ بعض کے نزدیک سورج کی شعاع جو دیواروں پر پڑتی ہے اس کی زردی مراد ہے۔ جیسا کہ ابھی اس کا ذکر آئے گا۔

واضح ہو کہ حضرات ائمہ ثلاثہ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ ظہر کا آخر وقت انسان کا سایہ ایک مثل ہونے تک ہے۔ اس کے بعد نماز عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ یہ مذہب [illegible] ایک روایت کے مطابق حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی [illegible] ہے۔ [illegible] مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وقت ظہر دو مثل [illegible] تک ہے۔ [illegible] کی دلیل ہدایہ میں مذکور یہ حدیث ہے کہ ابردوا بالظہر کہ ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو [illegible] شے کا سایہ ایک مثل ہونے پر ہوتا ہے۔ پس ان دونوں حدیثوں [illegible] سے ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا۔ اس مسئلے کے مزید دلائل شرح میں ذکر کر دیے گئے ہیں۔ [illegible] پسندیدہ بات یہ ہے کہ ظہر کی نماز مثل اول میں ہی ادا کر لی جائے۔ اور عصر کی نماز دو مثل ہونے سے پہلے ادا نہ کی جائے واللہ اعلم۔

۵۵ اور مغرب کا وقت شفق کے غائب ہونے تک ہے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک شفق اس سرخی کا نام ہے جو سورج کے غروب ہونے کے بعد نمودار ہوتی ہے۔ عام اہل لغت بھی شفق کا یہی معنی کرتے ہیں۔ مگر حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ

اور ایک گروہ علماء کے نزدیک شفق اس سفیدی کا نام ہے جو سرخی کے غائب ہونے کے بعد نمودار ہوتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی شفق سرخی ہی کو کہتے ہیں۔ جانبین کے دلائل عربی شرح میں ذکر کر دیے گئے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سفر میں سرخی کا اعتبار اور حضر (گھر میں) سفیدی کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہ انہوں نے دونوں حالتوں (سفر و حضر) کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف احادیث کو آپس میں مطابقت دینے کے لیے کیا ہے۔ کیونکہ حضر میں کبھی حمرت (سرخی) نمودار تو ہوتی ہے مگر اسے دیواریں چھپا لیتی ہیں۔ اور لوگ گمان کرتے ہیں کہ سرخی زائل ہو گئی (مغرب کا وقت جاتا رہا) مگر اس کے بعد جب سفیدی بھی غائب ہوتی ہے تو یقین ہو جاتا ہے کہ سرخی غائب ہو گئی ہے۔ اس بیان کے مطابق امام احمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی شفق سرخی ہی کا نام ہے۔ تاہم انہوں نے سفیدی کا لحاظ سرخی غائب ہونے کے یقین کے لیے کیا ہے۔ مختصر یہ کہ مغرب کے وقت میں احتیاط یہ ہے کہ سرخی کا اعتبار کیا جائے۔ اور عشاء کا وقت شروع ہونے میں سفیدی کا اعتبار کیا جائے۔ تاکہ مغرب و عشاء دونوں یقین کے ساتھ اپنے اپنے وقت میں ادا ہوں۔ جیسا کہ ظہر و عصر کے وقت میں گزرا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول جدید میں مغرب کا وقت صرف اتنا ہے جس میں وضو، اذان، اقامت اور پانچ رکعت نماز ادا ہو سکے۔ امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ جو امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مذہب کے آئمہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ مذکورہ وقت کے علاوہ شدت بھوک کی وجہ سے چند لقمے کھا لینے کا مزید وقت بھی شامل کر لیا جائے تو یہ درست ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے دونوں دن مغرب کی نماز ایک ہی وقت میں پڑھائی تھی۔ اگر مغرب کی نماز کا وقت بھی وسیع اور لمبا ہوتا تو دوسری نمازوں کے اوقات کی طرح اس کا اشارہ بھی کرتے۔ تاہم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے قول قدیم کے مطابق دوسرے آئمہ کے موافق ہیں۔ شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قول قدیم کی موافقت میں احادیث صحیحہ صراحۃً وارد ہیں۔ اور قول قدیم کو ہی بہت سے شافعی المسلک آئمہ خطابی، بیہقی اور امام غزالی رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے۔ بعض شافعی حضرات وہ بھی ہیں جنہوں نے قول جدید کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

سلے نماز عشاء کا وقت شفق غائب ہونے کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ اور نصف شب (درمیانہ حصہ رات) تک رہتا ہے۔ یعنی پہلا حصہ نصف شب تک رہتا ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ معتدل رات کے نصف تک رہتا ہے۔ یعنی اس رات کے نصف حصہ تک جو نہ لمبی ہوتی ہے نہ دراز۔ مگر قول اول ظاہر تر ہے۔ معتدل رات کا نصف چھ گھنٹے گزرنے پر ہوتا ہے۔ اس کی رو سے چھ گھنٹے تاخیر کرنی چاہیئے۔ اور یہ وقت سب سے چھوٹی رات کے دو ثلث (دو تہائی) کے برابر ہوتا ہے۔ اور دراز ترین رات کا ایک ثلث (ایک تہائی) وقت بنتا ہے۔ اور اس کا عکس اولی اور انسب ہے۔ (خوب سمجھ لو) بہر صورت یہ حد مختار و پسندیدہ وقت کی حد ہے۔ مگر جائز وقت طلوع فجر سے ذرا پہلے تک باقی رہتا ہے۔

۵۷ نماز صبح کا وقت طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے۔ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا وقت مستحب وقت ہے۔ مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ فجر کے سفید ہونے تک مستحب وقت ہے اس کے بعد طلوع آفتاب تک جائز وقت ہے۔

۵۸ یعنی شیطان کے سر کی دو جانبوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ روایات میں آیا ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو شیطان اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور اپنا سر اس کے نزدیک کر لیتا ہے۔ اسی طرح غروب کے وقت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے سامنے کھڑا ہوتا ہے جو سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ اور کفار کا سجدہ اس کی طرف ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے متعلق خیال کرتا ہے کہ یہ اس کی عبادت ہو رہی ہے۔ اور یہ کہ لوگ اس کی طرف سجدہ کر رہے ہیں۔ اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت میں نماز ادا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ تاکہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کی عبادت اس وقت میں نہ ہو جس وقت شیطان کی عبادت کرنے والے عبادت کرتے ہیں۔ اور تاکہ اہلِ اسلام دینِ خالص کی صفت سے موصوف رہیں۔ علماء نے لفظ قرن کے معنی میں اور بھی وجہیں بیان کی ہیں جو شرح میں مذکور ہیں۔

۵۳۳ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ لَهُ صَلِّ مَعَنَا هٰذَيْنِ يَعْنِي الْيَوْمَيْنِ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الظُّهْرَ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَمَّا أَنْ كَانَ يَوْمُ الثَّانِي أَمَرَهُ فَأَبْرَدَ بِالظُّهْرِ فَأَبْرَدَ بِهَا فَأَنْعَمَ أَنْ يُبْرِدَ بِهَا وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ أَخَّرَهَا فَوْقَ الَّذِي كَانَ وَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ أَنْ يَغِيْبَ الشَّفَقُ وَصَلَّى

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہر نماز کا اول اور آخر وقت کیا ہے۔ آپ نے اسے فرمایا یہ دو دن ہمارے ساتھ نمازیں ادا کر تاکہ تجھے نماز کے اوقات بتا دیں۔ پھر جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا حضرت بلال نے اذان کہی پھر بلال کو حکم دیا تو انہوں نے نماز ظہر کی اقامت کہی پھر انہیں حکم دیا تو انہوں نے نماز عصر کی اقامت کہی جب کہ سورج ابھی بلندی پر تھا اور اس کی دھوپ صاف اور سفید تھی پھر انہیں حکم دیا تو انہوں نے نماز مغرب کی اقامت کہی جب کہ سورج غروب ہو گیا۔ پھر انہیں حکم دیا تو انہوں نے نمازِ عشاء کی اقامت کہی جب کہ شفق غائب ہو گئی۔ پھر اسے حکم دیا تو اس نے نماز فجر کی اقامت کہی۔ جب کہ فجر طلوع ہوئی۔ پھر جب دوسرا دن آیا تو آپ نے

الْعِشَاءَ بَعْدَ مَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ وَصَلَّى الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ بِهَا ثُمَّ قَالَ اَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ الرَّجُلُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَقْتُ صَلٰوتِكُمْ بَيْنَ مَا رَاَيْتُمْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت بلال کو نماز ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم دیا تو حضرت بلال نے ظہر کو ٹھنڈا کیا۔ اور اسے[۳] خوب ٹھنڈے وقت تک لے گئے۔ اور آپ نے عصر کی نماز ادا کی جب کہ ابھی سورج بلند تھا مگر پہلے دن کی نسبت تاخیر[۴] کر کے پڑھی۔ اور مغرب کی نماز شفق[۵] غائب ہونے سے پہلے پڑھی۔ اور عشاء کی نماز رات کا تہائی[۶] حصہ گزرنے کے بعد پڑھی۔ اور فجر کی نماز سفید کر کے پڑھی۔ پھر آپ نے فرمایا نمازوں کا وقت دریافت کرنے والا سائل کہاں ہے۔ سائل نے عرض کیا یا رسول اللہ میں موجود ہوں۔ فرمایا تمہاری نمازوں کا وقت اس کے درمیان[۷] ہے (مسلم شریف)

---

[۱] یعنی ابھی زردی اور تیرگی کی آلائش سے پاک تھا۔ اس حدیث میں سایہ کے ایک مثل یا دو مثل کا کوئی ذکر نہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سورج کی بلندی، اور سفیدی اور فرق و تفاوت دو مثلوں میں بھی باقی رہتا ہے۔

[۲] آپ نے اس روز نمازوں کا اول وقت بتانے کے لیے نمازیں اول وقت میں ادا کیں۔

[۳] اور نماز ظہر کے ٹھنڈا کرنے میں مبالغہ کیا۔ یہاں تک کہ دن کی گرمی کا زور پوری طرح ٹوٹ گیا۔ حدیث کا انداز بتاتا ہے کہ ظہر کو اس حد تک ٹھنڈا کرنا اور اول وقت سے موخر کرنا ظہر کا آخر وقت بتانے کے لیے تھا۔ جیسا کہ آپ نے دوسری نمازوں کے اوقات بتانے کے لیے کیا۔ گرمیوں میں ظہر کو اس لیے ٹھنڈا کر کے پڑھنا کہ اس کی شدید تپش جہنم کی سانس کا اثر ہوتا ہے یہ ایک دوسری بات ہے۔ اور ہو سکتا ہے یہ سائل جن دنوں میں حاضر خدمت ہوا تھا وہ گرمی کے دن تھے۔ (خوب سمجھو) اور اس کی شرح باب تعجیل الصلوٰۃ میں آ رہی ہے۔

[۴] یہ الفاظ اس امر پر صراحتہً دلالت نہیں کرتے کہ یہ عصر دوسری مثل میں ادا کی تھی کیونکہ سایہ دو مثل ہونے کے بعد بھی سورج میں بلندی پائی جاتی ہے۔ تاہم شافعی حضرات دوسری روایات کے قرینے سے یہاں بھی دوسری مثل میں ہی نماز عصر ادا کرنا مراد لیتے ہیں۔

[۵] عبارت میں اس جانب اشارہ ہے کہ روز اول کی نسبت دوسرے دن نماز مغرب موخر کر کے ادا کی۔ غروب آفتاب کے متصل ادا نہ کی بلکہ شفق غائب ہونے سے پہلے پڑھی۔ (خوب سمجھو)۔

[۶] گزشتہ حدیث میں نصف رات آیا ہے۔ اور یہ دونوں وقت مستحب ہیں۔ اور جواز صبح صادق کے طلوع ہونے تک ہے۔ جیسا کہ معلوم ہو چکا۔ تاہم حنفیہ کے نزدیک نماز عشاء کو ایک تہائی رات تک موخر کرنا مستحب اور نصف رات تک موخر کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ اور نصف رات کے بعد ادا کرنا جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ اور بعض کے

نزدیک نصف رات تک موخر کرنا جائز ہے اور کراہت ہے مگر گناہ نہیں۔ اور نصف شب کے بعد تک موخر کرنا جائز تو ہے مگر گناہ بھی ہے۔

؎۵ یعنی تم نے نماز کا اول اور آخر وقت شناخت کر لیا۔ ان دونوں اوقات کے درمیان سارا وقت صحیح اور مستحب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۵۳۶ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّنِیْ جِبْرِيْلُ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ فَصَلّٰى بِیَ الظُّهْرَ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَتْ قَدْرَ الشِّرَاكِ وَصَلّٰى بِیَ الْعَصْرَ حِيْنَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَیْءٍ مِثْلَهٗ وَصَلّٰى بِیَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰى بِیَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلّٰى بِیَ الْفَجْرَ حِيْنَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَى الصَّائِمِ فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَلّٰى بِیَ الظُّهْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهٗ مِثْلَهٗ وَصَلّٰى بِیَ الْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهٗ مِثْلَيْهِ وَصَلّٰى بِیَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰى بِیَ الْعِشَاءَ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَصَلّٰى بِیَ الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَیَّ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ هٰذَا وَقْتُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ وَالْوَقْتُ مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیت اللہ کے پاس جبریل میرے دو بار؎۱ امام بنے۔ انہوں نے مجھے ظہر کی نماز پڑھائی جب کہ سورج دوپہر سے ڈھل گیا اس وقت سایہ تسمے کی مقدار؎۲ تھا اور جبریل نے مجھے عصر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا۔ اور مجھے مغرب کی نماز پڑھائی جس وقت روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے اور مجھے عشاء کی نماز پڑھائی جس وقت کہ [illegible] پھر جب دوسرا دن آیا تو جبریل نے اس وقت مجھے ظہر کی نماز پڑھائی جب [illegible] اور مجھے عصر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا [illegible] [illegible] ہے اور عشاء کی نماز پڑھائی جب کہ تہائی رات گزر گیا۔ اور فجر کی نماز سفیدی میں پڑھائی [illegible] پھر جبریل میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کا وقت؎ ہے۔ نماز کا وقت ان دو وقتوں؎ کے درمیان ہے۔

(ابوداؤد، ترمذی)۔

ؔ۱ یعنی جب کہ آفتاب کا سایہ اصلی (جو زوال کے وقت ہوتا ہے) چمڑے سے بنے ہوئے جوتے کے تسمے کی مقدار تھا۔ ظاہر یہ ہے کہ تسمے کی چوڑائی کی مقدار مراد ہے۔ اور سایہ اصلی جسے فئ زوال کہتے ہیں، مختلف علاقوں اور اوقات کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے۔ بعض علاقے ایسے بھی ہیں جن میں بعض موسموں میں فئ زوال بالکل نہیں ہوتا جس طرح مکہ معظمہ میں ۱۹ سرطان کی تاریخ کے دن اور ہر اس علاقہ میں جو سورج کے سر پر سے گزرنے میں بالکل نیچے آتا ہو۔ سایہ اصلی میں فرق عرض بلد کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔ جس طرح کہ اس کی تحقیق علم ہیئت میں کردی گئی ہے۔ اور اس کی پہچان کے لیے کتابوں میں طریقے مذکور ہیں۔

ؔ۲ یہ طلوع صبح صادق کا وقت ہوتا ہے۔ آپ نے اس روز تمام نمازیں اول وقت میں ادا فرمائیں۔

ؔ۳ اس حدیث میں سورج کی زردی اور اس کے غروب کا ذکر نہیں ہے۔ تاہم اس کا ثبوت دوسری احادیث میں آچکا ہے۔ جن سے زیادتی کا اثبات[1] ہوتا ہے۔

ؔ۴ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ مغرب کا ایک ہی وقت ہے۔ بخلاف دوسری نمازوں کے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قولِ جدید ہے۔ مگر گزشتہ حدیث میں اشارہ ہوچکا ہے کہ نمازِ مغرب کے وقت میں بھی تعدد اور وسعت ہے جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔

ؔ۵ کہ ہر گزشتہ نبی کے دین میں ان اوقات میں سے کوئی نہ کوئی وقت نماز کا تھا۔ اگرچہ پانچوں نمازوں کا یہ مخصوص وقت صرف امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے۔ خوب سمجھو۔

ؔ۶ اور یہ دو وقت نماز کے لیے اول و آخر وقت ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئًا فَقَالَ لَهٗ عُرْوَةُ اَمَا اِنَّ جِبْرِيْلَ قَدْ نَزَلَ فَصَلّٰى اَمَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ اِعْلَمْ مَا تَقُوْلُ يَا عُرْوَةُ فَقَالَ

تیسری فصل

حضرت ابن[1] شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر[2] بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے نماز عصر قدرے تاخیر سے ادا کی۔ تو حضرت عروہ[3] بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا آگاہ رہو اے عمر بے شک جبریل[4] نازل ہوئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ؔ۱ یعنی ان دوسری احادیث سے یہ مسئلہ پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ جب سورج کا رنگ زرد پڑ جائے۔ یا قریب الغروب ہوجائے تو وہ نماز کے لیے مکروہ وقت ہے۔ اس وقت میں نماز نہ پڑھنی چاہیے۔ مگر اس دن کی نماز عصر کو کراہت کے باوجود پڑھی جائے گی۔

سَمِعْتُ بَشِيْرَ بْنَ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَزَلَ جِبْرَئِيْلُ فَاَمَّنِیْ فَصَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ يَحْسُبُ بِاَصَابِعِهٖ خَمْسَ صَلَوٰتٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

آگے کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اے عروہ ہوش کر کیا کہہ رہا ہے حضرت عروہ نے کہا میں نے بشیر بن ابو مسعود سے سنا وہ کہتے ہیں میں نے ابو مسعود سے سنا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جبرئیل نازل ہوئے اور میرے امام بنے تو میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ انگلیاں ملاتے جاتے تھے اور حساب کرتے جاتے تھے اپنے پانچ نمازیں شمار کیں۔ (بخاری و مسلم)

۵۱ آپ مشہور تابعی عظیم المرتبت عالم اور فقہ و حدیث میں آئمہ تابعین میں سے ہیں۔ کنیت ابوبکر محمد نام اکثر و بیشتر کنیت سے مذکور و منسوب ہوتے ہیں۔

۵۲ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اموی ہیں تابعین میں سے ہیں سراپا رشد و عدالت میں ان کے حالات مشہور و معروف ہیں۔ آپ نے یہ نماز عصر مستحب وقت میں ہی ادا کی تھی۔ مگر قدرے تاخیر کر کے یہ نہیں کہ آپ نے مکروہ وقت میں ادا کی۔

۵۳ حضرت عروۃ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کبار تابعین سے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمشیر زادہ حضرت اسما بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔

۵۴ یعنی حضرت جبرئیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امام بنے تو امام کا مقتدی سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ یہ بطور تعلیم تھا۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا مقصد حضرت جبرئیل کی امامت کرانے والی فضیلت بیان کرنا اور یہ بتانا کہ آپ نے پہلے دن اول وقت میں نمازیں ادا کیں۔ پوری حدیث جبرئیل اس لیے ذکر نہ کی کہ ان کے اعتقاد کو عالی مشہور حدیث تھی۔ اور یہ ضروری بات ہے کہ اول وقت میں نماز ادا کرنا افضل ہے۔ اسے عمر آپ نے کیوں تاخیر کی اور اول وقت ادا کرنے کی فضیلت ترک کی اگرچہ معمولی سی تاخیر ہی ہے۔

۵۵ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنا اور حضور کی طرف اسے منسوب کرنا عظیم ذمہ داری کی بات ہے۔ اس میں احتیاط کی شدید ضرورت ہے سمجھئے آگاہ اور ہوشیار ہونا چاہیئے کہ غلطی میں نہ پڑ جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات منسوب نہ کر دے۔ اگرچہ حضرت عروہ نہایت جلیل الشان شخصیت ہیں۔ ان کے لیے

ایسی بات کہنے کی گنجائش نہیں تاہم روایات کی عظمتِ شان نے انہیں اس تنبیہ اور شدت پر آمادہ کیا۔

۵۶ حضرت عروۃ رضی اللہ عنہ نے حدیث کے متعلق اپنی قوتِ ضبط وحفظ کی مضبوطی و احتیاط کا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس بارے میں یقینی علم رکھتا ہوں۔ اور میں نے یہ حدیث ایسے شخص سے سنی ہے جس نے وہ حدیث صحابی سے اور صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی۔

۵۷ بَشیر باکی زیر کے ساتھ۔ بشیر بن ابومسعود کبار تابعین سے ہیں۔ اور ابو مسعود انصاری مشاہیر صحابہ میں سے ہیں، ان کے حالات بھی کئی مقامات میں تحریر ہو چکے ہیں۔

۵۸ آپ نے اپنی انگشتان مبارک سے پانچ نمازیں شمار کیں۔ کلمہ یَحْسُبُ یا کے ساتھ ہے اور نَحْسُبُ بھی روایت ہے۔ یعنی ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک سے گن رہے تھے۔ تاہم یحسب کی روایت کا معنیٰ زیادہ ظاہر ہے۔ بہرصورت اس کلام و بیان سے حضرت عروۃ کا مقصد یہ ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات شریفہ پوری طرح یاد و محفوظ ہیں۔

۵۸۰ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ كَتَبَ اِلٰى عُمَّالِهٖ اِنَّ اَهَمَّ اُمُوْرِكُمْ عِنْدِيْ الصَّلٰوةُ مَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا حَفِظَ دِيْنَهٗ وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا اَضْيَعُ ثُمَّ كَتَبَ اَنْ صَلُّوا الظُّهْرَ اِنْ كَانَ الْفَيْءُ ذِرَاعًا اِلٰى اَنْ يَّكُوْنَ ظِلُّ اَحَدِكُمْ مِثْلَهٗ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ قَدْرَ مَا يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فَرْسَخَيْنِ اَوْ ثَلٰثَةً قَبْلَ مَغِيْبِ الشَّمْسِ وَالْمَغْرِبَ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ وَالْعِشَاءَ اِذَا غَابَ الشَّفَقُ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهٗ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهٗ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهٗ وَالصُّبْحَ وَالنُّجُوْمُ بَادِيَةٌ مُشْتَبِكَةٌ۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے ماتحت عمّال کی طرف لکھا میرے[1] نزدیک تمہارے سب سے اہم ترین کام نماز ہے جس نے اس کی حفاظت[2] کی اور پابندی سے اسے ادا کیا اس کا دین محفوظ ہو گیا۔ اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ دوسری چیزوں (احکام و فرائض) کو زیادہ ضائع اور برباد[3] کرے گا۔ پھر آپ نے لکھا کہ ظہر کی نماز پڑھو جب کہ سایہ ایک گز[4] ہو جائے۔ یہاں تک کہ تمہارا سایہ ایک مثل[5] ہو جائے۔ اور عصر کی نماز پڑھو جب کہ سورج بلند سفید اور صاف ہو اور نماز کے بعد اتنا وقت غروب آفتاب میں باقی ہو کہ سواری پر چلنے والا دو یا تین فرسنگ سفر طے کر سکتا ہو اور مغرب کی نماز پڑھو جب سورج ڈوب جائے۔ اور عشاء کی نماز پڑھو جب شفق غائب ہو جائے رات کے ایک تہائی حصے تک۔ اور جو عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو گیا تو خدا کرے اس کی آنکھ نہ سوئے۔ جو عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو گیا خدا کرے اس کی آنکھ نہ سوئے۔ جو عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو گیا خدا کرے اس

(رواہ مالک)

کی انگلوٹھی شریفے۔ اور صبح کی نماز پر محسوب کرستارے ظاہر و نمایاں اور ایک دوسرے میں گھسے ہوئے محسوس ہوں (مالک)

سلہ "میرے نزدیک" کا کلمہ ذکر کرنے میں حکام و عمال کو ڈانٹ و سرزنش کی تاکید ہے۔ کہ وہ عمال رعب و ہیبت فاروقی سے ترساں اور لرزاں رہتے تھے۔

سلہ حفظہا وحافظ علیہا کا تکرار یا تو اہتمام و تاکید کے لیے ہے۔ یا حفظ سے نماز کو یاد رکھنا فراموش نہ کرنا اور اسے وقت مستحب میں ادا کرنا مراد ہے۔ اور محافظت سے شرائط و آداب اور اس کی صفات کے لحاظ کا اہتمام مراد ہے۔ یا اول سے اس کے ظاہری احکام کی حفاظت اور محافظت سے اس کے باطنی حالات وخصوصیات کو نگاہ میں رکھنا مراد ہے۔

سلہ کیونکہ جو شخص دین کے عمدہ ارکان اور اس کے اہم ترین امور کی پرواہ نہیں کرتا وہ دوسرے احکام کی کیا پرواہ کرے گا۔

سلہ یعنی اصلی سایہ کے متصل بعد جو کہ ظہر کا اول وقت ہے۔ آپ کا یہ حکم مخصوص جگہوں اور مخصوص زمانوں سے متعلق ہو گا۔ جہاں یہ عمال تعینات تھے۔ کہ یہ ایک معلوم بات ہے کہ اصلی سایہ مختلف جگہوں اور اوقات کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے۔

سلہ یہ ظہر کا آخر وقت ہے۔

سلہ یعنی درمیانی رفتار سے۔

سلہ یہ بد دعا ہے۔ یعنی جو شخص عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو جائے۔ اس کی آنکھیں [illegible] نہ ہو۔ آپ نے تاکید و مبالغے کی غرض سے اس جملے کو تین بار دہرایا۔

۵۳۹/۹ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ قَدْرُ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي الصَّيْفِ ثَلٰثَةَ اَقْدَامٍ اِلٰى خَمْسَةِ اَقْدَامٍ وَفِي الشِّتَاءِ خَمْسَةَ اَقْدَامٍ اِلٰى سَبْعَةِ اَقْدَامٍ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے [illegible] ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] نماز ادا کرنے کا اندازہ اور وقت [illegible] پانچ قدم تک ہوتا تھا۔ اور موسم سرما میں پانچ قدم سے سات قدم تک۔ (ابو داؤد و نسائی)

سلہ یعنی سایہ کے تین قدم سے پانچ قدم تک ہونے تک کے وقت میں آپ موسم گرما میں ظہر کی نماز ادا کرتے تھے۔

سلہ اور سردیوں میں سایہ کے پانچ قدم سے سات قدم تک دراز ہونے کے عرصہ میں ظہر کی نماز پڑھتے تھے۔ سردیوں

میں سایہ کی زیادتی اس بنا پر ہے کہ اس موسم میں سایہ اصلی زیادہ ہوتا ہے۔ اور گرمیوں میں کم خصوصًا حرمین شریفین میں۔ ورنہ دونوں موسموں میں اس نماز کا وقت ایک ہی ہوتا ہے۔ بہر صورت یہ حدیث اس مسئلہ میں بالکل صریح ہے کہ نماز ظہر وقت زوال سے تاخیر کر کے پڑھی جائے۔ واللہ اعلم۔

ایک قدم انسان کے جسم کی درازی کا ساتواں حصہ ہوتا ہے کیونکہ ہر چیز کی لمبائی اس کے سات قدم ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے کہ ہر آدمی کا قد سات قدم ہوتا ہے۔

بَابُ تَعْجِيْلِ الصَّلٰوةِ نماز جلدی ادا کرنے کی فضیلت کا باب

اس بارے میں آئمہ کرام رحمہم اللہ کے مذاہب میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقًا اور بلا تفصیل ہر نماز اول وقت میں ادا کی جائے گی۔ اور جن احادیث میں تاکید و مبالغہ کے طور پر گرمیوں کی ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم آیا ہے۔ وہ ان کے نزدیک رخصت پر محمول ہیں۔ پھر یہ رخصت بھی اس شخص کے لیے ہے۔ جسے نماز با جماعت کے لیے دور جانا پڑتا ہو۔ اس آدمی کے لیے یہ رخصت نہیں جس نے اکیلے نماز پڑھنی ہو یا جس کے مکان کے دروازے پر مسجد ہو۔ بعض شافعی حضرات ظہر ٹھنڈی کرنے کی تاویل وقت زوال گزرنے سے کرتے ہیں۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مذہب کے قریب قریب ہے۔ الا یہ کہ امام مالک علیہ الرحمۃ کے کچھ اصحاب علم شدت تپش کے وقت اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے تبرید (ظہر کو ٹھنڈا) کرنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔ تاہم ان کے مذہب میں طالب جماعت کے لیے تبرید مستحب۔ نماز عصر پہلے پڑھ لینا افضل ہے۔ نماز مغرب کا ایک ہی وقت ہے اور اس میں بالاجماع شتابی کرنا مستحب ہے۔ امام احمد کے نزدیک عشاء میں تاخیر۔ اور امام مالک کے نزدیک جلدی کرنا مستحب ہے۔ ہاں لوگوں کے جمع ہونے کے لیے تاخیر کر لیں تو حرج نہیں۔ اور امام اعظم امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ظہر کو ٹھنڈا کر کے فجر کو سفیدی اور عشاء کو دیر سے پڑھنا مستحب ہے اور عصر میں بھی اتنی تاخیر کرنا کہ سورج میں تبدیلی واقع نہ ہو افضل ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ کے مذہب کے دلائل کی شرح متعلقہ احادیث کی شرح کے ضمن میں ذکر کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

واضح ہو کہ بعض شارحین کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی نے وقت مستحب کے نصف اول میں نماز ادا کر لی تو اس نے جلد اور شتاب ادا کرنے کے حکم کی تعمیل کر دی۔

میں سایہ کی زیادتی اس بنا پر ہے کہ اس موسم میں سایہ اصلی زیادہ ہوتا ہے۔ اور گرمیوں میں کم خصوصاً حرمین شریفین میں۔ ورنہ دونوں موسموں میں اس نماز کا وقت ایک سا ہوتا ہے۔ بہرصورت یہ حدیث اس مسئلہ میں بالکل صریح ہے کہ نماز ظہر وقت زوال سے تاخیر کر کے پڑھی جائے۔ واللہ اعلم۔

ایک قدم انسان کے جسم کی درازی کا ساتواں حصہ ہوتا ہے کیونکہ ہر چیز کی لمبائی اس کے سات قدم ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے کہ ہر آدمی کا قد سات قدم ہوتا ہے۔

بَابُ تَعْجِيْلِ الصَّلٰوةِ نماز جلدی ادا کرنے کی فضیلت کا باب

اس بارے میں آئمہ کرام رحمہم اللہ کے مذاہب میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً اور بلا تفصیل ہر نماز اول وقت میں ادا کی جائے گی۔ اور جن احادیث میں تاکید و مبالغہ کے طور پر گرمیوں کی ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم آیا ہے۔ وہ ان کے نزدیک رخصت پر محمول ہیں۔ پھر یہ رخصت بھی اس شخص کے لیے ہے۔ جسے نماز یا جماعت کے لیے دور جانا پڑتا ہو۔ اس آدمی کے لیے یہ رخصت نہیں جس نے اکیلے نماز پڑھنی ہو یا جس کے مکان کے دروازے پر مسجد ہو۔ بعض شافعی حضرات ظہر ٹھنڈی کرنے کی تاویل وقت زوال گزرنے سے کرتے ہیں۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مذہب کے قریب قریب ہے۔ الا یہ کہ امام مالک علیہ الرحمۃ کے کچھ اصحاب علم شدت تپش کے وقت اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے تبرید (ظہر کو ٹھنڈا) کرنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔ تاہم ان کے مذہب میں طالب جماعت کے لیے تبرید مستحب۔ نماز عصر پہلے پڑھ لینا افضل ہے۔ نماز مغرب کا ایک ہی وقت ہے اور اس میں بالاجماع شتابی کرنا مستحب ہے۔ امام احمد کے نزدیک عشاء میں تاخیر۔ اور امام مالک کے نزدیک جلدی کرنا مستحب ہے۔ ہاں لوگوں کے جمع ہونے کے لیے تاخیر کر لیں تو حرج نہیں۔ اور امام اعظم امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ظہر کو ٹھنڈا کر کے فجر کو سفیدی اور عشاء کو دیر سے پڑھنا مستحب ہے اور عصر میں بھی اتنی تاخیر کرنا کہ سورج کی ٹکیہ میں تبدیلی واقع نہ ہو افضل ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ کے مذہب کے دلائل کی شرح متعلقہ احادیث کی شرح کے ضمن میں کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

واضح ہو کہ بعض شارحین کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر کسی نے وقت مستحب کے نصف اول میں نماز ادا کرلی تو اس نے جلد اور شتاب ادا کرنے کے حکم کی تعمیل کر دی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۵۴۰ عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَاَبِيْ عَلٰى اَبِيْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِيِّ فَقَالَ لَهٗ اَبِيْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيْرَ الَّتِيْ تَدْعُوْنَهَا الْاُوْلٰى حِيْنَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ اَحَدُنَا اِلٰى رَحْلِهٖ فِيْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيْتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ اَنْ يُّؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِيْ تَدْعُوْنَهَا الْعَتَمَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ حِيْنَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهٗ وَيَقْرَاُ بِالسِّتِّيْنَ اِلَى الْمِائَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَلَا يُبَالِيْ بِتَاْخِيْرِ الْعِشَاءِ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَلَا يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت سیار[1] بن سلامہ[2] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں اور میرا باپ دونوں حضرت ابو برزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے میرے باپ نے ان سے دریافت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرض نمازوں کی ادائیگی کیسی تھی۔ آپ نے جواب دیا دوپہر کی نماز جسے تم لوگ پہلی نماز کہتے ہو حضور علیہ السلام زوال آفتاب کے متصل بعد پڑھ لیتے تھے۔ اور آپ عصر کی نماز پڑھتے تھے پھر مدینہ منورہ کے آخری کنارے پر واقع گھر کو آنے والا اپنے گھر پہنچ آتا تھا اور ابھی سورج زندہ اور قائم ہوتا تھا (اس کا رنگ زرد نہیں پڑا ہوتا تھا) مغرب کے وقت کے متعلق جو انہوں نے بتلایا وہ میں بھول گیا ہوں۔ اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کو جسے تم لوگ عتمہ (اندھیرے کی نماز) کہتے ہو کسی قدر رات تک مؤخر کرنے کو پسند [illegible] اور آپ عشاء سے پہلے سونے اور عشاء کے بعد [illegible] ناپسند فرماتے تھے۔ اور آپ فجر کی نماز سے [illegible] آدمی اپنے ساتھی کو پہچان [illegible] آیات تک [illegible] [illegible] ایک روایت میں ہے کہ [illegible] عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے اور آپ عشاء سے پہلے سونے اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

---

[1] سیار سین کی زبر اور یا کی شد کے ساتھ۔

[2] سلامہ سین اور لام کی زبر کے ساتھ۔ یہ حضرت سیار بن سلامہ رضی اللہ عنہ بصری ہیں اور مشہور تابعین میں سے ہیں۔

۳ حضرت ابو برزہ صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔

۴ اسے پہلی نماز کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہی نماز حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت میں سب سے پہلے ادا کی گئی۔ جیسا کہ گزشتہ مذکور ہوا۔

۵ یعنی جب سورج پھسل پڑتا اور زوال پذیر ہو جاتا۔ اس وقت میں نماز ظہر ادا کرنا غیر گرمیوں میں ہوتا ہوگا۔ کیونکہ دوسری روایات میں واضح طور پر آچکا ہے کہ آپ نے گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھی۔ اور ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم دیا۔

۶ یعنی جس کی رہائش شہر مدینہ طیبہ کے دور کنارے پر ہوتی تھی۔

۷ یہ اس کی گرمی اور زردی اور تبدیلی سے پاک و صاف سے کنایہ ہے۔ شافعی حضرات کہتے ہیں کہ یہ وقت شے کا سایہ دو مثل ہونے سے پہلے ہوتا ہے۔ مگر ان کے اس قول میں بحث و تردد ہے۔

۸ یعنی حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے نماز مغرب کے وقت کے متعلق جو کہا وہ مجھے بھول گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے مغرب کے وقت کے متعلق کچھ بھی نہ کہا ہو۔ کیونکہ اس نماز کے وقت میں کوئی اختلاف نہیں۔

۹ بفتحہ عین کی زیر اور دو نکتوں والی تاء کے ساتھ۔ یہ شفق کے غائب ہونے کے بعد رات کے ایک تہائی حصے کا نام ہے۔ اصل لغت میں اس لفظ کا معنیٰ شب کی تاریکی ہے۔ یہ نماز عشاء کا وہ نام ہے جو دیہاتی لوگوں نے رکھا ہوا تھا۔ بالآخر اس نام سے روک دیا گیا۔ اس سے ایک تہائی حصہ رات تک دیر کرنا مراد ہے۔

۱۰ مگر ضرورت کے تحت دونوں باتوں کی رخصت و اجازت ہے۔ مثلاً عشاء سے پہلے سونے سے اگر یہ غرض ہو کہ نماز عشاء کے لیے طبیعت ہلکی ہو جائے، سستی دور ہو جائے اور طبیعت ہشاش بشاش ہو جائے خصوصاً رمضان میں ایسا کرتے ہیں۔ اسی طرح بعد نماز عشاء کسی بارے میں گفتگو کرنا ضروری ہو لایعنی گفتگو نہ ہو تو دونوں باتیں جائز و روا ہیں۔

۱۱ یعنی یہ کہ آپ تاریکی میں فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔ فصل ثانی کے آخر میں آرہا ہے کہ آپ نے نماز فجر روشنی اور سفیدی میں ادا کرنے کا حکم دیا۔

۱۲ اگر یہاں الفاظ سے نماز عشاء کو ایک تہائی حصہ رات تک دیر کر کے پڑھنا مباح معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ استحباب کے منافی نہیں ہے جیسا کہ دوسری احادیث سے صراحتاً استحباب ثابت ہوتا ہے۔

۱۳ ان الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ عشاء کے بعد کلام کرنا مکروہ ہو۔ کیونکہ جو چیز محبوب نہ ہو ضروری نہیں کہ مکروہ ہو۔ مگر جب کہ اسے محبوب نہ رکھنے سے اسے دشمن رکھنا مراد ہو۔

۵۴۱/۲ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا اَكْثَرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوْا اَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت محمد[1] بن عمرو بن الحسن بن علی رضی اللہ عنہم سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے اوقات کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر دوپہر کو بعد زوال ادا کرتے تھے۔ اور عصر کی نماز جب کہ سورج زندہ[2] اور قائم ہوتا تھا۔ اور مغرب کی نماز سورج غروب ہونے پر۔ اور عشاء کی نماز جب لوگ زیادہ جمع ہو جاتے تو جلدی پڑھ لیتے اور جب لوگ کم ہوتے تو دیر سے پڑھتے[3]۔ اور صبح کی نماز تاریکی[4] میں پڑھتے۔ (بخاری ومسلم)

[1] حضرت محمد رضی اللہ عنہ تابعی ہیں۔ کنیت ابو عبداللہ ہے۔ ثقہ ہیں۔ حضرت ابن عباس و حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ بخاری ومسلم میں ان سے روایت کردہ احادیث موجود ہیں۔

[2] یعنی سورج ابھی روشن و تاباں ہوتا تھا۔ اور گذشتہ حدیث میں گزرا کہ نماز عصر پڑھنے کے بعد اتنا وقت ہوتا تھا کہ انتہائے شہر مدینہ میں رہنے والا اپنے گھر واپس آجاتا تھا اور ابھی سورج کی روشنی اور تابانی اسی طرح برقرار ہوتی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج کی زندگی اور اس کی روشنی و تابانی اول وقت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس کی حد یہی ہے کہ اس کا رنگ زرد نہ ہو جائے۔ جیسا کہ حنفی مذہب ہے۔

[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز باجماعت کے لئے زیادہ نمازی اکٹھے کرنے کے ارادہ سے اول وقت سے [illegible] بلکہ مستحب ہے۔ علماء کرام نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب [illegible] نے جو اول وقت [illegible] کا التزام نہیں کیا اس کی وجہ یہی ہے۔ اس وجہ سے ایسا نہیں کیا کہ [illegible] بعض وجوہ کے تحت تاخیر کرنا اولیٰ اور پسندیدہ تر ہو جاتا ہے۔

[4] ظاہر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تاریکی میں فجر کی نماز اس لئے پڑھ چکی ہوتی تھی۔ کیونکہ صحابہ کرام شب بیداری کے خوگر تھے۔ اور رات کو سوتے رہتے برعکس عشاء کی نماز کے وقت دن کے کام کاج میں مصروف رہنے کے باعث کچھ عشاء کی نماز میں آپ ان کے جمع ہونے کا انتظار کرتے تھے واللہ اعلم۔

غلس دو زبروں کے ساتھ بمعنی تاریکی شب جس میں صبح کی سفیدی ملی ہوئی ہو۔ ایک روایت میں لام کے بجائے غلبس باکے ساتھ بھی آیا ہے۔ ایک روایت میں غبش غین کے ساتھ آیا ہے۔ مگر تینوں کا ایک ہی معنی ہے۔ بعض نے کہا غبش

شین کے ساتھ غبس سے ذرا پہلے وقت کو کہتے ہیں۔ اور غلس کا وقت غبس کے بعد ہوتا ہے۔ تاہم یہ تینوں اوقات آخر شب میں ہوتے ہیں۔ اور لفظ غبش شین کے ساتھ اوائل شب کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ یہ حدیث اس امر میں نص نہیں کہ آپ ہمیشہ فجر کی نماز غلس میں پڑھتے تھے۔ اور اگر یہ اس مفہوم میں نص ہو تو دوسری احادیث نماز فجر کو سفید کر کے پڑھنے کا حکم بھی آ چکا ہے۔ اور ہمارے نزدیک قول، فعل سے راجح ہے۔ (کہ فعل میں تخصیص کا احتمال ہے)۔

۵۴۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلٰى ثِيَابِنَا اِتِّقَاءَ الْحَرِّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِلْبُخَارِيِّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ہم لوگ جب دوپہروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (ظہر کی) نماز پڑھتے تھے تو گرمی سے بچنے[۱] کے لیے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے۔ بخاری و مسلم۔ اور یہ لفظ بخاری کے ہیں[۲]۔

سلہ تاکہ پیشانی نہ جلے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازی نے جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں ان پر سجدہ کرنا جائز ہے۔ حضرات شافعیہ اس سے وہ کپڑا مراد لیتے ہیں جو پہنا ہوا نہ ہو۔ یعنی صحابہ کرام اکثر و بیشتر خاک پر سجدہ کرتے تھے۔ اور جب کبھی زمین سخت گرم ہوتی تو سجدہ کی جگہ کوئی چیز بچھا لیتے تھے۔ حضرات شافعیہ رحمہم اللہ کے نزدیک اُس کپڑے پر سجدہ کرنا ناجائز ہے جو نمازی کی جنبش سے جنبش کرتا ہو۔ جیسا کہ بیان سجدہ میں آ رہا ہے۔

سلہ ممکن ہے مولف (صاحب مشکوٰۃ) کا اس حدیث کو باب تعجیل الصلوٰۃ میں لانا اس خیال کے تحت ہو کہ اول وقت میں زمین زیادہ گرم ہوتی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کہ بعض اوقات غیر اول وقت میں بھی گرم بلکہ بہت گرم ہوتی ہے۔ جیسا کہ اگلی حدیث میں ہم بیان کریں گے۔

۵۴۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ بِالظُّهْرِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ وَاشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ اَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضًا فَاَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ اَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ وَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الزَّمْهَرِيْرِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سخت گرمی ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو[۱]۔ اور بخاری شریف کی ایک دوسری روایت میں جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بالصلوٰۃ کی جگہ بالظہر کا لفظ آیا ہے (نیز یہ الفاظ بھی آئے ہیں) کہ بیشک شدید تپش جہنم کے جوش میں آنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور آگ نے اپنے رب سے گلہ کیا[۲] اور کہا اے میرے رب میرا بعض بعض کو کھا گیا ہے[۳] تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دی[۴]۔ ایک سانس سردی میں اور ایک سانس گرمی میں[۵] سخت ترین

لِلْبُخَارِيِّ فَأَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ فَمِنْ سُمُوْمِهَا وَأَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْبَرْدِ فَمِنْ زَمْهَرِيْرِهَا۔

گرمی اور سخت ترین سردی جو تم پاتے ہو تو یہ وہ دو سانس ہیں (بخاری و مسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے۔ پس سخت ترین گرمی جو تم محسوس کرتے ہو یہ جہنم کے گرم سانس کا اثر ہے اور سخت ترین سردی جو تم لوگ محسوس کرتے ہو تو یہ اس کے سرد سانس کی وجہ سے ہے۔

ل۵ یعنی نماز ظہر۔ اسے اول وقت سے اتنی تاخیر کر کے پڑھو کہ حرارت اور تپش کی تیزی ٹوٹ جائے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے۔ کہ صحابہ کرام نماز ظہر اس حد تک دیر کر کے پڑھتے تھے کہ زمین پر پھیلے ہوئے ریت کے ٹیلوں کا سایہ زمین پر پڑتا تھا۔ زمین پر پھیلے ہوئے ٹیلوں کا سایہ زوال سے کافی دیر کے بعد زمین پر پڑتا ہے بخلاف ان چیزوں کے جو بلندی میں لمبی ہوں جیسے منارہ وغیرہ۔ کہ ان کا سایہ بہت جلد زمین پہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس سایے کی درازی پنج قدم تک آئی ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ صحابہ کرام دیواروں کے سایے کے نیچے نیچے نماز ظہر کے لیے مسجد میں آتے تھے۔ اس زمانے میں دیواروں کی بلندی سات گز ہوتی تھی۔ بعض نے زیادہ وقت مراد لیا ہے۔ اور وقت استوا کی گرمی کی نسبت سے وقت زوال گزرنے کو ظہر ٹھنڈی کرنے پر محمول کرنا جیسا کہ بعض شافعیہ نے کہا ہے، بعید سی بات ہے۔ اور خط استوا کی نسبت سے وقت زوال کو سرد تر وقت قرار دینا تجربہ اور واقعہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ سبب کا دوام فعل اس کے محض درجہ قوت سے زیادہ موثر ہوتا ہے۔ چنانچہ موسم سرما میں صبح کے وقت سردی نصف رات کے وقت کی سردی سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ تجربہ کی چیز ہے۔ اور جیسے جیسے سورج نزدیک آتا جاتا ہے سردی بڑھتی جاتی ہے۔ اور باب مواقیت میں گزر چکا ہے کہ گرمی بہت سخت ہو جاتی ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ ان [illegible] اس وقت ہوتی ہے جب شے کا سایہ ایک مثل ہو۔ اس کے مطابق ظہر کے ٹھنڈا کرنے کا مطلب [illegible] ادا کیا جائے۔ الغرض بہت سی احادیث صحیحہ ظہر ٹھنڈی کا کر کے پڑھنے کی تاکید میں وارد ہو چکی ہیں۔ اور حضرت [illegible] رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو آیا ہے کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوپہر کی گرمی کی شکایت کی مگر آپ نے ہماری شکایت قبول نہ کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پورے وقت کی تاخیر چاہتے تھے۔ جسے آپ نے تسلیم نہ کیا۔ واللہ اعلم۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ جو فرماتے ہیں کہ ابراد ظہر ایک رخصت ہے وہ بھی ان لوگوں کے لیے ہے جو نماز باجماعت [illegible] کئی مسجدوں میں پھریں اور مشقت اٹھائیں۔ جو شخص اکیلا نماز پڑھے۔ یا اپنے محلے کی مسجد میں پڑھے۔ اس کے لیے [illegible] کرتا ہوں کہ اول وقت سے تاخیر نہ کرے۔ تو ان کا یہ بیان اس حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے۔ امام ترمذی ایک حدیث لائے ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں بھی ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم دیتے تھے حالانکہ اس وقت سب لوگ ایک منزل میں جمع ہوتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا ہے جو لوگ شدت تپش و گرمی میں ظہر ٹھنڈی کرنے پڑھنے کے قائل

ہیں ان کا قول اتباع خبر دیکھتے زیادہ لائق و اصلح ہے۔

۲؎ اور بخاری کی ایک روایت میں جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ لفظ بالصلوٰۃ کی بجائے بالظہر کا لفظ آیا ہے۔ اور بخاری کی اس روایت میں اس حکم کے بیانِ علت کے طور پر فان شدۃ الحر الی آخرہ کے الفاظ بھی زیادہ آئے ہیں۔

۳؎ آگ نے یہ شکوہ یا تو زبانِ حال سے کیا یا زبانِ قال سے قال پر محمول کرنا اولیٰ واوضح اور ظاہر تر ہے۔ امام نووی نے کہا زبانِ قال مراد لینا ہی درست اور صواب ہے کہ خدا تعالیٰ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ آگ بلکہ ہر چیز میں قوت گویائی پیدا کر دے۔ اسے بعید خیال کرنا نفس فضول کی بات اور عادت میں گرفتاری کے سبب ہے۔

۴؎ یعنی میرے اپنے اجزاء ایک دوسرے کو کھانے لگے ہیں۔ یہ ان کے اختلاط و ہجوم سے کنایہ ہے۔ گویا ہر جزو چاہتا ہے کہ دوسرے کو فنا کر دے۔ اور اس کی جگہ خود لے لے۔

۵؎ سانس لینے سے اس کا شعلہ مارنا اور باہر نکلنا مراد ہے۔ جس طرح حیوان سانس باہر نکالتا ہے۔

۶؎ دونوں جگہ لفظ نفس پیش اور زیر دونوں طرح مروی ہے۔ اسی طرح لفظ اشد کا بعض جگہ میں مرفوع و مجرور دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

۷؎ اس وقت میں نماز پڑھنے سے ممانعت میں حکمت باوجودیکہ اس میں مشقت زیادہ ہے، یہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز میں خشوع و خضوع پیدا نہیں ہو سکتا۔ یا یہ وقت عذاب کے پھیلنے کا وقت ہے۔ کہ دوزخ کا گرم ہونا اس کے عذاب کا وقت ہے۔ مگر پہلا قول زیادہ ظاہر و اولیٰ ہے۔

یہاں تین باتیں قابل توجہ ہیں۔ ایک یہ کہ آگ کا شکایت کرنا اور اس سے مراد سانس باہر آنے کا کیا مطلب ہے۔ اس کا مطلب جواب یہ ہے کہ آگ سے آگ کی جگہ مراد ہے۔ جسے دوزخ کہتے ہیں۔ اور دوزخ میں طبقہ زمہریر (سخت ٹھنڈی جگہ) بھی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ حقیقت درجہ یقین کو پہنچ چکی ہے کہ گرمی و سردی اجرام علویہ کے اثر سے ہوتی ہے۔ تو اسے دوزخ کی سانس کا اثر قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں شدت گرمی و سردی کو دوزخ کے سانس کا اثر کہا گیا ہے۔ نفس گرمی و سردی کو اس کا اثر قرار نہیں دیا گیا۔ اور اگر فلسفی الذہن شخص یہ کہے کہ سخت گرمی و سردی بھی [illegible] کے قریب یا بعید ہونے کی وجہ سے ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دوزخ کی سانس سے اس میں اور شدت آجاتی ہو۔ مخبر صادق علیہ السلام کی خبر کے باوجود اس کا انکار طریقۂ اسلام سے خارج ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کے تقاضا کے مطابق چاہیئے کہ شدید سردی کے دنوں میں بھی ظہر کی نماز تاخیر کر کے پڑھی جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سخت سردی میں صبح کے وقت سورج طلوع ہونے تک ہوتی ہے۔ اگر اس میں تاخیر کی جائے تو وقت ہی گزر جائے گا۔

۵۳۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ اِلَى الْعَوَالِىْ فَيَاْتِيْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ وَبَعْضُ الْعَوَالِىْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَمْيَالٍ اَوْ نَحْوِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے تھے حالانکہ ابھی سورج بلند اور زندہ ہوتا تھا۔ اور نماز سے فارغ ہو کر عوالی مدینہ کو جانے والا عوالی[1] میں پہنچ جاتا تھا اور ابھی سورج بلندی[2] پر ہوتا تھا۔ حالانکہ عوالی کے بعض حصے مدینہ منورہ سے چار میل یا اس کی مانند فاصلہ[3] پر واقع ہیں۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ عوالی، مدینہ منورہ کے اطراف میں وہ بلند جگہیں ہیں جو مسجد قبا اور مسجد بنی قریظہ وغیرہ کی جانب واقع ہیں۔

۲؎ یعنی حالانکہ ابھی تک سورج بلند اور افق پر ہوتا تھا۔ اور غروب نہیں ہوا ہوتا تھا۔

۳؎ یہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ جو حضرت انس سے اس حدیث کے راوی ہیں۔ ان الفاظ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ جانے والا چار میل کے فاصلے کی طرف جاتا تھا یا اس سے کم فاصلے کی جگہ تک۔ پھر تیز رفتار سے یا آہستہ رفتار سے جاتا تھا۔ نیز وہ سواری پر ہوتا تھا یا پیدل۔ بہر تقدیر اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا اور ثابت نہیں ہوتا کہ دن کا چوتھا حصہ گزرنے اور سایہ ایک مثل گزرنے پر نماز عصر پڑھ لی جائے جیسا کہ دوسرے آئمہ کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۵۳۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَىِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ منافق کی نماز[1] ہے کہ وہ بیٹھ کر سورج کی انتظار میں رہتا ہے یہاں تک کہ جب اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان[2] [illegible] کھڑا ہوتا ہے اور [illegible] چار [illegible][3] اللہ کا ذکر نہیں کرتا مگر تھوڑا سا (مسلم شریف)

۱؎ یعنی وہ نماز عصر جو آخر وقت میں غروب آفتاب سے پہلے قبل دانستہ [illegible] منافق کی نماز ہے۔ یا اس کی نماز ہے جس میں منافق کی صفت و عادت ہو۔

۲؎ اس جملے کی شرح گزشتہ باب میں گزر چکی ہے۔

۳؎ یعنی وہ بے طمانیت و تعدیل کے شتاب شتاب سجدہ کرتا ہے جس طرح مرغ دانہ چگتا ہے۔ اور یا وجہ دیگر نماز عصر میں آٹھ سجدے ہیں ہر دو سجدوں کو ایک رکن یا ارادہ جنس یا ایک رکعت کا اعتبار کرتے ہوئے چار سجدہ کہہ دیا

یا اس اعتبار سے چار سجدے کیا کہ جب اس نے سجدے سے سر صحیح اور مسنون طریقہ سے اوپر نہ اٹھایا تو ہر دو سجدے گویا ایک ہی سجدہ ہوا۔ سستی اور کوتاہی کے بیان کے لیے نماز عصر کی تخصیص اس لیے کی کہ یہ وقت خرید و فروخت اور مصروفیت کا وقت ہے۔ یا اس نماز کی خصوصی فضیلت کے پیش نظر اس میں غفلت و کوتاہی کرنے والے کی خوب مذمت و ڈانٹ میں مبالغہ کے لیے اس نماز کا ذکر کیا۔ ظاہر بات ہے کہ دوسری نمازوں کی حالت بھی اس نماز پر قیاس کرنی چاہیے۔

سلہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ منافق نماز کے ظاہری ارکان کی ادائیگی میں بھی سستی اور کوتاہی کرتا ہے۔ اور اس کا باطن بھی خشوع سے خالی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں منافقین کی شان میں وارد ہوا ہے۔ ولا یذکرون اللہ الا قلیلا۔ کہ وہ اللہ کا ذکر بہت تھوڑا کرتے ہیں۔

۵۶۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ تَفُوْتُہٗ صَلٰوۃُ الْعَصْرِ فَکَاَنَّمَا وُتِرَ اَھْلُہٗ وَمَالُہٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا جس کی نماز عصر فوت ہو جاتی ہے۔ گویا اس کا اہل و مال سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا۔ (بخاری و مسلم)

سلہ یہاں عربی الفاظ اہلہ و مالہ میں لام پر پیش اور زبر دونوں نصابیتیں ہیں۔ پیش کی صورت میں معنیٰ یہ ہو گا۔ اس کے اہل خانہ اور اس کا مال کا نقصان ہو گیا۔ زبر کی صورت میں معنیٰ ہو گا وہ شخص اپنے اہل و مال میں نقصان و مصیبت میں ڈال دیا گیا۔ یہ دوسرا معنی لفظ وتر کے اصل معنیٰ کے زیادہ مناسب ہے اور جمہور کی روایت بھی یہی ہے۔ اس کا مفصل بیان شرح میں کر دیا گیا ہے۔

۵۶۳ وَعَنْ بُرَیْدَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَکَ صَلٰوۃَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُہٗ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا جس نے نماز عصر ترک کر دی اس کا عمل ضائع اور برباد ہو گیا۔ (بخاری شریف)

سلہ یعنی جس شخص نے دیدہ و دانستہ نماز عصر ترک کر دی تو اس کے اس دن کے پورے عمل کا ثواب باطل و نقصان زدہ ہو گیا۔ اس سے حقیقۃً بطلان و بربادی مراد نہیں کہ اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ نیک عمل حقیقۃً اس وقت باطل و ضائع ہوتا ہے جب کہ انسان کفر و ارتداد اختیار کر لے۔ یا کفر و ارتداد پر اس کی موت واقع ہو جائے۔ لہٰذا ان الفاظ سے تغلیظ و تشدید اور نقصان ثواب میں مبالغہ مقصود ہے۔ کہ اس نے اتنی افضل ترین نماز فوت کر دی۔ بعض روایات میں یہاں مطلق فرض نماز کا ذکر آیا ہے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس پر ہیں کہ دیدہ و دانستہ نماز

۵۵۲ / ۱۳ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْتَ اِذَا کَانَتْ عَلَیْکَ اُمَرَاءُ[۱] یُمِیْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اَوْ یُؤَخِّرُوْنَ عَنْ وَقْتِھَا قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِیْ قَالَ صَلِّ الصَّلٰوۃَ لِوَقْتِھَا فَاِنْ اَدْرَکْتَھَا مَعَھُمْ فَصَلِّ فَاِنَّھَا لَکَ نَافِلَۃٌ[۲]۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تجھ پر ایسے حاکم مسلط ہوں گے جو نماز بے خواب کرکے پڑھیں گے (یعنی آداب و شرائط کا لحاظ نہ رکھیں گے) افضل وقت سے بہت دیر کرکے پڑھیں گے۔ میں نے عرض کیا ایسے وقت میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا تو نماز وقت پر پڑھ لینا۔ پھر اگر تجھے ان کے ساتھ بھی نماز مل جائے تو دوبارہ پڑھ لینا۔ یہ نماز تیرے لیے نفل ہوگی۔ (مسلم شریف)

۱؎ جن کی مخالفت فتنہ پھیلنے کا موجب ہوگی۔

۲؎ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حاکم وقت نماز مستحب وقت سے دیر کرکے پڑھے خصوصاً اس قدر دیر کہ وقت مکروہ داخل ہو جائے تو بندے کو چاہیئے کہ اپنی نماز اول اور افضل وقت میں پڑھ لے پھر امام و حاکم کے ساتھ دوبارہ پڑھ لے تاکہ فضیلت وقت و جماعت دونوں حاصل کرے۔ تاہم یہ چیز فجر و عصر اور مغرب کی نمازوں کے علاوہ دوسری (ظہر و عشاء) نمازوں میں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ فجر و عصر اور مغرب کی نمازیں نفل کی نیت سے ادا نہیں ہو سکتیں کہ ان کے بعد نفل مکروہ ہیں۔ اور تین رکعت نفل جائز ہی نہیں۔ یہاں کا مطلب یہ ہے کہ اس [illegible] کا اختیار کرنا فتنہ پھیلنے اور اختلاف پیدا کرکے امت کے اتحاد میں رخنہ اندازی سے کم درجے کی برائی ہے۔ کہ ظالم حکام کی مخالفت زیادہ نقصان کا باعث ہے۔

[illegible]

واضح ہو کہ شارحین نے کہا ہے کہ اس سے بنی اُمیہ کے امراء مراد [illegible] من و عن واقع ہو کر رہی۔ یہ امراء ایسے ہی لوگ تھے جو نماز [illegible] کی کچھ پروا نہ کرتے تھے۔ اور نہ اوقات نماز کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت ابوذر [illegible] میں وفات پائی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ [illegible] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے حاکم تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ [illegible] کئی دفعہ جھگڑے۔ آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں شام سے مدینہ بلا لیا۔ مگر آپ نے [illegible] بھی سکونت اختیار نہ کی بلکہ مدینہ سے باہر ایک جگہ موضع ربذہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور وہیں وفات پائی۔ یہاں آپ کا طویل قصہ مشہور ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الصُّبْحَ وَ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الْعَصْرَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے طلوع آفتاب سے پہلے ایک رکعت پالی اس نے صبح کی نماز پالی۔ اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے ایک رکعت پالی اس نے عصر کی نماز پالی[1]۔ (بخاری ومسلم)۔

[1] یعنی اس کی نماز باطل نہ ہوگی اسے چاہیئے کہ ایک رکعت اور ساتھ ملائے اور اپنی نماز مکمل کرے۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کہ طلوع وغروب آفتاب سے فجر اور عصر کی نماز باطل نہیں ہوتی۔ مگر امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ کا یہ مذہب ہے کہ فجر کی نماز کے درمیان اگر سورج نکل آیا تو یہ نماز باطل ہو جاتی ہے۔ مگر نماز عصر کے دوران سورج غروب ہو جانے کی صورت میں یہ نماز باطل نہ ہوگی۔ ہاں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ سے ایک روایت ہے کہ نماز فجر بھی باطل نہیں ہوتی۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ درمیان نماز طلوع آفتاب کی صورت میں نمازی اتنی دیر صبر سے کام لے کہ سورج پوری طرح طلوع کر آئے۔ مگر یہ حدیث ان کے اس قول کے خلاف حجت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث اور ان احادیث کے درمیان تعارض واقع ہوتا ہے جو طلوع وغروب کے وقت نماز ادا کرنے سے ممانعت میں وارد ہیں۔ چاہے یہ نماز فرض ہو یا نفل۔ تو قاعدہ فقہ کے مطابق احناف نے یہاں قیاس پر عمل کیا ہے۔ اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ جب دو آیتوں میں تعارض لازم آئے تو حدیث کی جانب رجوع کیا جائے گا۔ اور جب احادیث میں تعارض واقع ہو تو قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور قیاس اس حدیث میں نماز عصر کو ترجیح دیتا ہے۔ اور فجر کی نماز میں ممانعت اور نہی کی احادیث کو ترجیح دیتا ہے۔ وجہ ترجیح یہ ہے کہ نماز فجر کا سارا وقت کامل ہے۔ اس میں آخر جزء فجر تک کوئی نقص وکراہت نہیں۔ تو فجر کی نماز صفت کمال کے ساتھ لازم و فرض ہوئی۔ جب دوران نماز سورج نکل آیا تو جس صفت کمال کے ساتھ یہ نماز فرض ہوئی تھی اس طرح ادا نہ ہوئی۔ مگر نماز عصر جو آخر وقت میں سورج کے زرد ہو جانے پر ادا کی جاتی ہے۔ اس کے وجوب میں بھی نقص آجاتا ہے۔ لہٰذا سورج کے غروب سے مزید نقصان جو لاحق ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے فاسد و باطل نہیں ہوگی۔ اور جس صفت نقصان سے لازم ہوئی تھی اسی حالت نقصان میں ادا ہوگی۔

شافعی حضرات نہی کی احادیث کو نوافل کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ فرض نمازوں کی ادائیگی تینوں اوقات (وقت زوال، طلوع اور غروب آفتاب) میں جائز قرار دیتے ہیں۔ مگر اس بارے میں وارد احادیث کا ظاہر مفہوم عموم پر دلالت کرتا ہے۔ اور ان میں نوافل کی تخصیص کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اس مقام سے متعلق زیادہ گفتگو حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ (ترمذی شریف)

۱؎ یعنی اول وقت میں نماز ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا سبب ہے ماسوائے ان نمازوں کے جن میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔ جیسے ظہر کو ٹھنڈا کرنا اور فجر سفیدی میں ادا کرنا۔ اور ماسوائے اس جگہ کے جہاں تاخیر کرنے میں نماز کی تکمیل ہوتی ہو اور پورا ثواب ملتا ہو۔ جیسے جماعت میں شامل ہونے کے لیے تاخیر کرنا۔

۲؎ آخر وقت میں نماز ادا کرنا اللہ تعالیٰ سے معافی اور درگزر کا ذریعہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نمازی کی گرفت نہ کرے گا۔ یا اسے بری الذمہ قرار دے دے گا۔ اول وقت کے بارے میں آئمہ کرام کے مذاہب کی تفصیل باب اول میں معلوم ہو چکی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اول وقت کے نصف اول میں نماز ادا کرنا اس میں کفایت کر جاتا ہے۔

۵۵۹ وَعَنْ اُمِّ فَرْوَةَ قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلٰوةُ لِاَوَّلِ وَقْتِهَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يُرْوَى الْحَدِيْثُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ الْعُمَرِيِّ وَهُوَ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ۔

حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا نماز کو اس کے اول وقت میں ادا کرنا۔ اسے احمد، ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث روایت نہیں کی جاتی مگر عبداللہ بن عمر العمری کی حدیث سے۔ اور وہ علماء حدیث کے نزدیک قوی راوی نہیں ہے۔

۱؎ فروۃ فا کی زبر اور را کی جزم کے ساتھ آپ انصاری صحابیہ ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ صحیح ہے۔ ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں۔

۲؎ ایک تو نماز ایمان کے بعد بذات خود افضل ترین عمل ہے۔ پھر اول وقت میں باجماعت ادا کرنے سے اس میں اور زیادہ فضیلت آجاتی ہے۔ اور اس میں دیر کرنا مستحب نہیں ہے۔ بعض دوسری احادیث میں دوسرے اعمال کو بھی افضل کہا گیا ہے وہاں اضافی افضلیت مراد ہے۔ اور نماز علی الاطلاق سب سے افضل ترین عمل ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزرا۔

۳؎ یعنی اگر عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم کی حدیث سے اور اسی نسبت کی وجہ سے ان کو عمری کہا جاتا ہے۔ آپ ۱۷۱ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

۴؎ یعنی یہ عبداللہ نہایت عبادت گزار اور مرتا من انسان تھے مگر علماء حدیث کے نزدیک حفظ و ضبط میں مضبوط اور قوی نہ تھے۔ غلبہ زہد و عبادت ان کے لیے حفظ و ضبط حدیث سے مانع بن گیا۔ ان کا ایک بھائی تھا عبیداللہ بن عمر عُبَید بصیغہ تصغیر۔ یہ بزرگ حدیث میں ثقہ ثبت تھا۔ اور احمد بن صالح اس کو امام مالک پر فوقیت دیتے تھے عمری کہلانے

والے بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔ عالم مدینہ کی تحقیق میں، اس بارے میں گفتگو ہو چکی ہے۔ اور شرح عربی میں اس پر مکمل بحث کر دی گئی ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً لِوَقْتِهَا الْاٰخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں دو مرتبہ بھی کوئی نماز آخر وقت میں نہیں پڑھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح پاک کو قبض کر لیا۔[1]

(ترمذی شریف)

[1] یعنی اگر یہ ایسا ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت میں نماز ادا کی ہے۔ مگر ایسا واقعہ ایک بار سے زیادہ نہیں ہوا۔ اور یہ اس وقت ہوا جب ایک سائل اوقات نماز دریافت کرنے آیا تو آپ نے ہر نماز دوسرے دن آخر وقت میں ادا کی۔ اور آپ نے ایسا تعلیم کے لیے کیا۔ یہاں امامت جبرئیل کی حدیث خارج از بحث ہے۔ کہ اس حدیث میں امت کے ساتھ آخر وقت میں نماز ادا کرنا مراد و مقصود ہے۔ اور ایک روایت میں الا مرتین کا لفظ بھی آیا ہے۔ اس صورت میں امامت جبرئیل بھی اس میں شامل ہو گی۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں تعلیم و تعلم کی نیت کے بغیر آخر وقت میں نماز ادا کرنا مراد ہے۔
بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور کے نکاح میں آنے کے بعد آپ کا حال بیان کرنا مقصود ہے۔ اور حضرت عائشہ سے بیان کر رہی ہیں جو ان کے علم میں تھی۔ واللہ اعلم۔
اور اس حدیث میں ایسے آخر وقت میں ادا کرنا مراد ہے کہ اس کے بعد وقت باقی نہ رہا تھا۔ تاہم حقیقی اول وقت سے آپ نے کئی دفعہ نماز موخر کر کے ادا کی ہے۔ جیسا کہ ہم نے شرح میں بیان کیا ہے۔ شافعی المسلک حضرات ایسے تمام مواقع کو عذر و ضرورت پر محمول کرتے ہیں۔ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث میں بھی کلام کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا اسناد متصل نہیں ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ اُمَّتِيْ بِخَيْرٍ اَوْ قَالَ عَلَى الْفِطْرَةِ مَا لَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰى اَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنِ الْعَبَّاسِ۔

حضرت ابو ایوب[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت ہمیشہ خیر و نیکی پر۔ اور ایک روایت میں بخیر کے بجائے علی الفطرۃ کا لفظ آیا ہے۔ رہے گی جب تک کہ وہ نماز مغرب کے ادا کرنے میں دیر نہ کریں گے یہاں تک کہ ستارے کثرت سے دکھائی دینا[2] شروع ہو جائیں۔

اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور دارمی نے عباس سے روایت[3] کیا۔

سلہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اکابر اور مشاہیر صحابہ سے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد کچھ عرصہ تک آپ کے گھر کو اپنے نزول اجلال سے مشرف کیے رکھا۔

سلہ یہاں تک کہ ستارے آپس میں رل مل جائیں یہ کثرت سے ستارے دکھائی دینے سے کنایہ ہے۔

سلہ ظاہر عبارت سے یوں مفہوم ہوتا ہے کہ مغرب میں اس قدر (کہ کثرت سے ستارے دکھائی دینے لگیں) تاخیر نہ کرنی چاہیئے اس سے کم وقت تک تاخیر میں حرج نہیں۔ یا یوں کہا جائے گا کہ کثرت سے ستاروں کا دکھائی دینا تاخیر مغرب کو لازم ہے اگرچہ بہت کم تاخیر ہی ہو۔ اس حدیث میں ایک حد تک اس جانب بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ شفق سے سفیدی مراد ہو۔ کیونکہ عبارت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اشتباک نجوم (کثرت سے ستاروں کا دکھائی دینے تک مغرب میں تاخیر جائز ہے۔ مگر یہ جواز مع الکراہت ہے۔ اور یہ حالت سرخی زائل ہونے کے بعد آتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۶۲/۲۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ اَنْ یُّؤَخِّرُوا الْعِشَاءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ اَوْ نِصْفِهٖ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اپنی امت کے لیے مشقت محسوس نہ کرتا تو انہیں حکم دیتا کہ نماز عشاء کو رات کے تہائی یا نصف حصے تک مؤخر کریں۔

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

سلہ بعض شرحوں میں مذکور ہے کہ یہ راوی کا شک ہے۔ اور صحاح میں ابی داؤد کی [illegible] میں واقع نہیں ہوا۔ اس حدیث کا ظاہر اول وقت سے تاخیر کا استحباب ثابت کرتا ہے۔ [illegible]

۵۶۳/۲۴ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِمُوْا بِهٰذِهِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّكُمْ قَدْ فُضِّلْتُمْ بِهَا عَلٰی سَائِرِ الْاُمَمِ وَلَمْ تُصَلِّهَا اُمَّةٌ قَبْلَكُمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] عشاء کی نماز تاریکی میں ادا کرو [illegible] تمہیں اس کے ساتھ دوسری تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے [illegible] تم سے پہلے یہ نماز کسی امت نے نہیں پڑھی۔

(ابوداؤد)

سلہ اور جب کہ یہ نماز تم تاریکی میں ادا کرو گے تو زیادہ مشقت اٹھانی پڑے گی اور جس قدر مشقت زیادہ ہوگی فضیلت بھی زیادہ ہوگی۔

سلہ یہ حدیث بھی نماز عشاء کو دیر کر کے پڑھنے پر دلالت کرتی ہے۔ اور تاریکی شب کو شفق غائب ہونے کی تحقیق اور اس کے یقین پر محمول کرنا بعید بات ہے جس طرح اسفار فجر کو طلوع صبح صادق کے یقین پر محمول کرنا بعید بات ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِوَقْتِ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ الْاٰخِرَةِ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهَا لِسُقُوْطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں اس نماز عشاء، عشاء آخرہ کا وقت اچھی طرح جانتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز تیسری کا چاند غروب ہونے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ (ابوداؤد و ترمذی)

سلہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ چھوٹی عمر کے صحابہ میں سے ہیں۔ ہجرت کے بعد انصار مدینہ میں آپ پہلے پیدا ہونے والے بچے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر سات سال تھی ۶۴ھ ہجری میں اہل حمص نے آپ کو مروان کے حکم سے قتل کیا۔

سلہ عشاء کو عشاء آخرہ اس لیے کہتے ہیں کہ بعض اوقات عشاء کا لفظ نماز مغرب کے لیے بھی استعمال کر دیتے ہیں۔ تو دونوں میں فرق و امتیاز کے لیے عشاء کو عشاء آخرہ کہتے ہیں۔

سلہ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنی شرح میں فرماتے ہیں۔ تیسری کا چاند اکثر و بیشتر شفق غائب ہونے کے نزدیک غروب ہوتا ہے مگر حضرت شیخ موصوف کا یہ کلام محل نظر ہے کہ حساب کے مطابق تیسری کا چاند پانچواں حصہ رات گزرنے پر غروب ہوتا ہے۔ لیکن اس حدیث میں بھی عشاء کو دیر سے پڑھنے پر دلالت موجود ہے۔ لہٰذا تیسری رات کے چاند کے غروب ہونے کو جو تعجیل انہوں نے اختیار کیا ہے وہ درست نہیں۔

وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ وَلَيْسَ عِنْدَ النَّسَائِيِّ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کی نماز روشنی اور سفیدی میں پڑھو کہ وہ اجر و ثواب میں زیادہ ہے۔ ترمذی، ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا اور نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا مگر ان کے نزدیک یہ عبارت فانہ اعظم للاجر نہیں ہے۔

سلہ آپ انصاری صحابی ہیں۔ چھوٹی عمر کی وجہ سے جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے مگر احد اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

سے واضح ہو کہ عبارت حدیث کے ظاہر سے متبادر یہی معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز سفیدی میں شروع کی جائے۔ اِسفار صبح کا معنی ہے۔ صبح کا کھلنا، اس کا روشن ہونا اور اس کی سفیدی کا پھیل جانا۔ مذکورہ معنی کے علاوہ اِسفار کے جو معنی کیے گئے ہیں وہ تاویل و تکلف پر مبنی ہیں۔

اور اِسفار کی حد جیسا کہ ہمارے مشائخ مذہب سے منقول ہے یہ ہے کہ اگر مسنون قرأت یعنی چالیس سے ساٹھ آیات یا سو تک ترتیل سے پڑھی جائیں اور نماز سے فراغت کے بعد بالفرض طہارت میں سہو ظاہر ہو جائے تو طلوع آفتاب سے پہلے وضو اور نماز کا اعادہ بطریق مسنون ہو جائے۔ (یعنی اتنا وقت سلام پھیرنے کے بعد باقی بچنا چاہیئے) علماء نے کہا ہے کہ سیدنا حضرت صدیق اکبر و سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما اسی وقت میں یہ نماز ادا کرتے تھے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز فجر تاریکی میں پڑھی جائے۔ امام موصوف یہ فرماتے ہیں کہ اِسفار سے صبح صادق کا یقین ہونا مراد ہے۔ اور یہ کہ طلوع فجر کے بارے میں محض ظن کی بنا پر جلد بازی نہ کی جائے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دخول وقت کا یقین ہونے پر نماز ادا کرنا بڑی اعظم اور افضل بات ہوگی۔ مگر امام شافعی علیہ الرحمۃ کی یہ تقریر محض تاویل ہے۔ کیونکہ حدیث سے بلا غور و تامل جو بات مفہوم ہوتی ہے یہ ہے کہ ثواب کا زیادہ اور اعظم ہونا اس خصوصیت کی بنا پر ہے جو اِسفار میں ہے نہ کہ محض فجر کا وقت موجود ہو جانے کی وجہ سے کیونکہ یہ بات تو تمام نمازوں کے اوقات میں پائی جاتی ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ فجر کو سفید کر کے پڑھنے کا حکم چاندنی راتوں میں ہے۔ اور یہ حکم احتیاط کی بنا پر ہے تاکہ ان راتوں میں فجر کا پوری طرح پتہ چل جائے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے آئمہ مذہب میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ نماز فجر کی ابتدا اندھیرے میں کرے اور اختتام سفیدی میں، قرأت دراز کر کے دونوں چیزوں (تاریکی اور سفیدی) کو جمع کرے۔ علماء نے کہا ہے کہ امام طحاوی کی یہ تاویل اولیٰ، احسن اور افضل ہے کہ اس سے مختلف احادیث میں موافقت ہو جاتی ہے۔ لیکن ہمارے آئمہ رحمہم اللہ کا ظاہر مذہب یہی ہے کہ نماز فجر کی ابتداء اور اختتام دونوں سفیدی میں ہو [illegible] کا شک ہونے لگے۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ تاخیر نہ کرنا بلکہ اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے اور دوسری روایت میں فجر سفید کر کے پڑھنا افضل آیا ہے۔ اور ان سے ایک تیسری روایت یہ ہے کہ مقتدیوں کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ جماعت کی فضیلت بہت محبوب اور افضل ہے۔

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا اور فرمایا سردیوں میں فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا اور اس میں قرأت بھی

کرنا جس قدر کہ لوگ برداشت کر سکیں ۔ اتنی طویل قرأت نہ کرتا کہ لوگ بد دل ہو جائیں ۔ اور موسم گرما میں فجر سفید کر کے پڑھنا کہ رات چھوٹی ہوتی ہے ۔ اور لوگ نیندیں ہوتے ہیں ۔ اس لیے توقف کرنا تاکہ سب لوگ جماعت میں شامل ہو جائیں ۔

علماء نے کہا ہے یہ بات بھی اس وقت کے ساتھ خاص ہے جب سب یا بعض لوگ حاضر ہو جائیں ۔ اور اگر سارے نمازی تاخیر کریں تو پھر بلا اختلاف تاخیر کرنا بہتر ہے ۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ ۔ اور دوسرے آئمہ جو فجر جلدی پڑھنے کے قائل ہیں ، یہ کہتے ہیں کہ وقت داخل ہونے کے ساتھ ہی پڑھنے میں ادائے عبادت میں جلدی ہوتی ہے ۔ اور حق افضل ہے ۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے ۔ وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ یعنی اپنے رب سے بخشش مانگنے میں جلدی کرو ۔

احناف اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ سفید کر کے پڑھنے میں نماز با جماعت کے لیے نمازی زیادہ ہو جائیں گے ۔ اور جماعت میں زیادہ لوگوں کو شامل ہونا زیادہ فضیلت کی بات ہے ۔ اور مغفرت کے لیے جلدی کرنا اس کام میں افضل ہے جو خدا کے نزدیک افضل ہو ۔

اصحاب میں معنی فقہی یہ ہے کہ آخر وقت تک فجر کو مؤخر کرنا بالاجماع اور بلا کراہت مباح ہے ۔ اور اتنی سویرے پڑھنا کہ جماعت میں نمازی کم شامل ہوں مکروہ ہے ۔ نیز لوگوں کو مشقت اور تکلیف میں ڈالنا بھی مکروہ ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو زیادہ لمبی قرأت کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا فَتَّانٌ اَنْتَ یعنی اے معاذ تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا چاہتا ہے ۔ باوجودیکہ نماز میں قرأت لمبی کرنا سنت ہے ۔ اور اول وقت میں نماز ادا کرنے کے ساتھ یہ سنت بھی متحقق ہوتی ہے ۔

پھر جائے نماز پر طلوع آفتاب تک بیٹھنا بھی مستحب ہے اور اس کی بڑی تاکید آئی ہے ۔ اور یہ چیز فجر سفید کر کے پڑھنے میں آسان ہے ۔ اندھیرے میں پڑھنے میں مشکل ہے ۔

علمائے اصحاب (احناف رحمہم اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں ۔ کہ روایات سے ثابت یہ امر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر سفید کر کے پڑھتے تھے ۔ اور تاریکی میں پڑھنے کی روایت اگر ثابت ہو جائے تو شاید آپ نے ایسا سفری نماز وں میں کیا ہو ۔ عذر کے باعث ۔ اسی لیے جب آپ نے مزدلفہ میں فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھی تو لوگوں نے کہا آج آپ نے خلاف دستور وقت میں نماز ادا کی ہے ۔ جیسا کہ روایات میں آچکا ہے ۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو فصل اول میں گزری یعنی یَنْصَرِفُ النِّسَآءُ مُتَلَفِّعَاتٍ کہ عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی نماز سے واپس لوٹتی تھیں ، اس حدیث کے معارض ہے ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول احناف کے نزدیک زیادہ راجح ہے ۔ اور شاید یہ اس وقت کی بات ہے جب عورتوں کو نماز کے لیے باہر نکلنے کا حکم تھا ۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا ۔ اور انہیں گھروں میں ہی بیٹھنے

کا حکم دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۵۶۶/۲۶ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يُنْحَرُ الْجَزُوْرُ فَتُقَسَّمُ عَشَرَ قِسَمٍ ثُمَّ تُطْبَخُ فَنَأْكُلُ لَحْمًا نَضِيْجًا قَبْلَ مَغِيْبِ الشَّمْسِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عصر پڑھتے پھر ہم لوگ اونٹ ذبح کرتے پھر اسے دس حصوں میں تقسیم کیا جاتا پھر اسے پکایا جاتا پھر ہم لوگ غروب آفتاب سے پہلے اس کا بھنا ہوا گوشت کھاتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

سلہ اس حدیث سے بلاشبہ عصر کی نماز جلدی پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے یعنی ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل ہونے کے وقت یا اس سے قریب میں جیسا کہ آئمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف، امام محمد اور ایک روایت کے مطابق امام اعظم ابو حنیفہ رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔ اور بعض کے نزدیک فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تحقیق کے طور پر بعض اوقات ایسا کیا ہو۔ تاہم لفظ کان کی دلالت دوام و استمرار پر محل نظر ہے۔

شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اونٹ ذبح کرنا پھر اسے دس حصوں میں تقسیم کرنا اور پکانا جیسا کہ اس حدیث میں مذکور رہا، آسان کام ہے جب کہ پکانے والے ماہر اور بہت سے لوگ ہوں۔ ایسے لوگ تھوڑے وقت میں بہت سا کام کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ سفروں میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ غیر ابر کے دن نماز عصر میں تاخیر کرنا افضل ہے۔ [illegible] تاخیر کرتے ہیں۔ احناف کا مختار و ظاہر مذہب یہ ہے کہ آفتاب کی رنگت میں تبدیلی واقع ہونے سے پہلے تک تاخیر [illegible] ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ادا کرتے تھے جب کہ سورج سفید اور روشن ہوتا تھا۔ اس سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج کی رنگت میں تبدیلی واقع نہ ہونے کے وقت تک نماز عصر میں تاخیر کرتے۔ نماز عصر میں کثرت سے نوافل پڑھنے کا موقعہ مل جاتا ہے کہ عصر کی نماز پڑھ لینے کے بعد نوافل پڑھنے ممنوع ہیں نوافل پڑھنے کا زیادہ موقعہ مل جانا نماز عصر کو اول وقت میں پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور رنگت کی تبدیلی سے بعض کے نزدیک سورج کی ٹکیہ کی تبدیلی مراد ہے۔ تبدیلی سے مراد یہ ہے کہ ٹکیہ کو دیکھنے سے آنکھیں نہ چندھیائیں۔ اور بعض کے نزدیک شعاع آفتاب (دھوپ) جو دیواروں پر پڑتی ہے، کی رنگت کی تبدیلی مراد ہے۔ صاحب ہدایہ اور بعض دوسرے آئمہ کے

نزدیک تمہارو پسندیدہ قول ٹکیہ کی رنگت ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جب تک سورج ایک دو نیزہ بلند ہوتا ہے تو اس میں تبدیلی نہیں آتی۔ جب اس سے نیچے آگیا تو اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔

۵۶۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكَثْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ فَخَرَجَ حِيْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ اَوْ بَعْدَهٗ فَلَا نَدْرِىْ اَشَىْءٌ شَغَلَهٗ فِىْ اَهْلِهٖ اَوْ غَيْرُ ذٰلِكَ فَقَالَ حِيْنَ خَرَجَ اِنَّكُمْ لَتَنْتَظِرُوْنَ صَلٰوةً مَا يَنْتَظِرُهَا اَهْلُ دِيْنٍ غَيْرُكُمْ وَلَوْ لَا اَنْ يَّثْقُلَ عَلٰى اُمَّتِىْ لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ اَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰى۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات ہم لوگ عشاءِ آخرہ[1] کی نماز کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتظار میں ٹھہرے رہے۔ آپ تیسرا حصہ رات گزرنے پر یا اس سے کچھ دیر بعد ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم نہیں جانتے کہ آپ کو گھر میں کسی کام نے مشغول رکھا یا کوئی اور بات[2] تھی۔ جب آپ تشریف لائے تو فرمایا[3] تم لوگ ایک ایسی نماز کی انتظار میں رہے جس کا انتظار تمہارے سوا کسی اور دین والے نے نہیں کیا۔ اور اگر میری امت کے لیے بوجھ نہ ہوتا تو میں یہ نماز (روزانہ) اسی وقت (تہائی حصہ رات گزرنے پر) پڑھتا۔ پھر آپ نے مؤذن کو حکم دیا تو اس نے اقامت کہی اور آپ نے نماز[4] پڑھی۔

(مسلم شریف)

۱ عشاء کے ساتھ آخرہ کا لفظ اس لیے آجاتا ہے کہ بعض لوگ نماز مغرب کو بھی عشاء کہہ دیتے ہیں تو نماز مغرب گویا عشاء اولیٰ ہے۔

۲ یعنی جب آپ نماز کے لیے باہر تشریف لائے تو زیادہ دیر ہو جانے کی بنا پر امت پر شفقت و رحمت اور ان کی تسلی و تسکین کے لیے بطور معذرت اگلے الفاظ ارشاد فرمائے۔

۳ یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ اہل دین میں سے کوئی بھی تمہارے سوا اس نماز کی انتظار نہیں کرتا۔ کیونکہ نماز عشاء اسی امت کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ ذکر ہوا۔

۴ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عشاء کو تہائی حصہ گزرنے پر ادا کرنا افضل ہے۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء اول وقت میں بھی ادا کر لیتے جب اکثر صحابہ کرام مسجد میں آجاتے۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جب اکثر نمازی آجاتے تو آپ یہ نماز پہلے وقت میں ادا کر لیتے۔ اور جب دیر سے آتے تو دیر سے ادا فرماتے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

۵۸۸/۲۹ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصَّلٰوتِ نَحْوًا مِّنْ صَلٰوتِكُمْ وَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَتَمَةَ بَعْدَ صَلٰوتِكُمْ وَكَانَ يُخِفُّ الصَّلٰوةَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر[1] بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نمازیں تمہاری نمازوں کی طرح[2] ادا فرماتے اور تاریکی کی نماز (عشاء) تمہاری نماز عشاء کے وقت کے بعد[3] ادا فرماتے۔ اور آپ ہلکی[4] نماز ادا کرتے۔

(مسلم شریف)

[1] حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ آپ کا باپ بھی صحابی ہے۔ آپ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ کے بیٹے ہیں۔ آپ کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے اور وہیں ۶۳ھ اور ایک قول کے مطابق ۶۶ھ میں فوت ہوئے۔

[2] اور رعایت اوقات میں تمہاری نمازوں کے قریب وقت میں ادا فرماتے۔ مگر باقی خصوصیات و صفات میں آپ کی نماز تمہاری نماز کی طرح نہ تھی۔ (بلکہ بہت افضل و اعلیٰ ہوتی تھی)۔

[3] یہ حدیث اس امر میں صریح ہے کہ آپ عشاء کی نماز تاخیر کر کے پڑھتے تھے۔ اول وقت میں ادا نہ کرتے تھے۔ خواہ دوسرے لوگ (امت) اول وقت میں ادا کریں یا اس کے بعد۔

[4] یعنی کمزور مقتدیوں کا لحاظ کرتے ہوئے۔ آپ یہ لحاظ و رعایت اکثر و غالب اوقات میں فرماتے تھے۔ ورنہ یہ بھی حدیث میں آیا ہے۔ کہ آپ نے نماز مغرب میں سورۂ اعراف [illegible] ہے۔ اس کی تحقیق ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام میں آئے گی۔

۵۸۹ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعَتَمَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتّٰى مَضٰى نَحْوٌ مِّنْ شَطْرِ اللَّيْلِ فَقَالَ خُذُوْا مَقَاعِدَكُمْ فَاَخَذْنَا مَقَاعِدَنَا فَقَالَ اِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَاَخَذُوْا مَضَاجِعَهُمْ وَاِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوْا فِيْ صَلٰوةٍ مَّا انْتَظَرْتُمُ الصَّلٰوةَ وَلَوْلَا ضُعْفُ الضَّعِيْفِ وَسَقَمُ السَّقِيْمِ

حضرت ابو سعید [illegible] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ [illegible] عشاء کی نماز پڑھی۔ آپ [illegible] یہاں تک کہ تقریباً نصف رات گزر گئی پھر آپ [illegible] لائے اور فرمایا اپنی جگہ [illegible] صفیں درست کر کے ہم اپنی جگہ [illegible] ہم نے صفیں یا [illegible] تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دوسرے) لوگ نماز ادا کر کے اپنے بستروں پر جا چکے ہیں۔ (سو گئے ہیں) اور تم لوگ جب تک نماز کی انتظار

لَاَخَّرْتُ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ اِلٰى شَطْرِ اللَّيْلِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

میں سے ہو نماز ادا کرنے کا ثواب ہی حاصل کرتے رہے ہو۔ اگر کمزوروں کی کمزوری اور بیماروں کی بیماری نہ ہوتی تو میں اس نماز کو نصف رات تک مؤخر کرتا[۲]۔ (احمد، ابوداؤد و نسائی)

[۱] جیسا کہ گزشتہ مذکور ہوا کہ مسلمانوں کے علاوہ کوئی بھی دوسرے دین والا اس نماز عشاء کی انتظار نہیں کرتا کہ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی شرح میں ایسا ہی ہے۔ اور یوں کہنا بھی ممکن ہے کہ ان الفاظ کا معنیٰ ہے دوسرے محلوں والے لوگ جو اس مسجد سے متعلق نہیں، نماز عشاء ادا کر کے سو گئے ہیں۔ یہ معنیٰ اس اگلے قول مبارک وَاِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوْا اِلٰى اٰخِرِهٖ کے زیادہ مناسب ہے۔

[۲] ان دو احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نصف رات تک نماز عشاء کو مؤخر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ اتنی دیر کر کے یہ نماز ادا کرنے میں بڑی مشقت و محنت ہے۔ بہر حال اتنی دیر تک تاخیر کرنا بالکل مکروہ نہیں ہے۔

۵۶۱ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشَدَّ تَعْجِيْلًا لِّلظُّهْرِ مِنْكُمْ وَاَنْتُمْ اَشَدُّ تَعْجِيْلًا لِّلْعَصْرِ مِنْهُ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر جلد[۱] ادا کرنے میں تم سے سخت تر تھے مگر تم لوگ نماز عصر ادا کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سخت ہو[۲]۔ (احمد و ترمذی)

[۱] یعنی سخت گرمی کے علاوہ دوسرے دنوں میں۔ کیونکہ سخت گرمی کے دنوں میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا مستحب ہے۔

[۲] اس کلام سے مقصود تمام باتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے التزام کی ترغیب و تحریض ہے۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر کچھ نہ کچھ دیر کر کے پڑھتے تھے۔

۵۶۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گرمی کے دن ہوتے ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھتے۔ اور جب سردی کے دن ہوتے تو جلدی پڑھ لیتے۔ (نسائی شریف)

۵۶۳ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبادہ[۱] بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِنَّهَا سَتَكُونُ عَلَيْكُمْ بَعْدِي أُمَرَاءُ يَشْغَلُهُمْ أَشْيَاءُ عَنِ الصَّلٰوةِ لِوَقْتِهَا فَصَلُّوا الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أُصَلِّي مَعَهُمْ قَالَ نَعَمْ۔

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

بے شک واقعہ یہ ہے کہ عنقریب میرے بعد ایسے بادشاہ تم پر مسلط ہوں گے کہ وقت پر نماز پڑھنے سے انہیں بہت سی چیزیں[۲] معروف رکھیں گی یہاں تک کہ نمازوں کا وقت گزر جائے گا تم لوگ اپنی نمازیں وقت پر پڑھ لینا تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ کیا میں ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لوں فرمایا ہاں[۳]

(ابوداؤد)

[۱] مشہور صحابی ہیں۔نقبائے انصار میں سے ہیں۔جنگ بدر اور باقی تمام غزوات میں شریک ہوئے۔آپ کے بے شمار مناقب ہیں۔کئی بار آپ کے حالات مذکور ہو چکے ہیں۔

[۲] یعنی بے مقصد مصروفیات اور خواہشات انہیں مستحب وقت میں نماز ادا کرنے سے روک رکھیں گی۔

[۳] جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا۔

۵۷۳/۲۲ وَعَنْ قَبِيصَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ مِنْ بَعْدِي يُؤَخِّرُونَ الصَّلٰوةَ فَهِيَ لَكُمْ وَهِيَ عَلَيْهِمْ فَصَلُّوا مَعَهُمْ مَا صَلَّوُا الْقِبْلَةَ۔

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

حضرت قبیصہ[۱] بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد تم پر ایسے بادشاہ مسلط ہوں گے جو نمازیں صحیح وقت سے دیر کر کے پڑھیں گے۔ان کی نمازیں تمہارے لیے تو باعث ثواب[۲] ہوں گی اور ان کے لیے وبال و عذاب[۳] ہوں گی۔ان کے ساتھ شامل ہو کر نماز پڑھتے رہو جب تک کہ وہ قبلہ کو منہ کر کے نماز پڑھتے رہیں[۴]۔(ابوداؤد شریف)

[۱] قبیصہ قاف کی زبر، با کی زیر اور صاد کے ساتھ۔وقاص قاف کی شد کے ساتھ۔آپ صحابی ہیں۔بصرہ میں رہے اور بصریوں میں شمار ہوتے ہیں۔

[۲] یعنی جو نمازیں وہ ادا کریں گے ان کا ثواب تمہیں ملے گا۔اور ان کا نفع بھی تمہیں حاصل ہوگا کیونکہ اگر تم نے اپنی نماز صحیح وقت میں پڑھ لی ہوگی۔تو یہ نماز جو ان کے ساتھ ادا کرو گے تمہاری نفل نماز ہوگی۔اور اگر تم نے صحیح وقت میں نماز نہ پڑھی ہوگی بلکہ تم نے بھی آخر وقت میں ان کے ساتھ پڑھی ہوگی۔تو پھر بھی تمہیں کوئی ضرر و نقصان نہیں۔کہ تم خود فتنہ اور دفع فساد کے لیے ایسا کرو گے۔

[۳] یعنی اس نماز کا ضرر و نقصان۔اور صحیح و مستحب وقت سے نماز مؤخر کرنے کا وبال ان کی گردن پر ہوگا۔

[۴] یہ قید اتفاقی ہے۔اور ہو سکتا ہے کہ حقیقت پر مبنی ہو کر فساد و تقدیر آئے ظالم بادشاہ اور حاکم قبلہ کی جانب منہ

کرکے نماز پڑھنا چھوڑ دیں اور اسلام کی رسی گلے سے نکال دیں تو پھر ان کے ساتھ نماز ادا نہ کی جائے گی۔

۵۷۲/۲۵ وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ أَنَّهُ دَخَلَ عَلٰى عُثْمَانَ وَهُوَ مَحْصُوْرٌ فَقَالَ إِنَّكَ إِمَامُ عَامَّةٍ وَنَزَلَ بِكَ مَا تَرٰى وَيُصَلِّيْ لَنَا إِمَامُ فِتْنَةٍ وَنَتَحَرَّجُ فَقَالَ الصَّلٰوةُ أَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ فَإِذَا أَحْسَنَ النَّاسُ فَأَحْسِنْ مَعَهُمْ وَإِذَا أَسَاءُوْا فَاجْتَنِبْ إِسَاءَتَهُمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبیداللہ[1] بن عدی بن الخیار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جب کہ آپ کا محاصرہ[2] ہو چکا تھا۔ حضرت عبیداللہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا آپ سب مسلمانوں کے امام ہیں۔ مگر آپ اس حادثہ اور مصیبت میں مبتلا ہو گئے جسے تم دیکھ رہے ہو۔ اور ہمیں اہل فتنہ کا امام[3] نماز پڑھاتا ہے۔ ہم لوگ اس کی اقتداء میں نماز ادا کرنے سے گریز کرتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا نماز بہترین عمل ہے جسے لوگ ادا کرتے ہیں۔ جب لوگ نیک کام کریں تو تم بھی ان کے ساتھ اس نیک کام میں شریک ہو جاؤ۔ اور جب بُرے کام میں مشغول ہوں تو ان سے الگ ہو[4] جاؤ۔ (بخاری شریف)۔

---

[1] حضرت عبیداللہ بن عدی قرشی نوفلی ہیں۔ کبار تابعین میں سے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں پیدا ہو چکے تھے۔

[2] اور اس محاصرے میں ہی آپ کی شہادت ہوئی۔

[3] یعنی آج کل نمازوں کی امامت اہل بغی و فتنہ کا رئیس و سردار کرتا ہے۔ اس امام کا نام کنانہ بن بشیر تھا۔

[4] خلاصۂ کلام یہ کہ نیکی میں لوگوں کے ساتھ شریک رہو۔ اور بدی میں ان سے دور رہو۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قول مبارک نہایت رواداری اور انصاف پسندی کے جذبے سے صادر ہوا۔ اس قول میں اس امر کی دلیل ہے کہ ہر نیک و بد کی اقتداء میں نماز ادا کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے۔

بَابٌ فِيْ فَضَائِلِ الصَّلٰوةِ

گذشتہ باب میں مذکور فضائلِ نماز اور ان کے اوقات کے توابع اور انہیں مکمل کرنیوالے امور کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۵۹۵ — عَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَنْ يَّلِجَ النَّارَ اَحَدٌ صَلّٰى قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا يَعْنِي الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمارہ بن رُوَیبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا جو شخص ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا جو طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھے گا" یعنی فجر و عصر کی نماز پڑھے گا۔

(مسلم شریف)

لے عمارۃ عین کی پیش اور غیر مشدد میم کے ساتھ۔ رُوَیبہ راء اور باء ایک نقطہ والی کے ساتھ بصیغہ تصغیر۔ آپ صحابی ہیں ثقفی ہیں۔ کوفیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

لے واضح ہو کہ اس حدیث کے ظاہر الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جو کوئی ان دو نمازوں کی پابندی کرے گا وہ ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا۔ نہ تو ترک نماز کی وجہ سے اور نہ دوسرے گناہوں کی وجہ سے مگر یہ بات جمہور علماء کے نزدیک خلافِ تحقیق ہے۔ کیونکہ اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ اور نمازیں صغائر کا کفارہ ہوتی ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ وہ آدمی جو ان دو نمازوں کی پابندی کرے گا باوجودیکہ فجر کی نماز کے پہلے نیند غالب ہوتا ہے اور عصر کی نماز کے وقت کام کاج میں مشغولیت ہوتی ہے تو وہ دوسرے اعمال خیر کے بجالانے میں کوئی کمی بیشی نہ کرے گا۔ لہٰذا ایسے شخص کی بخشش ہو جائے گی۔ اور وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ (اس میں غور و تدبر کرو) مگر ظاہر یہ ہے کہ ان الفاظ سے ان دو نمازوں کی فضیلت میں مبالغہ مراد ہے۔ کہ یہ نمازیں اس قدر افضل و اعلیٰ ہیں کہ ان کو پابندی سے ادا کرنے والا ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے ہر عمل پر جزا دیتا ہے۔ اس کے باوجود اگر چاہے

تو ان دو نمازوں کو پابندی سے پڑھنے والے کے ہر گناہ کو بخش دے اور اسے معافی عطا کر دے۔ واللہ اعلم۔

۵۷۶ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّی الْبَرْدَیْنِ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے دو ٹھنڈی نمازیں[1] پڑھیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

[1] اکثر مؤرخین محدثین کا قول یہ ہے کہ اس سے موسم سرما کی فجر و عصر کی نماز مراد ہے۔ اور بعض فجر و عشاء مراد لیتے ہیں مگر گزشتہ حدیث قول اول کی تائید اور اسے قوی کرتی ہے۔

۵۷۷ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَعَاقَبُوْنَ فِیْکُمْ مَلٰٓئِکَۃٌ بِاللَّیْلِ وَمَلٰٓئِکَۃٌ بِالنَّھَارِ وَیَجْتَمِعُوْنَ فِیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَصَلٰوۃِ الْعَصْرِ ثُمَّ یَعْرُجُ الَّذِیْنَ بَاتُوْا فِیْکُمْ فَیَسْاَلُھُمْ رَبُّھُمْ وَھُوَ اَعْلَمُ بِھِمْ کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ فَیَقُوْلُوْنَ تَرَکْنٰھُمْ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ وَاَتَیْنٰھُمْ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر ایک دوسرے[1] کے پیچھے نازل ہوتے ہیں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے۔ اور یہ فرشتے فجر اور عصر کی نمازوں میں اکٹھے ہو جاتے ہیں[2]۔ پھر رات والے فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں۔ تو ان سے ان کا رب سوال کرتا ہے۔ حالانکہ وہ سب سے بڑا عالم ہے[3] کہ تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو۔ فرشتے عرض کرتے ہیں ہم انہیں نماز پڑھتا ہوا چھوڑ آئے ہیں اور جب ہم ان کے پاس آئے تو اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ (بخاری و مسلم)

[1] یہ فرشتے بندوں کے حالات لکھنے اور ان کے اعمال اوپر لے جانے کے لیے آتے ہیں۔

[2] علماء فرماتے ہیں کہ یہ دونوں جماعتیں نماز فجر میں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ کہ رات کے اعمال لکھنے والا گروہ ابھی زمین پر ہی ہوتا ہے کہ دن کے اعمال لکھنے والا گروہ آ جاتا ہے۔ پھر دیگر کی نماز میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ تو ان دو نمازوں کو ایک خصوصیت حاصل ہے کہ اترنے والے اور اوپر چڑھنے والے ملائکہ ان دو نمازوں کے وقت جمع ہوتے ہیں۔

[3] سب کچھ جاننے کے باوجود وہ فرشتوں سے اس لیے دریافت کرتا ہے تاکہ ملائکہ کے سامنے اپنے بندوں کی فضیلت و شان کا اظہار کرے کیونکہ ملائکہ نے بندوں کو فسق و فساد برپا کرنے کا طعنہ دیا تھا اور تسبیح و تقدیس کے ساتھ اپنی مدح و ثنا کی تھی۔ تو وہ ملائکۂ شب سے دریافت کرتا ہے کیونکہ رات کا عمل افضل اور صدق و اخلاص کے اعتبار سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ رات کے ملائکہ دن کے ملائکہ سے افضل ہیں۔ کہ رات دن سے افضل ہے

تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے۔ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے۔

۵۹۸ وَعَنْ جُنْدُبٍ الْقَسْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ فَلَا يَطْلُبَنَّكُمُ اللّٰهُ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَيْءٍ فَاِنَّهٗ مَنْ يَطْلُبْهُ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَيْءٍ يُدْرِكْهُ ثُمَّ يَكُبَّهٗ عَلٰى وَجْهِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ الْقُشَيْرِيِّ بَدَلَ الْقَسْرِيِّ

حضرت جندب القسری[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے فجر کی نماز پڑھ لی وہ اللہ کی امان اور اس کی ذمہ داری اور پناہ میں ہو گیا۔ تو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ تم سے اپنے ذمہ کے بارے میں کسی چیز کے متعلق بھی باز پرس[۲] نہ کرے۔ کیونکہ جس سے بھی اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ کے بارے میں باز پرس کرے گا۔ اسے پا لے گا پھر اسے الٹا کر کے منہ کے بل آتش جہنم میں ڈالے گا۔[۳] مسلم شریف۔ اور مصابیح کے بعض نسخوں میں القسری کے بجائے القشیری آیا ہے[۴]۔

[۱] القَسْرِی قاف کی زبر اور سین کی جزم کے ساتھ۔ حضرت جندب القسری صحابی ہیں۔ بنی قیس کی ایک شاخ قسر کی طرف منسوب ہیں۔

[۲] یعنی چاہیئے کہ کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے خدا تعالیٰ کا عہد اس کی ذمہ داری میں خلل واقع ہو اور خدا تعالیٰ اس پر تم سے پوچھے اور تمہاری باز پرس فرمائے۔ تو کسی بھی صبح کی نماز ادا کرنے والے کو رنج و اذیت دے کر اسی طرح عہد خدا توڑتا اور امانت میں خیانت لازم آتی ہے۔ اور جب تم نے خدا کے عہد کو توڑا اور اس کی امانت میں خیانت کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب میں مبتلا کرے گا پھر ایسا کرنے والا کوئی بھی شخص خدا تعالیٰ سے بھاگ نہ سکے گا۔

[۳] اور بندہ اس سے بھاگ نہ سکے گا۔

[۴] بلکہ مصابیح کے تمام نسخوں میں عن جندب القشیری [illegible] یائے تحتانیہ کی جزم کے ساتھ بدل القسری قاف کی زبر اور سین کی جزم کے ساتھ [illegible] علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے حدیث کی کسی کتاب میں نہیں پایا کہ [illegible] قشیر کی طرف [illegible] ہے۔

۵۹۹ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَآءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا اِلَّا اَنْ يَّسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوْا وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگ جان جائیں کہ اذان اور صف اول میں کس قدر فضیلت ہے پھر وہ نماز کے لیے جائیں مگر قرعہ اندازی کے بغیر اس میں شامل نہ ہو سکیں۔ تو البتہ وہ ضرور قرعہ اندازی کرتے اور اگر

التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لوگ جان لیں کہ دوپہر کو نماز ظہر کے لیے جانے میں کس قدر فضیلت ہے تو اس کے لیے ضرور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے[2] اور اگر لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ نماز عشاء اور فجر میں کیا فضیلت ہے تو وہ ضرور ان دونوں نمازوں کے لیے آئیں اگرچہ انہیں سرین کے بل چل کر آنا پڑے[3]۔

(بخاری و مسلم)

---

[1] یعنی اذان اور صف اول کی فضیلت اس قدر زیادہ ہے کہ اذان اور صف اول کے لیے آپس میں جھگڑ پڑیں اور قرعہ اندازی کی نوبت آجائے۔ تو وہ ضرور قرعہ اندازی کریں۔

[2] مگر یہ بات گرم ہوا کے علاوہ دوسرے اوقات کے لیے ہوگی۔ کیونکہ گرم ہوا کے وقت ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھنا مستحب و مرغوب ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ تہجیر (دوپہر کو نماز ظہر کے لیے جانا) سے تبکیر مراد ہے یعنی نماز ظہر کے لیے جلدی جانا۔ اور تہجیر کے لفظ سے تبکیر مراد لینا اہل حجاز کی لغت کے ساتھ خاص ہے۔ مقصود ہر نماز کے لیے جلدی جانا ہے۔ یہ بات ظہر کے ساتھ خاص نہیں بہر تقدیر اس سے وہ نماز مراد ہے۔ جس میں تاخیر مستحب نہیں ہے۔ بعض علماء نے تہجیر کو نماز جمعہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اس معنی کی تحقیق کتاب الجمعہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

[3] حبوا۔ دونوں ہاتھوں اور سینے پر یا سرین پر چل کر جانا۔ جس طرح بچہ چلتا ہے۔ یعنی اگر ان میں پاؤں سے چل کر جانے کی قوت و طاقت نہ ہو تو وہ کمزوروں کی طرح مذکورہ طریقہ پر چل کر ان نمازوں میں شامل ہوں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ صَلٰوةٌ أَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافقوں پر فجر و عشاء کی نماز سے زیادہ کوئی نماز بھاری نہیں[1]۔ اور اگر انہیں پتہ چل جائے کہ ان دونوں میں کس قدر فضیلت ہے تو انہیں سرین کے بل بھی آنا پڑے تو ضرور آئیں۔

(بخاری و مسلم)

---

[1] کیونکہ یہ دونوں ایسے وقت پڑھی جاتی ہیں جب کہ طبیعت سست ہوتی ہے پھر ان اوقات میں لوگ بھی کم دیکھتے ہیں۔ تو ریا کے ساتھ ہی منافق یہ نمازیں پڑھتے ہیں۔

۵۸۱ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے عشاء کی نماز با جماعت ادا کی گویا اس نے نصف رات اللہ کی عبادت میں گزاری[1]۔ اور جس نے فجر کی نماز با جماعت ادا کی گویا اس نے ساری رات اللہ کی عبادت میں گزاری[2]۔

(مسلم شریف)

[1] اور گویا نصف شب کے وقت تہجد کی نماز بھی ادا کر لی۔

[2] پس نماز صبح کا ثواب عشاء کی نماز سے زیادہ ہے۔ کہ فجر کی نماز کا ثواب تمام رات جتنی عبادت کا ثواب ہے۔ اور عشاء کی نماز کا ثواب نصف رات کے ثواب کے برابر ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ عشاء کی نماز پڑھنے سے نصف رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔ اور نماز فجر با جماعت ادا کرنے سے باقی نصف رات کا ثواب ملتا ہے۔ اور دونوں نمازوں کا ثواب پوری رات کی عبادت جتنا ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۸۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى اسْمِ صَلٰوتِكُمُ الْمَغْرِبِ قَالَ وَيَقُوْلُ الْاَعْرَابُ هِيَ الْعِشَاءُ وَقَالَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى اسْمِ صَلٰوتِكُمُ الْعِشَاءِ فَاِنَّهَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ الْعِشَاءُ فَاِنَّهَا تُعْتِمُ بِحِلَابِ الْاِبِلِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] دیہاتی لوگ تمہاری نماز مغرب کے نام پر غالب نہ آجائیں [illegible] فرمایا کہ اعراب دیہاتی اسے عشاء کہتے ہیں [illegible] آیا ہے اعراب یعنی دیہاتی تمہاری نماز عشاء کے نام پر غالب نہ ہوں کیونکہ وہ [illegible] اور [illegible] اللہ کی کتاب میں [illegible] [illegible] نماز [illegible] [illegible]

[1] یا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اعراب کے نماز مغرب کے نام پر غلبہ کے متعلق [illegible] فرمایا۔

[2] یعنی وہ مغرب کو عشاء کہتے ہیں۔ جو غروب آفتاب کے وقت میں واقع ہے۔

[3] کہ نماز عشاء کو قرآن مجید میں عشاء کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا یا ایہا الذین امنوا لیستاذنکم الذین مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ مِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ تک۔ یعنی تم لوگ ان نمازوں کو اس نام سے نہ پکارو جس نام سے اعراب دیہاتی پکارتے ہیں۔ بلکہ ان کا وہ نام لو جو قرآن و سنت میں وارد ہے۔ اگرچہ نہی کا تعلق بظاہر اعراب سے ہے کہ وہ غالب نہ آئیں مگر حقیقۃً مسلمانوں کو ان کے ساتھ موافقت کرنے سے روکا گیا ہے۔ تاکہ اس بارے میں اعراب کو غلبہ حاصل نہ ہو۔ یہاں سے معلوم

ہوتا ہے کہ زبان، اصطلاح شرع کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اور اہل جاہلیت اور ارباب بطالت کے ہاں مستعمل الفاظ زبان پر نہ لانے چاہئیں۔ اس بات سے منع کرنے اور اس ممانعت کی علت بیان کرنے کے بعد آنے والے لفظ فَاِنَّمَا تُعْتِمُ کے لفظ سے اس جانب بھی اشارہ فرمایا کہ اعراب عشاء کو عتمہ کیوں کہتے ہیں۔ تاکہ کلام کی تکمیل اور ازالۂ خفا ہو جائے۔

۵۴ فَاِنَّمَا تُعْتِمُ تا کی پیش اور عین ساکن اور دوسری تا کی زیر۔ اور زبر کے ساتھ۔ دوسری تا کی زیر کی صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ بیشک نماز عشاء تاریکی میں ادا کی جاتی ہے۔ اونٹوں کا دودھ نکالنے کے وقت۔

۵۵ بِحِلَابِ الْاِبِلِ یعنی اونٹوں کا دودھ دوہنے کے وقت۔ کہ اعراب اونٹوں کو شفق غائب ہونے کے بعد تاریکی میں دوہتے ہیں۔ جو کہ عشاء کا وقت ہوتا ہے۔ اس مناسبت سے اعراب اسے نماز عتمہ کہتے ہیں۔ عَتَمَہ بمعنی سخت تاریکی اور لفظ تعتم کی دوسری تاء کی زبر کی صورت میں معنی یہ ہوگا۔ کہ اعراب اونٹ دوہنے میں تاریکی کر دیتے تھے۔ اور اس وقت کے لیے عربوں میں یہ نام مشہور تھا۔ یہاں تک کہ اسلام کا زمانہ آیا اور اس وقت میں نماز شروع ہوئی اور مسلمان بھی زمانہ قبل اسلام کے نام کے مطابق نماز عشاء کو نماز عتمہ ہی کہتے تھے۔ چنانچہ انہیں اس نام سے روک دیا گیا۔ اور اہل جاہلیت کے ساتھ تشبیہ کی بنا پر اس نام کو مکروہ قرار دیا گیا۔ اور اس بنا پر بھی رد کیا گیا کہ عتمہ تاریکی کو کہتے ہیں جب کہ نماز سراسر نور اور روشنی ہے۔ اور بعض احادیث میں جو اس نماز کے لیے عتمہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ نہی و ممانعت سے پہلے ایسا ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۳ وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَبَسُوْنَا عَنْ صَلٰوةِ الْوُسْطٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ مَلَاَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق[۵۶] کے دن فرمایا۔ ان کفار نے ہمیں نمازِ وسطیٰ[۵۷] یعنی نماز عصر پڑھنے سے روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گھروں[۵۸] اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔ (بخاری و مسلم)

۵۶ یوم خندق کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔ جنگ کی شدت اور تیر اندازی کے باعث چار نمازیں فوت ہو گئیں۔ ان میں نماز عصر بھی تھی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کے فضل و شرف کے اظہار کے لیے خصوصاً اس نماز کا ذکر فرمایا۔

۵۷ صلوٰۃ وسطیٰ یعنی درمیانی اور افضل نماز۔

۵۸ یہ ان کفار کے لیے دنیا و آخرت میں عذاب و سزا کی بددعا ہے۔ واضح ہو کہ جنگ احد کے دن کفار کی طرف سے انواع و اقسام کی تکالیف پہنچنے کے باوجود حضور نے ان کے لیے [illegible] مگر یہاں خندق کے موقع پر آپ نے بددعا کی اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں حق اللہ (نماز) فوت ہوا۔ اور احد کے دن آپ کی ذات کو اذیتیں پہنچیں۔ اپنی ذات کے لیے

آپ نے بددعا کرنا مناسب نہ سمجھی۔

سکے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر کا نام ہے۔ اکثر علماءِ صحابہ وتابعین اور امام ابوحنیفہ وامام احمد رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ پس قرآن مجید میں مذکور صلوٰۃ وسطیٰ سے یہی نمازِ عصر مراد ہوگی۔ اس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ اور اس نماز کی تعیین کے بارے میں جو اختلاف صحابہ وتابعین میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اگلی دو فصلوں میں آرہا ہے وہ غالباً اس حدیث کے سننے اور اس کے پہنچنے سے پہلے کا ہے۔ جو قرآن میں اپنے اجتہاد سے تاویل کی بناء پر واقع ہوا۔ حدیث کی صحت کے بعد اس امر کا یقین ہوگیا کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے یقینی طور پر نماز عصر مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۵۸۴ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَّ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ الْوُسْطٰی صَلٰوۃُ الْعَصْرِ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابن مسعود وسمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلوٰۃ الوسطیٰ نماز عصر ہے۔ ترمذی شریف۔ اور امام ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

سلے یہ دونوں عظیم ومشہور صحابی ہیں۔

سلے اور اس حدیث کو امام حسن بصری نے حضرت سمرہ سے روایت کیا۔ اور امام بخاری سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا کہ حسن بصری کی حضرت سمرہ سے روایت کردہ حدیث صحیح ہے اور حسن بصری کا حضرت سمرہ سے سماع ثابت ہے۔

۵۸۵ وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْہُوْدًا قَالَ تَشْہَدُہٗ مَلٰئِکَۃُ اللَّیْلِ وَمَلٰئِکَۃُ النَّہَارِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے قول ان قرآن الفجر کان مشہودا (بیشک فجر کا قرآن حاضر کیا گیا ہے) کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز فجر کے وقت دن اور رات کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

سلے نماز فجر کو قرآن فجر سے تعبیر کرنا اس بنا پر ہے کہ قرأت نماز کے ارکان میں سے ہے۔ جس طرح رکوع وسجود وغیرہ کے لفظ سے نماز مراد لی جاتی ہے۔ اور قرآن فجر کے لفظ سے نماز فجر کی قرأت مراد لی جائے جیسا کہ بعض نے ایسا کہا ہے اور امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس معنی کو ترجیح دی ہے تو یہ بھی درست ہے۔ اور اس سے نماز فجر کی

فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

ے۲ یعنی فجر کی نماز کے وقت رات کے فرشتے موجود ہوتے ہیں جو آسمان کی طرف صعود کر جاتے ہیں۔ اور لوگوں کے رات کے اعمال لے جاتے ہیں۔ اسی طرح دن کے فرشتے بھی اس نماز کے وقت موجود ہوتے ہیں جو دن کے اعمال لکھنے کے لیے نیچے اترتے ہیں۔ فرشتوں کے یہ دونوں گروہ راستے میں ملاقات کرتے ہیں۔ اور یہ معنی نمازیں بھی موجود ہے اور اس بات کے ساتھ کوئی منافات نہیں کہ آیہ کریمہ کی تفسیر میں تو فجر کا ذکر آیا ہے۔ اور اگر نماز عصر کے حق میں بھی اس آیت کا ورود ہوا ہوتا تو اس کی تفسیر بھی یہی ہوتی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۵۸۲ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَّ عَائِشَةَ قَالَا اَلصَّلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلٰوةُ الظُّهْرِ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ زَيْدٍ وَّ التِّرْمِذِيُّ عَنْهُمَا تَعْلِيْقًا۔

حضرت زید بن ثابت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ان دونوں نے کہا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ صلوٰۃ ظہر ہے اسے مالک[1] نے زید سے روایت کیا اور ترمذی نے ان دونوں سے تعلیقاً[2] روایت کیا۔

ے۱ یعنی اس قول کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

ے۲ اور امام ترمذی نے اسے زید و عائشہ رضی اللہ عنہما سے بطریق تعلیق روایت کیا۔ تعلیق کا معنیٰ ہے حدیث کے اول سے بعض یا کل اسناد حذف کر دینا۔ یعنی ترمذی نے اسے بے استاد روایت کیا۔ اور اپنے جامع میں کہا۔ کہ زید بن ثابت اور عائشہ رضی اللہ عنہما دونوں نے کہا صلوۃ الوسطیٰ صلوٰۃ ظہر ہے۔ یہ ان دو صحابہ کا قول ہے اور ان دونوں پر موقوف ہے اور انہوں نے اس کا رفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں کیا۔

۵۸۳ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَلَمْ يَكُنْ يُصَلِّيْ صَلٰوةً اَشَدَّ عَلٰى اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا فَنَزَلَتْ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقَالَ اِنَّ قَبْلَهَا صَلٰوتَيْنِ وَ بَعْدَهَا صَلٰوتَيْنِ۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا[1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر دوپہر کے وقت پڑھتے تھے۔ اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظہر کی نماز سے زیادہ سخت اور کوئی نماز نہ تھی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى تمام نمازوں کی پابندی کرو خصوصاً نماز وسطیٰ[2] (ظہر) کی۔ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیشک اس نماز سے پہلے بھی دو نمازیں[3] ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں۔

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُوْدَاؤُدَ (احمد و ابوداؤد)۔

سلہ یعنی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس بات پر دلیل پیش کرنے کے لیے کہ نماز وسطیٰ نماز ظہر ہے حضور علیہ السلام کا عمل مبارک پیش کیا اور کہا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی اخرہ۔

سٹہ اور یہ چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نماز وسطیٰ وہ نماز ہے جس میں زیادہ فضیلت کی خصوصیت پائی جاتی ہے اس بنا پر خصوصیت کے ساتھ اس کا حکم دیا گیا۔ اور یہ دونوں باتیں نماز ظہر میں پائی جاتی ہیں۔ ایک فضیلت تو یہ ہے کہ نماز ظہر کے متعلق کہا کہ کوئی نماز اس سے زیادہ سخت نہیں اور ہر عمل جو سخت تر ہوتا ہے، افضل تر ہوتا ہے۔ جیسا کہ وارد ہوا ہے۔ افضل العبادات احمزھا افضل عبادت وہ ہے جو زیادہ سخت ہو۔ باقی رہا اس نماز کا درمیانی نماز ہونا تو اس کے اثبات کے لیے فرماتے ہیں ان قبلھا صلواتین الی اخرہ۔

سٹہ ایک دن کی نماز دوسری رات کی نماز یعنی فجر و عشاء۔

سٹہ اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں۔ یعنی عصر و مغرب۔ نیز یہ نماز درمیانِ حصہ دن کی نماز ہے۔ تو چاہیئے کہ صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہو۔ اور یہ وہ دلیل ہے جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے قول پر پیش کی ہے۔ اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید کا یہ قول اجتہاد پر مبنی ہے جیسا کہ ہم نے کہا۔ (اس میں غور کرو)۔

$\frac{588}{14}$ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ وَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَا يَقُوْلَانِ الصَّلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلٰوةُ الصُّبْحِ رَوَاهُ فِی الْمُوَطَّا وَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ ابْنِ عُمَرَ تَعْلِيْقًا۔

حضرت امام مالک سے روایت ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے[1] (امام مالک نے موطا میں روایت کی اور ترمذی نے اسے) ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے تعلیقاً روایت کیا۔[2]

سلہ کیونکہ یہ وہ نماز ہے جس میں دن رات کے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں نیز یہ دن کی حد [illegible] کے درمیان واقع ہے۔ اور یہ دونوں کے درمیان حد مشترک ہے۔

سٹہ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور امام [illegible] احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر ہے۔ اور ماوردی نے جو آئمہ شافعیہ میں سے [illegible] کی ہے کہ نماز وسطیٰ نماز فجر ہے۔ لیکن جب کہ احادیث صحت کے درجہ کو پہنچ چکی ہیں کہ نماز وسطیٰ نماز عصر ہے تو پھر امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہوگا کہ نماز عصر ہی صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔ ان کی اس وصیت کے مطابق جو انہوں نے کی ہے کہ اگر تم صحیح حدیث پاؤ جس کے خلاف میں نے حکم دیا ہو۔ تو یقین رکھو کہ میرا مذہب وہی ہوگا جس میں صحیح حدیث وارد ہو چکی ہے۔ اور میرے مذہب کو دیوار پر مار دو رضی اللہ عنہ۔

۶۹۵ وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ غَدَا اِلٰی صَلٰوۃِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَایَۃِ الْاِیْمَانِ وَمَنْ غَدَا اِلَی السُّوْقِ غَدَا بِرَایَۃِ اِبْلِیْسَ۔ رَوَاہُ اَبُوْ مَاجَۃَ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے۔ جو آدمی صبح سویرے اٹھ کر نماز فجر کو جاتا ہے۔ وہ ایمان کے جھنڈے[1] کے ساتھ جاتا ہے۔ اور جو صبح اٹھ کر بازار کو جاتا ہے۔ وہ ابلیس کے جھنڈے کے ساتھ جاتا ہے[2]۔ (ابن ماجہ)

[1] تاکہ وہ شیطان اور اس کے لشکر کے ساتھ جنگ کرے جس طرح غازی لوگ جھنڈے لے کر چلتے ہیں۔
[2] اس سے وہ شخص مراد ہے جو بغیر نماز ادا کیے صبح اٹھ کر بازار کو جائے۔ اور اگر نماز ادا کرنے کے بعد رزق حلال کمانے اور عیال کی روزی مہیا کرنے بازار جائے تو وہ ایسا نہیں ہے۔

بَابُ الْاَذَانِ اذان کا باب

لغت میں اذان کا معنی بتلانے اور اطلاع دینے کا ہے۔ شرع میں الفاظ مخصوص اور وقت مخصوص میں نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع دینے کا آتا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ اس کا ثبوت عبداللہ بن زید انصاری کے خواب میں دیکھنے سے ہوا۔ اس کے علاوہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دیکھنے سے۔ جیسا کہ حدیث میں آئے گا۔ بعض کہتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی خواب دیکھا تھا۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دس صحابی ہیں جنہوں نے اذان کو خواب میں دیکھا۔ بعض نے چودہ کے عدد کی تصریح کی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ صحابہ کے خواب دیکھنے کے بعد وحی بھی نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں۔ اذان کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کو تشریف لے گئے اور کبریائے حق کے مقام خاص میں عزت و بزرگی کے کناروں تک پہنچے تو وہاں ایک فرشتہ نمودار ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ فرشتہ کون ہے۔ حضرت جبرئیل نے عرض کیا اس خدا تعالیٰ کی قسم جس نے حق دے کر بھیجا ہے میں اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں سب سے نزدیک ترین مخلوق میں ہوں۔ مگر جب سے پیدا ہوا ہوں میں نے اس فرشتے کو اس گھڑی میں پہلی بار دیکھا ہے۔ پھر اس فرشتے نے کہا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر، پردہ کے پیچھے سے آواز آئی میرے بندے نے سچ کہا میں ہی اکبر ہوں میں ہی بڑا ہوں پھر اس فرشتے نے اذان کے باقی کلمات ذکر کیے۔

تحقیق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کو اذان کے کلمات سنے۔ مگر اس وقت نماز کے لیے

کلمات اذان پڑھنے کا حکم نہ ملا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بغیر اذان نماز ادا کرتے رہے ۔ پھر مدینے تشریف لائے اور اس بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا۔ بعض صحابہ نے خواب میں اذان کے الفاظ سنے ۔ پھر وحی بھی نازل ہو گئی کہ جو کلمات آسمان پر سنے تھے زمین پر سنت اذان قرار دیے جائیں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۹۰ عَنْ اَنَسٍ قَالَ ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوْسَ فَذَكَرُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَ اَنْ يُّوْتِرَ الْاِقَامَةَ قَالَ اِسْمٰعِيْلُ فَذَكَرْتُهٗ لِاَيُّوْبَ فَقَالَ اِلَّا الْاِقَامَةَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بعض صحابہ نے[۱] آگ اور ناقوس کا ذکر کیا۔ بعض نے یہود و نصاریٰ کا ذکر کیا۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو بار کہیں اور اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ[۲]۔ اسماعیل نے کہا میں نے اس بات کا ذکر ایوب سے کیا تو انہوں نے کہا مگر قد قامت الصلوٰۃ (بخاری و مسلم)۔

۱؎ اذان کے بارے میں یہ حدیث، دراز حدیث سے مختصر ہے۔ پورا واقعہ وہ ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے تیسری فصل میں آ رہا ہے۔ کہ مسلمان جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انہوں نے چاہا کہ نماز کے لیے وقت مقرر کریں۔ کہ اس وقت پر سب لوگ نماز کے لیے حاضر ہو جایا کریں۔ بعض نے کہا کسی بلند جگہ آگ روشن کی جائے جسے سب لوگ دیکھ کر اکٹھے ہو جایا کریں۔ یا ناقوس بجایا جائے جس کی آواز پر سب جمع ہو جایا کریں۔ پھر صحابہ نے آپس میں کہا کہ نماز کی اطلاع کے لیے آگ جلانا تو یہود کا طریقہ ہے۔ اور ناقوس بجانا نصاریٰ کی رسم ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ مشابہت کرنا ٹھیک نہیں۔

ناقوس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ ایک بڑی اور لمبی لکڑی پر چھوٹی لکڑی کو مارا جاتا ہے۔ نصاریٰ اپنی نماز کے وقت ایسا کرتے ہیں۔ بعض روایات میں یہود کے لیے بوق واقع ہوا ہے۔ بعض روایات میں قرن (سنکھ) اور بوق کا ذکر آیا ہے۔ قرن (سنکھ) ایک معروف چیز ہے جسے پھونک کے ساتھ بجایا جاتا ہے۔ بظاہر بعض شروح [illegible] ناقوس نصاریٰ کے لیے، بوق یہود کے لیے۔ اور آگ مجوس کے لیے ہے۔ مگر یہاں [illegible] نہیں پڑھتے۔ الا یہ کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آگ جلانا مجوس کا طریقہ ہے۔ لہٰذا اس کا اختیار کرنا ٹھیک نہیں۔ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مشہور یہ ہے کہ یہود سنکھ بجاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض آگ بھی جلاتے ہوں۔ اور بعض سنکھ بجاتے ہوں۔ مختصر یہ کہ آخر کار بات اذان اور اقامت پر آکر ٹھہری۔

۲؎ امام مالک و امام شافعی اور بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ اذان کے کلمات دو دو بار کہے جائیں اور اقامت

کے کلمات ایک ایک بار۔ امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اذان و اقامت دونوں کے کلمات دو دو بار کہے جائیں۔ اس مذہب کے ثبوت میں احادیث بھی وارد ہیں۔ کہا گیا ہے کہ زمانہ قدیم میں اذان و اقامت کے کلمات دو دو بار پڑھے جاتے تھے۔ پھر بنی امیہ کے بعض بادشاہوں کے لیے ان کے باہر آنے پر جلدی کے لیے اقامت کو ایک ایک بار کر دیا گیا۔ شرح میں اس مقام کی تحقیق تفصیل کے ساتھ کر دی گئی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔

۳؎ یعنی اسماعیل بن ابراہیم نے جو اس حدیث کے راویوں اور بخاری و مسلم کے شیوخ میں سے ہے، کہا کہ اس حدیث کے سننے کے بعد میں نے اس کا ذکر ایوب سے کیا اور یہ ایوب بھی اس حدیث کی روایت کرتا ہے تو ایوب نے کہا اقامت کے تمام الفاظ ایک ایک بار کہے جائیں۔ ماسوائے لفظ قد قامت الصلوٰۃ کے۔ کہ یہ کلمات دو بار کہے جائیں۔

۴؎ اس حدیث کو امام بخاری نے اکیلے بھی روایت کیا ہے۔ اور اس میں یہ استثناء مذکور نہیں ہے۔ امام مالک نے اپنا مذہب اس سے اخذ کیا۔ چنانچہ ان کے نزدیک اقامت کے تمام کلمات ایک ایک بار کہے جائیں گے۔

۵۹۱ - وَعَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَۃَ قَالَ اَلْقٰی عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ التَّاذِیْنَ ھُوَ بِنَفْسِہٖ فَقَالَ قُلِ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ثُمَّ تَعُوْدُ فَتَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو محذورہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود مجھے اذان سکھائی اور فرمایا یوں کہو۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر[۲]۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔ اشہد ان محمد رسول اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ پھر تو شہادتین کے الفاظ دوبارہ کہہ۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمداً رسول اللہ اشہد ان محمدا رسول اللہ[۳]۔ حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ۔ نماز کی طرف رخ کرو اس کے لیے جلدی کرو۔ نماز کی طرف رخ کرو اس کے لیے جلدی کرو۔ حی علی الفلاح حی علی الفلاح۔ اس چیز کو جلدی پاؤ جو تمہارے لیے سبب نجات ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ۔ اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔

(مسلم شریف)

۵۱ے حضرت ابو محذورہ صحابی ہیں۔ آپ کا نام سمرہ ہے۔ اور بعض نے کہا اوس ہے۔ بعض آپ کا نام سلمان اور بعض سلمہ بتلاتے ہیں۔ مگر قول اول صحیح تر ہے۔ آپ مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔ اور اذان میں ترجیع راوی ہیں۔ (ترجیع کا معنیٰ ابھی بیان ہوگا)۔

۵۲ے یعنی یہ کلمات چار بار کہے۔ ایک روایت میں دو بار کا ذکر بھی آیا ہے۔ امام مالک کا مذہب دو بار کہنے کا ہے۔

۵۳ے اسے ترجیع کہتے ہیں اور یہ امام شافعی، امام مالک کے نزدیک اذان میں سنت ہے۔ امام احمد سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ان کا ظاہر مذہب عدم ترجیع کا ہے۔ جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔ ترجیع میں شہادتین کو دو بار پست آواز سے پڑھتے ہیں۔ پھر اس کے بعد دو دو بار بلند آواز سے کہتے ہیں۔ ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے علمائے حنیفہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ تکرار ابو محذورہ کی تعلیم کے لیے تھا۔ مشروع قرار دینے کے لیے نہ تھا حضرت ابو محذورہ نے پہلی شہادتین کو آہستہ کہا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوبارہ کہہ اور بلند آواز سے کہہ۔ اور ایک دوسری حدیث حضرت ابو محذورہ سے مروی ہے اس میں ترجیع نہیں ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں الفاظ اذان میں اصل و بنیاد ہے، بھی ترجیع نہیں ہے۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان میں بھی جو مؤذنین کے سردار و پیشوا ہیں، ترجیع نہیں ہے۔ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کہ وہ بھی مسجد (نبوی) میں اذان دیتے تھے۔ اور سعد قرظ جو مسجد قبا کے مؤذن تھے۔ ان حضرات کی اذان میں بھی ترجیع کا کوئی ذکر نہیں۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان سے ایک قصہ متعلق ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہادتین کی تکرار کی تعلیم اذان کا طریقہ بیان کرنے کی غرض سے نہ تھی۔ ہم نے اسے شرح میں ذکر کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۶۹۲ـ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الْاَذَانُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَ الْاِقَامَةُ مَرَّةً مَّرَّةً غَيْرَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے ایک ایک بار ہوتے تھے۔ سوائے اس کے کہ قد قامت الصلوٰۃ کے الفاظ مؤذن دو دو بار کہتا تھا۔

(ابو داؤد، نسائی، دارمی)

۵۹۳ وَعَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَّمَہُ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشَرَۃَ کَلِمَۃً وَّ الْاِقَامَۃَ سَبْعَ عَشَرَۃَ کَلِمَۃً۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان کے انیس۱۹ کلمے سکھلائے[۱]۔ اور اقامت کے سترہ۱۷ کلمے[۲]۔

رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ وَ اِبْنُ مَاجَۃَ۔

احمد، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، دارمی و ابن ماجہ۔

---

[۱] یہ قاعدہ ترجیع کے مطابق ہے۔

[۲] یہ حدیث اس امر میں صریح ہے کہ اقامت کے کلمات بھی دو دو بار کہے جائیں گے۔ کہ انیس سے چار کلمے ترجیع کے نکل گئے اور قد قامت الصلوٰۃ کے دو کلمے شامل ہو گئے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اور حدیث اول کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر وہ اس حدیث سے منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۹۴ وَعَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلِّمْنِیْ سُنَّۃَ الْاَذَانِ قَالَ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَاْسِہٖ قَالَ تَقُوْلُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ تَرْفَعُ بِہَا صَوْتَکَ ثُمَّ تَقُوْلُ اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ تَخْفِضُ بِہَا صَوْتَکَ ثُمَّ تَرْفَعُ صَوْتَکَ بِالشَّہَادَۃِ اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ فَاِنْ کَانَ صَلٰوۃُ الصُّبْحِ قُلْتَ الصَّلٰوۃُ

انہیں حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے اذان کا طریقہ سکھلائیں فرماتے ہیں کہ میرے (عرض کرنے پر) آپ نے اپنے سر مبارک کے اگلے حصہ پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا[۱]۔ اور کہا اے ابو محذورہ یوں کہو۔ اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر یہ الفاظ بلند آواز سے کہہ[۲]۔ پھر کہہ اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہدان لا الہ الا اللہ، اشہدان محمد رسول اللہ اشہدان محمداً رسول اللہ یہ الفاظ پڑھتے وقت آواز پست رکھ۔ پھر بلند آواز سے کہہ اشہدان لا الہ الا اللہ اشہدان لا الہ الا اللہ اشہدان محمدا رسول اللہ اشہدان محمدا رسول اللہ حی علے الصلوٰۃ حی علے الصلوٰۃ۔ حی علے الفلاح حی علے الفلاح۔ پھر اگر صبح کی نماز ہو تو یہ الفاظ بھی کہہ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔

خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ

(ابوداؤد شریف)

۵۹۵ وَ عَنْ بِلَالٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُثَوِّبَنَّ فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الصَّلٰوۃِ اِلَّا فِیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ اَبُوْ اِسْرَآئِیْلَ الرَّاوِیْ لَیْسَ ھُوَ بِذَاکَ الْقَوِیِّ عِنْدَ اَھْلِ الْحَدِیْثِ ۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا نماز فجر کے علاوہ کسی نماز کے لیے تثویب[1] نہ کرنا۔

اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا ابواسرائیل ــــ جو اس حدیث کا راوی ہے۔ محدثین کے نزدیک کوئی قوی راوی نہیں۔

[1] لغت میں تثویب کا معنی ہے رجوع کرنا اور واپس آنا۔ یہاں تثویب سے اعلان (اذان) کے بعد دوبارہ اعلان (تثویب) مراد ہے۔ کہ ایک بار تو اذان کی صورت میں اعلان ہوا۔ دوبارہ پھر اعلان کرتے ہیں۔

تثویب چند قسم ہے سا اذان فجر کے درمیان الصلوٰۃ خیر من النوم بھی تثویب ہے۔ جو تثویب عہد نبوت میں ہوتی تھی اور مسنون ہے وہ یہی ہے۔ اس کے بعد علماء کوفہ نے اذان و اقامت کے درمیان بطور تثویب حی علی الفلاح کے الفاظ کا اجرا کیا (جاری کیا) اس کے بعد ہر قوم نے کوئی متعارف چیز اختیار کرلی۔ مگر صرف نماز فجر کے لیے کہ یہ نیند اور سستی کا وقت ہے۔ اس کے بعد متاخرین نے تمام نمازوں کے لیے تثویب کا اختراع کیا اور اسے مستحسن قرار دیا مگر یہ صورت اختراع کے بعد نئی اختراع ہے اور بدعت ہے۔ امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کا انکار منقول ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں داخل ہوئے ان کے موذن کو سنا کہ نماز فجر کے علاوہ دوسری نمازوں کے لیے بھی تثویب کرتا ہے۔ آپ مسجد سے باہر چلے گئے اور فرمایا کہ اس آدمی کے پاس سے باہر چلے جاؤ کہ یہ شخص بدعتی ہے۔

۵۹۶ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ اِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَ اِذَا اَقَمْتَ فَاحْدُرْ وَاجْعَلْ بَیْنَ اَذَانِکَ وَ اِقَامَتِکَ قَدْرَ مَا یَفْرُغُ الْاٰکِلُ مِنْ اَکْلِہٖ وَ الشَّارِبُ مِنْ شُرْبِہٖ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب تو اذان کہے تو آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر کر (اس میں جلدی نہ کر) اور جب اقامت کہے تو جلدی کر اور تیزی سے کہہ اور اذان و اقامت کے درمیان اتنا وقفہ کر جتنا دیر کھانا کھانے والے کو کھانے سے فارغ ہونے میں لگتا ہے

وَ الْمُعْتَصِرُ اِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهٖ وَ لَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِیْ ۱؎ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِیْثِ عَبْدِ الْمُنْعِمِ وَ اِسْنَادُهٗ مَجْهُوْلٌ ۲؎

اور پانی پینے والا پینے سے فارغ ہوتا ہے اور ساتنا وقفہ کرو کہ پاخانہ کرنے والا طہارت کھانے میں داخل ہو کر اس سے فارغ ہوتا ہے اور جب تک مجھے نہ دیکھو نماز کے لیے نہ اٹھو۱؎ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ ہم اس حدیث کو نہیں جانتے مگر عبدالمنعم کی حدیث کے ذریعے۲؎ اور اس کا اسناد مجہول ہے۳؎ ۔

۱؎ یعنی اقامت شروع ہونے کے ساتھ ہی نماز کے لیے نہ اٹھ کھڑے ہو بلکہ مجھے گھر سے باہر مسجد میں آتا ہوا دیکھو تو نماز کے لیے کھڑے ہوا کرو۔ در فقہ میں مذکور ہے کہ نمازیوں کو حی علی الصلوٰۃ کے الفاظ پر کھڑے ہونا چاہیے۔ اور شاید کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی وقت باہر تشریف لاتے تھے۔

۲؎ یعنی عبدالمنعم ابن نعیم کی حدیث کے ذریعے اور وہ مجہول اور ضعیف لوگوں میں سے ہے۔

۳؎ یعنی اس حدیث کا اسناد مجہول ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث کے شواہد موجود ہیں۔ اور ان کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ اور بعض نے کہا اس کے لیے (اذان و اقامت کے درمیان وقفے کے لیے) کوئی حد معین نہیں ہے۔ ماسوائے اس کے کہ پورے طور پر دخول وقت ہو جائے اور نمازی جمع ہو جائیں۔ اور کسی بھی عالم نے اس میں اختلاف نہیں کیا کہ اذان و اقامت کے درمیان نوافل ادا کرنے جائز و روا ہیں۔ جیسا کہ ابھی آئے گا۔

۶۹۷/۸ — وَعَنْ زِیَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِیِّ قَالَ اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اَنْ اُؤَذِّنَ فِیْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَاَذَّنْتُ فَاَرَادَ بِلَالٌ اَنْ یُّقِیْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اِنَّ اَخَا صُدَاءٍ قَدْ اَذَّنَ وَ مَنْ اَذَّنَ فَهُوَ یُقِیْمُ ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ ۔

حضرت زیاد بن الحارث الصدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں فجر کی اذان کہوں میں نے اذان کہی پھر حضرت بلال نے اقامت کہنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک صداء کے بھائی۲؎ نے اذان کہی اور جو اذان کہے وہی اقامت بھی کہے۔ ترمذی . ابو داؤد ابن ماجہ

۱؎ الصدائی، صاد کی پیش کے ساتھ صداء کی طرف منسوب ہے۔ جو یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ حضرت زیاد بن الحارث صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان کہی۔ آپ بصریین میں شمار ہوتے ہیں۔

۲؎ جو شخص کسی قبیلہ میں سے ہو اس کو اس قبیلہ کا بھائی کہہ دیتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۹۸/۹ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ حِيْنَ قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ يَجْتَمِعُوْنَ فَيَتَحَيَّنُوْنَ لِلصَّلٰوةِ وَلَيْسَ يُنَادِيْ بِهَا اَحَدٌ فَتَكَلَّمُوْا يَوْمًا فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اتَّخِذُوْا مِثْلَ نَاقُوْسِ النَّصَارٰى وَقَالَ بَعْضُهُمْ قَرْنًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُوْدِ فَقَالَ عُمَرُ اَوَلَا تَبْعَثُوْنَ رَجُلًا يُنَادِيْ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلٰوةِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مسلمان جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو وہ نماز کے وقت کا اندازہ کرتے تھے۔ اور نماز کے لیے کوئی آواز نہ دیتا تھا۔ ایک دن مسلمانوں نے اس بارے میں باہم گفتگو کی۔ بعض نے کہا نصاریٰ کی طرح ناقوس بجاؤ۔ بعض نے کہا یہود کی طرح سنکھ بجاؤ۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم لوگ کوئی آدمی مقرر کیوں نہیں کرتے[1] جو نماز کے لیے اذان دے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا اے بلال اٹھو اور نماز کے لیے آواز دو[2]۔ (بخاری و مسلم)۔

[1] یعنی کیا تم لوگ نصاریٰ اور یہود کا ناقوس و سنکھ کیوں اختیار کرتے ہو۔ نماز کے لیے آواز دینے کو کوئی آدمی مقرر کیوں نہیں کرتے۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ یہاں نماز کا ہو جانے کے لیے آواز دینا اور اطلاع کرنا مراد ہے۔ بطریق خاص شرعی اذان کہنا مراد نہیں ہے۔ اس توجیہ سے احادیث کے درمیان مطابقت ہو جائے گی۔ گویا ابتداء میں صرف آواز دی جاتی تھی۔ اس کے بعد خواب میں اذان دکھائی گئی اس کے بعد وحی یا اجتہاد سے اذان کا حکم دیا گیا۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ حضرت بلال نماز کے لیے الصلوٰۃ جامعۃ کے لفظ سے آواز دیتے تھے۔

۵۹۹/۱۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهٖ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاقُوْسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهٖ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلٰوةِ طَافَ بِيْ وَاَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوْسًا فِيْ يَدِهٖ فَقُلْتُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اَتَبِيْعُ النَّاقُوْسَ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ بِهٖ قُلْتُ نَدْعُوْ بِهٖ

حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس تیار کرنے کا حکم دیا تاکہ لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرنے کی خاطر بجایا جائے[3]۔ تو مجھے خواب میں ایک آدمی دکھائی دیا جس نے اپنے ہاتھ میں ناقوس اٹھایا ہوا تھا۔ میں نے کہا اے اللہ کے بندے تو یہ ناقوس فروخت کرے گا۔ اس نے کہا تو اسے کیا کرے گا۔ میں نے کہا ہم اس کے ساتھ نماز

إِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ أَفَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لَهٗ بَلٰى قَالَ فَقَالَ تَقُوْلُ اللّٰهُ أَكْبَرُ إِلٰى آخِرِهٖ وَ كَذَا الْإِقَامَةُ فَلَمَّا أَصْبَحْتُ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهٗ بِمَا رَأَيْتُ فَقَالَ إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَأَلْقِ عَلَيْهِ مَا رَأَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ بِهٖ فَإِنَّهٗ أَنْدٰى صَوْتًا مِّنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ أُلْقِيْهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهٖ قَالَ فَسَمِعَ بِذٰلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَهٗ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَقَدْ رَأَيْتُ مِثْلَ مَا أُرِيَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ إِلَّا أَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرِ الْإِقَامَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ لٰكِنَّهٗ لَمْ يُصَرِّحْ قِصَّةَ النَّاقُوْسِ۔

کی طرف بلائیں گے۔ اس نے کہا میں تجھے اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں[1] میں نے کہا ہاں۔ عبداللہ بن زید کہتے ہیں کہ اس مرد نے کہا کہ اللہ اکبر الیٰ آخرہٖ[2]۔ اسی طرح اقامت بھی کہہ[3]۔ عبداللہ بن زید کہتے ہیں صبح اٹھ کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا آپ کو اس کی خبر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچا خواب ہے اِن شاء اللہ[4] تعالیٰ۔ تو بلال کے ساتھ کھڑا ہو۔ اور جو کچھ تو نے دیکھا ہے وہ بلال کو بتلاتا جا۔ کہ وہ ان کلمات کے ساتھ اذان کہے۔ کیونکہ وہ تجھ سے زیادہ بلند آواز ہے۔ میں بلال کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اور ان کو اذان کے کلمات بتلاتا جاتا تھا۔ اور حضرت بلال اذان دیتے جاتے تھے۔ عبداللہ بن زید کہتے ہیں۔ اذان بلال کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سنا[5] جبکہ وہ اپنے گھر میں تھے۔ تو وہ اپنی چادر کھینچتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے باہر نکلے۔ یا رسول اللہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث کیا ہے۔ البتہ میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا کہ عبداللہ بن زید کو دکھایا گیا ہے[6]۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فللہ الحمد[7] اللہ ہی کے لیے سب حمد و ثنا ہے۔ اسے ابوداؤد دارمی اور ابن ماجہ نے روایت کیا مگر ابن ماجہ نے اقامت کا ذکر نہیں کیا[8]۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ مگر اس نے قصہ ناقوس کی تصریح[9] نہیں کی۔

---

[1] حضرت عبداللہ بن زید انصاری خزرجی ہیں۔ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ آپ کو صاحب اذان بھی کہتے ہیں۔

[2] اس سے معلوم ہوتا ہے ناقوس تیار کرنے میں صحابہ کے اختلاف کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حکم تخییر کے طور پر ہو (یعنی تمہیں ناقوس تیار کر لینے کا اختیار ہے) واللہ اعلم۔

۵۳ کیا تو ناقوس چاہتا ہے۔ میں تجھے ایسی چیز نہ بتلاؤں جو اس سے بہتر ہے؟

۵۴ تا آخر اذان بیان کردہ کیفیت کے مطابق۔ اور اسی طرح اقامت بھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقامت عدد کلمات میں اذان کی طرح ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں عبارت کا معنٰی ہے کہ اسی طرح آپ نے اقامت کی تعلیم دی۔ تو یہ تشبیہ صرف تعلیم میں ہے۔

۵۵ یہاں کلمہ ان شاء اللہ تعالیٰ کا استعمال تبرک اور اظہار رغبت کے لیے ہے۔ شک و تردد کے لیے نہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ اس کلام کا معنٰی خواب یا اجتہاد کے ذریعے حصول یقین کے بعد نزول وحی کے اظہار کا انتظار ہو تو قع ہے۔ گویا اسی وقت وحی کا نزول ہوا اور اسی وقت آپ نے اجتہاد بھی کیا۔ تو عبداللہ بن زید کو فرمایا فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ اِلٰی اٰخِرِہٖ

۵۶ یعنی آپ نے یہ قصہ یا حضرت بلال کی اذان سنی۔

۵۷ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرشتے سے آسمان میں بیداری کی حالت میں اذان سنی۔ اور اس حدیث کی عبارت کہ میں نے بھی وہی کچھ دیکھا ہے جو اسے دکھایا گیا ہے، اس جانب اشارہ کر رہی ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۸ یعنی خدا تعالیٰ کی ہی حمد و ستائش ہے کہ تیرا دیکھنا اور اس کا دیکھنا آپس میں موافق و مطابق ہو گیا ہے۔ کہ حق کی طرف سے الہام ہو گیا ہے۔ اور تیری زبان سے صدق و صواب نکلا ہے۔

۵۹ جو کہ دوسری روایت میں واقع ہوا ہے۔

۶۰ چنانچہ ان کے نزدیک حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔ کہ حضرت عبداللہ بن زید کہتے ہیں جب صبح کی تو ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور میں نے آپ کی خدمت میں [illegible] خواب حق ہے۔ اور فرمایا بلال کے ساتھ اٹھ کر کھڑا ہو۔ کہ وہ تجھ سے [illegible] اور جو کلمات تجھے خواب میں بتلائے گئے ہیں بلال کو ان کی تلقین کرتا جا۔ اور بلال کو چاہیئے کہ وہ انہیں آواز سے کہتا جائے۔ پھر جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال کی آواز سنی تو آپ نے گھر سے باہر نکل کر رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنی چادر کھینچتے ہوئے۔ اور کہا یا رسول اللہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ دے کر بھیجا ہے۔ میں نے بھی اس کے مطابق دیکھا ہے جو کچھ یہ عبداللہ بن زید کہہ رہے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وللہ الحمد فتلک اثبت۔ حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے تو اس پر ثابت و قائم رہ۔

۲۰ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِصَلٰوۃِ الصُّبْحِ

حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نماز صبح کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

فَكَانَ لَا يَمُرُّ بِرَجُلٍ اِلَّا نَادَاهُ بِالصَّلٰوةِ اَوْ حَرَّكَهٗ بِرِجْلِهٖ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

نکلا۔ تو آپ کسی آدمی کے پاس سے نہ گزرتے تھے مگر اسے نماز کی آواز دیتے تھے یا اس کے پاؤں کو ہلاتے تھے۔

(ابو داؤد)

لہ یعنی حضرت ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ۔ آپ کا نام نفیع بن الحارث ہے۔

۲ہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے لیے بیدار کرنا جائز ہے۔ خواہ بلانے کی صورت میں ہو یا خواہ ہلانے کے ساتھ۔

۱۲/۴۱ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ الْمُؤَذِّنَ جَآءَ عُمَرَ يُؤْذِنُهٗ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ فَوَجَدَهٗ نَائِمًا فَقَالَ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ فَاَمَرَهٗ عُمَرُ اَنْ يَّجْعَلَهَا فِيْ نِدَآءِ الصُّبْحِ ۔

(رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا)

حضرت مالک سے روایت ہے انہیں یہ بات پہنچی کہ مؤذن حضرت عمر کو نماز صبح کی اطلاع دینے آیا[1] انہیں سویا ہوا پایا۔ تو کہا الصلوٰۃ خیر من النوم۔ حضرت عمر نے اس کو کہا یہ الفاظ صبح کی اذان میں کہا کر[2]

(اسے مالک نے موطا میں روایت کیا)۔

لہ یعنی اذان ہو جانے کے بعد۔

۲ہ حضرت ابو محذورہ کی گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا تھا کہ صبح کی اذان میں یہ الفاظ کہا کریں۔ بعض روایات میں یوں بھی آیا ہے کہ حضرت بلال حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا الصلوٰۃ خیر من النوم۔ حضور یہ الفاظ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا یہ الفاظ اذان میں کہا کر۔ ہو سکتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں یہ سنت حضور علیہ السلام کے وصال مبارک کے بعد متروک ہو گئی ہو۔ پھر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دوبارہ روشن و تازہ ہوئی ہو۔ واللہ اعلم۔

۱۳/۴۲ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَعْدٍ مُؤَذِّنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِلَالًا اَنْ يَّجْعَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ وَقَالَ اِنَّهٗ اَرْفَعُ لِصَوْتِكَ ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبدالرحمٰن بن سعد ــــ مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے وہ اپنے باپ اور انکا باپ اپنے دادا[1] سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیتے وقت اپنی انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں ڈالا کریں اور فرمایا اسی طرح تیری آواز زیادہ بلند ہو گی۔

(ابن ماجہ)

ل یعنی عبدالرحمٰن نے کہا مجھ سے روایت بیان کی میرے باپ سعد بن عمار نے اس نے اپنے باپ سے یعنی عمار بن سعد سے اور میرے باپ نے اپنے دادا سے جن کا نام سعد قرظہ ہے۔ قرظہ قاف کی زیر اور را ذلہ کے ساتھ یہ سعد قرظہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسجد قبا میں موذن تھے۔ واضح ہو کہ سعد جو آنحضرت کے موذن ہیں صحابی ہیں۔ اور عمار بن سعد ان کے لڑکے تابعی مقبول ہیں اور طبقہ ثالثہ میں ہیں اور ان کا لڑکا عبدالرحمٰن مستور الحال راوی ہے) چھٹے طبقہ سے ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ پس عبدالرحمٰن اپنے باپ سے کہ سعد بن عمار ہے۔ وہ اپنے باپ سعد سے جو صحابی ہیں اور میرے باپ کا دادا ہے۔ ابیہ و جدہ کی دونوں ضمیریں لفظ ابی کی طرف لوٹتی ہیں۔

بَابُ فَضْلِ الْاَذَانِ وَاِجَابَةِ الْمُؤَذِّنِ

اذان اور اذان کا جواب دینے کی فضیلت کا بیان

اذان کی فضیلت و شان فی نفسہ بہت زیادہ ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ گفتگو اس میں ہے کہ اذان کہنا افضل ہے یا امامت کرنا۔ مختار و پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ اگر جانتا ہو کہ امامت کے حقوق صحیح اور کامل طور پر بجا لا سکتا ہے تو امامت افضل ہے ورنہ اذان افضل ہے۔

پھر اس بارے میں بھی علماء نے گفتگو کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اذان کہی ہے یا نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ لوگ سواریوں پر سوار تھے نیچے راستے کیچڑ بھی تھی اس وقت آپ نے اذان کہی اور سواریوں پر ہی نماز ادا کی۔ بعض نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ اذان کہنے سے اذان کا حکم دینا مراد ہے اور یہ طریقہ عربوں میں بہت مروج ہے کہ جو شخص کسی کام کا حکم دیتا ہے۔ وہ کام اسی کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں بادشاہ نے قلعہ تعمیر کیا اور جوڑا پہنایا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس نے اس کام کا حکم دیا ہوتا ہے دارقطنی کی روایت میں اس امر کی تصریح بھی آچکی ہے کہ آپ نے اذان کا حکم دیا تھا۔ واللہ اعلم۔

ہدایہ میں حضرت امام ابو یوسف سے نقل کیا کہ امام ابو یوسف نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مغرب کی اذان و اقامت خود کہی۔ اور دونوں کے درمیان بیٹھے۔ کلام سغناقی سے ظاہر بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے اقامت بھی خود کہی تھی۔ (غور کرو)

موذن کی اذان کا جواب دینا واجب ہے اور اگر چند اشخاص اذان دیں تو اول کی اذان کا جواب ضروری ہوگا۔

اور اگر مختلف اطراف سے اذان کی آواز بیک وقت آرہی ہو تو اپنے محلے کی مسجد کی اذان کا جواب دے اور اگر اذان کے وقت مسجد میں موجود ہو تو پھر اذان کا جواب دینا ضروری نہیں کہ وہ فعل سے اس کا جواب دے رہا ہے اور قرآن پڑھنے والے میں دو قول ہیں مختار و پسندیدہ قول یہ ہے کہ اس کے لیے جواب دینا لازم نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۳/۱ عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے روز اذان دینے والوں کی گردنیں تمام لوگوں سے زیادہ دراز ہوں گی[1] (مسلم شریف)

[1] یہ قیامت کے دن ان کی بزرگی اور سرفرازی اور سربلندی سے کنایہ ہے۔ یا بہشت میں داخل ہو کر ان کے اذان کہنے کی انتظار سے کنایہ ہے۔ نیز حق تعالیٰ کی طرف سے فضل و کرامت کے لیے ان کے دیدہ ہائے امید کے دراز ہونے کی جانب اشارہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کا منتظر اور امیدوار ہوتا ہے وہ اس کی طرف دیکھتا اور اس کی جانب گردن دراز کرتا ہے یا اس کی درگاہ عزت و عظمت میں قرب و نزدیکی سے کنایہ ہے۔ بعض نے اعناقا بکسر ہمزہ روایت کیا ہے۔ یعنی شتابی کرنا اور تیز چلنا یعنی بہشت کی جانب۔ مطلب یہ کہ اذان کہنے والے جنت میں جلد پہنچیں گے۔

۴۴/۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ اَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهٗ ضُرَاطٌ حَتّٰى لَا يَسْمَعَ التَّاْذِيْنَ فَاِذَا قُضِيَ النِّدَآءُ اَقْبَلَ حَتّٰى اِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ اَدْبَرَ حَتّٰى اِذَا قُضِيَ التَّثْوِيْبُ اَقْبَلَ حَتّٰى يَخْطُرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهٖ يَقُوْلُ اُذْكُرْ كَذَا اُذْكُرْ كَذَا لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتّٰى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِيْ كَمْ صَلّٰى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کیلیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پشت پھیر کر بھاگ جاتا ہے زور سے ہوا خارج کرتا ہے[2] تاکہ اذان نہ سن سکے اور اس کی جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو واپس آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب نماز کی تکبیر شروع ہوتی ہے تو پھر پشت پھیر کر بھاگ جاتا ہے یہاں تک کہ جب اقامت ختم ہوتی ہے تو واپس آجاتا ہے اور آکر انسان اور اس کے نفس کے درمیان حائل ہوتا اور وسوسہ اندازی کرتا ہے اسے کہتا ہے فلاں چیز یاد کر فلاں چیز یاد کر وہ باتیں یاد دلاتا ہے جو اسے پہلے یاد نہیں رہتیں یہاں تک کہ آدمی کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اسے پتہ نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعت پڑھی ہیں۔ (بخاری و مسلم)

لے۔ تاکہ اذان کی آواز نہ سن سکے بعض کہتے ہیں یہ اپنے ظاہر معنی پر محمول ہے کیونکہ شیطان بھی غذا کھانے والا جسم رکھتا ہے۔ لہذا اگر بلند آواز سے ہوا خارج کرے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لہذا وہ ہوا خارج کرتا جاتا اور بھاگتا جاتا ہے جس طرح گدھا کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس میں تشبیہ دی گئی ہے شیطان کے اپنے آپ کو اذان کی آواز سننے سے غافل کرنے کو اس آواز کے ساتھ جو کان کو بھر دے کہ اذان کی آواز نہ سن سکے۔ اور اس تشبیہ کو گوز، یا ریاح کے نکالنے سے تعبیر کرنا اس کی قباحت و شناعت بیان کرنے کے لیے ہے۔ مسلم کی روایت میں کہ حصاص کا لفظ بھی آیا ہے۔ حصاص حا کی پیش اور صاد مہملہ کے ساتھ بمعنی سخت تیز دوڑنا۔

ے۔ سوال۔ اگر یہ کہا جائے کہ شیطان اذان سے کیوں بھاگتا ہے۔ نماز و تلاوتِ قرآن سے کیوں نہیں بھاگتا۔ جواب۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اذان کے کلمات میں ایسی ہیبت اور ایسا رعب رکھا ہے کہ جس سے ابلیس پر سخت رعب و ہیبت چھا جاتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں راز یہ ہے کہ اذان اگرچہ نماز کا مقدمہ ہے لیکن اس میں عجب و ریا نہیں ہوتا۔ اور نماز چونکہ کامل درجہ کی فضیلت رکھتی ہے اس لیے آدمی اس میں عجب و ریا میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اس رخنہ کے راستے شیطان کو وسوسہ اندازی کا موقعہ مل جاتا ہے۔ قرآن کی بھی یہی کیفیت ہے۔ مختصر یہ کہ اذان میں یہ خاص چیز رکھ دی گئی ہے۔ واللہ اعلم!

۶۰۵/۳ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَسْمَعُ مَدٰى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ وَّلَا شَیْءٌ اِلَّا شَهِدَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں سنتی جن و انسان اور نہ کوئی اور چیز مؤذن کی انتہائی آواز مگر قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دے گی۔ (بخاری شریف)

لے۔ حیوانات۔ نباتات۔ اور جمادات میں وغیرہ۔

ے۔ یعنی اس کے ایمان، اس کے فضل و کمال اور اس کی عزت و بزرگی کی گواہی دے گی۔ مدیٰ میم اعلیٰ کے زبر سے کسی چیز کی غایت و نہایت کو کہتے ہیں۔ غایت و نہایت کی تخصیص اس بنا پر کی کہ جب وہ چیز بھی گواہی دے گی جو پست آواز سنے گی۔ اگرچہ انتہائی پست ہو تو وہ چیز جو نزدیک ہوگی اور بلند آواز سنے گی وہ بطریق اولیٰ گواہی دے گی۔

۶۰۶/۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّهٗ مَنْ صَلّٰى عَلَیَّ صَلٰوةً

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مؤذن کی اذان سنو تو کہو مثل اس کی جو وہ کہتا ہے۔ پھر مجھ پر درود بھیجو۔ اس لیے کہ جو شخص مجھ پر

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ وَأَرْجُوا أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل کرتا ہے[1]۔ پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرو کہ وہ وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے لائق و مناسب ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں جو شخص میرے لیے خدا سے وسیلہ[2] کا سوال کریگا اسکے لیے شفاعت لازم ہو جائیگی (مسلم شریف)

[1] درود شریف بھیجنے کی یہ جزا اللہ کی طرف سے ہمیشہ کے لیے مقرر ہے تو اس وقت بھی مجھ پر درود شریف بھیجو۔ کہ یہ مبارک وقت ہے۔ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

[2] لغت میں وسیلہ سبب اور دستاویز کو کہتے ہیں۔ توسل کا معنیٰ ہے کسی چیز کے ذریعے نزدیکی ڈھونڈنا۔ وسیلہ کردیجا اور وسیلہ کرو لیسوئے خدا، کا معنیٰ ہے عمل کے ذریعے خدا کا قرب تلاش کیا۔ یہاں وسیلہ سے مراد جس کے سوال کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوا ہے اللہ جل جلالہ وعز شانہ کے حضور اور اس کی درگاہ عزت وعلو میں اُس قرب کا سوال ہے جو آپ کو عطا ہوگا۔ اور جو عموماً و خصوصاً مخلوق کے لیے حصول شفاعت کا سبب بنے گا۔ اور بہشت میں مرتبے اور درجے کا حصول بھی اس قرب درجہ کا نتیجہ اور اثر ہوگا۔ اسی بنا پر اس کی تفسیر اس مرتبے سے کی گئی ہے۔ جو جنت میں آپ کو نصیب ہوگا۔ اور ارجو (میں امید کرتا ہوں) کا لفظ بارگاہ الٰہی میں تواضع اور ادب کی نیت سے آپ نے استعمال فرمایا اور حقیقت میں یہ اس مرتبے کے یقینی طور پر حصول سے کنایہ ہے۔ کیونکہ حبیب کی امید حضرت مجیب (اللہ تعالیٰ) میں ناکامی کا منہ ہرگز نہ دیکھے گی۔

۳۔ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ فَقَالَ أَحَدُكُمُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب موذن نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو تم نے بھی اللہ اکبر اللہ اکبر اور جب موذن اشہدان لا الہ الا اللہ اشہدان لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو تم نے بھی اشہدان لا الہ الا اللہ کہا۔ پھر موذن کہتا ہے اشہدان محمد رسول اللہ کہا تو تم نے بھی اشہدان محمد رسول اللہ کہا۔ پھر کہتا ہے حی علی الصلوٰۃ تم نے اس کے جواب میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہا۔ پھر وہ کہتا ہے حی علی الفلاح تم نے اس کے جواب میں

بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِنْ قَلْبِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ پھر کہتا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر تم نے بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کہا پھر وہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ تم نے بھی اپنے دل میں کہا لا الٰہ الا اللہ۔ جو بھی ایسا کرے گا جنت میں داخل ہوگا۔

(مسلم شریف)

لے احادیث میں حی علے الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں یہی کلمہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ آیا ہے اور وہ جو بعض لوگ کہتے ہیں ماشاء اللہ کان ومالم لیشا ولم یکن اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔ ان کلمات کے جواب میں حیعلہ (حی علے الصلوٰۃ حی علے الفلاح) اور حوقلہ (لاحول ولاقوۃ الا باللہ) دونوں کو جمع کرنا جنیولہ سے ایک روایت ہے۔

۶۰۸/۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَآءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی اذان سننے کے وقت یہ دعا پڑھے

(ترجمہ) اے میرے اللہ اس دعوت کاملہ (دعوت توحید) اور صلوٰۃ قائمہ (حی علی الصلوٰۃ) کے رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق پر رتبہ و درجہ عطا کر۔ اور آپ کو مقام محمود پر کھڑا کر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ تو اس کے لیے روز قیامت میری شفاعت واجب ہوگی

لہ اور بیہقی کی روایت میں یوں آیا ہے۔ (اے میرے اللہ میں تجھ سے اس دعوت تامہ کے حق کے ساتھ سوال کرتا ہوں) دعوت تامہ سے دعوت توحید مراد ہے جو نقص شرکت سے منزہ اور تغیر و تبدل سے محفوظ اور روز قیامت تک باقی و قائم ہے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ تمام اقوال سے اتم و اکمل قول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے کیونکہ یہ تمام دنیوی و اخروی سعادتوں کا جامع ہے۔

۲ہ والصلوٰۃ القائمۃ یہ حی علے الصلوٰۃ کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اور صلوٰۃ سے دعا اور قائمہ سے دائمہ مراد لیا جائے تو پھر یہ دعوت تامہ کی تاکید اور اس کا بیان بنے گا۔

۳ہ مقام محمود سے وہ مقام مراد ہے کہ اس مقام والے کی سب کائنات صفت و ثنا کرے گی اور تمام مخلوق اس پر رشک کرے گی۔ اور یہ مقام قرب و شفاعت ہے۔ کہ تمام عالم حیران و سرگردان ہوگا اور سا انبیاء و رسل میں سے کسی کو

بھی ہیبت و دہشت کے باعث سر اٹھانے کی جرأت نہ ہو گی اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلاصۂ قدس کے حریم خاص میں حاضر ہوں گے اور اس دروازہ (شفاعت) کو کھولیں گے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ خدا تعالیٰ (اس دن) اپنے محبوب پاک کو ایسی حمد کی تعلیم و تلقین کرے گا کہ حبیب آپ اس حمد کے ساتھ خدا تعالیٰ کی صفت و ستائش کریں گے تو رحمت کا دروازہ کھل جائے گا۔ یہ بھی ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روز قیامت عرش پہ بٹھایا جائے گا۔ سبز رنگ کا خاص لباس آپ کو پہنایا جائے گا پھر آپ کو اذن دیا جائے گا کہ جو چاہیں فرمائیں اور جو کچھ میرے حبیب کی رضا ہے مجھ سے مانگیے اور طلب کرے۔ اس دن معلوم ہو گا کہ مقام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے اور اس (آخرت) کی مجلس و معرکہ کا صدر و سلطان کون ہے ؎

آں چشم و چراغ اہل بینش سلطان سر بر آفرینش

وہ اہل دانش و بینش کا چشم و چراغ وہ کائنات ہستی کا سلطان و بادشاہ

؎

در مقامیکہ صدارت بہ بزرگان بخشند چشم دارم کہ بجا از ہمہ افزوں باشی

وہ مقام جہاں بزرگوں کو صدارت عطا کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہاں بھی تو سب سے افضل و اعلیٰ جگہ میں ہو گا۔

۴؎ یعنی اپنے اس قول مبارک میں جو تو نے قرآن میں فرمایا

تیرا رب عنقریب تجھے مقام محمود میں کھڑا کرے گا۔

۵؎ یعنی جو شخص اذان کے بعد یہ دعا پڑھتا ہے روز قیامت اس کے لیے شفاعت اترے گی اور وہ اس کا مستحق قرار پائے گا۔ اگرچہ تمام امت گنہگار گناہوں کی مغفرت کے لیے نیک لوگ بلندی درجات کے لیے شفاعت کے امیدوار ہوں گے۔ لیکن اس عمل والے کے لیے شفاعت لازم و ضروری ہو گی اور یہ شخص خصوصی شفاعت اور عظیم رحمت سے نوازا جائے گا۔ بعض علماء رحمہم اللہ نے اس قسم کی بشارات کو حسن عاقبت اور ایمان پر موت سے کنایہ قرار دیا ہے کہ شفاعت ایمان والوں کے ساتھ خاص ہے۔ پس شفاعت کی بشارت ایمان پر موت کی بشارت کو مستلزم ہے جیسا کہ حدیث مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ (جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی) میں علماء نے یہ نکتہ بیان کیا ہے۔ اللھم ارزقنا اے اللہ ہمیں اپنے حبیب کی شفاعت نصیب فرما۔

۶۰۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُغِيْرُ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ وَكَانَ يَسْتَمِعُ الْاَذَانَ فَاِنْ سَمِعَ اَذَانًا اَمْسَكَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے تھے۔ اور آپ کان لگا کر اذان سنتے تھے۔ اگر دشمن کی طرف سے

وَ اِلَّا اَغَارَ فَسَمِعَ رَجُلًا یَّقُوْلُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَلَی الْفِطْرَةِ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ فَنَظَرُوْا اِلَیْهِ فَاِذَا هُوَ رَاعِیْ مِعْزًی۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اذان کی آواز سنتے تو حملہ کرنے سے رک جاتے. ورنہ حملہ کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر تو آپ نے فرمایا! یہ مرد تو اسلامی فطرت پر ہے اور آپ نے اس کے ایمان کی گواہی دی پھر اس نے کہا اشہدان لا الہ الا اللہ آپ نے فرمایا تو آگ سے باہر نکل آیا۔ لوگوں نے اس آدمی کو جا کر دیکھا تو وہ بکریاں چرانے والا چرواہا نکلا۔ (مسلم شریف)

۱؎ غارت کا معنیٰ ہے۔ قتل اور لوٹ مار کے لیے گھوڑوں کو سخت دوڑانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ جب کسی قوم پر حملہ کرنے تشریف لے جاتے صبح کو تشریف لے جاتے۔ تاکہ ان کے کفر و اسلام کا امتحان ہو سکے۔

۲؎ کہ ان کی اذان سے پتہ چل جاتا کہ یہ مسلمان ہیں۔

۳؎ کہ اس قوم سے اذان کی آواز نہ آنے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہ لوگ کافر ہیں۔ آپ نے اذان کے ہونے اور نہ ہونے کو ان کے ایمان و کفر کی علامت قرار دیا۔ ایک فقہی روایت میں آیا ہے کہ کسی جگہ کے لوگ اگر اذان کہنا ترک کر دیں تو ان کے خلاف تلوار کشی جائز ہو جائے گی کہ اذان اگرچہ سنت ہے مگر شعار اسلام میں سے ہے۔

۴؎ یہ اس کے ایمان کی تاکید ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تو آتش دوزخ سے باہر نکل آنے کا مستحق ہو گیا ہے۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ اگر تو گناہ بھی کرے اور اس کی سزا کے طور پر دوزخ میں بھی جائے۔ آخر کار ایمان کی بدولت دوزخ سے نکل آئے گا۔ (غور کرو)

۵؎ تاکہ معلوم کریں کہ یہ کون شخص ہے۔

۶؎ معزیٰ۔ میم کی زیر اور عین ساکن اور زا کی مد۔ وفعہ کے ساتھ معز و معز بمعنی بکری ضان بمعنی بھیڑ۔

۶۱۰/۸ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو یہ دہ اذان سننے کے وقت یہ پڑھتا ہے۔

لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا غُفِرَ لَهٗ ذَنْبُهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بیشک محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں میں اللہ کے رب ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوا تو اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں[1] (مسلم شریف)

[1] یعنی تمام صغیرہ گناہ جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔

۶۱۱/۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلٰوةٌ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلٰوةٌ ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَآءَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دو اذان کے درمیان نماز ہے ہر دو اذان کے درمیان نماز ہے پھر آپ نے تیسری مرتبہ فرمایا[1] اس کے لیے جو چاہے[2] (بخاری و مسلم)

[1] یعنی دو اذانوں (اذان و اقامت) کے درمیان و قفہ میں جو شخص چاہے نماز پڑھے مگر یہ نماز لازم و ضروری نہیں چاہے تو پڑھے چاہے تو نہ پڑھے

[2] واضح ہو کہ دو اذانوں سے یہاں اذان و اقامت مراد ہے۔ اقامت کو بھی اذان سے مشابہت ہونے کی بنا پر اذان کہہ دیا جس طرح شمس و قمر کو قمرین اور امام حسن و حسین کو حسنین کہتے ہیں۔ یا اس وجہ سے اقامت کو اذان کہا کہ اذان کے معنی اطلاع دینا ہے اور اقامت بھی نفل نماز کے موجود ہونے کی اطلاع ہے جس طرح اذان نماز کا وقت ہونے کی اطلاع ہے مطلب و مراد یہ ہے کہ اذان دینے کے بعد نماز پڑھنی چاہیے کہ یہ مبارک وقت ہے۔ اور اس میں دعا قبول ہوتی ہے یا اس میں فرض سے پہلے نوافل کی طرف اشارہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں جو لعد دو وقت درست ہے۔ وہ نماز مغرب کے بارے میں ہے کہ اس میں اذان کے بعد فرض ادا کرنے سے پہلے نفل نماز مکروہ ہے جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہ النعمان اور صحابہ حنفیہ رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔ مگر بخاری شریف میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں جب موذن مغرب کی اذان دیتا تو صحابہ میں سے چند حضرات اٹھ کھڑے ہوتے اور مسجد کے ستونوں کی طرف جاتے اور فرض پڑھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولتکدہ سے باہر تشریف لاتے اور صحابہ کو نماز میں دیکھتے اور منع نہ فرماتے۔ اور مسلم نے اتنا مضمون اور زیادہ کیا

کہ جب کوئی اجنبی آدمی باہر سے آتا تو گمان کرتا کہ نماز ہو گئی، کیونکہ وہ لوگوں کو نماز میں دیکھتا، یہاں بعض حضرات نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ مغرب کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔ مگر یہ گمان درست نہیں۔ کیونکہ یہ دو رکعت صحابہ اذان کے متصل بعد فرض نماز سے پہلے پڑھتے تھے۔ اور حضور نے صحابہ کو ایسا کرنے کا اختیار دے رکھا تھا۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ابتداء میں ایسا کرنے کا اختیار تھا بعد میں جب نماز عصر کے بعد پڑھنے سے ممانعت آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ساتھ مغرب کی اذان کے بعد کے نفلوں کا جواز بیان فرمایا اس کے بعد ان کا جواز بھی منسوخ ہو گیا۔ یہاں کافی گفتگو ہے جو شرح (عربی) میں ہم نے کر دی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۶۱۲/۱۰ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اَللّٰهُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالشَّافِعِیُّ وَفِیْ اُخْرٰی لَهٗ بِلَفْظِ الْمَصَابِیْحِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام ضامن ہوتا ہے اور موذن امانتدار ہے اے اللہ ائمہ کو علم و عمل کی توفیق عطا فرما اور موذنین کی مغفرت فرما اسے احمد، ابوداؤد اور ترمذی اور شافعی نے روایت کیا اور ایک دوسری روایت میں امام شافعی سے مذکورہ الفاظ مروی ہیں جو مصابیح میں ذکر کیا۔

یعنی امر نماز [illegible] ہیں اور موذنین لوگ [illegible] اے اللہ ائمہ کو ہدایت [illegible] اور موذنین کی مغفرت فرما۔

لے یعنی امام مقتدیوں کی نمازوں کا بوجھ اپنے اوپر اٹھاتے ہیں [illegible] قرأت [illegible] بھی اگر وہ رکوع میں شامل ہوں۔ اور وہ ان کے لیے افعال نماز اور رکعات کی تعداد کا خیال رکھتا ہے۔

ے کہ وہ ان کے لیے نماز وروزہ کے اوقات کی نگرانی اور حفاظت کرتا ہے۔

سے اے اللہ اماموں کی راہ نمائی فرما انہیں علم و عمل اور درستی حال کی توفیق عطا فرما۔

سے یعنی موذنین سے جو کوتاہی اور خطا صادر ہو جائے اس سے درگزر فرما اس حدیث میں امامت اور اذان کو ایک دوسرے پر فضیلت دینا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کا حال بیان کرنا اور ان کے لیے دعائے خیر کرنا مطلوب ہے۔ (خوب غور کرو)

۶۱۳/۱۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَذَّنَ سَبْعَ سِنِيْنَ مُحْتَسِبًا كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ۔
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سات سال اذان دی محض اللہ کی رضا اور طلب ثواب کے لیے اس کیلئے دوزخ سے بیزاری لکھ دی جاتی ہے۔
ترمذی، ابو داؤد
ابن ماجہ

۶۱۴/۱۲ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْجَبُ رَبُّكَ مِنْ رَاعِيْ غَنَمٍ فِيْ رَأْسِ شَظِيَّةٍ لِلْجَبَلِ يُؤَذِّنُ بِالصَّلٰوةِ وَيُصَلِّيْ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اُنْظُرُوْا اِلٰى عَبْدِيْ هٰذَا يُؤَذِّنُ وَيُقِيْمُ الصَّلٰوةَ يَخَافُ مِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ وَاَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ۔
رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے رب کو پہاڑ کی بلندی میں بکریاں چرانے والے کی یہ بات اچھی لگتی ہے[۲] کہ وہ نماز کے لیے اذان[۳] دیتا اور نماز پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے میرے اس بندے کی طرف دیکھو کہ اذان دیتا اور نماز قائم کرتا ہے۔ یہ مجھ سے ڈرتا ہے[۴] میں نے اس بندے کو بخش دیا۔ اور میں نے اسے جنت میں داخل کیا۔ (ابوداؤد و نسائی)

[۱] حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عقبہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے والی مقرر ہوئے۔ پھر آپ نے انہیں معزول کر دیا مصر میں ۵۸ھ میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ۔

[۲] تیرا رب تعجب کرتا ہے یعنی اس کے نزدیک عظمت و شان والی بات ہے۔ اور بکریاں چرانے والے سے وہ راضی اور خوش ہوتا ہے۔

[۳] اگرچہ جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کر سکتا۔

[۴] کہ ترک سنت پر بھی مجھ سے ڈرتا ہے۔ لوگوں کا ہونا نہ ہونا اس کی نگاہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا بلکہ وہ صرف میرے خوف سے اذان کی سنت قائم کرتا ہے۔

۶۱۵/۱۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ عَلٰى كُثْبَانِ الْمِسْكِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَبْدٌ اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَحَقَّ مَوْلَاهُ وَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تین آدمی کستوری کے ٹیلوں[۱] پر ہوں گے۔ ایک وہ بندہ جس نے اللہ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے آقا کا حق بھی[۲]

رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَهُمْ بِهٖ رَاضُوْنَ وَرَجُلٌ يُنَادِيْ بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ كُلَّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

ادا کیا، دوسرا وہ آدمی جو کسی قوم کا امام بنا اور وہ اس سے راضی ہوں، تیسرا شخص وہ جو دن رات میں پانچ نمازوں کے لیے اذان دیتا ہو۔

اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

ف۱۔ کثبان جمع کثب ثا کے ساتھ یعنی ریت کا ٹیلہ۔ کَثْبٌ کا معنی ہے جمع کرنا۔

ف۲۔ اپنے آقا کا حق بھی دراصل خدا تعالیٰ کا حق ہے کیونکہ وہ فرمان شریعت کے تحت اس کے حقوق ادا کرتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ تمام معاملات میں خدا تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں رہتا ہے اور اس پر بوجھ بھی زیادہ ہے۔

ف۳۔ کیونکہ وہ امام نماز کے احکام، اس کے ارکان وسنن ومستحبات کا پورا پورا خیال رکھتا ہے اور نماز کی قرات بھی صحیح اور خوبصورتی سے کرتا ہے۔

۶۳۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُ لَهٗ مَدٰى صَوْتِهٖ وَيَشْهَدُ لَهٗ كُلُّ رَطْبٍ وَّيَابِسٍ وَشَاهِدُ الصَّلٰوةِ يُكْتَبُ لَهٗ خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ صَلٰوةً وَّيُكَفَّرُ عَنْهُ مَا بَيْنَهُمَا۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ اِلٰى قَوْلِهٖ كُلُّ رَطْبٍ وَّيَابِسٍ وَقَالَ وَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ صَلّٰى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤذن کی بخشش ہو جاتی ہے اس کی انتہائی (بلند) آواز تک[ف۱] اور ہر تر وخشک چیز اس کے لیے گواہی دیتی ہے[ف۲] اور نماز کی نماز والے کے لیے پچیس نمازوں کا ثواب لکھا جاتا ہے[ف۳] اور دو نمازوں کے درمیان کے گناہ معاف کیے جاتے ہیں۔

اسے احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور نسائی نے کل رطب ویابس تک روایت کیا اور نسائی نے یہ الفاظ بھی روایت کیے کہ اس مؤذن کو تمام نمازیوں کے برابر ثواب ملتا ہے[ف۴]۔

ف۱۔ یعنی اس کی نہایت آواز تک اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور جس قدر وہ آواز بلند کرتا جاتا ہے اسی کے مطابق اس کی مغفرت ہوتی چلی جاتی ہے اور اگر اپنی آواز انتہائی بلند کرے تو اس کی مغفرت بھی انتہائی حد تک پہنچ جاتی ہے۔

ان الفاظ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اس مؤذن کے اتنے گناہ ہوں کہ جہاں تک اس کی اذان کی آواز

پہنچ رہی ہے ان ساری مسافت و فاصلہ کو پر کر دیں تو وہ سب گناہ اذان کی برکت سے بخش دیے جاتے ہیں۔ مگر تمر خورتہ کی روایت پہلے معنیٰ کی تائید کرتی ہے۔

ہ اگرچہ ظاہراً یہ لفظ (رطب و یابس) نباتات یا جمادات کے لیے آتا ہے۔ مگر یہاں حدیث میں ہر چیز مراد ہے۔ جیسا کہ حق سبحانہ کے قول مبارک ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین میں رطب و یابس سے ہر چیز مراد ہے۔

اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب جمادات و نباتات گواہی دیتے ہیں تو پھر جن و انس بطریق اولیٰ گواہی دیں گے۔

ہ۔ اور اس کی اذان سن کر نماز کے لیے آنے والے کو ایک نماز ادا کرنے پر پچیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ نماز باجماعت اکیلا نماز پڑھنے سے پچیس گنا فضیلت و درجہ رکھتی ہے اور یہ فضیلت درحقیقت اذان کی فضیلت کی جانب رجوع کرتی ہے۔ کیونکہ جماعت اذان کی بدولت ہوتی۔ اور اذان کی وجہ سے لوگ اکٹھے ہوئے اور اس درجہ کو پہنچے۔

ہ۔ یعنی وہ تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں جو دو نمازوں کے درمیانی وقفہ میں مؤذن سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ جب کہ وہ دونوں نمازیں پڑھے اور وہ قول میں شامل ہو۔

ہ۔ اور فضل شاہد الصلوٰۃ کے الفاظ روایت نہ کیے۔

ہ۔ کہ فعلِ خیر پر دلالت کرنے والا اس نیک کام کے کرنے والوں کے ساتھ شریک قرار دیا جاتا ہے۔ یعنی وہ بھی ان کے ثواب میں شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہی نماز کے لیے لوگوں کے جمع ہونے کا ذریعہ بنا ہے یہ مطلب نہیں کہ مؤذن کو تمام مقتدیوں کی نمازوں جتنا ثواب ملتا ہے۔ تاکہ لازم آئے کہ اذان نماز سے بھی افضل ہے۔

وعن عثمان بن ابی العاص قال قلت یا رسول اللہ اجعلنی امام قومی قال انت امامھم واقتد باضعفھم واتخذ مؤذنا لا یاخذ علی اذانہ اجرا۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی

حضرت عثمان بن ابی العاص[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اپنی قوم کا امام مقرر فرما دیں۔ فرمایا تو ان کا امام ہے[2] اور امامت میں قوم کے کمزور ترین آدمی کے حال کا خیال رکھ کر نماز ادا کرنا۔ اور ایسا مؤذن مقرر کرنا جو اذان پر اجرت وصول نہ کرے۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

[1] حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ ثقفی ہیں۔ مشہور صحابی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طائف کا عامل مقرر فرمایا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پھر

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال تک اس عہدے پر فائز رہے۔ پھر حضرت عمر نے انہیں اس عہدہ سے الگ کر کے عمان اور بحرین کا والی تصور فرمایا۔

ﮯ۵ یعنی میں نے تجھے اس جماعت کا امام مقرر کر دیا۔

ﮯ۵۳۔ امامت کرتے وقت کمزور ترین مقتدیوں کی حالت پیش نظر رکھنا۔ قرأت اور دوسرے ارکان نماز اسقدر طویل نہ کرنا جو ان کی برداشت سے باہر ہو اور جس سے وہ دل تنگ ہوں۔ اور نماز با جماعت کے لیے آنا ترک کر دیں۔

۶۱۸/۱۴ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقُوْلَ عِنْدَ اَذَانِ الْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ هٰذَا اِقْبَالُ لَيْلِكَ وَ اِدْبَارُ نَهَارِكَ وَ اَصْوَاتُ دُعَاتِكَ فَاغْفِرْ لِیْ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ الْبَيْهَقِیُّ فِی الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا کہ میں اذان مغرب کے وقت یہ دعا پڑھا کروں۔ اَللّٰهُمَّ هٰذَا اِقْبَالُ لَيْلِكَ۔ اے اللہ یہ تیری پیدا کردہ رات کے آنے کا وقت ہے۔ وَاِدْبَارُ نَهَارِكَ اور یہ تیرے پیدا کردہ دن کے جانے کا وقت ہے وَاَصْوَاتُ دُعَاتِكَ اور یہ تیری عبادت کی جانب بلانے والوں کی آوازوں کا وقت ہے[1] تو مجھے بخش دے[2] اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور بیہقی نے الدعوات الکبیر میں روایت کیا۔

ﻟﮧ یعنی آوازوں (اذانوں) کا وقت ہے۔

ﮯ۵۲۔ اور ایک روایت میں دعوات تک (تیری نماز کے موجود ہونے کا وقت ہے) کے الفاظ موجود آئے ہیں۔ فاغفرلی۔ اور ایک روایت میں اسالک ان تغفرلی کا لفظ آیا ہے۔ یعنی میں تجھ سے مغفرت کا سوال کرتا ہوں۔

۶۱۹/۱۷ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَوْبَعْضِ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ بِلَالًا اَخَذَ فِی الْاِقَامَةِ فَلَمَّا اَنْ قَالَ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقَامَهَا اللّٰهُ وَ اَدَامَهَا اللّٰهُ وَ قَالَ فِیْ سَائِرِ الْاِقَامَةِ كَنَحْوِ حَدِيْثِ عُمَرَ فِی الْاَذَانِ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابو امامہ یا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت شروع کی جب انہوں نے قد قامت الصلوٰۃ کے الفاظ کہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اسے قائم رکھے ہمیشہ رکھے بعد ازاں آپ نے اقامت کے باقی الفاظ اسی کی مانند کہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اذان[1] میں مروی ہیں۔ (ابوداؤد)

۱؎ ۔ حضرت ابو امامہ باہلی مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ ۔ یعنی اس حدیث کو بعض راویوں نے حضرت ابو امامہ سے روایت کیا ہے۔ اور بعض نام کی صراحت کے بغیر لائے ہیں۔ اور بغیر کسی صحابی کا نام لیے یوں کہا ہے۔ کہ بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳؎ ۔ یعنی اذان میں مروی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو فصل اول میں گزری ہے۔ یعنی اذان کے جو الفاظ سنے وہی کہتا جائے۔

۶۳/۱۸ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی۔[۱] (ترمذی و ابو داؤد)

۱؎ ۔ حدیث کے ظاہر الفاظ عام ہیں کہ اذان کے متصل بعد دعا کرے یا کچھ دیر سے۔ بہتر یہ ہے کہ متصل کرے تاکہ آئندہ حدیث جس میں فرمایا۔ عند النداء کے موافق ہو جائے۔

۶۴/۱۹ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَانِ لَا تُرَدَّانِ اَوْ قَلَّمَا تُرَدَّانِ الدُّعَاءُ عِنْدَ النِّدَاءِ وَعِنْدَ الْبَاْسِ حِيْنَ يُلْحِمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَفِىْ رِوَايَةٍ وَتَحْتَ الْمَطَرِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَتَحْتَ الْمَطَرِ۔

حضرت سہل بن سعد[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو چیزیں (دعائیں) رد نہیں ہوتیں۔ یا کم ہی رد ہوتی ہیں[۲]۔ ایک اذان کے وقت دوسری کفار کے ساتھ جنگ کے وقت دعا جب بعض بعض کو قتل کر رہے ہوں یا ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے ہوں[۳] اور ایک روایت میں عند الباس کے بجائے وتحت المطر کا لفظ بھی آیا ہے یعنی بارش کے نیچے یا بارش کے وقت اسے ابو داؤد، دارمی نے روایت کیا مگر دارمی نے وتحت المطر کی روایت[۴] کا ذکر نہیں کیا۔[۵]

۱؎ ۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ مشہور انصاری صحابی ہیں۔ صحابہ میں مدینہ کے اندر سب سے آخر فوت ہونے والے یہی صحابی ہیں۔

۲؎ ۔ قلت کا لفظ عدم سے کنایہ ہے یعنی دعا رد نہیں ہوتی۔

۳؎ ۔ لحم کا لفظ جنگ میں قتل کرنے یا ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہونے کے معنوں میں آتا ہے۔ اور یہی معنی ہیں لفظ یُلحم اور حا کی زبر کے ساتھ اور حا کی پیش اور زیر کے ساتھ دونوں روایتیں ہیں۔

ے۔ عبارت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ بارش کے نیچے کھڑے ہو کر دعا کرے کہ بارش ابھی پوری برس رہی ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ تحت المطر سے بارش نازل ہونے کا وقت مراد ہو۔ جیسا کہ ایک دوسری روایت میں آیا ہے۔
اس حدیث کو ابوداؤد اور دارمی دونوں نے روایت کیا۔ تاہم دارمی نے تحت المطر والی روایت کا ذکر نہیں کیا۔

۱۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤَذِّنِيْنَ يَفْضُلُوْنَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ كَمَا يَقُوْلُوْنَ فَاِذَا انْتَهَيْتَ فَسَلْ تُعْطَهْ
رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ موذن لوگ تو ہم پر فضیلت لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو بھی وہی الفاظ کہہ اور جب تو آخر پر پہنچے تو خدا سے مانگ تجھے ملے گا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

لے۔ کیونکہ وہ اذان کہتے ہیں اور ہم اذان نہیں کہتے۔
لے۔ یہ اس کے جواب سے زیادہ بات آپ نے بیان فرمادی اور اس جانب اشارہ ہے کہ اگر اذان کا جواب دینے کے بعد دعا کرے تو زیادہ فضیلت کی بات ہے۔
لے۔ اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر مسجد میں آچکا ہو تب بھی اذان کا جواب دے کر اذان کا ثواب پالے گا۔ برخلاف اس کے جو لوگوں میں مشہور ہے کہ اجابت فعلیہ کی موجودگی میں اجابت قولی کی کوئی ضرورت نہیں۔ (خوب سمجھو)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۳ عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطٰنَ اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ ذَهَبَ حَتّٰى يَكُوْنَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ قَالَ الرَّاوِيُ وَالرَّوْحَاءُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى سِتَّةٍ وَّثَلٰثِيْنَ مِيْلًا
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ شیطان جب اذان سنتا ہے تو بھاگ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مکان روحا تک چلا جاتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ روحا مدینہ طیبہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے۔
(مسلم شریف)

لہ۔ روحاء راء کی زبر حا ساکن اور مد کے ساتھ۔
لہ۔ بعض نے کہا کہ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔

۶۲۴ وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ إِنِّي لَعِنْدَ مُعَاوِيَةَ إِذْ أَذَّنَ مُؤَذِّنُهُ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ كَمَا قَالَ مُؤَذِّنُهُ حَتّٰى إِذَا قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ فَلَمَّا قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَقَالَ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت علقمہ بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں حضرت معاویہ کے پاس تھا کہ اچانک ان کے موذن نے اذان کہنا شروع کر دی۔ تو حضرت معاویہ نے بھی وہی کلمات کہے جو موذن کہتا تھا یہانتک کہ جب موذن نے حی علی الصلوٰۃ کہا تو حضرت معاویہ نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہا پھر جب موذن نے حی علی الفلاح کہا تو حضرت معاویہ نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہا۔ (اس مرتبہ انہوں نے العلی العظیم کے الفاظ زیادہ کیے) اسکے بعد آپ نے وہی الفاظ کہے جو موذن نے کہے پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے ایسا ہی کیا تھا۔ (احمد)

لہ۔ حضرت علقمہ بن وقاص رضی اللہ عنہ کبار تابعین میں سے ہیں۔

۶۲۵ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ بِلَالٌ يُنَادِيْ فَلَمَّا سَكَتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ مِثْلَ هٰذَا يَقِيْنًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اذان کہی۔ اذان ختم کر کے جب حضرت بلال خاموش ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے یقین و ایمان سے موذن کے کلمات کی مانند کلمات کہے وہ جنت میں داخل ہو گا۔ (نسائی شریف)

لہ۔ یعنی صدق و یقین سے اذان کا جواب دے۔
لہ۔ اگرچہ حدیث کا سیاق (انداز الفاظ) موذن کا جواب دینے والوں کی فضیلت بیان کرتا ہے۔ تاہم اس سے موذن کی فضیلت خود بخود ثابت و لازم ہوتی ہے۔ کیونکہ جب موذن کے الفاظ کے مثل الفاظ کہنے والا ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے تو جس نے (موذن) نے پہلے یہ کلمات اذان کہے وہ بھی اجر و ثواب پائے گا۔

۶۲۳/۲۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَتَشَهَّدُ قَالَ وَاَنَا وَاَنَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب مؤذن شہادتیں (اشہدان لا الٰہ الا اللہ اور اشہدان محمداً رسول اللہ) پڑھتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے وانا وانا یعنی میں بھی گواہی دیتا ہوں میں بھی گواہی دیتا ہوں۔ (ابو داؤد)

۶۲۴/۲۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَذَّنَ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَكُتِبَ لَهٗ بِتَاْذِيْنِهٖ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ سِتُّوْنَ حَسَنَةً وَّلِكُلِّ اِقَامَةٍ ثَلٰثُوْنَ حَسَنَةً (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بارہ سال اذان دے اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے[1] اور اس کے لیے ہر اذان پر ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ہر اقامت پر تیس نیکیاں ملتی ہیں[2]۔ (ابن ماجہ)

[1] گزشتہ فصل ثانی میں سات سال فرمایا ہو سکتا ہے پہلے بارہ سال کی وحی ہوئی ہو اس کے بعد جب فضل و کرم حق تعالیٰ میں مزید وسعت آئی تو فرمایا اگر صرف سات سال ہی اذان کہے تو بخشش اور دخول جنت کے لیے کافی ہے۔ بلکہ وہاں زیادہ بشارت یہ بھی دے دی کہ کتب لہ براءۃ من النار کہ اس کے لیے دوزخ سے براءت و نجات لکھ دی جاتی ہے۔ اور یہاں فرمایا اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے مگر یہ کہ عبادت سے [illegible] نجات مراد ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ بارہ سال کی اذان میں یہ زیادتی ہے کہ مؤذن کے لیے ہر اذان پر ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

[2] ظاہراً ذہن میں فوری طور پر آتا ہے کہ چونکہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار ہوتے ہیں [illegible] یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اقامت پر اذان کی فضیلت اس بنا پر ہو کہ اذان میں مشقت اور محنت زیادہ ہے اور [illegible] راز شارع علیہ السلام کو ہی معلوم ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۲۵/۲۶ وَعَنْهُ كُنَّا نُؤْمَرُ بِالدُّعَاءِ عِنْدَ اَذَانِ الْمَغْرِبِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ اذان مغرب کے وقت ہم دعا کیا کریں[1]۔ اسے بیہقی نے الدعوات الکبیر میں روایت کیا۔

[1] شاید کہ اس سے وہی دعا مراد ہے جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزری ہے۔

بَابٌ فِيْهِ فَصْلَيْنِ

گزشتہ دو بابوں میں جو کچھ مذکور ہوا ان کے ملحقات اور انہیں مکمل کرنے والے اُمور کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۶۲۹ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ بِلَالًا يُنَادِيْ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ قَالَ وَ كَانَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ رَجُلًا اَعْمٰى لَا يُنَادِيْ حَتّٰى يُقَالَ لَهٗ اَصْبَحْتَ اَصْبَحْتَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک بلال فجر کی اذان رات کے حصے میں ہی دے دیتا ہے[1] تم لوگ ابن ام مکتوم کے اذان دینے تک کھاتے[2] پیا کرو۔ راوی کہتا ہے ابن ام مکتوم ایک نابینا شخص تھے وہ اس وقت تک اذان نہ کہتے تھے جب تک لوگ یہ نہ کہیں صبح ہو گئی صبح ہو گئی[3]۔ (بخاری و مسلم)

[1] تاکہ لوگ قبل از فجر مثل استنجا اور وضو کر کے نماز کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز کے لیے رات میں ہی اذان کہنا درست ہے۔ جیسا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور امام شافعی بھی اسی پر ہیں۔

[2] رمضان کے مہینے میں سحری کھاؤ پیو تاآنکہ حضرت ابن ام مکتوم اذان دیں۔ حضرت ابن ام مکتوم مشہور صحابی نابینا تھے آپ بھی مؤذن تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مؤذن تھے کہ ایک فجر ہونے سے پہلے اذان کہتا تھا۔ دوسرا فجر ہونے کے بعد۔ غالباً یہ طریقہ رمضان شریف میں ہوتا تھا ایک اذان سحری کے لیے۔ دوسری نماز کے لیے شافعی حضرات کہتے ہیں فجر کے لیے دو مؤذن ہونے چاہئیں۔ ایک فجر سے پہلے رات کے نصف اخیر میں اذان کہے دوسرا فجر کے لیے اول وقت میں اذان کہے۔

[3] اصبحت اصبحت۔ صبح ہو گئی ہو گئی یعنی صبح نزدیک ہو گئی۔ صبح کے نزدیک ہونے کو بطور مبالغہ کہہ دیتے تھے کہ صبح ہو گئی۔ یہ تاویل ہم نے اس لیے کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ابن ام مکتوم کی اذان تک کھایا پیا کرو۔ اور جب وہ فجر طلوع ہو جانے اور لوگوں کے انہیں مکرر کہنے کے بعد اذان دیتے ہوں۔ تو اس وقت

تک کھانا پینا کیسے جائز و روا ہو سکتا ہے۔ کذا فی بعض الشروح۔ اسے (خوب سمجھو)

۶۳۰ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ سُحُوْرِكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ وَّ لَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيْلُ وَلٰكِنِ الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيْرُ فِي الْاُفُقِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ لَفْظُهٗ لِلتِّرْمِذِيِّ۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ[۱] سے جو مشہور صحابی ہیں اسے دسویں کے حفاظ سے ایک بعد دیں رہے ان سے حسن بصری اور شعبی وغیرہ نے روایت کیا، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال کی اذان تمہیں سحری کھانے سے نہ روکے[۱] اور نہ فجر مستطیل کو نے پینے سے روکے بلکہ افق میں شمالا جنوبا پھیلنے والی فجر کے وقت کھانا پینا بند کیا کرو اسے مسلم نے روایت کیا اور لفظ ترمذی کے ہیں۔

[۱]۔ کیونکہ وہ رات کے اندر ہی اذان کہہ دیتے ہیں۔

[۲]۔ فجر مستطیل۔ دراز صبح۔ یہ اس سفیدی کا نام ہے جو مشرق سے مغرب کی طرف خط دراز کی طرح ہوتی ہے اور جلد ختم ہو جاتی ہے۔ پھر تاریکی چھا جاتی ہے۔ اسے صبح کاذب کہتے ہیں اسے بھیڑیے کی دم سے تشبیہ دیتے ہیں

[۳]۔ لیکن کھانے پینے سے وہ صبح روکتی ہے جو چوڑائی میں کنارہ آسمان میں شمالاً جنوباً پھیلتی اور فجر مستطیل کے بعد نمودار ہوتی اور باقی رہتی ہے۔

۶۳۱ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَ ابْنُ عَمٍّ لِّيْ فَقَالَ اِذَا سَافَرْتُمَا فَاَذِّنَا وَ اَقِيْمَا وَ لْيَؤُمَّكُمَا اَكْبَرُكُمَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں اور میرا چچا زاد بھائی [illegible] [illegible] آپ نے فرمایا [illegible] دوران (نماز کے لیے) اذان و اقامت کہو [illegible] [illegible]

[۱]۔ آپ کی کنیت ابو سلیمان ہے۔ صحابی ہیں [illegible] کے عہد حکومت میں ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔

[۲]۔ غالباً یہ دونوں حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر کی اجازت لینے آئے تھے

[۳]۔ یعنی سفر کے دوران بھی نماز کے لیے اذان و اقامت کہنا۔

[۴]۔ اور جب کہ آپ نے یہ فرمایا کہ تم میں جو بزرگ ہو وہ امام بنے تو یہ بات از خود متعین ہو گئی کہ اذان دوسرا دے جو بڑا نہیں ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ علم و ورع میں دونوں مساوی ہوں یا اکبر سے یہاں افضل مراد ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اذان کے لیے افضلیت شرط نہیں۔ مگر اس کے باوجود چاہیے یہی کہ موذن وقت پہچاننے والا صالح

یعنی بلند آواز، خوش الحان اور کلمات اذان صحیح و درست ادا کرنے والا ہو۔

٦٣٢ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِىْ اُصَلِّىْ وَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ اَحَدُكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ اَكْبَرُكُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہیں مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز اس طرح ادا کرو جس طرح تم مجھے ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے کوئی آدمی تمہارے لیے اذان کہے۔ پھر جو تم میں بزرگ و افضل ہو وہ امام بنے۔ (بخاری و مسلم)

٦٣٣ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَفَلَ مِنْ غَزْوَةِ خَيْبَرَ سَارَ لَيْلَةً حَتّٰى اِذَا اَدْرَكَهُ الْكَرٰى عَرَّسَ وَقَالَ لِبِلَالٍ اكْلَاْ لَنَا اللَّيْلَ فَصَلّٰى بِلَالٌ مَا قُدِّرَ لَهٗ وَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ فَلَمَّا تَقَارَبَ الْفَجْرُ اسْتَنَدَ بِلَالٌ اِلٰى رَاحِلَتِهٖ مُوَاجِهَ الْفَجْرِ فَغَلَبَتْ بِلَالًا عَيْنَاهُ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ اِلٰى رَاحِلَتِهٖ فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا بِلَالٌ وَلَا اَحَدٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ حَتّٰى ضَرَبَتْهُمُ الشَّمْسُ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلَهُمْ اسْتِيْقَاظًا فَفَزِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَىْ بِلَالُ فَقَالَ بِلَالٌ اَخَذَ بِنَفْسِىْ الَّذِىْ اَخَذَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ خیبر سے واپس لوٹے تو ساری رات چلتے رہے یہاں تک کہ جب آپ پر نیند طاری ہونے لگی تو آپ سواری سے نیچے اتر گئے اور حضرت بلال سے فرمایا۔ (ہم سوتے ہیں تو بیدار رہ کر ہمارا پہرہ دینا) حضرت بلال نماز پڑھنے لگ گئے اور جس قدر آپ کے مقدر میں تھا آپ نے نماز پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب سو گئے۔ جب صبح صادق کا وقت قریب آیا تو حضرت بلال نے فجر کی جانب منہ کر کے اپنے کجاوے کے ساتھ اپنی پشت سے ٹیک لگا لی۔ تو حضرت بلال پر نیند غالب آگئی اور انہوں نے اپنے کجاوے کے ساتھ ٹیک لگائی ہوئی تھی تو نہ بیدار ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ حضرت بلال اور نہ ہی صحابہ میں سے کوئی اور آدمی یہاں تک کہ ان پر سورج کی شعاع پڑنے لگی۔ تو ان سب میں پہلے بیدار ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ گھبرا گئے۔ اور آپ نے فرمایا اے بلال۔ حضرت بلال نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بھی اسی چیز نے آ گھیرا

بِنَفْسِكَ قَالَ اقْتَادُوْا فَاقْتَادُوْا رَوَاحِلَهُمْ شَيْئًا ثُمَّ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ بِلَالًا فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ فَصَلّٰى بِهِمُ الصُّبْحَ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ مَنْ نَسِيَ الصَّلٰوةَ فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

جس نے آپ کو پکڑا آپ نے فرمایا یہاں سے اپنے اونٹوں کو نکالو اور ہانکو تو لوگ اپنی سواریاں وہاں سے کچھ آگے لے گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور حضرت بلال کو حکم دیا حضرت بلال نے نماز کے لیے اقامت کہی آپ نے ان کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا جو نماز پڑھنا بھول جائے جب اسے یاد آئے پڑھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قائم کر نماز جب تجھے میری یاد آ جائے[۶]

(مسلم شریف)

۱ے۔ تعریس کا معنی ہے مسافر کا آخر شب میں آرام واستراحت کے لیے کسی جگہ اتر پڑنا۔

۲ے۔ مُوَجَّہ بمعنی متوجہ یہ وجہ بمعنی توجہ سے ماخوذ ہے۔ جس طرح قَدَّمَ تقدم کے معنی میں آتا ہے۔ اور ایک نسخہ میں مُوَجِّہ جیم کی زیر سے بھی آیا ہے۔

۳ے۔ یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی صفت جلالیہ کے مشاہدہ کی بنا پر سو جانے اور نماز فوت ہو جانے سے گھبرا گئے۔

۴ے۔ یعنی اے بلال یہ کیا ہو گیا۔ اور تو کیوں سو گیا۔ اور تو نے چوکیداری یا پاسبانی میں کیوں کوتاہی کی۔

۵ے۔ اس وادی سے نکلنے کے سبب و وجہ میں علماء کا اختلاف ہے جو لوگ ممنوع وقت میں نماز قضا کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ جیسے ہمارے اصحاب حنفیہ رحمہم اللہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس وادی سے نکلنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ وادی شیطان کی جگہ تھی۔ پھر آپ نے آفتاب بلند ہوتے ہی نماز ادا کی۔ اور جو لوگ وقت ممنوع میں قضا کرنا جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ اس وقت کی ممانعت کو نوافل کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام شافعی کا مسلک ہے اور وہ بھی اس وادی سے نکلنے کی وجہ یہی بیان کرتے ہیں کہ وہ وادی شیطان کی جگہ تھی جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں واقعہ میں آرہا ہے۔

۶ے۔ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ قضا نماز کے لیے اذان نہیں ہے۔ امام شافعی کے ایک قول کے مطابق ان کا مذہب یہی ہے۔ ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ قضا نماز کے لیے نہ اذان ہے نہ اقامت۔ ہدایہ میں کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس (خیبر سے واپسی کی رات) کو اذان واقامت کے ساتھ فجر کی قضا نماز پڑھی۔ شیخ ابن الہمام اس معنی میں مسلم، ابوداؤد وغیرہ اور مولا سے احادیث لائے ہیں۔ اور کہا کہ امام مسلم سے اس قصہ میں جو مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا پس بلال نے اقامت کہی وہ ان دوسری روایات کے منافی اور

خلاف نہیں۔ کیسے خلاف ہو سکتی ہیں حالانکہ یہ بات صحت سے ثابت ہو چکی ہے کہ اس موقعہ پر اذان و اقامت دونوں کہی گئیں۔ ابن الہمام علیہ الرحمۃ کا کلام ختم ہوا۔

سوال۔ یہ جو کہتے ہیں کہ اذان تو وقت نماز داخل ہونے کی اطلاع دینے اور لوگوں کو جمع کرنے کے لیے ہوتی ہے اور قضا نماز میں اذان و دونوں چیزوں کی ضرورت نہیں۔

جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اذان اطلاع کے لیے بھی شروع ہوئی ہے۔ اور ان کلمات اذان کا ذکر کر کے ثواب حاصل کرنے کے لیے بھی۔ اسی لیے افضل یہ ہے کہ منفرد (اکیلا نماز پڑھنے والا) بھی اذان و اقامت کہے۔ جیسا کہ علامہ سغبانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

۷۔ یعنی نیند وغیرہ کی وجہ سے نماز پڑھنا بھول جائے تو چاہیے کہ جب اسے یاد آئے پڑھ لے۔

۸۔ قائم کر نماز جب تجھے میری یاد آئے کہ نماز کا یاد آنا گویا میرا یاد آنا ہے۔

۹۔ اشکال۔ کہا جاتا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری صرف آنکھیں سوتی ہیں۔ دل بیدار رہتا ہے۔ پھر بیداری دل کے باوجود ایسا کیوں ہوا کہ آپ طلوع فجر سے آگاہ نہ ہو سکے۔

جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ طلوع و غروب کا دریافت کرنا اس آنکھ کا کام ہے جب آنکھ نیند میں ہو اور بند ہو طلوع و غروب کا پتہ نہ چل سکے گا۔ اگرچہ دل بیدار ہی کیوں نہ ہو۔ علماء نے ایسا ہی کہا ہے۔

سوال۔ کشف، وحی اور الہام کے ذریعے آپ نے کیوں نہ معلوم کر لیا۔

جواب۔ ہم کہتے ہیں کشف و وحی اور الہام سے سرفراز کرنا خدا تعالےٰ کا فعل ہے۔ اگر اس موقعہ پر اللہ تعالےٰ نے وحی نازل نہیں کی۔ اور اس صورت حال کا کشف نہیں کیا تو کیا کیا جا سکتا ہے۔ اس میں حکمت ہو گی کہ یہ شرعی احکام کے وجود میں آنے کا ذریعہ تھے۔ اور لوگوں کو آپ کی متابعت کا شرف حاصل ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ دل بیدار رہتا ہے۔ مگر ہو سکتا ہے کہ آپ پر ایک ایسی حالت اور شہود کی کیفیت طاری ہو کہ اس میں مستغرق ہو کر مشہود کے ماسوا تمام معانی و صور سے ذہول ہو گیا ہو۔ جیسا کہ بعض اوقات حالت وحی میں یہ حالت و کیفیت رونما ہوتی تھی۔ پس نسیان و غفلت کا سبب دل کا سونا نہ ہو گا۔ بلکہ اس عظیم حالت کا طاری ہونا ہو گا۔ جس کی حقیقت معرفت رب العزت ہی جانتا ہے۔ خوب سمجھ لے۔ و باللہ توفیق

۶۳۴ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْنِیْ قَدْ خَرَجْتُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کی اقامت کہی جائے تو جب تک مجھے باہر آتا نہ دیکھو کھڑے نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

حَتّٰى اسْتَيْقَظُوْا وَقَدْ طَلَعَتْ عَلَيْهِمُ
الشَّمْسُ فَاسْتَيْقَظَ الْقَوْمُ فَقَدْ فَزِعُوْا
فَاَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْكَبُوْا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْ
ذٰلِكَ الْوَادِيْ وَقَالَ اِنَّ هٰذَا وَادٍ بِهٖ
شَيْطَانٌ فَرَكِبُوْا حَتّٰى خَرَجُوْا مِنْ ذٰلِكَ
الْوَادِيْ ثُمَّ اَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنْزِلُوْا وَاَنْ يَّتَوَضَّؤُوْا
وَاَمَرَ بِلَالًا اَنْ يُّنَادِيَ بِالصَّلٰوةِ اَوْ يُقِيْمَ
فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِالنَّاسِ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ رَاٰى مِنْ فَزَعِهِمْ
فَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ اَرْوَاحَنَا
وَلَوْ شَآءَ لَرَدَّهَا اِلَيْنَا فِيْ حِيْنٍ غَيْرِ هٰذَا
فَاِذَا رَقَدَ اَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلٰوةِ اَوْ نَسِيَهَا
ثُمَّ فَزِعَ اِلَيْهَا فَلْيُصَلِّهَا كَمَا كَانَ يُصَلِّيْهَا
فِيْ وَقْتِهَا ثُمَّ الْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ فَقَالَ
اِنَّ الشَّيْطٰنَ اَتٰى بِلَالًا وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ
فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ لَمْ يَزَلْ يُهَدِّئُهٗ كَمَا
يُهَدَّأُ الصَّبِيُّ حَتّٰى نَامَ ثُمَّ دَعَا رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا فَاَخْبَرَ
بِلَالٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ مِثْلَ الَّذِيْ اَخْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَا بَكْرٍ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ
اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

سو گئے۔ یہاں تک کہ جب بیدار ہوئے تو ان پر سورج
طلوع کر چکا تھا چنانچہ سب لوگ بیدار ہوئے گھبرائے
ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ سواریوں
پر سوار ہوں یہاں تک کہ اس وادی سے نکل جائیں اور فرمایا یہ
ایسی وادی ہے جس میں شیطان ہے۔ صحابہ کرام سوار ہوئے
اور اس وادی سے نکل گئے۔ پھر انہیں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اتریں اور وضو کریں۔ اور بلال کو حکم
دیا کہ نماز کے لیے اذان یا اقامت کہیں۔ تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی پھر آپ نماز
سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی گھبراہٹ دیکھ کر فرمایا۔ اے
لوگو۔ بیشک اللہ نے ہماری روحیں قبض کر لیں۔ اگر وہ
چاہتا تو اس وقت کے سوا دوسرے وقت (نماز کے
صحیح وقت) میں ہماری جانب ہماری روحیں واپس کر دیتا
جب تم میں سے کوئی سو جائے نماز پڑھے بغیر یا اسے
بھول جائے پھر گھبرا کر نماز کی طرف رخ کرے تو اسی طرح پڑھے
جس طرح اسے اپنے وقت میں پڑھتا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ
علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر کی طرف متوجہ ہوئے اور
فرمایا۔ بے شک شیطان بلال کے پاس آیا جب کہ
بلال نماز پڑھ رہا تھا تو اسے نیند کے لیے زمین
پر ڈال دیا۔ پھر اسے مسلسل تھپکتا رہا۔ جس طرح بچے
کو تھپکا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بلال کو نیند آگئی۔ پھر رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو بلایا۔ تو بلال نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی جس طرح رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو خبر دی تھی پس ابوبکر
نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے سچے

(رَوَاہُ مَالِکٌ مُرْسَلًا) رسول بیان فرماتے ہیں یا ایک روایت میں بطریق ارسال روایت کیا۔

ف۱۔ آپ بلند پایہ تابعین سے ہیں۔

ف۲۔ شاید کہ واقعہ متعدد ہے۔ یا راوی کو وہم ہوا ہے۔ یہ تعریس کا وقوع مدینہ کے راستہ میں ہوا تھا اور اس حدیث کا مضمون بعینہ حضرت ابوہریرہ والی حدیث کا مضمون ہے۔ جو گزشتہ مذکور ہوا کہ خیبر سے مدینہ کی جانب واپس آتے وقت ایسا ہوا۔ البتہ ان دونوں مضامین میں قدرے فرق ہے جیسا کہ ظاہر ہو گا۔

ف۳۔ اپنی کوتاہی پر۔

ف۴۔ یہ راوی کا شک ہے۔

ف۵۔ انہیں تسلی دینے اور ان کی گھبراہٹ دور کرنے کے لئے۔

ف۶۔ یعنی اذان، اقامت اور جماعت اور دیگر شرائط و آداب کے ساتھ۔

ف۷۔ صراح میں ہے ہَدَأَ ہُدُوْءً آرام کرنا اور آرام دینا اور تھپک کر ہاتھ سے تھپکنا تاکر سو جائے۔

ف۸۔ یعنی جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور کی غیب کی خبر دینے کا معجزہ دیکھا۔

ف۹۔ کیونکہ زید بن اسلم تابعی ہیں۔

۶۲۷ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ مُعَلَّقَتَانِ فِیْ اَعْنَاقِ الْمُؤَذِّنِیْنَ لِلْمُسْلِمِیْنَ صِیَامُھُمْ وَصَلَاتُھُمْ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو خصلتیں مسلمانوں کی مؤذنوں کی گردنوں میں لٹکی ہیں ان کے روزے اور نمازیں۔ (ابن ماجہ)

ف۱۔ اور ان کے ذمے لگا دی گئی ہیں۔ تاکہ وہ انہیں [illegible] دیانتداری سے کام لیں۔

ف۲۔ روزے کے لیے تو افطاری و سحری کا خیال رکھا جائے [illegible]

بَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلٰوۃِ مساجد اور نماز کی جگہوں کا باب

لفظ مساجد مسجد بکسر جیم کی جمع ہے جیم کا فتح بھی جائز ہے۔ فقہاء کے نزدیک مسجد بکسر جیم اس مکان کو کہتے ہیں جو خاص نماز کیلئے تعمیر کیا جاتا ہے۔ اور مسجد فتح جیم کے ساتھ بمعنی سجدہ گاہ پیشانی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور مساجد

ان سات مقامات کو گنایا گیا ہے جن کے علاوہ سجدہ کیا جاتا ہے یہاں مواضع صلوٰۃ سے وہ جگہیں مراد ہیں جہاں نماز پڑھی جائے یا چاہیے وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہو یا مکروہ نہ ہو جیساکہ آگے احادیث میں آرہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۶۷۳- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ دَعَا فِيْ نَوَاحِيْهِ كُلِّهَا وَلَمْ يُصَلِّ حَتّٰى خَرَجَ مِنْهُ فَلَمَّا خَرَجَ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِيْ قُبُلِ الْكَعْبَةِ وَقَالَ هٰذِهِ الْقِبْلَةُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْهُ وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ[۱] میں داخل ہوئے تو آپ نے اس کے تمام کونوں[۲] میں دعا فرمائی۔ اور نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ باہر نکل آئے جب باہر نکلے تو قبلہ کی طرف[۳] منہ کرکے آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ اور فرمایا یہ ہے قبلہ[۴]۔ اسے بخاری نے روایت کیا اور مسلم نے ان سے اور حضرت اسامہ سے روایت کیا۔

۱؎ یعنی فتح مکہ کے دن۔

۲؎ یعنی اس کے چاروں کونوں میں۔

۳؎ قُبُل ذرہ پیش کے ساتھ اور عاشا کی پیش اور یا ساکن کے ساتھ دونوں روایتیں ہیں مگر روایت اولی زیادہ فصیح ہے یعنی مقابل اور سامنے۔

۴؎ یعنی آپ نے کعبہ کی طرف اشارہ کیا اور واضح فرمایا کہ قبلہ کی جانب منہ کرنے کا حکم ملے ہو چکا ہے۔ ہرگز منسوخ نہ ہوگا۔ منہ پھیر کر قبلہ ہی کی طرف نہیں بلکہ پورا حرم ہی یہاں منسوب ہے اور اس کی کسی اور طرف منہ کرکے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ یہ بعض علماء کا مذہب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حاضر ہونا کافی ہے کہ قبلہ کے مکان سے باہر کھڑے ہوکر ہی نماز پڑھنا جائز ہے اندر کعبہ کے نماز پڑھنا درست نہیں۔ جیسا کہ فرض نماز کے بارے میں امام مالک کا مذہب ہے اور بعض حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ اگر اندر کعبہ کے ادا کرے تو نماز درست نہیں)

۶۷۴- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ هُوَ وَاُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ وَبِلَالُ ابْنُ رَبَاحٍ فَاَغْلَقَهَا عَلَيْهِ وَمَكَثَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ بن زید، حضرت عثمان بن طلحہ الحجبی[۱] اور حضرت بلال بن رباح یہ سب حضرات خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو حضرت بلال یا حضرت عثمان نے حضور کے لیے اس کا دروازہ بند کر دیا[۲] اور کچھ دیر

فِيهَا فَسَأَلْتُ بِلَالًا حِينَ خَرَجَ مَا صَنَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جَعَلَ عَمُودًا عَنْ يَسَارِهٖ وَعَمُودَيْنِ عَنْ يَمِينِهٖ وَثَلٰثَةَ اَعْمِدَةٍ وَرَآءَهٗ وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلٰى سِتَّةِ اَعْمِدَةٍ ثُمَّ صَلّٰى ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اس کے اندر رہے میں نے حضرت بلال سے دریافت کیا۔ جب کہ وہ باہر نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اندر) کیا کیا ہے۔ حضرت بلال نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ستون اپنی بائیں جانب کیا اور دو ستون اپنی دائیں جانب اور تین ستون اپنے پیچھے بیت اللہ شریف اس وقت چھ ستونوں پر تھا۔ تو آپ نے نماز پڑھی۔

(بخاری و مسلم)

۱؎۔ حضرت عثمان بن طلحہ الحجی رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ کے دربان اور اس کے چابی بردار تھے۔

۲؎۔ تاکہ لوگ اندر نہ آئیں۔ اور ہجوم نہ کریں اور آپ کو تشویش میں نہ ڈالیں۔

۳؎۔ اگرچہ اس وقت (حضرت شیخ کے زمانہ میں) تین ستونوں پر ہے۔ ان تغیرات کی وجہ سے جو اس مبارک گھر کی تعمیر میں واقع ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کتب تاریخ میں مذکور ہے۔

۴؎۔ اس حدیث میں جو حضرت عمر نے حضرت بلال سے روایت کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی۔ اور گزشتہ حدیث سے جو حضرت ابن عباس نے حضرت اسامہ سے روایت کی [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز نہیں پڑھی۔ دونوں احادیث میں تطبیق [illegible] ہو سکتی ہے کہ جب یہ حضرات خانہ کعبہ میں داخل ہو گئے اور دروازہ بند کر دیا گیا ایک ایک کونے میں دعا میں مصروف ہو گیا [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک کونے میں مصروف دعا دیکھا [illegible] اور خود وہ [illegible] دعا میں مشغول ہو گئے ہوں۔ اس کے برعکس حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے [illegible] نے دعا کے بعد نماز ادا کی ہو۔ اس بنا پر بلال نے آپ کو نماز میں دیکھا ہو۔ اور [illegible] اور دعا میں مشغول تھے۔ پھر نماز بھی تو صرف دو رکعت ہی تھی [illegible] بھی مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو پانی لانے [illegible] صاف کریں۔ اور وہ صورتیں جو خانہ کعبہ کی دیوار وں پر موجود تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ [illegible] حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ باہر پانی لانے گئے ہوئے تھے۔ لہٰذا [illegible] ادا کرنا درست ہے۔ نفی کا قول درست نہیں۔

۵؎ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مَسْجِدِیْ هٰذَا خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِیْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری ہر مسجد میں ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے سوائے مسجد خانہ کعبہ کے[1] (بخاری و مسلم)

[1] کہ اس میں نماز ادا کرنا میری مسجد میں نماز ادا کرنے سے بھی بہتر و افضل ہے۔ چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری کسی بھی مسجد میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ درجہ کا ثواب رکھتی ہے۔ احادیث کے مطابق اور اکثر ائمہ مذہب کے موافق یہی بات ہے بخلاف مالکیہ رحمہم اللہ کے کہ وہ اس عبارت کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ میری مسجد میں ایک نماز ادا کرنا مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے بھی افضل ہے۔ مگر خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے سے ایک ہزار درجہ سے کم افضل ہے۔ مگر یہ تاویل امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق ہے۔ کہ وہ مدینہ منورہ کو مکہ معظمہ سے افضل جانتے ہیں یا افضلیت مدینہ کے قول کو تسلیم کرتے ہوئے جیسا کہ ان کا مذہب ہے۔ جواب یہ ہے کہ افضلیت ثواب کے چوگنا ہونے میں منحصر نہیں۔ تو گو مسجد حرام میں نماز ادا کرنا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے سے ثواب میں کئی گنا زیادہ ہے لیکن وہ انواع کرامات و برکات اور فتوح و منافع جو مدینہ طیبہ کے ساتھ خاص ہیں افضلیت کے لیے کافی ہیں۔ نیز ثواب کا زیادہ ہونا عدد کے اعتبار سے ہے۔ مگر شرف و نفاست و عمدگی (جو مدینہ مطہرہ میں عبادت کے اندر نصیب ہوتی ہے) وہاں عدد سے الگ چیز ہے۔ اور ایسا ممکن ہے کہ ایک چیز ہزار چیزوں سے بڑھ کر نفیس ہوتی ہے جیسا کہ ایک موتی ہزار روپے میں آتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ مسجد نبوی شریف میں ایک نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت و جوار کی برکت سے اس لاکھ درجہ نماز سے نفیس و عظیم ہو جو مسجد حرام میں ادا کی گئی ہو اور یہ بحث کہ مدینہ طیبہ افضل ہے یا مکہ معظمہ ہم نے اپنی کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب میں بہت مکمل و مفصل طور پر بیان کر دی ہے والحمد للہ و الشکر علی ذالک۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ هٰذَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہ کسے جائیں کجاوے[1] مگر صرف تین مسجدوں کی طرف مسجد حرام مسجد اقصی اور میری اس مسجد کی طرف۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی دوسری مساجد کی نسبت مسجد نبوی شریف میں جو نماز پڑھی جائے گی وہ ہزار درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے مگر خانہ کعبہ میں پڑھی گئی نماز سے ہزار درجہ افضل نہیں بلکہ ہزار سے کچھ کم درجہ افضل ہے۔ (مترجم)

ے ۱۔ یعنی سفر اختیار نہ کیا جائے مگر تین مساجد کی طرف۔
ے ۲۔ ایک مسجد کعبہ جسے مسجد حرام کہتے ہیں۔ کہ وہاں شکار و لڑائی وغیرہ حرام ہے۔
ے ۳۔ دوسری مسجد بیت المقدس جسے مسجد اقصیٰ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں ان کے سوا اور کوئی مسجد تعمیر نہ ہوئی تھی لہذا مساجد کی انتہا اسی مسجد اقصیٰ تک ہے۔ یا مسجد حرام سے کافی فاصلہ پر واقع ہونے کی بنا پر اسے مسجد اقصیٰ کہتے ہیں۔

ے ۴۔ تیسری میری یہ مسجد (مسجد نبوی شریف) اس حدیث کے ظاہر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان تین مقامات ہی کی طرف سفر کرنا جائز ہے ان کے علاوہ کسی اور جانب سفر کرنا جائز نہیں۔ کہ ان تین مقامات کو خصوصی فضل و کرامت و عظمت حاصل ہے۔ اور یہی تین جگہیں اس خصوصیت کے ساتھ مخصوص و ممتاز ہیں۔ بخلاف دوسرے مقامات و مواضع کے کہ وہ فضیلت و شرافت میں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ اور شارع علیہ السلام کی زبان سے کسی خاص فضل و شرف کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ تقرب و تعبد کی نیت سے صرف انہیں تین مقامات متبرکہ کی طرف سفر کرنا جائز ہے۔ ہاں کسی حاجت و ضرورت کے تحت کسی اور جانب بھی سفر کی [illegible] تحصیل علم تجارت وغیرہ دنیاوی امور کہ یہ ایک دوسری چیز ہے۔ اور ان ارادے سے سفر جائز [illegible]

۹۔ مگر قبور صالحین اور مقامات متبرکہ کی زیارت کے لیے سفر [illegible] بعض [illegible] حرام۔ کذا فی مجمع البحار واللہ اعلم۔
بعض علماء فرماتے ہیں۔ کہ بہ نیت نذر صرف ان تین مقامات کی طرف [illegible] اور مسجد کی طرف سفر کی نذر مانیں تو یہ نذر پوری کرنا واجب نہ ہوگا [illegible] سے متعلق ہے۔ یعنی مساجد کے لیے اگر سفر کیا جائے تو صرف انہیں تین مساجد کی طرف [illegible] مساجد کے علاوہ دوسرے مقامات و مقاصد کے لیے سفر کرنا [illegible]
بندہ مسکین کاتب حروف عبدالحق بن سیف الدین عفا اللہ عنہ [illegible] مقدسہ کی شان کا اہتمام بیان کرنا اور ان کی جانب سفر سے غفلت [illegible] مقامات ہیں۔ یعنی اگر سفر کرنا مطلوب ہو تو ان تین مساجد کی طرف سفر کرنا [illegible] کو سفر کا بوجھ لوگ برداشت نہیں کرتے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان تین مواضع کے [illegible] نہیں۔ مصرع

دل اگر بار کشد بارنکاری باری۔
ترجمہ۔ دل اگر بوجھ اٹھانا چاہے تو کسی صحیح مقصد و کام کے لیے اٹھانا چاہیے۔

۶۶۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے[1]۔ اور میرا منبر میرے حوض پر ہے[2] (بخاری ومسلم)

[1] اور ایک روایت میں اس طرح ہے بَیْنَ قَبْرِیْ وَمِنْبَرِیْ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان۔ اور ایک روایت میں یوں ہے بَیْنَ حُجْرَتِیْ وَمُصَلَّایَ میرے حجرہ اور میری جائے نماز کے درمیان۔ روضہ دراصل سبزہ زار، باغ اور نمناک جگہ کو کہتے ہیں۔

اس حدیث کی تاویل و مراد میں بعض کہتے ہیں کہ اس جگہ میں عبادت کرنا بہشت میں آنے کا ذریعہ و سبب ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ذکر کے حلقوں کو ریاض الجنۃ کہا گیا ہے۔ یہ مقدس و متبرک و پاکیزہ جگہ بھی ملائکہ اور جن و انس کے اجتماع کی جگہ ہے کہ یہاں اس جگہ میں اگر اللہ تعالٰی کا ذکر اور تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ مگر یہ دونوں باتیں ضعیف ہیں، کہ یہ معنی اس مقام کے ساتھ کچھ خصوصیت نہیں رکھتا۔ کہ تمام مساجد اور متبرک جگہوں کا یہی حکم ہے۔

اہل تحقیق کے نزدیک یہ کلام بلا تاویل اپنے ظاہری معنٰی پر محمول ہے یا تو معنٰی یہ ہے کہ بعینہ اس بقعہ مبارکہ کو قیامہ کے روز اٹھا لیں گے اور بہشت میں رکھ دیں گے اور یہ ٹکڑا زمین باقی زمین کی طرح فانی و ہلاک نہ ہوگا۔ یا بایں معنٰی ہے کہ یہ بقعہ شریفہ بعینہ جنت کا ٹکڑا ہے جو زمین پر لایا گیا ہے جس طرح حجر اسود حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے لایا گیا۔ تو اس روضہ[illegible] کو حبیب خدا علیہ السلام کے لیے لایا گیا۔ اگرچہ ظاہر حس کے اعتبار سے یہ ٹکڑا اس عالم دنیا سے ہے لیکن دیدہ باطن کے نزدیک اس عالم سے ہے اور انسان جب تک کہ طبیعت ظلمانی کے حجاب [illegible] گرفتار ہے حقائق اشیاء اور امور اخرویہ کے ادراک سے معذور ہے اسی بنا پر جنت کے آثار یعنی میوے[illegible] وغیرہ کا ظہور یہاں نہیں ہوتا۔ اسی قسم کی تاویلات و تحقیقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں بھی ہیں کہ مِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ کہ میرا منبر جو اس وقت مسجد میں قائم ہے میرے حوض پر ہے۔ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے مِنْبَرِیْ عَلٰی تُرْعَةٍ مِّنْ تُرَعِ الْجَنَّةِ یعنی میرا منبر جنت سے آنے والے پانی کے راستوں میں سے ایک راستے پر واقع ہے۔ اور جنت کا پانی میرے منبر کے پایہ کے نیچے آتا ہے۔ روایت ہے کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منبر پر تشریف فرما تھے کہ فرمایا میرا قدم جنت کی طرف سے آنے والے پانی کے راستوں میں سے ایک راستے پر ہے۔ ایک روایت اس طرح وارد ہے کہ میرے

پاؤں جنت سے آنے والے کی نالی میں ہیں۔ ترعتین کے ضمہ اور تائے ساکن کے ساتھ یعنی حوض میں پانی آنے کی جگہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی شریف کی یہ جگہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ کہ آپ کا رفیع الشان منبر اس پر قائم ہے۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس سے اس منبر کی خبر دینا مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیامت کے دن ہوگا۔ اور وہ حوض کوثر پر رکھا جائے گا۔ نہ کہ یہ منبر جو مسجد شریف میں ہے۔ مگر یہ قول سیاق حدیث سے بعید ہے۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا وَرَاكِبًا فَيُصَلِّي فِيهِ رَكْعَتَيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے کے دن مسجد قبا[1] میں تشریف لایا کرتے تھے کبھی پیدل اور کبھی سواری پر۔ آپ مسجد میں آکر دو رکعت نماز پڑھا کرتے۔ (بخاری و مسلم)

[1] مسجد قبا وہ مسجد ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے نیز یہ وہ مسجد ہے جو ایام ہجرت کے ایام میں مدینہ منورہ میں تشریف لانے سے پہلے تعمیر کی گئی۔ اور مشہور قول کے مطابق آیہ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی الی آخر الآیہ۔ (البتہ وہ مسجد جو پہلے ہی دن تقویٰ کی بنیاد پر قائم کی گئی) مسجد قبا شریف کی شان میں نازل ہوئی۔ قبا قاف کی پیش کے ساتھ ایک جگہ کا نام ہے جس میں یہ مسجد واقع ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] [illegible] [illegible] (مسلم)

[1] کیونکہ ان میں خدا تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے [illegible]

[2] کہ ان میں لوگ دنیوی کاروبار میں مشغول ہو کر یاد خدا سے غافل ہو جاتے ہیں [illegible]

وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنَى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے لیے[1] مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور اس کی عبادت کے لیے مسجد تعمیر کرتا ہے۔

ـــه اور ایک روایت میں بیتاً مثلہ کا لفظ آیا ہے۔ اور یہ مماثلث ذرفعت، کشادگی، صفائی اور نفاست میں ہے ورنہ دنیا کے مکانات کی مماثلت جنت کے مکانات سے نہیں ہو سکتی۔ ایک دوسری حدیث میں آیا اگرچہ یہ مسجد چڑیا کے گھونسلے جتنی ہو۔ یہ چھوٹی اور تنگ ہونے میں مبالغہ ہے۔

۶۴۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَدَا اِلَى الْمَسْجِدِ اَوْ رَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُ نُزُلَهُ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا اَوْ رَاحَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت مسجد میں جاتا ہے۔ یا شام کے وقت اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مہمانی تیار کرتا ہے۔ جب بھی وہ صبح کو یا شام کو مسجد میں جاتا ہے۔

ـــه۔ اصل میں لفظ نُزُل استعمال ہوا ہے۔ زن کی پیش زا ساکن یا زا کی پیش کے ساتھ۔ یعنی وہ کھانا جو مہمان کے لیے ان کے پہلے حصے میں تیار کر کے اس کے آگے رکھتے ہیں۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ مسجد گویا ضیافت خانہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں زائرین کو اپنی عطا سے محروم نہیں کرتا کہ وہ کریم اس سے پاک ومنزہ ہے کہ اپنے مہمان کو محروم کرے۔ مسجد میں آنے سے متعلق نیات ومراقبات میں سے ایک یہ ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے حصول کرنے کی نیت بھی کرے۔ جیسا کہ ابتدائے کتب میں حدیث انما الاعمال بالنیات میں گزرا۔

۶۴۷ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْظَمُ النَّاسِ اَجْرًا فِي الصَّلٰوةِ اَبْعَدُهُمْ فَاَبْعَدُهُمْ مَمْشًى وَالَّذِيْ يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ حَتّٰى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْاِمَامِ اَعْظَمُ اَجْرًا مِنَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَنَامُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں سب سے زیادہ نماز کا اجر وثواب اسے ملتا ہے جو دور سے چل کر آئے پھر جو دور سے چل کر آئے۔ اور اس شخص کو جو نماز کی انتظار میں رہے۔ یہاں تک کہ امام کے ساتھ نماز پڑھے۔ اسے زیادہ اجر وثواب ملتا ہے اس آدمی کی نسبت جو اکیلے نماز پڑھ کر سو جائے۔ (بخاری ومسلم)

ـــه۔ اور جماعت کا انتظار نہ کرے۔ اگرچہ اول وقت میں نماز پڑھ سے۔ اور اگر فرض اداء تقدیراً قلیل جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ یا ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھی جو امامت کا زیادہ حق دار نہیں۔ اس کے برعکس ایک دوسرا شخص جماعت کثیر کی انتظار کرتا ہے اور ایسے شخص کی اقتداء میں نماز ادا کرتا ہے جو امامت کا زیادہ حق دار ہے۔ تو اس اعتبار سے وہ عظیم اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔ خصوصاً جب اکیلے نماز پڑھ کر سو جائے کا باعث سستی اور جماعت کی عظمت

وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اسی محبت پر ایک دوسرے سے ملیں۔ اور اسی پر ایک دوسرے سے الگ ہوں۔ پانچواں وہ شخص جس نے تنہائی میں خدا کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں بہہ پڑیں چھٹا وہ شخص جسے حسب وجمال والی عورت نے بلایا مگر اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ ساتواں وہ شخص جس نے اس طرح چھپا کر صدقہ دیا کہ اسے بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو کہ دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے۔ (بخاری ومسلم)

لہ یعنی انہیں اپنی پناہ میں رکھے گا۔

ٹہ۔ لغت میں ظل کا معنیٰ سایہ ہے۔ مگر یہ کیفیت، عزت، غلبہ، راحت، اور نعمت کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے بٹھائے گا۔ چنانچہ قیامت کے سورج سے امن میں ہو جائیں گے۔

ٹہ۔ یعنی خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق رعیت پروری اور داد گستری کرے اور مظلوموں کو انصاف مہیا کرے۔

ٹہ۔ بچپن سے صالح اور عبادت گزار ہو اور اسی حالت پر جوانی کو پہنچے۔

ٹہ۔ یعنی خدا کے لیے اور اسی کے دین کے لیے اور اس کی رضا جوئی اور تقرب کے لیے آپس میں اکٹھے ہوں۔

ٹہ۔ یہ ایک دوسرے کے سامنے اور پشت پیچھے خلوص محبت سے کنایہ ہے۔

ٹہ۔ تنہائی کی قید اس لیے لگائی کہ تکلف وریا کا اس میں دخل نہ ہو سکے۔

ٹہ۔ خدا کے خوف سے یا اس کی یاد میں رو پڑے۔

ٹہ۔ یہ بات وہ اپنے دل میں کہے یا زبان کے ساتھ اس عورت سے کہے۔

ٹہ۔ بعد ولا انتہائی پوشیدہ رکھنے سے کنایہ ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلٰى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي سُوْقِهِ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ ضِعْفًا وَذٰلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ

انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کی نماز با جماعت اس کے گھر میں یا بازار میں پڑھنے سے پچیس گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے یہ اس لیے کہ جب وہ وضو کرتا ہے اور اچھا وضو کرتا ہے۔ پھر مسجد کی طرف جاتا ہے۔ اسے صرف

اَلْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهٗ اِلَّا الصَّلٰوةُ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رُفِعَتْ لَهٗ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَتُهٗ فَاِذَا صَلّٰى لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا يَزَالُ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلٰوةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَتِ الصَّلٰوةُ تَحْبِسُهٗ وَزَادَ فِيْ دُعَاءِ الْمَلٰٓئِكَةِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ مَا لَمْ يُؤْذِ فِيْهِ مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيْهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نماز ہی گھر سے باہر نکالتی ہے[۱] تو ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ اور جب وہ نماز پڑھتا ہے تو جب تک اپنی جائے نماز میں رہتا ہے فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں، اللھم صل علیہ اللھم ارحمہ۔ اے اللہ اس پر درود بھیج اے اللہ اس پر رحمت نازل کر، اور تمہارا وہ آدمی نماز میں ہی سمجھا جاتا ہے[۲] جو نماز کی انتظار میں ہوتا ہے۔ اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسجد میں داخل ہوا اور نماز نے ہی اسے مسجد میں روک رکھا، اس روایت میں فرشتوں کی دعا میں یہ الفاظ زیادہ آئے ہیں۔ اللھم اغفرلہ، اللھم تب علیہ۔ اے اللہ اسے بخش دے اے اللہ اس کی توبہ قبول فرما جب تک کہ وہ مسجد میں کسی کو اذیت نہ دے [illegible] [illegible] بے وضو نہ ہو[۴]۔ [illegible]

۱۔ جس میں وہ کسب و تجارت کے لیے [illegible]

۲۔ طریقہ مسنون کے مطابق اسے ادا کرنا اس کی نیت [illegible]

۳۔ یہ دوسری نماز کی انتظار کے لیے جائے نماز پر بیٹھنے کی فضیلت [illegible] فرشتوں کی دعا کا ذریعہ ہے۔

۴۔ کہ وضو کا ٹوٹنا فرشتوں کی تکلیف / اذیت کا موجب ہے [illegible] ختم ہو جاتی ہے بعض روایات میں [illegible] الحدیث [illegible] آیا ہے یعنی جب تک کہ مسجد میں بیٹھ کر [illegible] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فضیلت اسی صورت میں حاصل ہوتی ہے جبکہ [illegible] نماز پڑھ کر وہ مسجد میں [illegible] کے لیے اسی جگہ میں بیٹھا رہے۔ اور صبر و برداشت سے کام لے۔ اور اگر نماز ادا کر کے کسی دوسری جگہ چلا جائے تو فضیلت فوت ہو جائے گی۔ بعض مشائخ کا دستور ہے کہ وہ اٹھ کر خلوت میں چلے جاتے ہیں تاکہ ذہن پراگندہ نہ ہو [illegible] سے بھی محفوظ رہیں۔ یہ ایک صحیح نیت ہے اور اس میں ذکر و تسبیح کی فضیلت حاصل ہے۔ گو جائے نماز پر بیٹھے رہنے

کی فضیلت امر دیگر ہے جیسا کہ بعض علماء نے تصریح کی ہے۔

۱۲/۶۵۱ وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو اسید[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی آدمی مسجد میں داخل ہو تو یوں کہے۔ اللھم افتح لی ابواب رحمتک۔ اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے[2] اور مسجد سے باہر نکلے تو کہے اللھم انی اسئلک من فضلک اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل وکرم مانگتا ہوں[3]۔

[1] ہمزہ کی پیش اور سین کی زبر کے ساتھ انصاری صحابی ساعدی ہیں۔ بعض نے ہمزہ کی زبر سے بھی پڑھا ہے۔

[2] یعنی اس مکان شریف میں آنے کی برکت سے۔ یا نماز کی توفیق عطا کرکے یا نماز میں کشف حقائق کے ساتھ۔

[3] اس فضل وکرم سے رزق حلال مراد ہے جو نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کی تلاش میں نکلتا ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ فضل وکرم سے دوبارہ مسجد کی طرف لوٹنا مراد ہو جو کہ ثواب پر ثواب کا موجب و ذریعہ ہے۔ جیسا کہ بار اول میں یہ ثواب حاصل ہوا۔

۱۳/۶۵۲ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ۔ (متفق علیہ)

حضرت قتادہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی آدمی مسجد میں داخل ہو تو چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز[2] پڑھے۔ (بخاری ومسلم)

[1] حضرت ابو قتادہ انصاری صحابی ہیں بیعت عقبہ میں موجود تھے۔ جنگ بدر میں شریک ہوئے اس کے علاوہ تمام غزوات میں بھی حاضر ہوئے۔ آپ فضلاء صحابہ میں سے تھے۔

[2] یہ حدیث شافعی حضرات رحمہم اللہ کی دلیل ہے کہ تحیۃ المسجد پڑھنا واجب ہے۔ کہ یہ حضرات امر کو وجوب پر محمول کرتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک تحیۃ المسجد کی دو رکعت نفل ہیں۔ حدیث کے مفہوم کا ظاہری چلاؤ اس استحباب کو ظاہر کرتا ہے۔ ورنہ لازم آتا ہے کہ تحیۃ المسجد کی نماز بیٹھنے سے پہلے واجب ہو۔ حالانکہ بالاتفاق ایسا نہیں ہے۔

۶۵۳/۱۶ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ إِلَّا نَهَارًا فِي الضُّحٰى فَإِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف نہ لاتے تھے مگر دن کو چاشت کے وقت جب آپ تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں تشریف لاتے اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر مسجد میں بیٹھتے۔

(بخاری و مسلم)

ف۱۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانا (شریک نہ ہونا) اور آپ کی توبہ کا قصہ اچھے قصوں میں سے ہے۔ آپ شعراء اسلام میں سے ہوتے ہیں۔

ف۲۔ تاکہ لوگ آپ کی زیارت سے مشرف ہو سکیں۔ اور آپ کی خدمت میں حاضری کی سعادت سے مستفید ہوں بعض لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے چاشت کی نماز کو سنت قرار دیا ہے۔ مگر اس بارے میں تحقیق وہ ہے۔ جو باب صلوٰۃ الضحیٰ میں آ رہی ہے انشاء اللہ۔ اس حدیث سے مسافر کے واپس آنے پر پہلے مسجد میں بیٹھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضور کی عادت مبارک یہ تھی کہ آپ پہلے گھر نہ تشریف لے جاتے مسجد میں تشریف لاتے۔ اگر کوئی شخص پہلے گھر جائے اور بیٹھے تو یہ بھی جائز ہے۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

۶۵۴/۱۷ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی کسی شخص کو مسجد میں گم شدہ چیز تلاش کرتا ہوا سنے تو کہے خدا کرے تجھے وہ چیز نہ ملے کیونکہ مسجدیں اس کام کے لیے تعمیر نہیں کی گئیں۔ (مسلم)

[illegible]

ف۱۔ اور نہ ہی اس قسم کے دوسرے کاموں مثلاً خرید و فروخت [illegible] خداوندی کے لیے تعمیر کی گئی ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہ الفاظ زبان اور بلند آواز سے کہے تاکہ [illegible] بلکہ دنیوی غرض کے لیے آئے اسے ڈانٹ ڈپٹ ہو۔ محض دل سے یہ بددعا کرے اور یہ نہ چاہے کہ اسے گم شدہ چیز ملے اور اگر زبان و دل دونوں سے کہے اور یہ ارادہ کرے کہ اس کو اپنے فعل کی سزا ملے اور آئندہ یہ کام نہ کرے۔ تو اس طرح کرنا بھی درست ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۹۵ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَتَاَذّٰى مِمَّا يَتَاَذّٰى مِنْهُ الْاِنْسُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بدبودار[1] (پیاز یا لہسن) درخت سے کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب ہرگز نہ آئے۔ کہ ملائکہ کو بھی اس چیز سے اذیت پہنچتی ہے جس سے انسانوں کو اذیت پہنچتی ہے[2]۔ (بخاری و مسلم)

[1] یہ پیاز یا لہسن مراد ہے۔ فصل ثانی میں آ رہا ہے کہ جو شخص ان دو درختوں سے کچھ کھائے تو وہ ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔

[2] اور جو چیز بھی بمنزلہ ... کے ہو خواہ ماکولات میں بدبودار ہو اس کا یہی حکم ہے۔ جیسے منہ کا گندہ ہونا بغلوں کا گندہ ہونا وغیرہ۔ پھر مسجد کے حکم میں ہیں تمام وہ مجالس اور عبادات کے لیے اکٹھا ہونے کی جگہیں۔ جیسے مجلس علم و ذکر اور سب مسلمانوں کی مجالس خیر۔ اور مسجد سے خاص مسجد نبوی مراد نہیں اسی لیے بعض روایات میں مَسَاجِدَنَا جمع کے لفظ سے آیا ہے۔ اور بعض روایتوں میں مسجدی کا لفظ بھی واقع ہوا ہے۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ بالاتفاق مخصوص نہیں ہے۔ بطریق شک یہ بات نہیں کیونکہ اس چیز کی کراہت مسجد نبوی شریف میں نہایت اشد و بد تر ہے۔

۶۹۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبُزَاقُ فِى الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ وَّكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں تھوکنا گناہ[1] ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے دفن کر دیا جائے (بخاری و مسلم)

[1] یعنی مسجد میں تھوکنا نہ چاہیے اور اگر کسی نے ایسا کر لیا تو اس کی تلافی یہ ہے کہ اسے زمین میں دفن کر دے ... بصاق یعنی ... اور ... کے ساتھ یہ سب مترادف الفاظ ہیں یعنی منہ سے تھوک باہر پھینکنا اور ... جسے ... بھی کہتے ہیں۔

۶۹۷ وَعَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَىَّ اَعْمَالُ اُمَّتِىْ حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُّ فِىْ مَحَاسِنِ اَعْمَالِهَا الْاَذٰى

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کیے گئے تو میں نے اس کے اچھے اعمال سے یہ بات دیکھی کہ راستہ سے تکلیف

يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيْقِ وَوَجَدْتُ فِيْ مَسَاوِئِ اَعْمَالِهَا النُّخَاعَةَ تَكُوْنُ فِي الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

وہ چیز ہٹادی جائے اور ان کا برا عمل مسجد میں تھوکنا[1] پایا جسے دفن نہ کیا گیا ہو۔
(مسلم شریف)

۱؎۔ اصل میں لفظ نخاعہ استعمال ہوا ہے۔ اس کا معنی ہے سینہ سے آنے والا منہ کا تھوک یا ناک سے نکلنے والا مواد۔

۶۵۸/۲۱ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَا يَبْصُقْ اَمَامَهٗ فَاِنَّمَا يُنَاجِي اللّٰهَ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهٖ فَاِنَّ عَنْ يَمِيْنِهٖ مَلَكًا وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ فَيَدْفِنُهَا وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ سَعِيْدٍ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو تو اپنے سامنے نہ تھوکے[1] کیونکہ جب تک کہ وہ اپنی جائے نماز میں ہے اپنے رب تعالیٰ سے مناجات[2] کر رہا ہے اور نہ اپنے دائیں تھوکے کہ اس کی دائیں جانب فرشتہ ہوتا ہے[3]۔ اور چاہیے کہ اپنی بائیں جانب تھوکے یا اپنے قدموں کے نیچے پھر اسے دفن کر دے[4] اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ اپنے بائیں قدم کے نیچے دفن کرے۔ (بخاری و مسلم)

۱؎۔ یعنی جانب قبلہ کو۔

۲؎۔ بعض نسخوں میں فانما کی بجائے فان ربہ [illegible] آیا ہے اور اس حالت میں گویا رب تعالیٰ اس کے سامنے اور مقابل ہوتا ہے۔ اس لیے قبلے کی جانب تھوکنا ادب کے خلاف ہے۔

۳؎۔ جو بڑا عالی مرتبہ فرشتہ اور کاتب حسنات اور رحمت الٰہی کا مظہر ہے یا اس سے وہ فرشتہ مراد ہے جو نماز کے وقت نمازی کے حق کی تائید اور اس کی دعا پر آمین کہنے کے لیے آتا ہے۔ اور نمازی کی زیارت کرنے والے کی طرح ہے اور جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اپنے زائر کا احترام ان فرشتوں سے بڑھ کر ہے جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں [illegible]

۴؎۔ اس طرح غیر مسجد میں کرے اور جب مسجد میں ہو تو تھوک کپڑے میں لے کر مل دے۔

۶۵۹/۲۲ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ مَرَضِهٖ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض موت

اَلَّذِیْ لَمْ یَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآئِهِمْ مَسَاجِدَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

میں جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے، فرمایا۔ اللہ تعالیٰ لے یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا۔

(بخاری و مسلم)

لے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب موت کو محسوس کیا تو آپ کو خوف لاحق ہوا کہ آپ کی امت بھی آپ کی قبر انور کے ساتھ وہی کچھ نہ کرنا شروع کر دے جو یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کے ساتھ کرتے تھے۔ اس لیے اس کی ممانعت پر تنبیہ کرنے کے لیے آپ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

سجدہ گاہ بنانے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی قبور کی طرف سجدہ کریں انہیں معبود جانتے ہوئے جس طرح کہ بہت سے بت پرست بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔

دوسری صورت یہ کہ مقصود و منظور تو خدا تعالیٰ کی عبادت ہی ہو۔ مگر یہ اعتقاد رکھیں کہ حق تعالیٰ کی عبادت اور نماز میں ان کی قبور کی طرف توجہ، قرب و رضائے حق تعالیٰ کا موجب و ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ کیونکہ یہ چیز بھی عبادت پر مشتمل اور اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تعظیم میں مبالغہ اور زیادتی پائی جاتی ہے۔ یہ دونوں طریق ناپسندیدہ اور نا مشروع ہیں۔ پہلی صورت تو شرک جلی اور کفر ہے۔ دوسری صورت بھی حرام ہے کہ اس میں بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک پایا جاتا ہے۔ اگرچہ اس دوسری صورت میں شرک خفی ہے۔ اور دونوں صورتوں کا مرتکب انسان لعنت کا مستحق ہوتا ہے۔

اور بقصد تعظیم و تبرک کسی نبی یا مرد صالح کی قبر کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا حرام ہے۔ اس حرمت میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ ہاں اگر اس کے قریب مسجد تعمیر کریں یا نماز ادا کریں بغیر اس کے کہ نماز میں اس کی طرف توجہ کی جائے تاکہ اس کے جسد مطہر کے ہوتے ہوئے اس کی برکت اور ان کی روحانیت کی نورانیت کی امداد سے عبادت میں کمال پیدا ہو جائے اور عبادت شرف قبولیت حاصل کرے۔ تو اس نیت اور اس طریقہ میں کوئی خرابی اور کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ شیخ ابن حجر المکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلَا وَاِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِیَآئِهِمْ وَصَالِحِیْهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا

حضرت جندب لے رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ آگاہ رہو بیشک تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بناتے تھے۔

فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّیْ اَنْهٰکُمْ عَنْ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

آگاہ رہو کر قبور کو سجدہ گاہ نہ بناؤ بے شک میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔ (مسلم)

لـه۔ جندب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نام ہے اور آپ کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ آپ کے علاوہ بھی صحابہ کرام میں جندب نام کے حضرات ہیں۔ ایک جندب بن عبداللہ بجلی۔ اور ایک جندب القشری پس تعیین نہیں ہوسکا کہ یہاں کون سے جندب مراد ہیں۔

۶۶۱/۲۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوْا فِیْ بُيُوْتِكُمْ مِّنْ صَلٰوتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ (بخاری و مسلم)

لـه۔ یعنی نفل نماز تاکہ اس کی برکت، نورانیت ان میں اثر کرے۔ اور نور عبادت سے تمہارے گھر منور و روشن ہو جائیں۔

لـه۲۔ یعنی اپنے گھروں کو قبروں کی طرح نہ بناؤ کہ مُردوں کی طرح ان میں پڑے رہو۔ اور کوئی کام نہ کرو۔ یا سوئے رہو۔ اور چونکہ نیند بہن ہے موت کی۔ اس لیے جن گھروں میں لوگ سوتے ہی رہیں وہ گھر قبر کے مشابہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۶۶۲/۲۵ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ (ترمذی شریف)

لـه۔ یہ بیان مدینہ طیبہ کے قبلہ سے متعلق ہے کہ مدینہ طیبہ سے قبلہ جانب جنوب واقع ہے کیونکہ مکہ سے جانب شمال میں ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان جہات میں سے کوئی جہت ایسی نہیں کہ خلاف جہت کے باوجود کسی نہ کسی قوم کا قبلہ واقع نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی تم جہاں بھی ہو اپنے چہرے مسجد حرام کی طرف کرلو۔

۷۳۱ وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ خَرَجْنَا وَفْدًا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَأَخْبَرْنَاهُ أَنَّ بِأَرْضِنَا بِيعَةً لَنَا فَاسْتَوْهَبْنَاهُ مِنْ فَضْلِ طَهُورِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ وَتَمَضْمَضَ ثُمَّ صَبَّهُ لَنَا فِي إِدَاوَةٍ وَأَمَرَنَا فَقَالَ اخْرُجُوا فَإِذَا أَتَيْتُمْ أَرْضَكُمْ فَاكْسِرُوا بِيعَتَكُمْ وَانْضَحُوا مَكَانَهَا بِهٰذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوهَا مَسْجِدًا قُلْنَا إِنَّ الْبَلَدَ بَعِيدٌ وَالْحَرَّ شَدِيدٌ وَالْمَاءَ يُنْشَفُ فَقَالَ مُدُّوهُ مِنَ الْمَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَزِيدُهُ إِلَّا طِيبًا. (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت طلق[۱] بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ وفد[۲] کی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے آپ کی بیعت کی اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور ہم نے آپ کو بتلایا کہ ہمارے علاقہ میں ہمارا ایک کلیسا (عبادت خانہ)[۳] ہے۔ اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو مبارک سے بچے ہوئے پانی سے بخشش طلب[۴] کی۔ آپ نے پانی منگوایا اور کلی کی۔ پھر آپ نے اسے چمڑے کے ایک برتن میں ڈال دیا۔ پھر ہمیں فرمایا اب تم لوگ جاؤ اور جب تم لوگ اپنے علاقہ میں پہنچو تو اس کلیسے کو توڑ دو اور اس کی جگہ یہ پانی چھڑک[۵] دو اور اس جگہ مسجد بنا دو۔ ہم نے عرض کیا ہمارا علاقہ مدینہ مطہرہ سے دور ہے۔ گرمی سخت ہے اور پانی خشک ہو جاتا ہے[۶] آپ نے فرمایا۔ اور پانی ملا کر اس پانی کو بڑھاتے رہو[۷] کہ یہ پانی مزید ملائے گئے پانی کی برکت میں اضافہ[۸] کرے گا۔ (النسائی)

۱؎ حضرت طلق بن علی صحابی یمنی ہیں ان سے حدیث روایت کی ہے۔ قیس نے اور عبداللہ بن بدر اور ایک جماعت نے۔

۲؎ وفد واؤ کی زبر اور فا ساکن کے ساتھ اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی قوم کے سردار کے پاس آئے کسی ہم کے لیے یا زیارت یا تجارت کے لیے۔ حضرت طلق کی یہ جماعت بیعت اسلام کے لیے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔

۳؎ یہ اہل بیرگ نصاری تھے۔ حاضر خدمت اقدس ہو کر ایمان لائے اور انھوں نے چاہا کہ کلیسا کو توڑ دیں۔

۴؎ استوہبنا کے لفظ میں اس جانب اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی اس مال و خزانے کی طرح ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا چاہیے۔

۵؎ یعنی وہ کلیسا توڑ دو۔ اور اس جگہ یہ پانی چھڑک دینا تاکہ دین کے انوار و برکات اس جگہ کے شامل

حال ہو جائیں۔

ے۔ تنشف بمعنی چوسنا۔ جیسے کپڑے کا پانی کاغذ کا اسیاہی کو حوض کا پانی کو چوسنا۔

ے۔ راستے میں اس کے اندر اور پانی ملاتے جانا۔

ے۔ یعنی بے شک میرے وضو کا بچا ہوا وہ پانی جو چمڑے کے برتن میں ہے۔ اس مزید ملائے گئے پانی کی برکتوں میں اضافہ ہی کرے گا۔ یا یہ اور پانی برکت و خوشی میں اضافہ کرے گا۔ یعنی اور پانی ملانے سے اس میں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ بلکہ اگر اور پانی ملائیں گے۔ تو اس میں بھی برکت آجائے گی۔ ان لوگوں کی نگاہ عالم اسباب پر پڑ رہی تھی۔ کہ اسی لیے انہوں نے عرض کیا چمڑے کے برتن میں پڑا ہوا پانی خشک نہ ہو جائے تو آپ نے اسی عالم اسباب کے مطابق ان کو اس کی تدبیر بتلا دی اور اگر یہ لوگ خاموش رہتے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل وعلم پر اکتفا کرتے تو وہ پانی بتمام وکمال ان کے علاقے تک پہنچ جاتا حرارت آفتاب اس میں کچھ اثر نہ کر سکتی۔ در اصل شک و تردد اور ظاہر اسباب اختیار کرنا یہ سب چیزیں یقین کے راستے اور عالم قدرت میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ واللہ علی کل شیء قدیر۔ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اس حدیث پاک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو مبارک کے بچے ہوئے پانی کے متبرک ہونے کا استحباب ظاہر ہوتا ہے۔ نیز آب زمزم کی طرح بطور تبرک لے جانے کا ثبوت بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں ہوتے تھے۔ اور حاکم مکہ سے آب زمزم منگوایا کرتے تھے اور تبرک کے طور پر رکھتے تھے۔ آپ کے وارثوں یعنی علماء و صلحاء کی فضیلت و شان بھی اسی پر قیاس کرنی چاہیے۔

۷۱۷ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فِي الدُّوْرِ وَ أَنْ يُنَظَّفَ وَ يُطَيَّبَ۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجد بنانے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ان مسجدوں کو پاک رکھا جائے۔ اور خوشبودار کیا جائے۔

(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

ے۔ یعنی گھروں محلوں اور قبیلوں میں اگر مسلمانوں کو مسجد پہنچانے کے اعادے سے عذر ہو تاکہ ہر جگہ کے لوگ با جماعت نماز ادا کریں۔

ے۔ کہ اس جگہ کی تعظیم کی نیت سے کہ اس جگہ فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اور مومن بھی خوشی و نشاط محسوس کرسکیں ینظف یطیب کے صیغے یا اور تا دونوں طرح آئے ہیں۔

۷۱۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اُمِرْتُ بِتَشْیِیْدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے مسجدوں کو چونے گچ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں البتہ تم لوگ ضرور مسجد کو نقش ونگار کرو گے جس طرح یہود ونصاریٰ نے کیا ہے

(ابوداؤد)

۱ھ۔ اصل میں لفظ تشید آیا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے بلند کرنا آراستہ کرنا اور نقش ونگار کرنا۔

۲ھ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے لوگوں کی عادت وحالت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

۳ھ۔ اصل میں لفظ زخرف استعمال ہوا ہے۔ بمعنیٰ طلا اور بمعنی چیز کا کمال حسن وجمال یعنی لوگ مساجد میں نقش ونگار کریں گے۔ اور ان پر سونے کا کام کریں گے۔

بعض متاخرین نے اسے جائز قرار دیا کہ جب لوگ اپنے مکانات کو بلند وآراستہ اور منقش بناتے ہیں۔ اگر لوگ مساجد کو سادہ اینٹ مٹی سے بنائیں گے تو شاید عوام کی نگاہ میں ان کی عزت گر جائے۔ اور وہ لوگوں کو حقیر دکھائی دیں۔

۶۹۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَّتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی علامت میں سے ہے کہ لوگ مسجدوں کے بنانے میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔

(ابوداؤد، نسائی، دارمی و ابن ماجہ)

۱ھ۔ بے شک علامات قیامت میں سے ہے۔ یہ بات کہ لوگ ایک دوسرے پر فخر کریں گے اور مسجد بنانے میں تفاخر کریں گے مسجد خوبصورت بنائیں گے۔ ان کا نقش ونگار کریں گے اور اونچی اونچی تعمیر کریں گے یہ سب کچھ ریا ونمائش کی غرض سے ہوگا تاکہ لوگ ان کی مدح وثنا کریں۔

۶۹۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ اُجُوْرُ اُمَّتِیْ حَتَّی الْقَذَاةِ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ

انہیں سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کیے گئے۔ یہاں تک کہ وہ تنکا بھی جو انسان مسجد

مِنَ الْمَسْجِدِ وَعُرِضَتْ عَلَیَّ ذُنُوْبُ اُمَّتِیْ فَلَمْ اَرَ ذَنْبًا اَعْظَمَ مِنْ سُوْرَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اَوْ اٰيَةٍ اُوْتِيْهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ۔

سے باہر نکالتا ہے اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے تو میں نے اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہ دیکھا کہ کسی کو قرآن پاک کی سورۃ یا آیت عطا کی گئی پھر اس نے اسے بھلا دیا۔

(ترمذی وابوداؤد)

لے۔ القذاۃ خس وخاشاک اور گرد وخاک جو مسجد سے باہر نکالی جاتی ہے۔ قذی وہ خاک وخاشاک اور میل جو آنکھ اور پانی میں پڑ جاتی ہے۔ اس مقام پر یہ اشارہ ہے کہ مسجد کی اہمیت وعظمت انسان کے لیے اس کی آنکھ کی طرح ہے کہ وہ اس کی صفائی اور دیکھ بھال کے لیے ہر قسم کی مشقت وتکلیف برداشت کرتا ہے۔ یا مسجد حیات معنوی کے چشمہ مصفا اور شیریں پانی کی طرح ہے۔ کہ اگر اس میں کسی نوع کی تیرگی پیدا ہو جائے تو جو شخص اسے پاک صاف کرے گا وہ منظور نظر رحمت اور شراب مغفرت سے سیراب ہوگا۔

ﷺ۔ ان الفاظ میں اس انسان کے لیے سخت ڈانٹ اور زجر ہے جو قرآن پاک یاد کرنے کے بعد فراموش کر دے حضرات شافعیہ کے بعض علماء نے اسے گناہ کبیرہ میں شمار کیا۔ اعاذنا اللّٰہ منہ۔ اللہ تعالٰی ہمیں اس سے پناہ میں رکھے۔

۳۱/۶۸ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ اِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَاَنَسٍ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی تاریکی میں مسجد کو جانے والوں کو قیامت کے دن مکمل نور عطا ہونے کی بشارت دے دو۔ (ترمذی وابوداؤد) اور ابن ماجہ نے اسے سہل بن سعد اور انس سے روایت کیا۔

لے یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا وہ یوں کہتے ہوں گے اے ہمارے رب ہمارا نور ہمارے لیے مکمل فرما دے۔

۳۲/۶۹ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی آدمی کو مسجد کی خبر گیری کرتا ہوا دیکھو تو اس کے

الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهٗ بِالْاِيْمَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ

مومن ہونے کی گواہی دو، کہ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مسجدوں کی تعمیر وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ) (دارمی)

لہ۔ تعہد یعنی دیکھ بھال، خبر گیری، کسی چیز کی حفاظت کا خاص خیال رکھنا۔ اس کی مرمت کرنا۔ اس کی جاروب کشی کرنا۔ اس میں نماز ادا کرنا۔ عبادت میں مشغول رہنا، ذکر الٰہی کرنا، دینی علوم کا درس دینا یہ سب مسجد کی خبر گیری کی اعلیٰ اور افضل اقسام ہیں۔

۷۲۴ وَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ائْذَنْ لَنَا فِي الْاِخْتِصَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَصٰى وَلَا اخْتَصٰى اِنَّ خِصَاءَ اُمَّتِي الصِّيَامُ فَقَالَ ائْذَنْ لَنَا فِي السِّيَاحَةِ فَقَالَ اِنَّ سِيَاحَةَ اُمَّتِي الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ ائْذَنْ لَنَا فِي التَّرَهُّبِ فَقَالَ اِنَّ تَرَهُّبَ اُمَّتِي الْجُلُوْسُ فِي الْمَسَاجِدِ انْتِظَارَ الصَّلٰوةِ۔ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں خصی ہونے کی اجازت دے[لہ] دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم میں سے[۲] نہیں جس نے کسی کو خصی کیا یا خود خصی ہو گیا۔ بیشک میری امت کا خصی ہونا یہ ہے کہ وہ روزے[۳] رکھے۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا ہمیں گھومنے پھرنے (دشت نوردی) کی اجازت دے دیں فرمایا میری امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ[۴] ہے۔ حضرت عثمان نے عرض کیا ہمیں عزلت و گوشہ نشینی[۵] کی اجازت دیں سو فرمایا۔ میری امت کی عزلت و گوشہ نشینی مسجدوں میں نماز کی انتظار میں بیٹھنا ہے۔ (شرح سنہ)

لہ۔ تاکہ ہم لوگ زنا کے خطرے سے اور اس کے وسوسوں سے بچے رہیں۔

۲۔ یعنی وہ ہمارے طریقہ و سنت پر نہیں۔

۳۔ مکرر روزہ سے انسان کی شہوت طبعی و نفسانی ٹوٹتی ہے خصوصاً جب کہ جوارح اعضاء اور قویٰ کو غیر شرع اور غیر پسندیدہ کاموں سے بچائے رکھے۔

۴۔ یعنی میری امت کی سیاحت راہ خدا میں جہاد کے لیے نکلنا اور کفار سے جنگ کرنا ہے یعنی زمین میں گھومنا پھرنا بہ نیت جہاد محمود و مستحسن ہے اس کے بغیر بے ہودہ اور لایعنی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔

لا سیاحۃ فی الاسلام۔ یعنی اسلام میں سیاحت نہیں ہے۔

۵۔ یعنی ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دیں جس طرح بعض اہل کتاب یہود و نصاریٰ کرتے تھے۔ کہ وہ عزلت و گوشہ نشینی اختیار کرتے اور مشاغل و لذات دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہو جاتے۔ زنا وغیرہ کے ارد گرد ہرگز نہ گھومتے بلکہ ہر چیز سے یکسوئی اختیار کر لیتے انہیں راہب کہا جاتا۔ لفظ ترہب رہب سے بنا ہے۔ یعنی خوف۔

۶۔ کہ سب لوگوں اور ہر چیز سے منہ پھیر کر پروردگار کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائیں وہ رہبانیت جو عیسائی راہبوں نے اختیار رکھی ہے کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ اس کا انجام بھی اچھا نہیں اور اس پر پوری پابندی بھی نہیں کر سکتے۔

۷۲۱ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِشٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ أَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى قُلْتُ أَنْتَ أَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَتَلَا وَكَذٰلِكَ نُرِيْ إِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلًا وَلِلتِّرْمِذِيِّ نَحْوُهٗ عَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ وَزَادَ فِيْهِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ هَلْ تَدْرِيْ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى قُلْتُ نَعَمْ فِي الْكَفَّارَاتِ وَالْكَفَّارَاتُ الْمُكْثُ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَالْمَشْيُ عَلَى الْأَقْدَامِ

حضرت عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب کو دیکھا اچھی صورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا بتاؤ بلند رتبہ فرشتوں کی جماعت کس بارے میں جھگڑ رہی ہے۔ میں نے عرض کیا تو بہتر جانتا ہے حضور فرماتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اپنا دست پاک میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا تو میں نے اس ہاتھ کی ٹھنڈک اپنے دونوں پستانوں کے درمیان محسوس کی تو میں نے جان لیا کہ جو آسمان اور زمین میں ہے اور آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔ وکذٰلک نری ابراہیم ملکوت السمٰوٰت والارض ولیکون من الموقنین۔ اسے دارمی نے مرسلاً روایت کیا اور ترمذی نے اس کی مثل یہ روایت کی الفاظ میں تھوڑے فرق کے ساتھ انہی عبدالرحمٰن ابن عباس اور معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہم سے اور اس میں زیادہ کیا کہ فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تم جانتے ہو مقربین فرشتے کس چیز میں گفتگو کرتے ہیں۔ میں نے کہا ہاں گفتگو کرتے ہیں کفارات میں (جن نیک کاموں سے گناہ جھڑتے ہیں) اور

إِلَى الْجَمَاعَاتِ وَإِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ فِي الْمَكَارِهِ وَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ عَاشَ بِخَيْرٍ وَمَاتَ بِخَيْرٍ وَكَانَ مِنْ خَطِيْئَتِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِذَا صَلَّيْتَ فَقُلِ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ فَإِذَا أَرَدْتَ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِيْ إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ قَالَ وَالدَّرَجَاتُ إِفْشَاءُ السَّلَامِ وَإِطْعَامُ الطَّعَامِ وَالصَّلٰوةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ وَلَفْظُ هٰذَا الْحَدِيْثِ كَمَا فِي الْمَصَابِيْحِ لَمْ أَجِدْهُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِلَّا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

وہ ہیں نمازوں کے بعد مسجد میں بیٹھنا اور با جماعت نمازوں کے لیے پیدل چل کر جانا اور ناگواری کی حالت میں وضو پورا کرنا جو ایسا کرے گا خیر کے ساتھ زندہ رہے گا۔ اور خیر کے ساتھ ہی مرے گا۔ اور وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح آج ہی ماں کے شکم سے پیدا ہوا ہے اور فرمایا اے محمد جب تو نماز پڑھے تو کہہ اے اللہ میں تجھ سے نیکی کرنے کا سوال کرتا ہوں اور برائیوں کو چھوڑنے کا اور مسکینوں[۱] سے دوستی کا۔ اور جب تو اپنے بندوں کے ساتھ فتنہ کا ارادہ کرے تو مجھ کو اپنی طرف اٹھا لے بغیر فتنہ[۲] کے۔ اور فرماتا اللہ تعالیٰ نے درجات والے عمل یہ ہیں سلام کو عام کرنا، کھانا کھلانا اور رات کو جب لوگ سوئے ہوں نماز پڑھنا۔ اس حدیث کے لفظ جس طرح مصابیح میں ہیں میں نے نہیں پائے۔ عبدالرحمٰن سے مگر شرح سنۃ میں[۳]

[۱] عایش یا تحتانیہ اور شین معجمہ کے ساتھ۔ ان عبدالرحمٰن بن عایش کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابو حاتم نے کہا جس نے بھی عبدالرحمٰن کی روایت میں سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا اس نے خطا کی۔ واللہ اعلم۔

[۲] اگر یہ دیکھنا خواب میں ہو جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے تو پھر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ قول مختار کے مطابق شب معراج کو ہوا۔ یا یہ اس امر کے ساتھ ماول ہے کہ آپ نے حق تعالیٰ کا تمثیل کرا یک خیالی صورت میں دیکھا۔ واللہ اعلم۔

[۳] اگر یہ حق تعالیٰ کا شان وصفت کا بیان ہو تو پھر صورت سے مراد صفت ہوگی۔ کہ وہ صفت جمال و لطف وکرم کے ساتھ متجلی ہوتا ہے۔ صورت کا اطلاق پھر عام ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں صورت حال یہ ہے۔ اور صورت مسئلہ یہ ہے اور اگر فی احسن صورۃ میں حضور علیہ السلام اپنا حال بیان فرما رہے ہوں کہ دیدار حق تعالیٰ کے وقت میں بڑا خوبصورت اور مرغوب الحال تھا تو پھر بھی کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کیوں خوبصورت نہ ہوں گے۔ حالانکہ یہ وقت شہود خاص تجلی تام اور انعام عام کا وقت ہے۔

[۴] ملأ قوم کے اکابر۔ اشراف کی جماعت کو کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہ کون سے اعمال ہیں جن کی

فضیلت میں فرشتے بحث و گفتگو کرتے ہیں۔ یا انہیں قبولیت کے مقام میں تفسے جانتے ہیں آپس میں جھگڑتے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا وہ انسان کے فضائل و رغائب پر رشک کرتے ہیں۔ کہ جسمانی شہوت کے باوجود ان فضائل و خوبیوں سے مخصوص و مختار اور سرفراز ہے۔

۵۵۔ میں نے اللہ تعالےٰ کے سوال کے جواب میں عرض کیا۔

۵۶۔ اللہ تعالےٰ نے اپنا دست قدرت و انعام میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا۔ دراصل یہ آپ کو مزید فضل و کرم اور اکرام و انعام کے ساتھ مخصوص کرنے سے کنایہ ہے۔ جس طرح بادشاہ اپنے بعض خدام کے ساتھ کرتے ہیں۔ جب کہ انہیں مزید قرب اور افاضہ نعم کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

۵۷۔ یہ قلب اطہر تک فیض کا اثر پہنچنے اور یقین کی ٹھنڈک محسوس ہونے سے کنایہ ہے اور چونکہ اس کا اثر حصول علوم اور وسعت فیض کا موجب و ذریعہ بنا تو فرمایا فعلمت مافی السمٰوات الی اٰخرہ۔

۵۸۔ یہ تمام کلی و جزوی علوم اور ان کے احاطہ سے عبارت ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کلی و جزوی علوم عطا کر دیے گئے اور آپ کا علم تمام کو محیط ہو گیا۔

۵۹۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال کے مناسب اور اس امکان پر استشہاد کے طور پر یہ آیت تلاوت فرمائی وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام آسمانوں اور زمین کے عظیم ملکوت دکھائے۔

۶۰۔ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ تاکہ حضرت ابراہیم اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات اور توحید کا یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

اہل تحقیق نے کہا ہے کہ ان دو روایتوں میں فرق ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کو آسمان و زمین کا ملکوت دکھایا گیا اور حبیب نے جو کچھ آسمان و زمین میں تھا اور اشیاء کی ذوات و صفات ظواہر و بواطن سب کو دیکھا۔ حضرت خلیل کو آسمان و زمین کے ملکوت سے محجوب ذاتی اور وحدت حق کا یقین ہوا۔ جس طرح اہل استدلال ارباب سلوک اور اہل برہان و دلیل کی نوعیت ہوتی ہے۔ اور حبیب پاک کو یقین اور وصول الی اللہ پہلے حاصل ہوا اس کے بعد آپ نے حقائق و علوم کو جانا جس طرح کہ مجذوبوں، محبوبوں اور مطلوبوں کی شان ہوتی ہے۔ اول توجیہ اس حدیث کے موافق ہے ما رایت شیئا الا رایت اللہ بعدہ۔ دوسری توجیہ اس حدیث کے موافق ہے ما رایت شیئا الا رایت اللہ قبلہ۔

۶۱۔ یعنی عبدالرحمٰن بن عائش جو تابعین سے ہیں۔ بطریق ارسال اسے روایت کرتے ہیں۔

۶۲۔ مزید علوم عطا کرنے کیلئے دوبارہ سوال کیا۔

۶۳۔ یعنی جو نیک اعمال گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں تین ہیں۔ ان میں سے ایک ہے نمازوں کے بعد

مسجدوں میں بیٹھے رہنا ذکر و دعا کے لیے یا دوسری نماز کی انتظار کے لیے۔

۱۴ھ۔ جیسے بیماری اور سرد ہوا کے وقت۔

۱۵ھ۔ حب المساکین، مساکین سے محبت۔ کہ میں انہیں دوست رکھوں۔ یا وہ مجھ سے دوستی کریں۔ مآل و مطلب ایک ہے کہ جب میں ان سے دوستی کروں گا وہ مجھ سے دوستی کریں گے کیونکہ انسان اپنے دوست سے دوستی کرتا ہے۔ جانبین میں ایک ہی محبت ہوتی ہے۔ جس نے دونوں پر پرتو ڈالا ہوتا ہے۔ نتیجۃً محب محبوب ہوتا ہے۔ اور محبوب محب۔

۱۶ھ۔ یعنی جب تو اپنے بندوں کو ابتلاء و آزمائش اور گمراہی میں ڈالنا چاہے یعنی ایسی مصیبت و بلا مسلط کرے جس سے ایمان کے چھن جانے کا اندیشہ لاحق ہو جائے۔

۱۷ھ۔ کہ دین و ایمان ہی میرے ہاتھ سے نکل جائے۔ یہ اور اس طرح کی دعائیں تعلیم امت اور ان کو ڈرانے کے لیے ہیں۔

۱۸ھ۔ کفارات کا بیان کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو مزید تعلیم دینے کے لیے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی طرف سے مزید علم حاصل ہونے پر اپنی امت کے اضافہ علم کے لیے فرمایا یعنی قال کا فاعل یا تو اللہ تعالےٰ ہے یا رسول پاک علیہ السلام۔

۱۹ھ۔ یعنی وہ اعمال جن سے اللہ تعالےٰ کی درگاہ میں بندوں کی قدر و منزلت بڑھتی ہے وہ بھی تین ہیں۔

۲۰ھ۔ یعنی ہر آشنا و بیگانہ کو علی الاعلان بلا تمیز سلام کہنا۔

۲۱ھ۔ یعنی مسکینوں محتاجوں کو کھانا کھلانا اور ان پر صدقہ کرنا اور ان کی امداد و اعانت کرنا۔

۲۲ھ۔ تیسری چیز رات کو اس وقت نماز پڑھنا جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ کہ اس وقت کی نماز صدق و اخلاص کے بہت نزدیک ہے۔ اور اس میں مشقت و ریاضت زیادہ ہے۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ بندہ خدا کو تواضع اور عبادت کا جامع ہونا چاہیے۔ بیت

شرف مرد بجود است و کرامت بسجود ہر کہ ایں ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

مرد کی بزرگی سخاوت ہے ... اور اس کی عزت عبادت الٰہی سے ہے جس میں یہ دونوں نہ ہوں اس کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے۔

۲۳ھ۔ یعنی اس حدیث کے الفاظ اس طریق پر جو مصابیح میں ہیں۔ میں نے ان کو عبدالرحمٰن بن عائش سے نہیں پایا مگر شرح سنۃ میں اور یہ بھی صاحب مصابیح کی تصنیف ہے۔

۷۴۲/۳۵ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃٌ کُلُّھُمْ ضَامِنٌ عَلَی اللّٰہِ رَجُلٌ خَرَجَ غَازِیًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَھُوَ ضَامِنٌ عَلَی اللّٰہِ حَتّٰی یَتَوَفَّاہُ فَیُدْخِلَہُ الْجَنَّۃَ اَوْ یَرُدَّہٗ بِمَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْ غَنِیْمَۃٍ وَرَجُلٌ رَاحَ اِلَی الْمَسْجِدِ فَھُوَ ضَامِنٌ عَلَی اللّٰہِ وَرَجُلٌ دَخَلَ بَیْتَہٗ بِسَلَامٍ فَھُوَ ضَامِنٌ عَلَی اللّٰہِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی وہ ہیں جن کی نجات اللہ کے ذمہ ہے۔ ایک وہ آدمی جو اللہ کے راستے غازی بن نکلا۔ تو وہ اللہ کی ضمانت میں ہے یہاں تک کہ اللہ اسے وفات دے اور جنت میں داخل کرے یا اسے اجر و ثواب کے ساتھ واپس کر دے یا غنیمت دے کر واپس گھر لوٹا دے اور ایک وہ آدمی جو مسجد کو گیا اس کی ضمانت بھی خدا تعالےٰ پہ ہے۔ تیسرا وہ شخص جو اپنے گھر میں سلام کے ساتھ داخل ہوتا ہے اس کی ضمانت بھی اللہ کریم کے اوپر ہے۔ (ابوداؤد شریف)

ف۱۔ یعنی حضرت ابو امامہ باہلی صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ایک ابو امامہ تابعی ہیں۔ مگر مشہور یہی صحابی ہیں۔

ف۲۔ کہ خدا تعالےٰ نے وعدہ کی بنا پر اپنے ذمہ کرم لازم کر لیا ہے۔ اور وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا۔ کہ وہ تین آدمیوں کو ہر فتنہ اور خسارے اور دینی و دنیوی ضرر و آفت سے بچالے گا۔

ف۳۔ ان تین میں سے ایک وہ آدمی ہے جو گھر سے ارادہ جہاد سے نکلا۔

ف۴۔ یہ اس کے لیے دینی سعادت ہے۔

ف۵۔ یہ بھی دینی سعادت ہے۔

ف۶۔ یہ دنیوی سعادت ہے۔ مختصر یہ کہ مجاہد فی سبیل اللہ کو ہر حالت میں دینی یا دنیوی سعادت ضرور حاصل ہوتی ہے۔

ف۷۔ یعنی اس کی حفاظت و رعایت اور اسے اجر و ثواب عطا کرنا اللہ تعالےٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔

ف۸۔ گھر میں سلام کے ساتھ داخل ہونے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ گھر میں داخل ہو تو اپنے اہل خانہ کو سلام کہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی ضمانت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ اسے اور اس کے گھر والوں کو خیر و برکت عطا کرے گا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ امن و سلامتی کے لیے اپنے گھر میں رہے گھر سے باہر نہ نکلے اور لوگوں کی صحبت و مجلس سے الگ رہے۔ اس صورت میں سلامتی سے آفات و بلیات سے سلامتی مراد ہو گی اور چونکہ یہاں دو قسم سے دوسری قسم ظاہر تھی۔ اس لیے اس کی صراحت نہ فرمائی۔

۱۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ مُتَطَهِّرًا اِلٰى صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ فَاَجْرُهٗ كَاَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ وَمَنْ خَرَجَ اِلٰى تَسْبِيْحِ الضُّحٰى لَا يُنْصِبُهٗ اِلَّا اِيَّاهُ فَاَجْرُهٗ كَاَجْرِ الْمُعْتَمِرِ وَصَلٰوةٌ عَلٰى اَثَرِ صَلٰوةٍ لَا لَغْوَ بَيْنَهُمَا كِتَابٌ فِيْ عِلِّيِّيْنَ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ)

انہیں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے باطہارت فرض نماز ادا کرنے نکلا تو اس کا اجر و ثواب محرم حاجی کے اجر و ثواب جتنا ہے اور جو شخص نماز چاشت کے لیے نکلا اس نے خالص نماز کے لیے ہی یہ مشقت اٹھائی اسے عمرہ کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز اس طرح ادا کرنا کہ دونوں کے درمیان بے ہودہ گفتگو واقع نہ ہو، ایسا عمل ہے جو محافظ ملائکہ کے دیوان میں لکھا جاتا ہے سب اعلیٰ و اشرف مراتب والا عمل ہے (علماء نے کہا ہے علیین ساتویں آسمان میں ایک جگہ کا نام ہے)

(احمد و ابوداؤد)

۱ ۔ نماز حج کے مشابہ ہے اور وضو احرام کے مشابہ۔ دونوں میں وجہ تشبیہ گھر سے باہر نکلنے کے وقت سے گھر واپس آنے تک اجر و ثواب کا ثبوت ہے جیسا کہ باب فضیلت حج میں واقع ہوا ہے۔ تمام وجوہ سے ثواب میں مساوات مراد نہیں ہے۔ یہ ناقص کو کامل سے لاحق کرنے کے قبیلہ سے ہے۔ زیادہ رغبت دلانے کے لیے ورنہ اجر و ثواب تو مشقت و ریاضت کے مطابق ملتا ہے۔ اگرچہ نماز فی نفسہ اہم اور افضل ہے۔

۲ ۔ تسبیح اور سجہ چاشت کے ساتھ نفل نماز کو کہتے ہیں۔

۳ ۔ مقصود ریا اور کسی اور غرض کی ملاوٹ اس میں نہ ہو۔

۴ ۔ عمرہ حج کی نسبت اس طرح ہے جس طرح نفل نماز فرض نماز کے سامنے۔

۱۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ الْمَسَاجِدُ قِيْلَ وَمَا الرَّتْعُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ جنت کے باغات میں سے گزرو تو ان میں چرلیا کرو۔ (کچھ کھا لیا کرو) عرض کیا گیا یارسول اللہ جنت کے باغات کیا ہیں۔ فرمایا مسجدیں۔ عرض کیا گیا چرنے کا کیا مطلب یارسول اللہ فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر، پڑھنا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اسے ترمذی نے روایت کیا۔

لہ یعنی جنت کے باغات مسجدیں ہیں کہ مسجدوں میں نیک عمل کرنا جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے۔

۶۷۵/۳۷ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتَى الْمَسْجِدَ لِشَيْءٍ فَهُوَ حَظُّهُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

انہیں سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں آدمی جس چیز کے لیے آئے گا وہی اس کا حصہ[سلہ] ہے

(ابوداؤد)

سلہ۔ دینی یا دنیوی جس کام کے لیے مسجد میں آیا وہی اس کا حصہ ہے۔ اور وہی اس کے وقت کا حاصل و نتیجہ ہے۔ اس حدیث کا مضمون حدیث انما الاعمال بالنیات کے مضمون کا ایک حصہ ہے۔

۶۷۶/۳۸ وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْحُسَيْنِ عَنْ جَدَّتِهَا فَاطِمَةَ الْكُبْرٰى قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَتِهِمَا قَالَتْ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَكَذَا اِذَا خَرَجَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ بَدَلَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَيْسَ اِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ وَّفَاطِمَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ لَمْ تُدْرِكْ فَاطِمَةَ الْكُبْرٰى۔

حضرت فاطمہ[لہ] بنت الحسین اپنی جدہ فاطمۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوتے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے یعنی فرماتے صلی اللہ علی محمد وسلم یا اللّٰھم صل علی محمد وسلم اور فرماتے رب اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک۔ اے میرے رب میرے گناہ بخش اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر آتے تو کہتے رب اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک۔ اے میرے رب میرے گناہ بخش اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے [illegible] اور ان دونوں کی روایت میں ہے فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوتے اور ایسے ہی جب نکلتے تو فرماتے بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علی محمد وسلم کے بدلے۔ ترمذی نے کہا اس کی اسناد متصل نہیں ہے کیونکہ فاطمہ بنت الحسین نے حضرت فاطمۃ الکبریٰ کو نہیں پایا۔

÷ ÷ ÷

۱ؔ۔ حضرت فاطمہ بنت الحسین رضی اللہ عنہما تابعیہ ہاشمیہ ہیں حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہم کی ہمشیرہ ہیں۔ ان سے حضرت حسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا۔ جب حضرت حسن وفات پا گئے تو عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا۔ یعنی فاطمہ صغریٰ دختر حضرت امام حسین اپنی جدہ (دادی) فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔

۲ؔ۔ یعنی خداوندا میرے گناہ بخش دے۔ آپ نے یہ الفاظ تعلیم امت کے لیے فرمائے۔ اسی لیے یہاں آپ نے اللھم صل علی یا صلی اللہ علی نہ فرمایا یا اللھم اغفر لمحمد نہ فرمایا۔ یا اس اسم شریف کو صلوۃ در رحمت سے جو مناسبت ہے اور اللھم اغفرلی میں جو انکسار و تواضع پائی جاتی ہے۔ اس کے پیش نظر آپ نے اللھم اغفرلی کا کلمہ اختیار فرمایا۔

۳ؔ۔ کیونکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت آٹھ سال سے نا بالغ عمر کے نہ تھے۔ لہٰذا اس حدیث میں کوئی راوی متروک ہے۔

۶۷۷ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَنَاشُدِ الْأَشْعَارِ فِي الْمَسْجِدِ وَعَنِ الْبَيْعِ وَالْاِشْتِرَاءِ فِيهِ وَأَنْ يَتَحَلَّقَ النَّاسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فِي الْمَسْجِدِ۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ

حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے[۱] سے منع فرمایا۔ اور مسجد میں خرید و فروخت سے بھی منع فرمایا[۲]۔ اور اس سے بھی منع فرمایا کہ لوگ جمعہ کے دن نماز سے پہلے حلقہ بنا کر مسجد میں بیٹھیں[۳]۔ (ابوداؤد، ترمذی)

۱ؔ۔ یعنی ایسے اشعار جو جھوٹ و باطل ہوں کہاں کا پڑھنا ناجائز ہے۔ خصوصًا مسجد میں جو طاعت و عبادت کی جگہ ہے مگر وہ شعر جو توحید باری تعالیٰ سبحانہ یا نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے متبعین یا مواعظ و نصائح پر مشتمل ہوں وہ ہر حالت میں ہر جگہ محمود و مستحسن ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان کے لیے جو آپ کی مدح اور آپ کے دشمنوں کی مذمت و ہجو کرتے تھے، مسجد میں منبر رکھتے تھے اور فرماتے تھے روح قدس حسان کی مدد و تائید کرتا ہے جب تک کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقابلہ اور مدافعت کرتا رہتا ہے۔

۲ؔ۔ دیگر دنیوی معاملات کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔

۳ؔ۔ اگرچہ یہ حلقہ بنانا مذاکرہ علم و شغل ذکر کے لیے ہو۔ اس ممانعت کی چند وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ حلقہ بنانا نمازیوں کی ہیئت اجتماع کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ نماز جمعہ کا اجتماع عظیم ذمہ داری کا کام ہے۔ جب تک اس سے فراغت نہ ہو جائے کسی اور کام میں مشغول ہونے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ نماز سے پہلے

حلقہ بنا کر بیٹھنا اس عظیم کام سے غفلت کا وہم ڈالتا ہے۔ ان دو وجہوں کے تحت یہ نہی صرف خطبہ سے خاص نہ ہوگی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ وقت خاموشی اور توجہ سے خطبہ سننے کا وقت ہے۔ اس وجہ کے مطابق نہی خطبہ کے نزدیک حلقہ بنانے سے متعلق ہے۔ پھر پہلی دو وجہوں کے مطابق نہی تنزیہی ہوگی اور تیسری وجہ کے مطابق نہی تحریمی۔

۶۷۸/۱۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمْ مَنْ يَّبِيْعُ اَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَا اَرْبَحَ اللهُ تِجَارَتَكَ وَاِذَا رَاَيْتُمْ مَنْ يَّنْشُدُ فِيْهِ ضَالَّةً فَقُوْلُوْا لَا رَدَّ اللهُ عَلَيْكَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی شخص کو مسجد میں خرید و فروخت کرتا ہوا دیکھو تو کہو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ ڈالے اور جب تم کسی آدمی کو مسجد میں گمشدہ چیز تلاش کرتا ہوا دیکھو تو کہو اللہ تعالےٰ وہ چیز تجھے واپس عطا نہ کرے۔ اسے ترمذی اور دارمی نے روایت کیا۔

۶۷۹/۱۵ وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّسْتَقَادَ فِي الْمَسْجِدِ وَاَنْ يُّنْشَدَ فِيْهِ الْاَشْعَارُ وَاَنْ تُقَامَ فِيْهِ الْحُدُوْدُ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ فِيْ سُنَنِهٖ وَصَاحِبُ جَامِعِ الْاُصُوْلِ فِيْهِ عَنْ حَكِيْمٍ وَفِي الْمَصَابِيْحِ عَنْ جَابِرٍ

حضرت حکیم بن حزام[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قصاص لینے سے منع فرمایا اور اس سے منع فرمایا کہ مسجد میں اشعار پڑھے جائیں [illegible] اس میں حدود قائم کی جائیں[2]۔ ابوداؤد نے اسے اپنی سنن میں روایت کیا۔ اور صاحب جامع الاصول نے اپنے جامع میں حکیم سے [illegible] اور مصابیح میں جابر سے روایت کیا۔

۱؎ حزام حائے مہملہ مکسورہ اور زا کے ساتھ۔ آپ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے [illegible] ہیں۔ آپ عام الفیل سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے۔ ایک سو بیس سال عمر پائی ساٹھ سال جاہلیت میں گزرے اور ساٹھ سال اسلام میں اشراف قریش اور فضلائے قوم میں سے تھے۔ آپ کے باقی حالات دوسری جگہ مذکور ہیں۔

۲؎ جیسے حد زنا حد شراب وغیرہ۔ چاہیے کہ حد کے ثبوت کے بعد اس کا اجراء مسجد کے باہر کریں۔ مسجد سے باہر ہی قصاص میں اسے قتل کریں۔

۵۳۔ یعنی جامع الاصول میں حکیم سے حزام کی طرف نسبت کرنے کے بغیر روایت کی ظاہر یہی ہے کہ حکیم سے حکیم بن حزام ہی مراد ہے کہ صحابہ میں یہی ایک حکیم بن حزام ہیں۔ دوسرے حکیم بن معاویہ السیری ہیں ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔

۵۴۔ اور یہ روایت اصول میں موجود نہیں ہے۔

۷۱۲ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ يَعْنِي الْبَصَلَ وَالثُّوْمَ وَقَالَ مَنْ اَكَلَهُمَا فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا وَقَالَ اِنْ كُنْتُمْ لَا بُدَّ اٰكِلِيْهِمَا فَاَمِيْتُوْهُمَا طَبْخًا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت معاویہ[۱] بن قرۃ[۲] وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو درختوں سے منع فرمایا یعنی پیاز و لہسن سے اور فرمایا جو شخص انہیں کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب[۳] نہ آئے۔ اور فرمایا اگر تم نے ضرور کھانا ہی ہو تو پھر ان کو پکا[۴] کر مار لو۔ (ابوداؤد)

۱۔ آپ تابعی عالم ہیں۔ یوم الجمل کے دن پیدا ہوئے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ آپ کو ستر صحابہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے قتادہ اور شعبہ اور اعمش وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

۲۔ قرۃ قاف کی پیش اور را کی شد کے ساتھ۔

۳۔ اگرچہ متعدد مقامات میں ذکر ہو چکا ہے کہ کھانے والی چیزوں میں سے ہر بدبودار چیز کا یہی حکم ہے اور مسجد سے ہر مسجد مراد ہے صرف مسجد نبوی مراد نہیں۔ اور خیر و برکت کی مجالس و مجامع کا بھی یہی حکم ہے۔

۷۱۳ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبَرَةَ وَالْحَمَّامَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام روئے زمین مسجد[۱] ہے۔ مگر قبرستان اور حمام۔ (ابوداؤد، ترمذی، دارمی)

۱۔ یعنی مسجد کا ہی حکم رکھتی ہے کہ اس میں بلا کراہت نماز جائز ہے۔

۲۔ مقبرہ یعنی قبرستان کہ اس میں غالباً ناپاکی پھیلی ہوتی ہے۔ اور اس کی مٹی مردہ سے نکلنے والی نجاست

سے ملی ہوتی ہے۔ اور اگر قبرستان میں کوئی پاک و نظیف جگہ ہو تو وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج و کراہت نہیں بعض اکابر ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے۔ اس حدیث کے ظاہر کی بنا پر۔ اور قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بالاتفاق حرام ہے۔ اگر بقصد تعظیم ہو ورنہ اس کا حکم بھی قبرستان کا حکم ہے۔ اور حمام میں اس لیے نماز منع ہے کہ یہ بے پردگی اور شیاطین کی جگہ ہے۔

۷۸۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّصَلّٰى فِيْ سَبْعَةِ مَوَاطِنَ فِي الْمَزْبَلَةِ وَالْمَجْزَرَةِ وَالْمَقْبَرَةِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَفِي الْحَمَّامِ وَفِيْ مَعَاطِنِ الْاِبِلِ وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللّٰهِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ کوڑا ڈالنے کی جگہ۔ مذبح میں ہیں۔ قبرستان میں راستے کے درمیان اور حمام میں اور اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ میں۔ اور بیت اللہ شریف کی چھت پر۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

لہ۔ اصل میں لفظ مزبلہ استعمال ہوا ہے۔ با کی زبر اور پیش کے ساتھ پاخانہ ڈالنے کی جگہ زبل بمعنی پاخانہ اور دیگر نجاستیں۔ اس کے حکم میں یا اس سے بھی سخت تر ہیں۔

۲ لہ۔ مجزرۃ جیم اور زا کے ساتھ حیوانات کے ذبح کرنے کی جگہ چونکہ یہ جگہ بھی نجاستوں سے آلودہ ہوتی ہے۔ اس لیے اس میں نماز پڑھنا منع ہے۔

۳ لہ۔ قارعۃ الطریق لوگوں کی گزرگاہ۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو اس کا دل لوگوں کے گزرنے کی وجہ سے ادھر دھیان میں رہے گا۔ دوسرے لوگوں کے لیے راستہ تنگ ہو جائے گا اور یہ بڑی خرابی ہے۔ بے پرواہی سے بالفرض اس کے آگے سے گزریں گے تو گنہگار ہوں گے اور اگر ان کو گزرنا ضروری ہو تو یہ شخص گنہگار ہوگا۔

۴ لہ۔ تاکہ اونٹوں کے ادھر ادھر بھاگنے اور حرکت کرنے سے نمازی کا دل تنگ نہ ہو۔

۵ لہ۔ ادب کی بنا پر خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا منع ہے۔

۷۸۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَلَا تُصَلُّوْا فِيْ اَعْطَانِ الْاِبِلِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بکریوں کے بیٹھنے کی جگہ نماز پڑھ سکتے ہو مگر اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ نہیں پڑھ سکتے۔

رواہ الترمذی (ترمذی شریف)

لے کہ ان کا ادھر ادھر حرکت کرنا اسے بھاگنا پریشانی دل کا باعث بنتا ہے۔ بخلاف بکریوں کے کہ ان میں یہ حرکت نہیں پائی جاتی۔

لے۔ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ یہ نہی تحریمی ہے یا تنزیہی۔ دونوں صورتوں میں اس کی یہ علت نہیں کہ وہ جگہ نجس و ناپاک ہے ورنہ نماز جائز ہی نہ ہوگا اور ناپاک جگہیں انہی میں منحصر نہیں ہیں۔ اور پھر دونوں صورتوں میں یوں کہنا چاہیے تھا کہ آپ نے نجس جگہ نماز ادا کرنے سے منع فرمایا۔ بلکہ اس ممانعت کی علت نجس جگہ کی ہمسائیگی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص وہاں مصلا بچھائے اور اس پر نماز پڑھے تو بھی نماز مکروہ ہے۔

۶۹۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو قبروں کی زیارت کریں۔ اور ان لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو ان قبروں پر مسجدیں بنائیں اور چراغ جلائیں۔

(ابو داؤد، ترمذی، نسائی۔)

لے۔ واضح ہو کہ ابتداء میں مردوں اور عورتوں دونوں کو زیارت قبور کی اجازت نہ تھی۔ اس کے بعد آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا۔ اب تم قبور کی زیارت کر سکتے ہو۔ اس رخصت و اجازت کے بارے میں بعض علماء کہتے ہیں کہ عورتیں بھی اس میں شامل ہیں۔ اگرچہ یہ لفظ صیغہ جمع مذکر کی شکل میں آیا ہے کہ شرع شریف کی عادت ہے کہ اغلب اوقات میں خطاب مردوں کو کیا جاتا ہے مگر عورتیں بھی اس میں داخل و شامل ہوتی ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں یہ اجازت صرف مردوں کے لیے ہے۔ عورتوں کے لیے نہی کا حکم بدستور باقی ہے کہ عورتیں قبر پر جا کر بے صبری اور نوحہ گری کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ یہ حدیث اگر مردوں کو رخصت دینے کے بعد کی ہے تو پھر یہ اس قول (عورتوں کی ممانعت) کی تائید ہے۔

لے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو قبروں کی جانب ان کی تعظیم کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور ان لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو بقصد تعظیم قبر اس پر چراغ جلائیں۔ بعض کے نزدیک چراغ جلانا حرام ہے اگرچہ تعظیم کے لیے نہ بھی ہو کہ اس میں اسراف اور تضیع مال ہے۔ بعض کے نزدیک اگر وہ لوگوں کی گزرگاہ ہے یا اس کے سایہ میں کوئی کام کرنا مطلوب ہے تو پھر جائز ہے۔ اس صورت میں چراغ قبر کے لیے نہیں جلایا گیا۔ بلکہ دوسرے مقصد کے لیے ہے قبر مد نظر نہیں ہے۔

۶۸۵ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ اِنَّ حِبْرًا مِنَ الْیَھُوْدِ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْبِقَاعِ خَیْرٌ فَسَکَتَ عَنْہُ وَقَالَ اَسْکُتُ حَتّٰی یَجِیْءَ جِبْرِیْلُ فَسَکَتَ وَجَآءَ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَسَاَلَ فَقَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْہُ بِاَعْلَمَ مِنَ السَّآئِلِ وَلٰکِنِّیْ اَسْاَلُ رَبِّیْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی ثُمَّ قَالَ جِبْرِیْلُ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ دَنَوْتُ مِنَ اللّٰہِ دُنُوًّا مَا دَنَوْتُ مِنْہُ قَطُّ قَالَ وَکَیْفَ کَانَ یَا جِبْرِیْلُ قَالَ کَانَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ فَقَالَ شَرُّ الْبِقَاعِ اَسْوَاقُھَا وَخَیْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُھَا۔
رَوَاہُ ابْنُ حِبَّانَ فِیْ صَحِیْحِہٖ عَنِ ابْنِ عُمَرَ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں یہود کے ایک دانشمند نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا سب جگہوں سے بہتر جگہ کونسی ہے۔ آپ اس کا جواب دینے سے خاموش رہے اور فرمایا جبرائیل کے آنے تک خاموش رہوں گا تو وہ خاموش ہو گیا۔ اتنے میں حضرت جبرئیل آ گئے آپ نے جبرئیل سے دریافت کیا جبرئیل نے عرض کیا جس سے (مجھ سے) اس بارے میں سوال کیا گیا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ لیکن میں اپنے رب تبارک و تعالیٰ سے دریافت کرتا ہوں پھر جبرئیل نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے رب کے اتنا قریب ہوا کہ اس سے پہلے اتنا قریب کبھی نہ ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل تیرے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے کی کیا کیفیت تھی جبرئیل نے کہا میرے اور اس کے درمیان نور کے ستر ہزار پردے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible] جگہوں سے [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

۱؎ یعنی جس طرح سب سے بہتر جگہ آپ نہیں جانتے میں بھی نہیں جانتا۔

۲؎ من نور (نوری پردے) اس لیے فرمایا کہ جبرائیل ایک روحانی شخصیت [illegible] ظلمانی و جسمانی حجابات کوئی وجود نہیں رکھتے۔

واضح ہو کہ یہ حجابات مخلوق کی نسبت سے ہیں۔ خالق کی طرف سے نہیں۔ کہ حق تعالیٰ معاذ اللہ کسی پردے میں نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بندے محجوب ہیں جس طرح آفتاب نابینا کے لیے کرنا بینا حجاب ہی ہے آفتاب پر کوئی پردہ نہیں ہے۔ خلق کا خالق سے حجاب دو قسم کا ہے ظلمانی جسمانی اور نورانی روحانی۔ کچھ لوگ تو نعمتوں کی دید کے باعث منعم (حق تعالیٰ) سے محجوب ہیں۔ اور بعض اسباب کی دید کی وجہ سے مسبب الاسباب (اللہ تعالیٰ) سے

محجوب ہیں۔ اور کچھ مباح یا حرام شہوتوں اور کچھ دوسرے طبعی و نفسانی حجابات میں محجوب ہیں اور ملائکہ و بعض مقرب بندے حق تعالٰی کے اسمائے و معانی اور اس کے افعال کے معانی کے ساتھ محجوب ہیں۔ اور مقرب ملائکہ حق تعالٰی کے نور ہیبت و کبریا و جلال و تدبر کے ساتھ محجوب ہیں۔ بیت۔

بدر د ہمہ پردہ ہائے خیال نماند سر پردہ الاجلال

ترجمہ: خیال کے تمام پردے پھٹ جاتے ہیں۔ جلال و عظمت کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔

مختصر یہ کہ صفات، ذات کے لیے پردہ ہیں۔ وَاِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ (بے شک میرے دل پر بھی پردہ آجاتا ہے) اسی قبیلہ سے ہے۔ کوئی بھی شخص اس ذات کی نسبت بے پردہ نہیں۔ اگر پردہ نہ رہے تو ساری کائنات اس کے نور ذات سے جل جائے۔ بیت

ہست از پردہ گفت و گوے من و تو چوں پردہ بر افتد نہ تو مانی و نہ من

ترجمہ: پردہ کی بدولت یہ سب گفتگو ہو رہی ہے۔ اگر پردہ اٹھ جائے تو نہ تو رہے نہ میں رہوں اس معنی کی طرف اشارہ کتاب کے ابتداء میں گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم سال کے بعد جبرئیل نے کہا میں خدا تعالٰے کے انتہائی مرتبہ قرب میں پہنچا تو اس سے دریافت کیا اللہ تعالٰے نے فرمایا۔ شر البقاع اسواقہا۔

سے۔ اصل کتاب میں جگہ خالی سفید ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۶۹۸ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ جَاءَ مَسْجِدِیْ هٰذَا لَمْ يَاْتِ اِلَّا لِخَيْرٍ يَتَعَلَّمُهٗ اَوْ يُعَلِّمُهٗ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَمَنْ جَاءَ لِغَیْرِ ذٰلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ اِلٰی مَتَاعِ غَیْرِهٖ - رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ الْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ -

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو شخص میری مسجد[1] میں آئے۔ اور نہ آئے مگر خیر سیکھنے اور سکھلانے کے لیے[2] تو وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح[3] ہے۔ اور جو شخص کسی اور غرض[4] کے لیے آیا تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی کے سامان کو دیکھتا ہو[5]۔ (ابن ماجہ اور بیہقی شعب الایمان میں)

[1] یہ کہ میری یہ مسجد عظیم الشان اور وسیع الرحمان مسجد ہے۔ باقی تمام مساجد اس حکم میں اس کے تابع اور اس کی فروع ہیں۔

[2] نماز، ذکر، اعتکاف کا بھی یہی حکم ہے۔ تعلیم و تعلم کی تخصیص اس کی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

۳ھ۔ یعنی وہ شخص مجاہدہ نفس کی وجہ سے اجروثواب میں اس کی طرح ہے جو راہ خدا میں جہاد کر رہا ہو۔
۴ھ۔ یعنی لہو ولعب اور فضول کام یا گزرنے کے لیے۔
۵ھ۔ کیونکہ دیکھنے والے مرد کے پاس وہ سامان نہیں ہوتا اور حسرت بھری اور للچائی ہوئی نگاہ سے اس کے سامان کو دیکھتا ہے۔ آخرت میں بھی یہ شخص جب مسجد میں بیٹھ کر نیک کام کرنے والے کے اجروثواب کو دیکھے گا تو افسوس کرے گا اور درد و تکلیف محسوس کرے گا کہ میں اس دولت سے کیوں محروم رہا۔

۷۴۸/۴۹ وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ حَدِيْثُهُمْ فِيْ مَسَاجِدِهِمْ فِيْ اَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ فَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيْهِمْ حَاجَةٌ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت حسن[۱] سے مرسلا روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کی مسجدوں میں ان کی دنیا کی باتیں ہوں گی ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھنا[۲] کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی کچھ حاجت نہیں[۳] (بیہقی فی شعب الایمان)

۱ھ۔ یعنی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ۔
۲ھ۔ تاکہ تم بھی ان کے ساتھ شریک نہ سمجھے جاؤ۔ اگرچہ زبان سے ان کے ساتھ موافقت نہ کرو۔
۳ھ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ان سے بیزار ہونے اور ان کی پرواہ نہ کرنے اور ان کی جانب نگاہ والتفات نہ کرنے سے کنایہ ہے اور ایسی بات سے کنایہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اس کی پناہ سے باہر نکل گئے ورنہ اللہ تعالیٰ حاجت سے پاک و منزہ ہے۔
۴ھ۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مسجدوں میں دنیا کی باتیں کرنا ممنوع ہے مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کی مذمت و ممانعت بہت سے اخبار و آثار وارد ہیں۔ تاہم اس سے وہ باتیں مراد ہیں جو [illegible] فحش وغلط باتیں ہوں۔ ورنہ ایک وہ کلمے جو اس نوعیت کے نہ ہوں [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بیان میں آیا ہے کہ بعض صحابہ فرماتے تھے۔ جب ہم لوگ کھانے کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے اور دنیا کا ذکر بھی ہم سے کرتے تھے اور آپ کی زیادہ تر مجلس مسجد میں ہوتی تھی۔ واللہ اعلم۔

۷۴۹/۵۰ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِيْ رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَاِذَا هُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِيْ بِهٰذَيْنِ فَجِئْتُهُ

حضرت السائب[۱] بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں مسجد میں سو رہا تھا تو مجھے کسی آدمی نے کنکری ماری۔ میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے فرمایا جا ان

بِهِمَا فَقَالَ مِمَّنْ أَنْتُمَا أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا قَالَا مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَأَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

دو آدمیوں کو بلا کر لاؤ میں ان کو بلا کر لایا آپ نے ان سے فرمایا تم کس قوم سے تعلق رکھتے ہو یا کسی جگہ سے آئے ہو انہوں نے کہا ہم اہل طائف سے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم اہل مدینہ سے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو۔ (بخاری شریف)

۱۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ خورد سال صحابی ہیں اپنے باپ کے ساتھ حجۃ الوداع میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کی عمر سات سال کی تھی۔ اپنے باپ سے حدیث روایت کرتے ہیں قلیل الحدیث ہیں۔ بنی امیہ یا بنی عبدالشمس کے حلیف تھے۔

۲۔ یعنی مسجد نبوی شریف میں۔

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ جو مسجد میں تھے اور بلند آواز سے باتیں کر رہے تھے (کہ ان کو بلا کر لاؤ)

۴۔ یہ راوی کا شک ہے۔

۵۔ طائف حجاز کے ایک مشہور مقام کا نام ہے۔ جو مکہ معظمہ سے تین منزل پر واقع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر انور یہیں ہے۔

۶۔ یعنی اگر تمہیں مسجد نبوی شریف کی عزت و حرمت اور ادب و احترام کا پتہ ہوتا تو تم لوگ عفو و شفقت کے مستحق نہ تھے۔

۷۔ تو تمہیں مارتا۔

۸۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں خصوصاً مسجد نبوی میں آواز اونچی کرنا ادب کے خلاف ہے کہ مسجد نبوی خصوصاً اس مقام اور نور حضور کے وارد ہونے کی جگہ ہے۔ ہاں علمی بحث کے دوران آواز کے بلند ہو جانے میں رخصت ہے (ممانعت نہیں)

وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ عُمَرَ بَنَى رَحْبَةً فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ تُسَمَّى الْبُطَيْحَاءَ وَقَالَ مَنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَلْغَطَ أَوْ يُنْشِدَ شِعْرًا أَوْ يَرْفَعَ صَوْتَهُ فَلْيَخْرُجْ إِلَى هٰذِهِ الرَّحْبَةِ

حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے ایک طرف ایک جگہ بنا دی تھی جسے بطیحا کہتے تھے اور آپ نے فرمایا جو شخص شور و غل کرنا چاہے یا شعر پڑھنا چاہے یا بلند آواز

(رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا)

سے ملت کرنا چاہیے تو وہ اس جگہ کی طرف نکل آیا کرے اس حدیث کو امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا ایسان کی کتاب کا نام ہے۔

ؔ۱ یعنی ایک کھلی جگہ

ؔ۲ بُطیحًا باکی پیش اور طا کی زبر سے یعنی کنکریوں والی زمین۔

ؔ۳ اصل لفظ لغط استعمال ہوا ہے۔ غین اور طا مفتوحہ کے ساتھ یعنی شور و غوغا کرنا۔

٦٩٠ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُخَاعَةً فِي الْقِبْلَةِ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِ حَتّٰى رُئِيَ فِي وَجْهِهِ فَقَامَ فَحَكَّهُ بِيَدِهِ فَقَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي الصَّلٰوةِ فَإِنَّمَا يُنَاجِي رَبَّهُ وَإِنَّ رَبَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَلَا يَبْزُقَنَّ أَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ فَبَصَقَ فِيهِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهُ عَلٰى بَعْضٍ فَقَالَ أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوار قبلہ پر تھوک دیکھا تو یہ چیز آپ کو ناگوار گزری حتیٰ کہ ناگواری کا اثر آپ کے چہرے پر محسوس ہوا پھر آپ کھڑے ہوئے اور اسے اپنے دست اقدس سے کھرچ دیا اور فرمایا تم میں کوئی آدمی جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہوتا ہے اور اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔ تم میں کوئی آدمی بھی ہرگز قبلہ کی طرف نہ تھوکے بلکہ بائیں جانب یا اپنے قدموں کے نیچے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کا ایک کنارہ ہاتھ میں لیا اس میں تھوکا پھر اس کپڑے کو آپس میں مل دیا اور فرمایا یا اس طرح کرے۔ اس کو بخاری نے روایت کیا۔

ؔ۱ اصل میں لفظ نخاعہ استعمال ہوا ہے۔ یعنی وہ تھوک جو حلق سے نکالا جاتا ہے یا ناک سے [illegible]

ؔ۲ کہ بندے کی توجہ اور حضور حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے۔

ؔ۳ قبلہ کے ادب و احترام کے لیے۔

ؔ۴ علماء فرماتے ہیں۔ اگر مسجد میں ہو تو اس طرح کرے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اور اگر مسجد میں نہ ہو تو اسے اختیار ہے کہ بائیں جانب تھوکے یا پاؤں کے نیچے دفن کرے۔

٦٩١ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ وَهُوَ

حضرت السائب بن خلاد سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا اَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْمِهٖ حِيْنَ فَرَغَ لَا يُصَلِّيْ لَكُمْ فَاَرَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ اَنْ يُّصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَاَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ وَحَسِبْتُ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّكَ قَدْ اٰذَيْتَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

کے صحابہ میں سے ہے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ایک شخص کسی قوم کا امام بنا اس امام نے قبلہ کی جانب تھوک[۱] دیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ رہے تھے آپ نے انکی قوم سے کہا جب کہ وہ انکی امامت سے فارغ ہوا یہ شخص اس کے بعد تمہاری امامت نہ کرائے[۲]۔ اس نے اسکے بعد ان کی امامت کرنی چاہی لوگوں نے اسے امام بننے سے روک دیا۔ اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کی اطلاع دی۔ اس مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا[۳]۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ (میں نے منع کیا ہے) اور میرا گمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا تو نے اللہ و رسول کو اذیت پہنچائی[۴] ہے۔ (ابوداؤد شریف)

۱؎ اس نے یہ فعل اگر مسجد میں کیا تھا تو یہ سخت برا اور مکروہ فعل تھا اور اگر اس نے باہر ایسا کیا تو بھی اس میں کراہت و برائی موجود تھی کہ قبلہ کے ادب کا ترک اب بھی پایا گیا۔

۲؎ لوگوں نے اسے اطلاع دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے امامت سے برطرف کر دیا ہے۔

۳؎ کہ کیا واقعی آپ نے مجھے قوم کی امامت سے منع کر دیا ہے۔

۴؎ کہ مسجد میں اور خصوصاً جانب قبلہ کو تھوک کر۔

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ احْتَبَسَ عَنَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ عَنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ حَتّٰى كِدْنَا نَتَرَاءٰى عَيْنَ الشَّمْسِ فَخَرَجَ سَرِيْعًا فَثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَجَوَّزَ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوْتِهٖ فَقَالَ لَنَا عَلٰى مَصَافِّكُمْ كَمَا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کے لیے ہمارے پاس آنے سے رک[۱] گئے (دولت کدہ سے باہر تشریف نہ لائے) یہاں تک کہ قریب تھا کہ ہم سورج کو طلوع ہوتا دیکھ لیں۔ پھر آپ جلدی سے باہر نکلے۔ نماز کے لیے تکبیر کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی۔ اور جلدی[۲] ادا کی۔ جب سلام پھیرا تو آپ نے بلند آواز سے پکارا اور ہمیں فرمایا اے لوگو اپنی اپنی جگہوں پر صف بستہ بیٹھے رہو۔

اَنْتُمْ ثُمَّ انْفَتَلَ اِلَیْنَا ثُمَّ قَالَ اَمَآ
اِنِّیْ سَاُحَدِّثُکُمْ مَا حَبَسَنِیْ عَنْکُمُ الْغَدَاۃَ
اِنِّیْ قُمْتُ مِنَ اللَّیْلِ فَتَوَضَّاْتُ وَصَلَّیْتُ
مَا قُدِّرَ لِیْ فَنَعَسْتُ فِیْ صَلٰوتِیْ حَتّٰی
اسْتَثْقَلْتُ فَاِذَا اَنَا بِرَبِّیْ تَبَارَکَ وَ
تَعَالٰی فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ فَقَالَ یَا
مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَبِّ قَالَ
فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰی قُلْتُ
لَآ اَدْرِیْ قَالَھَا ثَلٰثًا قَالَ فَرَاَیْتُہٗ
وَضَعَ کَفَّہٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُ
بَرْدَ اَنَامِلِہٖ بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَتَجَلّٰی لِیْ
کُلُّ شَیْءٍ وَ عَرَفْتُ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ
قُلْتُ لَبَّیْکَ رَبِّ قَالَ فِیْمَ یَخْتَصِمُ
الْمَلَاُ الْاَعْلٰی قُلْتُ فِی الْکَفَّارَاتِ
قَالَ وَ مَا ھُنَّ قُلْتُ مَشْیُ الْاَقْدَامِ
اِلَی الْجَمَاعَاتِ وَ الْجُلُوْسُ فِی
الْمَسٰجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَ اِسْبَاغُ
الْوُضُوْءِ حِیْنَ الْکَرِیْھَاتِ قَالَ ثُمَّ
فِیْمَ قُلْتُ فِی الدَّرَجٰتِ قَالَ وَمَا
ھُنَّ قُلْتُ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَ لِیْنُ
الْکَلَامِ وَ الصَّلٰوۃُ بِاللَّیْلِ وَ النَّاسُ
نِیَامٌ قَالَ سَلْ قَالَ قُلْتُ اَللّٰھُمَّ
اِنِّیْ اَسْئَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَ تَرْکَ
الْمُنْکَرَاتِ وَ حُبَّ الْمَسَاکِیْنِ وَ اَنْ
تَغْفِرَ لِیْ وَ تَرْحَمَنِیْ وَ اِذَا اَرَدْتَّ

پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جو میں ابھی
تمہیں بتلانا چاہتا ہوں کہ صبح کو کس چیز نے مجھے تم سے روکے
رکھا میں رات کو اٹھا۔ اور وضو کیا اور جس قدر نماز میرے
مقدر میں تھی میں نے پڑھی۔ پھر مجھے نماز میں ہی نیند آ گئی
یہاں تک کہ نیند کی وجہ سے میری طبیعت بوجھل ہو گئی۔
تو اچانک میں نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ
کو دیکھا بہت اچھی صورت میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نے عرض کیا لبیک اے رب میں خدمت میں
حاضر ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ملاء اعلیٰ بلند مرتبہ
فرشتے کس بات میں بحث و تکرار کرتے ہیں میں نے
کہا میں نہیں جانتا اللہ تعالیٰ نے [illegible] تین دفعہ دہرایا
اور [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible]
نے عرض کیا با جماعت نمازوں کے لیے پیدل چل کر جانا
اور نمازوں کے بعد مسجد میں بیٹھنا [illegible]

فِتْنَةً فِي قَوْمٍ فَتَوَفَّنِي غَيْرَ مَفْتُونٍ وَأَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنِي إِلَى حُبِّكَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا حَقٌّ فَادْرُسُوهَا ثُمَّ تَعَلَّمُوهَا۔

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمٰعِيلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ۔

کی حالت میں کامل وضو کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر اور کس چیز میں ملأ اعلیٰ بحث و نزاع کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا درجات[10] میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ کیا ہیں۔ میں نے عرض کیا کھانا کھلانا[11]۔ نرم گفتگو کرنا[12]۔ اور رات کو اس وقت نماز پڑھنا (شب خیزی کرنا) جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مانگ[13] لے۔ میں نے عرض کیا۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ وَأَنْ تَغْفِرَ لِي وَتَرْحَمَنِي وَإِذَا أَرَدْتَ فِتْنَةً فِي قَوْمٍ فَتَوَفَّنِي غَيْرَ مَفْتُونٍ[14] وَأَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنِي إِلَى حُبِّكَ۔ ترجمہ اے اللہ بیشک میں تجھ سے نیک کام کرنے کی توفیق مانگتا ہوں اور برے کاموں کے چھوڑنے کی ہمت مانگتا ہوں اور مساکین کی محبت مانگتا ہوں۔ اور یہ سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے۔ اور میرے اوپر رحم کر۔ اور جب تو کسی قوم کو فتنے میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں ڈالے بغیر موت کی آغوش میں لے جانا۔ اور میں تجھ سے تیری محبت[15] کا سوال کرتا ہوں اور ان کی محبت کا بھی جو تجھ سے محبت کرتا ہو۔ اور ایسے عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیری محبت کے قریب کر دے[16]۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک یہ بیان بالکل حق و سچ ہے۔ اسے پڑھو اور اس کے معانی و الفاظ کو سیکھو اور لوگوں کو ان کی تعلیم دو۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور میں نے محمد بن اسماعیل یعنی بخاری سے اس حدیث کا حال دریافت کیا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

[10] یعنی حسب عادت مبارک اس وقت میں باہر تشریف نہ لائے۔

[11] یعنی عادت کے خلاف فجر کی نماز ادا کی۔

[12] جیسا کہ نماز تہجد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے کی عادت مبارک تھی۔

[13] اصل میں لفظ نعاس نون کے پیش کے ساتھ یعنی ابتدائی نیند کی گرانی۔

[14] بظاہر الفاظ سے یہی مترشح ہے کہ یہ روایت نیند کی حالت میں تھی اور ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ پھر میں بیدار ہو گیا یہ لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ واقعہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد کا ہے۔ واللہ اعلم

[15] ایسی حالت یا اچھی صفت میں یہ حق تعالے کی صفت کا بیان ہے یا حضور کی خود اپنی حالت کا جیسا کہ دوسری فصل میں گزرا۔

۵۷۔ ملاء اعلیٰ کا معنیٰ گزشتہ عبارت میں گزر چکا ہے۔

۵۸۔ سردی اور بیماری کی حالت میں۔

۵۹۔ یعنی وہ اعمال جن سے ثواب اور قرب الٰہی میں درجہ بلند ہوتا اور بڑھتا ہے۔

۶۰۔ مسکینوں، محتاجوں اور مہمانوں کو یعنی مخلوق کے ساتھ جو دو احسان میں سے ایک چیز یہ ہے کہ کھانا کھلایا جائے اس کا نفع عام اور ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔

۶۱۔ اور لوگوں کے ساتھ خلق و لطف و نرمی سے رہنا۔ اور اپنے ماتحت اور شکستہ دلوں کے ساتھ سختی سے پیش نہ آنا۔

۶۲۔ اور اس سے خیرات طلب کریں اور اپنے لیے دعا کریں جو آپ چاہتے ہیں۔

۶۳۔ ان الفاظ کا ترجمہ فصل ثانی میں گزرا معمولی فرق کے ساتھ جو یہاں ہے کہ یہاں مغفرت و مہربانی کا بھی سوال کیا گیا ہے۔ اور یہاں ایک زائد بات یہ بھی ہے کہ یہاں وَاَسْئَلُكَ حُبَّكَ الی آخرہ بھی فرمایا۔

۶۹۳/۵۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ قَالَ فَاِذَا قَالَ ذٰلِكَ قَالَ الشَّيْطٰنُ حُفِظَ مِنِّيْ سَائِرَ الْيَوْمِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو کلمات پڑھتے۔ اعوذ باللہ العظیم وبوجہہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم میں [illegible] [illegible] (ابوداؤد)

۶۹۴/۵۶ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] الٰہی میری قبر کو بت نہ بنانا کہ پوجی جائے اللہ تعالیٰ کا غضب و غصہ بڑا سخت ہوا ان لوگوں پر جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ

دَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا ۔ بنایا۔ اسے مالک نے مرسلا روایت کیا۔

لے۔ حضرت عطاء تابعین سے اور ان کے مشاہیر و اکابر میں سے ہیں۔ ثقہ کثیر الحدیث ہیں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ مشہور قول کے مطابق ۹۴ھ میں فوت ہوئے۔ جب کہ ان کی عمر ۸۴ سال تھی۔

۲ے۔ جیسا کہ گزشتہ حدیث میں اس کا معنی مذکور ہوا۔

۶۹۵ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ الصَّلٰوةَ فِي الْحِيْطَانِ قَالَ بَعْضُ رُوَاتِهٖ يَعْنِي الْبَسَاتِيْنَ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ الْحَسَنِ بْنِ اَبِيْ جَعْفَرٍ وَقَدْ ضَعَّفَهٗ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ وَّغَيْرُهٗ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار دیواریوں میں نماز پڑھنے کو پسند کرتے تھے۔ اس کے بعض راویوں نے کہا یعنی ایسے باغات میں جن کے اردگرد چار دیواری ہو۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے ہم اسے نہیں جانتے مگر حسن بن ابی جعفر کی حدیث سے۔ اور بیشک یحیی بن سعید وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔

لے۔ اصل میں لفظ حیطان آیا ہے۔ حدیث کے بعض راویوں نے اس سے باغات مراد لیے ہیں۔ یہ لفظ حائط کی جمع ہے یعنی دیوار جس نے کسی جگہ کا احاطہ کیا ہو۔ باغات کے معنی میں۔ اس لیے یہ لفظ آتا ہے کہ چار دیواری کے انکا احاطہ کیا ہوتا۔

۲ے۔ مشکوٰۃ میں ہے کہ حسن بن ابوجعفر روایت میں بڑا جلد باز اور منکر الحدیث ہے یحیی بن سعید جو ائمہ حدیث کے ناقدین میں سے ہے اس سے روایت نہیں کرتا۔ ابو حاتم نے کہا حسن مستجاب الدعوات تھا۔ لیکن جب وہ عبادت میں زیادہ منہمک اور مشغول ہو گیا تو فن حدیث اور اس کے حفظ میں اسے غفلت اور وہم لاحق ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

۶۹۶ وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِيْ بَيْتِهٖ بِصَلٰوةٍ وَّصَلٰوتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُجَمَّعُ فِيْهِ بِخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ صَلٰوةً وَّصَلٰوتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُجَمَّعُ فِيْهِ بِخَمْسِمِائَةِ صَلٰوةٍ وَّصَلٰوتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ صَلٰوةٍ وَّصَلٰوتُهٗ فِيْ مَسْجِدِيْ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ صَلٰوةٍ وَّصَلٰوتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ اَلْفِ صَلٰوةٍ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد کا گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز کے ثواب کے برابر ہے۔ اور مسجد محلہ میں اس کا ایک نماز پڑھنا پچیس نمازوں کے برابر ہے۔ اور اس کا جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کے ثواب کے برابر ہے اور اس کا مسجد اقصٰی میں ایک نماز پڑھنا پچاس ہزار نماز کے برابر ہے۔ اور اس کا میری مسجد (مسجد نبوی) میں ایک نماز پڑھنا پچاس ہزار نماز کے برابر ہے اور اس کا مسجد خانہ کعبہ میں

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ) ایک نماز پڑھتا ایک لاکھ نماز کے ثواب کے برابر ہے (ابن ماجہ)

لہ بعض نسخوں میں ایک ہزار کا لفظ آیا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس میں یہی درست ہے۔

٦٩٠ / ٥٩ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِي الْاَرْضِ اَوَّلَ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ الْمَسْجِدُ الْاَقْصٰى قُلْتُ كَمْ بَيْنَهُمَا قَالَ اَرْبَعُوْنَ عَامًا ثُمَّ الْاَرْضُ لَكَ مَسْجِدٌ فَحَيْثُ مَا اَدْرَكَتْكَ الصَّلٰوةُ فَصَلِّ ـ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ زمین میں پہلے کونسی مسجد تعمیر کی گئی۔ فرمایا اَلْمَسْجِدُ الْحَرَام یعنی مسجد خانہ کعبہ۔ میں نے کہا پھر کونسی۔ فرمایا پھر مسجد اقصیٰ۔ میں نے کہا ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنی مدت تھی۔ فرمایا چالیس سال۔ پھر اس کے بعد ساری زمین تیرے لیے مسجد ہے۔ جس جگہ بھی تیرے لیے نماز کا وقت ہو جائے۔ نماز پڑھ لیجئے (بخاری و مسلم)

لہ یہاں ایک اشکال پیش کیا گیا ہے۔ کہ کعبہ شریف کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور مسجد بیت المقدس کے بانی حضرت سلیمان علیہ السلام۔ اور ان دونوں بزرگوں کے درمیان ہزار سال سے [illegible] ہے۔ چالیس سال والی بات کس طرح درست ہو سکتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے مگر چالیس سال والی حدیث [illegible] کی تعمیر اول کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ نہ تو حضرت ابراہیم خانہ کعبہ کے معمار اول ہیں اور نہ ہی حضرت سلیمان [illegible] کے اول بانی ہیں۔ یہ روایت تحقیق پر مبنی ہے کہ خانہ کعبہ کے معمار اول حضرت آدم علیہ السلام [illegible] کا اولاد زمین میں پھیل گئی۔ تو ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم کی اولاد میں سے کسی نے مسجد اقصیٰ کی [illegible] پھر [illegible] دوبارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی۔

شیخ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ بے شک [illegible] اور وہ یہ کہ ابن ہشام نے کتاب التیجان میں کہا ہے کہ جب حضرت آدم نے کعبہ کی تعمیر کر لی تو اللہ تعالیٰ نے [illegible] حکم دیا کہ اب آپ بیت المقدس کو جائیں اور اس کی تعمیر کریں۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے [illegible] مسجد اقصیٰ بھی تعمیر کی۔ اور اس میں عبادت الٰہی بجا لائے۔ حضرت آدم [illegible] کعبہ کو تعمیر کرنا [illegible] کے مطابق دونوں عمارتوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ کوئی تعجب بات نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض شروح میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ السَّتْرِ

نماز میں جسم ڈھانپنے کا باب

ستر یعنی چھپانا یہاں شرمگاہ کا چھپانا مراد ہے۔ کہ یہ بھی شرائط نماز میں سے ہے مؤلف رحمۃ اللہ اس باب میں وہ احادیث لائے ہیں جو بحالت نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے لباس سے متعلق ہیں۔ اور اس بارے میں مکروہ چیز کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ نماز میں کتنی مقدار ستر عورت واجب و ضروری ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ مُشْتَمِلًا بِهٖ فِیْ بَیْتِ اُمِّ سَلَمَةَ وَاضِعًا طَرَفَیْهِ عَلٰى عَاتِقَیْهِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت عمر بن[1] ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حضرت ام سلمہ کے گھر میں ایک ہی کپڑے میں بشکل اشتمال[2] ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ اور اس کے دونوں کنارے اپنے دونوں کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔ (بخاری و مسلم[3])

[1] حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ مخزومی قرشی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے بیٹے ہیں چھوٹی عمر کے صحابی ہیں۔ آپ ہجرت کے دوسرے سال سر زمین حبشہ میں پیدا ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر نو سال تھی۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث یاد کیں ۸۳ھ میں عبدالملک کے دور خلافت میں انتقال فرمایا۔

[2] اشتمال کی صورت یہ ہے کہ کپڑے کا بائیں کنارہ جو دائیں کندھے پر ہوتا ہے۔ دائیں کندھے کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالا جائے اور کپڑے کا بائیں کنارہ جو بائیں کندھے پر ہے بائیں کندھے کے نیچے سے نکال کر دائیں کندھے پر ڈالا جائے پھر دونوں کناروں کو سینے پر باندھ دیا جائے۔ غالب یہ ہے کہ دو کناروں کو سینے پر باندھنے کی صورت اس وقت ہوتی ہے جب کہ کپڑے کے کنارے لمبے نہ ہوں اور برہنگی کا اندیشہ ہو۔ اور اگر کپڑا کھلا ہے کنارے لمبے ہیں تو پھر باندھنے کی حاجت نہیں جس طرح فقرائے یمن کے لباس سے ظاہر ہوتا ہے۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَ كُنْتُ أَنْظُرُ إِلَى عَلَمِهَا وَأَنَا فِي الصَّلٰوةِ فَأَخَافُ أَنْ يَفْتِنَنِي۔

لے آؤ کہ اس نے ابھی ابھی مجھے نماز سے غفلت میں ڈالا (بخاری) مسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں اس طرح بھی آیا ہے آپ نے فرمایا میں نماز کے اندر ان دھاریوں کو دیکھتا تھا تو مجھے خوف لاحق ہوا کہ یہ مجھے فتنہ میں ڈال دیں گی۔

سلہ۔ خمیصہ کھدر یا صوف کی اس سیاہ چادر کو کہتے ہیں جس میں دھاریاں ہوں۔ اگر اس کا رنگ سیاہ یا اس میں دھاریاں نہ ہوں تو اسے خمیصہ نہیں کہتے۔

۵۲۔ حضرت ابوجہم مشہور اور معمر صحابی ہیں۔ قریش کے عمر رسیدہ لوگوں میں سے تھے۔ یہ چادر جو انہوں نے بطور ہدیہ آپ کی خدمت اقدس میں بھیجی تھی۔ جب آپ کی نگاہ اس کی دھاریوں پر پڑی تو آپ کو ناپسند لگی اور آپ نے ان کی وہ چادر واپس بھیج دی۔

۵۳۔ انبجانیہ۔ ہمزہ کی زیر یا زبر اور نون ساکن اور بار کے کسرہ اور فتح کے ساتھ۔ ریشم کا بلکی قسم کا کمبل یا چادر۔ یہ انبجان جگہ کی طرف منسوب ہے۔ اس دوسری چادر کا ان سے واپس منگوانا اس بنا پر تھا کہ جب خمیصہ (سیاہ رنگ کی دھاری دار چادر) جو انہوں نے بطور تحفہ بھیجی تھی وہ آپ نے ان کو واپس کر دی تو ان کے دل شکستہ ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے دوسری چادر انبجانیہ ان سے منگوالی۔ اور اس دھاری دار چادر کے پسند نہ آنے کی وجہ یہ بیان فرمائی۔ فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي آنِفًا عَنْ صَلَاتِي۔ کہ بے شک اس نے مجھے میری نماز سے غافل کیا۔ یعنی میرے ذوق و حضور نماز میں فرق واقع ہوا۔

۵۴۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری صُور و نقوش، نفوس، طاہرہ اور قلوب صافیہ پر ان کے علو مقام اور کمال نزاہت کے باوجود اثر انداز ہوتی ہیں۔ نظر تحقیق کے مطابق یہ تاثیر و تبدیلی ان کے کمال صفا اور غایت لطافت کی بنا پر ہوتی ہے۔ جس طرح صاف سفید کپڑے پر ایک سیاہ داغ بھی پڑ جائے تو نمایاں نظر آتا ہے۔ اور جس قدر وہ کپڑا زیادہ سفید ہوگا اسی قدر وہ کالا نشان زیادہ نمایاں ہوگا۔ گناہوں سے آلودہ اور سیاہ دل لوگ اس حقیقت و معنی سے آگاہ نہیں ہیں۔

میرے (شیخ عبدالحق قدس سرہ) کے نزدیک یہ امت کو تعلیم اور انہیں تنبیہ ہے کہ زینت و نقش و نگار دنیوی کی طرف مائل نہ ہونا چاہیے بلکہ حقیقت پر ثابت قدم رہنا چاہیے اور اس بارے میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے اور غفلت و مشغولیت کے امور سے بچ کر رہنا چاہیے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۷۲۵ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ لَهَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی ایک جانب میں ایک

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمِیْطِیْ عَنَّا قِرَامَكِ ھٰذَا فَاِنَّہٗ لَا یَزَالُ تَصَاوِیْرُہٗ تَعْرِضُ لِیْ فِیْ صَلٰوتِیْ ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

باریک رنگین منقش پردہ لٹکا ہوا تھا۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے آگے سے یہ پردے کو ہٹا دے کہ اس کی تصاویر میری نماز میں میرے سامنے آتی رہیں۔ (بخاری شریف)

لے۔ اصل میں لفظ قرام آیا ہے۔ قاف کی زیر اور الف ساکن کے ساتھ بمعنی باریک رنگین اور منقش پردہ ظاہرًا یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پردہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیوار پر لٹکایا ہوا اور دیوار کو اس سے آراستہ کیا ہوا تھا جیسا کہتے ہیں دلہن کی ڈولی کی طرح آپ نے اس پردے سے کوئی چیز بنائی ہوئی تھی۔ بعض کہتے ہیں گھر میں جو سامان ہوتا تھا اس پردے سے اسے چھپایا ہوتا تھا کیونکہ دیواروں کو کپڑوں سے ڈھانپنا اور ان پر پردے لٹکانا ممنوع ہے حضرت عائشہ اس ممنوع فعل کا ارتکاب کیسے کر سکتی تھیں۔ تاہم ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ممانعت سے پہلے ایسا کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

۳۔ وَعَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ اُھْدِیَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَرُّوْجُ حَرِیْرٍ فَلَبِسَہٗ ثُمَّ صَلّٰی فِیْہِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَہٗ نَزْعًا شَدِیْدًا کَالْکَارِہِ لَہٗ ثُمَّ قَالَ لَا یَنْبَغِیْ ھٰذَا لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ریشمی قبا تحفہ بھیجی گئی۔ آپ نے اسے پہنا پھر اس میں نماز پڑھی پھر نماز سے فارغ ہو کر اس ریشمی قبا کو ناپسند کرنے والے کی طرح سختی سے اتارا پھر فرمایا یہ پرہیزگاروں کے لائق نہیں۔ (بخاری و مسلم)

لے۔ یعنی حضرت عقبہ بن عامر جہنی جو مشہور صحابی ہیں۔ انہوں نے یہ ہدیہ بھیجا۔

۲۔ فروج حریر۔ ریشمی قبا۔ فروج فا کی زیر اور را کی تشدید کے ساتھ آخر میں جیم۔ وہ قبا جس کا چاک پیچھے ہو جیسا کہ سواری کے لیے لیا کرتے ہیں۔ یہ اکیدنامی سردار عظم دومۃ الجندل نے ارسال کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ دوسرے نے بھیجا تھا۔

۳۔ آپ نے ریشم پہننے کی نہی سے پہلے اسے پہنا تھا۔ بعض کہتے ہیں حرمت کے بعد پہنا تھا کفار کی دلجوئی کے لیے۔ مگر بعض کا یہ قول بہت بعید اور مضمون اور سیاق حدیث کے خلاف ہے۔

۴۔ خصوصًا اس ذات کے لیے جو سب سے بزرگ تر سب سے بہتر اور تمام متقیوں کی سردار و سردار ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس کا پہننا مباح اور روا ہے مگر عزیمت و افضلیت کے مقام سے دور ہے ہو سکتا ہے ریشم کی حرمت کی ابتدا کا مقدمہ یہی ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۲۲ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ رَجُلٌ اَصِيْدُ فَاُصَلِّیْ فِی الْقَمِيْصِ الْوَاحِدِ قَالَ نَعَمْ وَازْرُرْهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ - رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى النَّسَائِیُّ نَحْوَهٗ -

حضرت سلمہ[1] بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک شکاری آدمی ہوں۔ کیا میں صرف قمیص[1] کے اندر نماز پڑھ لوں۔ فرمایا ہاں پڑھ لیا کرو مگر اسے بٹن لگا لیا کرو اگرچہ کانٹے کا ہی ہو۔ (ابوداؤد)

۱ھ۔ میں صرف ایک قمیص ہی پہنتا ہوں تاکہ شکار کے تعاقب میں آسانی کے ساتھ دوڑ سکوں۔

۲ھ۔ یعنی گریبان بند کر لیا کرو اگر وہ کھلا اور کشادہ ہو اور رکوع و سجود کے وقت برہنگی کا خطرہ ہو تو ٹھیک نہیں۔

۳ھ۔ اور نسائی نے اسی کی مثل روایت کیا۔ دوسرے الفاظ میں۔

۲۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يُّصَلِّیْ مُسْبِلٌ اِزَارَهٗ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اذْهَبْ فَتَوَضَّاْ فَذَهَبَ وَتَوَضَّاَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَكَ اَمَرْتَهٗ اَنْ يَّتَوَضَّاَ قَالَ اِنَّهٗ كَانَ يُصَلِّیْ وَهُوَ مُسْبِلٌ اِزَارَهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَلُ صَلٰوةَ رَجُلٍ مُّسْبِلٍ اِزَارَهٗ - (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اس اثناء میں کہ ایک آدمی ٹخنوں سے نیچے تہبند[1] لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا اور وضو کر وہ مرد گیا اور وضو کیا۔ پھر آیا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کس وجہ سے آپ نے اسے وضو کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا یہ شخص تہبند نیچے لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا اور بے شک اللہ تعالٰے اس آدمی کی نماز قبول نہیں کرتا جس نے تہبند ٹخنوں کے نیچے لٹکایا ہوا ہو[2]۔ (ابوداؤد)

۱ھ۔ اسبال کا معنی لغت میں ہے کپڑے کو ناز و تکبر سے اس قدر نیچے چھوڑ دینا کہ زمین سے لگ جائے۔ یہ اسبال صرف تہبند کے ساتھ خاص نہیں۔ چونکہ اس کا استعمال بیشتر تہبند میں ہوتا ہے۔ اس لیے

۱ھ۔ حضرت سلمہ بن الاکوع مشہور صحابی ہیں۔ اپنے وقت کے بڑے شجاع اور دلیر انسان تھے۔ سواروں پر پاپیادہ حملہ کرتے تھے۔

حدیث میں تہہ بند کا لفظ آگیا۔

۲۔ یعنی تکبر و غرور کی وجہ سے اسے ثواب نہ ملے گا۔ اگرچہ اصل نماز صحیح ہو جائے گی۔ اور ذمہ سے بھی ساقط ہو جائے گی۔

یہاں یہ گفتگو باقی ہے کہ نماز کا قبول نہ ہونا اسے دوبارہ وضو کا حکم دینے کی علت کیسے بن گیا۔ اس کے جواب کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اسے وضو کا حکم اس لیے دیا کہ اسے پتہ چل جائے کہ وہ معصیت کا مرتکب ہوا ہے۔ کیونکہ ان حضرات کے علم میں یہ چیز قرار پذیر ہو چکی تھی کہ وضو خطاؤں کو مٹاتا ہے۔ اور گناہوں کی بخشش کا وسیلہ اور ذریعہ ہے اور یہ وضو گناہوں کے اسباب، غصہ و غضب وغیرہ کو بھی دور کرتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا اس کے با طہارت ہونے کے باوجود اسے دوبارہ وضو کا حکم دینے میں یہ راز ہو سکتا ہے کہ وہ شخص فکر مند ہو اور اپنے اس فعل کی قباحت کو محسوس کرے کہ اس نے اس کا ارتکاب کیوں کیا اور اس وجہ سے بھی وضو کا دوبارہ حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری طہارت کا حکم دینے کی برکت سے اللہ تعالےٰ باطن کو تکبر و غرور سے جو اسبال (تہہ بند نیچے لٹکانے) کا موجب بنا، سے پاک کر دے گا۔ کیونکہ ظاہری طہارت باطنی طہارت کے پیدا کرنے میں موثر ہے۔

ظاہری طور پر سمجھ میں یوں آتا ہے کہ اسبال وضو توڑ دیتا ہے یا وضو میں کراہت کا موجب ہے۔ مگر متاخرین نے اس کا بیان ایسے ہی کیا ہے جو یہاں مذکور ہوا۔ (طرب سمجھ لے)

۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ حَائِضٍ اِلَّا بِخِمَارٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بالغ عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی مگر دوپٹے کے ساتھ۔ (ابوداؤد، ترمذی)

۱۔ بالغہ عورت یعنی جو حیض آنے کی عمر کو پہنچ چکی ہو۔ اس کی نماز قبول نہیں ہوتی مگر سر پوش (دوپٹے) کے ساتھ۔ خمار خا کی زیر کے ساتھ یعنی ایسی چیز جس سے سر کو چھپایا جائے۔ اب اس کا استعمال عورتوں کے سر پوش میں ہوتا ہے صراح میں کہا خمار بکسر معجر زنان (عورتوں کا سر پوش) یعنی عورت کے سر اور اس کے بالوں کا نماز میں چھپانا واجب و ضروری ہے۔ یہ مسئلہ آزاد عورت کے لیے ہے۔ لونڈی کا سر ننگے نماز میں پڑھنا جائز ہے۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں سے معلوم ہو چکا ہے۔

۱۰ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّهَا سَاَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُصَلِّيْ	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ کیا

اَلْمَرْاَۃُ فِیْ دِرْعٍ وَّخِمَارٍ لَیْسَ عَلَیْھَا اِزَارٌ قَالَ اِذَا کَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا یُغَطِّیْ ظُھُوْرَ قَدَمَیْھَا۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَذَکَرَ جَمَاعَۃً وَقَفُوْہُ عَلٰی اُمِّ سَلَمَۃَ۔

عورت قمیص اور چادر میں کہ تہبند پہنے ہوئے نہ ہو نماز پڑھ سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا جبکہ اس کی قمیص اتنی بڑی اور کھلی ہو کہ وہ پاؤں کی پشتوں کو بھی چھپالے (تو جائز ہے) ۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور بیان کیا کہ ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے اس حدیث کا وقف حضرت ام سلمہ پر کیا ہے یعنی اس قول نے کہا ہے یہ حضرت ام سلمہ کا قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک نہیں اور حدیث موقوف کا معنیٰ مقدمہ میں بیان ہو چکا ہے۔

۲ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ السَّدْلِ فِی الصَّلٰوۃِ وَاَنْ یُّغَطِّیَ الرَّجُلُ فَاہُ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سدل[1] سے منع فرمایا۔ اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آدمی نماز کے اندر اپنا منہ ڈھانپ[2] کر رکھے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

[1] سدل کی صورت یہ ہے کہ کپڑا سر اور کندھوں پر ڈال لیا جائے۔ اور کنارے نیچے لٹکا دیے جائیں۔ چادر شانہ پر ڈالنا اور اس کے کنارے نیچے لٹکانا بھی سدل اور منع ہے۔ قبا پہننا اور ہاتھ اس کی آستینوں میں نہ ڈالنا۔ بلکہ اندر رکھنا اور آستینوں کا لٹکنا بھی سدل ہے اور منع ہے۔

[2] یعنی منہ کو نماز میں کپڑے یا ہاتھ سے ڈھانپنا۔ بعض شارحین نے سدل کی تفسیر اس سے کی ہے کہ منہ کی تلثیم کی جائے یعنی دستار کے ایک کنارے سے منہ کو باندھ دیا جائے۔ اس سے ممانعت کا سبب و باعث یہ ہے کہ یہ یہود کا فعل ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ عورتوں کی سیرت و عادت ہے۔ بعض کہتے ہیں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے نماز کی قرأت اور اس کے حسن میں رکاوٹ واقع ہوتی ہے۔ ڈکار مارنے والا اور وہ آدمی جس کے منہ سے بدبو آتی ہو اس ممانعت سے مستثنیٰ ہے۔ بلکہ ان صورتوں میں ہاتھ سے منہ کو بند کرنا مستحب و مستحسن ہے۔

۳ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْیَھُوْدَ فَاِنَّھُمْ لَا یُصَلُّوْنَ فِیْ نِعَالِھِمْ وَلَا خِفَافِھِمْ۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کی مخالفت کرو کہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ) (ابوداؤد شریف)

ــلــہ۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ گمراہ لوگوں کی مخالفت کے اظہار کے لیے رخصت پر عمل کرنا بھی مستحسن و مرغوب چیز ہے کہ اس میں ان کی مخالفت پائی جاتی ہے، اس لیے رخصت سے نکل کر عزیمت کے حکم میں ہو چکی ہے۔

۱۱ / ۱۲ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ بَیْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ بِاَصْحَابِہٖ اِذْ خَلَعَ نَعْلَیْہِ فَوَضَعَھُمَا عَنْ یَّسَارِہٖ فَلَمَّا رَاٰی ذٰلِکَ الْقَوْمُ اَلْقَوْا نِعَالَھُمْ فَلَمَّا قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوتَہٗ قَالَ مَا حَمَلَکُمْ عَلٰی اِلْقَائِکُمْ نِعَالَکُمْ قَالُوْا رَاَیْنَاکَ اَلْقَیْتَ نَعْلَیْکَ فَاَلْقَیْنَا نِعَالَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ جِبْرِیْلَ اَتَانِیْ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ فِیْھِمَا قَذَرًا اِذَا جَآءَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَنْظُرْ فَاِنْ رَاٰی فِیْ نَعْلَیْہِ قَذَرًا فَلْیَمْسَحْہُ وَلْیُصَلِّ فِیْھِمَا۔

رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ وَالدَّارِمِیُّ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اس اثنا میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ نماز ادا فرما رہے تھے کہ اچانک آپ نے اپنے نعلین مبارک اتار دیے اور اپنی بائیں طرف رکھ لیے۔ جب قوم نے یہ بات دیکھی تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اتار دیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز پوری کر چکے تو فرمایا تمہیں کس چیز نے تمہارے جوتے اتارنے پر آمادہ کیا۔ صحابہ نے عرض کیا ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے جوتے اتار دیے ہیں ہم نے بھی جوتے اتار دیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میرے پاس جبریل آئے اور مجھے خبر دی کہ دونوں جوتوں میں نجاست ہے جب تم سے کوئی مسجد میں آئے تو دیکھے اگر جوتوں پر کچھ نجاست لگی ہے تو اسے کسی چیز کے ساتھ صاف کر دے اور ان میں نماز پڑھے۔

(ابوداؤد، دارمی)

ــلــہ۔ شاید کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کوئی نہ تھا ورنہ بائیں جانب جوتا رکھنے کے اس بارے میں نہی آچکی ہے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

ــلــہ۔ قذر قاف اور ذال کے فتح کے ساتھ یعنی پلیدی اور وہ چیز جس سے طبیعت نفرت کرے، ظاہر یہ ہے کہ نعلین مبارک کو کوئی ایسی نجاست نہیں لگی ہوئی تھی جس سے نماز درست نہ ہو، بلکہ کوئی ایسی چیز لگی ہوئی تھی جس سے طبیعت نفرت کرے، ورنہ آپ ازسرنو نماز پڑھتے۔ کیونکہ کچھ نماز ادا کر چکے تھے۔ حضرت جبریل کا آپ کو اطلاع دینا اور آپ کا نعلین شریف اتار دینا کمال طہارت و نظافت کی بنا پر تھا جو کہ آپ کی طبیعت شریف کے لائق تھا

بعض شافعی حضرات کہتے ہیں کہ نسیان کی بنا پر اگر نجاست لگی رہے تو اس سے نماز کی درستی میں فرق نہیں پڑتا۔ اس حدیث کے ظاہر پر نگاہ کرتے ہوئے یہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کا قول قدیم ہے۔

۵ جیسا کہ باب تطہیر النجاسات میں گزرا۔

۷۱۱/۱۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلَا یَضَعْ نَعْلَیْهِ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَلَا عَنْ یَسَارِهٖ فَتَکُوْنَ عَنْ یَمِیْنِ غَیْرِهٖ اِلَّا اَنْ لَّا یَکُوْنَ عَلٰی یَسَارِهٖ اَحَدٌ وَّلْیَضَعْهُمَا بَیْنَ رِجْلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ اَوْ لِیُصَلِّ فِیْهِمَا رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَرَوَی ابْنُ مَاجَةَ مَعْنَاهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اپنا جوتا اپنے دائیں اور بائیں نہ رکھے کہ اگر اپنی بائیں رکھے گا تو وہ دوسرے کی دائیں جانب ہو جائے گا[۱]۔ اور رہا یہ ہے کہ اپنے سامنے رکھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان میں نماز پڑھ لے اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے اس کا معنیٰ روایت کیا۔

۱ یعنی اگر اپنی بائیں جانب رکھے گا تو دوسرے کی دائیں جانب ہو جائے گا جو اس کے بائیں جانب کھڑا ہے۔ اور جب کہ اپنی دائیں جانب جوتا رکھنا پسند نہیں کرتا تو دوسرے کی دائیں جانب رکھنا کیوں پسند کرے گا۔

بیت۔

ہر چہ بر جانِ خویش نپسندی | نیز بر جانِ دیگرے مپسند
جو چیز تو اپنے لیے پسند نہیں کرتا | دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کر۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۷۱۲/۱۵ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَرَاَیْتُهٗ یُصَلِّیْ عَلٰی حَصِیْرٍ یَّسْجُدُ عَلَیْهِ قَالَ وَرَاَیْتُهٗ یُصَلِّیْ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ مُّتَوَشِّحًا بِهٖ ـ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ چٹائی پر نماز پڑھ رہے تھے اس پر سجدہ کر رہے تھے[۱]۔ ابوسعید کہتے ہیں اور میں نے دیکھا آپ بشکل اشتمال ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے (مسلم شریف)

۱ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی چیز پر نماز پڑھنا اور سجدہ کرنا جائز ہے جو زمین اور پیشانی کے درمیان حائل ہو

خواہ وہ چیز زمین سے اُگنے والی چیزوں میں سے ہو یا دوسری چیزوں میں سے ۔ اور اس حدیث میں اگرچہ حصیر (چٹائی) کی تخصیص ہے مگر دوسرے دلائل موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کپڑے یا صوف پر بھی جائز ہے۔ بعض کہتے ہیں جو چیز زمین کی روئیدگی میں سے نہ ہو اس پر ٹھیک نہیں۔

۷۱۳/۱۶ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ حَافِيًا وَّ مُنْتَعِلًا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور اپنے دادا سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ پا برہنہ نماز پڑھتے تھے اور جوتے کے ساتھ بھی۔ (ابوداؤد)

۷۱۴/۱۷ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ صَلّٰى بِنَا جَابِرٌ فِيْ اِزَارٍ قَدْ عَقَدَهٗ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهٗ مَوْضُوْعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ فَقَالَ لَهٗ قَائِلٌ تُصَلِّيْ فِيْ اِزَارٍ وَّاحِدٍ فَقَالَ اِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ لِيَرَانِيْ اَحْمَقُ مِثْلُكَ وَاَيُّنَا كَانَ لَهٗ ثَوْبَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت محمد بن المنکدر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ایک تہہ بند میں بیشک آپ نے اپنی گردن کے پیچھے گرہ لگائی ہوئی تھی۔ اور ان کے کپڑے کھونٹی پر رکھے ہوئے تھے ایک کہنے والے نے ان سے کہا آپ ایک تہبند میں نماز پڑھ رہے ہیں حضرت جابر نے فرمایا میں نے ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ تیرے جیسا احمق مجھے دیکھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کس کے پاس دو کپڑے ہوتے تھے۔ (بخاری)

۱ـــــ آپ تابعی ہیں۔ حضرت جابر حضرت انس حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی۔

۲ـــــ حضرت جابر بن عبداللہ مشہور انصاری صحابی ہیں۔ یہ چادر آپ نے گردن پر باندھی تھی وہ وہی چادر تھی جسے بطور تہہ بند آپ پہنتے تھے۔ آپ نے گردن تک بلند کر کے اس کے کناروں کو گردن سے باندھ دیا اسے ہی پہن کر نماز پڑھی۔

۳ـــــ مشجب تیم کی زیر شین ساکن اور جیم کا زبر کے ساتھ یعنی چند لکڑیاں جن کے سرے ملا دیتے ہیں اور ان کے پاؤں کھلے کر دیتے ہیں۔ ان پر کپڑے رکھ دیتے ہیں کبھی ان کے ساتھ پانی کی مشک بھی لٹکا دیتے ہیں تاکہ پانی سرد ہو جائے۔ یہاں (دہلی) کے لوگ اسے تپائی کہتے ہیں۔

۱۹؎ اور جان لے کہ ایک کپڑے میں بھی نماز جائز ہے اور سنت کے خلاف نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اسے احمق اس لیے کہا کہ اس نے غور کرنے اور سوال سے پہلے اعتراض کر دیا۔ اس میں اس امر پر بھی تنبیہ ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ترک سنت کا اعتراض۔ طعن نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے۔ اگر بظاہر ٹھیک دکھائی نہ دے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے اہل استقامت علماء راسخین سے سوال و استفسار کرنا درست ہے مگر ان پر اعتراض اور انکار ٹھیک نہیں ہے۔

۱۵۱ وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ الصَّلٰوةُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ سُنَّةٌ كُنَّا نَفْعَلُهٗ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يُعَابُ عَلَيْنَا فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اِنَّمَا كَانَ ذَاكَ اِذْ كَانَ فِي الثِّيَابِ قِلَّةٌ فَاَمَّا اِذَا وَسَّعَ اللّٰهُ فَالصَّلٰوةُ فِي الثَّوْبَيْنِ اَزْكٰى۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابی[۱] بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سنت[۲] ہے ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے اور یہ ہمارے لیے کوئی عیب نہ تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ اس وقت کی بات ہے جب کپڑوں کی قلت تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے وسعت و کشادگی عطا کر دی تو پھر دو کپڑوں میں ادا کرنا زیادہ بہتر اور زیادہ ثواب کی چیز ہے[۳]۔ (احمد)

۱؎ آپ مشاہیر و علماء صحابہ میں سے ہیں۔ کاتب وحی اور حافظ قرآن ہیں۔ آپ کے مناقب بے شمار ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو سید المسلمین کہا کرتے تھے۔

۲؎ یعنی یہ دین کا وہ راستہ ہے جس پر لوگ چلے ہیں۔ اور یہ جائز و درست ہے۔

۳؎ کہ دو کپڑوں میں حسن ادب، اظہار نعمت اور اپنی ہیئت کی تحسین پائی جاتی ہے۔

بَابُ السُّتْرَةِ

سترہ کا باب

سترہ سین کی پیش اور تا ساکن کے ساتھ۔ وہ چیز جس سے کسی چیز کو چھپایا جائے۔ یہاں وہ چیز مراد ہے جو نمازی کے آگے کھڑی کی جاتی ہے جس سے اس کی سجدہ گاہ متمیز اور واضح ہو جاتی ہے تاکہ گزرنے والا نمازی کے آگے سے نہ

گز سے، یہ سترہ دیوار، ستون اور لکڑی وغیرہ کا ہو سکتا ہے، چاہیے کہ سترہ کی لمبائی گز سے کم اور موٹائی انگشت سے کم نہ ہو۔ سترہ کے احکام احادیث میں آرہے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۷۳۱/۱ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْدُوْ اِلَى الْمُصَلّٰى وَالْعَنَزَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ تُحْمَلُ وَتُنْصَبُ بِالْمُصَلّٰى بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّيْ اِلَيْهَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح سویرے اٹھ کر عیدگاہ کو جاتے تھے۔ چھڑی بھی آپ کے آگے آگے لے جائی جاتی تھی اور آپ کی جائے نماز کے آگے گاڑھ دی جاتی تھی، آپ اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری شریف)

۱؎ عَنَزَة تین زبروں کے ساتھ۔ چھوٹے نیزے کو کہتے ہیں جس کے آگے لوہے کا پھالا لگا ہوتا ہے۔ ایک گز لمبا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یوں تھی کہ آپ کے خادم مختلف کاموں کے لیے ساتھ لے کر چلتے تھے۔ ان میں سے ایک کام یہ ہوتا تھا کہ نماز میں اس کا سترہ بناتے تھے۔

۷۳۲/۲ وَعَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ وَهُوَ بِالْاَبْطَحِ فِيْ قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ اَدَمٍ وَرَاَيْتُ بِلَالًا اَخَذَ وَضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُوْنَ ذَالِكَ الْوَضُوْءَ فَمَنْ اَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهٖ وَمَنْ لَّمْ يُصِبْ مِنْهُ اَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهٖ ثُمَّ رَاَيْتُ بِلَالًا اَخَذَ عَنَزَةً فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مُشَمِّرًا صَلّٰى اِلَى

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں جو وادی ابطح میں ہے چمڑے کے سرخ رنگ کے خیمہ میں دیکھا اور میں نے بلال کو دیکھا کہ انہوں نے آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی پکڑ رکھا تھا میں نے دیکھا کہ لوگ اس پانی کے حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھتے جس شخص کو اس پانی میں سے کچھ مل جاتا وہ اسے اپنے جسم پر مل لیتا اور جسے کچھ نہ ملتا وہ اپنے ساتھی سے تری حاصل کرتا۔ پھر میں نے دیکھا کہ حضرت بلال نے وہ چھڑی لی اور اسے گاڑھ دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پنڈلی تک ازار مبارک اٹھائے ہوئے سرخ جوڑے میں باہر نکلے۔ آپ نے چھڑی

الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ وَ رَأَيْتُ النَّاسَ وَ الدَّوَابَّ يَمُرُّوْنَ بَيْنَ يَدَيِ الْعَنَزَةِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کی طرف منہ کر کے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی اور میں نے دیکھا کہ لوگ اور مویشی چھڑی کے آگے سے گزر رہے تھے۔[۵]
(بخاری و مسلم)

ا۔ جحیفہ پہلے جیم شوم پھر حائے مفتوح کے ساتھ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ خورد سال صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے وقت آپ حد بلوغت کو نہ پہنچے تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث پاک سنی۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوفہ کے بیت المال کا محافظ مقرر کیا تھا۔

۲۔ اَلْبَطْحِ مکہ سے منیٰ جاتے ہوئے راستے میں ایک وادی ہے۔ اسے محصب اور بطحا کہتے ہیں مکہ معظمہ کو بھی اس وادی کی مناسبت سے بطحا کہہ دیتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی مناسبت سے ابطحی کہتے ہیں۔ ابطح دراصل پانی کے ایسے بہاتی نالے کو کہتے ہیں جس میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں بھی ہوں۔

۳۔ اَدَم دو زبروں کے ساتھ دباغت شدہ چمڑے کو کہتے ہیں۔

۴۔ حلہ یعنی چادر و تہبند دو کپڑوں میں جن میں سرخ دھاریاں تھیں جس طرح ہمارے علاقوں (ہندوستان) میں لاچہ ہوتا ہے۔ سرخ سے یہ مراد نہیں کہ آپ نے خالص سرخ لباس زیب تن کیا تھا کہ اس کا پہننا مکروہ تحریمہ کی حد تک ممنوع ہے۔ اس کی تحقیق باب لباس میں ان شاء اللہ آئے گی۔

۵۔ اس سے معلوم ہوا کہ سترہ کھڑا کرنے کے بعد انسانوں اور غیر انسانوں کے نمازی کے آگے سے گزرنے میں کوئی نقصان نہیں اور سترہ کے آگے سے گزرنے والے گناہ گار نہ ہوں گے۔

۷۵۴ وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ يُعَرِّضُ رَاحِلَتَهُ فَيُصَلِّيْ اِلَيْهَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ زَادَ الْبُخَارِيُّ قُلْتُ اَفَرَاَيْتَ اِذَا هَبَّتِ الرِّكَابُ قَالَ كَانَ يَأْخُذُ الرَّحْلَ فَيُعَدِّلُهٗ فَيُصَلِّيْ اِلٰى اٰخِرَتِهٖ۔

حضرت نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سواری کو[۱] چوڑائی میں بٹھاتے تھے پھر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے بخاری و مسلم اور بخاری نے یہ عبارت زیادہ کی۔ میں نے کہا تو مجھے بتلائیں اگر مویشی پھرنے لگیں۔[۲] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کجاوے کو پکڑتے اور اسے برابر[۳] رکھتے اور اس کی پچھلی لکڑی[۴] کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

ا۔ یُعَرِّضُ۔ یا کی زبر عین ساکن را کی پیش کے ساتھ۔ را کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ مگر را پر پیش پڑھنا

زیادہ فصیح ہے۔ اور یا کی پیش عین کی زبر اور را مشدد کی زیر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ عرض یا تعریض بمعنی جانور کو چوڑائی میں بٹھانا۔

۲۔ یعنی جب اونٹ چارہ چرنے اور پانی پینے کے لیے ادھر ادھر چل پھر رہے ہوں تو اس وقت آپ کیا کرتے تھے۔

۳۔ یُعَدِّلُہٗ یا یُعْدِلُہٗ۔ کا معنی ہے کجاوے کو سیدھا اور ٹھیک کر کے رکھتے۔

۴۔ آخرتہ۔ کجاوے کی پچھلی لکڑی۔ آخِرَۃ مد اور بغیر مد کے سا اور خا کی زیر کے ساتھ بمعنی وہ لکڑی جس کے ساتھ شتر سوار تکیہ لگاتا ہے۔ چونکہ یہ لکڑی بلند ہوتی ہے اس لیے آپ نماز میں اس کا سترہ بناتے تھے۔

۷۱۹ وَعَنْ طَلْحَۃَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا وَضَعَ اَحَدُکُمْ بَیْنَ یَدَیْہِ مِثْلَ مُؤَخِّرَۃِ الرَّحْلِ فَلْیُصَلِّ وَلَا یُبَالِ مَنْ مَرَّ وَرَآءَ ذٰلِکَ۔
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی کجاوے کی پچھلی لکڑی[1] کی طرح اپنے سامنے رکھ لے اور نماز پڑھے پھر سترہ کے آگے سے جو کچھ گزرے اس کی پرواہ نہ کرے[2]۔
(مسلم شریف)

۱۔ مُؤَخِّرَۃ۔ میم کی پیش، ہمزہ ساکن خا کے کسرہ اور فتح کے ساتھ اور میم کی پیش ہمزہ کی زبر خا کی شد کے ساتھ بمعنی آخرۃ یعنی پالان کی پچھلی لکڑی۔ آخرۃ مؤخرۃ سے زیادہ فصیح ہے۔ یہاں تک کہ علماء نے کہا ہے کہ حضور نے تو لفظ آخرۃ الرحل ہی فرمایا تھا۔ آگے راوی نے اپنی لغت سے اسے مؤخرۃ بروایت کہہ دیا۔ قریش کی لغت تمام عرب سے زیادہ فصیح ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افصح قریش ہیں۔

۲۔ کہ اس سے اس کے خشوع میں فرق نہ آئے گا یا گزرنے والے پر کوئی حرج نہیں اور سترہ کافی ہو گا۔

۷۲۰ وَعَنْ اَبِیْ جُھَیْمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ یَعْلَمُ الْمَآرُّ بَیْنَ یَدَیِ الْمُصَلِّیْ مَاذَا عَلَیْہِ لَکَانَ اَنْ یَّقِفَ اَرْبَعِیْنَ خَیْرًا لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّمُرَّ بَیْنَ یَدَیْہِ قَالَ اَبُو النَّضْرِ لَا اَدْرِیْ قَالَ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا اَوْ

حضرت ابو جہیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا جان سکے اس پر کتنا گناہ لازم آتا ہے تو اس کے لیے چالیس تک کھڑے رہنا آگے گزرنے سے بہتر تھا۔ ابو النضر[1] نے کہا میں نہیں جانتا کہ چالیس دن فرمایا یا چالیس مہینے یا چالیس سال[2]۔

شَهْرًا اَوْ سَنَةً -

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

۱ - ابو جہیم جیم کی پیش - ہا کی زیر اور یا ساکن کے ساتھ - آپ مشہور صحابی ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ہمشیرہ زادہ ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ امارت تک زندہ رہے۔

۲ - ابو النضر مناد کے ساتھ اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں۔

۳ - دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے چالیس سال فرمایا۔ اور مبالغہ بھی اسی میں ہے۔

[۲] وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی شَیْءٍ یَسْتُرُہٗ مِنَ النَّاسِ فَاَرَادَ اَحَدٌ اَنْ یَّجْتَازَ بَیْنَ یَدَیْہِ فَلْیَدْفَعْہُ فَاِنْ اَبٰی فَلْیُقَاتِلْہُ فَاِنَّمَا ھُوَ شَیْطَانٌ ھٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ مَّعْنَاہُ

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں کوئی آدمی کسی چیز کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے جو اسے لوگوں سے ڈھانک[۱] لے (سترہ بن جائے) پھر کوئی آدمی ستر سے اور نمازی کے درمیان سے گزرنا چاہے تو اسے ہٹادے اگر باز نہ آئے تو اس سے لڑے[۲] کہ بیشک وہ شیطان[۳] ہے۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور مسلم نے دوسرے الفاظ میں اس معنی کو روایت کیا۔

۱ - یعنی اسے سترہ بنالے کہ وہ چیز اس کے اور لوگوں کے درمیان حائل ہوجائے۔

۲ - ایک روایت میں فَلْیَقْتُلْہُ آیا ہے یعنی چاہیے کہ اسے قتل کردے۔ یہ اسے ہٹانے اور باز رکھنے میں مبالغہ ہے علماء نے کہا ہے اگر کسی نے ایسی چیز کے ساتھ اسے ہٹایا جس سے ہٹانا عموماً جائز اور درست ہوتا ہے مگر وہ اس چیز کے لگنے سے مرگیا تو قصاص واجب نہ ہوگا۔ مگر دیت میں اختلاف ہے۔

۳ - یعنی وہ شیطانی کام کرنے والا ہے کہ نمازی کے خشوع و خضوع کو برباد کرتا ہے۔ یا انسانوں میں سے شیطان مراد ہے کہ شیطان کا اطلاق جن و انس دونوں پر ہوتا ہے۔ اور شریر لوگوں کو شیطان الانس کہتے ہیں۔

[۳] وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَقْطَعُ الصَّلٰوۃَ الْمَرْاَۃُ وَالْحِمَارُ وَالْکَلْبُ وَیَقِیْ ذٰلِکَ مِثْلُ مُؤْخِرَۃِ الرَّحْلِ -

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کی نماز کو عورت، گدھا اور کتا باطل کر دیتے ہیں۔ اور اسے باطل ہونے سے بچالیتی ہے کجاوے کی پچھلی لکڑی کی مانند چیز[۱]۔

اسے مسلم نے روایت کیا۔

لہ یعنی کجاوے کی پچھلی لکڑی کی مانند کسی چیز کو سترہ کے طور پر اگر نمازی نے سامنے رکھ لیا تو پھر نماز باطل نہ ہوگی جیسا کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا۔

واضح ہو کہ صحابہ وغیرہم علماء کرام اس پر ہیں کہ ان میں سے کوئی چیز بھی نمازی کی نماز کو باطل نہیں کرتی یہ مذکورہ تین چیزیں ہوں یا ان کے علاوہ اور احادیث جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں سترہ قائم کرنے کی تاکید اور زور دینے پر محمول ہیں۔ یا باطل وقطع کرنے سے مراد یہ ہے کہ نماز کے خشوع وخضوع کو جو نماز کا سر اور اس کی روح ہے، باطل کرتے ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ قریب ہے کہ نمازی کی نماز باطل ہو جائے۔ نمازی کا دل اس جانب مشغول ہو جانے کی وجہ سے۔ ان تین چیزوں کی تخصیص اس بنا پر کی کہ ان کے ساتھ دل زیادہ مشغول ہوتا ہے۔ عورت میں تو یہ بات ظاہر ہے اور گدھے سے اس بنا پر کہ اس کے ساتھ عموماً بیشتر شیطان رہتا ہے۔ جیسا کہ گدھے کے ڈانکنے کے وقت اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے کے استحباب سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور کتے سے اس وجہ سے کہ اس میں سخت نجاست پائی جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حائضہ عورت اور سیاہ کتے کے گزرنے سے نماز قطع اور باطل ہو جاتی ہے۔ یہ قول حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

۷۴۳ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ وَاَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ كَاعْتِرَاضِ الْجَنَازَةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز پڑھتے اور میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان اس طرح پڑی ہوتی تھی جس طرح جنازہ پڑا ہوتا ہے لہ (بخاری ومسلم)

لہ مطلب یہ ہے کہ میرا پورا جسم آپ کے آگے پڑا ہوتا تھا یہ نہیں کہ جسم کا کوئی ایک عضو سامنے ہوتا تھا اس کی ہر طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے عورت کے سامنے آنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

۷۴۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلٰى اَتَانٍ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ بِمِنًى اِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ وَاَرْسَلْتُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں گدھی پر سوار ہو کر آیا میں اس وقت بلوغت کے قریب تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے آپ کے سامنے کوئی دیوار وغیرہ سترہ نہ تھی۔ میں صف کے ایک حصے کے آگے سے گزرا اور گدھی سے نیچے اترا اور اسے چرنے کے

اَلْاَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ اَحَدٌ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لیے چھوڑ دیا۔ اور خود صف میں شامل ہو گیا کسی نے میرے اس عمل پر انکار نہ کیا۔

(بخاری و مسلم)

ف۱۔ لفظ اتان کا استعمال حضرہ ہمزہ کی زبر اور زیر دونوں سے آیا ہے۔ حمار کا لفظ مذکر و مونث دونوں کے لیے آتا ہے مگر اتان کا لفظ گدھی کے ساتھ خاص ہے اور اتانہ بھی آیا ہے۔ گدھی کے ذکر سے اس جانب اشارہ ہے کہ اگر گدھی کے آگے سے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی تو عورت کے گزرنے سے بھی نہیں ٹوٹتی۔

ف۲۔ میرے گدھی پر سوار ہو کر صفوں کے آگے سے گزرنے پھر اسے صفوں کے سامنے چرنے کے لیے چھوڑنے پر کسی نے اعتراض نہ کیا کہ ہماری نماز ٹوٹ گئی کیونکہ مادہ خر کے سامنے آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی پھر میں اس وقت بالغ بھی نہ تھا یا بالغ ہونے کے قریب تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۷۲۵ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ شَيْئًا فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصَاهُ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مَّعَهٗ عَصًا فَلْيَخْطُطْ خَطًّا ثُمَّ لَا يَضُرُّهٗ مَا مَرَّ اَمَامَهٗ ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے سامنے کوئی چیز کر لے[۱] اور اگر کوئی چیز نہ ملے تو اپنی لاٹھی کھڑی کر لے[۲] اگر اس کے پاس عصا بھی نہ ہو تو زمین پر خط کھینچ لے۔ پھر اسے آگے گزرنے والی کوئی چیز مضر نہ دے گی[۳]۔

(ابوداؤد)

(ابن ماجہ)

ف۱۔ جیسے دیوار، درخت اور ستون وغیرہ۔

ف۲۔ اگر نرم زمین میں گاڑ دے اور اگر زمین سخت ہو تو عصا کو اپنے سامنے طولاً رکھ دے عرضاً نہ رکھے۔ تاکہ گاڑنے کی طرح ہو جائے۔

ف۳۔ کہ اس کے خشوع کو باطل نہ کرے گی۔

واضح ہو کہ زمین پر خط کھینچنا امام شافعی کا قول قدیم اور امام احمد کا قول ہے۔ ہمارے مشائخ متاخرین میں سے بھی بعض خط کے قائل ہیں۔ ہمارے اکثر مشائخ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خط کا کوئی اعتبار نہیں۔

امام نے فرمایا الخط لیس بشی۔ خط کوئی چیز نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے بھی اپنے قول جدید میں خط کی نفی کی ہے اور کہا کہ اس بارے میں وارد حدیث ضعیف اور مضطرب ہے۔ پھر خط رکاوٹ بننے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور دور سے متمیز اور دکھائی نہیں دیتا۔ صاحب ہدایہ کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اتباع کے لیے سنت اولیٰ اور سا نفل ہے) خط کھینچنا کچھ نہ کچھ ظہور و امتیاز رکھتا ہے۔ اطمینان کا موجب بھی بن جاتا ہے۔ اور انتشار و اضطراب دور ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد خط کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ہلال کی شکل میں معتبر ہے۔ بعض کے نزدیک جانب قبلہ لمبائی میں۔ اور بعض کے نزدیک دائیں بائیں چوڑائی میں۔ مگر مختار قول یہ ہے کہ لمبائی میں کھینچا جائے جیسا کہ بعض شروح میں مذکور ہے۔

۷۲۹/۱۱ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى سُتْرَةٍ فَلْيَدْنُ مِنْهَا لَا يَقْطَعُ الشَّيْطَانُ عَلَيْهِ صَلٰوتَهُ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ)	حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی سترے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو چاہیے کہ اس کے قریب ہو جائے کہ شیطان اس کی نماز باطل نہ کر سکے گا۔ (ابوداؤد)

ے۔ سہل حائے مہملہ کی فتح اور حزم کے ساتھ آپ چھوٹی عمر کے صحابی ہیں۔ ہجرت کے تیسرے سال پیدا ہوئے۔ انصاری ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ امارت میں فوت ہوئے ان سے چند احادیث مروی ہیں۔

ے۔ تاکہ سجدہ بقدر امکان اس کے قریب واقع ہو۔

ے۔ کہ اس طرح نہ تو ابلیس وسوسہ ڈالے گا اور نہ اس پر قادر ہو سکے گا کیونکہ اگر وہ دور کھڑا ہو گا تو نمازی اور سترے کے درمیان سے گزرنے کا احتمال ہے اور اس سے دل میں وسوسہ آئے گا۔

۷۲۷/۱۲ وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ إِلَى عُوْدٍ وَلَا عَمُوْدٍ وَلَا شَجَرَةٍ إِلَّا جَعَلَهُ عَلَى حَاجِبِهِ الْأَيْمَنِ أَوِ الْأَيْسَرِ وَلَا يَصْمُدُ لَهُ صَمْدًا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ)	حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہوں مگر آپ اسے اپنے دائیں یا بائیں ابرو کے سامنے رکھتے تھے اسے بالکل سامنے نہ رکھتے تھے۔ (ابوداؤد)

ے۔ یعنی ایسے نہ کرتے تھے کہ وہ دونوں آنکھوں کے درمیان آئے بلکہ آپ تھوڑا ادھر یا ادھر رکھتے تھے

تاکہ بتوں کی عبادت سے مشابہ نہ ہو جائے اس میں آپ کی کمال پاکیزگی کی جانب اشارہ ہے جو اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

۷۴۵ وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ، أَتَانَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي بَادِيَةٍ لَنَا وَمَعَهُ عَبَّاسٌ فَصَلَّى فِي الصَّحْرَاءِ لَيْسَ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةٌ وَحِمَارَةٌ لَنَا وَكَلْبَةٌ تَعْبَثَانِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَا بَالَى بِذٰلِكَ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَلِلنَّسَائِيِّ نَحْوُهٗ)

حضرت فضل[۱] بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم لوگ اپنے ایک جنگل[۲] میں تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عباس بھی تھے۔ تو آپ نے صحرا میں نماز پڑھی آپ کے سامنے کوئی سترہ[۳] نہ تھا اور ہماری ایک گدھی اور کتیا دونوں آپ کے سامنے کھیل رہی تھیں آپ نے ان کی کوئی پرواہ[۴] نہ کی۔ (ابوداؤد اور نسائی)

۱۔ فا کی زبر اور ضاد ساکن یہ حضرت ابن عباس کے بھائی کا نام ہے۔

۲۔ عربوں کی عادت ہے کہ شہر سے باہر آجاتے ہیں۔ اور جنگل میں خیمہ زن ہوتے اور اسے اپنی منزل بنا لیتے ہیں اور چند روز وہاں گزارتے ہیں۔ ہر گروہ و جماعت کا ایک جنگل اور جگہ مخصوص ہوتی ہے۔ جس میں وہ رہتے ہیں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت عباس رضی اللہ عنہ کے بادیہ (جنگل) میں تشریف لائے۔

۳۔ یعنی دیوار یا درخت یا لاٹھی وغیرہ کسی چیز کا سترہ سامنے نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سترہ رکھنا ضروری نہیں بلکہ ایک مستحب چیز ہے۔ وہ بھی اس صورت میں جب کہ وہ جگہ لوگوں کی گزرگاہ ہو۔

۴۔ یعنی آپ نے ان کی پرواہ نہ کی اور حمارۃ، کلبۃ میں تا یا تانیث کے لیے ہے یا وحدت کی ہے۔

۷۴۶ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ وَادْرَءُوْا مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی چیز نماز کو باطل نہیں کرتی۔ اور اپنی طاقت کے مطابق چیز کو آگے سے ہٹاؤ[۱] کہ وہ شیطان ہے (ابوداؤد)

۱۔ تاکہ نماز کا خشوع و خضوع برقرار رہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۷۴۷ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی ہوتی

وَ رِجْلَايَ فِيْ قِبْلَتِهٖ فَاِذَا سَجَدَ غَمَزَنِيْ فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ وَ اِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا قَالَتْ وَ الْبُيُوْتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيْهَا مَصَابِيْحُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تھی اور میرے پاؤں آپ کے قبلے میں ہوتے تھے جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے ٹھوکر مارتے میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی۔ جب آپ کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں پاؤں پھیلا لیتی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں ان دنوں گھروں میں چراغ نہ ہوتے تھے۔[1] (بخاری و مسلم)

[1]۔ یہ گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے حضور کی سجدہ گاہ میں پاؤں پھیلانے کے لیے بیان عذر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ٹھوکر مارنے کے بعد دوبارہ پاؤں پھیلانا اس وجہ سے ہوتا تھا کہ شاید آپ نے جگہ چھوڑ دی ہے اور اس کے دیر بعد کھڑے ہوئے ہیں۔ یا نیند کی حالت میں انسان پر قدرے غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

۷۳۱/۱۶ وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ اَحَدُكُمْ مَا لَهٗ فِيْ اَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْ اَخِيْهِ مُعْتَرِضًا فِي الصَّلٰوةِ كَانَ لَاَنْ يُّقِيْمَ مِائَةَ عَامٍ خَيْرٌ لَّهٗ مِنَ الْخُطْوَةِ الَّتِيْ خَطَاهَا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم لوگ یہ جان لو کہ نمازی بھائی کے آگے سے گزرنے میں کیا گناہ ہے۔ تو اس کے لیے سو سال کھڑے رہنا نمازی کے سامنے ایک قدم اٹھانے سے بہتر ہے۔ (ابن ماجہ)

۷۳۲/۱۷ وَ عَنْ كَعْبِ الْاَحْبَارِ قَالَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ اَنْ يُّخْسَفَ بِهٖ خَيْرًا لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اَهْوَنَ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا یہ جان لیتا کہ اس پر کتنا گناہ لازم ہے تو اس کو زمین میں دھنس جانا نمازی کے آگے سے گزرنے سے بہتر ہے ایک روایت میں ہے [illegible] زمین میں دھنس جانا نمازی کے آگے سے گزرنے سے آسان ہوتا۔ (مالک)

۷۳۳/۱۸ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى غَيْرِ السُّتْرَةِ فَاِنَّهٗ يَقْطَعُ صَلٰوتَهُ الْحِمَارُ وَ الْخِنْزِيْرُ وَ الْيَهُوْدِيُّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی بغیر سترہ کے نماز پڑھے تو اس کی نماز کو باطل کر دیتا ہے گدھا، خنزیر، یہودی، مجوسی اور عورت[1]

وَالْمَجْرُوحُ وَالْمَرْأَةُ وَتُجْزِئُ عَنْهُ إِذَا مَرُّوْا بَيْنَ يَدَيْهِ عَلَى قَذْفِهِ بِحَجَرٍ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

جب کہ ان میں سے کوئی چیز اس کے آگے سے گزرے اور کفایت کرتی ہے اس سے جب کہ یہ چیزیں اسکے آگے سے پتھر پھینکنے کے[2] فاصلے سے گزریں۔ (ابو داؤد)

[1] اس کی تاویل اور مطلب فصل اول میں گزرا۔

[2] علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد حج کے موقعہ پر کنکری مارنے کی مقدار فاصلہ مراد ہے۔ اور وہ تین گز بیان کیا گیا ہے۔

بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوةِ

طریقہ نماز کا بیان

یعنی نماز کا طریقہ اور اس کی صفات کا بیان کہ کس طرح ادا کی جائے۔ اور یہ کہ اس کے ارکان و اجزاء کیا ہیں۔ یہاں سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو چیز حقیقت نماز سے خارج ہے اس کا بیان بھی کیا جائے۔ کہ یہ قبیلہ اعراض میں سے ہے اس کے اجزاء ہی اس کی صفات کہلائیں گی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ أَوْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے۔ اس آدمی نے نماز پڑھی[1] پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا آپ نے اسے فرمایا وعلیک السلام واپس جا اور نماز پڑھ کہ تو نے نماز نہیں پڑھی وہ آدمی واپس گیا اور نماز پڑھی اور سلام عرض کیا آپ نے فرمایا وعلیک السلام جا اور نماز پڑھ کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اس طرح تیسری بار یا اس کے بعد کہا یا رسول اللہ مجھے نماز کا طریقہ تعلیم فرمائیں۔ تو آپ

فِي الَّتِي بَعْدَهَا عَلِّمْنِي يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَفِيْ رِوَايَةٍ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِيْ صَلٰوتِكَ كُلِّهَا

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نے فرمایا جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو کامل اور تازہ وضو کر پھر قبلہ کی طرف منہ کر پھر قرآن میں سے وہ پڑھ جو تیرے لیے آسان اور تجھے یاد ہو پھر رکوع کر پورے قرار وسکون سے۔ پھر اپنا سر رکوع سے اوپر اٹھا اور اچھی طرح سیدھا کھڑا ہو جا پھر سجدہ میں جا یہاں تک کر پورے قرار وسکون سے سجدہ کر پھر سجدہ سے سر اٹھا اور سکون وقرار سے بیٹھ[3]۔ اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے[4] پھر سجدہ سے سر اٹھا اور بالکل سیدھا کھڑا ہو جا۔ پھر اپنی ساری نماز میں اسی طرح کر[5]۔

(بخاری ومسلم)

[1] مگر اس میں تعدیل ارکان اور قومہ وجلسہ وغیرہ ٹھیک طریقہ سے ادا نہ کیا۔

[2] یعنی آپ نے اسے نماز کا طریقہ تعلیم فرمایا نیز وضو اور قبلہ کی طرف منہ کرنے کا طریقہ بتلایا۔ اور وہ باتیں بھی بتلائیں جو نہایت عمدہ اور نماز کے قریب ترین غلطیوں میں سے ہیں۔

[3] دو سجدوں کے بعد بیٹھنے کو جلسہ استراحت کہتے ہیں۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت ہے کہ وہ دوسرے سجدے کے بعد دوسری رکعت کے لیے اٹھنے سے پہلے ذرا بیٹھتے ہیں۔ احناف بلا بیٹھے دوسری رکعت کے لیے اٹھتے ہیں۔

[4] یعنی ایک روایت میں ثم ارفع حتی تطمئن جالسا کے بجائے ثم ارفع حتی تستوی قائما [illegible] پھر دوسری رکعت کے لیے سر اٹھا۔ اس روایت میں جلسہ استراحت کا کوئی ذکر نہیں۔ جلسہ استراحت کے بارے میں بحث [illegible] مالک بن الحویرث کی دوسری حدیث میں آ رہی ہے۔

[5] اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعی، امام [illegible] نے رکوع وسجود میں طمانیت اور قومہ وجلسہ کو فرض قرار دیا ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس آدمی کی [illegible] کی تھی۔ اور فرمایا تیری یہ نماز نماز نہیں ہے۔ جا اور پھر پڑھ۔ یہ اس کے فرض ہونے کی علامت ہے کہ جس چیز کے انتفاء سے فعل کا انتفاء ہو جائے اور وہ فعل باطل قرار پائے وہ چیز فرض ہوگی۔

امام ابو حنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک رکوع وسجود میں اطمینان واجب ہے فرض نہیں۔ اور قومہ وجلسہ سنت ہیں۔ امام صاحب اور امام محمد علیہما الرحمۃ اس حدیث کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ نفی نماز سے اس کے کمال کی نفی

مراد ہے اس دلیل کی بنا پر جو اس حدیث کے آخر میں بروایت ابوداؤد ترمذی و نسائی یہ آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو نے اس کو مکمل کیا تو تیری نماز مکمل ہو گئی اور جو تو نے اس میں نقصان کیا تو اسی قدر تیری نماز ناقص ہو گئی۔ اور یہ وجوب سنت کی علامت ہے کہ اس کے بغیر فعل ناقص و ناتمام شمار ہوتا ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ نماز کے لوٹانے کا حکم آپ نے اس لیے دیا کہ پہلی نماز میں کراہت و نقصان واقع ہو گیا تھا نہ اس وجہ سے کہ پہلی نماز باطل و معدوم تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ پہلی بار ہی منع کر دیتے اور اس سے روک دیتے اور اسے اجازت نہ دینے کے فرائض کے بغیر نماز ادا کرے۔ واللہ اعلم۔

۲۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ وَكَانَ إِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهُ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَائِمًا وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُولُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ وَيَنْهٰى أَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ السَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلٰوةَ بِالتَّسْلِيمِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر سے نماز شروع کرتے تھے اور قرات الحمد للہ رب العالمین[1] سے۔ اور جب رکوع جاتے تو اپنے سر کو بلند نہ رکھتے تھے اور نہ اسے پست کرتے تھے بلکہ دونوں کے درمیان رکھتے تھے[2] یعنی پشت و گردن کو برابر رکھتے تھے اور جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ میں نہ جاتے جب تک سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے اور جب آپ سجدہ سے سر اٹھاتے تو دوبارہ سجدہ میں نہ جاتے جب تک کہ صحیح طرح برابر بیٹھ نہ جاتے اور آپ ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے۔ اور آپ اپنی بائیں پاؤں بچھا دیتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرتے[3]۔ اور شیطان کی طرح بیٹھنے[4] سے منع کرتے اور آپ مرد کو درندے[5] کی طرح بازو زمین پر بچھانے سے منع کرتے اور آپ سلام کے لفظ سے اپنی نماز ختم کرتے[6] تھے۔ (مسلم شریف)

[1] یعنی قرات سورۃ فاتحہ سے شروع کرتے۔ اس سورۃ کے اول میں کلمہ الحمد واقع ہونے کی وجہ سے اس سورۃ کا نام ہی گویا سورۃ الحمد ہو چکا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں آپ کیا پڑھتے ہیں۔ وہ کہتا ہے الٓمّٓ ذالک الکتاب پڑھتا ہوں۔ اس سے مراد پوری سورت ہوتی ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھتے تھے

اور اگر بیان بسم اللہ شریف کو بلند آواز سے نہ پڑھنا مراد ہو تو پھر ہمارے نزدیک بلا کسی تاویل کے یہ درست ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تاویل مذکور اختیار کرنا ہوگی کہ ان کے ہاں بسم اللہ کے بلند آواز سے پڑھنے میں اختلاف ہے۔

۵۲۔ یعنی پشت و گردن کو برابر رکھتے تھے نہ تو سر کو پشت سے اونچا کرتے تھے نہ پشت سے نیچے۔

۵۳۔ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ آپ پہلے اور دوسرے دونوں قعدوں میں ایسا ہی کرتے تھے۔ یہی حضرت امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب حنفیہ کا مذہب ہے۔ ابو حمید کی حدیث میں پہلے قعدہ میں افتراش (پاؤں بچھانا) اور دوسرے قعدہ میں تورک (سرین پر بیٹھنا) بھی آیا ہے۔ اور یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ امام مالک کے نزدیک دونوں قعدوں میں تورک ہے۔ بعض کے نزدیک دونوں قعدوں میں افتراش کا ذکر بھی آیا ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر اس نماز میں جس میں دو قعدے ہوتے ہیں۔ آخر میں تورک ہے۔ اور اگر ایک ہی تشہد ہے تو پھر افتراش ہے۔ اس مسئلہ میں چاروں آئمہ کے اقوال مختلف ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ و دلیل یہ ہے کہ بہت سی احادیث میں مطلق افتراش واقع ہوا ہے کہ تشہد میں سنت یہ امر ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح بیٹھتے تھے۔ اس میں پہلے یا دوسرے قعدے کی کوئی قید نہیں۔ قعدہ میں جس طریق پر حنفیہ بیٹھتے ہیں، زیادہ سخت اور زیادہ محنت طلب ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ سب سے افضل عمل وہ ہے جو زیادہ محنت طلب ہو۔ بعض احادیث میں قعدہ اخیرہ میں بھی تورک کا ذکر آیا۔ یہ بڑھاپے اور کمزوری کی حالت پر محمول ہے کہ آخری قعدہ لمبا ہوتا ہے۔ اس کے لیے آسانی مناسب ہے۔ تورک کا معنی ہے سرین پر بیٹھنا یعنی تورک کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بائیں پاؤں کو دائیں ران کے نیچے پھیر کر رکھے اور دونوں سرینوں کو زمین پر پھیرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بائیں پاؤں کو بچھائے۔ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور دونوں پاؤں کو ران کے نیچے سے باہر نکالے اور دونوں سرین ان پر رکھ دے۔

۵۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عقبہ شیطان سے منع کرتے تھے۔ عقبہ عین کی پیش اور قاف ساکن۔ یعنی نماز میں اقعاء کرنے سے منع کرتے تھے۔ اور یہ نماز میں بالاتفاق مکروہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں سرین زمین سے چپکائے دونوں پنڈلیوں کو کھڑا کرے۔ اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔ جس طرح کتا بیٹھتا ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عقبہ یہ ہے کہ دونوں سرین ایڑیوں پر رکھے۔ یہ معنی لفظ عقبہ کے زیادہ مناسب ہے۔

۵۵۔ مرد کی قید اس لیے لگائی کہ عورت کے لیے زمین پر بازو بچھانے بہتر ہیں کہ یہ حالت اس کے پردے کے زیادہ مناسب و نزدیک ہے۔

۵۱۔ لفظ اسلام کے ساتھ نماز سے باہر آنا امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک فرض اور ہمارے نزدیک واجب ہے اس کی شرح کردی گئی ہے۔

(۷۳۱) وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ فِیْ نَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَحْفَظُکُمْ لِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُہٗ اِذَا کَبَّرَ جَعَلَ یَدَیْہِ حَذَآءَ مَنْکِبَیْہِ وَاِذَا رَکَعَ اَمْکَنَ یَدَیْہِ مِنْ رُکْبَتَیْہِ ثُمَّ ھَصَرَ ظَھْرَہٗ فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ اسْتَوٰی حَتّٰی یَعُوْدَ کُلُّ فَقَارٍ مَکَانَہٗ فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَ یَدَیْہِ غَیْرَ مُفْتَرِشٍ وَّلَا قَابِضِھِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِاَطْرَافِ اَصَابِعِ رِجْلَیْہِ الْقِبْلَۃَ فَاِذَا جَلَسَ فِی الرَّکْعَتَیْنِ جَلَسَ عَلٰی رِجْلِہِ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ الْیُمْنٰی فَاِذَا جَلَسَ فِی الرَّکْعَۃِ الْاٰخِرَۃِ قَدَّمَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ الْاُخْرٰی وَقَعَدَ عَلٰی مَقْعَدَتِہٖ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوحمید[۱] ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے ایک گروہ[۲] میں فرمایا۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تم سب سے زیادہ یاد ہے۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ جب آپ تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ مبارک دونوں کندھوں کے برابر کرتے[۳]۔ جب آپ رکوع کرتے تو مضبوطی سے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے[۴]۔ پھر آپ پشت مبارک بالکل دوہری کردیتے[۵]۔ جب رکوع سے سر اوپر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہوجاتے۔ یہاں تک کہ آپ کی ہر ہڈی کا جوڑ اپنی جگہ پر آجاتا[۶]۔ اور جب آپ سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھ اس طرح زمین پر رکھتے کہ نہ زمین پر اپنے بازو بچھاتے اور نہ انہیں پہلو کے ساتھ ملاتے[۷]۔ اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کرتے۔ جب دو رکعت کے بعد بیٹھتے اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دائیں کو کھڑا کرتے۔ جب آخری رکعت میں بیٹھتے بایاں پاؤں آگے نکالتے اور دوسرے کو کھڑا کرتے اور اپنی کولی پر بیٹھتے۔ (بخاری شریف)

۱؎ حضرت ابوحمید ساعدی مشہور صحابی ہیں۔ انصاری ہیں بنی ساعدہ میں سے ہیں۔ آپ کی حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بیان میں جامع ترین حدیث قرار دیا گیا ہے۔ آپ کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے۔ مشہور عبدالرحمٰن ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

۲؎۔ نفر دونوں زبروں کے ساتھ تین سے دس تک افراد کو کہتے ہیں۔

۳؎۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔ احناف کے نزدیک زمہ کان تک اٹھائے جائیں گے۔ یہ بھی احادیث میں آیا ہے۔ بعض احادیث میں کان سے بھی زیادہ بلندی تک آیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے متوسط عمل کو اختیار

فرمایا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے ان روایات کی مطابقت کرنے میں فرمایا ہے کہ ہتھیلیاں کندھوں کے برابر تھیں انگوٹھا کانوں کے برابر اور دوسری انگلیوں کے سرے کانوں سے بھی بلند تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مختلف اوقات میں یہ سب صورتیں آپ سے وجود میں آئی ہوں۔ واللہ اعلم۔

۵۴۔ یعنی دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنے مضبوطی سے تھامتے اور انگلیاں مبارک کشادہ رکھتے۔ علما فرماتے ہیں رکوع کی حالت میں انگلیاں کھول کر رکھے۔ سجدہ میں ملا کر اور تکبیر اور تشہد کے وقت اپنی حالت پر رہنے دے۔

۵۵۔ ہَصَر۔ یعنی آپ پشت مبارک دوہری کرتے تاکہ گردن کے ساتھ برابر ہو جائے۔ ہصر صاد مہملہ کے ساتھ یعنی کھینچنا۔ مائل کرنا اور توڑنا۔

۵۶۔ فقار۔ فا کی زبر کے ساتھ پشت کی ہڈیوں کے جوڑ اور منکے۔ فقارہ واحد ہے۔ فا کی زبر کے ساتھ۔ اور فقرہ فا کے کسرہ، قاف ساکن اور قاف مفتوح کے ساتھ آتا ہے۔ فقر یعنی درویشی بھی اسی سے مشتق ہے کہ بھوک اور تنگ دستی سے فقیر کی پشت ٹوٹ جاتی ہے۔

۵۷۔ بلکہ صرف انگلیوں اور ہتھیلیوں کو زمین پر رکھتے تھے۔ اور آپ پیٹ کو زمین سے اتنے بلند رکھتے تھے کہ بکری کا چھوٹا بچہ ان کے نیچے سے گزر سکتا تھا اس حدیث میں۔ مذکور نہیں ہے کہ جب آپ قریب سجدہ کی طرف جاتے تو پہلے زانو زمین پر رکھتے یا دونوں ہاتھ۔ دونوں طرح درست ہے مگر اول صورت زیادہ افضل اور اکثر ائمہ کا مختار مذہب ہے۔

۷۴۰ — وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِى السُّجُوْدِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے اس وقت بھی دونوں کو کندھوں تک اٹھاتے اور کہتے سمع اللہ لمن حمدہ یعنی اللہ نے اس بندے کی بات سن لی جس نے اس کی ثنا کی یعنی اسے پسند کیا اور [illegible] قبول فرمایا ربنا لک الحمد یعنی اے ہمارے رب تیرے لیے ہی حمد ہے تیرے ساتھ ہی حمد مخصوص ہے[1] اور آپ سجدہ میں اس طرح نہ کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

۱۔ یعنی ہر حمد کو جو کرتے ہیں اور جس کے لیے بھی کرتے ہیں وہ تیری ہی جناب کی طرف لوٹتی اور رجوع کرتی ہے۔

کہ ہر چیز اور ہر بندے کو پیدا کرنے والا تو ہی ہے یا تیری حمد بیان کرنا تیرے ساتھ ہی خاص ہے۔ تیرے سوا تیری حمد کوئی نہیں کر سکتا۔ اور یہ موتی جیسا کہ پرونا چاہیے تیرے سوا کوئی نہیں پرو سکتا۔ بیت۔

مارا چہ حد و حمد و ثنائے تو بود ۔ ہم حمد و ثنائے تو سزائے تو بود

ترجمہ۔ ہماری حد اور حمد و ثنا کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہر حمد و ثنا کے لائق تیری ہی ذات ہے۔

اور ایک روایت میں اللھم کا لفظ زیادہ آیا ہے۔ اسی طرح لک الحمد سے پہلے لفظ وا زیادہ آیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تسمیع و تحمید (سمع اللہ اور ربنا لک الحمد) دونوں کو جمع کیا جائے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک منفرد دونوں جمع کرے۔ اور جماعت کی صورت میں امام سمع اللہ اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے۔ کیونکہ حدیث میں اسے امام و مقتدی کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ربنا لک الحمد بھی کہے تاکہ لم تقولون مالا تفعلون میں سے نہ ہو جائے۔ (وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے)

ٓ۲ ۔ یعنی سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے یعنی سجدہ کو جاتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت بعض شافعی حضرات یہاں بھی رفع یدین کرتے ہیں۔ مگر مختار یہ ہے کہ نہ کریں۔ اور وہ جو صحت کو پہنچا ہے یہ ہے کہ شافعیہ کے نزدیک شروع نماز کے وقت اور رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیا جائے۔ ان تین مواقع کے علاوہ شوافع کے نزدیک بھی رفع یدین کا کوئی ثبوت نہیں۔ جیسا کہ کتاب سفر السعادۃ میں مذکور ہے۔

وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت نافع[۱] سے روایت ہے۔ بیشک ابن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع جاتے تو بھی ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اس وقت بھی رفع یدین کرتے اور جب دو رکعت کے بعد کھڑے ہوتے تو اس وقت بھی ہاتھ اٹھاتے۔ حضرت ابن عمر نے یہ روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع[۲] بیان کی۔

(بخاری شریف)

ٓ۱ ۔ حضرت نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

ٓ۲ ۔ یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ مرفوع حدیث وہ ہوتی ہے کہ قول و فعل میں اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کریں۔ اور جو صحابی سے منقول ہو اسے موقوف کہتے ہیں۔ جیسا کہ مقدمہ میں مذکور ہوا۔

۷۳۹ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوْعَ أُذُنَيْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر تحریمہ کہتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ یہاں تک کہ دونوں ہاتھ کانوں کے برابر لے جاتے اور جب سر مبارک رکوع سے اٹھاتے تو کہتے سمع اللہ لمن حمدہ اور پہلے کی طرح کرتے یعنی رفع یدین کرتے۔ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے یہاں تک کہ آپ دونوں ہاتھ کانوں کی بلندی تک اٹھاتے[1]۔

(بخاری ومسلم)

[1] واضح ہو کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ ہاتھ اٹھانا احناف اور شافعیہ کے درمیان مختلف فیہ ہے احادیث و آثار دونوں جانب وارد ہیں۔ اس بارے میں جو چیز پایہ ثبوت کو پہنچی ہے یہ ہے کہ گویا تو دونوں طریقہ (رفع یدین و عدم رفع یدین) سے آپ نے نماز پڑھی ہے کہ کبھی رفع یدین کیا اور کبھی نہ کیا پھر صحابہ میں سے جس نے جو کیفیت دیکھی وہ روایت کردی دوسری صورت یہ ہے کہ ابتداء میں رفع یدین تھا آخر میں منسوخ ہو گیا اور اعاظم صحابہ کرام میں سے جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو شرائع اور احکام اسلام کے عالم اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم کرنے کا بڑا خیال رکھنے والے اور سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ نے رفع یدین نہیں کیا۔ ان کے اس عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ احتمال ثانی (منسوخ ہونا) ظاہر ہے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی عدم رفع کی روایت کرتے ہیں اور اگر فرضاً و تقدیراً دونوں صورتیں ہوں تو پھر بھی عدم رفع راجح ہے۔ کہ اس میں سکون ہے جو نماز کے خشوع و خضوع کے حال سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ یہاں کافی گفتگو ہے ہم نے وہ سب شرح سفر السعادۃ میں لکھ دی ہے واللہ اعلم۔

۷۴۰ وَعَنْهُ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فَإِذَا كَانَ فِيْ وِتْرٍ مِنْ صَلٰوتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انہیں حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جب آپ وتر نماز میں ہوتے یعنی ایک رکعت کے بعد اور تیسری رکعت کے بعد تو کھڑے نہ ہوتے یہاں تک کہ ٹھیک برابر بیٹھتے[2]۔ (بخاری شریف)

[2] یعنی سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے اور یہ جلسۂ استراحت ہے جس کے شافعیہ قائل ہیں ان کے نزدیک یہ جلسہ سنت ہے اور اس کی کیفیت وہی ہے جو قعدہ اول کی کیفیت ہے۔ اس جلسہ کے بعد دونوں ہاتھ

کے زمین پر ٹیک کر کھڑے ہوتے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اور ایک مختار روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ کے نزدیک ایسا جلسہ استراحت عذر اور بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے ہوا۔ تو جو شخص معذور یا بوڑھا نہ ہو اس کے لیے سنت نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ترمذی نے کہا۔ مالک بن الحویرث کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اس پر عمل ہے۔ بعض صحابہ بھی اس کے قائل تھے۔ (انتہی)

احناف کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اسے بھی ترمذی نے ہی روایت کیا کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدموں کے سینوں پر اٹھتے تھے یعنی بیٹھنے کے بغیر۔ اگرچہ اس حدیث کے بعض طرق ضعیف ہیں لیکن یہ صحیح الاصل ہے جیسا کہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ نماز میں دونوں قدموں کے سینوں پر اٹھتے تھے۔ یعنی بغیر بیٹھنے کے۔ حضرت علی حضرت عمر حضرت ابن عمر اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ حضرت نعمان بن ابی عیاش سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے بہت سے صحابہ کرام کو پایا کہ جب وہ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تو بیٹھے بغیر سیدھے کھڑے ہو جاتے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سے اخبار و آثار وارد ہیں۔ اگر بعض احادیث و اخبار اس کے خلاف آئے ہیں تو وہ بڑھاپے، معذوری اور ضرورت پر محمول ہوں گے۔

۷۴۱ — وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهٖ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ اَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الثَّوْبِ ثُمَّ رَفَعَهُمَا وَكَبَّرَ فَرَكَعَ فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفَّيْهِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں داخل ہوتے وقت ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہا پھر آپ نے اپنے ہاتھ کپڑے میں لپیٹ لیے اور آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں پر رکھا۔ پھر جب آپ نے رکوع کا ارادہ کیا تو آپ نے دونوں ہاتھ کپڑے سے نکالے پھر انہیں اٹھایا اور تکبیر کہی اور رکوع میں چلے گئے۔ پھر جب آپ نے سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب آپ نے سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سجدہ کیا۔ (مسلم)

۱؎۔ حضرت وائل بن حجر مشہور صحابی ہیں اصل میں شاہان یمن سے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ میں بڑا معزز مقام رکھتے تھے آپ کے حالات دوسری جگہ میں مذکور ہو چکے ہیں۔

۵۲۔ صحیح مسلم میں بغیر واؤ کے آیا ہے۔

۵۳۔ ظاہر یہ ہے کہ چادر کے اندر کر لیے بعض کہتے ہیں کہ ہاتھ آستینوں میں ڈال لیے۔ کہا گیا ہے کہ شاید شدید سردی کی وجہ سے ایسا کیا۔

۵۴۔ پھر آپ داہنا ہاتھ بائیں پر رکھتے۔ داہنا بائیں پر رکھنا امام مالک رحمۃ اللہ کے سوا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے امام مالک کے نزدیک ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کے علاوہ کھلے چھوڑ کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور ایک روایت میں احمد کے نزدیک ہاتھ زیر ناف باندھے۔ اور امام شافعی کے نزدیک سینے کے برابر ناف کے اوپر۔ امام احمد سے ایک روایت کے مطابق اسے دونوں طرح باندھنے کا اختیار ہے۔ احادیث دونوں کے لیے آئی ہیں۔ علماء نے کہا اس بارے میں بڑی وسعت ہے۔ جس طرح کرے گا درست ہے۔ داہنا ہاتھ بائیں پر زیر ناف باندھا جائے یا سینے کے برابر ان دونوں میں کوئی بات خصوصیت اور یقین سے ثابت نہیں ہے۔ اور جب کہ صورت حال یہ ہے تو پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ طریقہ اختیار کیا ہے جو مروج و عادت کے مطابق ہے۔ یعنی زیر ناف ہاتھ باندھنا۔

۵۵۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کے لیے ہاتھوں کو کپڑے اور آستینوں سے باہر نکالنا چاہیے۔

۵۶۔ یعنی آپ سر کو دونوں سجدوں کے وقت دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھتے تھے۔

۷۴۲/۹ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رض قَالَ كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَّضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلٰوةِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)	حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ نماز کے اندر داہنا ہاتھ بائیں بازو پر رکھیں ۱ ۔ (بخاری شریف)

۱۔ یعنی بازو کے قریب رکھیں۔ جب کہ ہاتھ کو ہاتھ پر یا اس کے قریب بھی پہنچے تو گویا بازو پر ہی ہو جاتا ہے۔ گویا کہ بازو پر ہی رکھ دیا۔ اور گویا کہ ہاتھ پر رکھا ہی نہیں۔ مرد کی قید کی اتفاقی ہے۔ عورت کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

۷۴۳/۱۰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے جب رکوع کرتے پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے جب کہ رکوع سے اپنی پشت مبارک اوپر اٹھاتے

يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ حِيْنَ يَرْفَعُ صُلْبَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ وَهُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَهْوِيْ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي الصَّلٰوةِ كُلِّهَا حَتّٰى يَقْضِيَهَا وَيُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوْسِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور جب کھڑے ہوتے تو کہتے ربنا لک الحمد پھر تکبیر کہتے جب سجدہ کو جاتے پھر تکبیر کہتے جب سر اٹھاتے پھر جب سجدہ کو جاتے تو تکبیر کہتے پھر تکبیر کہتے جب سجدہ سے سر اٹھاتے پھر اسی طرح ساری نماز میں کرتے یہاں تک کہ نماز پوری کرتے۔ اور آپ تکبیر کہتے جب دو رکعتوں کے[1] بعد اٹھ کر کھڑے ہوتے۔

(بخاری و)

(مسلم)

[1] اس حدیث میں بھی تکبیروں کا ذکر ہے۔ رفع یدین کا کہیں ذکر نہیں۔

۷۴۴ — وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصَّلٰوةِ طُوْلُ الْقُنُوْتِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل نماز وہ ہے جس میں قنوت[1] لمبی ہو۔

(مسلم)

[1] قنوت کا لفظ قیام، طاعت، خشوع، نماز، دعا اور سکوت و خاموشی کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں قنوت سے قیام مراد ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نماز میں طول قیام افضل ہے کہ اس میں مشقت، خدمت اور طاعت زیادہ اور ظاہر تر ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں قیام افضل ہے یا سجدہ۔ یہ حدیث اس گروہ کی دلیل ہے جو قیام کو افضل قرار دیتے ہیں پھر وہ ذکر جو قیام میں کیا جاتا ہے قرآن ہے اور قرآن تسبیح سے افضل ہے۔ حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ شرح سفر السعادہ میں تفصیل سے [illegible] ہے وہاں مطالعہ کیا جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۷۴۵ — عَنْ أَبِيْ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ فِيْ عَشَرَةٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَعْلَمُكُمْ

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صحابہ کرام کے درمیان کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تم سب سے

بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالُوْا فَاعْرِضْ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى
الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ
بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ رَاحَتَيْهِ
عَلٰى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَعْتَدِلُ فَلَا يُصَبِّيْ
رَأْسَهُ وَلَا يُقْنِعُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ
فَيَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ
يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا
مَنْكِبَيْهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ أَكْبَرُ
ثُمَّ يَهْوِيْ إِلَى الْأَرْضِ سَاجِدًا
فَيُجَافِيْ يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَيَفْتَخُ
أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَ
يَثْنِيْ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا
ثُمَّ يَعْتَدِلُ حَتّٰى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ
إِلٰى مَوْضِعِهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ يَسْجُدُ
ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَيَرْفَعُ وَيَثْنِيْ
رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا ثُمَّ
يَعْتَدِلُ حَتّٰى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ إِلٰى
مَوْضِعِهِ ثُمَّ يَنْهَضُ ثُمَّ يَصْنَعُ فِي
الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ إِذَا
قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ
حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ
عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ يَصْنَعُ ذٰلِكَ
فِيْ بَقِيَّةِ صَلٰوتِهِ حَتّٰى إِذَا كَانَتْ

زیادہ جانتا ہوں صحابہ نے کہا بیان کیجئے فرمایا جب وقت
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے
دونوں ہاتھ کندھوں تک برابر کرتے پھر تکبیر تحریمہ کہتے
پھر قراءت پڑھتے۔ پھر تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ کندھوں
تک اٹھاتے پھر رکوع میں اپنی ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھتے
پھر کمر سیدھی کرتے نہ سر کو جھکاتے اور نہ بلند کرتے
پھر اپنا سر اٹھاتے اور کہتے سمع اللہ لمن حمدہ پھر اپنے
دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے برابر کرتے
اس حال میں کہ سیدھے کھڑے ہوتے پھر فرماتے اللہ اکبر
پھر سجدہ کرنے کے لیے زمین کی طرف جھکتے اپنے دونوں
ہاتھ اپنے پہلوؤں سے دور رکھتے پیر کی انگلیاں
کھولتے پھر اپنا سر اٹھاتے اور اپنا بایاں پاؤں موڑتے
اور اس پر بیٹھتے پھر سیدھے ہوتے یہاں تک کہ ہر
ہڈی اپنی جگہ آ جاتی [illegible]
پھر سجدہ کرتے پھر [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
کے وقت پھر [illegible]
تک کہ جب وہ سجدہ ہوتا [illegible]
[illegible]
پھر سلام پھیرتے [illegible]
اسی طرح آپ نماز پڑھا کرتے تھے روایت

السَّجْدَةُ الَّتِيْ فِيْهَا التَّسْلِيْمُ اَخْرَجَ
رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَ قَعَدَ مُتَوَرِّكًا عَلٰى
شِقِّهِ الْاَيْسَرِ ثُمَّ سَلَّمَ قَالُوْا صَدَقْتَ
هٰكَذَا كَانَ يُصَلِّيْ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ
الدَّارِمِيُّ وَ رَوَى التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ
مَاجَةَ مَعْنَاهُ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ
هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔
وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوٗدَ مِنْ حَدِيْثِ
اَبِيْ حُمَيْدٍ ثُمَّ رَكَعَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ
عَلٰى رُكْبَتَيْهِ كَاَنَّهُ قَابِضٌ عَلَيْهِمَا وَ
وَتَّرَ يَدَيْهِ فَنَحَّاهُمَا عَنْ جَنْبَيْهِ
وَ قَالَ ثُمَّ سَجَدَ فَاَمْكَنَ اَنْفَهُ وَ
جَبْهَتَهُ الْاَرْضَ وَ نَحّٰى يَدَيْهِ عَنْ
جَنْبَيْهِ وَ وَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ
وَ فَرَّجَ بَيْنَ فَخِذَيْهِ غَيْرَ حَامِلٍ
بَطْنَهُ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَخِذَيْهِ حَتّٰى
فَرَغَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى
وَ اَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنٰى عَلٰى قِبْلَتِهِ وَ
وَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى
وَ كَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى
وَ اَشَارَ بِاِصْبَعِهِ يَعْنِي السَّبَّابَةَ
وَ فِيْ اُخْرٰى لَهُ وَ اِذَا قَعَدَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ
قَعَدَ عَلٰى بَطْنِ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى وَ
نَصَبَ الْيُمْنٰى وَ اِذَا كَانَ فِي
الرَّابِعَةِ اَفْضٰى بِوَرِكِهِ الْيُسْرٰى اِلَى

کیا اسے ابوداؤد اور دارمی نے اور روایت کیا
ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کا معنیٰ اور ترمذی نے
کہا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوداؤد کی ایک
روایت میں ہے ابو حمید کی روایت سے کہ آپ
نے رکوع کیا پھر اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے۔
گویا انہیں پکڑنے والے ہیں اور اپنے دونوں ہاتھوں
کو چلّے کی مانند کیا اور دور رکھا اپنی کہنیوں کو اپنے
پہلوؤں سے۔ راوی کہتا ہے پھر سجدہ کیا اپنی ناک
اور پیشانی کو زمین پر ٹھہرایا۔ اور دونوں ہاتھوں
کو پہلوؤں سے دور رکھا۔ اپنے دونوں ہاتھ کندھوں
کے برابر رکھے۔ دونوں رانوں کے درمیان
کشادگی کی۔ پیٹ مبارک کو رانوں سے
دور رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ
فارغ ہوئے۔ پھر بیٹھ گئے بایاں
پاؤں بچھایا اور دائیں کی پشت قبلہ کی طرف
کی۔ اور دائیں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بائیں
ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھا اور انگلی سے
اشارہ کیا۔ یعنی سبابہ انگلی سے
ایک دوسری روایت میں ہے جب
دو رکعتوں پر بیٹھتے ، بائیں
پاؤں کے تلوے پر بیٹھتے اور دایاں
کھڑا کرتے اور جب چوتھی
رکعت میں ہوتے۔ تو بایاں
کولہا زمین پر لگاتے اور
دونوں قدم ایک طرف نکال

بِالْأَرْضِ وَأَخْرَجَ قَدَمَيْهِ مِنْ نَاحِيَةٍ ~~ وَيَتَشَهَّدُ
وَاحِدَةٍ۔

۱۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص نفسانی غرض کے لیے نہیں بلکہ دینی مصلحت کے تحت اپنے متعلق بڑا عالم ہونے کا دعویٰ کرے تو یہ درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

۲۔ ان صحابہ نے کہا جن کے سامنے اس نے یہ دعوی کیا تھا۔

۳۔ یعنی جب تو دعویٰ کر رہا ہے کہ تو ہم سے زیادہ علم والا ہے تو پھر ہمارے سامنے پیش کر اور اسے ہم پر ظاہر کر تاکہ ہمیں پتہ چلے کہ تو اپنے دعویٰ میں کہاں تک سچا ہے۔

۴۔ یہ حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ آپ ہاتھ پہلے اٹھاتے اور تکبیر اس کے بعد کہتے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

۵۔ اس کے بعد اعتدال کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ نہ تو سر کو جھکاتے الی آخرہ۔

۶۔ اس میں لفظ یُصَبِّیْ یا کی پیش، صاد مہملہ کی زبر اور باء مشددہ کے کسرہ کے ساتھ آیا ہے یعنی سر نیچے جھکانا۔ ولا یُقْنِعُ یا کی پیش، قاف ساکن اور نون مکسور کے ساتھ۔ یعنی سر کو اوپر اٹھانا یعنی بحالت رکوع آپ نہ سر کو نیچے کرتے نہ اوپر کرتے بلکہ پشت اور سر کو برابر رکھتے۔ اولیٰ یہ ہے کہ اعتدال کا معنی اطمینان کیا جائے جس طرح دو سجدوں کے درمیان جلسہ استراحت کے بیان میں آئے گا۔ ابن حبان اور مسلم کی روایت میں [illegible] کے بغیر کا [illegible] یہ معنی زیادہ ظاہر ہے۔ لفظ یصبی کی مزید تحقیق ہم نے شرح میں کر دی ہے۔

۷۔ یعنی آپ دونوں پاؤں کی انگلیاں کھول لیتے اور دوہری کر دیتے اس طرح کہ انگلیوں کے سر قبلہ کی طرف ہو جاتے فتح خا نقطہ والی کے ساتھ یعنی بیٹھنے کے وقت پاؤں کی انگلیوں کو [illegible] کرنا۔ اس [illegible] کا معنی [illegible] ہونے کا آتا ہے جیسا کہ صراح میں ہے۔

۸۔ یہ اعتدال کی تفسیر و تاکید ہے۔

۸۔ جیسا کہ گزشتہ حدیث پاک سے معلوم ہوا۔

۹۔ یعنی سبحانک اللھم کے سوا باقی سب باتیں پہلی رکعت کی طرح کرتے۔

۱۰۔ یعنی تشہد پڑھنے کے بعد جب آپ تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے۔ اس حدیث میں تشہد کا ذکر نہیں ہے جس طرح کہ ابوداؤد کی ایک روایت میں تشہد کا ذکر موجود ہے۔

۱۱۔ یعنی جن کے سامنے انہوں نے اپنے زیادہ عالم ہونے کا دعویٰ کیا تھا ان کے تصدیق کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی اس مذکورہ تفصیل سے واقف تھے۔ اس بنا پر ابوحمید کا دعویٰ اعلمیت (بڑا عالم ہونا) درست نہیں رہتا۔

لہٰذا ان کی تصدیق کو اسی پر محمول کرنا چاہیے کہ تیری خبر بالکل سچی اور قابل اعتماد ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳ یہ حدیث سفر السعادۃ ابن خزیمہ ابن حبان اور مسلم سے بھی مروی ہے۔

۱۴ آپ نے دونوں کہنیوں کو پہلوؤں سے دور رکھا تو گویا کہنیاں چلے کے مشابہ ہوگئیں اور پہلو کمان کے مشابہ جس پر وہ چلہ ہوتا ہے۔

۱۵ اور آپ نے ناک اور پیشانی کو سجدہ میں زمین پر جمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ ناک اور پیشانی دونوں پر ہونا چاہیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمیشہ ایسا ہی کرتے رہے۔ احادیث بھی اسی کے موافق اور اسی کی تائید کرتی ہیں۔ تاہم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک ایک پر کفایت کرنا بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ ایک روایت میں صرف پیشانی پر سجدہ کرنا مکروہ بھی نہیں ہے۔ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک ان دو میں سے ایک پر سجدہ کرنا جائز نہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ سجدہ سات اعضاء پر اور ایک روایت میں سات ہڈیوں پر کرنا چاہیے۔ چہرہ دونوں ہاتھ، دو زانو دو پاؤں۔ بخاری مسلم کی ایک حدیث میں چہرے کے بجائے پیشانی کا لفظ آیا ہے۔ اس کی مزید تحقیق باب السجود میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ

۱۶ یعنی اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کے وقت اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کیا۔ انگشت شہادت کو انگشت سبابہ بھی کہتے ہیں نفی کے وقت اٹھائی جائے اور اثبات کے وقت رکھ دی جائے۔ اس انگلی کو سبابہ اس لیے کہتے ہیں کہ عربی لغت میں لفظ سبّ کا معنی ہے گالی دینا عرب گالی دیتے وقت اس سے اشارہ کرتے ہیں یہ زمانہ جاہلیت کا طریقہ تھا اسلام میں اس انگلی کو مسبحہ اور سباحہ کہتے ہیں اور تسبیح و توحید کے وقت اس کے ساتھ اشارہ کرتے ہیں اور یہ اشارہ جہاں توحید الٰہی کی طرف اشارہ ہے شیطان پر بھی گالی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

۱۷ یعنی دائیں طرف نکال لیے۔

۷۴۔ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ اَبْصَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى كَانَتَا بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ وَحَاذٰى اِبْهَامَيْهِ اُذُنَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ۔	روایت ہے حضرت وائل ابن حجر سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے حتی کہ کندھوں کے مقابل ہوگئے اور اپنے انگوٹھوں کو کانوں کے مقابل کردیا پھر تکبیر کہی۔ (ابوداؤد)
وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ يَرْفَعُ اِبْهَامَيْهِ اِلٰى شَحْمَةِ اُذُنَيْهِ	اور اس کی دوسری روایت میں ہے کہ اپنے انگوٹھے کانوں کی لو تک بلند کیے

لے حضرت وائل ابن حجر پہلے حاکم یمن کے ساتھ آپ مشہور صحابی ہیں۔ ملوک یمن کی اولاد میں سے تھے۔ شرف اسلام سے مشرف ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں بڑے معزز و مکرم تھے۔

۵ ؎ یہ حدیث بھی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے موافق ہے کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہی۔

۷۷۷ ؎ وَعَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّنَا فَيَأْخُذُ شِمَالَهُ بِيَمِينِهِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت قبیصہ[۱] ابن ہلب[۲] سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امامت کرتے تھے اور اپنا بایاں ہاتھ داہنے سے پکڑتے تھے۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

۱ ؎ قبیصہ قاف کی زبر اور با کی زیر کے ساتھ۔

۲ ؎ ھا کی پیش لام ساکن کے ساتھ۔ بعض نے کہا ہا کی زبر اور لام ساکن کے ساتھ صحیح ہے۔ آپ تابعی ثقہ ہیں۔ ان کے باپ کو شرف صحبت حاصل ہے۔ ان کے باپ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو سر سے گنجے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا سر پر بال اگ آئے حتی کہ بالوں کی کثرت ہوگئی۔ ہلب وہ جس کے سر پر بال ہوں یہاں کا لقب ہے۔ ان کا نام یزید بن عدی ہے۔ بعض نے یزید بن سلام کہا۔ اول قول زیادہ صحیح ہے۔

۷۷۸ ؎ وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَصَلَّى فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعِدْ صَلٰوتَكَ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ عَلِّمْنِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ أُصَلِّي قَالَ إِذَا تَوَجَّهْتَ إِلَى الْقِبْلَةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ وَمَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَقْرَأَ فَإِذَا رَكَعْتَ فَاجْعَلْ رَاحَتَيْكَ عَلَى رُكْبَتَيْكَ وَمَكِّنْ رُكُوعَكَ وَامْدُدْ ظَهْرَكَ فَإِذَا رَفَعْتَ فَأَقِمْ صُلْبَكَ وَارْفَعْ رَأْسَكَ حَتّٰى تَرْجِعَ الْعِظَامُ إِلَى مَفَاصِلِهَا فَإِذَا سَجَدْتَ

حضرت رفاعہ[۱] ابن رافع سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص آیا اور مسجد میں نماز پڑھی پھر حاضر ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا آپ نے فرمایا اپنی نماز دوبارہ پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی عرض کیا یا رسول اللہ مجھے سکھا دیں کہ کیسے نماز پڑھوں فرمایا جب قبلہ کو متوجہ ہو تو تکبیر کہو پھر سورۂ فاتحہ پڑھو اور جو اللہ چاہے پھر جب رکوع کرو تو اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھو اور اپنا رکوع مضبوطی سے کرو[۲] اور اپنی پشت دراز کرو۔ جب اپنا سر اٹھاؤ تو اپنی پشت سیدھی کرو۔ یہاں تک کہ ہڈیاں اپنے جوڑوں پر لوٹ جائیں۔ پھر جب سجدہ کرو تو مضبوطی سے سجدہ کرو پھر جب اٹھو تو اپنی بائیں ران پر بیٹھو پھر ہر رکوع اور سجدے میں اسی طرح کرو یہاں تک

فَمَكِّنْ لِسُجُوْدِكَ فَاِذَا رَفَعْتَ فَاجْلِسْ عَلٰى فَخِذِكَ الْيُسْرٰى ثُمَّ اصْنَعْ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ وَسَجْدَةٍ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ مَعَ تَغْيِيْرٍ يَسِيْرٍ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ مَعْنَاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ قَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَتَوَضَّأْ كَمَا اَمَرَكَ اللّٰهُ بِهٖ ثُمَّ تَشَهَّدْ فَاَقِمْ فَاِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْاٰنٌ فَاقْرَأْ وَاِلَّا فَاحْمَدِ اللّٰهَ وَكَبِّرْهُ وَهَلِّلْهُ ثُمَّ ارْكَعْ۔

کہ تجھے اطمینان ہو جائے۔ یہ مصابیح کے لفظ ہیں اور اسے ابوداؤد نے تھوڑے فرق سے روایت کیا اور ترمذی و نسائی نے اس کے معنی روایت کیے۔ ترمذی کی روایت میں ہے جب تو نماز کے لیے اٹھے تو اس طرح وضو کر جس طرح اللہ نے تجھے حکم دیا ہے پھر کلمہ شہادت پڑھ کر تکبیر کہہ اگر تجھے کچھ قرآن یاد ہو تو اسے پڑھ ورنہ اللہ کی حمد کر اس کی تکبیر و تہلیل کر پھر رکوع کر۔

∴ ∴ ∴

۱؎ حضرت رفاعہ بکسر را ابن رافع آپ انصاری صحابی ہیں، قبیلہ بنی خزرج سے ہیں، ان کی کنیت ابومعاذ ہے۔ بدری ہیں۔ ان کے باپ نقباء میں سے ہیں۔ آپ مالک بن رافع اور خلاد ابن رافع کے بھائی ہیں قبیلہ خزرج میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے آپ ہی ہیں۔ عقبہ اولیٰ میں حاضر ہوئے۔ جمل و صفین کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

۲؎ یعنی جو اللہ تعالٰی چاہے وہ تو پڑھ۔ یہ اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالٰی کی چاہت کے بغیر بندے کی چاہت سے کچھ نہیں ہوتا۔

۳؎ یعنی بائیں قدم پر۔ اس میں احتمال ہے کہ یہ دو لفظ دو سجدوں کے بعد ہوا اور اس سے جلسہ استراحت مراد ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلے سجدہ سے اٹھنا مراد ہو۔ بہر صورت اس عبارت میں اختصار پایا جاتا ہے۔

۴؎ یعنی اس حدیث کا مضمون بعینہٖ حضرت ابوہریرہ والی حدیث کا مضمون ہے جو باب اول میں گزری۔ صرف بعض الفاظ مختلف ہیں۔ اس کی مباحث و تحقیقات بھی وہی ہیں جو وہاں مذکور ہوئیں۔

۵؎ بعض نے فرمایا کہ یہاں تشہد سے شہادتین کا پڑھنا مراد ہے کہ وضو کے بعد اس کا پڑھنا بھی فضیلت رکھتا ہے۔ اور اقامت سے نماز ادا کرنا مراد لیتے ہیں۔

۶؎ اس کی توجیہ بیان کر۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جسے قرآن یاد نہ ہو وہ قرآن کی جگہ سبحان اللہ والحمدللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھے۔ جیسے وہ شخص جو ایمان لایا مگر اسے نماز کا وقت آنے تک کا موقعہ نہ ملا کہ قرآن یاد کر لیتا تو کیا کیا

اس دلیل کے پیش نظر جمہور نے ایسا بیان کیا ہے کہ چار رکعت میں مشقت زیادہ ہے۔ لہٰذا چار رکعت افضل ہوگی (خوب سمجھ لے) یہ بات پایہ صحت کو پہنچ چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی بارہ رکعت پڑھتے تھے

۳ے۔ یہ دو دو رکعت کا بیان اور اس کی تاکید ہے۔

۴ے۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے جس سے آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تفسیر کرتے ہیں یعنی حضور علیہ السلام فرماتے ہیں اور اس قول سے یہ چاہتے ہیں۔

۵ے۔ یہ کنایہ ہے اس شخص کے حال کو نقصان و خسارہ لاحق ہونے سے۔

۶ے۔ کہ یہ نقصان والے آدمی کی نماز ہے خِداج خا کے کسرہ آخر میں جیم یعنی بچہ کا پوری مدت حمل سے پہلے پیدا ہو جانا (یعنی ناقص الخلقۃ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۱۶ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الْمُعَلَّى ؓ قَالَ صَلّٰى لَنَا اَبُوْ سَعِيْدِ ِالْخُدْرِيُّ فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيْرِ حِيْنَ رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ وَحِيْنَ سَجَدَ وَحِيْنَ قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَقَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت سعید[1] بن حارث بن معلی سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ہمیں حضرت ابو سعید خدری نے نماز پڑھائی[2] جب سجدہ سے سر اٹھایا اور جب سجدہ کیا اور جب دو رکعتوں سے اٹھے تو اونچی آواز سے تکبیر کہی۔ فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح (کرتے) دیکھا[3]۔ (بخاری)

۱ے۔ حضرت سعید بن الحارث بن المعلّٰی میم کا پیش اور لام کی شد کے ساتھ حضرت سعید بن حارث انصاری یہ مشہور تابعی ہیں مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے۔

۲ے۔ مقصود یہ ہے کہ امام بلند آواز سے تکبیر کہے اور خاص اس تکبیر کے جہر کی قید اتفاقی ہے۔ شاید کہ صرف اس تکبیر میں بات ہو رہی ہے اور اگر جہر کے لیے یہی مخصوص ہو تو پھر دوسری تکبیرات کو اس پر قیاس کیا جائے گا اور سمع اللہ لمن حمدہ کا بھی اس پر قیاس ہوگا۔ اسماعیلی کی روایت میں دوسری تکبیرات کا ذکر بھی آیا ہے۔ اسماعیلی نے کہا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے یا کہیں گئے ہوئے تھے۔ تو ان کی جگہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ انہوں نے تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر میں جہر کیا الحدیث۔ غیر اسماعیلی کی روایت میں بھی یہ زیادتی موجود ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے بھی بلند آواز سے تکبیر کہی۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو آپ سے کہا گیا لوگ آپ کی اس نماز میں اختلاف کر رہے ہیں کہ آپ نے

تکبیر تحریمہ بلند آواز سے کہی ہے۔ اس پر حضرت ابوہریرہ منبر پر تشریف لائے سلام فرمایا مجھے تمہارے اختلاف کا کوئی ڈر نہیں تم اختلاف کر دیا نہ کرو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ سے اسی طرح نماز پڑھی۔ گویا اس زمانے میں بھی اس میں اختلاف رکھتے تھے کہ تکبیر بلند آواز سے کہی جائے یا آہستہ۔ بنی امیہ کے مروان وغیرہ پست آواز سے کہتے تھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ امارت مروان کے زمانے میں مدینہ پاک میں امامت کراتے تھے۔ جیسا کہ بعض شروح میں مذکور ہے۔

۷۵۱ ۱۸ وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِيْنَ تَكْبِيْرَةً فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّهُ أَحْمَقُ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

روایت ہے حضرت عکرمہ سے فرماتے ہیں میں نے مکہ معظمہ میں ایک بزرگ کی اقتداء میں نماز پڑھی انہوں نے بائیس تکبیریں کہیں۔ میں نے حضرت ابن عباس سے کہا یہ بے وقوف ہے۔ فرمایا تمہیں تمہاری ماں روئے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (بخاری)

ف۱۔ حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں فقہائے مکہ میں سے ہیں۔

ف۲۔ یہ بزرگ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔

ف۳۔ یہ چار رکعت کا ذکر ہے تکبیر تحریمہ اور تشہد اول سے اٹھنے کے وقت کی تکبیر ملا کر بائیس تکبیریں ہو جاتی ہیں۔

ف۴۔ کہ یہ بزرگ احمق ہے (معاذ اللہ) جاہل اور بے عقل ہے کہ تکبیر بلند آواز سے کہتا ہے۔

ف۵۔ یہ دعا کے کلمات ہیں جو عرب ناراضی کے موقعہ پر کہے جاتے ہیں اور تعجب کے معنی میں بھی آتے ہیں اس سے حقیقتاً کسی کی موت کی دعا مراد نہیں ہوتی۔

۷۵۲ ۱۹ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ مُرْسَلًا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الصَّلٰوةِ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَلَمْ يَزَلْ تِلْكَ صَلٰوتُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى لَقِيَ اللهَ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت علی ابن حسین رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب جھکتے اور اٹھتے تو تکبیر کہتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہی نماز رہی یہاں تک کہ آپ اللہ سے جا ملے۔ (مالک)

ف۱۔ یعنی امام زین العابدین علی بن امام حسین رضی اللہ عنہ سے بطریق ارسال روایت ہے۔

ف۲۔ یعنی رکوع اور سجدہ کو جاتے وقت پھر قومہ اور جلسہ اور واپس سر اٹھاتے وقت

۷۵۳ ۲۰ وَعَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّیْ بِکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی وَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا مَرَّۃً وَّاحِدَۃً مَعَ تَکْبِیْرِ الْاِفْتِتَاحِ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ وَقَالَ اَبُوْدَاؤدَ لَیْسَ ھُوَ بِصَحِیْحٍ عَلٰی ھٰذَا الْمَعْنٰی۔

ہم سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہارے سامنے حضور کی نماز نہ پڑھوں تو نماز پڑھی اور اپنے ہاتھ صرف ایک بار ہی یعنی شروع کی تکبیر کے ساتھ اٹھائے ترمذی، ابو داؤد، نسائی اور ابو داؤد نے کہا۔ یہ حدیث اس معنی پر صحیح نہیں[۲]۔

[۱] علقمہ بن قیس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ آپ اکابر فقہاء اور مشہور تابعین میں سے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں سے ہیں۔ تابعین میں علقمہ چند ہیں جن علقمہ کو حضرت ابن مسعود سے سماع حاصل ہے وہ یہی ہیں یہ علقمہ حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کرتے ہیں۔

[۲] یہ حدیث اس معنی میں صحیح نہیں یاد رہے ترمذی نے یہاں دو باب ذکر کیے ایک باب رفع یدین میں دوسرا باب رفع یدین نہ کرنے میں۔ اور اس دوسرے باب میں یہ حدیث لائے ہیں اور کہا اس باب میں حضرت براء ابن عازب سے بھی حدیث آئی ہے۔ اور ابن مسعود کی حدیث حسن ہے۔ اس کے قائل ہیں بہت سے صحابہ اور تابعین اور سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے ہاں حضرت عبداللہ ابن مبارک سے پہلے باب میں ایک حدیث نقل کی کہ رفع یدین میں ثابت ہے اور ابن مسعود کی حدیث عدم رفع میں ثابت نہیں۔ مگر اس حدیث کے علاوہ بھی عدم رفع میں بہت اخبار و آثار وارد ہیں۔ جس طرح گزشتہ میں ہم اشارہ کر آئے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ وَقَالَ اللّٰہُ اَکْبَرُ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابو حمید[۱] ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو منہ کعبہ کو کرتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے اور اللہ اکبر کہتے۔ (ابن ماجہ)

[۱] مشہور صحابی انصاری ہیں۔ قبیلہ بنی ساعدہ سے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے حافظ ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الظُّھْرَ وَفِیْ مُؤَخَّرِ الصُّفُوْفِ رَجُلٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ آخری صف میں ایک شخص تھا جس نے نماز ٹھیک طرح نہ پڑھی

فَاَسَآءَ الصَّلٰوۃَ فَلَمَّا سَلَّمَ نَادٰہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا فُلَانُ اَلَا تَتَّقِی اللّٰہَ اَلَا تَرٰی کَیْفَ تُصَلِّیْ اِنَّکُمْ تُرَوْنَ اَنَّہٗ یَخْفٰی عَلَیَّ شَیْءٌ مِّمَّا تَصْنَعُوْنَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرٰی مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرٰی مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ۔	جب اس نے سلام پھیرا تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے فلاں کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا کہ کیسے نماز پڑھتا ہے تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھ پر تمہارا کوئی عمل چھپا رہتا ہے۔ اللہ کی قسم میں پیچھے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسے کہ اپنے آگے دیکھتا ہوں۔
(رَوَاہُ اَحْمَدُ)	(احمد)

لہ اس مرد نے سلام پھیرا۔

ٹہ واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آگے پیچھے دیکھنا خرق عادت (معجزہ) کے طور پر تھا وحی والہام کے ذریعے اور کبھی کبھی تھا ہمیشہ نہ تھا۔ اس کی موید وہ روایت ہے کہ جب آپ کا ناقہ جبارک گم ہوگیا تو آپ کو معلوم نہ ہوا کہ کدھر گیا ہے تو منافقین نے کہا محمد کہتے ہیں کہ میں آسمان کی خبر دیتا ہوں مگر نہیں جانتے کہ ان کا ناقہ کہاں گیا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہی جانتا ہوں جس قدر اللہ مجھے بتلاتا ہے۔ ابھی ابھی مجھے [illegible] بتلایا ہے کہ [illegible] اور اس کی مہار ایک درخت کی شاخ سے الجھی ہوئی ہے [illegible] نہیں جانتا کہ [illegible] کیا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کے بتلانے کے بغیر میں نہیں جانتا۔

اور بلاشبہ نماز چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں سے سب سے افضل [illegible] آپ کو انکشاف حقائق اشیاء اور اعیان موجود پر اطلاع اتم اور اکمل [illegible] کائنات سے استغراق اور غائب ہونے کا موجب نہ تھا جس طرح کا [illegible] ان کا حال ہے۔ مشائخ قدس اللہ سرہم فرماتے ہیں نماز کشف و حضور [illegible] نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان [illegible] مگر یہ قول غریب ہے کسی روایت سے ثابت نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا يَقْرَأُ بَعْدَ التَّكْبِيْرِ

ان چیزوں کا باب جو تکبیر کے بعد پڑھی جاتی ہیں

باب ان چیزوں کے بیان میں جو تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جاتی ہیں سو واضح ہو کہ احادیث صحیحہ میں نماز شروع کرنے کے وقت بہت سے اذکار و دعائیں وارد ہیں جیسے انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض اور سبحانک اللہم وغیرہ۔ یہ اذکار شافعیہ کے نزدیک فرائض و نوافل میں سب یا بعض مستحب ہیں اور حنفیہ، اور امام مالک و امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ظاہر مذہب میں سبحانک اللہم الی آخرہ پر اکتفا کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ جو کچھ مروی و منقول ہے نماز تہجد پر محمول ہے بلکہ متعلق نوافل کے لیے ہے۔ کذا فی الھدایہ۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سبحانک اللہم اور انی وجہت دونوں جمع کر کے پڑھے جائیں گے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ کا مختار مذہب یہی ہے۔ پھر نمازی کو اختیار ہے کہ انی وجہت کو ثنا کے بعد پڑھے یا پہلے پڑھے۔ مشہور یہ ہے کہ پہلے ثنا سبحانک اللہم پڑھے پھر انی وجہت وجہی للذی الی آخرہ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْكُتُ بَیْنَ التَّكْبِیْرِ وَبَیْنَ الْقِرَاءَةِ اِسْكَاتَةً فَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْكَاتُكَ بَیْنَ التَّكْبِیْرِ وَبَیْنَ الْقِرَاءَةِ مَا تَقُوْلُ قَالَ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ كَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا كَمَا یُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اور قراءت کے درمیان کچھ قدر خاموش رہتے تھے[1] میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر یا رسول اللہ فدا ہوں۔ آپکی تکبیر اور قراءت کے درمیان خاموشی کیسی[2] اس میں آپ کیا کہتے ہیں۔ فرمایا میں کہتا ہوں اللہم باعد بینی الی آخرہ (ترجمہ) الٰہی میرے اور میری خطاؤں کے درمیان ایسی دوری کر دے جیسی تو نے مشرق و مغرب کے درمیان دوری کی[3]۔ الٰہی مجھے خطاؤں سے ایسا پاک اور صاف کر دے جیسا سفید کپڑا میل سے پاک ہو جاتا ہے۔ الٰہی میری خطائیں پانی اور برف اور اولوں سے دھو دے[4]۔

(بخاری و مسلم)

لے ۔ اصل میں لفظ اِسْکَاتَہٗ یا کی زبر کاف کی پیش سے ہے جیسا کہ مشہور ہے۔ لیکن یا کی پیش اور کاف کی زیر کے ساتھ بھی روایت ہے۔ دونوں کا معنیٰ ہے۔ خاموش ہو جانا۔ اِسْکَاتَہٗ ہمزہ کی زبر سے مصدر ہے بمعنیٰ سکوت (خاموش ہونا) روایت ثانی کے مطابق تو یہ مصدر قیاس کے مطابق ہے اور پہلی روایت کے مطابق خلاف قیاس ہے پھر یہاں سکوت سے بلند آواز سے نہ پڑھنا مراد ہے۔ ذکر سے خاموش رہنا مراد نہیں۔

لے ۲ ۔ اسکاتک میں مشہور روایت نصب کے ساتھ ہے۔ ایک روایت اسکاتک بھی ہے۔

لے ۳ ۔ دراصل اس میں گزشتہ گناہوں کی توبہ کے ساتھ معافی طلب کرتے ہیں اور بطور تاکید و مبالغہ بخشش کا سوال کرتے ہیں۔

لے ۴ ۔ ایک میں نَقِّ قلبی آیا ہے۔ یعنی میرا دل پاک کر دے۔

لے ۵ ۔ ان الفاظ کے ساتھ آپ یہ طلب کرتے ہیں کہ گزشتہ تمام گناہوں کے نشانات مٹ جائیں اور آئندہ گناہوں سے حفاظت و عصمت حاصل ہو جائے۔ سفید کپڑے کی تخصیص صفائی میں مبالغہ کی غرض سے ہے کیونکہ اس میں میل زیادہ نمایاں نظر آتی ہے۔ اگرچہ معمولی ہو۔ یا فطرت انسانی کی طرف اشارہ ہے جس پر انسان پیدا ہوا ہے۔

لے ۶ ۔ ان الفاظ میں مختلف پاک کرنے والی چیزوں اور اقسام مغفرت کی طرف اشارہ ہے اور غسل و طہارت میں مبالغہ ہے۔ ثلج لام ساکن کے ساتھ بَرَد را کی زبر کے ساتھ۔

۷۵۷/۲ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ کَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ کَبَّرَ ثُمَّ قَالَ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْمَلِکُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُکَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِیْعًا اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور ایک روایت میں ہے کہ جب نماز شروع فرماتے تو تکبیر کہتے پھر پڑھتے میں نے اپنا منہ اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا یکسو ہو کر اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں بیشک میری نماز اور میری قربانی میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اے اللہ تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو میرا رب ہے۔ اور میں تیرا بندہ ہوں۔ میں نے اپنی جان پہ ظلم کیا۔ اور اپنی خطا کا اقرار کیا تو میری ساری خطائیں

أَنْتَ وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا
يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَاصْرِفْ
عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا
إِلَّا أَنْتَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ
كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ
أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ
أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ وَإِذَا رَكَعَ
قَالَ اللَّهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ آمَنْتُ
وَلَكَ أَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِي وَبَصَرِي
وَمُخِّي وَعَظْمِي وَعَصَبِي فَإِذَا رَفَعَ
رَأْسَهُ قَالَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ
مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ وَإِذَا
سَجَدَ قَالَ اللَّهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ
آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِي
لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ
وَبَصَرَهُ تَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ
ثُمَّ يَكُونُ مِنْ آخِرِ مَا يَقُولُ بَيْنَ التَّشَهُّدِ
وَالتَّسْلِيمِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ
وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ
وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ
مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ
لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ
فِي رِوَايَةٍ لِلشَّافِعِيِّ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ
وَالْمَهْدِيُّ مَنْ هَدَيْتَ أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ

بخش دے بیشک تیرے سوا کوئی بھی خطائیں نہیں بخش سکتا۔
اور مجھے اچھے اخلاق کی ہدایت دے تیرے سوا کوئی
اچھے اخلاق کی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور مجھ سے بری
عادتیں دور رکھ۔ تیرے سوا برائیاں کوئی مجھ سے دور نہیں
کر سکتا۔ مولیٰ کریم میں حاضر ہوں۔ تیری فرمانبرداری پر آمادہ ہوں[3]
ساری بھلائیاں تیرے قبضہ میں ہیں۔ اور برائی تیری طرف
منسوب نہیں ہو سکتی[4] میں تجھ پر بھروسہ کرتا ہوں[5] تیری بارگاہ
میں التجا کرتا ہوں۔ تو برکت والا بلندیوں والا ہے۔ میں
تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور جب آپ رکوع میں جاتے
تو کہتے تیرے لیے رکوع کیا میں نے[6] تجھ پر ایمان لایا
میں تیرا مطیع ہوا میں۔ تیرے حضور میری سماعت و بینائی
اور میری کھوپڑی[7] اور میری ہڈی اور میرے پٹھے عاجز
اور جھکے ہوئے ہیں پھر جب اپنا سر مبارک اٹھاتے
تو کہتے اے اللہ ہمارے رب تیری ہی تعریف ہے
آسمان اور زمین اور ان کے درمیان بھر کر۔ اور اسکے
علاوہ وہ چیز بھر کر جو تو چاہے[8]۔ اور جب سجدہ کرتے
تو کہتے۔ الٰہی تیرے لیے میں نے سجدہ کیا[9]۔ تجھ پر
ایمان لایا۔ تیرا مطیع ہوا۔ میری ذات نے اُسے
سجدہ کیا جس نے اُسے پیدا فرمایا۔ اسے صورت[10]
عطا کی۔ اور اس کے کان اور آنکھیں چیریں[11] پیدا کیں
برکت والا ہے اللہ بہترین پیدا کرنے والا[12] پھر آخر میں
التحیات اور سلام کے درمیان کہتے الٰہی میری اگلی پچھلی
میری پوشیدہ میری ظاہری خطائیں اور جو زیادتیاں میں نے
کیں[13] اور جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے سب بخش دے تو ہی
آگے بڑھانے والا اور پیچھے ہٹانے والا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں (مسلم)

لَا مَنْجَا مِنْكَ وَلَا مَلْجَا اِلَّا اِلَيْكَ تَبَارَكْتَ۔

اور شافعی کی ایک روایت میں ہے شر تیری طرف منسوب نہیں ہدایت یافتہ وہ ہے جسے تو ہدایت دے میرا تجھ پر بھروسہ اور تیری طرف توجہ ہے تجھ سے کہیں بچاؤ نہیں تیری ہی طرف ٹھکانہ ہے۔ تو برکت والا ہے۔

لہ ۔ یعنی میں اسلام لانے والوں ، حکم کی بجا آوری کرنے والوں اور امر حق کو تسلیم اور اس کی اطاعت کرنے والوں میں سے ہوں (تشریعی امر ہو یا ارادی)۔ اور ایک روایت میں جیسا کہ تیسری فصل میں آئے گا انا اول المسلمین آیا ہے۔ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

علماء نے کہا ہے کہ انا اول المسلمین کا مضمون جناب نبوت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے کہ آپ کے ماسوا جو بھی ہیں اسلام کے اندر آپ ان سب سے اول و سابق ہیں۔ ہر پیغمبر اپنی امت سے اسلام میں اول و سابق ہوتا ہے اور قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ آپ کہیں انا اول المسلمین۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ [illegible] سے ان الفاظ کا صادر ہونا درست نہیں بلکہ جھوٹ اور دروغ ہوگا۔ بعض نے کہا اس سے [illegible] ہو جائے گی مگر صحیح بات یہ ہے کہ اگر انا اول المسلمین کے لفظ سے اس نے آیت قرآن کی تلاوت کا ارادہ کیا [illegible] نماز فاسد نہ ہوگی۔

بندۂ ضعیف عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ اگر اس جملہ کو بطور قرآن نہ پڑھیں بلکہ [illegible] و فرمانبرداری کا اظہار ہو تو یہ معنی بھی درست ہے۔ جس طرح بادشاہوں کے [illegible] جو فرمان ہوگا اس کی بجا آوری اور اس کی تعمیل اور اس کے آگے سب سے پہلے [illegible] رغبت و اطاعت ہوتا ہے اولیت حقیقی مراد نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

لہ۲ ۔ اور تو نے فرمایا ہے جو بندہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرے [illegible] دیتا ہوں۔

لہ۳ ۔ اور تیرے دین کی مدد و نصرت کے لیے ہر وقت تیار ہوں۔

لہ۴ ۔ یعنی ادب و تعظیم کی بنا پر۔ اگرچہ پیدائش کے اعتبار سے سب کچھ تیری طرف منسوب ہے [illegible] کسی چیز کی خلق و آفرینش میں کوئی شر و برائی نہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے پیدا کی ہے [illegible] شر اگر ہے تو مخلوق کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ فرمایا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔ بعض علماء فرماتے ہیں [illegible] کا مطلب ہے کہ شر و برائی کسی کو تیرے نزدیک نہیں کر سکتی کہ شر سے قرب الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ یا اس کا مطلب ہے شر تیری بارگاہ تک بلند نہیں ہو سکتا اور نہ تیری جناب میں مقام قبولیت حاصل کر سکتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ۔ اس کی طرف کلمات

علیہ مسعود کرکے [illegible]۔

۵۵؎ یہاں کا معنٰی ہے میں تیرے ساتھ ہی مرتا ہوں اور تیرے ساتھ ہی جیتا ہوں۔ اور تیری قدرت کے ساتھ ہی موجود ہوں اور میں نے تیری طرف ہی آنا اور لوٹنا ہے۔ یا میں تیرے ساتھ قائم ہوں اور تیری چاہت و رغبت رکھنے والا ہوں۔

۵۶؎ بنفسہ یعنی کرسنا کا معنٰی ہے پشیمان کرنا۔

۵۷؎ مغز کا ذکر ہڈی سے پہلے کرنے کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ خشوع باطن سے ظاہر کی طرف آتا ہے۔ اور ہوسکتا ہے اسی نکتہ کی بنا پر ہڈی کو پٹھے پر مقدم کیا گیا ہو۔

۵۸؎ یعنی تمام [illegible] کے درمیان [illegible] یعنی ممکنات معدومہ جب کہ حق سبحانہ کے کمال قدرت نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب مقدورات و ممکنات کو اپنے قبضہ قدرت میں رکھا ہے تو پھر سب اس کی حمد و ستائش سے پُر ہونے چاہئیں۔

۵۹؎ اس میں اخلاص عمل کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ میں تجھ پر ایمان لایا تیرا اسلام قبول کیا اور اپنا سب کچھ تیرے سپرد کیا۔

۱۰؎ [illegible] ہے تصویر یعنی صورت عطا کرنا اور پیدا کرنا۔

۱۱؎ [illegible] کا مطلب ہے یعنی اس سوراخ کان آنکھ پیدا کیے اور چونکہ یہ دونوں اعضا شگاف کی صورت میں [illegible] کیا۔

۱۲؎ پیدا کرنے والا صرف وہی ہے اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں ہے لہٰذا خالق کی جمع ظاہر کے اعتبار سے لائی گئی ہے یعنی تصویریں کھینچنے والوں کے اعتبار سے۔

۱۳؎ یعنی [illegible] بجھ سے اعمال و مال و جاہ وغیرہ میں مجھ سے بے اعتدالیاں صادر ہوئی ہیں۔

۱۴؎ [illegible] الیک کے بعد یہ کلمات آئے ہیں والمھدی الی آخرہ۔

۱۵؎ [illegible] کبھی مجازًا کبھی منجا کی موافقت میں الف سے پڑھتے ہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا جَآءَ فَدَخَلَ الصَّفَّ وَقَدْ حَفَزَهُ النَّفَسُ فَقَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوتَهٗ قَالَ اَيُّكُمُ الْمُتَكَلِّمُ بِالْكَلِمَاتِ فَاَرَمَّ الْقَوْمُ فَقَالَ	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آیا اور صف میں داخل ہوا اس کا سانس چڑھا ہوا تھا۔ اس نے کہا اللہ اکبر الحمد للہ حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی تو فرمایا تم میں سے یہ کلمات کس نے کہے لوگ خاموش رہے۔ پھر فرمایا تم میں سے یہ کلمات کس نے کہے قوم پھر خاموش رہی پھر فرمایا تم میں سے یہ کلمات کس نے کہے

أَيُّكُمُ الْمُتَكَلِّمُ بِهَا فَإِنَّهُ لَمْ يَقُلْ بَأْسًا فَقَالَ رَجُلٌ جِئْتُ وَقَدْ حَفَزَنِي النَّفَسُ فَقُلْتُهَا فَقَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ اثْنَيْ عَشَرَ مَلَكًا يَبْتَدِرُونَهَا أَيُّهُمْ يَرْفَعُهَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اس نے کوئی بات بری نہیں کہی تب ایک شخص بولا کہ میں آیا اور میرا سانس پھولا ہوا تھا میں نے یہ کلمات کہے فرمایا کہ میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا کہ ان کے لے جانے میں جلدی کررہے ہیں کہ کون پہلے بارگاہ الٰہی میں پیش کرے (مسلم)

ف۱۔ یعنی اس مرد کو مشقت وتھکاوٹ میں ڈال دیا تھا اس کے سانس نے کیونکہ وہ نماز کے لیے بہت تیز دوڑ کر آیا تھا اصل میں لفظ حَفَزَ حا و ز اور فا و زا کے ساتھ۔ یعنی کسی کو سختی سے ہٹانا جلدی میں ڈالنا اور کسی کو جگہ سے اکھیڑنا۔

ف۲۔ یعنی نماز پڑھنے والے سب لوگ خاموش رہے۔ اس بنا پر کہ شاید ان سے غلط واقع ہوگئی ہے یہ خطاب و عتاب کا موجب بن رہی ہے۔ ارَمّ ہمزہ و را کی زبر اور میم کی شد کے ساتھ بمعنی خاموش ہونا۔ روایات میں ازم زا اور میم مخفف کے ساتھ بھی آیا ہے ازم کلام سے رک جانے کے معنی میں آتا ہے۔

ف۳۔ بارہ کے عدد کی وجہ اور راز شارع علیہ السلام کو ہی معلوم ہے۔ بعض محققین نے کہا ہے جواہر و اعراض میں سے ہر ایک کے لیے ایک روح مجرد ہوتی ہے جو ان سے پہلے اور انہیں قائم رکھتی ہے [illegible] کی تعداد بارہ ہے تکرارات گرانے، اور الف و ہمزہ کا اعتبار نہ کرنے سے کہ الف کی صورت [illegible] ظاہر ہوتی [illegible] ثانی یعنی ہمزہ کی نہ خط میں شکل ظاہر ہوتی ہے نہ لفظ میں جیسا کہ دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے۔ ایک [illegible] کہ میں نے تیس اور چند فرشتے دیکھے یعنی تکرارات اور الفاظ کا اعتبار کرتے ہوئے [illegible]

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۵۹[۴] عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَارِثَةَ وَقَدْ تُكُلِّمَ

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے [illegible] [illegible] الٰہی تو پاک ہے [illegible] والا ہے تیرا نام اور اونچی ہے تیری شان تیرے سوا کوئی معبود نہیں (ترمذی وابوداؤد) اور ابن ماجہ نے حضرت سعید سے اسے روایت کیا۔ ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کو ہم سوا حارثہ کے اور کسی سے نہیں جانتے۔ اور حارثہ کے [illegible]

رفیہ من قبل حفظہ[١]

[١] حارثہ کے حفظ وضبط میں کلام ہے یعنی حارثہ ایسا شخص ہے کہ حدیث میں اس کا حفظ وضبط قوی نہیں۔

واضح ہو کہ سبحانک سے نماز شروع کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے ثابت ہے۔ اَجلّہ علماء حدیث اس کے قائل ہیں۔ جیسے سفیان ثوری، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور علماء ائمہ حدیث نے اسے روایت کیا ہے اور بے شمار علماء تابعین اس طرف گئے ہیں۔ امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے مجتہدین نے اسے اختیار کیا۔ ترمذی نے بھی اپنی جامع میں کہا کہ اس باب میں حضرت علی حضرت عائشہ حضرت عبد اللہ بن مسعود حضرت جابر حضرت جبیر بن مطعم اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے حدیث آئی ہے اور تابعین وغیرہم کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔ غایت درجہ یہ ہے کہ امام ترمذی ابو سعید کی جو حدیث حارثہ سے لائے ہیں اس میں کلام ہے۔ اور یہ چیز صحت حدیث کو کوئی نقصان نہیں دیتی۔ کہ دوسرے طرق سے اس کی صحت ثابت ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ سبحانک اللہم سے نماز شروع کرنا صحیح ثابت اور ہمیشہ معمول بہ ہے۔ اس کے ساتھ کچھ اور دعائیں بھی آئی ہیں۔ اس مقام پر مزید گفتگو شرح (عربی) میں کی گئی ہے وہاں مطالعہ کریں۔

وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ[١] اَنَّهٗ رَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ صَلٰوةً قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا[٢] ثَلٰثًا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ مِنْ نَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ وَهَمْزِهٖ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَذَكَرَ فِىْ اٰخِرِهٖ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ وَقَالَ عُمَرُ نَفْخُهُ الْكِبْرُ وَنَفْثُهُ الشِّعْرُ وَهَمْزُهُ الْمُوْتَةُ

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا آپ نے کہا اللہ اکبر الٰی آخرہ اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے اللہ ہی کیلیے سب تعریفیں ہیں اللہ ہی کیلیے سب تعریفیں ہیں اور اللہ ہی کیلیے سب تعریفیں ہیں اور سبحان اللہ بکرۃ واصیلا صبح وشام[٢] اللہ ہی کی پاکی بولتا ہوں (تین بار) میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان سے اسکے تکبر سے اسکے شعروں سے اسکے وسوسوں سے (ابوداؤد وابن ماجہ) مگر ابن ماجہ نے الحمد للہ کثیرا کا ذکر نہ کیا اور آخر میں کہا من الشیطان الرجیم حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شیطان کا نفخ تکبر ہے نفث شعر اور ہمز وسوسہ ہے۔

[١] حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ قرشی نوفلی ہیں۔ عبد مناف کی اولاد سے ہیں۔ ان کے حالات متعدد جگہ ذکر ہو چکے ہیں۔

[٢] ان دو اوقات کا خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا کہ ان میں دن و رات کے ملائکہ کے جمع ہونے کی فضیلت پائی جاتی ہے۔

۳ہ یعنی شیطان کے نفخ اس کے نفث اور اس کے ہمز سے پناہ لیتا ہوں۔ نفخ سے تکبر و غرور و خود پسندی مراد ہے جس میں وہ انسان کو ڈالتا ہے۔ اور پیٹ [illegible] تکبر اس میں ڈالتا ہے اور سانس اس کی [illegible] ظاہر کرتا ہے اس طرح گویا وہ ابلیس اس میں ہوا بھرتا اور سانس سے برباد کرتا ہے۔ نفث کا معنی لب سے دم کرنا۔ اس سے جادو مراد لیا گیا ہے جو دم والا ان پر کرتا ہے یا اس کے کرنے کا باعث بنتا ہے۔ یہ معنی زیادہ مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کہ من شر النفّٰثٰت فی العقد یعنی جس سے ساحر عورتیں مراد ہیں۔ بعض نے کہا نفث سے شعر مراد ہیں جو انسان کے حاشیہ خیال میں آتے اور وہ اس سے [illegible] اور اس کی زبان سے نکلوا تا ہے۔ یعنی برے اشعار جو کفر و فسق کے معانی اور اہل اسلام کی ہجو و مذمت پر مشتمل ہوں۔

اور ہمز سے مراد لوگوں کی غیبت کرنا، ان کے عیب بیان کرنا اور ان کی نکتہ چینی ہے۔ بعض نے کہا ہمز شیطان سے اس کے وسوسے مراد ہیں۔ جو وہ لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول اعوذ بک من ہمزات الشیاطین سے اس کے وسوسے اور خطرات مراد لیے گئے ہیں۔

۴ہ ساوی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان تین الفاظ کی تفسیر [illegible] کیا کہ آپ نے فرمایا نفخ شیطان کا کبر ہے۔ نفث اس کا شعر، ہمز مرگی کے مانند ایک بیماری ہے، یہ بیماری جس انسان کو [illegible] [illegible] رکھتی ہے۔ اگر تفسیر کی یہ روایت صحت پر مبنی ہو تو پھر متعین ہو گیا کہ اس [illegible] سے مراد وہی [illegible] ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔

۱۱۶۳ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّهٗ حَفِظَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكْتَتَيْنِ سَكْتَةً اِذَا كَبَّرَ وَسَكْتَةً اِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَصَدَّقَهٗ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ نَحْوَهٗ۔

روایت ہے حضرت سمرہ [illegible] کہا انہوں نے رسول اللہ [illegible] [illegible] یا د رکھے۔ ایک [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کہ [illegible] [illegible] اس کو [illegible] [illegible]

لہ سَمُرَہ سین کی زبر میم کی پیش بن جُندُب جیم کی پیش، دال کی زبر و پیش کے ساتھ مشہور صحابی ہیں۔ کثیر الحدیث ہیں بصرہ میں رہتے تھے۔ حسن بصری اور دوسرے لوگوں نے آپ سے حدیث سنی۔ آپ کے حالات متعدد جگہ بیان ہو چکے ہیں۔

۵۲۔ ایک خاموشی جب کہ آپ تکبیر کہتے یعنی اس کے بعد سبحانک اللھم پڑھتے۔ یہاں سکتہ (خاموشی) عدم جہر کے معنی میں ہے۔ مطلق سکوت مراد نہیں۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعائے استفتاح (سبحانک اللھم) بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ علماء نے کہا ہے یہ مقتدیوں کے لیے کرتے تھے تاکہ انہیں سبحانک اللھم پڑھنے کا علم ہو جائے اور وہ اسے پڑھا کریں۔

۵۳۔ اور جب حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو پہنچی جو علماء صحابہ میں سے ہیں تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔

۵۴۔ واضح ہو کہ پہلا سکتہ (خاموشی) یعنی تکبیر کے متصل بعد متفق علیہ ہے یعنی آئمہ اربعہ وغیرہم اس پر متفق ہیں یہ سکتہ دعائے استفتاح (سبحانک اللھم) پڑھنے کے لیے ہے۔ مگر دوسرا سکتہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک سنت ہے۔ اور امام احمد سے بھی ایک روایت امام شافعی کے مطابق آئی ہے۔ جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا ہے تاکہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ سکیں۔ اور امام کی قرأت کے دوران سورۂ فاتحہ شروع کرکے اس کے ساتھ ٹکراؤ پیدا نہ کریں کہ ایسا کرنے سے ممانعت وارد ہو چکی ہے۔ علماء کرام ایک تیسرا سکتہ بھی بیان کرتے ہیں جو ولا الضالین اور آمین کے درمیان ہوتا ہے تاکہ یہ وہم نہ پڑے کہ آمین فاتحہ میں سے ہے۔ چوتھا سکتہ قرأت سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔ تاکہ قرأت اور تکبیر رکوع کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک صرف ایک سکتہ استفتاح ہے یعنی پہلا سکتہ جس میں سبحانک اللھم پڑھتے ہیں اور یہ درحقیقت سکتہ نہیں ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

۷۶۲۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ اِسْتَفْتَحَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلَمْ يَسْكُتْ هٰكَذَا فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَذَكَرَهُ الْحُمَيْدِيُّ فِيْ اِفْرَادِهٖ وَكَذَا صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنْ مُسْلِمٍ وَحْدَهٗ۔	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دوسری رکعت سے اٹھتے تو الحمد للہ رب العالمین سے قرأت شروع کرتے[۱] خاموش بالکل نہ ہوتے۔ مسلم میں یوں ہی ہے حمیدی[۲] نے اسے اپنے افراد میں ذکر کیا یوں ہی جامع[۳] والے نے صرف مسلم سے۔

⁂ ⁂ ⁂

۱۔ یعنی دعائے استفتاح پڑھنے کے لیے خاموش نہ ہوتے۔ حدیث کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری رکعت کی ابتداء بسم اللہ سے نہ کرتے تھے۔ شافعیہ رحمہم اللہ جو بسم اللہ کو فاتحہ کا جزو قرار دیتے ہیں اس کی تاویل کرتے ہیں۔ کہ الحمد للہ سے مراد مع بسم اللہ پوری سورۃ مراد ہے) جیسا کہ گزرا۔ یا مراد یہ ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔ رکعت اول سے اٹھنے کا حکم بھی یہی ہے۔ اس حدیث میں دوسری رکعت سے اٹھنے کی تخصیص اس لیے آئی کہ یہاں چونکہ نماز کا

ایک شفع (دو رکعت) پورا ہو جاتا ہے۔ تو وہم ہو سکتا ہے کہ تیسری رکعت کے ابتداء میں بھی شاید دعائے استفتاح پڑھنے کے لیے سکتہ کرتے ہوں۔

۵۲؎۔ یعنی اس حدیث کو حمیدی نے کتاب جمع بین الصحیحین میں مسلم کے افراد میں ذکر کیا۔

۵۳؎۔ یعنی اسی طرح صاحب جامع الاصول نے جس نے صحاح ستہ کی احادیث کو جمع کیا مسلم سے اسے تنہا روایت کیا۔ یہ کلام دراصل مولف کی طرف سے صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ مصنف اسے حسن احادیث میں لایا صحاح میں نہ لایا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۸۲۳؎ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ إِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِأَحْسَنِ الْأَعْمَالِ وَأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَقِنِيْ سَيِّئَ الْأَعْمَالِ وَسَيِّئَ الْأَخْلَاقِ لَا يَقِيْ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے پھر کہتے ان صلوٰتی الی آخرہ بے شک میری نماز میری قربانی میری زندگی میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی کا حکم دیا گیا اور میں پہلا مسلمان ہوں الٰہی اللہ مجھے اچھے اعمال اور اچھے اخلاق کی ہدایت دے کہ اچھی چیزوں کی ہدایت تیرے سوا کوئی نہیں دے سکتا اور مجھے برے اعمال اور بری عادتوں سے بچالے کہ برائیوں سے تیرے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔ (نسائی شریف)

۱؎۔ اس حدیث کی شرح فصل اول میں معلوم ہو چکی ہے وہاں لفظ وانا من المسلمین اور یہاں انا اول المسلمین ہے اس فرق کا نکتہ بھی وہاں مذکور ہو چکا۔ یہاں اعمال و اخلاق دونوں کا ذکر ہے وہاں صرف اخلاق کے ذکر کی تخصیص کا معہ اِصْرِف عنی۔ لا تصرف عنی کے الفاظ سے اور یہاں وقنی ولا یقی ہے۔ دونوں حدیثوں کا معنی ایک ہے صرف الفاظ الگ الگ لائے گئے ہیں۔

۸۲۴؎ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمَةَ قَالَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ يُصَلِّيْ تَطَوُّعًا قَالَ

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نفل نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو کہتے اللہ بہت بڑا ہے میں نے

اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ ذَكَرَ الْحَدِيْثَ مِثْلَ حَدِيْثِ جَابِرٍ اِلَّا اَنَّهٗ قَالَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَ بِحَمْدِكَ ثُمَّ يَقْرَأُ۔ (رَوَاهُ النِّسَائِیُّ)

اپنا رخ اسی کی جانب کیا۔ جس نے آسمان وزمین پیدا کیے میں تمام برائیوں سے دور ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔ اور باقی حدیث حضرت جابر کی سی ذکر کی۔ مگر یہ کہا کر "میں مسلمانوں میں سے ہوں"۔ پھر کہا الٰہی تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ میں تیری حمد کرتا ہوں۔ پھر قراءت[۳] فرماتے۔ (نسائی)

۱ھ۔ حضرت محمد بن مسلمہ میم اور لام کی زبر اور سین ساکن کے ساتھ۔ آپ انصاری اشہلی ہیں غزوہ تبوک کے سوا تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوہ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مدینہ منورہ میں چھوڑ کر تبوک گئے۔ فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مدینہ میں اسلام قبول کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ نے فتنہ کے ایام میں گوشہ نشینی اختیار کی ۴۳ھ میں وصال فرمایا۔

۲ھ۔ اس کی شرح گذشتہ حدیث گذر چکی۔

۳ھ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے بعد قراءت فرماتے۔ جیسا کہ دوسری احادیث میں آیا ہے۔ راوی کا مقصود بھی یہاں یہی بیان کرنا ہے کہ قراءت سے آپ سبحانک اللھم پڑھتے تھے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں قراءت کا باب

نماز میں قراءت جمہور ائمہ و علماء کے نزدیک فرض ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک ساری نماز میں سا امام مالک کے نزدیک تین رکعتیں یعنی اکثر کو کل کا حکم دیتے ہوئے۔ احناف کے نزدیک دو رکعتیں۔ امام احمد کا مذہب قول مشہور کے مطابق امام شافعی کے موافق ہے اور ایک روایت میں احناف کے موافق۔ اور امام حسن بصری و امام زفر کے نزدیک ایک رکعت میں اور ابوبکر اصم و سفیان بن عیینہ کے نزدیک قراءت سنت ہے کہ نماز کی اصل بنیاد افعال پر ہے نہ کہ اقوال پر۔ اسی وجہ سے جب افعال پر قدرت نہ رہے تو نماز ہی ساقط ہو جاتی ہے۔ مگر قول پر قدرت نہ ہو تو ساقط نہیں ہوتی کذا فی شروح الہدایہ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۷۶۵ — عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتٰبِ ـ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ـ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَصَاعِدًا ـ

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں (بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت میں ہے اس کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ اور کچھ اوپر نہ پڑھے۔

۵۔۱ ام القرآن بھی سورۂ فاتحہ کا نام ہے۔ چونکہ یہ سورۃ مقاصد قرآن (ثنائے الٰہی عزاسمہ، امر و نہی کی پابندی کرنے، عبادت بجا لانے اور وعدہ و وعید) پر مشتمل ہے یا جبکہ یہ سورۃ کتاب کا مبدء و مفتح ہے (جس سے آغاز و افتتاح کیا جائے) تو گویا یہ سورۃ قرآن پاک کا اصل و منشا قرار پائی۔

۵۔۲ یعنی آپ سورۃ فاتحہ اور اس سے کچھ زیادہ پڑھتے تھے مطلب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ ضرور پڑھتے تھے اور یہ کہ سورۃ فاتحہ پر کفایت نہ کی جائے۔ بلکہ اس سے زیادہ بھی کچھ پڑھا جائے تو درست ہے۔ امام شافعی اور امام احمد نے ایک روایت کے مطابق اس حدیث کو نماز میں سورۃ فاتحہ کی قراءت فرض ہونے کی دلیل قرار دیا ہے کیونکہ اس حدیث میں اس آدمی کی نماز ہی کی نفی کردی جس نے یہ سورت نہ پڑھی۔ ہمارے نزدیک حدیث میں نماز کے کامل ہونے کی نفی مراد ہے کہ قرآن مجید میں فرمایا فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ قرآن میں سے وہ پڑھو جو تمہیں آسان ہو۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو فرمایا اِقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ قرآن کا وہ حصہ جو تجھے یاد ہو آسان ہے وہ پڑھو۔ پس جس چیز کا پڑھنا فرض ہو۔ وہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن میں جو آسان ہو یعنی سورۃ فاتحہ یا کچھ اور وہ پڑھو۔ حقیقت یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے کہ اس کے بغیر نماز ناقص ہوتی ہے۔

۷۶۶ — وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَّمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلٰثًا غَيْرُ تَمَامٍ فَقِيْلَ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ اِنَّا نَكُوْنُ وَرَآءَ الْاِمَامِ قَالَ اقْرَأْ بِهَا فِيْ نَفْسِكَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے وہ نماز ناقص ہے۔ تین بار فرمایا کامل نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے کہا گیا ہم لوگ امام کے پیچھے ہوتے ہیں۔ فرمایا اپنے دل میں پڑھ لو۔ کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللہُ تَعَالٰى قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِيْ مَا سَاَلَ فَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اللہُ تَعَالٰى حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ وَاِذَا قَالَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَالَ اللہُ تَعَالٰى اَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ وَاِذَا قَالَ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ قَالَ مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ وَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ قَالَ هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَاَلَ فَاِذَا قَالَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ هٰذَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَاَلَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کو فرماتے سنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف بانٹ لیا ہے[۲] اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے[۳]، بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد کی۔ اور جب بندہ کہتا ہے الرحمن الرحیم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کی اور جب کہتا ہے مالک یوم الدین تو رب تعالیٰ کہتا ہے یہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ اور جب کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے[۴]۔ اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے۔ پھر جب بندہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے[۵]۔ (مسلم)

۱؎ خداج خدج سے بنا بمعنی اونٹنی کا اپنے بچہ کو پیٹ سے اس کی مدت حمل پوری ہونے سے پہلے گرا دینا۔ پھر یہ لفظ مطلق نقصان کے لیے بھی آتا ہے۔

۲؎ مصلح طرح کہ اپنے آپ کو سنوارو۔

۳؎ حمد میرے لیے ہے اور ادا کی میرے بندے کے لیے یعنی حمد و ثنا میرے لیے اور دعا و سوال بندے کے لیے۔

۴؎ یہاں نماز سے سورۂ فاتحہ مراد ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ کی قرارت کی فرضیت کی دلیل مجبوری ہیں ہے (اگر نماز سے سورۂ فاتحہ مراد ہے) لیکن جب کہ سورۂ فاتحہ کی یہ شان و عظمت ہے تو اس کی قرارت لازمًا نمازی کے ذمہ ہے۔ ہم کہتے ہیں بلکہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ فاتحہ میں نماز اور کل نماز ہے (مبالغۃً) جیسے حج کے لیے فرمایا الحج عرفۃ کہ حج وقوف عرفات کا نام ہے۔ خلاصہ گفتگو یہ کہ نماز کا اتنا حصہ (یعنی فاتحہ) جزء نماز میں داخل ہو گا۔

اس سے خارج نہ ہوگا۔ اس میں غور کرو۔ اس کے بعد بندے اور خدا کے درمیان اپنے قول مبارک سے سورۃ فاتحہ کا نصف نصف ہونا بیان فرمایا۔

۵۵۔ یعنی میرے بندے نے مجھے بزرگ جانا اور میری تعظیم بجا لایا۔ مجد بمعنی شرف و کرم کو کہتے ہیں۔ علماء نے کہا ہے مجید وہ ہوتا ہے جو شرف ذات کے ساتھ حسن افعال کا بھی جامع ہو۔ یہ تینوں خاص خدا تعالیٰ کے لیے ہیں۔

۵۶۔ یعنی استعانت و استمداد۔

۵۷۔ یہ تینوں چیزیں بندے کے لیے ہیں۔

۵۸۔ خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کی سات آیات ہیں۔ تین خاص خدا تعالیٰ اور اس کی ثنا کے لیے اور تین بندے کے لیے۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ بسملہ نہ فاتحہ میں داخل ہے نہ اس کا جزو ہے۔ جیسا کہ احناف کا مذہب ہے ان سات میں ایک آیت صراط الذین انعمت علیہم ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَکْرٍ وَّعُمَرَ کَانُوْا یَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوۃَ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما الحمد للہ رب العالمین سے نماز شروع کرتے تھے۔[1]

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

(مسلم)

۱۔ گزشتہ گفتگو سے معلوم ہوا کہ ظاہر یہ ہے کہ حضور اور صحابہ کرام بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھتے تھے۔ لیکن اس کا پڑھنا متفق علیہ ہے۔ کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں۔ دوسری احادیث سے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک بھی یہ تھا کہ آپ بسملہ پڑھتے تھے۔ چاہے بسملہ کو فاتحہ کا [illegible] جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک اسے اول نماز میں ہی پڑھا جائے [illegible] کی طرح نماز کا آغاز بناتے ہیں۔ ایک روایت میں ان کے اور ان کے صاحبین کے مذہب کے مطابق ہر رکعت کے اول اسے پڑھنا چاہیے۔ کہ تسمیہ مفتاح (چابی) قراءت ہے۔ اور قراءت کے بارے میں ہر رکعت مستقل حیثیت رکھتی ہے اس بنا پر بھی ہر رکعت میں بسملہ پڑھی جائے گی کہ احتیاط اسی میں ہے۔ پھر علماء کا اختلاف بھی ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کا جزو ہے یا نہیں۔ فاتحہ و سورت کے درمیان یہ اختلاف نہیں۔ مگر امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک سری نماز میں۔ پس امام شافعی اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں کہ الحمد للہ سے تمام سورت مراد ہے۔ جیسا کہ گزرا اور احناف کہتے ہیں کہ مراد جہر کی نفی ہے یہ مراد نہیں کہ بسملہ پڑھی نہ جائے گی۔ اور یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بسم اللہ شریف بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔ اگرچہ جہری نماز ہوتی تھی اور

شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے بعض حفاظ سے نقل کیا کہ ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں ہو سکی جو بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے میں صریح ہو۔ مگر یہ کہ ایسی ہر حدیث کی سند میں کلام ہے۔ اور چار مشہور مسانید والے حضرات نے کوئی حدیث اس میں نہیں لائی حالانکہ ان کی کتب ضعیف احادیث پر بھی مشتمل ہیں۔ اور بے شمار صحابہ، تابعین تبع تابعین وغیرہم کا ذکر کیا کہ وہ بسم اللہ شریف بلند آواز سے نہ پڑھتے اگر کبھی کبھار کسی سے جہر کی روایت آئی ہے تو وہ تعلیم پر محمول ہے۔ یا مقتدیوں کے صف قریب ہونے کی وجہ سے سنا ہو۔ اور ترمذی نے دو باب منعقد کیے ایک بسم اللہ کے بلند آواز سے پڑھنے کا۔ دوسرا بلند آواز سے نہ پڑھنے کا پھر بلند آواز سے نہ پڑھنے والی احادیث کو ترجیح دی۔ اور اکثر اہل علم یعنی صحابہ میں حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان، حضرت علی، وغیرہم اور تابعین و تبع تابعین رضی اللہ عنہم اسی جانب گئے ہیں۔ اس مقام پر شرح (عربی) میں اس سے زیادہ گفتگو کی گئی جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب زیادہ صحیح اور زیادہ راجح ہے۔

۷۶۸ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا اٰمِينَ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهُ وَفِي أُخْرٰى لِلْبُخَارِيِّ قَالَ إِذَا أَمَّنَ الْقَارِئُ فَأَمِّنُوا فَإِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ تُؤَمِّنُ فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ -

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو[1]۔ کہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوگی اس کے گزشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے[2]۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا جب امام کہے غیر المغضوب علیہم والضالین تو تم کہو آمین کہ بے شک جس کا کلام (ملائکہ کے کلام) کے موافق ہوا اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ یہ بخاری کے لفظ ہیں۔ اور مسلم کے نزدیک اس کی مثل ہیں۔ اور بخاری کی دوسری روایت ہے کہ فرمایا جب قاری[3] آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کہ ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں۔ اور جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوگی اس کے گزشتہ سب گناہ بخش دیے جائیں گے۔

[1] جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو۔ حدیث کا ظاہر معنیٰ یہ ہے کہ امام سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد جب آمین کہے

تو تم بھی آمین کہو۔ بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ جب امام دعا کرے (اھدنا الصراط المستقیم) تا آخر سورت اور نبی امام کی آمین کہنے کا موقعہ ہے تو تم آمین کہنے کے لیے تیار ہو تاکہ اس کے ساتھ مل کر آمین کہہ سکو۔ جس طرح کہتے ہیں جب بادشاہ کوچ کرے (رخت سفر باندھے) تم بھی کوچ کرو یعنی رخت سفر باندھنے اور اس کی تیاری میں مصروف ہو جاؤ۔ تاکہ جب اس کی روانگی کا وقت سر پر آ پہنچے تو تم بھی اس کے ساتھ چل پڑو مگر دونوں باتوں کا حاصل معنی ایک ہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو فرق محسوس ہوتا ہے یہ کہ ہے کہ اول معنی میں امام کا پہلے آمین کہنا مفہوم ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہو تو ٹھیک ہے جیسا کہ تمام افعال میں امام و مقتدی کا حال ہے کہ امام ذرا پہلے کرتا ہے اور مقتدی اس کے فوراً بعد۔ مگر یہاں آمین کہنے میں مقتدی جلدی کرے کہ امام کے ساتھ موافقت و معیت مستحب ہے (خوب سمجھ لو) اس کے بعد امام اور مقتدی دونوں کے آمین کہنے کی علت اور وجہ بیان کی۔ فانہ من وافق الی آخرہ سے۔

۲؎ کہ ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں۔ تو تم بھی آمین کہو۔ کہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق پڑھی گی۔ اس کے گزشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔

۳؎ واضح ہو کہ ظاہراً ایسا دکھائی دیتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے ہیں کہ جس بندے کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو گی اس کی استجابت ہو گی اور اس کی دعائے مغفرت ذنوب قبول ہو گی۔ یہ بات کہاں سے آگئی کہ یوں کہا جائے کہ حق جل وعلا نے مغفرت ذنوب کو اس موافقت کے خصائص اور لوازم میں سے کر دیا ہے۔ اور یہ کہ اس موافقت کی بدولت ہی اجابت دعا بھی ہو گی۔

جواب ہو سکتا ہے کہ ملائکہ کرام آمین کہنے والوں کے لیے دعائے مغفرت بھی کرتے ہوں۔ جیسا کہ تم نے نہیں سنا کہ جو نمازی نماز کی انتظار میں بیٹھتے ہیں ملائکہ ان کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور فرشتوں کا کام [illegible] مومنوں کے لیے دعا و استغفار کرنا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا۔ یُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَن فِي الْأَرْضِ۔ [illegible] حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے اور زمین والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں [illegible] حاصل معنی یہ ہوا کہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو گی وہ بخشا گیا اور جو بخشا گیا اس کی دعا قبول ہو گی (خوب سمجھ لو)

۴؎ قاری یعنی امام یا مطلق قاری چاہے نماز میں نہ ہو۔

۵؎ آمین بمعنی استجب۔ قبول کر یا ایسا ہی ہو۔ بعض نے کہا آمین اسم الٰہی ہے۔ مراد اللہ تعالیٰ [illegible] ہے۔ بعض نے کہا جنت میں ایک درجہ ہے کہ آمین کہنے والا اس کا مستحق قرار پائے گا۔ مد و قصر اور میم کی شد کے ساتھ دونوں طرح آیا ہے۔ اکثر روایات الف کی مد کی ہیں باقی رہا الف کی مد اور میم کی شد سے پڑھنا تو بعض نے کہا یہ غلط ہے اور تحقیق یہ ہے کہ یہ بھی ایک لغت ہے لیکن قلیل ہے (اس میں غور کرو)

۷۶۹ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّیْتُمْ فَاَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ ثُمَّ لِیَؤُمَّکُمْ اَحَدُکُمْ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ یُجِبْکُمُ اللّٰہُ فَاِذَا کَبَّرَ وَرَکَعَ فَکَبِّرُوْا وَارْکَعُوْا فَاِنَّ الْاِمَامَ یَرْکَعُ قَبْلَکُمْ وَیَرْفَعُ قَبْلَکُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتِلْکَ بِتِلْکَ قَالَ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ یَسْمَعُ اللّٰہُ لَکُمْ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَہٗ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَقَتَادَۃَ وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ نماز پڑھو تو صفیں[۱] سیدھی[۲] کرو پھر تم میں سے کوئی تمہارا امام[۳] بنے، جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، اللہ تعالےٰ تمہاری دعا قبول کرے گا۔ پھر جب تکبیر کہے اور رکوع کرے تو تم بھی[۴] تکبیر کہو اور رکوع کرو۔ امام تم سے پہلے رکوع میں جائے گا اور تم سے پہلے سر اٹھائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ اس کے بدلے میں[۵] ہوا اور جب کہے سمع اللہ لمن حمدہ تو تم کہو اللھم ربنا لک الحمد۔ اللہ تمہاری[۶] سنے گا (مسلم) اور مسلم کی ابوہریرہ وقتادہ سے ایک روایت میں ہے۔ کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو[۷]

۞ ۞ ۞

۱ ۔ یعنی جب تم لوگ جماعت سے نماز ادا کرو، چونکہ حدیث کے الفاظ کے انداز سے جماعت کا پتہ چل جاتا ہے۔ اس لیے صراحۃً جماعت کا ذکر نہ کیا۔

۲ ۔ صف لغت میں دھاگے کو کہتے ہیں۔ اقامت صفوف سے انہیں برابر اور سیدھا کرنا مراد ہے کہ ان میں خالی جگہ نہ رہے صف مکمل کرنے کو۔ یہی صف سیدھے کرنے میں شامل کیا گیا ہے۔

۳ ۔ یعنی تم میں سے کوئی بھی تمہارا امام بن جائے ٹھیک ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں جو آیا کہ تمہارا امام اعلم واقرا (زیادہ عالم اور اچھا قاری) ہونا چاہیے تو وہ اولیٰ اور افضل کا بیان ہے (اور جواز سب کے لیے ہے)

۴ ۔ کلمہ فا اس پر دلالت کرتا ہے کہ مقتدی تکبیر و رکوع وغیرہ جو فعل کریں امام کے پیچھے اور متصل پیچھے کریں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فان الامام یرکع قبلکم الی آخرہ۔ کیونکہ امام کی شان اولیت وسبقت ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امام و مقتدی دونوں کا زمانہ رکوع ایک ہو۔

۵ ۔ یعنی وہ لحظہ جس میں امام تم سے پہلے رکوع میں گیا اتنی ہی مقدار میں تمہارا امام کے بعد سر اٹھانا اس کے عوض

ہو جائے گا۔ اس طرح تمہارے اور تمہارے امام کے رکوع و دونوں کی مقدار وقت ایک جیسی ہو جائے گی۔ اور دونوں کا زمانہ برابر ہو جائے گا۔

۵۶۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری حمد سنے گا۔ ایک روایت میں و ربنا لک الحمد آیا ہے۔ اور ایک روایت میں اللھم ربنا لک الحمد اللھم کے اضافہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور ایک روایت میں اللھم اور واو دونوں کے ساتھ بھی آیا ہے۔ بعض نے کہا یہ روایت صحیح نہیں۔ امام سیوطی نے کہا اس کی روایت عبدالرزاق سے آئی ہے۔ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت آئی ہے کشمیہنی کی روایت بھی آئی ہے (سیوطی کا کلام ختم ہوا)

اس حدیث میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل ہے کہ امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد۔ امام مالک و امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ امام بھی دونوں کہے اور مقتدی بھی۔ اور منفرد بھی۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک امام دونوں کہے امام طحاوی کا مختار مذہب یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک ایسی ہی روایت آئی ہے۔ اتنی بات ہے کہ ربنا لک الحمد بلند آواز سے نہ کہے بلکہ اپنے دل میں کہے۔ لیکن تنہا پڑھنے والا دونوں کہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اور ایک پر اکتفا کرے تو بھی جائز ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ربنا لک الحمد پر اکتفا کرے اور جب دونوں کو جمع کرے تو سمع اللہ لمن حمدہ سر اٹھاتے وقت پڑھے اور ربنا لک الحمد حالت قیام میں۔ زمخشری نے حنفیہ کی طرف سے ایسا ہی کہا ہے اور کہا اگر سمع اللہ لمن حمدہ رکوع سے سر اٹھاتے وقت نہ کہا اور حالت قیام میں دونوں کہے بعض نے کہا اس حالت میں بھی دونوں کہہ لے۔

۵۷۔ جب امام قرأت کرے تو تم لوگ خاموش رہو۔ اور کان لگا کر سنو۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ مقتدی کے لیے امام کی اقتدار میں قرأت کرنا منع ہے۔ اور یہ کہ اس پر قرأت واجب نہیں۔ ان شاء اللہ تیسری فصل ثانی کے آخر میں اسی مسئلہ میں مفصل کلام آرہا ہے۔

۶۸ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی الظُّھْرِ فِی الْاُوْلَیَیْنِ بِاُمِّ الْکِتٰبِ وَسُوْرَتَیْنِ وَفِی الْاُخْرَیَیْنِ بِاُمِّ الْکِتَابِ وَیُسْمِعُنَا الْاٰیَۃَ اَحْیَانًا وَیُطَوِّلُ فِی الرَّکْعَۃِ الْاُوْلٰی مَالَا یُطِیْلُ فِی الرَّکْعَۃِ الثَّانِیَۃِ وَھٰکَذَا فِی الْعَصْرِ وَھٰکَذَا فِی الصُّبْحِ۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں الحمد سورۃ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی ہم کو کوئی آیت سنا دیتے تھے۔ اور پہلی رکعت میں اتنی درازی کرتے جو دوسری رکعت میں نہ کرتے یوں ہی عصر میں اور یونہی صبح میں کرتے

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری ومسلم)

سلہ۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورۃ پڑھتے تھے۔

سلہ۔ یعنی جو سورت آپ پڑھتے کبھی کبھی اس کی آیات میں سے کوئی آیت ہمیں سناتے تھے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سنانا قصد وارادہ سے ہوتا تھا یہ بتلانے کے لیے کہ فاتحہ کے بعد بھی پڑھا جائے۔ یا یہ بتلانے کے لیے کہ فلاں سورۃ پڑھی ہے یا بیان جواز کے لیے آپ نے ایسا کیا کہ اگر سری نماز میں کوئی ایک آیت بلند آواز سے پڑھی گئی تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ بعض کہتے ہیں آپ کا ایسا کرنا آیات میں تدبر کرتے ہوئے غلبہ استغراق پر محمول ہے کہ یہ جہر بے اختیار ہو جاتا تھا مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ سنانا قصد وارادہ سے ہوتا تھا اور ظہر کی قید اتفاقی ہے۔

سلہ۔ واضح ہو کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو لمبا کرنا ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ ظہر وعصر اور صبح میں تو اس بارے میں ان سے نص ہے۔ اور مغرب وعشا کو ان پر قیاس کرتے ہوئے اور عبدالرزاق نے معمر سے اس حدیث کے آخر میں کہا ہم لوگ گمان کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلی رکعت کو لمبا کرنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ لوگ رکعت اولی پالیں۔ ابوداؤد اور ابن خزیمہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ جیسا کہ بعض شروح میں ہے۔ مگر امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک یہ نماز فجر کے ساتھ خاص ہے کہ یہ نیند اور غفلت کا وقت ہے۔ دیگر دونوں رکعتیں استحقاق قرأت میں برابر ہیں۔ اس لیے مقدار میں بھی برابر ہونا چاہیے۔ جیسا کہ آخری حدیث میں آیا ہے کہ ہر رکعت میں تیس آیات کے مقدار ہوتا تھا۔ اور حدیث میں (ہر نماز) کے بارے میں پہلی رکعت کی جو لمبائی مذکور ہے وہ سبحانک اللہم، اعوذ باللہ اور بسم اللہ پر محمول ہے اور اس صورت پر کہ تین آیات سے کم پڑھی جائیں۔ جیسا کہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ کی شرح میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا نَحْزُرُ قِيَامَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ قَدْرَ قِرَاءَةِ الم تَنْزِيلُ السَّجْدَةِ وَفِي رِوَايَةٍ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ قَدْرَ ثَلَاثِينَ آيَةً وَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ قَدْرَ النِّصْفِ مِنْ ذَلِكَ وَحَزَرْنَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہر وعصر کے قیام کا اندازہ لگاتے تھے۔ تو ہم نے آپ کی ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں قیام کا اندازہ الم تنزیل پڑھنے کے بقدر لگایا۔ ایک روایت میں ہے ہر رکعت میں تیس آیات کی مقدار اور ہم نے آخری دو رکعتوں میں قیام کا اندازہ لگایا اس سے آدھے کا لگایا۔ اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ظہر کی آخری دو رکعتوں کے قیام کے بقدر اندازہ لگایا۔ اور عصر کی آخری رکعتوں

مِنَ الْعَصْرِ عَلٰى قَدْرِ قِيَامِهٖ فِي الْاُخْرَيَيْنِ مِنَ الْاُخْرَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

میں اس سے آدھا۔ (مسلم)

٭ ٭ ٭

ف۱۔ اصل میں لفظ حزر استعمال ہوا ہے۔ حائے مہملہ پھر زا اس کے بعد را کے ساتھ اس کا معنی ہے کھیت میں موجود فصل اور درخت پر میوہ کا اندازہ لگانا۔

ف۲۔ اس سے مراد اس سورۃ کی مقدار آیات کا پڑھنا ہے۔ دو رکعتوں میں یا ایک رکعت میں اس دوسرے معنی کے موافق ہے۔ یہ اگلا لفظ یعنی فی روایۃ فی کل رکعۃ قدر ثلاثین آیۃ یعنی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ ہر رکعت میں آپ تیس آیات کی مقدار پڑھتے تھے۔ کہ اس سورۃ کی انتیس آیات ہیں۔ معنی اول کے مطابق یہ پہلی روایت کے مخالف ہوگا۔

ف۳۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری دو رکعت میں بھی آپ سورۃ پڑھتے تھے۔ مگر پہلی دو کی نسبت مختصر ہوتی تھیں۔

ف۴۔ واضح ہو کہ تمام آئمہ اس امر کے قائل ہیں کہ آخری دو رکعت میں صرف فاتحہ پر کفایت کرنا جائز ہے۔ احناف کے نزدیک اگر ایک بار تسبیح کہے یا خاموش رہے تو بھی جائز ہے۔ مگر قراءت افضل ہے۔ امام نخعی، امام ثوری اور کوفہ کے تمام علماء اسی پر ہیں۔ محیط میں ہے اگر دانستہ خاموش رہا تو یہ اس نے اچھا نہ کیا کہ یہ سنت کی مخالفت ہے۔ اور حسن بن زیاد کی ایک روایت میں جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ سے ہے کہ پہلی دو رکعت کے بعد قراءت واجب ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ فرمایا پہلی دو رکعت میں قراءت کرو اور آخری دو میں تسبیح پڑھو جیسا کہ شمنی نے ذکر کیا۔ یہ بھی کہا کہ آخری دو رکعت میں اگر کسی نے فاتحہ اور سورۃ پڑھی تو سجدہ سہو نہ کرے گا۔ صحیح یہ ہے کیونکہ آخری دو رکعت میں صرف فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے۔ اور ترک سورۃ واجب نہیں ہے۔ امام ... یہ ہے کہ آخری دو رکعت میں سورۃ کا پڑھنا مکروہ نہیں ہے کہ تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی آخری دو رکعت میں فاتحہ سے زائد بھی پڑھتے تھے لیکن مستحب یہی ہے کہ صرف فاتحہ پڑھی جائے۔

۴۷۲/۸ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ بِاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَفِي رِوَايَةٍ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الْعَصْرِ نَحْوَ ذٰلِكَ وَفِي الصُّبْحِ

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر میں واللیل اذا یغشی پڑھتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سبح اسم ربک الاعلی اور عصر میں اسی طرح اور فجر میں اس سے کچھ دراز

اَطْوَلَ مِنْ ذَالِكَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

ف۱۔ سَمُرہ سین کی زبر اور میم کی پیش کے ساتھ۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت سمرہ صحابی ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہمشیرہ زادہ ہیں۔ حضور علیہ السلام اور حضرت عمر اور حضرت علی سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

ف۲۔ اس بات کا علم کہ آپ یہ دو سورتیں پڑھتے تھے یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے ہوا۔ یا آپ نے کبھی کبھی بلند آواز سے پڑھ کر کوئی آیت سنوا دی۔

ف۳۔ واضح ہو کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں فلاں فلاں سورت پڑھتے تھے۔ یہ بیان کیے بغیر کہ پہلی رکعت میں یا دوسری میں یا کسی رکعت میں لاعلی تعیین پہلی میں یا دوسری میں۔ یہ عبارت ان تمام احتمالات کو شامل ہے۔ مگر اسے دونوں رکعتوں پر محمول کرنے سے ایک تو تکرار سورۃ دوسرا سورتوں کو چھوٹے چھوٹے حصے بنانا لازم آتا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں بعید ہیں۔ اگرچہ جائز ہیں۔ مگر اس کا وقوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نادر ہے۔ فقہاء نے کہا ہے ایک سورۃ کا پڑھنا اگرچہ چھوٹی ہو افضل ہے اس سے کہ لمبی سورۃ پوری پڑھی جائے بلکہ اس کا کچھ حصہ پڑھا جائے۔ یہاں قراءت سے ایک رکعت میں خواہ پہلی ہو یا دوسری، عبارت کے اعتبار سے یہ سب سے ظاہر اور واضح احتمال ہے۔ جامع الاصول میں نسائی کی حدیث سے قطبہ بن ملک سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز صبح ادا کی۔ اور آپ نے اس کی ایک رکعت میں والنخل باسقات پڑھی۔ اگرچہ ترمذی میں فی الرکعۃ الاولی کا لفظ واقع ہوا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مراد رکعت اولی ہو کہ اکثر احادیث میں رکعت اولی کا بیان آیا ہے۔ اور میں نے ائمہ حنفیہ کے ثقہ فقہائے مکہ معظمہ سے سنا ہے کہ فقہاء نے طوال مفصل اور اوساط و قصر کی تعیین جو کی ہے وہ رکعت اولی سے متعلق ہے۔ یہ بیان و تفصیل جو یہاں کی گئی ہے کسی بھی شرح میں نظر سے نہیں گذری غور کرو۔ واللہ اعلم۔

۷۹۳ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں سورۂ طور پڑھتے سنا۔ (مسلم بخاری)

ف۱۔ مُطْعِم میم کی پیش، طاء مہملہ عین کی زیر کے ساتھ صحابی ہیں قرشی ہیں اشراف قریش میں سے ہیں سردار بردبار اور بڑے باوقار انسان تھے۔

۷۹۴ وَعَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے

قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

روایت ہے۔ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں والمرسلات عرفا پڑھتے سنا۔
(بخاری و مسلم)

ف۱۔ ام الفضل رضی اللہ عنہا حضرت عباس کی زوجہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس و فضل بن عباس کی والدہ ہیں۔

ف۲۔ واضح ہو کہ ان دو احادیث اور ایک اور حدیث میں جو واقع ہوا کہ آپ نے مغرب کی نماز میں سورۃ اعراف و انفال اور دخان پڑھی۔ اسی طرح وہ احادیث جو دوسری نمازوں میں واقع ہوئی ہیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کوئی قرأت متعین نہیں۔ حالانکہ ائمہ فقہاء نے قرار دیا ہے کہ فجر و ظہر میں طوال مفصل اور عصر و عشاء میں طوال اوسط اور مغرب میں مختصر سورتیں پڑھی جائیں۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی حدیث میں آرہا ہے کہ کوئی سورت مفصل نہیں نہ صغیرہ نہ کبیرہ مگر میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کہ آپ نے ان کے ساتھ لوگوں کی نماز فرض میں امامت کی ہو۔ فقہاء کرام کا ان سورتوں کی تعیین کی دلیل دراصل حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا وہ خط ہے جو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا جبکہ وہ آپ کی طرف سے کوفہ کے حاکم تھے۔ اس میں آپ نے یہ تفصیل لکھی تھی۔ اسی بنا پر ان مخصوص قرأت طوال مفصل اوساط اور اقصر کی تعیین ہوئی) مختصر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں قرأت کا معاملہ کم زیادہ [illegible] قرأت تھا۔ اور یہ اختلاف حالات، اوقات، حکمتوں، مصلحتوں اور تعلیم جواز و رخصت کے باعث [illegible] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط مبارک کے مطابق متعین ہوا۔ اس دلیل و سماع کا [illegible] آپ کی طرف سے ملی ہو گی۔ ہو سکتا ہے غالب حالات و اوقات میں آپ کی قرأت [illegible] خلاف کیا ہو۔ اور دلیل و حجت کے لیے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قول مبارک کافی ہے۔

۵۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ فَصَلَّى لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ أَتَى قَوْمَهُ فَأَمَّهُمْ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلَّى وَحْدَهُ وَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت معاذ بن جبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے پھر جا کر اپنی قوم کی امامت کرتے تھے۔ ایک رات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عشاء پڑھی۔ پھر اپنی قوم میں آئے ان کے امام بنے اور سورۃ بقر شروع کر دی۔ ایک شخص پھر گیا اور

فَانْصَرَفَ فَقَالُوْا لَهٗ اَنَافَقْتَ يَا فُلَانُ قَالَ لَا وَاللّٰهِ وَلَاٰتِيَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَاُخْبِرَنَّهٗ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا اَصْحَابُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَاِنَّ مُعَاذًا صَلّٰى مَعَكَ الْعِشَآءَ ثُمَّ اَتٰى قَوْمَهٗ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مُعَاذٍ فَقَالَ يَا مُعَاذُ اَفَتَّانٌ اَنْتَ اِقْرَاْ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اس نے سلام پھیر[1] کر اکیلے نماز پڑھی اور چلا گیا لوگوں نے کہا اے فلاں کیا تو منافق ہو گیا[2] بولا نہیں رب کی قسم[3] میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جاؤں گا اور آپ کو یہ خبر ضرور دوں گا پھر وہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پاک میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ اونٹ والے ہیں۔ دن بھر کام کرتے ہیں اور بے شک معاذ نے آپ کے ساتھ نماز عشا پڑھی۔ پھر اپنی قوم میں آئے اور سورۃ بقر شروع کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ پر متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اے معاذ کیا تم فتنہ گر ہو[6] الشمس وضحھا۔ والضحیٰ۔ واللیل اذا یغشی اور سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھا کرو۔

(بخاری و مسلم)

۱۔ یعنی اس نے نماز توڑ دی اور اس سے باہر نکل آیا۔ یہ مقام سلام پھیرنے کا نہ تھا کہ اس کا مقام آخر نماز ہے۔ مگر اس مرد نے چاہا کہ سلام کے ساتھ نماز سے باہر ہو نماز مکمل ہو جانے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے۔

۲۔ یعنی کیا تو جماعت سے باہر آگیا ہے اور تو نے نماز سے سستی کی ہے۔ جیسا کہ منافقین کے بارے میں ہے۔ وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى۔ اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو ہارے جی سے کھڑے ہوتے ہیں۔

۳۔ یعنی میں سستی اور کسل کی وجہ سے جماعت سے باہر نہیں آیا۔ بلکہ ناطاقتی کی وجہ سے اور میں اس لمبی نماز کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا یعنی اتنی دیر کھڑا نہیں رہ سکتا۔

۴۔ ہم کھیت اونٹوں والے ہیں کہ ان کے ساتھ پانی کھینچتے ہیں۔ نواضح ناضحۃ و ناضحہ والے کے ساتھ۔ ناضح پانی کھینچنے والا اونٹ یا شتر آبی کی جمع۔

۵۔ اور ہم رات کو تھک جاتے ہیں۔

۶۔ یعنی اے معاذ کیا لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والا ہے۔ اور انہیں جماعت سے بھگانے والا ہے اور اختلاف ڈال کر ان میں فساد برپا کرنے والا ہے اور لوگوں کو دین سے دور کرنے والا ہے۔

ﮯ۔ واضح ہو کہ حضرات شوافع نے اس حدیث سے یہ دلیل اخذ کی ہے کہ فرض نماز پڑھنے والا نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ حضرت معاذ جب ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کر چکے تو ان کے ذمہ سے فرض ساقط ہو گئے، پس جو نماز وہ قوم کے ساتھ آکر پڑھتے تھے وہ نفل تھی۔ قوم کی نماز فرض تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کے فعل کو ثابت رکھتے ہوئے یہ اعتراض کیا کہ تو نے قرات دراز کیوں کر دی ہے۔ اور یہ نہ فرمایا کہ تیرا ان لوگوں کی امامت کرانا درست نہیں ہے۔ کیونکہ تیری نماز نفل ہوتی ہے۔ اور وہ فرض ادا کر رہے ہوتے ہیں۔

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ دلیل اس وقت تمام ہو سکتی ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہوں کہ معاذ میری اقتداء میں نماز ادا کرتا ہے۔ اور فرض نماز ادا کرتا ہے۔ اس کے بعد جا کر اپنی قوم کی امامت کرتا ہے۔ شاید آپ کو اس صورت حال کا علم نہ ہو۔ اس پر امام احمد کی ایک حدیث دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ فتنہ انداز نہ بن یا تو میرے ساتھ نماز ادا کر یا اپنی قوم کے لیے نماز میں تخفیف کر۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کاموں کو لفظ یا سے بیان فرمایا اور دو کاموں میں سے ایک کام شروع اور جائز قرار دیا یعنی یا تو ہمارے ساتھ نماز پڑھ اور پھر لوگوں کے ساتھ جا کر نہ پڑھ کہ اس سے فرض والے کی اقتدا نفل والے کے پیچھے لازم آتا ہے یا قوم کے ساتھ جا کر نماز ادا کر اور ہمیں نماز ادا کر۔ اور جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا نہ کریں گے۔ تو وہ بھی فرض نماز پڑھنے والے ہو گئے تو اقتدا فرض والے کی فرض والے کے لیے ہو گی۔ شیخ ابن الہمام علیہ الرحمۃ نے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل نماز کی نیت کرتے ہوں۔ تاکہ آپ کے ساتھ جماعت کی فضیلت پائیں۔ اور فرض نماز اپنی قوم کے ساتھ بعد میں پڑھتے ہوں۔

٤٤٦ / ١٢ وَعَنِ الْبَرَآءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِشَآءِ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَمَا سَمِعْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ صَوْتًا مِّنْهُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے [illegible] میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] والتین والزیتون پڑھتے [illegible] اور آپ سے زیادہ [illegible] خوش آواز کسی کو نہ [illegible] (متفق علیہ)

لہ۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ سب سے پہلے غزوہ [illegible] اور نہروان کی جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی رہے۔ مصعب بن الزبیر کے زمانہ [illegible] فوت ہوئے۔

ﮯ۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے تو آپ نے عشاء کی دو رکعتوں میں سے ایک میں سورۃ والتین پڑھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو رکعتوں میں سے کسی ایک رکعت کی قراءت کا ذکر ہے۔ جیسا کہ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہم نے کہا اور اسے ہم نے تمام احتمالات سے زیادہ ظاہر احتمال قرار دیا۔

۷۹۳ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ بِقٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَنَحْوِهَا وَكَانَتْ صَلٰوتُهُ بَعْدُ تَخْفِيْفًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں ق والقرآن المجید اور اس جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے پھر بعد میں آپ کی نماز کچھ ہلکی ہو گئی (مسلم)

لہ یعنی ق اور اس جیسی سورتیں فجر میں پڑھتے تھے۔

سلہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے بعد (علاوہ) باقی چار نمازیں ہلکی پڑھتے تھے علماء نے کہا ہے فجر کی قراءت لمبی کرنے کا سبب دو وجہ یہ تھی کہ رحمت ربانی کا نزول اور فیض رحمانی کا ورود رات کے آخری تیسرے حصے سے شروع ہوتا ہے وہ فجر کی نماز کے اختتام تک اور ایک روایت کے مطابق طلوع فجر تک رہتا ہے۔ لہذا اس وقت قراءت و ذکر و تسبیح زیادہ بہتر و افضل ہے سیا نماز صبح میں قراءت دراز کرنے کی وجہ تھی کہ استراحت و نیند کے بعد جو راحت نصیب ہوئی اور اس استراحت کی وجہ سے جو خدمت میں کوتاہی واقع ہوئی اور جو کدورت و زنگ دل کے آئینے پر بیٹھ گیا تو قراءت کا لمبا کرنا اس کی تلافی کا موجب اور اس کوتاہی کا عذر اور اس زنگ و کدورت کا ازالہ ہے مزید یہ کہ امور معاش اور اسباب کی مشغولیت بھی ابھی نہیں ہوتی۔ اور انسان کے لیے یہ ایک ایسا وقت ہے کہ دل و جان اور کان کے موافق ہوتا ہے۔ اس وجہ سے قرآن حکیم کا فہم اور اس میں تدبر آسان تر اور روشن تر ہوتا ہے۔ شرح سفر السعادۃ میں اس سے بڑھ کر کئی اور نکتے بیان کر دیے گئے ہم نے یہ مذکورہ گفتگو بھی وہاں کی ہے۔

ہمارے شیخ حدیث کے شیخ مشائخ جناب امام حجر مکی نے اس عبارت کی شرح میں کہا کہ اس امر کا احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز آپ کے زمانہ کے بعد ہلکی ہو گئی یعنی اوائل ہجرت میں جب کہ صحابہ کم اور محدود تھے۔ اس وقت آپ قراءت لمبی کرتے تھے۔ بعد میں جب صحابہ کرام تعداد میں زیادہ ہو گئے اور ان میں کام کاج والے۔ تجارت و زراعت پیشہ اور ضعیف و بیمار لوگ بھی شامل ہو گئے تو آپ نے قراءت ہلکی کر دی۔ اور یوں کہنا بھی ممکن ہے کہ عبارت کا معنی یہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قراءت دراز کرنے کے باوجود صحابہ کرام اُسے ہلکی اور مختصر خیال کرتے تھے۔ اس ذوق و حضور و لذت کے باعث جو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت سننے سے حاصل ہوتی تھی کہ آپ کی قراءت تھوڑے سے وقت میں زیادہ اور جلدی معلوم ہوتی تھی۔ حدیث انس میں اس معنی کی تصریح بھی موجود ہے کہ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَخَفَّ صَلٰوۃً فِیْ تَمَامٍ یعنی مکمل قراءت کے باوجود آپ کی قراءت ہلکی محسوس ہوتی تھی۔ صاحب سفر السعادۃ نے فرمایا کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ آپ کا معمو

نمازِ بھی دوسروں کی نمازوں کے مقابلے میں بہت ہلکی محسوس ہوتی تھی۔ اس وجہ سے جس کا ذکر ہوا۔ (یعنی ذوق و لذت کی بنا پر) اور کسی چیز کا ہلکا ہونا ایک اضافی امر ہے۔ (اسے سمجھو)

۱۴۴ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُ فِي الْفَجْرِ وَ اللَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمرو[1] بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ فجر میں وَاللَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ پڑھتے سنا[2]۔ (مسلم)

[1] عمرو بن حریث۔ حریث حا کی پیش را کی زبر بعد ثا۔ آپ کی کنیت ابو سعید ہے قرشی مخزومی ہیں۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا آپ نے ان کے سر مبارک پر اپنا دست پاک پھیرا تھا اور ان کے لیے خیر و برکت کی دعا کی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت آپ بارہ سال کے تھے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے عطاء بن السائب وغیرہ

[2] از سورۃ اذا الشمس کورت سے جس میں یہ کلمہ آیا ہے۔

۱۴۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ بِمَكَّةَ فَاسْتَفْتَحَ سُوْرَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ حَتّٰى جَآءَ ذِكْرُ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ اَوْ ذِكْرُ عِيْسٰى اَخَذَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْلَةٌ فَرَكَعَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ[1] بن السائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں نمازِ فجر پڑھائی سورۂ مومنون شروع کی[2] حتیٰ کہ جب موسیٰ و ہارون یا عیسیٰ کا ذکر آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانسی[3] آگئی تو رکوع کر دیا[4]۔ (مسلم)

[1] عبداللہ بن السائب صحابی ہیں مخزومی ہیں اہل مکہ کے قاری ہیں … ان سے مجاہد عطاء نے اور عبداللہ بن السائب جو تابعی ہے وہ دوسرا شخص ہے …

[2] یعنی مکہ معظمہ میں صبح کی نماز۔ نسائی کی ایک روایت میں ہے فتح مکہ کے دن … آپ نے سورۂ مومنون پڑھنا شروع کی۔

[3] سُعلہ سین کی زبر یا پیش اور عین ساکن کے ساتھ یعنی کھانسی۔ کہتے ہیں یہ کھانسی گریہ کی وجہ سے لاحق ہوئی تھی۔

[4] اور آگے قرات نہ کر سکے

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی الْفَجْرِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ بِالٓمّٓ تَنْزِیْلُ فِی الرَّکْعَۃِ الْاُوْلٰی وَفِی الثَّانِیَۃِ ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں آلم تنزیل اور دوسری میں ھل اَتیٰ علے الانسان پڑھتے تھے۔

(بخاری و مسلم)

لے ان دو سورتوں کا جمعہ کے روز فجر کی نماز میں پڑھنا شافعیہ کے نزدیک متعارف، ضروری اور ہمیشہ کا دستور ہے حرمین شریفین میں بھی ان کا عمل اسی پر ہے۔ احناف کی کتب میں مذکور ہے کہ نماز کے لیے قرآن میں سے کوئی جگہ متعین نہ کرے اور وہ اسی روایت کو مثال میں پیش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں جیسے ان دو سورتوں کا تعین فجر جمعہ کے لیے اور سورہ جمعہ اور منافقون کا تعین نماز جمعہ کے لیے ہے۔ مگر یہ بات صحت حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد غرابت سے خالی نہیں ہے۔ حنفیہ رحمہم اللہ کے محقق شیخ ابن ہمام رضی اللہ عنہ نے طحاوی اور اسبیجابی سے نقل کیا کہ یہ (تعین کرنا) اس صورت میں ٹھیک نہیں جب کہ وہ اسے لازم و ضروری خیال کرے اور اس کے ماسوا کو مکروہ جانے اور اگر آسانی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت سے تبرک حاصل کرنے کے لیے پڑھے تو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ کبھی کبھی دوسری سورتیں بھی پڑھے۔ تاکہ کوئی جاہل یہ گمان نہ کرے کہ ان سورتوں کے علاوہ اور کسی سورت کا پڑھنا جائز ہی نہیں اور یہ تحقیق بات ہے کہ احادیث صحیحہ میں بعض نمازوں کے لیے قرأت کی تعیین آچکی ہے۔ جیسے قل یا ایھا الکفرون اور قل ہو اللہ احد فجر کی سنتوں میں اور سبح اسم ربک الاعلیٰ اور قل یا ایھا الکفرون اور قل ہو اللہ احد کا وتر نماز میں پڑھنا وغیرہ۔

شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ دلیل کا مقتضا عدم مداومت ہے مداومت عدم نہیں۔ جس طرح کہ حنفیہ حصر کرتے ہیں بلکہ مستحب ہے کہ گاہ گاہ وہ سورتیں بھی تبرکاً یا ماثور (منقول و سرور چیز) سے تبرک حاصل کرنے کے لیے پڑھے (ابن الہمام کا کلام ختم ہوا)

چہ جنیف (العبد الحق) عفا اللہ عنہ کہتا ہے اس میں شک نہیں کہ حدیث کی صحت تسلیم کرنے کے بعد وجوب کا وہم پڑھنے کا عذر اور عدم صحت وغیرہ سب نامناسب باتیں ہیں۔ تو خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ عمل دائماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوا ہے۔ بلکہ کبھی کبھی ڈرانے اور بشارت دینے کے ارادے سے آپ نے یہ سورتیں پڑھی ہیں جیسا کہ وہاں ان دو سورتوں کے پڑھنے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ یہ سورتیں مبداء و معاد اور دخول جنت و دوزخ کے معانی پر مشتمل ہیں۔ یہ معانی روز جمعہ میں پائے جائیں گے اور قیامت جمعہ کے دن قائم اور ظاہر ہوگی۔ چنانچہ محافل اور بڑے بڑے مجمع میں اسے حسب ذوق و اقتضاء پڑھتے تھے۔ پس اگر کبھی کبھی انہیں پڑھ لیں تو بہتر و افضل ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۱۷ وَعَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِينَةِ وَخَرَجَ إِلَى مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ فَقَرَأَ سُورَةَ الْجُمُعَةِ فِي السَّجْدَةِ الْأُولَى وَفِي الْآخِرَةِ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبید اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ پر اپنا خلیفہ بنایا، اور خود مکہ معظمہ چلا گیا پھر اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں جمعہ پڑھایا آپ نے پہلی رکعت میں سورۃ جمعہ پڑھی اور دوسری رکعت میں اذا جاءک المنافقون پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے دن یہ سورتیں پڑھتے سنا۔ (مسلم)

۱۔ حضرت عبید اللہ بن ابی رافع مدنی ہیں مشہور تابعی ہیں آپ نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث پاک سنی۔ آپ حضرت امیر المومنین کے کاتب بھی تھے۔ اور ابو رافع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

۲۔ یعنی مروان بن الحکم نے اپنی امارت کے زمانہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ پر اپنا جانشین بنایا اور خروج وغیرہ کے لیے مکہ معظمہ چلا گیا۔

۸۱۸ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ قَالَ وَإِذَا اجْتَمَعَ الْعِيدُ وَالْجُمُعَةُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِي الصَّلٰوتَيْنِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ھل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھتے تھے فرماتے ہیں کہ جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاتے تو یہ دونوں سورتیں دونوں نمازوں میں پڑھتے۔ (مسلم)

۱۔ نعمان بن بشیر باوکی زبیا درشین کی زیر سے صحابی ہیں۔ انصار مدینہ میں ہجرت کے بعد سب سے پہلے یہی پیدا ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت آپ آٹھ سال کے تھے۔ ان کے حالات [illegible] میں بیان ہو چکے ہیں۔

۲۔ اس حدیث سے نماز عید و جمعہ میں ان دو سورتوں کے پڑھنے کے استحباب کی تاکید معلوم ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون کا جمعہ میں پڑھنا ہمیشہ نہ تھا۔

۸۵۳ وَعَنْ عُبَيْدِ اللهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ أَبَا وَاقِدِنِ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ فَقَالَ كَانَ يَقْرَأُ فِيهِمَا بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔

حضرت عبید اللہ[1] سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید بقر و عید الفطر میں کونسی سورتیں پڑھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آپ دونوں میں آپ ق والقرآن المجید اور اقتربت الساعۃ پڑھتے[2] تھے۔ (مسلم)

[1] یعنی حضرت عبید اللہ بن عقبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔ تابعی اور امام ہیں مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ہیں۔ حضرت ابو واقد لیثی بھی صحابی ہیں۔

[2] علماء فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حضرت ابو واقد لیثی سے دریافت کرنے کا مقصد حاضرین کے ذہن میں مسئلے کو بٹھانا تھا تاکہ سب کو پتہ چل جائے، ورنہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر وقت قریب ہونے کے باوجود اس سے بے خبر رہنا بعید سی بات ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۵۴ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قُلْ يَاأَيُّهَا الْكٰفِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دو رکعتوں[1] میں قل یا ایھا الکٰفرون اور قل ہو اللہ احد پڑھیں۔ (مسلم)

[1] یہ بات ذہن نشین رہے کہ جب فجر کی دو رکعتیں یا مغرب کی دو رکعتیں کہتے ہیں تو اس سے سنت مراد ہوتی ہے فرض کے لیے صلوٰۃ فجر اور صلوٰۃ مغرب کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

۸۵۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَالَّتِي فِي اٰلِ عِمْرَانَ قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعتوں میں قُولوا آمنا باللہ وما اُنزل الینا اور آل عمران والی آیت قل یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم پڑھتے تھے۔ (مسلم)

سلہ۔ یہ دونوں آیات سورۃ بقرہ کی ہیں۔
سلہ۔ یہ آل عمران کی آیت ہے اور اسے دوسری رکعت میں آپ پڑھتے تھے۔
سلہ۔ ظاہر یہ ہے کہ ان دو آیات کو آپ کبھی کبھی پڑھتے تھے۔ غالب و اکثر آپ فجر کی سنتوں میں قل یا ایھا الکافرون اور قل ہو اللہ پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض سورتوں کا پڑھنا خصوصاً اوساط میں سے مکروہ نہیں ہے۔ اگر کراہت ہے تو فرائض میں ہوگی۔ مگر حق یہ ہے کہ جو چیز پایہ ثبوت اور درجہ صحت کو پہنچ چکی ہے۔ اس کے مکروہ ہونے کا کوئی معنی نہیں۔ اگر اس بارے میں گفتگو کی کوئی گنجائش ہے تو وہ اس کے ثبوت وصحت میں ہوگی۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۷۸۶/۲۲ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَفْتَتِحُ صَلٰوتَهٗ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ لَیْسَ اِسْنَادُهٗ بِذٰلِكَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرتے تھے (ترمذی) اور کہا اس حدیث کا اسناد قوی نہیں۔

سلہ۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے بسم اللہ شریف بلند آواز سے پڑھنا مراد ہو گا ورنہ بسم اللہ شریف کے ساتھ نماز کے شروع کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ بعض روایات میں صاف صحیح بھی آچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے تھے مگر ترک جہر کی احادیث زیادہ صحیح اور راجح ہیں۔ جیسا کہ فصل اول میں گزرا۔

۷۸۷/۲۳ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَرَءَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقَالَ اٰمِیْنَ مَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو کہا آمین اور آواز کھینچ کر پڑھا (ترمذی، ابوداؤد، دارمی، ابن ماجہ)

سلہ۔ حجر حا کی جیم پر تقدیم کے ساتھ اور کبھی جیم کی حا پر تقدیم کا اشتباہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے شیخ اپنے شیخ سے نقل فرماتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اس لفظ کا صحیح تلفظ یاد رکھنے کے لیے دل میں حجرہ کا لفظ یاد رکھا کرو۔

۲ۓ یعنی آپ آمین کے ساتھ آواز دراز کرتے تھے۔ اس سے یہ احتمال بھی ہے کہ آپ آمین اونچی آواز سے کہتے تھے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آپ الف لمبا کر کے پڑھتے تھے کہ یہ زیادہ فصیح ہے۔ مگر دوسری روایات جو اور جگہ آئی ہیں ان کے مطابق پہلا معنیٰ زیادہ ظاہر ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یرفع بہا صوتہ یعنی آپ آمین بلند آواز سے کہتے تھے۔ یہ الفاظ آمین کے جہر میں صریح ہیں بعض روایات میں اس طرح آیا ہے کہ آپ اتنی بلند آواز سے آمین کہتے کہ پہلی صف والوں کو سنواتے تھے تو آمین کی آواز سے مسجد لرز اٹھتی تھی۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ صف اوّل میں جو لوگ آپ کے قریب ہوتے تھے وہ اسے سنتے تھے۔ بعض روایات میں آمین پست آواز میں کہنے کا ذکر بھی آیا ہے۔ علماء نے ان دو روایات میں تطبیق کی صورت یہ بیان کی ہے کہ آہستہ کہنے سے مراد یہ ہے کہ چیخنے کی حد تک بلند نہ کرتے تھے یعنی جہر میں حد سے نہ بڑھتے تھے اور بلند آواز سے پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنی آواز سے پڑھتے تھے کہ صف اوّل میں جو لوگ قریب ہوتے تھے وہ سن لیتے تھے۔ جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے۔

۳ۓ واضح ہو کہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کہنا بالاتفاق سنت ہے۔ اکیلا نماز پڑھ رہا ہو یا امام ہو یا مقتدی اگرچہ امام آمین نہ بھی کہے مقتدی کو کہنی چاہیے اور سری نماز میں امام کی قرأت سن لینے کی صورت میں مقتدی کے لیے آمین کہنے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک آمین کہے ظاہر حدیث کا لحاظ کرتے ہوئے۔ بعض کے نزدیک نہ کہے کہ ایسی جہر دسماع کا کوئی اعتبار نہیں۔ جیسا کہ ابن الہمام کی شرح ہدایہ میں آیا ہے۔

آمین اونچی آواز سے کہنے میں بھی احادیث آئی ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد کا مذہب یہی ہے۔ امام مالک کے مذہب میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق مطلقاً جہر نہ کرے تاہم جہر میں احادیث زیادہ تعداد میں اور صحیح تر آئی ہیں۔ بعض علماء نے عدم جہر میں بھی حدیث کی صحت کہی ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ امام چار چیزوں پوشیدہ کرے۔ اعوذ باللہ، بسم اللہ، آمین اور سبحانک اللہم وبحمدک۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ جہر و اخفاء دونوں پر عمل ہوا ہو یعنی کبھی جہر پر اور کبھی اخفاء پر واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِیْ زُهَيْرِ النُّمَيْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَاَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ قَدْ اَلَحَّ فِي الْمَسْئَلَةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْجَبَ اِنْ خَتَمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ بِاَيِّ شَيْءٍ يَخْتِمُ

حضرت ابو زہیر نمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رات باہر نکلے تو ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو دعا کرنے میں بہت مبالغہ کر رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس نے مہر لگا دی تو واجب کر لی۔ قوم میں سے ایک شخص نے کہا کس چیز سے مہر لگائے

قَالَ بِاٰمِیْنَ ۔

فرمایا آمین سے ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

(ابوداؤد)

لہ زہیر زا کی پیش اور ہا کی زبر کے ساتھ ۔ النمیری نون کی پیش اور میم کی زبر کے ساتھ ان کا نام یحییٰ بن نفیر کاف کے ساتھ ہے ۔ اہل شام میں شمار ہوتے ہیں ۔ ان کی حدیث آمین میں ہے ۔ ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے ۔ اور کہا اس حدیث کا اسناد قائم نہیں ۔

۲ہ یعنی قبولیت و اجابتِ دعاء اور حصول مراد ۔ یا یہ معنی ہے کہ اگر اس نے دعا مکمل وہ پوری کر لی پہلا معنی حدیث "آمین خاتم رب العالمین" (آمین رب العالمین کی مہر ہے) کے زیادہ مناسب ہے کہ یہ آمین آفات و بلیات کو دور کرتی ہے ۔ جیسے خط کو مہر کے ساتھ محفوظ کر دیتے ہیں یا ہر چیز کو جس پر مہر لگا دی جائے کہ اس میں خرابی داخل نہ ہو اور اس کے اندر سے کوئی چیز باہر نہ آئے ۔

۳ہ آمین مہر کی طرح ہے اور اس کے ساتھ دعا کامل و تمام ہو جاتی ہے ۔

۷۸۹/۲۵ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی الْمَغْرِبَ بِسُوْرَۃِ الْاَعْرَافِ فَرَّقَھَا فِی الرَّکْعَتَیْنِ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب میں سورۃ اعراف پڑھی یہ سورت آپ نے دونوں رکعتوں میں تقسیم کر دی لہ

(رَوَاہُ النَّسَائِیُّ)

(نسائی)

لہ اس میں شک نہیں کہ وقت مغرب میں اتنی گنجائش ہے [illegible] جب کہ شفق سفیدی کا نام ہو یا اس بنا پر آپ نے اتنی لمبی سورت [illegible] کی قراءت [illegible] تھی اور آپ کم وقت میں زیادہ تلاوت کر لیتے تھے اور [illegible] نے یہاں فرمایا کہ اگر مغرب کا وقت نکل بھی جائے تو کوئی حرج نہیں ۔ کہ صحت نماز کے لیے ٹھیک وقت میں [illegible] کافی ہے ۔ بعض شافعیہ علیہم الرحمۃ نے فرمایا کہ اس سے سورۃ کا کچھ حصہ [illegible] اور بخاری [illegible] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سورۃ اعراف پڑھنے کا ذکر آیا ہے ۔ [illegible] کے بغیر کہ ایک رکعت میں یہ سورت پڑھی یا اسے دو رکعت میں تقسیم کیا ۔ اور ایک روایت میں [illegible] سورۃ اعراف پڑھنے کا ذکر بھی آیا ہے ۔

۷۹۰/۲۶ وَعَنْ عُقْبَۃَ ابْنِ عَامِرٍ قَالَ کُنْتُ اَقُوْدُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی

سَلَّمَ نَاقَتَهُ فِي السَّفَرِ فَقَالَ لِي يَا عُقْبَةُ اَلَا اُعَلِّمُكَ خَيْرَ سُوْرَتَيْنِ قُرِئَتَا فَعَلَّمَنِي قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ قَالَ فَلَمْ يَرَنِي سُرِرْتُ بِهِمَا جِدًّا فَلَمَّا نَزَلَ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ صَلّٰى بِهِمَا صَلٰوةَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ الْتَفَتَ اِلَيَّ فَقَالَ يَا عُقْبَةُ كَيْفَ رَاَيْتَ ـ

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ)

مبارک کی مہار کھینچ رہا تھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عقبہ کیا میں تمہیں دو بہترین سورتیں نہ بتاؤں جو پڑھی جاتی ہیں۔ آپ نے مجھے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سکھائی۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان دو سورتوں کی وجہ سے زیادہ خوش ہوتے نہ دیکھا[2]۔ جب نماز صبح کے لیے اترے تو انہیں دو سورتوں سے لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی جب فارغ ہوئے تو میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے عقبہ تم نے کیسا دیکھا[3]۔

(احمد، ابوداؤد، نسائی)

[1] آپ مشہور صحابی ہیں۔ ان سے بعض صحابہ جیسے جابر و ابن عباس اور تابعین سے بے شمار لوگ روایت کرتے ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی عقبہ بن ابی سفیان کے بعد حضرت معاویہ کی طرف سے مصر کے والی مقرر ہوئے

[2] یعنی ان دو سورتوں کے بہترین ہونے پر آپ نے مجھے زیادہ خوش نہ دیکھا بلکہ بالکل خوش نہ دیکھا کیونکہ یہ دو سورتیں توحید، صفات ثابتات اور صفات کمال کی تنزیہ پر مشتمل نہیں ہیں جس طرح بعض دوسری سورتیں مشتمل ہیں۔ پھر ان کے مقابلے میں بعض دوسری سورتوں کی افضلیت اور عظیمت بھی وارد ہو چکی ہے۔ جیسے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ

[3] یعنی تو نے ان دو سورتوں کی شان و فضیلت دیکھی کہ کس قدر زیادہ ہے جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ کے اندر ان دو سورتوں کی شان و فضیلت میں تردد محسوس کیا تو نماز فجر میں ان کی تلاوت فرمائی جو کہ کئی وجوہ سے فاضل ترین نماز ہے اور اس میں قرأت دراز کرنا بھی مستحب ہے مگر آپ نے ان دو سورتوں کی تلاوت فرمائی تاکہ لوگ ان کی قرأت سے ان کی فضیلت سے آگاہ ہو جائیں۔ علماء نے کہا ہے کہ ان دو سورتوں کی افضلیت باب تعوذ میں ہے یعنی ان میں تعوذ ہے اسی لیے آپ نے انہیں سفر میں پڑھا جو آفات و خطرات کا محل و موقعہ ہے لفظ قُرِئَتَا اس حال کو بیان کرتا ہے

[4] وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَقْرَأُ فِي صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ قُلْ يَا اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی رات مغرب کی نماز میں سورہ قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔

فِي الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ - رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ إِلَى وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ -

صبح میں طوال[۵] مفصل۔ نسائی اور ابن ماجہ نے یہاں تک روایت کی کہ عصر ہلکی پڑھتے تھے۔

لہ حضرت سلیمان بن یسار کبار تابعین اور مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ہیں۔ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

۲ہ شارحین حدیث فرماتے ہیں فلاں سے وہ شخص مراد ہے جو مروان بن عبد الملک کی طرف سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا بعض نے کہا وہ فلاں آدمی حضرت عمر بن عبد العزیز ہیں۔ مگر یہ غلط ہے کیونکہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے ایک یا دو سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔ ہاں اس قسم کی بات حضرت انس نے حضرت عمر بن عبد العزیز کی شان میں کہی ہے۔ جیسا کہ باب الرکوع میں آرہا ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ حضرت انس نے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے۔ بعض نے کہا فلاں سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس سے عمرو بن سلمہ بن نفیع مراد ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنی قوم کے امام تھے۔

۳ہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

۴ہ اس طرح کہ آخری دو رکعت ظہر میں سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھتے تھے۔ یا اگر پڑھتے تھے تو چھوٹی سورت پڑھتے تھے مقصد یہ ہے کہ ظہر کی نماز کی قراءت لمبی کرتے تھے۔

۵ہ نماز ظہر کے لیے طوال مفصل کا لفظاً استعمال نہ فرمایا بلکہ مجملاً اتنا فرمایا کہ ظہر کی قراءت دراز کرتے تھے اور عصر کے لیے تخفیف ہلکی کا ذکر فرمایا۔ یہ تفصیل بیان نہ کی کہ اس (عصر) میں قصار (بالکل مختصر) سورتیں پڑھتے تھے یا اوساط یعنی درمیانی پڑھتے تھے۔

لہ اعلیٰ شیخ عبد الحق کے زمانہ میں) معمول و مقرر یہ ہے کہ ظہر و فجر میں طوال مفصل، عصر و عشاء میں اوساط سورتیں پڑھی جاتی۔ واضح ہو کہ قول مشہور کے مطابق مفصل سے سورۃ حجرات سے آخر قرآن تک کی سورتیں مراد ہیں ان کو مفصل اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں بسملہ کے ساتھ ایک دوسری سے جدائی زیادہ مقدار میں پائی جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کو مفصل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں نسخ کم ہے اور یہ تین قسم پر ہیں طوال (لمبی) اوساط (درمیانی) قصار (چھوٹی) حجرات سے بروج تک طوال ہیں۔ بروج سے والضحیٰ تک اوساط ہیں۔ اور والضحیٰ سے آخر قرآن تک قصار ہیں۔ فصل اول میں اس بارے میں قدرے گفتگو ہو چکی ہے۔

۸۳۸ وَعَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ فَثَقُلَتْ

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نماز فجر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے۔ آپ نے قراءت کی تو آپ پر قراءت بھاری[لہ]

عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا۔

ہو گئی۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا شاید تم لوگ اپنے امام کے پیچھے تلاوت کرتے ہو۲ ہم نے کہا ہاں۔ یا رسول اللہ آپ نے فرمایا سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو۳ کیونکہ جو فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَلِلنَّسَائِيِّ مَعْنَاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَبِيْ دَاوُدَ قَالَ وَأَنَا أَقُوْلُ مَالِيْ يُنَازِعُنِي الْقُرْآنُ فَلَا تَقْرَءُوْا بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ إِذَا جَهَرْتُ إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ

ابو داؤد و ترمذی اور نسائی نے اس کے معنی کی روایت کی۔ اور ابو داؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا میں دل میں۴ سوچتا تھا کہ مجھ پر قرآن کیوں بھاری ہو رہا ہے۵۔ لہٰذا جب میں بلند آواز سے قرات کروں تو الحمد کے سوا کچھ نہ پڑھو۶

۱؎ اور اس کا پڑھنا مشکل ہو گیا۔

۲؎ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں یہ لفظ فرمائے کہ شاید تم لوگ اپنے امام کے پیچھے قرآن پڑھتے ہو، یوں نہ فرمایا کہ میرے پیچھے پڑھتے ہو۔ اس انداز کلام سے اس جانب اشارہ فرمایا کہ مقتدی کی اقتداء اس کا کام ہے کہ وہ خاموشی اختیار کرے اور اپنے امام کی قرات پر کان لگائے چاہے میں امام ہوں یا کوئی اور [illegible] قرات اور اس کی دشواری کا [illegible] آوازوں کا سنائی دینا ہے جو رقت اور خاطر شریف کے التفات کی تشویش کا موجب بنا۔ واللہ اعلم تاہم قول مبارک لعلکم تقرؤن۔ اس معنی کے منافی ہے۔ کہ یہ تشویش جہر کی صورت میں لاحق ہوتی ہے [illegible] لعل کیوں استعمال فرمایا۔ بنابریں علماء نے کہا ہے ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے [illegible] اس نقص سے پیدا ہوا جو مقتدیوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات [illegible] ہوا اور کامل بھی کبھی کبھی ناقص کے نقص سے متاثر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کتاب الطہارۃ میں [illegible] وسلم نماز صبح کی قرات میں رک گئے اور اس رکاوٹ کی وجہ آپ نے یہ بتائی کہ [illegible] ہیں جو وضو اچھی طرح نہیں کرتے اور آداب کا پوری طرح خیال نہیں رکھتے۔ اور جب آپ نے فرمایا کہ شاید تم [illegible] لوگوں نے کہا ہاں الی آخرہ۔

۳؎ اس حدیث کا ظاہر سورۃ فاتحہ کی فرضیت ثابت کرتا ہے۔ اس کا جواب پیچھے ذکر ہو گیا۔

۴؎ یعنی دل میں۔

۵؎ یعنی میرے لیے قرآن میں کشمکش محسوس ہوتی ہے اور میرے لیے اس کی قرات آسان نہیں ہو رہی پھر مجھے

معلوم ہوا کہ اس کا سبب تم لوگوں کا میرے پیچھے الگ الگ اپنی تلاوت کرنا ہے۔

۲ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک اذا جہرت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقتدی سری نمازیں پڑھ لیں تو جائز ہے اس کی تفصیل آئندہ احادیث کی شرح میں آرہی ہے۔

۸۹۵/۲۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوةٍ جَهَرَ فِیْهَا بِالْقِرَآءَةِ فَقَالَ هَلْ قَرَاَ مَعِیَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ اٰنِفًا فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنِّیْ اَقُوْلُ مَالِیْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ قَالَ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَآءَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا جَهَرَ فِيْهِ بِالْقِرَآءَةِ مِنَ الصَّلَوَاتِ حِيْنَ سَمِعُوْا ذٰلِكَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَّاَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَآئِیُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز سے فارغ ہوئے جس میں قراءت اونچی کی جاتی ہے تو فرمایا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ ابھی قراءت کی۔ ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا اسی وجہ سے تو میں سوچتا تھا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں قرآن میں جھگڑا ۱ کیا جا رہا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ پھر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان نمازوں میں قراءت سے باز رہے جن میں قراءت بلند کی جاتی ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا۔

مالک، احمد، ابوداؤد، ترمذی و نسائی اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کی۔

۱ یہاں لفظ انازع استعمال ہوا ہے زا کی زبر اور زیر کے ساتھ دونوں روایتیں ہیں۔ اور حدیث اول میں ینازعنی القرآن کا لفظ پہلے معنی کی تائید کرتا ہے۔

۸۹۶/۲۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَالْبَيَاضِیِّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُصَلِّیْ يُنَاجِیْ رَبَّهٗ فَلْيَنْظُرْ مَا يُنَاجِيْهِ بِهٖ وَلَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقُرْاٰنِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابن عمر اور بیاضی ۱ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نمازی اپنے رب سے مناجات ۲ کرتا ہے تو چاہیے کہ غور کرے کہ اس سے کیا مناجات ۳ کرتا ہے اور چاہیے کہ تمہارے بعض بعض پر قرآن اونچا نہ پڑھیں ۴۔ (احمد)

۱ بیاضی با کی زبر یا مخفف اور ضاد معجمہ کے ساتھ بیاضہ بن عامر بن زریق کی طرف منسوب ہے۔ ان کا نام

عبداللہ بن جابر الانصاری الخزرجی البیاضی ہے۔ بیاضی کے لفظ سے مشہور ہیں۔ ان کا نام نہیں بلکہ اسی نسبت سے ذکر کیا جاتا ہے۔

۲؎ مناجات کا معنیٰ ہے دو اشخاص کا ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح پوشیدہ بات کرنا کہ کسی دوسرے کو اطلاع نہ ہو سکے۔

۳؎ یعنی ذکر و قرآن میں غور کرے۔ اور ان میں غایتِ حضورِ قلب، تامل، تدبر اور پورے خضوع و خشوع سے کام لے۔

۴؎ نماز میں بھی اور غیر نماز میں بھی جب کہ قریب کوئی نماز پڑھ رہا ہو، یا سویا ہوا ہو، یا کوئی قرآن پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو۔ تاکہ ان کی ایذاء اور تشویش کا موجب نہ بنے اور اس امر پر اجماع ہے کہ مقتدی کے لیے قراءت بلند آواز سے کرنا مکروہ ہے۔ اگرچہ امام کی قراءت نہ سن رہا ہو۔

۸۹۷/۳۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا۔
رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔
(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

۱؎ تو اس کی موافقت اور متابعت کرنا چاہیے۔

۲؎ کہ قراءت میں اس کی موافقت و متابعت یہی ہے۔ اور [illegible] اس کے ساتھ جھگڑا کرنے کے مترادف ہے اور اسے تشویش دے [illegible] واضح ہو کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ سری اور جہری دونوں [illegible] کا پڑھنا واجب ہے۔ سورۃ فاتحہ کے علاوہ قراءت امام مالک، امام [illegible] قول میں صرف سری نماز میں واجب ہے جہری نماز میں ان کے نزدیک [illegible] امام کی قراءت [illegible] الحمد فقہ کے نزدیک فاتحہ امام کے سکتات میں پڑھے۔ اور ان سکتات کا بیان باب مالیقرا بعد التکبیر میں ہو چکا ہے [illegible] بعض اصحاب کے نزدیک اگر مقتدی بہرہ [illegible] ہونے کی وجہ سے نہ سنے تو جہری [illegible] سورۃ فاتحہ پڑھے [illegible] بھی پڑھے تو اس کی نماز ٹھیک ہو جائے گی کہ جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کے لیے قراءت ہو گی ہے اور اس پر قراءت واجب نہیں ہے اس امام احمد (امام احمد) کے نزدیک مخصوص و معروف یہی ہے۔

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ نہ سری نمازوں میں پڑھے نہ جہری میں لیکن ایک روایت میں امام محمد سے اس کا استحباب سری ہے اور شیخین (امام ابو حنیفہ و ابو یوسف) کے نزدیک اس کا پڑھنا مکروہ ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کراہت تحریمی ہے کہ اس بارے میں وعید آچکی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ کا قول بھی شیخین کے قول کی طرح ہے۔ امام محمد کی عبارات ان کی کتب میں اس بارے میں بالصراحۃ موجود ہیں۔ اور آثار میں فرمایا وبہ ناخذ۔ ہم اسی کو اختیار کریں گے۔ عامہ آثار و اخبار میں ایسا ہی آیا ہے اور کہا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت کے قول کے مطابق نماز فاسد ہو جاتی ہے مخفی نہ رہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ دو دلیلوں میں سے قوی تر دلیل پر عمل کیا جائے۔ شیخ ابن الہمام کا کلام ختم ہوا۔

اور امام محمد کا کلام اس کے مؤطا میں (اس باب میں کہ فاتحہ خلف الامام نہ پڑھی جائے) اخبار و آثار سے بھرا پڑا ہے واللہ اعلم۔

ائمہ کرام فرماتے ہیں قراءت نماز کا ایک ایسا رکن ہے جس میں امام و مقتدی دونوں شریک ہیں تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہی کا امام مالک اور امام احمد نے سری و جہری نمازیں اعتبار کیا ہے۔ اور احناف کی دلیل یہ حدیث ہے کہ من کان لہ امام فقراۃ الامام قراۃ لہ۔ جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کے لیے قراءت ہوگی۔ اور یہ حدیث صحیح ہے بخاری و مسلم کے علاوہ باقی تمام محدثین نے اس کی روایت کی ہے۔ ہدایہ میں کہا وعلیہ اجماع الصحابۃ کہ اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہے شرح (عربی) میں اس سے زیادہ گفتگو کی گئی ہے اس مقام میں غور و تدبر کرو۔

۸۴۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ لَا اَسْتَطِيْعُ اَنْ اٰخُذَ مِنَ الْقُرْاٰنِ شَيْئًا فَعَلِّمْنِیْ مَا يُجْزِئُنِیْ قَالَ قُلْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا لِلّٰهِ فَمَا لِیْ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ فَقَالَ هٰكَذَا بِيَدَيْهِ وَقَبَضَهُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس نے عرض کی میں قرآن میں سے کچھ بھی یاد نہیں کر سکتا۔ آپ مجھے وہ چیز سکھا دیں جو میرے لیے کافی ہو۔ فرمایا یہ کہہ لیا کرو سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو اللہ کے لیے ہوا۔ میرے لیے کیا ہے۔ فرمایا یوں کہہ الٰہی مجھ پر رحم کر مجھے امن، ہدایت اور روزی عطا کر۔ پھر اس شخص نے دو ہاتھ بند کر کے ان سے یوں اشارہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا هٰذَا فَقَدْ مَلَاَ يَدَيْهِ مِنَ الْخَيْرِ۔ نے فرمایا کہ اس نے اپنے دونوں ہاتھ خیر سے بھر لیے۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ انْتَهَتْ رِوَايَةُ النَّسَائِيِّ عِنْدَ قَوْلِهٖ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ (ابوداؤد) اور نسائی کی روایت الا باللہ پر ختم ہو گئی۔

لہ یعنی قرآن پاک کے بجائے کچھ اور سکھائیں۔

سلہ اس حدیث کو نماز میں قراءت کے باب میں لانے کے قرینہ سے بظاہر یہ سمجھانا مقصود ہے کہ وہ آدمی قرآن پاک کی اتنی مقدار بھی یاد کرنے کی استطاعت نہ رکھتا تھا جس سے نماز درست ہو جائے۔ مگر یہ بات بہت ہی بعید ہے کیونکہ یہ بات ذہن تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ ایک عربی زبان میں کلام کرنے والا شخص اتنی مقدار قرآن یاد کرنے سے عاجز ہو جائے جس مقدار سے کہ نماز درست ہو جاتی ہے۔ اور اگر انہیں کلمات کی مقدار یا اس سے کچھ زائد قرآن پاک سیکھ لیتا تو کافی تھا۔ کہتے ہیں یہ شخص ابھی اسلام لایا ہی تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا اتنے وقت میں قرآن پاک یاد کرنے کی گنجائش نہ تھی اس لیے آپ نے اسے یہ کلمات سکھائے مگر اس سے بھی وہ استبعاد دور نہیں ہوتا لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن پاک کا اتنا حصہ یاد کرے جو اس کے لیے ورد کا کام دے اور ان حروف کے ذریعہ اپنے اوقات کو معمور رکھے اور یہ واضح ہے کہ قرآن پاک کا بہت سا حصہ ایسا ہے کہ ورد و وظائف کے لیے بہت مناسب ہے لیکن لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لیے اس مقدار کا یاد کرنا آسان نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کلمات سکھائے کہ ان میں سے ہر ایک کلمہ خزائن الٰہی میں سے ایک خزانہ ہے تاکہ وہ شخص ان پر مداومت کرے اور ہمیشہ انہیں پڑھے اور انہیں اپنا ورد بنالے کذا قالوا واللہ اعلم۔

سلہ کہ حمد و ثنا، تکبیر و تمجید پر مشتمل ہیں۔

سکہ یعنی حضرت حق تعالیٰ سے دعا و طلب جو کہ میرا مدعا اور مقصود ہے۔

شہ یہ سوال و جواب از روئے انصاف اس چیز کو ظاہر کرتا ہے کہ اس مرد نے کسی ایسی چیز کی چاہت کی تھی نہ کہ صحت نماز کے لیے قرآن سیکھنے کی طلب کی تھی۔

سلہ یعنی اس شخص نے اشارہ کیا کہ میں نے ان کلمات کو یاد کر لیا اور جو چیز کوئی بہت عزیز ہو تو اسے بڑی حفاظت سے رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا۔ واللہ اعلم۔ وہ شخص [illegible] آدمی تھا کلام کا ظاہر سیاق بھی اسی میں ہے اور اس کا مؤید ہے [illegible] کا یہ کلام کہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سکہ اور ہو سکتا ہے کہ اشارہ کرنے والے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور آپ نے اس مرد کو حفاظت [illegible] اور فرمان کی بجا آوری کے لیے بطور تنبیہ اشارہ کیا ہو اور جب آپ نے دیکھا کہ یہ مرد حفظ کر رہا ہے اور فرمان کی

بجا آوری کر رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے اپنے دونوں ہاتھ خیر و برکت سے بھر لیے
ترجمہ یعنی ابن کی روایت میں قال یا رجل اللہ سے آخر تک نسائی کی روایت میں نہیں ہیں۔

۷۹۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَرَأَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ قَالَ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ۔
رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تو فرماتے۔ سبحان ربی الاعلیٰ (احمد، ابوداؤد)

سلہ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سبح پر تسبیح کی بجا آوری ایسے کلمہ سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے تھے۔

۸۰۰/۳۶ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ مِنْكُمْ بِالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ فَانْتَهَىٰ إِلَىٰ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ فَلْيَقُلْ بَلَىٰ وَأَنَا عَلَىٰ ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَمَنْ قَرَأَ لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَانْتَهَىٰ إِلَىٰ أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ فَلْيَقُلْ بَلَىٰ وَمَنْ قَرَأَ وَالْمُرْسَلَاتِ فَبَلَغَ فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُوْنَ فَلْيَقُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ۔
رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ
إِلَىٰ قَوْلِهِ وَأَنَا عَلَىٰ ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص والتین والزیتون پڑھے اور الیس اللہ باحکم الحاکمین پر پہنچے تو کہے ہاں میں اس پر گواہوں میں سے ہوں اور جو لا اقسم بیوم القیامۃ پڑھے اور الیس ذلک بقادر علیٰ ان یحی الموتیٰ پر پہنچے تو کہے ہاں اور جو والمرسلات پڑھے اور فبای حدیث بعدہ یؤمنون پر پہنچے تو کہے ہم اللہ پر ایمان لائے۔ (ابوداؤد)

اور ترمذی کی روایت اس قول تک ہی ہے کہ میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۔[1]

سلہ اس سے معلوم ہوا کہ والتین، لا اقسم بیوم القیامۃ، والمرسلات عرفاً تبارک الذی وغیرہ میں نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ آیات قرآن کی تلاوت کے وقت اس قسم کے جوابات بہت ہیں۔ شافعیہ کے نزدیک نماز و غیر نماز دونوں حالتیں برابر ہیں۔ وہ نماز میں بھی جائز رکھتے ہیں۔ اس لیے باب القراۃ فی الصلوٰۃ میں اس روایت کو لائے ہیں۔ ورنہ اس روایت کو باب تلاوت قرآن اور اس کے آداب میں لانا چاہیے تھا۔ احناف اور مالکیہ کے نزدیک یہ جوابات غیر حالت نماز پر محمول ہیں

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۸ عَنْ مُعَاذِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْجُهَنِيِّ قَالَ إِنَّ رَجُلًا مِنْ جُهَيْنَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الصُّبْحِ إِذَا زُلْزِلَتْ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا فَلَا أَدْرِي أَنَسِيَ أَمْ قَرَأَ ذٰلِكَ عَمْدًا۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت معاذ بن عبداللہ الجہنی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کے ایک آدمی نے ان کو خبر دی کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے فجر کی دونوں رکعتوں میں اذا زلزلت پڑھی یہ مجھے خبر نہیں کہ آپ بھول گئے یا عمدًا[2] پڑھی۔ (ابوداؤد)

[1] حضرت معاذ بن عبداللہ الجہنی جیم کی پیش اور ھا کی زبر کے ساتھ۔ تابعی مدنی ثقہ ہیں۔ ابن سعد نے ان کو اہل مدینہ کے طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔ ۱۸ھ میں وصال فرمایا۔

[2] شیخ المحدثین رضی اللہ عنہ نے اپنی شرح میں فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے بیان جواز اور یہ بات بتانے کے لیے کہ ایک ہی سورۃ کو دو رکعتوں میں تکرار کرنے سے بھی اصل سنت ادا ہو جاتی ہے۔ عمدًا اسے پڑھا۔ شیخ ابن حجر کا کلام ختم ہوا۔

اور ممکن ہے کہ اس مقام نے یہ سورۃ بار بار سنانے کا تقاضا کیا ہو کہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول وارد ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (جو شخص ایک رائی برابر نیک کام کرے گا۔ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو ایک رائی برابر برا عمل کرے گا اسے بھی دیکھ لے گا) حاضرین کو یہ کلمات بار بار سنانا مفید تھا کہ یہ کلمات وعدہ وعید کا [illegible] ہیں غایت تاکید و اختصار بھی پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کی شان میں فرمایا جس نے یہ دو جملے سن کر کہا تھا میرے لیے یہی دو کلمے کافی ہیں؟ کہ یہ شخص فقیہ ہے۔ گویا تمام علم فقہ ان دو جملوں میں [illegible] واللہ اعلم

۳۹ وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيْقَ صَلَّى الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيْهِمَا بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت عروہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز پڑھی تو دونوں رکعتوں میں سورۃ بقر[2] پڑھی۔ (مالک)

[1] یعنی حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بن اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ قرشی اسدی ہیں۔ اکابر تابعین سے ہیں

۸۴۲ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ مَا مِنَ الْمُفَصَّلِ سُورَةٌ صَغِيرَةٌ وَلَا كَبِيرَةٌ إِلَّا قَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ بِهَا النَّاسَ فِي الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوبَةِ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں مفصل کی کوئی چھوٹی بڑی سورۃ ایسی نہیں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے نہ سنی ہو جس سے آپ فرض نماز میں لوگوں کی امامت کرتے تھے۔ (مالک)

۸۴۳ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ بِحٰمٓ الدُّخَانِ۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ مُرْسَلًا

حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مغرب میں حٰم الدخان پڑھی۔ نسائی نے اس حدیث کو بطریق ارسال روایت کیا۔ (کیونکہ عبداللہ بن عتبہ تابعی ہے)

آپ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برادر زادہ ہیں۔ مدنی الاصل ہیں۔ مگر کوفہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ ... آپ صحابی نہیں بلکہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات)

بَابُ الرُّكُوعِ

رکوع کا باب

رکوع کے لغوی معنی ہیں جھکنا ... بڑھاپے کی وجہ سے بڑھے کا پشت خم ہو گئی۔ رکوع ... چنانچہ کہتے ہیں رکع المصلی یعنی نمازی نے نماز پڑھی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۸۴۴ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقِيمُوا الرُّكُوعَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رکوع و سجود

لِمَنْ حَمِدَهٗ قَامَ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ ثُمَّ يَسْجُدُ وَ يَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو کھڑے رہتے حتی کہ ہم کہتے کہ آپ کو وہم[1] ہوگیا پھر سجدہ کرتے اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھتے حتی کہ ہم کہتے کہ آپ کو وہم ہوگیا۔ (مسلم)

[1] اوہم ہمزہ اور ہا کی زبر اور واو ساکن کے ساتھ یعنی آپ کھڑے رہتے اور بہت دیر کھڑے رہتے یہاں تک کہ ہم سمجھتے کہ آپ نے پہلی رکعت ترک کرکے از سر نو قیام شروع کر دیا ہے۔ بعض نے اس لفظ کی تفسیر نسیان سے کی ہے مگر اس تفسیر میں لغت کے اعتبار سے کلام و اعتراض ہے۔

۱۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّقُوْلَ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَ سُجُوْدِهٖ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ يَتَاَوَّلُ الْقُرْاٰنَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدہ میں یہ الفاظ زیادہ کہتے تھے۔ الٰہی اے ہمارے رب تو پاک ہے تیری حمد ہے خدایا مجھے بخش دے۔ قرآن[1] پر عمل کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی آپ اس تسبیح و استغفار سے قرآن کی مراد بیان کرتے تھے کہ قرآن میں فرمایا فسبح بحمد ربک واستغفرہ کہ اس آیت میں آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے استغفار کریں یعنی رکوع و سجود میں کیونکہ عجز و خشوع کے لحاظ سے رکوع و سجود سب سے اعلیٰ حالت ہے۔ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] تسبیح و استغفار کرتے تھے علماء نے بیان کیا ہے کہ یہ تسبیح و استغفار و ذکر کا سلسلہ آخر عمر شریف [illegible]

۱۲ وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَ سُجُوْدِهٖ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع و سجدہ میں کہتے تھے۔ پاک[1] ہے بے عیب ہے فرشتوں اور روح کا رب ہے۔ (مسلم)

[1] سبوح قدوس دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں طہارت و تنزیہ کے لیے اسے لکھے گئے ہیں پیش و فتح دونوں طرح پڑھے جاتے ہیں مگر پیش سے پڑھنا اکثر ہے۔ روح سے مراد حضرت جبریل ہیں کہ انہیں روح الامین بھی کہتے ہیں بعض

[illegible] قرآن پڑھنے سے منع فرما دیا تو اس حالت کے لیے وظیفہ عبادت کی بھی تعیین کر دی۔ اور فرمایا تاکہ رکوع میں [illegible]

[illegible] اور اس کی عظمت کا مشاہدہ کر کے عجز و تذلل کے حال کے زیادہ مناسب ہے۔ اسی وجہ سے رکوع میں سبحان ربی العظیم پڑھتے ہیں۔

۳ کیونکہ حالت سجدہ میں خصوصی قرب نصیب ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ بے شک میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں۔

واضح ہو کہ دعا دو قسم ہے۔ ایک وہ دعا جو ثنا، تحمید، تکبیر، تقدیس پر مشتمل ہے کہ بندہ پڑھتا ہے اور پروردگار تعالیٰ و تقدس کی حمد و ثنا اور درگاہ عزت و جلال کی ستائش کرتا ہے۔ دوسری قسم دعا کی طلب و سوال ہے کہ بندہ طلب حاجات کے لیے اسے پکارتا ہے اور اس کی درگاہ عزت و جلال سے اپنے مقاصد مانگتا ہے۔

علماء فرماتے ہیں حضرت کریم وہاب کی مدح و ثنا درحقیقت اس سے طلب و سوال ہے اور جس دعا کا حکم کثرت سے سجدے میں دیا گیا ہے وہ دونوں قسم کی دعا کو شامل ہے۔ یہاں سے ظاہر ہو گیا کہ حنفیہ جو ذکر پر کفایت کرتے ہیں اور طلب کر کے دعا نہیں کرتے ہیں تو وہ بھی اس حکم کی بجا آوری سے فارغ نہیں ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ بندہ کو چاہیے کہ تعظیم اور ذکر حق میں مخلص ہو تاکہ وہ حدیث مَنْ شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ۔ ترجمہ: جسے میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے روک دیا میں اس کو سوال کرنے والوں سے افضل اور بڑھ کر دیتا ہوں) کے مطابق اعلیٰ درجہ کا فائز ہو۔

اور جمع بین الحقیقۃ و الشریعۃ یہ ہے کہ نوافل میں صریح دعا کے ساتھ حکم کی بجا آوری کرے اور فرائض و تسبیحات پر کفایت کرے [illegible]

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِکَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تم اللہم ربنا لک الحمد کہو کیونکہ جس کا کلام فرشتوں کے کلام کے موافق ہو گا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (بخاری و مسلم)

[illegible] باب القراءۃ فی الصلوٰۃ کی فصل اول میں اس بارے میں کلام گزر چکا ہے۔

۸۱۵ (۸) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ ظَهْرَهٗ مِنَ الرُّکُوْعِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْأَ الْاَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیٹھ رکوع سے اٹھاتے تو کہتے سمع اللہ لمن حمدہٗ اللھم ربنا لک الحمد ملأ السمٰوات وملأ الارض وملأ ما شئت من شئ بعد۔

(مسلم)

۱؎ یہ حضرت عبداللہ اور ان کے باپ دونوں صحابی ہیں۔ حدیبیہ اور خیبر میں شریک ہوئے اور یہ آخری صحابی ہیں جو کوفہ میں ۸۷ھ میں فوت ہوئے۔

۲؎ یعنی اتنی مقدار بھرنے کے ساتھ جو آسمان کے بعد ممکنات معدومہ کو پیدا کرے گا۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ امام تسمیع و تحمید دونوں کو جمع کر سکتا ہے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ پہلے اور بعد ان میں کلام گزر چکا ہے۔

۸۱۶ (۹) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّکُوْعِ قَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْأَ الْاَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ اَهْلَ الثَّنَآءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَکُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] سے [illegible] اٹھاتے تو کہتے [illegible] تیرے ہی [illegible] اور [illegible] جو چیز تو [illegible] [illegible] تیرے [illegible] نہیں سکتا [illegible] نہیں سکتا تیرے [illegible] فائدہ نہیں دے سکتی۔

(مسلم)

۱؎ بعض روایات میں ولا کا اور لما تعنیت بھی آیا ہے یعنی اس چیز کو کوئی بند نہیں کر سکتا جسے تو کسی کے مقدر

میں کر دے۔

۷ جد بمعنی بخت مال و دولت اور تونگری اور بے نیازی نسب کے معنی میں بھی آتا ہے۔ بعض جد سے دادا مراد لیتے ہیں یعنی اے اللہ تیرے نزدیک عمل اور تیرا فضل فائدہ دیتا ہے نسب فائدہ نہیں دیتا۔ ایک روایت میں جِدّ جیم کی زیر سے بھی آیا ہے۔ یعنی کوشش اور دنیا کی حرص اور دنیا کا مال و متاع جمع کرنا یا بمعنی تیرے عذاب سے بھاگنا۔ یعنی بندے کی کوشش۔ اس کی دنیا کی حرص۔ اور مال و متاع جمع کرنا تیرے مقابلے میں کچھ نفع نہیں دے سکتا یا تیرے عذاب سے بھاگنا کچھ نفع نہیں دیتا۔

وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَاسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقَالَ رَجُلٌ وَّرَاءَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ آنِفًا قَالَ اَنَا قَالَ رَاَيْتُ بِضْعَةً وَّثَلٰثِيْنَ مَلَكًا يَّبْتَدِرُوْنَهَا اَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا اَوَّلُ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت رفاعہ[1] ابن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے اپنا سر مبارک رکوع سے اٹھایا تو سمع اللہ لمن حمدہ کہا آپ کے پیچھے ایک شخص نے کہا ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا[2] مبارکا فیہ اے ہمارے رب تیرے ہی لیے حمد ہے بہت اچھی[3] برکت والی حمد جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ابھی کس نے یہ کلمات کہے وہ بولا میں نے آپ نے فرمایا میں نے چھتیس فرشتوں کو دیکھا کہ وہ جلدی کر رہے ہیں کہ پہلے کون لکھے[4]۔ (بخاری شریف)

۱ حضرت رفاعہ بدری ہیں انصاری صحابی ہیں۔ ان کے باپ نقباء انصار میں سے ہیں ۴۱ھ میں فوت ہوئے۔

۲ یعنی شرک اور ریاء سے پاک حمد

۳ یعنی جو اس حمد کی بدولت ہر آن ثمرت اور زیادہ ہونے والی۔

۴ یعنی ان کلمات کی فضیلت و ترجیح ان کی قبولیت کی وجہ سے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُجْزِئُ صَلٰوةُ الرَّجُلِ حَتّٰى يُقِيْمَ

حضرت ابن[1] مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کی نماز درست نہیں ہوتی جب تک کہ رکوع و سجود

وَسَأَلَ وَمَا أَتَى عَلَى آيَةِ عَذَابٍ إِلَّا وَقَفَ وَتَعَوَّذَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ إِلَى قَوْلِهِ الْأَعْلَى وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

لیتے اور عذاب کی آیت پر نہ پہنچتے مگر ٹھہرتے اور عذاب سے پناہ مانگتے۔ اسے ترمذی، ابوداؤد، دارمی۔ نسائی اور ابن ماجہ نے الاعلیٰ تک روایت کیا اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱ آپ کبار صحابہ میں سے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب راز ہیں۔ انہیں منافقین کا علم تھا۔

۲ اور لفظ ما اتی علی آیۃ رحمۃ تا آخر کا ذکر نہ کیا۔

۳ بعض روایات میں یہ حدیث صلوٰۃ لیل میں آئی ہے۔ جیسا کہ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۸۲۲/۱۵ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَكَعَ مَكَثَ قَدْرَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ وَيَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑا ہوا جب آپ نے [illegible] [illegible] (نسائی)

۱ آپ صحابی اشجعی ہیں۔ رضی اللہ عنہ اشجع نام مرد کی طرف منسوب [illegible] فتح مکہ کے دن قبیلہ اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ شام میں سکونت اختیار کی [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے احادیث [illegible] حضرت جابر حضرت ابوہریرہ اور حضرت مقدام بن معدیکرب اور بہت سے تابعین نے [illegible] رضی اللہ عنہم۔

۲ بعض نے کہا: کھڑا ہونے سے آپ کے ساتھ نماز ادا کرنا مراد ہے۔ اور یہ نماز کسوف یا تہجد

۳ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ رکوع میں اتنی مقدار رہتے کہ اس میں سورۂ بقرہ پڑھی جا سکتی تھی

جیسا کہ نماز کسوف میں آیا ہے یہاں نماز کی درستی نہیں جو رکوع کو قیام کے ساتھ برابر کرنے کے لیے کی جاتی ہے بلکہ یہ برابری اور مساوات عموماً نماز کسوف میں ہوتی تھی جیسا کہ حضرت براء کی حدیث میں فصل اول میں گزر چکا ہے۔

۸۳۳/۱۶ وَعَنِ ابْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَحَدٍ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْبَهَ صَلٰوةً بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذَا الْفَتٰى يَعْنِيْ عُمَرَ ابْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ فَحَزَرْنَا رُكُوْعَهٗ عَشْرَ تَسْبِيْحَاتٍ وَسُجُوْدَهٗ عَشْرَ تَسْبِيْحَاتٍ۔
رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ۔

حضرت ابن جبیر[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھی جس کی نماز اس جوان (عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ) کے مقابل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو۔ آپ نے فرمایا ہم نے ان کو رکوع میں دس تسبیح اور سجدہ میں دس تسبیح کا اندازہ لگایا[2]۔
(ابوداؤد)
(نسائی)

[1] جُبَیر جیم کے پیش اور با کی زبر کے ساتھ۔ مراد حضرت سعید بن جبیر ہیں۔ جو تابعین میں سے ہیں۔ ان کے حالات دوسری جگہ بالاختصار تحریر میں آچکے ہیں۔ اور حجاج ظالم کے ساتھ ان کا قصہ بڑا مشہور ہے۔ (جو اکمال میں درج ہے)
[2] یعنی اس وقت میں کہ ہم لوگ دس تسبیح رکوع میں اور دس تسبیح سجدہ میں کر لیتے ہیں۔ اتنا وقت وہ رکوع اور سجدہ میں صرف کرتے تھے اسی بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بھی یہی تھا۔

۸۳۴ وَعَنْ شَقِيْقٍ قَالَ إِنَّ حُذَيْفَةَ رَأٰى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهٗ وَلَا سُجُوْدَهٗ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ حُذَيْفَةُ مَا صَلَّيْتَ قَالَ وَأَحْسِبُهٗ قَالَ وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِيْ فَطَرَ اللهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت شقیق[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ بیشک حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنا رکوع و سجود پورا نہ کرتا تھا جب اس نے اپنی نماز مکمل کی تو اسے حضرت حذیفہ نے بلایا اور فرمایا تو نے نماز نہیں پڑھی۔ راوی کہتا ہے مجھے گمان ہے کہ حضرت حذیفہ نے اسے یہ بھی کہا کہ اگر تو مرا تو اس طریقہ کے خلاف مرے گا جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔
(بخاری)

[1] یعنی حضرت شقیق بن سلمہ رضی اللہ عنہ جو مشہور تابعی ہیں سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ نے جو کبار صحابہ

لہ نعمان نون کی پیش اور عین ساکن کے ساتھ مُرّۃ میم کی پیش اور را کی زبر اور تشدید کے ساتھ آپ (حضرت نعمان بن مرہ) تابعی ثقہ ہیں۔ انصاری ہیں بعض نے ان کا ذکر صحابہ میں کیا ہے مگر یہ وہم ہے حق یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں اور ان کی احادیث مرسل ہیں۔

لہ کہ ان کی سزا اور نافرمانی کس نوعیت اور کس درجہ کی ہے۔

لہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شرابی، زانی اور چور کے بارے میں صحابہ کی رائے دریافت کرنا شراب نوشی، زنا کاری اور چوری کے بارے میں آیات نازل ہونے سے پہلے تھا ظاہراً راوی کے اس قول و بیان کا فائدہ وجہ سوال کا بیان ہے۔ یا یہ کہ حدود کے نازل ہونے کے بعد تو ان مذکورہ افعال بد کے قبیح تر شنیع تر اور بدتر ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا۔ واللہ اعلم

لہ فواحش وہ اصل ان گناہوں کو کہتے ہیں جو سخت قبیح ہوں اور ان کی بدی حد سے تجاوز کر چکی ہو۔

بَابُ السُّجُوْدِ

باب السجود وفضلہ

سجدہ اور اس کی فضیلت کا باب

یعنی یہ باب کیفیت سجود اور اس کی فضیلت کے بیان میں ہے۔ سجود کا لغت میں معنیٰ ہے سر زمین پر رکھنا، فروتنی کرنا اور نیچے کرنا۔ اور شریعت میں سجدہ کا معنی ہے مخصوص طریقہ سے سر زمین پر رکھنا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَلَا الشَّعْرَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں۔ پیشانی پر دونوں ہاتھوں پر دونوں گھٹنوں پر اور دونوں قدموں کے کناروں پر اور یہ کہ ہم کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں لہ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (متفق علیہ)

۵۱ کہ ان تمام اعضا کو سجدہ میں زمین پر رکھنا چاہیے۔ ایک روایت میں جبہ کے بجائے وجہ کا لفظ آیا ہے۔ اور ایک روایت میں جبہہ (پیشانی) کے ساتھ الف یعنی ناک کا ذکر بھی آیا ہے۔ اسی بنا پر اکثر آئمہ اس طرف گئے ہیں کہ ناک اور پیشانی دونوں زمین پر رکھنی چاہییں۔ اور ان دونوں کے بغیر سجدہ روا نہ ہوگا۔ مذہب حنفی میں پیشانی اور ناک دونوں سے سجدہ کرنا افضل ہے اور اگر ان دونوں میں سے ایک سے کریں تو بھی کافی ہے۔ پس اگر صرف پیشانی سے سجدہ کریں تو حضرت امام ابو حنیفہ اعلان کے صاحبین رضی اللہ عنہم کے نزدیک ایک روایت میں بلاکراہت جائز ہے اور اگر صرف ناک سے سجدہ کریں تو صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔ اور امام صاحب سے ایک روایت میں صرف ناک سے سجدہ جائز نہیں ہے اور ایک دوسری روایت میں جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ ہاں ہاتھوں اور زانوؤں کا زمین پر رکھنا حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک سنت ہے۔ اور ابو اللیث فرماتے ہیں۔ اگر زانو زمین پر نہ رکھے تو سجدہ جائز نہ ہوگا جیسا کہ شرح ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ میں ہے۔ اور پاؤں کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر دونوں اٹھائے رکھے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور ایک پاؤں اٹھائے رکھا تو نماز مکروہ ہوگی۔

۵۲ جیسا کہ بعض لوگ سجدہ میں جاتے وقت کپڑے سمیٹتے ہیں تاکہ خاک آلودہ نہ ہوں یا بلاضرورت عادت کے طور پر ایسا کرتے ہیں یا دامن جھاڑتے ہیں۔ اور بعض لوگ کمر باندھتے ہیں۔ اور شملہ کو دستار میں نماز کے دوران داخل کرتے ہیں۔ ان سب امور کو بھی اس میں داخل کیا گیا ہے۔ اور بعض نماز میں کمر باندھنے کو مستحب کہتے ہیں کتب مذہب میں اور بعض اسے مکروہ قرار دیتے ہیں۔ بالوں کو سمیٹنے کا مطلب ہے کہ انہیں دستار کے نیچے جمع کیا جائے۔ بعض نے کہا مکروہ یہ ہے کہ انہیں گوندا جائے اور کسی چیز کے ساتھ باندھا جائے اور گرہ لگائی جائے۔ اگر ان کو عورتوں کے ملاف یعنی جمع ہو جائیں تو مکروہ نہیں ہے۔

۸۲۸/۲۱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَدِلُوْا فِی السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطْ اَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے [illegible] اور تم میں سے کوئی [illegible] پھیلائے جس طرح کتا پھیلاتا ہے۔ [illegible] (متفق علیہ)

سلہ ظاہر یہ ہے کہ اعتدال سے طمانیت و سکون مراد ہے۔ جیسا کہ رکوع میں بھی اعتدال و سکون کا حکم ہے۔ [illegible] نے کہا کہ سجدہ میں اعتدال یہ ہے کہ پشت کو زمین پر ہموار کرے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے دونوں بازو زمین سے جدا کر رکھے اور شکم کو بازوؤں سے دور رکھے۔

۸۲۹/۲۲ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو سجدہ کرے تو

سَلَّمَ إِذَا سَجَدْتَ فَضَعْ كَفَّيْكَ وَ ارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

دونوں ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور دونوں کہنیوں کو زمین سے اٹھا کر رکھو[1] (مسلم)

[1] اگرچہ یہ حکم مردوں کے لیے ہے عورتوں کے لیے مسئلہ یہ ہے کہ دعا پہلے بازو زمین پر رکھیں اور اپنے پہلوؤں کو ان کے ساتھ ملا دیں کہ یہ ہیئت عورت کے پردہ کے لیے زیادہ بہتر اور قریب ہے۔

۸۳/۲۴ وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ جَافَى بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى لَوْ اَنَّ بَهْمَةً اَرَادَتْ اَنْ تَمُرَّ تَحْتَ يَدَيْهِ مَرَّتْ هٰذَا لَفْظُ اَبِيْ دَاوٗدَ كَمَا صَرَّحَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِاِسْنَادِهٖ وَلِمُسْلِمٍ بِمَعْنَاهُ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ لَوْ شَاءَتْ بَهْمَةٌ اَنْ تَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ لَمَرَّتْ

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مبارک تھا کہ جب آپ سجدہ میں جاتے تو دونوں بازوؤں کو شکم سے دور رکھتے اور شکم کو ران سے الگ رکھتے۔ آپ اتنی مقدار دور رکھتے کہ بکری کا بچہ ان کے نیچے سے گزرنا چاہتا گزر سکتا تھا۔ یہ لفظ ابوداؤد کے ہیں جیسا کہ شرح السنۃ میں اپنے اسناد کے ساتھ مؤلف نے اس کی تصریح کی ہے[2] اور مسلم کی روایت بھی اس کے ہم معنیٰ ہے مگر اس کے الفاظ دوسرے ہیں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو بکری کا بچہ اگر دونوں ہاتھوں کے درمیان سے گزرنا چاہتا تو گزر سکتا تھا[3]۔

[1] بہمہ باکی زبر اور ہا ساکن کے ساتھ بھیڑ، بکری یا بھیڑ کا بچہ۔ جسے پیدائش کے وقت سخلہ کہتے ہیں (سین کی زبر اور خائے معجمہ کی جزم کے ساتھ) اور جب وہ قدرے بڑا ہو جائے اور چلنے لگے تو اسے بہمہ کہتے ہیں۔

[2] یعنی یہ حدیث بایں عبارت کے ساتھ مروی ہے ابوداؤد کے الفاظ میں ہے جیسا کہ صاحب مصابیح نے خود اس کی تصریح کی ہے کہ یہ الفاظ ابو داؤد کے ہیں صاحب مصابیح نے یہ تصریح شرح سنۃ میں اپنے اسناد کے ساتھ کی ہے۔

[3] اور اس روایت میں جافی بین یدیہ کے الفاظ مذکور نہیں ہیں اور اس روایت میں لفظ ارادت کے بجائے لفظ شاءت اور مرت کے بجائے لمرت ہے۔ اس سے مؤلف کا مقصد صاحب مصابیح پر اعتراض کرنا ہے کہ ابوداؤد کے الفاظ فصل اول میں لانا، جو کہ شیخین کی حدیث کے لیے مخصوص و متعین ہے، مناسب نہیں ہے۔

۸۴/۲۴ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے

وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَبْدُوَ بَيَاضُ اِبْطَيْهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

دونوں ہاتھوں کے درمیان کشادگی کرتے۔ یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی (بخاری و مسلم)

۵۱ بحینہ باکی پیش اور حا کی جزم کے ساتھ۔ یہ حضرت عبداللہ کی ماں کا نام ہے۔ مالک ان کے باپ کا نام ہے۔ اس لیے اسے تنوین سے پڑھتے ہیں۔ تاکہ لوگ یہ خیال نہ کرلیں کہ یہ مالک بن بحینہ ہیں بلکہ یہ حضرت عبداللہ کی دونوں صفتیں ہیں یعنی ابن مالک اور ابن بحینہ اور آپ ابن بحینہ کے لفظ سے مشہور ہیں۔ آپ صحابی ہیں۔ بنی المطلب بن عبد مناف کے حلیف ہیں۔ اور سابقین صحابہ سے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے دور میں ۵۴ھ اور ۵۸ھ کے درمیان فوت ہو گئے۔

۵۲ ظاہر یہ ہے کہ اس نماز میں کہ اس صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، جسم مبارک پر کرتہ نہ تھا۔ اس سے بغل مبارک کے گوشت کا ظہور و نمایاں ہونا مراد ہے۔ صحابی نے بیاض الابطیہ (بغلوں کی سفیدی) کا لفظ اس لیے کہا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل مبارک سفید تھی جیسا کہ سارا بدن مبارک گورا اور سفید تھا۔ بغل مبارک میلی اور سیاہ نہ تھی جیسا کہ دوسرے لوگوں کی ہوتی ہیں۔

۸۳۲/۲۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں فرماتے تھے الٰہی میرے سارے گناہ بخش دے چھوٹے بڑے اگلے پچھلے ظاہر اور پوشیدہ۔ اے اللہ میرے سارے گناہ بخش دے چھوٹے بڑے اگلے پچھلے ظاہر اور چھپے

۵۱ یعنی قلیل و کثیر یا صغیر و کبیر۔ دق دال کے کسرہ کے ساتھ۔ جل جیم کے کسرہ کے ساتھ۔ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کا لہ دق ولا جل یعنی اس کے پاس کوئی تھوڑی یا زیادہ چیز نہیں۔

۵۲ بعض نسخوں میں سرہ کا لفظ علانیتہ سے پہلے آیا ہے۔

۸۳۳ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِّنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهٗ فَوَقَعَتْ يَدِيْ عَلٰى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر سے گم پایا میں نے ٹٹولا تو میرا ہاتھ آپ کے قدموں پر پڑا حالانکہ آپ سجدہ میں تھے اور آپ کے قدم کھڑے تھے اور آپ کہہ رہے تھے

الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَيَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

مولا! میں تیری رضا کی تیری ناراضگی سے اور تیری معافی کی تیری سزا سے پناہ لیتا ہوں۔ اور تیری تجھ سے پناہ لیتا ہوں۔ میں تیری تعریف کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے خود تعریف کی۔ (مسلم شریف)

۱ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا مرد کے جسم کو چھونا وضو کو نہیں توڑتا۔ جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔

۲ بعض نسخوں میں سجدہ کے بجائے مسجد جیم کی زبر کے ساتھ آیا ہے بمعنی سجدہ گاہ

۳ جیسا کہ سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔

۴ سخط سین اور خا کے زبر کے ساتھ بمعنی ناراضگی۔

۵ یعنی تیری صفات جمالیہ لطیفہ کے پاس تیری صفات جلالیہ قہریہ سے پناہ لیتا ہوں۔ اس کا اور پہلے فقرہ کا معنیٰ یہی ہے کہ جب تیرے سوا کوئی مالک و قادر نہیں تو تجھ سے تیرے پاس پناہ لینے کے سوا کوئی صورت نہیں۔

۶ کہ جیسا تو عظیم و بزرگ ہے کوئی تجھے نہیں پہچان سکتا۔ اور جب کہ بیان نہیں سکتا تو تیری ثنا کس طرح کر سکتا ہے کہ ثنا صفت کے اظہار کے مطابق ہوتی ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَكْثِرُوا الدُّعَاءَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب حالت سجدہ میں ہوتا ہے تو اس حالت میں کثرت سے دعا کرو۔ (مسلم)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَرَأَ ابْنُ اٰدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِيْ يَقُوْلُ يَا وَيْلَهٗ اُمِرَ ابْنُ اٰدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَاُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَاَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم کا بیٹا جب آیت سجدہ پڑھتا اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا یہ کہتا ہوا الگ ہو جاتا ہے افسوس مجھ پر ہلاکت غم و حسرت و غم و تنگی ٹوٹ پڑی ابن آدم کو سجدے کا حکم ہوا تو وہ سجدے کا حکم بجا لایا اس کے لیے جنت ہے۔ مجھے

فتح قفل ارچہ از کلید است اے عزیز — جنبش از دست تو خواہند نیز

ترجمہ: تالا اگرچہ چابی سے کھلتا ہے۔ مگر اس میں تیرے ہاتھ کی حرکت کی بھی ضرورت ہے۔

اس حدیث سے بہت سے فوائد اخذ ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بزرگوں کی خدمت گزاری اور انہیں راضی و خوش رکھنا سعادت اور موہبت و کرامت و عزت کا سبب و ذریعہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون بزرگ و با عزت ہو سکتا ہے کہ آپ سید کائنات اور اجود و اکرم اہل جہاں اور خلاصہ موجودات ہیں صلی اللہ علیہ وسلم (تو آپ کا خدمتگار کس قدر سعادت و عزت سے سرفراز ہوگا)

اب حضرت شیخ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کے بارے میں عقیدہ ملاحظہ فرمائیے) چنانچہ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

واز اطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ و تخصیص نکرد بمطلوبے خاص، معلوم میشود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست صلی اللہ علیہ وسلم ہرچہ خواہد ہرکرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔ بیت

بیت: اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری ۔ بدرگاہش بیا و ہرچہ میخواہی تمنا کن

ترجمہ: اطلاق سوال سے کہ فرمایا مانگ اور کسی مطلوب خاص کی تخصیص نہ کی، سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کے کام آپ کے دست ہمت و عزت کے قبضہ میں ہیں صلی اللہ علیہ وسلم آپ جو کچھ چاہتے ہیں جس کے لیے چاہتے ہیں اپنے پروردگار کے اذن سے عطا فرماتے ہیں۔ دنیا و آخرت کی نعمتیں آپ کے جود و سخا کا ایک حصہ ہے اور لوح و قلم کے علوم آپ کے علم شریف میں سے ہیں۔ اگر تو دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی کا آرزومند ہے تو آپ کی درگاہ شریف پر آ اور اپنی ہر تمنا پوری کر۔

اس ارشاد میں تنبیہ ہے کہ طالب صادق کو چاہیے کہ اخروی نعمتوں جو باقی و دائم ہیں کے علاوہ کچھ نہ چاہے اور دنیوی فانی حظوظ و لذات کی طرف التفات نہ کرے۔ خاص کر سب سے کامل دائم اور افضل کمالات یعنی حضور سید کائنات علیہ افضل الصلوٰت والتحیات کی مرافقت و معیت کا طلبگار رہے۔ تاہم طالب صادق کو چاہیے کہ اس مطلوب کے حصول کے طریق میں اپنی کوتاہی پر راضی نہ ہو۔ اور صرف ہوس و آرزو پر کفایت نہ کرے کہ بے کار بیٹھنا اور آرزو کرنا ٹھنڈے لوہے کو کوٹنے کے مترادف ہے۔ بیت۔

کا نکو کار بگذر از گفتار — کاندریں راہ کار دارد کار

ترجمہ۔ باتیں کرنا چھوڑ اور کام کر۔ کہ اس راہ میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔ نظم

مزد آں گرفت جان برادر کہ کار کرد

جان برادر مزدوری و اجرت کا مستحق وہ ہوتا ہے جو کام کرتا ہے

خصوصاً نماز جو تمام کاموں سے بہتر کام ہے اور تمام عبادتوں سے جامع تر اور مکمل تر عبادت ہے۔ جس طرح کہ حقیقت

جامعہ محمدیہ ہے۔ و باللہ التوفیق۔

۸۳۷/۳ وَعَنْ مَعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ لَقِيْتُ ثَوْبَانَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِيْ بِعَمَلٍ اَعْمَلُهُ يُدْخِلُنِيَ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ فَسَكَتَ ثُمَّ سَاَلْتُهُ فَسَكَتَ ثُمَّ سَاَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ سَاَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ لِلّٰهِ فَاِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً اِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيْئَةً قَالَ مَعْدَانُ ثُمَّ لَقِيْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ فَسَاَلْتُهُ فَقَالَ لِيْ مِثْلَ مَا قَالَ لِيْ ثَوْبَانُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت معدان[1] بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملا میں نے کہا مجھے ایسا عمل بتائیں جو میں کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کی برکت سے جنت میں داخل کرے آپ خاموش رہے[2] میں نے پھر پوچھا مگر آپ خاموش رہے میں نے تیسری بار پوچھا تو فرمایا کہ میں نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے زیادہ سجدے اختیار کرو[3] کہ تم اللہ کے لیے کوئی سجدہ نہ کرو گے مگر اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہارا درجہ بلند کرے گا[4] اور تمہاری خطا معاف کرے گا[5] معدان کہتے ہیں پھر میں حضرت ابوالدرداء سے ملا میں نے ان سے یہ ہی پوچھا انہوں نے بھی مجھ سے وہی کہا جو حضرت ثوبان نے کہا تھا۔

[1] معدان میم کی زبر اور عین کے جزم کے ساتھ [illegible] ابوالدرداء اور ثوبان رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں [illegible]

[2] یعنی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ [illegible] طور پر تھی کہ دیکھیں سائل کیا کہتا ہے۔ یا سائل کو [illegible] پر قادر کرے۔

[3] اور خدا کی رضا کے لیے کثرت سے نماز ادا کرے۔

[4] کہ اللہ تعالیٰ ان سجدوں کی کثرت سے [illegible] درجہ پر فائز کرے گا۔

[5] یعنی سجدہ گناہوں اور سیئات کی معافی کا سبب [illegible] اور زیادتِ حسنات کا موجب بھی اور دونوں طریقوں سے یعنی ضرر و نقصان کو دور کرکے [illegible] سے بہرہ ور کرتا ہے۔

۵؎ یعنی حضرت ثوبان سے سوال کرتے تھے بعد میں سوال میں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا جو حضرت ثوبان نے دیا تھا کہ وہ عمل کثرت سجود ہے۔یعنی اللہ تعالٰی کی کثرت سے عبادت و بندگی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۸۹۸ - عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَاِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ.

روایت ہے حضرت وائل بن حجر۱؎ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے (زمین) پر رکھتے اور جب اٹھتے تو اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے۲؎ (ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ حا کی پیش اور جیم کی جزم کے ساتھ۔

۲؎ علماء فرماتے ہیں کہ جب سجدہ کو جاتے وقت پہلے وہ اعضاء زمین پر رکھے جائیں جو زمین کے قریب ہیں اور اٹھتے وقت اس کا عکس کرنا چاہیے۔مگر پیشانی اور ناک کے زمین پر رکھنے میں ترتیب کی ضرورت نہیں کہ یہ دونوں اعضاء ایک ہی عضو کے حکم میں ہیں اور بعض کے نزدیک ناک زمین پر پہلے رکھے کہ یہ زمین کے زیادہ نزدیک ہے،علامہ شمنی نے کہا ہے کہ اگر کسی عذر موزہ وغیرہ کی وجہ سے گھٹنے زمین پر پہلے رکھنے دشوار ہوں تو اس صورت میں ہاتھ پہلے رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

۸۹۹ - وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيْرُ وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ قَالَ اَبُوْ سُلَيْمَانَ الْخَطَّابِيُّ حَدِيْثُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَثْبَتُ مِنْ هٰذَا وَقِيْلَ هٰذَا مَنْسُوْخٌ.

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے۔چاہیے کہ اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھے۱؎ (ابوداؤد،نسائی،دارمی)ابو سلیمان الخطابی نے کہا کہ وائل ابن حجر کی حدیث اس حدیث سے زیادہ قوی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

۱؎ یہ حدیث بظاہر حدیث اول کے مخالف ہے کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ زمین پر گھٹنوں سے

پہلے رکھے اور حدیث اول اس پر دلالت کرتی ہے کہ زانو پہلے زمین پر رکھے جائیں۔ اس مسئلہ میں ائمہ کے درمیان بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ابوحنیفہ و شافعی و احمد بن حنبل نے ان کے مشہور قول کے مطابق حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کیا ہے اور ہاتھوں سے پہلے زانو زمین پر رکھتے ہیں اور امام مالک، امام اوزاعی اور احمد نے ان سے ایک روایت کے مطابق اور ائمہ حدیث کے ایک گروہ نے حضرت ابوہریرہ کی حدیث پر عمل کیا ہے اور زانو سے پہلے ہاتھ زمین پر رکھتے ہیں۔ علماء نے یہاں یہ بھی کہا ہے کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہے حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے اور جب احادیث آپس میں مختلف ہو جائیں تو طریقہ یہ ہے کہ اقوی اور اصح حدیث پر عمل کیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث حضرت ابوہریرہ کی حدیث کی ناسخ ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کی ابتداء کرتے تو پہلے گھٹنے زمین پر رکھتے اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں ہے کہ ہم لوگ گھٹنوں سے پہلے ہاتھ زمین پر رکھتے تھے تو ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم پہلے گھٹنے زمین پر رکھیں پھر ہاتھ۔ انتہیٰ اور اسی کی طرف حضرت مؤلف اپنے آئندہ قول میں اشارہ کر رہے ہیں۔

۲ خطابی نے کہا جو علماء حدیث اور اس کے شارحین میں سے ہیں کہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے زیادہ قوی ہے۔

۳ یعنی بعض نے کہا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا مجھ پر طریقہ سنت کے مطابق ان دو مذہبوں میں سے کسی ایک کی ترجیح دوسرے پر ظاہر نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

۸۴۰/۳۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان کہتے تھے الٰہی مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر مجھے ہدایت دے اور مجھے روزی عطا کر۔ (ابوداؤد، ترمذی)

۱ یعنی جب آپ ایک سجدہ سے سر اٹھا کر بیٹھتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

۸۴۱/۳۳ وَعَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ رَبِّ اغْفِرْلِيْ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان یہ کہتے تھے رب اغفرلی۔ اے میرے رب مجھے بخش دے۔

وَرَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ (نسائی، دارمی)

سلہ اس حدیث میں اس کلمہ سے زیادہ الفاظ نہیں آئے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی کلمہ پر کفایت کرتے تھے اور صرف طلب مغفرت ہی کرتے تھے جو تمام مطالب و مقاصد کی اصل اور سب سے عمدہ ہے۔ اور حضرت حذیفہ نے حضور سے صرف یہی لفظ سنا ہو اور روایت کر دی ہو اور دوسرے اوقات میں آپ اس سے زیادہ پڑھتے ہوں انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سن کر اس کی روایت کر دی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۸۴۴ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ شِبْلٍ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَقْرَةِ الْغُرَابِ وَافْتِرَاشِ السَّبُعِ وَاَنْ یُّوَطِّنَ الرَّجُلُ الْمَکَانَ فِی الْمَسْجِدِ کَمَا یُوَطِّنُ الْبَعِیْرُ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ

حضرت عبدالرحمٰن[1] بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوے کی طرح ٹھونگ[2] مارنے اور درندے کی طرح بازو[3] بچھانے سے منع فرمایا۔ اور اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص مسجد میں جگہ مقرر کرے[4] جیسے اونٹ مقرر کر لیتا ہے۔ (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

سلہ ابن شبل کی نسبت دادا کی طرف ہے یا ماں کی طرف ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن شبل انصاری صحابی ہیں۔ اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں۔ حمص میں سکونت اختیار کی۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

سلہ مرغ کا ٹھونگ مارنا اور دانہ چگنا کنایہ ہے جلد سجدہ کرنے اور اعتدال و اطمینان ملحوظ نہ رکھنے سے۔ اور بعض احادیث میں نقر دیک (مرغ) کا لفظ چگنا ہے کے الفاظ واقع ہوئے ہیں۔ اس لفظ میں نقرۃ الغراب کے لفظ سے بھی زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔

سلہ درندے سے چیتا اور شیر وغیرہ اپنے بازو بچھا لیتے ہیں۔ جیسا کہ فصل اول میں حضرت انس کی حدیث میں گزرا۔ بعض احادیث میں افتراش کے بجائے لفظ سبع کے ساتھ افتراش آیا ہے۔ بمعنی شکار کرنا۔ اور پھاڑنا۔ اور لفظ افتراش افتراس بسین کا مقدمہ ہے کہ درندہ جب شکار پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ پہلے پاؤں بچھاتا ہے پھر دوڑتا ہے۔

سلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں نمازی مرد کو اس سے منع فرمایا کہ وہ مسجد میں اپنے لیے کوئی جگہ مخصوص کرے۔ اور دوسروں کو اس جگہ سے روکے۔ جیسا کہ اونٹ کرتا ہے کہ وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ متعین کر لیتا ہے اور دوسرے کو وہاں بیٹھنے نہیں دیتا اور چونکہ مسجد سب لوگوں کی جگہ ہے اور تمام مسلمان اس میں بیٹھنے اور عبادت کرنے کا حق رکھتے ہیں

کتاب الوضوء میں گزرا۔
ؒ یعنی ایسے شخص کی نماز قبول نہیں کرتا۔

[illegible] وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ وَضَعَ جَبْهَتَهٗ بِالْاَرْضِ فَلْيَضَعْ كَفَّيْهِ عَلَى الَّذِىْ وَضَعَ عَلَيْهِ جَبْهَتَهٗ ثُمَّ اِذَا رَفَعَ فَلْيَرْفَعْهُمَا فَاِنَّ الْيَدَيْنِ تَسْجُدَانِ كَمَا يَسْجُدُ الْوَجْهُ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت نافع[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جو اپنی پیشانی زمین پر رکھے تو اپنے ہاتھ بھی وہیں رکھے جہاں پیشانی رکھتا ہے[2] پھر جب سر اٹھائے تو ہاتھ بھی اٹھائے کیونکہ جس طرح چہرہ سجدہ کرتا ہے ویسے ہی ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں[3]۔ (مالک)

۱؎ جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

۲؎ یعنی اسے چاہیے کہ ہاتھ بھی زمین پر رکھے یا مراد یہ ہے کہ ہاتھ بھی اس جگہ کے قریب رکھے جہاں پیشانی رکھتا ہے ہاتھوں کو چہرے سے دور اور پیچھے اور آگے نہ رکھے۔ علماء نے کہا ہے کہ اگر بلند جگہ پر سجدہ کر رہا ہے تو ہاتھ بھی اس کے ساتھ بلند جگہ پر رکھے۔ اس سے نیچے نہ رکھے۔ یا عبارت کا معنی یہ ہے کہ ہاتھ بھی زمین پر اسی طرح رکھے جس طرح اس نے پیشانی رکھی ہے یعنی قبلہ رخ کرکے۔

۳؎ لہٰذا چاہیے کہ پیشانی کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی زمین پر رکھے اور ساتھ اٹھائے۔ جس طرح پیشانی کو رکھتا اور اٹھاتا ہے ایسے ہی قول ثانی بھی اس کی تائید کرتا ہے جس پر عبارت سابق کو حمل کیا گیا ہے۔

بَابُ التَّشَهُّدِ

التحیات کا باب

تشہد کا معنی ہے ایسی چیز کی خبر دینا جس میں زبان و دل ایک دوسرے کے موافق ہوں اور گواہی دینے اور علم یقینی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ تشہد کا معنی ہے گواہ بننا اپنے دل میں عبادت بہانے ظاہر کرنا۔ شرع شریف میں تشہد کا معنی اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ کہنا اور وہ ذکر کرنا ہے جو نماز کے قعدہ میں کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ذکر شہادتین پر مشتمل ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۸۴۶ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَعَدَ فِي التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَعَقَدَ ثَلٰثَةً وَّخَمْسِيْنَ وَ اَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ اِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَ رَفَعَ اِصْبَعَهُ الْيُمْنَى الَّتِيْ تَلِي الْاِبْهَامَ يَدْعُوْبِهَا يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ بَاسِطَهَا عَلَيْهَا ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب التحیات میں بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور ترپن کا عقد باندھتے اور کلمے کی انگلی سے اشارہ کرتے[۱]۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے اور اپنی داہنی انگلی جو انگوٹھے سے ملی ہے اسے اٹھاتے اس سے اشارہ کرتے[۲] اور اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر بچھاتے[۳] (مسلم شریف)

۱؎ یعنی انگشت سبابہ سے اشارہ کرتے سبابہ اس انگلی کا نام ہے جو انگوٹھے کے ساتھ [illegible] سبابہ سب بمعنی گالی دینا سے مشتق ہے عرب کی عادت ہے کہ گالی دیتے وقت اس انگلی سے [illegible] شرع شریف کی زبان میں اس انگلی کو مسبحہ اور انگشت شہادت [illegible] کی طرف اس انگلی سے اشارہ کیا کرتے تھے اشارے کی صورت یہ ہے [illegible] الا اللہ یا لفظ اللہ کہتے وقت اٹھاتے اور مشہور یہ ہے کہ نفی کے وقت اٹھائے اور [illegible] بعض ائمہ شافعیہ سے منقول ہے کہ آخر کلمہ شہادت تک اٹھائے رکھے۔ چاہیے کہ اوپر کی طرف اشارہ نہ کرے۔ تاکہ خدا تعالیٰ کے جہت فوق میں ہونے کا وہم نہ پڑے۔

۲؎ اس انگلی کے ساتھ دعا کرتے ہوئے۔ دعا سے بیان کلمہ لا الہ الا اللہ کہتے وقت [illegible] کی طرف اشارہ کرنا مراد ہے۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔ ذکر کو دعا بھی کہتے ہیں کریم الانام و اکرام حاصل ہوتے [illegible]

۳؎ یعنی آپ جو عقد و اشارہ کرتے تھے دائیں ہاتھ سے ہوتا تھا۔ بایاں ہاتھ بالکل دعا و [illegible] رکھتے تھے۔

اگر تم یہ کہو تو نے حدیث کی شرح تو کر دی۔ اس کا مضمون ہمیں معلوم ہو گیا لیکن ثلاث و خمسین کا مطلب ہمیں معلوم نہ ہوا کہ کیا ہے۔ تو واضح ہو کہ حساب دان لوگ انگلیاں بند کر کے گرہیں لگاتے اور ان میں سے ہر گرہ سے ایک عدد

تین مراد لیتے اور وضع کرتے ہیں، ایک کا عدد، دس کا عدد، سو اور ہزار کا عدد، چنانچہ ترپن کا یہی عدد جو اس حدیث میں مذکور ہے۔ اس کی صورت یہ ہے چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی اور درمیانی انگلی کو بند کرے اور منجمد کرے جسے انگشت سبابہ بھی کہتے ہیں بچھائے اور پھیلائے اور انگوٹھے کی ایک طرف کو انگشت شہادت کے ساتھ لگائے۔

امام شافعی اور امام احمد نے ایک روایت کے مطابق اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ دوسری صورت عقد تسعین تسعہ کے عدد کی گرہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ چھنگلیا اور ساتھ والی انگلی کو بند کرے۔ انگشت شہادت کو پھیلائے اور انگوٹھے کے سر کو درمیانی انگلی کے سر پر رکھے اور دائرہ بنائے حنفیہ کے نزدیک اور امام احمد کے مختار مذہب میں یہی طریقہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ بھی اپنے قول قدیم میں اسی طریقہ کے قائل ہیں۔ اور یہ طریقہ مسلم کی حدیث میں حضرت عبداللہ بن الزبیر سے جو آئندہ حدیث میں آئے گا اور احمد اور ابو داؤد کی حدیث میں جو حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور امام مالک دائیں ہاتھ کی تمام انگلیوں کو بند کرتے ہیں صرف انگشت شہادت کو پھیلاتے ہیں۔ شافعیہ کے ہاں اس دائرے کی ایک اور کیفیت بھی آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ درمیانی انگلی کا سر انگوٹھے کی دونوں گرہوں کے درمیان رکھا جائے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ تمام انگلیاں زانو پر پھیلائے۔ تاکہ سب کا رخ قبلہ شریف کی طرف ہو جائے جیسا کہ سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور بعض احادیث میں گرہ کے بغیر بھی اشارے کا ذکر آیا ہے۔ اور بعض حنفیہ کا پسندیدہ مذہب یہی ہے

غالباً اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک مختلف تھا۔ کہ کبھی گرہ کی صورت میں اشارہ کرتے اور کبھی بغیر گرہ کے۔ اس بارے میں مختلف روایات کے درمیان مطابقت کی توجیہ بھی یہی ہے۔

یہ بات الگ ہے کہ ماوراء النہر اور ہندوستان کے علماء حنفیہ نے عقد و اشارے کا یہ مذہب ترک کر رکھا ہے متقدمین حنفیہ کے نزدیک مختار مذہب پہلا ہی تھا (یعنی عقد و اشارہ) متاخرین حنفیہ میں اس بارے میں اختلاف رونما ہوا ہے اور علمائے حرمین وغیرہ ما وراء عرب کے نزدیک بھی مختار مذہب پہلا ہی ہے اور وہ بھی عقد و اشارہ پر عمل کرتے ہیں۔

حنفیہ رحمہم اللہ کے محقق حضرت شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے نمازی کو چاہیے کہ اول تشہد سے لے کر شہادتین تک انگلیوں کو رانوں پر پھیلائے رکھے اور کلمہ لا الہ الا اللہ کے وقت عقد و اشارہ کرے۔ تاکہ دونوں طریقوں کے عمل کا جامع بن جائے اور کہنا اشارہ سے روکنے کا قول روایت اور درایت دونوں کے خلاف ہے اور حضرت شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک رسالہ تحریر کیا ہے جس میں جانب عمل کو ترجیح دی ہے۔ ہم نے اس رسالہ میں سے قدرے شرح سفر السعادۃ میں نقل کیا ہے۔ محیط میں کہا دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت اٹھانا ابو حنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت میں سے ہے۔ ایسا ہی حضرت ابو یوسف سے بھی مروی ہے۔ اور

علامہ نجم الدین زاہدی نے کہا کہ اس عمل کے سنت ہونے میں ہمارے اصحاب حنفیہ کی روایات متفق ہیں۔ جب کہ محدثین، فقہائے اور بہت سے صحابہ و تابعین اور علما سے کرفہ و مدینہ منورہ اور ملک کا مذہب بھی یہی ہے اور بہت سے اخبار و آثار اس عمل پر دلالت کرتے ہیں تو پھر یہی (عقد و اشارہ) مذہب اولیٰ اور ارجح قرار پائے گا۔

۸۲۷/۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَعَدَ يَدْعُوْا وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَ اَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ اِبْهَامَهُ عَلٰى اِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى وَ يُلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرٰى رُكْبَتَهُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے تو کلمہ پڑھتے اپنا دایاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر رکھتے اور اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور اپنی کلمے کی انگلی سے اشارہ کرتے اور اپنا انگوٹھا بیچ کی انگلی پر رکھتے اور بائیں ہتھیلی سے گھٹنہ پکڑ لیتے (مسلم شریف)

۱؎ جیسا کہ گزشتہ حدیث کی تفسیر سے معلوم ہوا۔
۲؎ یعنی عقد تسعین کرتے جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔
۳؎ یعنی بایاں گھٹنہ بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں اس طرح کرتے جس طرح لقمہ منہ میں ہوتا ہے۔

۸۲۸/۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ قَبْلَ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلٰى جِبْرِيْلَ السَّلَامُ عَلٰى مِيْكَائِيْلَ السَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ قَالَ لَا تَقُوْلُوا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ فَاِذَا جَلَسَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَقُلِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تو کہتے اللہ کے بندوں کی طرف سے اللہ پر سلام ہو جبریل پر سلام ہو میکائیل پر سلام ہو فلاں پر سلام ہو پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو ہماری طرف منہ کر کے فرمایا یہ نہ کہو کہ اللہ پر سلام ہو کیونکہ اللہ تو خود سلام ہے تو جب تم میں سے کوئی نماز میں بیٹھے تو کہے کہ اللہ ہی کے لیے ہیں تحیتیں اور نمازیں اور پاکیزہ کلمے سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں

الصَّلَوٰتُ وَ الطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَکَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ اِذَا قَالَ ذٰلِكَ اَصَابَ کُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ لْیَتَخَیَّرْ مِنَ الدُّعَآءِ اَعْجَبَهٗ اِلَیْهِ فَیَدْعُوْهُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

ہوں۔ ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ نمازی جب یہ کہتا ہے تو زمین و آسمان کے ہر نیک بندے کو پہنچ جاتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ پھر جو دعا اسے پسند ہو اختیار کرے اور اس سے دعا مانگے۔

(بخاری و مسلم)

لہ یعنی اللہ کے بندوں پر سلام بھیجنے سے پہلے اللہ پر سلام ہو۔

ٹہ اور ہم یہ بھی کہتے تھے کہ جبرئیل پر سلام میکائیل پر سلام اور فلاں پر سلام فلاں سے مراد ان کے علاوہ دوسرے ملائکہ ہیں کہ صحابہ ان پر بھی سلام بھیجتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ بعض انبیاء و مرسلین مراد ہوں جن کا ان کے سامنے ذکر ہوتا ہو جیسے حضرت آدم حضرت ابراہیم حضرت نوح وغیرہم علیہم السلام واللہ اعلم۔

ٹہ کہ خدا تعالٰے خود سلام ہے یعنی تمام نقائص و آفات سے پاک ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ظاہری باطنی آفات سے محفوظ رکھتا ہے لہٰذا سلامتی اس کے لیے اور اس کی طرف سے ہے۔ سلامتی کی دعا اس کے لیے مناسب ہوتی ہے جو محتاج ہو اور اسے خوف و ڈر ہو۔ سلام اللہ تعالٰی کے اسماء میں سے ہے یعنی سلامتی والا یا سلامتی عطا کرنے والا۔

ٹہ التحیات سے قولی عبادات مراد لی گئی ہیں اور صلوات سے عبادات بدنیہ اور طیبات سے مالی عبادات۔ قاعدہ دستور ہے کہ جب کوئی شخص بادشاہوں کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو پہلے سلام عرض کرتا . اور صفت و ثنا کرتا ہے اس کے بعد تواضع اور پھر دربار میں تحفہ پیش کرتا ہے تاکہ سلطانی لطف و عنایت کا مستحق قرار پائے۔

شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ نے کہا کہ تحیت سلام، ملک، بقا، عظمت اور حیات کے معنیٰ میں آتا ہے یہاں جمع کا صیغہ لائے کیونکہ عرب و عجم کے بادشاہوں کے حضور میں ان کی تعظیم و تکریم کے لیے ان کے خدمتگار خاص قسم کے تحفے تحائف لاتے تھے۔ اس لیے فرمایا ہر قسم کے تحیات صرف اللہ کے لیے ہیں۔ دوسروں کے لیے یہ تحائف عارضی اور چند روز کے لیے ہیں۔ بیت۔

خدائے راست بزرگی و ملک بے انباز
دگر ہر کہ بینی بعاریت داو جست

ترجمہ۔ بزرگی اور ملک و سلطنت خدائے وحدہٗ لاشریک کے لیے ہے۔ مخلوقات کے پاس جو کچھ تو دیکھ رہا ہے وہ اسی کا انہیں چند روزہ عاریۃً دیا ہوا ہے۔ اور تحیات سے تعظیم کی تمام اقسام بھی مراد لی گئی ہیں اور صلوات سے تمام فرض و نفل نمازیں اور طیبات سے کلمات طیبہ اور تمام پاکیزہ اعمال بھی مراد لیے گئے ہیں۔

۵۵ یعنی دعائے خیر و سلامتی ہو آپ پر اے پیغمبر اور اس کی مہربانی اور زیادہ سے زیادہ خیر کرم کا نزول آپ پر ہوتا رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں مخاطب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کلام کو اپنی اصلی حالت پر رکھا گیا ہے کہ یہ کلام و گفتگو دراصل شب معراج کو پروردگار تعالیٰ و تقدس کی طرف سے آپ کے ساتھ کی گئی اور سلام کے ساتھ آپ کو مخاطب کیا گیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے وقت وہی اصل کلمات باقی اور قائم رکھے۔ تاکہ امت کو وہ حال یاد دلایا جائے نیز وہ حالت ہمیشہ کے لیے تمام حالات و اوقات میں مومنوں کا نصب العین اور عابدوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے خصوصًا حالت عبادت میں خصوصًا نماز کے آخر میں کہ نورانیت و انکشاف کا وجود اس مقام میں زیادہ اور قوی تر ہوتا ہے اور بعض عارفین نے کہا کہ یہ خطاب (السلام علیک ایہا النبی) اسی بنا پر ہے کہ حقیقت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جملہ موجودات کے ذروں اور تمام افراد ممکنات میں سرایت کیے ہوئے ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذوات کے درمیان حاضر و موجود ہوتے ہیں تو نمازی کو چاہیے کہ اس معنی و حقیقت سے آگاہ رہے اور مشاہدہ سے غافل نہ ہو تاکہ انوار قرب اور اسرار معرفت سے منور اور فیضیاب ہو۔

۵۶ یعنی ہم سب حاضرین اور ملائکہ اور مومنین جن و انس سب ایسی سلامتی میں داخل و شامل ہیں۔

۵۷ اور خدا تعالیٰ کے تمام نیکوکار بندوں پر جو حاضر و غائب دور و نزدیک اور آسمان میں اور زمین میں ہیں سب کے لیے سلامتی نازل ہو۔ صلاح فساد کی ضد ہے۔ بندۂ صالح اسے کہتے ہیں جو عبودیت کے حقوق کو جیسے ادا کرنے کا حق ہے بجالائے اور استقامت دکھلائے اور کسی طرح سے بھی اس کے ظاہری و باطنی حالات کے کارخانہ میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو۔ مقام صلاح دراصل اعلیٰ ترین منصب اور ارفع ترین مرتبہ ہے۔ اسی لیے حق تعالیٰ نے انبیاء کی صالح ہونے کے ساتھ تعریف کی۔ درست بات یہ ہے کہ صلاح کے بہت سے مرتبے ہیں یعنی بعض بعض سے زیادہ مرتبے رکھتے ہیں اور سب کو اپنے صالح ہونے کے مطابق سلامتی سے حصہ ملتا ہے اور صلاح کا اعلیٰ ترین درجہ اور اعلیٰ ترین مرتبہ وہ ہے جو شیخ انس و جان غوث الثقلین حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز نے اپنی کتاب مستطاب فتوح الغیب میں ذکر کیا ہے۔ کہ صلاح زوال ارادہ اور فنائے مطلق کا نام ہے اور بندہ کلی طور پر حق پر قائم ہو جاتا ہے تو صالح درحقیقت یہی شخص ہے جس نے یہ مقام پالیا ہے اور خدا تعالیٰ کی نگرانی اس کی کارساز بن گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ۔ بیشک اللہ ہی میرا والی ہے جس نے کتاب نازل کی ہے اور

وہی صالحین کا دوست اور کارساز ہے۔

اور یہ وہ بندہ ہے تاسب جو تدبیر کا ہاتھ منافع و مصالح کے اسباب و ذرائع اور نقصان دہ اور فساد انگیز چیزوں کے بچاؤ سے اٹھا لیتا ہے۔ اور اس کارساز حقیقی کا دست تربیت اس کا محافظ و متولی بن جاتا ہے۔ وہ اپنے نفس کی تدبیر و اختیار سے کوئی حرکت نہیں کرتا۔ جس طرح شیر خوار بچہ شیر پلانے والی ماں کے سامنے اور میت غسل دینے والے کے آگے اور گیند بیٹ بلے کے آگے۔ انتہٰی۔

اور جب بندہ اس حالت کو پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ تمام انفسی اور آفاقی آفات سے نجات پا جاتا ہے۔ جب اس نے اپنے آپ کو کارساز حقیقی کے حوالے کر دیا تو سلامتی میں ہو گیا یعنی اسلم تسلم آ اور سلامتی میں ہو جا۔ اللھم اجعلنا من الصالحین۔ اے اللہ ہمیں صالحین میں سے کر دے۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات پاک کی تخصیص کے علاوہ دوسرے بعض بندوں اور اشخاص پر علی التعیین سلام کرنے سے منع فرمایا تو فانہ اذا قال الی آخرہ کے الفاظ سے اس ممانعت کی وجہ بیان فرما دی۔

ھ کہ جب علی العموم سب پر اس نے سلام بھیج دیا تو ہر بندہ صالح کو جو زمین و آسمان میں ہے یہ سلام پہنچ گیا اور اس کے اثر سے فیض یاب ہو گیا۔ لہٰذا چند خاص افراد کی تخصیص کی کیا حاجت ہے پھر اس کے بعد التحیات کے کلمات کا اختتام کلمہ شہادت پر کیا جو خلاصہ کار اور تمام اعمال کی اصل ہے اور فرمایا اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمدا عبدہ ورسولہ۔ اور جب بندہ حقیقت اسلام سے موصوف اور مقام قرب و قبولیت میں جاگزین ہو گیا تو دعا و سوال کی طرف اشارہ کیا کہ اب جو چاہے خدا تعالیٰ سے مانگے سوال سے فرمایا ثم لیتخیر من المسئلۃ الی آخرہ۔

وعنہ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَكَانَ يَقُوْلُ اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوٰتُ الطَّيِّبٰتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں التحیات ایسے ہی سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے تھے تو فرماتے تھے برکت والی تحیتیں اور طیب نمازیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں لے

نـ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَلَمْ اَجِدْ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّحِيْحَيْنِ سَلَامٌ عَلَيْكَ وَسَلَامٌ عَلَيْنَا بِغَيْرِ اَلِفٍ وَّلَامٍ وَّلٰكِنْ رَوَاهُ صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنِ التِّرْمِذِيِّ۔

(مسلم شریف)
اور میں نے صحیحین میں اور صحیحین کی جامع میں سلام علیک اور سلام علینا بغیر الف لام کے نہ پایا۔ لیکن اسے جامع والے نے ترمذی سے روایت کیا۔

لے یہ تشہد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی کا ہے اکثر شافعیہ کا اسی پر عمل ہے۔ احناف کا مذہب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد ہے۔ اور حدیث سابق میں جو مذکور ہوا وہ ابن مسعود کا تشہد تھا۔ ان دونوں تشہدوں میں لفظاً و معنیً میں فرق موجود ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد زیادہ صحیح ہے۔ امام احمد کے مذہب میں بھی یہی ہے۔ صحابہ و تابعین میں سے اکثر اہل علم بھی اسی پر ہیں۔ بیشک اسی تشہد کے پڑھنے کا حکم آیا ہے اور اسی کے سیکھنے سکھانے کی تلقین آئی ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو یہ تشہد سکھائیں۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنا ہاتھ پکڑا اور مجھے التحیات اس طرح سکھایا جس طرح آپ قرآن کی تعلیم دیتے تھے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث متفق علیہ ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت جو انہوں نے روایت کی افراد مسلم میں سے ہے اور اسے اصحاب کتب ستہ نے سوائے بخاری کے روایت کیا۔ اور امام مالک کا تشہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تشہد ہے یعنی التحیات للہ الزاکیات للہ الطیبات الصلوات للہ السلام علیک ایھا النبی الخ الیاسی ابن ابی زید کے رسالہ میں مذکور ہے یہ امام مالک کے مذہب کا رسالہ ہے۔ تمام علماء نے کہا ہے کہ نماز دونوں طرح سے درست ہے۔ یہ گفتگو اولیٰ اور افضل میں ہے۔

واضح ہو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے تشہد میں صاحب مصابیح نے سلام علیک اور سلام علینا بغیر الف لام کے لکھا ہے اس کے متعلق حضرت مولف (صاحب مشکوٰۃ) فرماتے ہیں کہ میں نے اسے صحیح بخاری کے نقل اور صحیح مسلم اور کتب حمیدی میں نہیں پایا۔ بلکہ اسے صاحب جامع الاصول نے جو صحاح ستہ کا جامع ہے ترمذی سے روایت کیا ہے لہٰذا صاحب مصابیح کا اس حدیث کو فصل اول میں لانا درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۹۰۶ عَنْ وَّائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں

جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَحَدَّ مِرْفَقَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَ قَبَضَ ثِنْتَيْنِ وَحَلَّقَ حَلْقَةً ثُمَّ رَفَعَ اِصْبَعَهُ فَرَاَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُوْ بِهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ الدَّارِمِيُّ)

کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تو اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا۔ اور اپنی داہنی کہنی اپنی داہنی ران پر درازکی۔[۳] دو انگلیاں[۴] بند کیں۔ اور حلقہ بنایا[۵] پھر اپنی انگلی شریف اٹھائی میں نے آپ کو دیکھا کہ اسے ہلاتے[۶] تھے۔ اس سے اشارہ کرتے تھے۔

(ابوداؤد۔ دارمی)

[۱] جلسہ تشہد کی کیفیت کے بیان میں۔

[۲] یعنی دوسری رکعت میں دوسرے سجدہ سے سر اٹھا کر بیٹھے۔

[۳] یہ مضمون اس حدیث کے موافق ہے جس کی تصحیح امام بیہقی نے کی۔ اس کے الفاظ یہ ہیں جعل مرفقہ الایمن علے فخذہ اس لفظ کو اور بھی کئی طریقوں سے پڑھا گیا ہے۔ ہم نے شرح میں ان کا ذکر کر دیا ہے۔

[۴] یعنی چھنگلیا اور اس کی ساتھ والی انگلی۔

[۵] یعنی درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے۔ جیسا کہ عقد تسعین ہوتا ہے۔ مذہب حنفی بھی یہی ہے۔ اور امام شافعی کا قول قدیم بھی اسی کے مطابق ہے۔

[۶] حرکت سے کلمہ شہادت پڑھتے وقت توحید کی طرف اشارہ مراد ہے جیسا کہ گزشتہ مذکور ہوا۔

[۹] وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيْرُ بِاِصْبَعِهِ اِذَا دَعَا وَلَا يُحَرِّكُهَا

رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ زَادَ اَبُوْدَاوُدَ وَ لَا يُجَاوِزُ بَصَرُهُ اِشَارَتَهُ۔

حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب انگلی سے اشارہ کرتے تو اسے حرکت نہ دیتے[۱] تھے۔

ابوداؤد و نسائی اور ابوداؤد نے یہ الفاظ زیادہ کیے کہ آپ کی نگاہ اشارہ سے تجاوز نہ کرتی تھی[۲]۔

[۱] گزشتہ حدیث میں فرمایا کہ آپ انگلی کو حرکت دیتے تھے اور اس حدیث میں فرماتے ہیں کہ حرکت نہ دیتے تھے مطلب یہ ہے کہ اشارہ کے وقت جب انگلی اٹھاتے تو اسے حرکت ہوتی تھی کہ اٹھانے کو حرکت لازم ہے اور یہاں جو فرمایا کہ حرکت نہ دیتے تھے اس سے مراد یہ ہے کہ بار بار حرکت نہ دیتے تھے اس میں حضرت امام مالک کے مذہب کی نفی ہے کہ ان کے نزدیک آخر تشہد تک انگلی کو حرکت میں رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس انگلی کی رگوں کا تعلق دل سے

ہے۔ اسے حرکت میں رکھنا دل کو بیدار کرنے اور اس کے حضور کا سبب ہے واللہ اعلم۔

۸۵۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا كَانَ يَدْعُوْا بِاِصْبَعَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحِّدْ اَحِّدْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک ایک شخص دو انگلیوں سے اشارہ کر رہا تھا[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک[۲] انگلی سے اشارہ کر ایک انگلی سے اشارہ کر۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

ترمذی، نسائی، بیہقی فی الدعوات الکبیر

۱ یعنی دونوں ہاتھوں کی انگشتان شہادت سے اشارہ کر رہا تھا شارحین کرام نے کہا ہے کہ وہ مرد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے۔

۲ کیونکہ خدا تعالےٰ ایک ہے۔

۸۵۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّجْلِسَ الرَّجُلُ فِي الصَّلٰوةِ وَهُوَ مُعْتَمِدٌ عَلٰى يَدِهٖ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ نَهٰى اَنْ يَّعْتَمِدَ الرَّجُلُ عَلٰى يَدَيْهِ اِذَا نَهَضَ فِي الصَّلٰوةِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے کہ کوئی نماز میں اپنے ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھے[۱] احمد، ابوداؤد[۲] اور ان کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے منع کیا اس سے کہ انسان اپنے ہاتھوں پر ٹیک لگائے جب نماز میں اٹھے[۳]

۱ یعنی یہ کہ تشہد میں دونوں ہاتھ زمین پر رکھ دے اور [illegible] ہاتھوں پر تکیہ لگا کر اٹھے۔ دونوں باتوں سے منع فرمایا۔

۲ آخری معنی دوسری روایت کے زیادہ مناسب ہے جس [illegible]

۳ یہ روایت حنفی مذہب کے مطابق ہے اور مذہب شافعیہ کے خلاف ہے [illegible] کہ وہ اٹھنے کے وقت دونوں ہاتھوں کے ٹیک لگانے کو مستحب [illegible] میں کہتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے واللہ اعلم۔

۸۵۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دو رکعتوں

سَلَّمَ فِی الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ كَاَنَّهٗ عَلَى الرَّضْفِ حَتّٰى يَقُوْمَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ۔

میں ایسے ہوتے تھے کہ گویا آپ گرم پتھر پر ہیں حتیٰ کہ کھڑے ہو جاتے (ابوداؤد) (نسائی)

لہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قعدۂ اولی میں جو بیٹھتے تھے خواہ نماز تین رکعت والی ہوتی یا چار رکعت والی ہوتی اس میں اس طرح ہوتے کہ آگ سے گرم کیے ہوئے پتھر پر ہیں یہاں تک کہ آپ کھڑے ہوتے۔ یہ کنایہ ہے قعدہ اولی سے جلد اٹھنے اور شتابی کرنے سے۔ رضف را کی کام زبر اور ضاد کی جزم کے ساتھ اور زبر کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی آگ میں گرم کیا ہوا پتھر جسے دود ھ میں ڈالتے ہیں تاکہ وہ بھی گرم ہو جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۹۰۹ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَسْاَلُ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں التحیات اس طرح سکھاتے تھے جیسے ہمیں قرآن کی سورت سکھاتے۔ اللہ کے نام سے اور اللہ کے لئے[1] تحقیں اور پاک نمازیں اللہ کے لیے ہیں۔ اے نبی آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اللہ سے جنت مانگتا ہوں اور آگ سے رب کی پناہ مانگتا ہوں[2]۔ (نسائی شریف)

لہ یعنی اللہ کے نام اور اس کی توفیق و اعانت کے ساتھ شروع کرتا ہوں۔

لہ یہ بھی تحیات کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے اور گویا کہ بسم اللہ سے ابتدا کرنا بھی قرآن کی تعلیم دینے کے ساتھ تشبیہ کی وجہ تشبیہ میں داخل ہے۔ اور امام نووی نے اپنے اذکار میں کہا کہ بخاری و نسائی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے التحیات میں بسم اللہ کا اضافہ صحت سے ثابت نہیں ہے۔

۸۵۶ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهٖ وَاَتْبَعَهَا بَصَرَهٗ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهِيَ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ يَعْنِي السَّبَّابَةَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور اپنی انگلی سے اشارہ کرتے اپنی نگاہ اس پر رکھتے۔[1] پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شیطان پر لوہے[2] سے زیادہ گراں[3] ہے۔ یعنی یہ انگلی (اشارہ کی) (احمد)

[1] یعنی اشارہ کے وقت نگاہ اس پر رکھتے۔ جیسا کہ گزرا۔

[2] جس کے ساتھ مارتے اور قتل کرتے ہیں۔ جیسے تیر اور تلوار سے۔

[3] یعنی اس کے ساتھ اشارہ کرنے کی وجہ سے کہ اس کے توحید اور ایمان پر ثبات اور شیطان کے بیماری کا اور شرک و کفر میں ڈالنے کے طمع کو کاٹ دینے کی بنا پر ہے۔

۸۵۷ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ كَانَ يَقُوْلُ مِنَ السُّنَّةِ اِخْفَاءُ التَّشَهُّدِ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تشہد کو آہستہ پڑھنا سنت سے ہے[1] (ابوداؤد، ترمذی) [illegible] غریب ہے۔

[1] یعنی سنت یہ ہے کہ التحیات بلند آواز سے نہ پڑھا [illegible]

بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَضْلِهَا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا اور اس کی فضیلت

لفظ صلوٰۃ دعا، رحمت اور استغفار کے معنی میں آتا ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے معنی میں آتا ہے اور اس لفظ کی نسبت جب بندوں کی طرف ہوتی ہے تو جناب حق تعالیٰ کی طرف سے ان کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی کے لیے افاضہ رحمت کی طلب مراد ہوتی ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا کریں۔ علماء کا اجماع ہے کہ یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔ پھر بعض نے کہا جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک زبان پر آئے درود شریف پڑھنا واجب و ضروری ہے۔ بعض کہتے ہیں ساری عمر میں ایک بار درود بھیجنا فرض ہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی ایک بار گواہی دینا فرض ہے۔ اور زائد درود مستحب و مسنون ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا اسلام کی بہت مؤکد سنتوں میں سے اور اس کا شعار ہے۔ قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر درود بھیجنا فرض قرار دیا اور اس کے لیے کوئی وقت معین نہ فرمایا تاکہ جس قدر ہو سکے زیادہ بار پڑھا جائے اور اس میں غفلت و لاپروائی نہ کی جائے۔ بعض علما نے قول اول کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک التحیات میں درود پاک پڑھنا فرض ہے علما نے کہا ہے کہ امام شافعی کا یہ قول شاذ ہے۔ علماء میں سے کسی عالم نے اس میں ان کی موافقت نہیں کی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درود پاک پڑھنا فی الجملہ واجب اور تشہد میں سنت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک بھیجنے کے فضائل حد و شمار سے باہر ہیں۔ ان فضائل سے چند ایک کا ذکر ہم نے جذب القلوب میں کیا ہے۔ ایک الگ رسالہ بھی اس بارے میں تحریر کیا ہے جس میں بہت سی منتخب باتوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

پھر اس میں علما کا اختلاف ہے کہ غیر انبیاء پر براہ راست اور بالاستقلال درود بھیجنا جائز ہے یا نہیں جمہور کا مختار مسلک یہ ہے کہ بالاستقلال انبیاء کے ساتھ خاص ہے اس میں کوئی اور ان کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ دوسروں کا ذکر حضرات انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ کیا جائے گا۔ اور علامہ طیبی نے نقل کیا ہے کہ یہ اختلاف اولیٰ میں اختلاف ہے۔ اور بعض نے کہا حرام ہے یا مکروہ ہے کراہت تحریمی یا تنزیہی۔ اور متقدمین میں اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ذریت پاک اور ازواج مطہرات پر سلام بھیجنا متعارف تھا اور مشائخ اہل سنت و جماعت کی قدیم کتابوں میں ان پر سلام کے الفاظ لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ مگر متاخرین اہل سنت میں اس کا ترک کر دینا متعارف ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ لَقِیَنِیْ کَعْبُ بْنُ عُجْرَۃَ فَقَالَ اَلَا اُھْدِیْ لَکَ ھَدِیَّۃً سَمِعْتُھَا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ بَلٰی فَاَھْدِھَا لِیْ فَقَالَ سَاَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ مجھے حضرت کعب بن عجرہ ملے تو بولے کیا میں تمہیں وہ ہدیہ نہ دوں جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ میں نے کہا ہاں وہ ہدیہ مجھے ضرور عنایت کریں۔ فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور عرض کیا یا رسول اللہ!

كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

آپ کے اہل بیت پر درود کیسے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو سکھایا کہ آپ پر سلام عرض کریں۔ فرمایا یوں کہو اے اللہ محمد اور آل محمد پر رحمتیں بھیج۔ جیسے حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمتیں کیں۔ بے شک تو حمد و بزرگی والا ہے اے اللہ حضرت محمد اور آل محمد پر ایسی ہی برکتیں نازل کر جیسی برکتیں تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر نازل کیں۔ بے شک تو حمد و بزرگی والا ہے۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اِلَّا اَنَّ مُسْلِمًا لَمْ يَذْكُرْ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ فِي الْمَوْضِعَيْنِ۔

(بخاری و مسلم) مگر مسلم نے دونوں جگہ علی ابراہیم کا ذکر نہ کیا۔

ـــــ

۱ یعنی دونوں لام کی زبر کے ساتھ۔ عجرہ عین کی پیش اور جیم کی جزم اور را زبر کے ساتھ یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ جو انصاری مدنی ہیں ثقہ تابعین میں سے ہیں۔ ایک سو بیس صحابہ کرام کو پایا کہ سب انصار مدینہ میں سے تھے۔ عبداللہ بن الحارث نے کہا میں گمان نہیں کرتا کہ ان جیسا بچہ کسی عورت سے پیدا ہوا۔ [illegible] کے چھ سال باقی تھے کہ آپ پیدا ہوئے۔ ان کے باپ صحابی ہیں اور خود وہ امت کے [illegible] ہیں۔

۲ ہدیہ یعنی وہ کلام جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ ہدیہ یا کی [illegible] کے ساتھ۔ یعنی وہ تحفہ جو احترام و اکرام کے طور پر کسی کو بھیجا جائے [illegible] اسے صدقہ کہتے ہیں۔

۳ یہ اس چیز کی تاکید ہے جو لفظ بلی سے سمجھ میں آتی ہے۔

۴ یعنی اے اہل بیت نبوت آپ پر درود پاک بھیجنے کی کیفیت ارشاد فرمائیے۔ [illegible] حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیفیت درود شریف کا دریافت کرنا ہے اور اہل بیت کا ذکر بالتبع اور [illegible] کہتے ہیں کہ اہل بیت کے لفظ سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے۔ اور [illegible] بسا اوقات آل فلاں سے خود وہ فلاں مراد لیتے ہیں۔ جیسا کہ آل داؤد میں حضرت داؤد مراد ہیں۔ اور لفظ اہل بیت کہتے اللہ تعالیٰ کے قول مبارک رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل بیت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ معنی مراد لینے کا قرینہ ان کا یہ اگلا قول مبارک ہے فان اللہ قد علمنا کیف نسلم علیک۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات اقدس پر تو تحیات میں

درود شریف بھیجنے کی کیفیت بیان کر دی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو تعلیم الٰہی باین معنیٰ کہتے ہیں کہ آپ احکام الٰہی میں زبان مبارک نہ کھولتے مگر وحی خداوندی کا ہے۔

۵ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیفیت درود بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

۶ تو اپنے کمال و بزرگی کی شان کے مطابق اپنے حبیب پاک علیہ السلام پر درود نازل فرمایا۔

۷ یعنی اے خداوند محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر برکتیں نازل فرما اور زیادہ سے زیادہ اپنی خیر و نعمت سے آپ کو اور آپ کی آل پاک کو سرفراز فرما۔ جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم علیہ السلام کو برکتوں اور نعمتوں سے نوازا۔

۸ یعنی نہ صلوٰۃ میں علی ابراہیم کا لفظ ذکر کیا نہ برکت میں۔ چنانچہ مسلم کے لفظ یوں ہیں کما صلیت علی آل ابراہیم و کما بارکت علی آل ابراہیم اور جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آل ابراہیم میں سے ہیں۔ تو یہ تشبیہ بھی اسی آل پاک سے ہے۔ آل جل سے اس کا اہل و عیال مراد لیتے ہیں اور آل کا لفظ پیروکاروں کے لیے بھی آتا ہے اس معنیٰ کے مطابق ہے یہ حدیث آلی کل مومن یعنی ہر مومن میری آل ہے۔ اور ایک روایت میں کل مومن تقی کا لفظ آیا ہے یعنی ہر مومن متقی میری آل ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں آل سے پیروکار مراد ہیں۔ اور بعض نے اس کی تفسیر اہل بیت سے کی ہے یعنی وہ نفوس قدسیہ جن پر صدقہ حرام ہے یعنی بنی ہاشم

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اولیٰ اور انسب یہ ہے کہ اہل بیت سے ازواج مطہرات اور آنحضرت کے اولاد امجاد مراد ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں داخل ہیں۔ کیونکہ آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہتے تھے اور آپ کی معاشرت ان کے ساتھ تھی کبھی اہل بیت کا لفظ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی اور امام حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے لیے مخصوص ہو گیا ہے جیسا کہ مباہلہ کا قصہ اور حدیث کساء یعنی کمبل شریف اس پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح انما یرید اللّٰہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا (ترجمہ اس کے سوا نہیں کہ اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ دور کر دے تم سے ہر قسم کی ناپاکی اے اہل بیت اور تمہیں مکمل طور پر طیب و طاہر کر دے) کا خطاب بھی ان کے ساتھ خاص کیا گیا ہے مگر حق یہ ہے کہ ازواج مطہرات بھی اس خطاب میں داخل ہیں کہ اس آیت قرآنی کا سیاق ازواج مطہرات کی اس میں شمولیت کا اعلان کرتا ہے۔ اس کی وجہ تطبیق یہ ہے کہ بیت چند قسم ہے۔ ایک بیت نسب جس طرح جد قریب کی اولاد کو بیت کہا جاتا ہے جیسے بنو ہاشم اسی معنیٰ کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کہلاتے ہیں۔ دوسرا بیت سکنیٰ۔ اس معنیٰ کے مطابق ازواج مطہرات بھی لفظ اہل بیت میں داخل ہیں۔ تیسرا بیت ولادت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک اس معنیٰ کی بنا پر اہل بیت ہیں۔ اس مقام میں مفصل کلام اس رسالہ کے خاتمہ میں جو جنت والوں کی بشارت میں مسمی بہ تحقیق الاشارۃ فی تعمیم البشارۃ تالیف کیا گیا ہے ذکر دیا گیا ہے۔

یہاں ایک اشکال کا جواب دینا بھی باقی ہے اور وہ اشکال یہ ہے کہ تشبیہ کے تقاضا سے لازم آتا ہے کہ درود و برکت

حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر کامل تر اور قوی تر ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تشبیہ کے لیے مشبہ بہ کا ظہور کافی ہے مشبہ بہ میں کمال و قوت کی کوئی شرط نہیں۔ لوگوں نے اس کے اور بھی بہت سے جوابات دیے ہیں مگر جب تک ہمارے جواب کے معنی کا دھیان لحاظ و اعتبار نہ کیا جائے وہ جوابات مکمل نہیں ہوتے اور تمام جوابات اور ان میں قیل و قال ہم نے ایک الگ رسالہ میں لکھ دی ہے۔ وہاں سے دیکھ لی جائے۔

۸۵۹ وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِنِ السَّاعِدِیِّ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْکَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُوْلُوا اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو حمید[1] ساعدی[2] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں کہو اے اللہ حضرت محمد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد پر ویسی ہی رحمتیں نازل کر جیسی ابراہیم پر نازل کیں اور حضرت محمد اور ان کی بیبیوں اور ان کی اولاد پر ویسی ہی برکتیں نازل کر جیسی کہ ابراہیم پر نازل کیں بے شک تو حمد و بزرگی والا ہے۔

۱؎ حُمَیْد حا کی پیش اور میم کی زبر کے ساتھ۔

۲؎ الساعدی عین کی زیر کے ساتھ۔

۳؎ بعض نسخوں میں علی آل ابراہیم کا لفظ آیا ہے [illegible] حدیث نے کہا ہے کہ امام احمد کی روایت میں ابراہیم کا لفظ [illegible]

۴؎ شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] ذکر دراصل حدیث سے ثابت ہے اور بعض راویوں نے اسے حذف کر دیا [illegible] یہ صیغہ صلوٰۃ مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے اور بڑے معنے کے [illegible] سے ایسا ہی سنا ہے اور بعض روایات میں جو وارحم محمدا کا رحمت و ترحمت [illegible] علماء نے کیا ہے۔

۸۶۰ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً وَّاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

[illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ

عَشْرًا۔ رحمت نازل کرتا ہے۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم شریف)

لہ یہاں یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تو ایک بار رحمت نازل ہو اور درود پڑھنے والے پر دس [illegible] دفعہ [illegible] اس کا جواب یہ ہے کہ ایک بار درود شریف پڑھنا نمازی کا فعل ہے جس کی جزا ہے کہ آیت من جاء بالحسنة فله عشر امثالها کے حکم و تقاضے کے مطابق یہ ہے کہ اس پر دس بار اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت نازل ہوتی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود نازل ہو۔ اور فرضاً ایک درود ہی تسلیم کیا جائے تو شاید کہ وہ ایک درود شریف ولطافت میں ایک لاکھ کے برابر ہو۔ جس طرح ایک موتی قیمت میں لاکھ روپوں کے برابر ہو سکتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱؎ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلٰوةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَّحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيْئَاتٍ وَّرُفِعَتْ لَهٗ عَشْرُ دَرَجٰتٍ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ مجھ پر ایک بار درود پاک پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کریگا اور اس کے دس گناہ معاف کرے گا۔ اور اس کے دس درجے بلند کیے جائیں گےلہ۔

(نسائی شریف)

لہ یعنی حق تعالیٰ کے قرب میں اس کے دس درجے بلند ہوں گے۔

۲؎ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز مجھ سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر زیادہ تعداد میں درود شریف پڑھے گالہ۔

(ترمذی)

لہ اور ایک دوسری حدیث میں جو آیا ہے کہ کثرت درود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کرنے کا سبب ہو گا اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حصول قرب کے باعث اللہ تعالیٰ کی رحمت کا وہ قدر جو بہر ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فائض ہوگا اس سے اس بندے کو بھی حصہ ملے گا۔ اور یہی معنی شفاعت کی

حقیقت بھی یہی ہے۔

۸۶۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِى الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِىْ مِنْ اُمَّتِى السَّلَامَ۔

انہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین پر سیر و سیاحت کرتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں[ل]

(رَوَاهُ النَّسَآئِىُّ وَالدَّارِمِىُّ)

(نسائی، دارمی)

ل ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ فرشتے اس بندے اور اس کے باپ کا نام لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوتے اور عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ فلاں بن فلاں یعنی جیسے بندہ مسکین و بیچارہ عبدالحق بن سیف الدین آپ کی خدمت میں درود و سلام عرض کرتا ہے۔

لَكَ الْبِشَارَةُ فَاخْلَعْ مَا عَلَيْكَ فَقَدْ
ذُكِرْتَ ثَمَّ عَلٰى مَا فِيْكَ مِنْ عِوَجٍ

ترجمہ۔ تجھے بشارت ہو اب تو وہ لبادہ اپنے سے اتار دے کہ تیرا تذکرہ تیری کوتاہیوں کے باوجود وہاں (مجلس حضور اقدس میں) ہوا ہے۔

جاں میدہم در آرزو اے قاصد آخر باز گو
در مجلس آں نازنیں حرفے کہ از ما میرود

ترجمہ۔ اے قاصد میں آرزو میں جان دینے کو تیار ہوں۔ آخر تجھے وہ باتیں بتانی ہی ہوں گی جو اس نازنین کی مجلس میں ہمارے متعلق ہوتی ہیں۔

۸۶۴ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يُّسَلِّمُ عَلَىَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَىَّ رُوْحِىْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ [illegible] [illegible] [illegible] ہے حتی کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں[ل]

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالْبَيْهَقِىُّ فِى الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

(ابوداؤد و بیہقی دعوات کبیر میں)

ل یہاں ایک اشکال ہے اور وہ یہ کہ اس حدیث کا مضمون برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و زندگی والی حدیث کے خلاف ہے کیونکہ سلام کے وقت آپ کی روح مبارک کو آپ میں واپس لوٹانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ

بعض اوقات روح پاک آپ سے جدا ہو جاتی ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ روح کے لوٹنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ روح بدن سے الگ ہو چکی ہوتی ہے اور اسے بدن شریف میں لوٹایا جاتا ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس عالم کی طرف توجہ مبذول کرتے اور اس کے لیے افاقہ پاتے ہیں اور آپ امت کا صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں حالات ملکوت میں مشغول اور رب العزۃ کے مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں۔ جس طرح دنیا میں حالت وحی کے وقت آپ کی کیفیت ہوتی تھی تو اس مشاہدہ و استغراق سے افاقہ پاتے اور باہر آتے کو روح کے لوٹانے سے تعبیر کیا گیا۔ جیسا کہ حدیث معراج میں واقع ہوا کہ فاستیقظت وانا بالمسجد الحرام (یعنی پس میں بیدار ہوا۔ حالانکہ میں مسجد حرام میں تھا) مذہب حق کے مطابق معراج خواب میں نہ تھی۔ لہٰذا مراد یہ ہے کہ آپ اس عالم سے باہر آتے اور افاقہ پاتے ہیں۔ نیز حیات انبیاء صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اوسان کے بدن میں تو روح ایک بار موت کے بعد حاصل ہو چکی۔ اس کے بعد کوئی زمانہ اور گھڑی خالی نہیں جب میں صلوٰۃ و سلام آپ پر پیش نہ کیا جاتا ہو، اس لیے ہر دفعہ کے لیے روح کا بدن سے الگ ہو کر پھر اس میں آنا، عذاب دینے میں داخل ہے۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحن عزت و بزرگی کو پاک و منزہ جاننا ضروری اور واجب ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپ ہمیشہ زندہ اور حیات ہوں۔ خوب سمجھو۔ و باللہ التوفیق

باقی رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سلام کا جواب دینے کی فضیلت قبر انور کے زائرین کے ساتھ خاص ہے جس طرح نماز میں داخل ہونے والا سلام میں داخل ہوتا ہے۔ یا سب کے لیے عام ہے کہ جو بھی سلام عرض کرے اور جہاں سے بھی کرے۔ جیسا کہ تشہد وغیرہ میں ہوتا ہے ظاہر یہی ہے کہ سب کو سلام کا جواب ملتا ہے۔ مگر اتنی سی بات ہے کہ زائرین کا سلام بے واسطہ سن کر اس کا جواب دیتے ہیں۔ اور دوسروں کا سلام ملائکہ سیاحین (سیر و سیاحت کرنے والوں) کے ذریعے سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو تیسری

سلہ کہ یہاں فرشتوں کی ڈیوٹی ہے کہ وہ آستانہ عالیہ تک امت کا سلام پہنچایا کریں۔ یہاں چند باتیں ملحوظ خاطر رہیں ایک یہ کہ فرشتے کے درود پہنچانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس ہر ایک کا درود نہ سنتے ہوں۔ حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر دور و قریب کے درود خوان کا درود سنتے بھی ہیں اور درود خوان کی عزت افزائی کے لیے فرشتہ بھی بارگاہ عالی میں درود پہنچاتا ہے۔ تاکہ درود کی برکت سے ہم گناہ گاروں کا نام بھی فرشتہ کی زبان سے ادا ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل سے چیونٹی کی آواز سنی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم گنہگاروں کی فریاد و آواز کیوں نہ سنیں گے۔ رب تعالیٰ ہمارے اعمال دیکھتا ہے پھر بھی اس کی بارگاہ میں فرشتے اعمال پیش کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ فرشتے ایسے تیز رفتار ہیں کہ ادھر امتی کے منہ سے درود پاک کے الفاظ نکلے ادھر انہوں نے سبز گنبد میں پیش کر دیا۔ اگر کوئی ایک مجلس میں ہزار بار درود شریف پڑھے تو یہ فرشتہ۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

نفل میں آرہی ہے۔ ظاہر ہوتا ہے۔

۸۶۵ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَّلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَّصَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُ كُنْتُمْ۔

انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اپنے گھروں کو قبریں[1] نہ بناؤ۔ اور میری قبر کو عید نہ بناؤ[2] اور مجھ پر درود بھیجا کرو کہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے[3]۔ تم جہاں بھی ہو۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ) (نسائی)

[1] یعنی قبروں کی طرح نہ بناؤ کہ ان میں مردوں کی طرح پڑے اور سوئے رہو۔ اور ان میں کوئی عبادت اور نماز وغیرہ ادا نہ کرو۔ بلکہ جس طرح تم لوگ مساجد میں عبادت کرتے اور انوار و برکات حاصل کرتے ہو گھروں میں بھی کچھ نہ کچھ عبادت کیا کرو۔ تاکہ اس کے انوار و برکات سے تمہارے گھر بھی روشن و منور ہوں۔ اور تمہارے اہل خانہ بھی اس سے مستفید و مستنیر ہوں۔ اس لیے فرض نمازیں مسجد میں ادا کرو اور نوافل گھروں میں کہ مسجد کی بجائے گھر میں نوافل ادا کرنا افضل ہے یا مطلب یہ ہے کہ گھروں میں مردے دفن نہ کرو۔ باقی رہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تو آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کو گھر میں (حجرہ عائشہ) میں دفن کیا گیا۔

[2] اور میری قبر انور کو عید گاہ نہ بنانا کہ زینت کرکے اور سج کر اس پر اجتماع نہ کرنا۔ اور عید گاہ کی طرح کھانے اور لہو ولعب کا اسے مرکز بنانا۔ کہ یہ چیز موجب غفلت اور یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے جس لیے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو [illegible] بعض اس جملے کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ میری زیارت عید کی طرح نہ کرنا کہ سال میں ایک ہی بار [illegible] حاضری کے لیے نہ آؤ۔ پس اس میں کثرت سے زیارت اور اس درگاہ بے کس پناہ میں حاضری کی ترغیب و تنبیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بار بار نصیب فرمائے۔

[3] اور یہ فکر نہ کرو کہ ہمارا درود اتنے فاصلے سے آپ کی خدمت میں کیسے پہنچے گا [illegible] ہم تک پہنچتا رہے گا۔ بیت۔

در رہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست
می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

بقیہ حاشیہ بر صفحہ سابقہ۔ اس کے اور مدینہ طیبہ کے درمیان ہزار چکر لگائے گا یہ مدت ہوگی کہ دن بھر کا درود و سلام تھیلے میں جمع کرکے ڈاک کی طرح شام کو وہاں پہنچائے جیسا کہ ان دور کے بعض جہلاء نے سمجھا۔ از مرآت المناجیح جلد ۲ بتغیر یسیر (مترجم غفرلہ)

ترجمہ: سلام عشق میں دور و نزدیک کا مرحلہ نہیں۔ میں تجھے بالکل عیاں اور ظاہر دیکھتا ہوں اور دعاؤں کے تحفے بھیجتا ہوں یہاں بعض مشتاقان جناب کے لیے تسلی اور بشارت ہے کہ اگر وہ مجبوری کی وجہ سے قرب صوری سے محروم ہیں تو انہیں چاہیے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ اور حضور قلبی سے غافل نہ ہوں اور اپنے آپ کو حضور کے حصن سے دور خیال نہ کریں کیونکہ صلوٰۃ و سلام کے وسیلے اور بارگاہ اقدس میں اس کے پہنچنے کے تعلق سے وہ آپ کے نزدیک ہی ہیں۔ عجم

قرب جانی چوں بود بعد مکانی سہل ست

جب روحانی قرب نصیب ہے تو پھر جسمانی قرب نہ ہونا آسان چیز ہے۔

۸۷۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ وَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ يُّغْفَرَ لَهٗ وَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهٗ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے[1] اس کی ناک گرد آلود ہو جسے رمضان کا مہینہ نصیب ہو پھر اس کی بخشش سے پہلے گزر جائے[2] اور اس کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے اس کے ماں باپ یا ان میں سے ایک بڑھاپا پائے اور وہ اسے جنت میں نہ پہنچائیں[3] (ترمذی)

[1] یعنی وہ مرد خوار و ہلاک ہو جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ اس حدیث کا ظاہر معنیٰ یہ ہے کہ مجلس میں جتنی بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا جائے اتنی ہی بار درود پاک پڑھنا ضروری ہے کیونکہ درود نہ پڑھنے پر یہاں سخت وعید اور ڈانٹ آئی۔ مگر یہ کہہ لیں کہ وجوب کی دلیل عذاب آخرت کی صورت میں وعید کا لاحق ہونا ہے اور رغم انف (ناک کا خاک آلود ہونا) اس قبیلہ سے نہیں ہے۔ بہر حال ان الفاظ کی غایت استحباب و افضلیت پر دلالت کرتی ہے۔ دوسرا ایک جواب یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ میں حقیقی معنیٰ مراد نہیں ہوتے۔ بلکہ ایک طرح کی ڈانٹ ڈپٹ مراد ہوتی ہے۔

[2] یعنی اس ماہ میں عبادت نہ کرے اور اس ماہ کے حقوق ادا نہ کرے جو اس کے گناہوں کی بخشش کا سبب ہیں۔

[3] یعنی ان کے ساتھ نیک سلوک نہ کرے اور ان کے حقوق ادا کرے اور ان کی رضا اور خوشنودی حاصل نہ کرے جو اس کے بہشت میں پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔

۸۶۷/۱۰ وَعَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَآءَ ذَاتَ یَوْمٍ وَالْبِشْرُ فِیْ وَجْھِہٖ فَقَالَ اِنَّہٗ جَآءَنِیْ جِبْرَئِیْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبَّکَ یَقُوْلُ اَمَا یُرْضِیْکَ یَا مُحَمَّدُ اَنْ لَّا یُصَلِّیَ عَلَیْکَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِکَ اِلَّا صَلَّیْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا وَّلَا یُسَلِّمُ عَلَیْکَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِکَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا (رَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت ابو طلحہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے اور خوشی آپ کے چہرہ انور پر تھی، فرمایا میرے پاس حضرت جبرئیل آئے اور کہا کہ آپ کا رب تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارا کوئی امتی تم پر ایک بار درود شریف پڑھے مگر میں اس پر دس رحمتیں کروں اور آپ کا کوئی امتی آپ پر ایک بار سلام بھیجے مگر میں اس پر دس سلام بھیجوں۔ (نسائی، دارمی)

۱؎ حضرت ابو طلحہ انصاری ہیں مشہور صحابی ہیں۔ حضرت انس کی ماں کے خاوند ہیں [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لشکر میں ابو طلحہ کی آواز سو مردوں سے بہتر ہے۔

۲؎ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر خوش ہونے کی وجہ [illegible] ہیں قدر و بزرگی کے شکرانے کے طور پر ہے یا اس وجہ سے آپ خوش تھے [illegible] آپ کی انتہائی حرص و خواہش امت کے لیے طلب خیر و برکت ہوتی تھی۔

۸۶۸/۱۱ وَعَنْ اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اُکْثِرُ الصَّلٰوۃَ عَلَیْکَ فَکَمْ اَجْعَلُ لَکَ مِنْ صَلٰوتِیْ فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ فَالثُّلُثَیْنِ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ اَجْعَلُ لَکَ صَلٰوتِیْ کُلَّھَا قَالَ اِذًا تُکْفٰی ھَمَّکَ وَیُکَفَّرُ لَکَ ذَنْبُکَ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے [illegible] فرمایا جتنا چاہو [illegible] بہتر ہے [illegible] فرمایا جب تو تمہارے غموں کو کافی ہو گا اور تمہارے گناہ بخش دیے جائیں گے (ترمذی)

۱؎ آپ خلفائے صحابہ میں سے ہیں۔ آپ کے حالات شریفہ دوسرے مقامات میں لکھے جا چکے ہیں۔

۲؎ یعنی بہت مقدار درود شریف پڑھنا چاہتا ہوں تو کتنا وقت ان کے لیے مقرر و معین کروں۔ اس عبارت کا دوسرا معنیٰ یہ ہو سکتا ہے یا رسول اللہ میں آپ پر بہت درود پڑھتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ اس کی تعداد اور وقت مقرر کر لوں۔ اور شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح میں کہا ہے کہ صلوٰۃ سے مراد دعا ہے یعنی میں نے اپنے لیے دعا کرنے کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس وقت میں آپ پر درود پڑھوں اور بہت پڑھوں تو کتنی مقدار اس وقت میں سے آپ پر درود شریف پڑھنے میں صرف کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ان کے اختیار پر چھوڑ دیا اور فرمایا جس قدر زیادہ پڑھے گا بہتر ہوگا۔

۳؎ چہارم یعنی چوتھا حصہ

۴؎ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو سارا وقت مجھ پر درود شریف میں صرف کرے گا تو تیرے لیے کفایت ہو جائے گی اور تیرے تمام دینی و دنیوی مقاصد پورے کر دیے جائیں گے اور تیرے سب ظاہری باطنی اگلے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

حضور سید کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پاک پڑھنا تمام مقاصد کے پورا ہونے کا سبب اس لیے بنتا ہے کہ بندہ جب خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق اور پسندیدہ امور کے طلب کرنے کا سوال کرتا اور اس میں صدق و اخلاص کو بروئے کار لاتا ہے اور خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ کام کو اپنے نفس کے مطالب و مقاصد پر ترجیح دیتا ہے تو ایسا شخص لازماً جزائے کامل اور عطیۂ خاص کے قابل ہو جاتا ہے اور اس کے لیے تمام مہمات و مشکلات کے لیے کفایت ہو جاتی ہے۔ من کان للہ [illegible] ومن شغلہ ذکری عن مسئلتی الحدیث یعنی جسے میرے ذکر نے سوال کرنے سے روک دیا الحدیث۔ اور من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا الآیۃ۔ یعنی جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لیے ذریعہ بنا دیتا ہے [illegible]۔

درود شریف کے کافی مہمات و مشکلات ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شیخ اجل اکرم عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسکین (عبدالحق) کو مدینہ طیبہ کی زیارت کے لیے روانگی کے وقت وداع کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ بات ذہن میں رکھو اور آگاہ رہو کہ اس راہ میں ادائے فرائض کے بعد کوئی عبادت حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے برابر نہیں ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اپنا سارا وقت اس میں صرف کرو۔ کسی اور کام میں مشغول نہ ہو۔ عرض کیا گیا اس کے لیے کوئی معین تعداد بھی ہے۔ فرمایا یہاں عدد معین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس قدر پڑھو کہ ہر وقت اسکے رطب اللسان رہو۔ حتیٰ کہ انہیں کے رنگ میں رنگے جاؤ۔ اور اس میں مستغرق رہو۔

حدیث ۱۲ وَعَنْ فَضَالَةَ ابْنِ عُبَيْدٍ قَالَ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ اِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَقَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِلْتَ اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمِدِ اللّٰهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهُ قَالَ ثُمَّ صَلّٰى رَجُلٌ اٰخَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ ادْعُ تُجَبْ۔

فرماتے ہیں اس اثنا میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ایک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی پھر کہا، الہٰی مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نمازی تو نے جلدی کی جب تو نماز پڑھ کر بیٹھے تو اللہ کی وہ حمد کر جس کے وہ لائق ہے اور مجھ پر درود بھیج پھر دعا کر فرماتے ہیں اس کے بعد دوسرے شخص نے نماز پڑھی پھر اللہ کی حمد کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نمازی دعا مانگ کر قبول ہو گی۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَآئِيُّ نَحْوَهٗ۔

ترمذی اور ابو داؤد ونسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

۱؎ فضالہ فا کی زبر سے۔ عبید عین کی پیش اور باکی زبر سے یعنی ابو محمد فضالہ بن عبید انصاری اوسی صحابی ہیں۔ آپ سب سے پہلے غزوہ اُحد میں شریک ہوئے۔ شجرۃ الرضوان کے نیچے بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے جنگ خیبر میں بھی حاضر و موجود تھے۔ شام میں منتقل ہو گئے تھے۔ دمشق میں سکونت اختیار کی جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صفین کے لیے خروج کیا تو آپ کے ذمے دمشق کی قضا کی ذمہ داری سپرد کی گئی۔ صحیح تر قول کے مطابق ۵۳ھ میں دمشق میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۲؎ کہ تو خدا تعالیٰ کی حمد وثنا اور مجھ پر درود شریف پڑھنے سے پہلے ہی دعا شروع کر دیگا۔

۳؎ بیٹھنے میں ایک احتمال یہ ہے کہ اس سے نماز کا قعدہ مراد ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعا کے لیے بیٹھنا مراد ہو۔ یہ دوسرا احتمال سیاقِ حدیث کے زیادہ موافق و ظاہر ہے۔

۴؎ یعنی صفاتِ کمال سے۔

۵؎ پھر خدا تعالیٰ سے درخواست کر اور جو چاہتا ہے مانگ

۶؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کو دعا کے آداب سکھائے کہ دعا سے پہلے حمد وثنا اور میرے اوپر درود شریف

پڑھنا چاہیے اس کے بعد دعا کرنی چاہیے۔ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کے بعد بھی خدا تعالیٰ کی حمد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھنا چاہیے۔

۸۸۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنْتُ أُصَلِّيْ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ مَعَهٗ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَى اللّٰهِ ثُمَّ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلْ تُعْطَهٗ سَلْ تُعْطَهٗ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نماز پڑھ رہا تھا اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما آپ کے ساتھ تھے جب میں بیٹھا تو اللہ تعالیٰ کی حمد سے ابتدا کی پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا۔ پھر میں نے اپنے لیے دعا کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مانگ تجھے دیا جائے گا۔ مانگ لے تجھے عطا کیا جائے گا۔ (جو مانگے گا)

(ترمذی)

لہ بعض نسخوں میں یہاں لفظ حاضر موجود ہے۔ مشکوٰۃ شریف کے بعض صحت شدہ نسخوں میں یہ لفظ پایا جاتا ہے۔ اور بعض نسخوں میں جو یہ لفظ موجود نہیں تو وہاں مقدر ہے (یعنی نیت میں ہے)

۵۲ آپ نے یہ جملہ بقصدِ تاکید اور مزید طلب کے لیے مکرر ارشاد فرمایا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۸۸۱ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّكْتَالَ بِالْمِكْيَالِ الْاَوْفٰى اِذَا صَلّٰى عَلَيْنَا اَهْلَ الْبَيْتِ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے پسند ہو کہ اُسے پوری ناپ لے ملے تو جب ہم اہل بیت پر درود پڑھے تو کہے الٰہی نبی اُمی حضرت محمد پر اور مسلمانوں کی ماؤں یعنی حضور کی بیویوں پر اور ان کی اولاد پر اور اہل بیت پر رحمت بھیج جیسے تو نے رحمت بھیجی ابراہیم پر بے شک تو حمد و بزرگی والا ہے۔

(ابوداؤد)

۵۱ مکیال۔ یائی زبر اور پیش کے ساتھ صحیح سند کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ زبر کی صورت میں معنی یہ ہوگا۔ جس شخص کو یہ بات اچھی لگتی ہو کہ وہ اپنے ثواب کا پیمانہ پورا پورا بھرے۔ پیش کی صورت میں معنی ہوگا کہ اس کے لیے ثواب کا پیمانہ پورا پورا بھرا جائیگا یعنی جو شخص چاہتا ہو کہ اس کی مراد اتم اور اکمل طریقہ پر حاصل ہو۔

۵۲ اسے چاہیے کہ اس طرح درود پاک پڑھے اور بھیجے۔

۵۳ اُمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاص لقب ہے۔ جو توریت انجیل اور تمام آسمانی کتابوں میں مذکور ہے۔ لغت میں اُمی اُسے کہتے ہیں جو پڑھنا لکھنا نہ جانتا ہو اور کسی مکتب و مدرسہ میں نہ گیا ہو اور نہ کسی سے سیکھا ہو۔ یہ لفظ اُم (ماں) کی طرف منسوب ہے۔ یعنی اسی حالت پر ہو جس پر وہ ماں کے شکم سے پیدا ہوا تھا۔ ع

نگارمن کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

میرے معشوق نے جو نہ کسی مکتب و مدرسہ میں گیا اور نہ اس نے خط لکھنا سیکھا آنکھ کے ایک اشارے سے سو مدرس کو مسئلے سکھا دیے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست کتب خانۂ چند ملت بشست

وہ یتیم جس نے کسی سے قرآن بھی درست نہ کیا تھا۔ اس نے آکر بالکل حق نے کتب خانے ... (انہیں منسوخ کر دیا)

بہ تعلیم آداب اور راہیہ حاجت کہ ادبنی ربی ... مرتبہ

اُسے آداب سکھانے کی کیا حاجت و ضرورت ہے جو آغاز سے ہی باادب پیدا ہوا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس معنی کی صحت کے باوجود ام القریٰ (کہ معظمہ) کی طرف ... سے امی کہتے ہیں۔ یا ام الکتاب لوح محفوظ کی طرف نسبت کی بنا پر امی کہتے ہیں ... رب تعالیٰ سے علم و ادب سیکھا صلی اللہ علیہ وسلم۔

۹۴۲/۱۵ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَخِيْلُ الَّذِيْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

ترمذی اور احمد نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

۱؎ یعنی وہ آدمی بخیل [illegible] اور تقاضائے فطرت کے تحت اپنا مال اپنے سے جدا کرنے کو تیار نہ ہو۔ کمال کا بخیل اس شخص کے بخل کے باعث کوئی حیثیت نہیں رکھتا جو سستی اور غفلت کے باعث اور اپنے نفس کی خرابی کی وجہ سے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر آپ پر ایک کلمہ (درود شریف) کہنے کو تیار نہیں، اور ادائے حق اور آپ کی شکرگزاری پر آمادہ نہیں ہے اور ادب و محبت و عقیدت دینے کو تیار نہیں۔ یہ موقعہ تو وہ ہے کہ جانیں قربان کر دی جائیں چہ جائے کہ صرف ایک کلمہ زبان پر لائیں ؎

مرحبا اے پیک مشتاقاں بدہ پیغام دوست
تاکنم جاں از سر رغبت فدائے نام دوست

مرحبا اے مشتاقان دید کے قاصد دوست کا پیغام دے تاکہ میں رغبت و شوق سے اپنی جان دوست کے نام پر قربان اور فدا کر دوں۔

۲؎ ان الفاظ کے معانی اور ان صفات کے ایک ہی حدیث میں جمع ہونے کی توجیہ مقدمۂ کتاب میں ذکر ہو چکی ہے۔ وہاں سے یہ معانی ذہن نشین کر لو۔

[illegible] وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا اُبْلِغْتُهُ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ میری قبر کے پاس مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے میں اُسے سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود پاک پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے (بیہقی شعب الایمان میں)

۱؎ [illegible] فرشتے مجھے پہنچاتے ہیں۔ اور دونوں صورتوں میں اُسے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ [illegible] صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کی کیا فضیلت ہے تو خصوصاً کثرت سے [illegible] کا کیا اندازہ ہوگا۔ اگر [illegible] درود و سلام عرض کرنے والے کو صرف ایک بار حضور کی طرف سے [illegible] ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار اس کے سلام کا جواب ارشاد فرمائیں اور وہ [illegible]

۱؎ حدیث میں اُبْلِغْتُہٗ کا لفظ آیا ہے یعنی دور والوں کا درود مجھے پہنچایا جاتا ہے اس لفظ میں خود سننے کی نفی نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص غافل طبیعت توجہ اور حضور قلب سے درود نہیں پڑھتا اور اس کا دل اس کیفیت حضور سے دور ہے تو میں بھی اس کے سماع کی طرف توجہ مبذول نہیں کرتا۔ اس کا درود ملائکہ میری خدمت میں لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

بہر سلام مکن رنجہ در جواب آں لب
کہ صد سلام مرا بس یکے جواب از تو

ہر بار سلام کے جواب سے اُن کے لبوں کو تکلیف نہ دے، میرے سو سلام کے لیے تیرا ایک جواب کافی ہے۔

۸۸۴/۱۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ سَبْعِيْنَ صَلٰوةً۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں جو بندہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود شریف پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر دفعہ رحمت بھیجتے ہیں[۱]۔ (احمد)

[۱] اگرچہ بظاہر یہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا قول ہے مگر یہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر کہا ہے۔ کیونکہ اعمال کی کمیت و کیفیت حضرت نبوت سے سنے بغیر بیان نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا یہ موقوف حدیث مرفوع حدیث کے حکم میں ہے جیسا کہ مقدمۂ کتاب میں گزرا۔

۸۸۵/۱۸ وَعَنْ رُوَيْفِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت رویفع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہے اور کہتا ہے [illegible] قیامت کے دن [illegible] میں اتار تو اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو [illegible] گی۔ (احمد)

بقیہ حاشیہ بر صفحہ سابقہ۔ ہمارے بیان کردہ اس مطلب کی تائید [illegible]
فرمایا اَسْمَعُ صَلٰوةَ اَهْلِ مَحَبَّتِیْ۔ یعنی اہل محبت کا درود شریف [illegible]
[illegible]
جلاء الافہام میں ایک حدیث نقل کی اس کے الفاظ یہ ہیں [illegible]
[illegible]
والا جہاں بھی ہو پھر روضۂ انور پر ہزاروں من مٹی وغیرہ [illegible] درمیان میں حائل ہونے کے [illegible]
پر خود سنتے ہیں تو یہاں سے کیوں نہیں سن سکتے۔

اور کتاب اخبار الاخیار شریف میں حضرت شیخ عبدالحق رحمہ اللہ کے اس بیان کے مطابق کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے احوال و اعمال پر مطلع اور حاضر و ناظر ہیں اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں، دور سے سننے میں کوئی استحالہ نہیں۔

ـــ۵ یعنی زُوَیفع راکی پیش، واو ساکن اور یا کے کسرہ سے۔ بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ آپ انصاری ہیں۔ مصریین میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے طرابلس کا امیر مقرر کیا تھا۔ آپ نے ۴۷ھ میں اہل افریقیہ پر فوج کشی کی۔ آپ نے ۵۶ھ میں مقام رُقہ یا شام میں انتقال فرمایا۔ اور آپ اہل مصر سے ہیں۔

۵۲ اگرچہ آپ کی شفاعت تمام مسلمانوں کے لیے ہے تاہم ان الفاظ کے ساتھ درود پاک پڑھنے والوں کے لیے آپ کی شفاعت ضروری اور یقینی ہے اور ان کے لیے خاص شفاعت اور خاص درجہ ہے۔ جس طرح روضہ انور کی زیارت کرنے والوں کے لیے آپ خاص شفاعت کریں گے۔

$\frac{876}{19}$ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى دَخَلَ نَخْلًا فَسَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ تَوَفَّاهُ قَالَ فَجِئْتُ اَنْظُرُ فَرَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ مَا لَكَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ قَالَ فَقَالَ اِنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِيْ اَلَا اُبَشِّرُكَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ لَكَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ صَلٰوةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے یہاں تک کہ ایک باغ میں پہنچے تو بہت لمبا سجدہ کیا۔ یہاں تک کہ مجھے ڈر محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات ہی نہ دیدی ہو حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں میں آکر دیکھنے لگا تو آپ نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا تجھے کیا ہے۔ میں نے اپنے دل کا خدشہ بیان کیا اس پر آپ نے فرمایا جبریل نے مجھے کہا ہے کہ میں آپ کو یہ خوشخبری نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سے فرماتا ہے جو بندہ آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر رحمت کروں گا۔ اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلامتی نازل کروں گا۔ (احمد)

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ (بندے کی) دعا آسمان و زمین کے درمیان رکا رہتی ہے اس سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی حتیٰ کہ تم اپنے نبی پر درود بھیجو[1] (ترمذی)

ـــ۱ یعنی دعا کی اجابت اور قبولیت درود شریف پڑھنے پر موقوف ہے اور چونکہ درود شریف مستجاب مقبول ہے اور مقام قبولیت میں پہنچتا ہے اور فضل و رحمت سے ملا ہوا ہے اس لیے اس کے طفیل اور توسل سے دعا بھی محل قبولیت

لہ عذاب قبر کی تفصیل سے بیان کتاب کے اول میں بَابُ اِثبَاتِ عَذَابِ القَبرِ میں گزر چکا ہے۔
لہ یعنی میں مسیح الدجال کے ابتلا اور آزمائش سے پناہ مانگتا ہوں۔ یہ مسیح دجال آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور استدراج کے طور پر اس کے ہاتھ سے خلاف عادت بہت سی چیزیں ظاہر ہوں گی وہ لوگوں کو گمراہ کرے گا قریب قیامت کے . پوری تفصیل کے ساتھ کتاب کے آخر میں بَابُ عَلَامَاتِ السَّاعَۃِ میں آ رہے ہیں۔

مسیح ایک مشترک نام ہے جو دجال علیہ اللعنۃ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام پر بھی۔ لیکن جب مطلق مسیح بولا جاتا ہے تو اس سے حضرت عیسٰی علیہ السلام ہی مراد ہوتے ہیں۔ اور جب اس سے دجال ملعون مراد ہوتا ہے تو پھر دجال کہتے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں واقع ہوا ہے۔ ان دونوں کے لیے اس کی وجہ تسمیہ اور اس کے متعلقات کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے موقعہ و محل میں کیا جائے گا۔

لہ زندگی کے فتنہ سے مراد وہ امور ہیں جو بندے کو دین اسلام سے برگشتہ کرتے ہیں۔ جیسے کجی لغزش، باطل کی طرف میلان اور راہ راست سے انحراف نیز اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کی تحصیل کو ترک کر دینا۔ اور بلاء و محن اور اسباب ضلالت میں مبتلا ہونا [illegible] اور فتنہ ممات سے حالت نزع میں شیطانی وسوسہ اور منکر نکیر کا سوال مراد ہے اور اگر [illegible] کو فتنہ زندگی میں داخل کریں اور فتنہ ممات سے قبر و آخرت کی پریشانیاں مراد لیں تو بھی ٹھیک ہے۔

لہ یعنی گناہ اور ایسے کام سے پناہ مانگتا ہوں جو گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب بنے۔
لہ [illegible] کا تعلق [illegible] یا جو معصیت اور گناہ کے لیے حاصل کیا جائے اور اگر قرضہ طاعت [illegible] کے لیے لیا اور اس کے ادا کرنے سے بے بس بھی نہیں تو ایسے قرضہ سے پناہ مانگنے کی ضرورت نہیں تاہم اس کے [illegible] پڑ جاتا ہے ہو سکتا ہے کہ ادائیگی سے پہلے ہی مر جائے اور اس کا [illegible] آخرت میں اس کی گرفت میں آ جائے اور جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] ظاہر ہوا کہ ایک آسان اور معمولی چیز تھی اس لیے سائل نے سوال کیا۔
لہ [illegible] بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مقروض انسان کو اپنے حالات و معاملات بیان کر [illegible] کا اظہار کرتا ہے تاکہ لوگ اسے قرض دیں یا ماضی میں قرضہ نہ ادا کر سکنے پر [illegible] کے لیے بہیودہ یا عذر کرتا ہے۔ تو بسا اوقات اسے جھوٹ بولنا پڑتا ہے آخری معنی جھوٹ بولنے کے الفاظ کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

لہ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ اَحَدُکُمْ مِّنَ التَّشَھُّدِ الْاٰخِرِ فَلْیَتَعَوَّذْ بِاللہِ مِنْ اَرْبَعٍ مِّنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی جب دوسری التحیات سے فارغ ہو تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے۔ دوزخ اور قبر کے عذاب سے۔ زندگی اور موت کے فتنوں سے اور مسیح دجال کے شر سے۔

(مسلم)

۸۸۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُعَلِّمُھُمْ ھٰذَا الدُّعَآءَ کَمَا یُعَلِّمُھُمُ السُّوْرَۃَ مِنَ الْقُرْاٰنِ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو (صحابہ کو) یہ دعا سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت سکھاتے تھے[1] فرماتے تھے کہو اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں دوزخ کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں مسیح الدجال کے فتنہ سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی و موت کے فتنہ سے۔

(مسلم)

[1] یعنی بڑی تاکید و اہتمام سے تعلیم دیتے تھے اور اس دعا کے پڑھنے الفاظ یاد رکھنے کا حکم دیتے تھے۔

۸۸۱ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللہِ عَلِّمْنِیْ دُعَآءً اَدْعُوْبِہٖ فِیْ صَلٰوتِیْ قَالَ قُلِ اللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی دعا سکھایئے جو میں اپنی نماز میں[1] مانگا کروں فرمایا کہو الٰہی میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخشتا تو اپنی طرف سے میری بخشش کر مجھ پر رحم کر بیشک تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی آخری تشہد کے بعد اور فی صلوتی کی قید اس بنا پر لگائی کہ متعارف اور مقرر دعا جو پڑھی جاتی ہے اس کا

محل وموقعہ یہی ہے۔

؎ ۵ اکثر روایات میں کثیر ثا کے ساتھ ہے اور مسلم کی بعض روایات میں کبیر با کے ساتھ آیا ہے امام نووی نے اذکار میں کہا دونوں لفظ جمع کر کے پڑھنا بہتر ہے۔

۸۹۴ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ اَرٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ يَّسَارِهٖ حَتّٰى اَرٰى بَيَاضَ خَدِّهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عامر[1] بن سعد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کرتا تھا کہ آپ دائیں بائیں سلام پھیرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کے رخسار کی سفیدی میں دیکھ لیتا[2] (مسلم)

؎ ۱ یعنی حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ آپ تابعی ہیں۔ انہوں نے اپنے والد اور حضرت عثمان غنی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں اور ان سے حضرت زہری وغیرہ نے احادیث سنی ہیں۔

؎ ۲ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام کیوقت اتنی مقدار میں چہرہ انور نمازیوں کی طرف پھیرتے تھے کہ آپ کا پر نور اور روشن رخسار دیکھا جا سکتا تھا۔ اس شخص کی سعادت کا کیا ٹھکانا جو آپ کے پہلو میں بیٹھا ہو۔ بیت

کاشکے اندر نمازم جا شود پہلوئے تو تا بتقریب سلام افتد نظر بر روئے تو

کاش کہ نماز میں میری جگہ تیرا پہلو ہو تا کہ سلام کے بہانے ہی نگاہ تیرے چہرے پر پڑ جائے۔

۸۹۵ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى صَلٰوةً اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سمرہ[1] بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ لیتے تو ہماری طرف اپنے چہرۂ انور سے متوجہ ہوتے[2] (بخاری)

؎ ۱ سین کی زبر اور میم کی پیش کے ساتھ آپ مشہور صحابی ہیں۔ آپ کے حالات دوسری جگہوں میں لکھے جا چکے ہیں۔

؎ ۲ یعنی دائیں یا بائیں سلام پھیرنے کے وقت۔ زیادہ قریب یہ ہے کہ سلام کے بعد کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرتے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد کبھی داہنی جانب رخ کرتے تھے کبھی بائیں جانب۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اور کبھی پورے طور پر چہرہ انور نمازیوں کی طرف اور پشت قبلہ کی طرف کر کے بیٹھتے تھے۔

۸۹۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَّمِيْنِهٖ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے دائیں جانب

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

پھرتے تھے۔ (مسلم)

۸۸۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَا یَجْعَلُ اَحَدُکُمْ لِلشَّیْطَانِ شَیْئًا مِّنْ صَلٰوتِہٖ یَرٰی اَنَّ حَقًّا عَلَیْہِ اَنْ لَّا یَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ یَّمِیْنِہٖ لَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَثِیْرًا یَنْصَرِفُ عَنْ یَّسَارِہٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں تم میں کوئی آدمی اپنی نماز سے شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے[1] اور وہ یہ کہ یہ جو سمجھے کہ اس پر واجب و لازم ہے کہ ہمیشہ دائیں جانب رخ کرے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دفعہ بائیں جانب[2] پھرتے دیکھا ہے۔

(بخاری و مسلم)

[1] اصل میں لفظ یری آیا ہے، یا کی زبر اور پیش کے ساتھ۔ دونوں روایتیں ہیں۔ زبر کے ساتھ بمعنی علم اور پیش کی صورت میں بمعنی گمان و خیال۔

[2] حاصل مقام یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دائیں جانب پھر کر [illegible] جانب کو بیٹھتے۔ اکثر آپ ایسا ہی کرتے تھے کہ سلام پھیرتے اور دعا کرتے اور حجرہ شریف کی طرف [illegible] جاتے کبھی اس کا عکس کرتے کہ بائیں جانب سے پھر کر دائیں جانب پر بیٹھتے تھے یہی [illegible] کہ اس میں دائیں جانب کو ترجیح ہے۔ اکثر حالات میں آپ کا عمل یہی تھا [illegible] کہ ثانی صورت اگرچہ قلیل الوقوع اور رخصت پر عمل ہے مگر سنت کے لیے [illegible] علیہ السلام کے رخصت دینے سے روگردانی نہ کرنی چاہیئے کیونکہ حدیث [illegible] کہ اس کی طرف سے عطا کردہ رخصتوں پر بھی عمل کیا جائے جس طرح [illegible] اور شافعی حضرات نے ان دو احادیث سے یہ اخذ کیا ہے کہ [illegible] جانب سے [illegible] ضرورت وابستہ ہو ادھر منہ کرے۔ اگر اسے دائیں جانب سے حاجت [illegible] اس طرف اس کا مکان ہے یا اس طرف اسے کوئی کام ہے تو اس طرف کو پھرے۔ اور اگر بائیں جانب سے [illegible] متعلق ہے تو اس طرف کو پھر جائے۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے [illegible] پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی نمازیوں کی طرف منہ کر کے بھی بیٹھتے تھے۔ آپ ان کی طرف [illegible] قبلہ شریف کیطرف کرتے اگر نمازیوں سے آپ کو کوئی کام ہوتا مثلاً ان سے کلام ہوتا اور گفتگو کرنا ہوتی جیسا کہ [illegible] میں گزرا کہ اِذَا صَلّٰی صَلٰوۃً اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْہِہٖ کہ جب آپ اپنی نماز پڑھ لیتے تو ہماری جانب چہرہ مبارک کر لیتے۔ اور بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تو صحابہ کرام کی طرف منہ

قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ الرِّجَالُ ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ فِيْ بَابِ الضِّحْكِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى ۔

صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے تو مرد بھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ بخاری۔ اور ہم حضرت جابر بن سمرہ کی حدیث ہنسی کے باب میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ[۳]

[۱] اور مردوں سے پہلے گھروں کو چلی جاتیں۔

[۲] پھر آپ بعض اوقات صرف اللھم انت السلام ومنک السلام الی آخرہ پڑھنے تک بیٹھتے اور کبھی آپ اتنی دیر بیٹھتے کہ دعا کرتے، قرآن پاک پڑھتے اور تبلیغ احکام کرتے اور کبھی آفتاب طلوع ہونے تک مصلی پر تشریف فرما رہتے یہ مختلف قسم کی نشست حالات کے اختلاف کی بنا پر ہوتی تھی۔

[۳] یعنی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں آپ کے نماز فجر سے طلوع آفتاب تک جائے نماز پر بیٹھنے کا ذکر ہے باب الضحک میں بیان کریں گے۔ اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم فرمانے کا بھی ذکر ہے مولف رحمۃ اللہ نے اس حدیث کا ذکر اس باب میں کرنا زیادہ مناسب خیال کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۹۴۹ عَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِيَدِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ لَاُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَاَنَا اُحِبُّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَدَعْ اَنْ تَقُوْلَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ رَبِّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَآئِيُّ اِلَّا اَنَّ اَبَا دَاؤُدَ لَمْ يَذْكُرْ قَالَ مُعَاذٌ وَاَنَا اُحِبُّكَ ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا [illegible] اے معاذ میں تم سے محبت کرتا ہوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی آپ سے [illegible] فرمایا تو ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھنا نہ چھوڑنا یارب میری مدد کر اپنے ذکر اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت کرنے پر[۱] (احمد، ابوداؤد، نسائی) مگر ابوداؤد نے یہ ذکر نہ کیا کہ معاذ نے کہا میں آپ سے محبت کرتا ہوں[۲]

[۱] اس حدیث کو باب الدعا فی التشہد میں لانے سے ظاہرا اس دعا کا التحیات کے بعد اور سلام سے پہلے پڑھنا معلوم

ہوتا ہے اور کتاب سفر السعادت سے بھی نماز سے فارسنا ہونے کے بعد پڑھنا ظاہر ہوتا ہے۔

۲ اور مشہور یہ مراقبہ کی صورت میں ادا کرنے کی توفیق عطا فرما جو درجہ احسان اور ان تعبد ربک کانک تراہ کا مقام ہے

۳ مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیث اخذ بیدی سے لے کر یقول انا احبک تک مسلسل ہے۔ اور اس کاتب حروف (عبدالحق) کو بھی بعض علمائے حرمین سے اسی طرح مسلسل ملی ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

۸۸۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ وَعَنْ يَسَارِهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْسَرِ۔	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سلام پھیرتے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ حتیٰ کہ آپ کے رخسار مبارک کی سفیدی دیکھی جاتی تھی اور بائیں جانب اس طرح کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ حتیٰ کہ آپ کے بائیں رخسار مبارک کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔
رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَلَمْ يَذْكُرِ التِّرْمِذِيُّ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَمَّارِ ابْنِ يَاسِرٍ۔	ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ترمذی نے یہ ذکر نہ کیا کہ آپ کے رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی تھی[۱]۔ اور ابن ماجہ نے اسے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

۱ نہ دائیں جانب میں اور نہ بائیں جانب بلکہ اُس نے صرف یہی الفاظ روایت کیا کان یسلم من یمینہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ اسی طرح دوسری جانب۔ اور یہ حدیث ان آئمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور ابن ماجہ نے اسے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ابن ماجہ حتی یری بیاض خدہ کے الفاظ ذکر کرتے ہیں۔ ابوداؤد اور نسائی کے موافق ہے یا نہ کرنے میں ترمذی کے موافق ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ترمذی کے موافق ہے۔

۸۹۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ اَكْثَرُ انْصِرَافِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اِلٰى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ اِلٰى حُجْرَتِهٖ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی نماز سے پھرنا (رخ کرنا) زیادہ تر بائیں طرف اپنے حجرہ کی طرف ہوتا تھا۔ (شرح سنہ)

۱۱۹۱/۱۲ وَعَنْ عَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي الْإِمَامُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ حَتّٰى يَتَحَوَّلَ۔

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَقَالَ عَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ لَمْ يُدْرِكِ الْمُغِيْرَةَ۔

حضرت عطاء[1] خراسانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ حضرت مغیرہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام اس جگہ نفل نماز نہ پڑھے جہاں اس نے فرض پڑھے بلکہ کچھ ہٹ کر پڑھے[2]

ابو داؤد نے روایت کیا اور کہا کہ عطا خراسانی نے مغیرہ کو نہ پایا[3]

[1] حضرت عطائے خراسانی مشہور تابعین میں سے ہیں۔ بلخی ہیں۔ سنہ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۳۵ھ میں فوت ہوئے۔ ابو حاتم نے کہا ثقہ ہیں۔ نسائی نے کہا لا باس بہ۔ ان سے مالک اور معمر روایت کرتے ہیں۔

[2] علما نے کہا ہے کہ یہ حکم صرف امام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مقتدیوں کو بھی شامل ہے۔ امام کے ہٹنے کی وجہ یہ ہے تاکہ آنے والے کو یہ وہم نہ پڑے کہ امام نماز فرض میں ہے۔ بعض نے کہا اس لیے وہ جگہ چھوڑے تاکہ اس کی عبادت پر دونوں جگہیں گواہی دیں۔ بعض نے تاکہ بارگاہِ الٰہی میں کثرت عبادت کا اظہار ہو۔ بعض نے کہا تاکہ یہ ظاہر ہو کہ نفل عبادت کا رتبہ فرض عبادت سے کم ہے۔ اور یہ تمام وجوہ امام، مقتدیوں بلکہ تمام نمازیوں کو شامل ہیں۔ لہٰذا چاہیے کہ نفل نماز فرض کی جگہ پر ادا نہ کی جائے۔

[3] کہ عطائے خراسانی نے نہ تو مغیرہ کو پایا اور نہ دیکھا ہے۔ پس یہ حدیث متصل نہ ہوگی کیونکہ حضرت مغیرہ کی وفات سنہ ۵۰ھ میں ہوئی اور اسی سال میں حضرت عطائے خراسانی پیدا ہوئے۔ لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔

۱۱۹۲/۱۵ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَضَّهُمْ عَلَى الصَّلٰوةِ وَنَهَاهُمْ أَنْ يَّنْصَرِفُوْا قَبْلَ انْصِرَافِهِ مِنَ الصَّلٰوةِ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] ترغیب[1] دی اور انہیں منع فرمایا کہ آپ [illegible] فراغت سے پہلے وہ چلے[2] جائیں۔

(ابو داؤد)

[1] یعنی نماز کی محافظت اور ہمیشہ ادا کرنے کی تاکید و ترغیب دی۔ اور حدیث کا سیاق اس پر ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز با جماعت اور تکبیر اولیٰ پانے کے لیے جلدی کرنے کی آپ نے ترغیب دی اور تاکید کی۔

[2] اور اس سے بھی منع فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے فارغ ہو جائیں۔ جیسے کوئی شخص آپ کے سلام پھیرنے سے پہلے سلام پھیر کر نماز سے باہر آ جائے۔ یا سلام پھیرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی

سے اٹھنے سے پہلے اٹھ کر چلا جائے اور دعا و ذکر کی انتظار نہ کرے پہلے معنیٰ کے مطابق نہی تحریمی ہے اور دوسرے معنیٰ کے مطابق نہی تنزیہی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۹۴۳ عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِىْ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الثَّبَاتَ فِى الْاَمْرِ وَ الْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَ اَسْئَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَ حُسْنَ عِبَادَتِكَ وَ اَسْئَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَّلِسَانًا صَادِقًا وَّ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ۔ (رواہ النسائی و روی احمد نحوہ)

حضرت شداد ابن[1] اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز[2] میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے الٰہی میں تجھ سے دین میں استقامت اور ہدایت پر مضبوطی[3] مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری نعمت کا شکر[4] اور تیری اچھی عبادت مانگتا ہوں اور تجھ سے سلامتِ دل[5] اور سچی زبان مانگتا ہوں۔ اور تجھ سے وہ خیر مانگتا ہوں جو تو جانتا ہے[6] اور اس شر سے پناہ مانگتا ہوں جو تو جانتا ہے اور اس چیز (گناہ) سے بخشش مانگتا ہوں جسے تو جانتا ہے[7]۔ نسائی اور احمد نے اس کی مثل روایت کی۔

[1] شداد شین کی زبر اور دال کی شد سے ساتھ۔ بن اوس ہمزہ کی فتح اور واو ساکن کے ساتھ۔ ان کی کنیت ابو یعلیٰ ہے۔ • حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے برادر زادہ ہیں۔ انہیں اور ان کے باپ دونوں کو حضور کی صحبت کا شرف حاصل ہے بیت المقدس میں قیام رہا۔ اہل شام میں شمار ہوتے ہیں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا۔ شداد کو علم و حلم دونوں خوبیاں دی گئی ہیں۔

[2] یعنی نماز کے آخری التحیات کے بعد یا سلام کے بعد نماز کے پیچھے۔ احمد کی روایت میں آیا ہے فیہا اوفی اثرھا۔ یعنی آپ نماز میں یا نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے مگر مؤلف اسے باب الدعا بعد التشہد میں لایا ہے۔ یہ مقام غور ہے۔

[3] رشد و رشاد کا معنی ہے سیدھے راستے پر ہونا اور اس پر چلنا۔

[4] کہ شکر مزید نعمت کا سبب اور مال کی ہلاکت و زوال سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

[5] یعنی جو تیرے نزدیک نیکی اور خیر ہے۔ نہ وہ جسے میں نیکی اور خیر سمجھتا ہوں۔ کیونکہ بارہا اوقات ایسا ہوتا ہے

کہ بندہ ایک چیز کو خیر جانتا ہے اور اس سے دوستی کرتا ہے گر واقع میں وہ چیز شر اور بری ہوتی ہے اور کلمہ من تبعیضیت کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ ساری خیر و نیکی انسان کو حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ اتنی ہی جو اس کی قسمت میں ہو۔ یا کلمہ من زائدہ ہے۔ اور کل خیر اور تمام بھلائیوں کا سوال ماثورہ دعاؤں میں بہت ہے۔

۵۶ یہ امت کی تعلیم کے طور پر ہے کہ اس طرح دعا کرنی چاہیے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر خیر حاصل ہے اور شر آپ کے نزدیک بھی نہیں جا سکتا۔ اور آپ کا اگلا، پچھلا (نا مناسب فعل و عمل) سب بخش دیا گیا ہے۔ اور اکثر ماثورہ دعائیں اس طرح کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سب عنایات آپ کے شامل حال ہونے کے باوجود اس طرح کی دعائیں تواضع، تذلل اور اظہار بندگی کے طور پر ہیں۔ نیز کبریائے حق اور بے نیاز درگاہ کی عظمت شان کے پیش نظر ہیں۔

۸۹۴/۱۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي صَلَاتِهِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ أَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللهِ وَأَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں التیات کے بعد کہتے تھے۔ اچھا کلام اللہ کا کلام ہے اور اچھا طریقہ[1] حضرت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ ہے۔ (نسائی)

[1] هَدْيٌ ہا کی زبر اور دال کی جزم سے۔ یعنی نیک سیرت۔ اور یہ کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی خطبوں میں منقول ہے۔ کہ آپ حمد و ثنا کے بعد یہ کلمات کہتے تھے اور تشہد میں بھی آیا ہے۔ اس کا مضمون و خلاصہ دراصل تاکید اور شہادتین کو مضبوط کرنا ہے۔

۸۹۵/۱۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ تَسْلِيمَةً تِلْقَاءَ وَجْهِهِ ثُمَّ يَمِيلُ إِلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ شَيْئًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ایک سلام اپنے چہرہ انور[1] کے سامنے سلام پھیرتے تھے پھر تھوڑے سے دائیں کروٹ کی طرف مائل ہو جاتے[2]۔ (ترمذی)

[1] یعنی آپ ایک سلام اپنے چہرہ انور کی طرف کرتے تھے۔

[2] یعنی سلام کی ابتدا قبلہ رخ سے کرتے تھے پھر سلام پھیرنے کے دوران تدریجاً ایک جانب کو پھرتے اور اسے یوں سلام مکمل کرتے۔ یہاں تک کہ آپ کے رخسار مبارک کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔ جیسا کہ گزشتہ روایات میں مذکور ہوا۔ اس حدیث کے ظاہر معنی کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ کا مذہب ایک سلام ہے دوسرے تینوں ائمہ دو سلام کے قائل ہیں۔

کیونکہ دونوں جانب سلام پھیرنے کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گذشتہ حدیث کی تاویل اور معنی یہ ہے کہ آپ ایک جانب (دائیں جانب) سلام بلند آواز سے کرتے تھے اور دوسری جانب آہستہ اور خفیہ طریقہ پر۔

۸۹۹/۱۹ وَعَنْ سَمُرَةَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّرُدَّ عَلَى الْاِمَامِ وَنَتَحَابَّ وَاَنْ نُّسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم امام کا جواب سلام دیں[1]۔ اور آپس میں محبت و پیار کریں[2]۔ اور یہ کہ بعض بعض کو سلام کیا کرے (ابوداؤد)

[1] یعنی مقتدی امام کے سلام کے جواب کی نیت کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مقتدیوں کو سلام کہنے کی نیت کرے۔

[2] یعنی نمازی سلام کرتے وقت آپس میں ایک دوسرے کو سلام کہنے کی نیت کریں۔ کہ یہ چیز محبت و دوستی کا موجب و ذریعہ ہے تاہم نماز کے سلام میں ملائکہ مقربین کی نیت بھی کرنی چاہیے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا اور فقہ میں مذکور ہے۔

بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ

نماز کے بعد ذکر کا باب

واضح ہو کہ ذکر جہر مطلق اور بعد نماز بلند آواز سے مشروع ہے اس کے جواز و مشروعیت میں احادیث آئی ہیں۔ جیسا کہ آئندہ ان کا ذکر ہوگا۔ اس میں اختلاف ہے کہ جن فرضوں کے بعد سنتیں ہیں۔ ان فرضوں کے بعد بھی بیٹھے یا کھڑا ہو جائے۔ پھر بعض کے نزدیک مناسب فرضوں سے الگ کر دائیں سنتیں ادا کرے یا دوسری جگہ ہٹ کر سنت پڑھے۔ اکثر علما کے نزدیک مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ کھڑا ہو جائے پھر دوسری جگہ سنت پڑھے اور بہتر ہے کہ مقتدی صفیں توڑ دیں اور امام بھی وہاں سے آگے یا پیچھے ہو جائے۔ تاکہ بعد میں آنے والے لوگوں کو شبہ نہ پڑ سکے کہ لوگ ابھی جماعت میں ہیں۔ اور اس شبہ کے باعث آنے والے جماعت کی اقتدا کی نیت کر کے نماز شروع کریں اور ان کی اقتدا فاسد ہو جائے۔ بعض کہتے ہیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعا ثور مختصر دعائیں ہیں سے پڑھے جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ تو ٹھیک ہے ان کو فرض کے سلام سے متصل بعد بیٹھ کر پڑھے جیسے اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام اور آیۃ الکرسی۔

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ دائیں جانب پھرنے کو فضیلت حاصل ہے یا بائیں جانب پھرنے کو۔ صحیح یہ ہے کہ اُسے

دونوں پھرنے کا اختیار ہے۔ اگر اس پر یہ کہ بائیں جانب پھرے تاکہ اس کا دایاں دایاں بن جائے اور مسجد نبوی شریف میں نمازیوں کی بائیں جانب کو پھرے جس طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ مبارکہ ہے وہاں بائیں جانب کے نمازیوں کی طرف منہ کرنا بالاتفاق افضل ہے ایک بات جو یہاں ذہن میں رکھنی چاہیئے یہ ہے کہ سنن مؤکدہ کے بعد اذکار کا پڑھنا بعدیت کے خلاف نہیں ہے کہ بعض اذکار وادعیہ کا فرض نماز کے بعد پڑھنے کا جو ذکر احادیث میں آیا ہے۔ سنن مؤکدہ پڑھنے کے بعد ان اذکار کا پڑھنا فرض نماز کے متصل بعد پڑھنے کے حکم میں ہے۔ اس کی تصریح شیخ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔ لہٰذا نماز مغرب میں فرض نماز کے فوراً بعد کھڑا ہونا اور سنت پڑھنا آیۃ الکرسی اور اسی طرح کے اور اذکار پڑھنے کے منافی نہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ نماز فجر و مغرب کے بعد دس بار کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علی کل شی قدیر پڑھے اور بعض لوگ جو یہ جلدی کرتے ہیں کہ مغرب کی سنت میں آیۃ الکرسی پڑھتے ہیں تو یہ کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عمل خلاف سنت ہے کہ حدیث میں سنت مغرب میں سورۃ قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللّٰہ احد پڑھنے کا حکم آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۸۹۷ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ اَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِالتَّكْبِيْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ختم ہونا تکبیر سے پہچانتا تھا۔ (بخاری و مسلم)

لہ شراح حدیث نے تکبیر کی مراد بیان کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا یہاں تکبیر سے ذکر مراد ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ [illegible] کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں تھا [illegible] نے کہا کہ میں اس ذکر سے نماز ختم ہونے کو پہچانتا تھا۔ اس کے بعد امام [illegible] تکبیر سے مراد مطلق ذکر ہے۔ بعض نے کہا تکبیر سے وہ تسبیح و تحمید و تکبیر مراد ہے جو نماز کے بعد [illegible] بار پڑھنے کا حکم آیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں نماز کے بعد [illegible] تین تین بار تکبیر کی جاتی تھی۔ بعض کہتے ہیں اس سے ایام عشر میں تشریق کی تکبیریں مراد ہیں [illegible] کہا۔ اس سے وہ تکبیریں مراد ہیں جو نماز میں رکوع کو جاتے اور اٹھتے اور سجدے کو جاتے اور اٹھتے کہی جاتی ہیں اور حضرت ابن عباس کے قول کی مراد یہ ہے کہ میں نماز کی ہر ہیئت کو اس تکبیر سے پہچانتا تھا۔ کہ ان تکبیروں کے ساتھ وہ ایک ہیئت سے دوسری ہیئت کی طرف منتقل ہوتے تھے مگر یہ وجہ عبارت سے دور ہے۔ بہر تقدیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول

کا معنی متعین کرنے میں مشکل درپیش ہے۔ کہ آپ اس سے کیا معنی مراد لیتے ہیں۔ شاید حضرت ابن عباس نماز میں حاضر نہ ہوتے تھے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت ابن عباس بچے تھے شاید جماعت میں حاضر ہونے کی پابندی نہ کرتے تھے یہ بھی احتمال ہے کہ حاضر تو ہوتے تھے مگر پاس پچھلی صفوں میں کھڑے ہوتے تھے اس لیے سلام کے ساتھ نماز کے اختتام کو نہ پہنچ سکتے تھے۔ واللہ اعلم

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ - (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو نہ بیٹھتے مگر صرف اس قدر کہ کہتے الٰہی تو سلام ہے[1] اور تجھ سے سلامتی ہے تو برکت والا ہے۔ اے جلال و بزرگی والے[2]۔ (مسلم)

[1] یعنی تو جمیع نقائص و عیوب سے پاک و منزہ ہے اور تمام صفات کمال سے متصف ہے اور تو ہی بندوں کو آفات و بلیات سے محفوظ رکھتا ہے

[2] تو بزرگی والا ہے کہ سلبی اور ثبوتی صفات تیری ذات سے متعلق ہیں۔ پھر یہ ذکر و دعا انتے ہی الفاظ کے ساتھ احادیث صحیحہ میں صحت سے ثابت ہے اور بعض لوگ جو لیک یرجع السلام کے الفاظ بھی زیادہ کرتے ہیں علما نے کہا کہ یہ جملہ روایات میں نہیں آیا اور بعض مشائخ کے اوراد میں اس سے زیادہ کلمات بھی پڑھتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ اضافہ انہوں نے کہاں سے لیا ہے کسی روایت میں آیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ اسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا وَقَالَ اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ - (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ثوبان[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفار پڑھتے اور کہتے الٰہی تو سلام ہے۔ تجھ سے سلامتی ہے۔ تو برکت والا ہے۔ اے جلالت اور بزرگی والے۔ (مسلم)

[1] حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں اور وقت بے وقت حاضر درگاہ اقدس ہوتے تھے۔

إِلَّا بِاللّٰهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ	اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اسی کی نعمت ہے اسی کا فضل ہے اور اسی کی اچھی تعریف ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم اس کے لیے خالص دین رکھتے ہیں اگرچہ کفار ناپسند کریں۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	(مسلم)

ـــــه یہ حدیث اس میں صریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ تاہم بعض علما فرماتے ہیں کہ آپ کا بلند آواز سے ذکر کرنا تعلیم امت کے لیے تھا۔ امام نووی نے تہذیب میں کہا کہ اس دعا اور دوسری دعاؤں میں بلند آواز سے نہ پڑھنا افضل ہے۔ پڑھنے والا امام ہو یا مقتدی اور اکیلا نماز پڑھنے والا۔ مگر اس صورت میں بلند آواز سے پڑھے۔ جب کسی کو سکھانے کی ضرورت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہر کرنے کو بھی اسی پر محمول کیا گیا ہے۔ اور لوگوں کو حفظ اور ریاد ہر جانے کے ابہام سے مخفی پڑھنا افضل قرار دیا گیا۔ مگر حق بات یہ ہے کہ اوقات مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی اخفا میں شوق و ذوق نصیب ہوتا ہے اور کبھی بلند آواز سے پڑھنے سے شوق و گرمی بڑھتی ہے۔ اور ذکر بالجہر بلاشبہ شروع و جائز ہے۔

۹۴۵ وَعَنْ سَعْدٍ أَنَّهُ كَانَ يُعَلِّمُ بَنِيْهِ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُوْلُ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔	حضرت سعد[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے بچوں کو یہ کلمات سکھاتے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان سے تعوذ کرتے تھے۔ الٰہی میں بزدلی سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ کنجوس سے تیری پناہ۔ ردی عمر[2] سے تیری پناہ۔ دنیا کے فتنوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)	(بخاری شریف)

ـــــه آپ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

ـــــه ایسی بڑھاپے کی عمر جس میں انسان کی عقل و فکر کام نہیں کرتی قوٰی سست و بے کار ہو جاتے ہیں اور انسان علم و معرفت اور عبادت بجا لانے سے رہ جاتا ہے۔

۹۴۶ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِيْنَ أَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فقرائے مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا قَدْ ذَهَبَ اَهْلُ
الدُّثُوْرِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى وَالنَّعِيْمِ
الْمُقِيْمِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا يُصَلُّوْنَ
كَمَا نُصَلِّيْ وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ
وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَلَا نَتَصَدَّقُ وَيُعْتِقُوْنَ
وَلَا نُعْتِقُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَلَا اُعَلِّمُكُمْ
شَيْئًا تُدْرِكُوْنَ بِهٖ مَنْ سَبَقَكُمْ وَ
تَسْبِقُوْنَ بِهٖ مَنْ بَعْدَكُمْ وَلَا
يَكُوْنُ اَحَدٌ اَفْضَلَ مِنْكُمْ اِلَّا مَنْ
صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ قَالُوْا بَلٰى
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُسَبِّحُوْنَ وَ
تُكَبِّرُوْنَ وَتَحْمَدُوْنَ دُبُرَ كُلِّ
صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ مَرَّةً قَالَ
اَبُوْ صَالِحٍ فَرَجَعَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ
اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ فَقَالُوْا سَمِعَ اِخْوَانُنَا اَهْلُ
الْاَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا فَفَعَلُوْا مِثْلَهٗ
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ
يَّشَاءُ۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَيْسَ قَوْلُ اَبِيْ
صَالِحٍ اِلٰى اٰخِرِهٖ اِلَّا عِنْدَ مُسْلِمٍ۔
وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ تُسَبِّحُوْنَ
فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرًا وَّتَحْمَدُوْنَ

حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مالدار لوگ تو بلند درجے اور ہمیشہ
کی نعمتیں لے گئے فرمایا وہ کیسے عرض کیا کہ جیسے ہم لوگ
نماز پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں اور جیسے ہم
روزے رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں اور وہ خیرات
کرتے ہیں ہم نہیں کر سکتے وہ غلام آزاد کرتے ہیں
ہم نہیں کر سکتے اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کیا میں تمہیں وہ چیز نہ سکھا دوں جس سے تم آگے
والوں کو پکڑ لو اور پیچھے والوں سے آگے بڑھ جاؤ
اور تم سے کوئی افضل نہ ہو سکے مگر وہ جو
تمہارے کام کی طرح کام کرے عرض کیا ضرور
[illegible] یا رسول اللہ فرمایا ہر نماز کے بعد
۳۳ بار تسبیح و تکبیر اور حمد کر لیا [illegible]
کہتے ہیں پھر مہاجر فقراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی خدمت میں لوٹ کر آئے اور عرض
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

بخاری کی روایت میں ہے

ابو صالح کا قول صرف مسلم کی [illegible]
[illegible] اور بخاری کی ایک روایت میں یہ
ہے کہ ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح دس بار
حمد اور دس بار تکبیر کہو، بخاری کے ۳۳ بار

عَشْرًا بَدَلَ ثَلَاثًا وَّ ثَلَاثِيْنَ کہنے کے لئے

۱ یعنی اجر و ثواب، قرب و رضائے حق، اور دائمی نعمت یعنی جنت حاصل کر چکے ہیں۔

۲ یعنی تمہاری اس بات کا کیا مطلب ہے اور ان کے اعلیٰ اور بلند درجات حاصل کر لینے کا سبب کیا ہے۔

۳ یعنی مالدار لوگ ہماری بدنی عبادات میں شریک ہیں۔ مگر مالی عبادات میں وہ ہم سے ممتاز ہیں۔

۴ یعنی اس امت کے متقدمین یا پہلی امتوں کے لوگ۔

۵ یعنی جو لوگ تمہارے بعد ایمان لائیں گے یا تمہارے بعد پیدا ہوں گے۔ یہاں ان فقراء کی عظیم فضیلت و شان آپ نے بیان فرمائی۔ ماسوائے اس شکایت کے جو انہوں نے کی کہ ہمارا درجہ اغنیاء سے کم ہے اور یہاں ان فقراء کی فضیلت و شان بیان کرنا مقصود ہے۔

۶ حدیث کی ظاہر عبارت اور اکثر روایات اسی طرح ہیں کہ تینوں ۳۳، ۳۳، ۳۳ بار پڑھی جائیں اور ایک روایت میں تینوں ملا کر ۳۳ بار کا ذکر آیا ہے یعنی ہر ایک کلمہ ۱۱، ۱۱ بار پڑھا جائے۔ اور بعض روایات میں تسبیح و تحمید اور تکبیر کا ذکر تقدیم و تاخیر سے آیا ہے۔ اور ایک اور حدیث اس طرح آیا ہے کہ ان تین میں سے جس سے بھی ابتدا کرے گا ٹھیک ہے اور کوئی نقصان نہیں۔

۷ ابو صالح اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں۔ اور تابعی ہیں۔

۸ یعنی وہ ہم سے افضل ہو گئے۔

۹ لہٰذا کیا کیا جا سکتا ہے۔ تو صبر کرو اور قضائے الٰہی اور اس کی تقسیم پر راضی ہو جاؤ۔ کیونکہ حق سبحانہ نے اپنے بعض بندوں کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔

۱۰ یعنی ابو صالح کا قول فرجع فقراء المہاجرین الی آخرہ صرف مسلم نے روایت کیا اور وہ اس کے روایت کرنے میں منفرد ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ فقراء لوگ اغنیاء سے نصف دن (پانچ سو سال) پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اگرچہ مالداروں کی خصوصیت و شان فقراء پر ثابت ہو چکی ہے تاہم حق سبحانہ کے لطف و کرم نے اس کی تلافی یوں کر دی کہ فقراء مالداروں سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

واضح ہو کہ حدیث فقراء مہاجرین کے ساتھ خاص ہے تمام فقراء امت کے لیے عام نہیں۔ (یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے) مگر احادیث میں ہے کہ دوسرے فقراء کے حال کو فقراء مہاجرین کے حال پر قیاس کر لیا جائے (کہ جب فقراء مہاجرین فقراء ہونے کی وجہ سے پہلے جنت میں جائیں گے تو بعد کے فقراء بھی فقراء ہونے کے سبب مالداروں سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے) واللہ اعلم۔

۱۱ پس ہر کلمہ دس بار پڑھا جائے گا اور مجموعہ تیس بنے گا۔ ایک روایت میں ہر ایک کلمے ۱۱، ۱۱ بار پڑھنے کا ذکر آیا ہے اس صورت میں مجموعہ ۳۳ بنے گا۔ جیسا کہ میں نے کہا اور اس حدیث میں دلیل ہے کہ غنی شاکر فقیر سے افضل ہے جب کہ دونوں

عمل میں برابر ہوں۔ اور فقیر کے مالدار سے افضل ہونے کے دلائل بھی موجود ہیں۔ اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ غنی شاکر افضل ہے یا فقیر صابر۔ جانبین کے دلائل اپنے مقام پر مذکور ہیں۔ اور فقراء کا اغنیاء سے پہلے بہشت میں جانا اغنیاء کی فضیلت اور ان کی بلندی درجات کے منافی اور خلاف نہیں کہ فقراء کا پہلے بہشت میں جانا ان کے بوجھوں کے ہلکا ہونے اور حساب کے آسان ہونے کی بنا پر ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۴ وَعَنْ كَعْبِ ابْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَقِّبَاتٌ لَا يَخِيْبُ قَائِلُهُنَّ أَوْ فَاعِلُهُنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ ثَلٰثٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ تَسْبِيْحَةً وَّ ثَلٰثٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ تَحْمِيْدَةً وَّ اَرْبَعٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ تَكْبِيْرَةً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بعض آگے پیچھے آنے والی چیزیں وہ ہیں جن کا کہنے والا یا کرنے والا نقصان میں نہیں ہوتا۔ ہر فرض و پنجگانہ نماز کے بعد ۳۳ بار تسبیح ۳۳ بار حمد اور ۳۴ بار تکبیر۔ (مسلم)

لہ عُجْرَۃ عین کی پیش، جیم کی جزم بعد میں را کے ساتھ۔ حضرت کعب صحابی ہیں بیعت رضوان میں شریک ہوئے ہیں۔ ان کے اسلام کا قصہ دوسری جگہوں میں لکھا جا چکا ہے۔

لہ۲ اصل میں لفظ مُعَقِّبَات استعمال ہوا ہے میم کی پیش عین کی زبر اور قاف مشدد و کسرہ ہے اور بات کے معنی ہیں ایک دوسرے کے پیچھے آنے والی چیزیں۔ الفاظ میں یہ کلمات کی صفت ہو کر آیا ہے یعنی [illegible] کی حفاظت کرنے والے فرشتوں کی صفت کے طور پر قرآن میں آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ کے معنی مقرر کردہ فرشتے ہوتے ہیں انسان کے آگے اور پیچھے جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں [illegible] یہاں یہ اگلے الفاظ ہیں، یعنی لا یخیب قائلھن۔

لہ۳ اس طرح مجموعہ سو کا عدد بنے گا۔

۴۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ وَحَمِدَ اللهَ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ وَكَبَّرَ اللهَ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ فَتِلْكَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار تسبیح ۳۳ بار حمد الٰہی اور ۳۳ بار تکبیر کہہ لیا کرے۔ اور یہ ۹۹ ہوئے اور سو پورا کرنے کے لیے کہے

تِسْعَةً وَّتِسْعُوْنَ وَقَالَ تَمَامُ الْمِائَةِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ[6]۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی ہر چیز کا مالک ہے۔ اسی کے لیے حمد و ثناء ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو اس کے گناہ بخشے جائیں گے۔ اگرچہ سمندر کے جھاگ کی طرح ہوں[6]۔ (مسلم)

۱؎ یعنی ۳۳ بار سبحان اللہ کہے۔

۲؎ یعنی ۳۳ بار الحمد للہ کہے۔

۳؎ ۳۳ بار اللہ اکبر کہے۔

۴؎ بعض روایات میں ولہ الحمد کے بعد یحیی و یمیت کے الفاظ آئے ہیں۔ اور بعض میں یحیی لا یموت آیا ہے اور بعض روایات میں بیدہ الخیر کا لفظ بھی آیا ہے۔

۵؎ یعنی کثیر و زیادہ ہونے میں اس کے گناہ سمندر کی جھاگ جتنے بھی ہوں گے تو بخشے جائیں گے۔

۶؎ اس روایت میں سو کا عدد اس طرح پورا ہوتا ہے اور گذشتہ حدیث میں تکبیر ۳۴ بار پڑھنے سے سو کا عدد پورا ہوتا ہے۔ جس طرح بھی پڑھے ٹھیک اور کافی ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان اپنے مقام پر ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوْبَاتِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوامامہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کونسی دعا زیادہ سنی جاتی ہے۔ فرمایا آخری رات کے بیچ میں اور فرض نمازوں کے بعد[2]۔ (ترمذی)

۱؎ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ پہلے مصر میں قیام رہا پھر وہاں سے حمص منتقل ہو گئے آپ سے بہت کم احادیث مروی ہیں اور آپ کی اکثر احادیث اہل شام کے پاس تھیں۔ علاقہ حمص میں آپ صحابہ کی آخری یادگار تھے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کیں اور بہت سے صحابہ کرام سے بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۳۳ سال تھی۔ بعض نے کہا آپ کی عمر اس وقت تیس سال تھی۔ آپ ۸۶ھ یا ۸۱ھ میں بعمر ۹۱ سال

فوت ہو گئے۔

سلہ رات کے اندرونی حصے میں۔ یا معنی یہ ہے کہ کون سے وقت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے اور لفظ الآخر جوف کی صفت ہے۔ یعنی میانہ شب میں جو رات کے دوسرے نصف میں ہوتا ہے کہ اس سے مراد وقت سحر ہے جیسا کہ اس کی تفصیل باب قیام اللیل میں آ رہی ہے اور لفظ جوف اور الآخر پیش اور زبر دونوں طرح روایت ہے۔ اور زیر سے پڑھنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح لفظ دُبُر میں۔

سلہ یعنی فرض نمازوں کے بعد ظاہر عبارت فرض نماز کے متصل بعد پر دلالت کرتی ہے۔ اور اگر اس سے سنت موکدہ کے بعد دعا مراد لی جائے تو امید ہے کہ حدیث پاک سے یہی مراد ہو گا۔ جیسا کہ بیان سابق میں اس طرف اشارہ گزر چکا ہے۔

۹۰۷/۱۱ وَعَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَامِرٍ قَالَ أَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقْرَأَ بِالْمُعَوِّذَاتِ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ۔	حضرت عقبہؓ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ نماز کے بعد معوذات والی سورتیں پڑھ لیا کروں۔
رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔	احمد۔ ابو داؤد۔ نسائی اور بیہقی دعوات کبیر میں۔

سلہ عُقبہ سین کی پیش اور قاف کی جزم ہے۔

سلہ کہ ہر نماز کے بعد معوذات پڑھا کروں۔ معوذات واؤ کی زیر یا [illegible] ہے اور وہ دو سورتیں ہیں۔ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سوال وارد [illegible] (معوذات) کا صیغہ کیوں استعمال ہوا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات [illegible] کہتے ہیں یہاں سورہ اخلاص یا اس کے ساتھ سورۂ کافرون کو بھی [illegible] ہے یا اس اعتبار سے کہ ان دو سورتوں میں توحید کا بیان اور شرک سے براءت [illegible] اور بعض کہتے ہیں معوذات سے وہ آیات مراد ہیں جو لفظاً اور معنیً استعاذہ (پناہ) کے معنی پر مشتمل ہیں۔ [illegible] بھی ان میں داخل ہیں۔ یا کلمات معوذہ مراد ہیں۔ اور ایک روایت [illegible] اس سورت [illegible] نہ رہا۔

۹۰۸/۱۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللهَ مِنْ صَلٰوةِ	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا جو فجر کی نماز سے سورج

الْغَدَاةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً مِّنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِيْلَ وَلَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

نکلنے تک اللہ کا ذکر کرتے ہیں اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اولاد اسماعیل سے چار غلام آزاد کروں۔ اور میرا اس قوم کے ساتھ بیٹھنا جو عصر کی نماز سے سورج ڈوبنے تک اللہ کا ذکر کریں۔ اس سے زیادہ پسند ہے کہ چار غلام[1] آزاد کروں۔

(ابوداؤد)

[1] ظاہر یہ ہے کہ یہاں بھی اولاد اسماعیل سے چار غلام مراد ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں اولاد اسماعیل سے مراد نہ ہوں اولاد میں ان کے ذکر کی افضلیت ظاہر کرنے کے لیے ہو۔

واضح ہو کہ ذکر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنے سے ظاہراً مراد یہ ہے کہ ان کے ساتھ ذکر میں شریک ہوں اور اگر ان کے ساتھ صرف بیٹھنا مراد لیں تو یہ بھی درست ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے ہُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہمنشین نامراد نہیں۔ یہ حدیث کتاب الدعوات میں آرہی ہے اور اس دوسرے مفہوم کو درست ظاہر کرتی ہے۔ واضح ہو کہ چار کے عدد کا راز شارع علیہ السلام کو ہی معلوم ہے اسی طرح جہاں بھی عدد مذکور ہوتا ہے۔ بعض علماء عدد کے بارے میں اپنے ظن و تخمین سے فہم کے قریب مناسب وجوہات بیان کرتے ہیں۔ مثلاً یہاں چار کے عدد کی وجہ یہ ہے کہ یہاں چار عبادتیں جمع ہیں۔ اللہ کا ذکر، بیٹھنا ایک جگہ جمع ہونا پھر سورج نکلنے اور غروب ہونے تک صبر کرنا اور رکے رہنا۔ اولاد اسماعیل کی تخصیص ان کی شرافت اور فضیلت کی وجہ سے ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِيْ جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهٗ كَاَجْرِ حَجَّةٍ وَّعُمْرَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

انہیں سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو فجر کی نماز جماعت سے پڑھے پھر سورج نکلنے تک بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرے پھر دو رکعتیں[1] پڑھے تو اسے حج اور عمرے جتنا ثواب ملے گا[2] حضرت انس کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[3]۔ پورے حج وعمرہ کا پورے حج وعمرے کا پورے حج وعمرے کا ثواب ملے گا[4]۔

(ترمذی)

[1] دو رکعت کم مقدار ہے۔ بارہ رکعت تک بھی آیا ہے۔ اس نماز کا وقت اس حدیث کے ظاہر حکم کے مطابق

طلوع آفتاب ہے اور بعض کا مذہب یہی ہے مگر جمہور علماء کے نزدیک اس نماز (اشراق) کا وقت سورج ایک نیزہ کی مقدار بلند ہونے پر شروع ہوتا ہے اور بہت سی روایات میں ایسا ہی آیا ہے۔ لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ اس نماز کو اشراق کہتے ہیں۔ بعض روایات میں بھی یہ نماز اس نام سے موسوم ہے۔ اکثر احادیث میں اس نماز کا نام صلوٰۃ ضحیٰ آیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں در حقیقت ایک ہی نماز ہے کہ اس کا ابتدائی وقت سورج بلند ہونے سے شروع ہوتا ہے اور آخر وقت زوال سے پہلے ختم ہوتا ہے۔ اور صلوٰۃ ضحیٰ (نماز چاشت) سے متعلق مزید گفتگو باب صلوٰۃ ضحیٰ میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

۲ حج کا ثواب تو فرض نماز با جماعت ادا کرنے سے اور عمرے کا ثواب دو رکعت نفل نماز ادا کرنے سے کہ حج فرض ہے اور عمرہ نفل۔

۳ اس عمل پر زیادہ اجر و ثواب کی تاکید و مبالغہ کے لیے فرمایا۔

۴ تامۃ تامۃ تامۃ لفظ عمرہ کی صفت ہے یا دونوں کی صفت ہے اور یہ اگرچہ فی الحقیقت حج و عمرہ کے ثواب کے برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ ثواب بقدر مشقت ملتا ہے۔ لیکن اس کے مشابہ ضرور ہے اور اس قدر زیادہ ہے کہ گویا یہ ان کے ثواب کے برابر ہے۔ اور ناقص کو کامل کے ساتھ لاحق کرنے کے باب میں [illegible]

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۹۱۰/۱۴ عَنِ الْاَزْرَقِ ابْنِ قَيْسٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا اِمَامٌ لَنَا يُكَنّٰى اَبَا رِمْثَةَ قَالَ صَلَّيْتُ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ اَوْ مِثْلَ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ يَقُوْمَانِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَكَانَ رَجُلٌ قَدْ شَهِدَ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ يَّسَارِهٖ حَتّٰى رَاَيْنَا بَيَاضَ خَدَّيْهِ ثُمَّ انْفَتَلَ كَانْفِتَالِ اَبِيْ رِمْثَةَ يَعْنِيْ نَفْسَهٗ فَقَامَ الرَّجُلُ

حضرت ازرق بن قیس [illegible] جن کی کنیت [illegible] کہ میں نے [illegible] اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کہ حضرت ابوبکر [illegible] اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] تھے اور ایک شخص [illegible] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی [illegible] پھیرا حتیٰ کہ ہم نے آپ کے رخساروں کی سفیدی دیکھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھرے۔ ابو رمثہ کے پھرنے کی طرح یعنی جس نے نماز پڑھائی

مِنَ الصَّلٰوۃِ یَشْفَعُ فَوَثَبَ عُمَرُ فَاَخَذَ بِمَنْکِبِہٖ فَھَزَّہٗ ثُمَّ قَالَ اجْلِسْ فَاِنَّہٗ لَمْ یَھْلِکْ اَھْلُ الْکِتٰبِ اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَکُنْ بَیْنَ صَلٰوتِھِمْ فَصْلٌ فَرَفَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَصَرَہٗ فَقَالَ اَصَابَ اللّٰہُ بِکَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

تکبیر پائی تھی وہ نفل پڑھتے کھڑا ہو گیا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلدی اٹھے اور اس کے کندھے کو پکڑ کر ہلایا، پھر فرمایا بیٹھ جا کر بیشک اہل کتاب صرف اس لیے ہلاک ہوئے کہ ان کی نمازوں کے درمیان فاصلہ نہ تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ اٹھا کر فرمایا۔ اے خطاب کے بیٹے اللہ تجھے درستی و راستی پر قائم رکھے۔

(ابوداؤد)

لہ ازرق ہمزہ کی زبر پھر زا اس کے بعد را آخر میں قاف کے ساتھ۔ آپ تابعین سے ہیں۔ حارثی بصری ہیں۔ کوئی راوی ان میں سے ہیں۔ ثقہ ہیں ۱۲۱ھ میں فوت ہوئے۔

سے رمثہ را کی زبر میم ساکن پھر ثا کے ساتھ۔ حضرت ابورمثہ صحابی ہیں۔

سے یعنی نماز سے اس نماز کی طرف اشارہ فرمایا جو انہوں نے ادا کی تھی مثلاً ظہر یا عصر کی نماز۔

کہ یہ راوی کا شک ہے۔ مثل اس بنا پر فرمایا کہ یہ نماز جو انہوں نے ادا کی تھی بعینہٖ وہ نماز نہ تھی جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی تھی۔ اگرچہ دونوں کی نوع ایک تھی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مثل اس اعتبار سے کہا کہ یہ نماز جو انہوں نے ادا کی تھی اس نماز کے سوا تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی تھی۔ جیسے کہ وہ ظہر کی تھی اور یہ مثلاً عصر کی نماز۔ اس پر غور کرو۔

ھے یعنی وہ شخص رکعت اولیٰ ہی میں شامل ہو گیا تھا۔ مسبوق نہ تھا۔

لہ کہ جو نمازی دائیں جانب تھے انہوں نے دایاں رخسار مبارک دیکھا اور جو بائیں جانب تھے۔ انہوں نے بایاں رخسار مبارک دیکھا۔

کے ابورمثہ نے اس سے اپنی ذات مراد لی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابورمثہ یعنی میری طرح پھرے اور اپنے آپ کو لفظ غائب سے بیان کرنا تفنن عبارت ہے۔ اور ان کا یہ پھرنا بائیں جانب تھا یا دائیں جانب۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک یہی ہے۔

شہ اس تقید کا فائدہ کہ اس نے تکبیر اولیٰ پائی تھی، یہ ہے کہ وہ شخص مسبوق نہ تھا کہ بقیہ نماز پوری کرنے کے لیے اٹھا ہو بلکہ وہ سنت مؤکدہ ادا کرنے اٹھا تھا۔ جیسا کہ راوی کہتا ہے۔ یشفع یعنی دوگانا ایکہ وہ نماز (فرض) سے نماز (سنت) ملانے والا تھا۔ یعنی دوگانا اٹھ کر کھڑا ہوا تا کہ سنت مؤکدہ ادا کرے۔

۹ـہ بعض نسخوں میں بمنکبیہ تثنیہ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی اس کے دونوں کندھے پکڑے۔

۱۰ـہ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹھ جا۔

۱۱ـہ یہاں فاصلہ سے فرض کی جگہ سے ہٹ جانا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا مراد ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ کیا تم لوگ اس سے عاجز ہو کہ جب نماز (فرض) ادا کر رہے آگے ہو جاؤ یا پیچھے یا دائیں ہو جاؤ یا بائیں۔ یا اس سے کلام کرنا اور نماز سے باہر نکل آنا مراد ہے۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں حضرت سائب سے آیا ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگ ایک نماز کے ساتھ دوسری نماز کو نہ ملائیں بلکہ دونوں نمازوں کے درمیان کلام کریں یا باہر آ جائیں۔ اور اس حدیث کو باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں لانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ فاصلہ کرنے سے بعد نماز ذکر کرنا مراد ہے۔ یعنی فرض نماز کے بعد کچھ ذکر کرے جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے اس کے بعد سنت کے لیے اٹھے جیسا کہ بعض کا مذہب ہے۔ پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نفل نماز فرض نماز کے ساتھ نہ ملانی چاہیے جیسا کہ [illegible] کا مذہب ہے اور اس کا بیان گذشتہ صفحات میں مذکور ہوا۔ واللہ اعلم۔

۱۲ـہ یعنی اے خطاب کے بیٹے حق تعالیٰ تجھے ہمیشہ صواب کو جانے جیسا کہ [illegible] اور صواب [illegible] کلمات ہی تیرے دل میں ڈالے۔ اس عبارت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہر فعل میں درستی اور راستی پر ہیں۔

۹۹۱/۱۵ وَعَنْ زَيْدِ ابْنِ ثَابِتٍ قَالَ اُمِرْنَا اَنْ نُسَبِّحَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَنَحْمَدُ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَنُكَبِّرُ اَرْبَعًا وَّثَلٰثِيْنَ فَاُتِيَ رَجُلٌ فِي الْمَنَامِ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقِيْلَ لَهٗ اَمَرَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُسَبِّحُوْا فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ كَذَا وَكَذَا قَالَ الْاَنْصَارِيُّ فِيْ مَنَامِهٖ نَعَمْ قَالَ فَاجْعَلُوْهَا خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ وَاجْعَلُوْا فِيْهَا التَّهْلِيْلَ فَلَمَّا اَصْبَحَ غَدَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ

حضرت زید بن ثابت [illegible] [illegible] بعد ۳۳ بار تسبیح پڑھیں ۳۳ بار [illegible] [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] [illegible] انہیں ۲۵، ۲۵ بار کر لو [illegible] [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ کو خبر دی [illegible]

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَافْعَلُوْا

علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی کر لو۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ

(احمد نسائی) (دارمی)

۱؎ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ کاتب وحی ہیں فقہاء صحابہ اور ان میں جلیل القدر شخصیت اور فرائض کے عالم کہنے جاتے ہیں۔ ہجرت کے وقت آپ گیارہ سال کے بچے تھے۔ آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں قرآن پاک جمع فرمایا۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قرآن پاک مصحف عثمان میں نقل کیا۔

۲؎ یعنی ایک انصاری شخص کے خواب میں آیا یعنی اس سوئے کے پاس خواب میں فرشتہ آیا۔ حدیث میں آیا ہے بیشک صالح مرد کا خواب والوں کے فرشتے کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور غیر صالح انسان کا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

۳؎ یعنی اس فرشتہ نے خواب میں اس انصاری سے کہا۔

۴؎ یہاں صرف تسبیح کے ذکر پر اکتفا کیا یا تو اختصار کے پیش نظر یا سب (حمد و تکبیر) کو ہی تسبیح کہہ دیا کہ حمد و تکبیر میں بھی اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس پائی جاتی ہے۔

۵؎ کہ اس میں ۲۵ بار کلمہ لا الہ الا اللہ بھی شامل کر لو۔ تاکہ سو کا عدد پورا ہو جائے۔

۶؎ معلوم ہوا کہ یہ نیک انسان کا خواب ہے تو اس طرح بھی کر لو جس طرح یہ مرد صالح کہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب پر عمل درآمد کا حکم جاری کر کے اس کی توثیق کر دی۔ تو اب یہ بھی شرعی حجت و دلیل بن گئی۔ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تائید و توثیق نہ کرتے تو حجت نہ بن سکتی۔ اسے خوب سمجھو۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَعْوَادِ هٰذَا الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ مَنْ قَرَاَ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا الْمَوْتُ وَمَنْ قَرَاَهَا حِيْنَ يَاْخُذُ مَضْجَعَهٗ اٰمَنَهُ اللّٰهُ عَلٰى دَارِهٖ وَدَارِ جَارِهٖ وَاَهْلِ دُوَيْرَاتٍ حَوْلَهٗ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منبر کے تختوں پر فرماتے سنا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اُسے موت کے سوا کوئی چیز جنت کے داخلے سے نہیں روکتی۔ اور جو شخص بستر پر لیٹتے وقت اسے پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے گھر اور اس کے پڑوسی کا گھر اور اس کے آس پاس والوں کو امن و عافیت میں رکھتا ہے۔

رَوَاهُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَقَالَ اِسْنَادُہٗ ضَعِیْفٌ ۔

بیہقی فی شعب الایمان۔ اور کہا اس کی اسناد ضعیف ہے۔

ف۱ اس عبارت کو مشکل قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ موت جنت سے روکنے والی نہیں بلکہ جنت تک پہنچانے والی چیز ہے۔ لہٰذا ظاہراً عبارۃ حدیث اس طرح ہونی چاہیے تھی۔ الا الحیاۃ۔ یعنی زندگی جنت میں پہنچنے سے رکاوٹ ہے کہ زندگی کی وجہ سے اس جہاں دنیا میں بندہ مومن جکڑا ہوا ہے۔ مگر اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ جنت میں جلد پہنچنے میں رکاوٹ موت ہے کہ جب تک موت کا دروازہ عبور نہ کرے بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اگر راستے میں موت اور مرنے کی شرط نہ ہوتی تو اس آیۃ الکرسی کے پڑھنے کی برکت سے فوراً جنت میں داخل کر دیا جاتا یا مراد یہ ہے کہ اگر بندے کے لیے مطابق حکم کل نفس ذائقۃ الموت (ہر جان نے موت کا مزہ چکھنا ہے) موت کا طاری ہونا اور اسے چکھنا لازم و ضروری نہ ہوتا تو آیۃ الکرسی پڑھنے والا اب تک جنت میں پہنچ چکا ہوتا۔ لیکن اس معنٰی کے مطابق یہ لازم آئے کہ بہشت میں موت ہو اور بہشت میں چونکہ موت نہیں۔ اس بنا پر موت کے آنے تک جنت میں پہنچنے میں تاخیر اور دیر ہوتی ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے کہا کہ آیۃ الکرسی پڑھنے والے انسان اور جنت کے درمیان موت رکاوٹ ہے۔ جب موت واقع ہو گئی اور زندگی اختتام پذیر ہو گئی تو جنت میں داخل ہونا نصیب ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ موت سے قبر میں حشر تک پڑے رہنا مراد ہے۔ جب قیامت کے دن قبر سے اٹھ کھڑا ہو گا تو سیدھا بلا توقف جنت میں پہنچے گا۔

ف۲ واضح ہو کہ صاحب سفر السعادۃ نے اس حدیث کی جز و اول (من قرا آیۃ الکرسی [illegible] لم یمنعہ من دخول الجنۃ الا الموت) کو نسائی سے روایت کیا اور ایک روایت میں قل ھو اللہ احد کو بھی اس کے ساتھ ملایا اور کہا اس حدیث کو نسائی کے علاوہ بھی ایک جماعت نے جیسے طبرانی، دارقطنی، ابن حبان وغیرہم نے روایت کیا۔ بعض حفاظ حدیث نے کہا یہ حدیث صحیح ہے ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا۔ اور حفاظ حدیث نے اس بارے میں ابن جوزی پر تنقید کی ہے [illegible] ان الفاظ روایت کیا من قرا آیۃ الکرسی فی دبر الصلوٰۃ المکتوبۃ کان فی ذمۃ اللہ الی الصلوٰۃ الاخری [illegible] ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ ان میں سے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اور جابر [illegible] اور انس بن مالک اور مغیرہ بن شعبہ اور ابو امامہ رضی اللہ عنہم۔ اور طرق کا اختلاف [illegible] کرتا ہے کہ اس حدیث کی اصل صحیح موجود ہے۔ موضوع نہیں ہے اور آیۃ الکرسی کی فضیلت [illegible] نماز کے بعد پڑھا جائے یا کسی دوسرے وقت میں، بڑی شان اور درجہ رکھتی ہے۔ واللہ اعلم

۹۱۳ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ قَبْلَ اَنْ یَّنْصَرِفَ وَ

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو بندہ نماز مغرب اور فجر سے پھرنے

يَثْنِيَ رِجْلَيْهِ مِنْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ وَالصُّبْحِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ كُتِبَ لَهٗ بِكُلِّ وَاحِدٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَّمُحِيَتْ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَّرُفِعَ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَّكَانَتْ لَهٗ حِرْزًا مِّنْ كُلِّ مَكْرُوْهٍ وَّحِرْزًا مِّنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ وَلَمْ يَحِلَّ لِذَنْبٍ اَنْ يُّدْرِكَهٗ اِلَّا الشِّرْكَ وَكَانَ مِنْ اَفْضَلِ النَّاسِ عَمَلًا اِلَّا رَجُلًا يَّفْضُلُهٗ يَقُوْلُ اَفْضَلَ مِمَّا قَالَ ـ

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اِلٰى قَوْلِهٖ اِلَّا الشِّرْكَ وَلَمْ يَذْكُرْ صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ وَلَا بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ

اور پاؤں موڑنے سے پہلے دس بار یہ کہہ لیا کرے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی ہر شے کا مالک ہے۔ اسی کی حمد و ثنا ہے اسی کے قبضے میں خیر ہے۔ زندگی اور موت دیتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے تو اس کے لیے ہر ایک کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ دس گناہ مٹائے جاتے ہیں۔ دس درجے بلند کیے جاتے ہیں۔ اور ہر برائی سے اس کی حفاظت ہوتی ہے۔ شیطان مردود سے امن میں رہتا ہے۔ شرک کے سوا کوئی گناہ اسے نہ چھو سکے گا۔ اور وہ لوگوں سے عمل میں افضل ہوگا۔ سوائے اس کے جو اس سے زیادہ کہہ لے۔ کہ وہ اس سے بڑھ جائے گا۔

(احمد) اور ترمذی نے اس کی مثل حضرت ابوذر سے اِلَّا الشِّرْک تک روایت کی۔ اور اس نے نہ نماز مغرب کا ذکر کیا اور نہ بیدہ الخیر کا اور فرمایا۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

ف

ف عبدالرحمن بن غنم قیس کی زبر اور نون ساکن۔ آپ اشعری شامی ہیں۔ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک میں اسلام لائے مگر آپ کی خدمت اقدس میں نہ پہنچ سکے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تعلیم کے لیے ان کے ساتھ رہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان کو شرف صحبت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نصیب ہوا ہے۔ مگر قول اول زیادہ صحیح ہے۔ آپ قد مار صحابہ سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ اپنے وقت میں شام کی فقیہ ترین شخصیت تھے۔ کہ شام کے تابعین ان سے علم فقہ حاصل کرتے تھے۔ اور بڑی جلالت و قدر کے مالک تھے۔

ف کہ سنت الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ کفر سے عفو و مغفرت کا تعلق نہیں ہو سکتا (بغیر توبہ کے)

۸۷ھ میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ۔

لے یعنی ابھی اسی حالت پر بیٹھا ہو جو التحیات میں ہوتا ہے۔

لے بعض روایات میں بیدہ الخیر بھی دیمیت کا لفظ آیا ہے۔

لے اور ایک روایت میں لم ینبغ ان یدرکہ کا لفظ آیا ہے یعنی جائز نہیں اور کسی گناہ کو یہ جرات نہیں کہ اس کی طرف رجوع کرے اور اس کا گھیراؤ کرے اور اس پر اثر انداز ہو سکے یعنی توبہ کی توفیق اور استغفار کی برکت اور خدا تعالیٰ کے عفو و مغفرت کی بدولت۔

لے یعنی الفاظ الگ الگ ہیں مگر ان کا معنی ایک ہے اور لفظ لا الا الشرک تک روایت کیے۔

۹۱۴/۱۸ وَعَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا قِبَلَ نَجْدٍ فَغَنِمُوا غَنَائِمَ كَثِيْرَةً وَ أَسْرَعُوا الرَّجْعَةَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَّا لَمْ يَخْرُجْ مَا رَأَيْنَا بَعْثًا أَسْرَعَ رَجْعَةً وَّلَا أَفْضَلَ غَنِيْمَةً مِنْ هٰذَا الْبَعْثِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى قَوْمٍ أَفْضَلَ غَنِيْمَةً وَّ أَفْضَلَ رَجْعَةً قَوْمًا شَهِدُوْا صَلٰوةَ الصُّبْحِ ثُمَّ جَلَسُوْا يَذْكُرُوْنَ اللهَ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَأُولٰٓئِكَ أَسْرَعُ رَجْعَةً وَّ أَفْضَلُ غَنِيْمَةً۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّحَمَّادُ ابْنُ أَبِيْ حُمَيْدٍ الرَّاوِيُّ هُوَ ضَعِيْفٌ فِي الْحَدِيْثِ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ نجد کی طرف ایک لشکر روانہ کیا یہ بہت سا مال غنیمت لایا اور جلد ہی واپس آیا ہم میں سے ایک شخص بولا جو ان میں نہ گیا تھا کہ ہم نے کوئی ایسا لشکر نہیں دیکھا جو اس لشکر سے جلدی واپس لوٹا ہو اور غنیمت بھی زیادہ لایا ہو [illegible] علیہ وسلم نے [illegible] غنیمت [illegible] پھر سورج نکلنے تک [illegible] جلدی لوٹنے والے اور زیادہ غنیمت [illegible] والے ہیں۔

ترمذی نے اور کہا یہ حدیث غریب ہے اور حماد بن حمید راوی حدیث میں ضعیف ہے۔

لے نجد مشہور علاقہ ہے جو تہامہ سے حجاز تک پھیلا ہوا ہے۔ نجد دراصل بلند زمین کو کہتے ہیں۔

لے جو ایک گھڑی میں بے حد و شمار ثواب حاصل کر لیتے ہیں۔

۵ بخاری نے کہا منکر الحدیث ہے۔ ابن معین نے کہا کہ اس کی حدیث کوئی چیز نہیں۔ اور نسائی نے کہا کہ ثقہ نہیں ہے۔

بَابُ مَا لَا يَجُوْزُ مِنَ الْعَمَلِ فِي الصَّلٰوةِ وَمَا يُبَاحُ مِنْهُ

ان کاموں کا باب جو نماز میں ناجائز ہیں

اور جو مباح ہے

تشریح

یعنی یہ باب ان احادیث کے بیان میں ہے جن میں یہ وضاحت آئی ہے کہ فلاں فلاں کام نماز میں ناجائز ہے۔ بعض نسخوں میں "وَمَا يُبَاحُ مِنْهُ" کا لفظ بھی آیا ہے یعنی اور وہ کام جن کا نماز میں کرنا مباح اور جائز ہے۔

واضح ہو کہ بعض کام ایسے ہیں جو نماز کو فاسد کر دیتے ہیں۔ اور بعض کام مکروہ ہیں اور بعض مباح ہیں ان کی پوری تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ اس نماز میں عمل کثیر نماز کو فاسد کر دیتا ہے لیکن عمل کثیر کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں جو کام ایک ہاتھ سے کیا جا سکے وہ قلیل ہے۔ اور جس کام کے کرنے میں دونوں ہاتھ مصروف کرنے پڑیں وہ کثیر ہے۔ یعنی جس کام کے سرانجام دینے میں عادۃً دونوں ہاتھ استعمال ہوتے ہوں جیسے دستار باندھنا۔ کرتہ اتارنا۔ اور تہبند باندھنا اور کمان سے تیر پھینکنا کہ یہ کام نماز کے اندر اگر ایک ہاتھ سے بھی کرے گا تو نماز ٹوٹ جائے گی اور وہ عمل جو عادۃً ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہے جیسے تہبند اوپر اٹھانا۔ اور ٹوپی سر پر رکھنا اگر یہ عمل دونوں ہاتھوں سے بھی کرے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی مگر اکثر علماء نے عمل کثیر کی اس تفسیر کو اختیار کیا ہے کہ اگر نمازی کی حالت یہ ہو کہ دور سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ نماز نہیں پڑھ رہا تو عمل کثیر ہے اور اگر دیکھ کر شک میں پڑ جائے اور شک کرے کہ نماز میں ہے یا نہیں۔ تو وہ عمل قلیل ہے۔

اور بعض کے نزدیک عمل کثیر کی مختار تفسیر یہ ہے کہ تین بار لگاتار ایک فعل کرنا عمل کثیر ہے اور اس سے کم عمل قلیل ہے جیسا کہ شمنی نے ذکر کیا ہے اور کتاب خلاصہ سے نقل کیا کہ اگر ایک شخص ایک آدمی کی امامت کر رہا ہو اس دوران تیسرا آدمی آ گیا اور امام اتنی مقدار آگے بڑھا جتنا فاصلہ امام اور صف اول کے درمیان ہوتا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر نماز کے اندر اتنی مقدار چلا جتنا فاصلہ ایک صف کے درمیان ہوتا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر دو صف کے مقدار یک بارگی چلا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ایک صف کی مقدار چلا اور کھڑا ہو گیا پھر ایک صف کی مقدار اور چلا اور کھڑا ہو گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور فتاویٰ ظہیریہ سے نقل کیا کہ مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ اگر بار بار عمل کیا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور حاشیہ شمنی میں علامت ظہیریہ سے لکھا کہ اگر نماز کے دوران اس جگہ دھوپ آ جائے۔ اور تپش محسوس ہونے لگے۔ اس تپش سے بچنے کے لیے سایہ کی جانب ایک دو قدم چل آئے تو فاسد نہ ہوگی۔

الْأَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَوْلُهُ لٰكِنِّي سَكَتُّ هٰكَذَا وَجَدْتُّ فِي صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَصُحِّحَ فِي جَامِعِ الْأُصُوْلِ بِلَفْظَةِ كَذَا فَوْقَ لٰكِنِّيْ۔

پیغمبر خط کھینچتے تھے۔ جس کا خط ان کے موافق ہو گا تو درست ہے[11]۔ (مسلم شریف) اور ان کا قول "میں خاموش ہو گیا" میں نے صحیح مسلم میں یوں ہی پایا۔ اور کتاب حمیدی[12] میں ہے کہ جامع الاصول میں لکنی کے اوپر لفظ کذا سے صحیح کہا[13]

[1] معاویہ بن الحکم۔ دو زبروں کے ساتھ صحابی ہیں۔ قبیلہ بنو سلیم میں سے ہیں۔ اہل حجاز میں شمار ہوتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں قیام رہا۔

[2] اور رمانی کے لفظ میں جو رمی سے مشتق ہے شدت اور حدت نگاہ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی انہوں نے مجھے تیز تیز نگاہوں سے دیکھا کہ تو نماز کی حالت میں چھینک کا جواب دے رہا ہے۔

[3] یعنی میری ماں کا واسطہ کا فوت ہونے پر افسوس۔ ثکل ثا کی پیش کاف ساکن اور اس کی پیش اور دونوں زبروں کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی لڑکے کا مرنا یا اس کے دوست یا کسی اور عزیز کا مرنا اور یہ وہ لفظ ہے جسے عرب لوگ تعجب کے وقت اور کبھی امر کو بعید از عقل جانتے ہوئے استعمال کرتے ہیں۔

[4] یعنی میں نے اپنے دل میں کہا۔

[5] یعنی بزعم خود اظہار تعجب و انکار اور مجھ پر اعتراض کرنے کے لیے۔

[6] یعنی میں نے سمجھ لیا کہ مجھے خاموش کرنے کے لیے اشارہ کر رہے ہیں، اور میری اس حرکت پر انکار کر رہے ہیں۔ تو میری حالت متغیر ہو گئی اور مجھے غصہ آ گیا کیونکہ میں اپنے فعل کی قباحت سے بے خبر تھا اور وہ حضرات میری حرکت پر شدت سے اظہار نفرت کر رہے تھے اور میں نے چاہا کہ انہیں کوئی جواب دوں اور ان سے انتقام لوں۔ لیکن میں خاموش رہا اور اپنے غصے کو استعمال میں نہ لایا۔

[7] کہر کا معنی ہے کسی پر سختی کرنا۔ غصے میں چلا کر بات کرنا اور کسی کو ذلیل و خوار سمجھتے ہوئے اس سے ترش روئی سے پیش آنا۔ اور قرآن پاک میں آتا ہے فاما الیتیم فلا تقہر۔ تو یہاں فلا تکہر بھی پڑھا گیا ہے۔

[8] یعنی یہ نماز کے پڑھنے اور ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں لوگوں جیسی باتیں کرنا ٹھیک اور روا نہیں ہے۔ اور لوگوں جیسی باتیں کرنے سے مراد ایسی باتیں ہیں جن میں انسانوں کو مخاطب کیا جاتا ہے اور ان سے کوئی چیز طلب کی جاتی ہے۔ علماء کرام مسائل میں یہ مسئلہ لاتے ہیں کہ اگر ایک شخص نماز میں ہو اس سے لوگ دریافت کریں کہ تیرے پاس کس قسم کا مال ہے اور وہ جواب میں کہے الخیل والبغال والحمیر کہ یہ قرآن مجید کے کلمات ہیں۔ یا کسی آدمی

نے سامنے ایک کتاب رکھی ہو اور ایک شخص یحییٰ نامی پاس کھڑا ہو اور وہ کتاب والا کہے یا یحییٰ خذ الکتاب [illegible] اس کی مراد معنی کا فائدہ دینا ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر قراءت کا ارادہ ہو تو فاسد نہ ہوگی۔

ف۹ اور انسانوں کے کلام کی جنس سے نہیں۔ چنانچہ اگر ایک آدمی نے قسم کھائی کہ وہ بات نہ کرے گا پھر تسبیح یا تکبیر کہے یا قرآن پڑھے تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی۔

ف۱۰ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ کہے یا دوسرے الفاظ کہے جن کا معنی بھی یہی تھا۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ چھینک والے کو جواب دینا یعنی نماز میں یرحمک اللہ کہنا ناجائز و حرام اور مفسد نماز ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو نماز دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہ دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شخص اس مسئلے سے ناواقف تھا کہ نماز میں کلام کرنے کا جواز منسوخ ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس نے معذرت بھی کی کہ میں دور جاہلیت سے ابھی ابھی نکلا اور اسلام لایا ہوں۔ مجھے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرنا کیونکہ مجھے پتہ نہ تھا کہ نماز میں کلام کرنا حرام ہے اور نماز کو توڑ دیتا ہے۔ مجھے تو اب اس کا علم ہوا ہے۔

اور امام شافعی اور امام ابو یوسف کے نزدیک اگرچہ نماز میں چھینک کا جواب دینا حرام ہے مگر اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ رحمت و مغفرت کی دعا ہے۔ (یعنی کلمہ یرحمک اللہ) اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لوٹانے کا حکم نہ دیا۔

شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے کہا اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہے یرحمک اللہ تو نماز فاسد نہ ہوگی [illegible] یرحمنی اور اگر چھینک مارنے والا اپنے دل میں الحمد للہ کہے تو ظاہر روایت کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی [illegible] سے ایک روایت کے مطابق یہ بات اس وقت ہے کہ بول کر جواب دے [illegible] تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

ف۱۱ کاہن عرب میں ایسے لوگوں کی جماعت تھی جو جنات، شیاطین [illegible] وہ شیاطین وغیرہ ان پر جھوٹی اور جھوٹی باتوں کا القاء کرتے تھے پھر [illegible] کی خبریں دیتے تھے۔ اس کا مفصل بیان بَابُ الْکَہَانَۃِ میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

ف۱۲ یعنی جب کہ تو مشرف بہ اسلام ہو چکا ہے۔ تو کاہنوں کے پاس [illegible]

ف۱۳ یعنی بد فالی اور بد شگونی کے قائل ہیں۔ اور اس عقیدے سے [illegible] جانب اڑ کر جائیں تو اس کام کو نیک اور اچھا خیال کرتے ہیں۔ اور جو کام [illegible] بائیں جانب کو اڑ کر جائیں تو اسے برا خیال جانتے ہیں۔ اور وہ کام [illegible] اس کے بعد اسلام میں ہر طریقہ سے اور ہر قسم کی بد فالی ممنوع ہے۔ اس کی مزید تفصیل باب [illegible] آ رہی ہے۔

ﷺ یعنی یہ وہم و نحوست کی بات ہے جو ان کے دلوں میں آتی ہے۔ لہٰذا چاہیے کہ وہ اس فال کی بنا پر اس کام سے نہ رکیں جو وہ کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ سب کچھ قدرت الٰہی سے ہوتا ہے اور موثر حقیقی صرف وہ ذات ہے۔ اگر دل میں خلجان اور وہم گزرے تو خدا تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس وہم و خلجان سے گزر جانا چاہیے اور اس موقعہ پر وہ ماثور دعا پڑھنی چاہیے جو ایسے موقعہ کے لیے ہے۔ جیسا کہ دعاؤں کے باب میں اس کا ذکر آئے گا۔

ﷺ اس سے علم رمل کی جانب اشارہ کیا کہ بعض لوگ علم رمل کے لیے خط کھینچتے ہیں اور ان سے بعض احکام اور غیب کے حالات معلوم کرتے ہیں۔

ﷺ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبیوں میں سے ایک نبی خط کھینچتے تھے۔ مراد حضرت ادریس ہیں یا حضرت دانیال علیہما السلام۔

ﷺ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے صراحتہً ممانعت اس لیے نہ فرمائی کیونکہ اس عمل کی نسبت بعض انبیاء کی طرف ہے۔ ان کی نبوت کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ باوجود یکہ انبیاء کی شریعتوں میں اختلاف بھی ہے۔ اور وہ منسوخ بھی ہو گئی ہیں۔

یہیں سے بعض لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے علم رمل کو مباح قرار دیتے ہیں۔ مگر اکثر علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث سے اس کی اباحت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نبی کے خط کے موافق و مطابق ہونے کے ساتھ مقید کیا اور اس کے ساتھ مطابق کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی علم اور ذریعہ نہیں کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ علم رمل کا یہ خط اس نبی کے خط کے مطابق ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور علمائے سلف رحمہم اللہ تعالیٰ سے رمل کی اشکال و خطوط کے ساتھ مشغول ہونے کی کوئی نص و روایت نہیں آئی۔ لہٰذا حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهٗ فَذَاكَ اور اس عمل سے باز رکھنے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ آج کے لوگ اس نبی کے خطوط سے اپنے خطوط و اشکال موافق کرنے سے عاجز ہیں تو اس طریقہ سے حاصل ہوا کہ اس کا حکم شریعت اسلامی میں ممنوع و ناروا ہے اور یہی درست بات ہے۔ تکسیر کی مختلف شکلیں اور اعمال کے حصول و ہدایت کا یہی یقین سے آراستہ بزرگوں اور محققین مشائخ کے نزدیک یہی حکم ہے (کہ یہ سب کچھ ممنوع ہے) جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

مَلْفِقِ الْعَوِيْ وَاَشْكَالَهٗ
وَوَافِقِ النَّسَّاجَ وَاَمْثَالَهٗ

ترجمہ: یعنی رمل اور اس کی اشکال (ورمل) سے الگ ہو جا۔ اور حضرت نساج رحمۃ اللہ علیہ اور ان جیسے صدار سیدہ حضرات کی موافقت و مطابقت اختیار کر۔

شیخ ابو العباس بونی وہ ہیں جو علم تکسیر کے اسرار کے اہل دعوت و ماہرین سے ہیں اور حروف کے خواص بیان کر گئے ہیں۔
ظاہر یہ ہے کہ نساج سے شیخ ابو بکر نساج رحمۃ اللہ مراد ہیں۔ جو شیخ ابو العباس بونی رحمہم اللہ کے ہم عصر ہو گئے ہیں۔

۵ اس حدیث کے ابتداء میں لفظ لکنی سکت جو مذکور ہوا ہے۔ اس کے بارے میں حضرت مولف فرماتے ہیں کہ میں نے صحیح مسلم شریف کے متن اور کتاب حمیدی میں جو صحیحین (بخاری و مسلم) کی جامع ہے، اسی طرح پایا ہے۔ حضرت مولف رحمۃ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس لفظ لکنی سکت کی تصحیح لفظ کذا کے ساتھ جامع الاصول میں کر دی گئی ہے۔ یہ جامع الاصول صحاح ستہ کی جامع ہے اور لفظ کذا لکنی سے پہلے لایا گیا ہے یہ لفظ کذا تصحیح کی علامت ہے۔ یہ دستور ہے کہ جب کسی لفظ پر صحت کا نشان لگانا چاہیں جس کی عدم صحت کا گمان ہوتا ہے تو اس سے پہلے لفظ کذا لکھتے ہیں جیسے لفظ صاد یا لفظ صح لکھتے ہیں مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ اصول کی کتابوں میں اسی طرح واقع ہوا ہے اور صحیح ہے اس کے متعلق نہ صحیح ہونے کا گمان درست نہیں ہے۔ اور لکنی کا لفظ لکنی سکت میں زائد معلوم ہوتا ہے یعنی اس قدر الفاظ کافی ہیں فلما رأیتہم یصمتونی لکنی سکت (یعنی جب میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کر رہے ہیں تو میں خاموش ہو گیا) اور مصابیح میں بھی یہ لفظ نہیں ہے۔ اور اس کی توجیہ کے لیے مقدر عبارت کا اعتبار کرنا پڑتا ہے جیسا کہ ترجمہ میں اس جانب اشارہ کر دیا گیا ہے۔ اسے خوب سمجھو۔

۹۱۶/۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فِي الصَّلٰوةِ فَتَرُدُّ عَلَيْنَا فَقَالَ إِنَّ فِي الصَّلٰوةِ لَشُغْلًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے [illegible]

۱ جو ملک حبشہ کا بادشاہ تھا۔ اور صحابہ کرام نے کفار مکہ کے شر سے بچنے کے لیے حبشہ کی جانب ہجرت کی [illegible] نجاشی کے پاس پہنچے تھے۔ اس نجاشی کو چونکہ اپنی مذہبی کتابوں توراۃ و انجیل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں پیشگی علم ہو چکا تھا اور یہ شخص پہلے عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ حبشہ میں صحابہ کی تشریف آوری کی بدولت مشرف بہ اسلام ہو گیا اور اس نے صحابہ کرام کے اس کے ملک میں آنے کو غنیمت جانتے ہوئے ان کی بڑی خدمت کی اور اسلام دوستی کا حق ادا کر دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تحفے اور ہدیے ارسال کیے۔ نجاشی نون کی زبر کے ساتھ۔ بعض نے نون کی

زیر کے ساتھ بھی نقل کیا ہے۔ اور صاحب قاموس نے نون کی زیر کے ساتھ افصح قرار دیا ہے اور جیم مخفف کے ساتھ اور یہ بھی افصح ہے۔ اور تشدید یا کے ساتھ کہا گیا ہے کہ یا مخفف درست اور صحیح ہے۔ ابن تمین نے کہا۔ یا ساکن ہے کیونکہ وہ اصلی ہے یا نسبت نہیں ہے۔ اور صاحب قاموس نے تشدید کے ساتھ بھی درست قرار دیا ہے۔ مگر تخفیف کو افصح کہا۔ یہ نجاشی ۹ھ میں انتقال کر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے ساتھ اس کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی مگر فی الحقیقت غائبانہ نہ تھی کیونکہ حضرت جبرئیل نے ان کی لاش اٹھا کر حضور کے سامنے رکھ دی تھی۔ کما فی الحدیث)

۲؎ اپنی پرانی عادت کے مطابق۔

۳؎ یعنی اس بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سلام کا جواب نہ دیا۔

۴؎ نماز میں مصروفیت و مشغولیت ہے کہ نماز خدا تعالیٰ کے ساتھ مناجات اور عبودیت میں اشتغراق کا مقام ہے۔ مقصود یہ ہے کہ سلام کے جواب کے طور پر گفتگو کرنا بھی لوگوں کے ساتھ کلام کرنے کے مانند ہے پہلے ایسا کرنا مباح تھا۔ مگر اب یہ منسوخ ہو چکا ہے۔

۹۶۱ وَعَنْ مُعَيْقِيبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ يُسَوِّي التُّرَابَ حَيْثُ يَسْجُدُ قَالَ إِنْ كُنْتَ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت معیقیب[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ اس شخص کے بارے میں جو سجدہ کی جگہ کی مٹی برابر کرے فرمایا اگر تمہیں کرنا ہے تو صرف ایک بار کرو۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ معیقیب میم کی پیش، عین کی زبر یا ساکن قاف کی زیر یا اور دوسری یا کی جزم کے ساتھ۔ آپ صحابی ہیں۔ مکہ معظمہ میں ایمان لائے۔ حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ اور وہیں ایک عرصہ تک مقیم رہے تا آنکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مدینہ منورہ میں حاضر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی ان کے سپرد ہوتی تھی اور اسے حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما بیت المال کے لیے استعمال کرتے تھے۔ کاتب تھی کہا کہ آپ بدری تھے۔ جذام کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بیت کے اور انہیں کے دور خلافت میں فوت ہو گئے۔ بعض نے کہا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فوت ہوئے۔ ایک معیقیب اور ہیں وہ تابعی ثقہ ہیں۔ جو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے اعمش روایت کرتے ہیں۔

۲؎ یعنی ایسا نہ کرو اور اگر کرنا ضروری ہو تو پھر صرف ایک بار کرو زیادہ دفعہ نہ کرو۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ بار سے اس لیے منع کیا کہ اس سے نماز فاسد یا مکروہ ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ عمل کثیر کی تفسیر پر مبنی ہے اور یہ تفسیر گزشتہ صفحہ میں گزر چکی ہے۔

۹۱۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ فِی الصَّلٰوۃِ فَقَالَ ہُوَ اخْتِلَاسٌ یَخْتَلِسُہُ الشَّیْطٰنُ مِنْ صَلٰوۃِ الْعَبْدِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا فرمایا وہ اچک لینا ہے کہ شیطان بندے کی نماز میں سے اتنا حصہ اچک لیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

ف واضح ہو کہ ادھر ادھر متوجہ ہونا اس وقت مکروہ ہے جب کہ گردن اور چہرہ اس قدر پھیرے کہ کعبہ شریف سے چہرہ مڑ جائے اور اگر سینہ بھی اس قدر پھیر لے کہ مکمل طور پر کعبہ سے مڑ جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور صرف آنکھ کے ایک گوشہ سے دیکھنا جسے ملاحظہ کہتے ہیں یہ نہ مفسد نماز ہے نہ مکروہ۔ مگر نماز میں بار بار ایسا نہ کرے اور اپنی عادت نہ بنائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے کہ آپ گوشہ چشم سے مقتدیوں کے حالات ملاحظہ فرماتے تھے۔ مگر اس حدیث کی صحت میں کلام ہے کسی شخص نے حضرت امام احمد رحمۃ اللہ سے پوچھا کہ بعض علماء صرف با اسناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ گوشہ چشم سے ادھر ادھر دیکھتے تھے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کا سختی سے رد کیا غصہ سے آپ کی حالت بدل گئی اور آپ پر لرزہ طاری ہو گیا اور آپ نے زور زور سے بولنا شروع کر دیا۔ اور فرمایا اس حدیث کا اسناد صحیح نہیں ہے۔

۹۲۰ وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیَنْتَہِیَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ رَفْعِہِمْ اَبْصَارَہُمْ عِنْدَ الدُّعَاءِ فِی الصَّلٰوۃِ اِلَی السَّمَاءِ اَوْ لَتُخْطَفَنَّ اَبْصَارُہُمْ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو چاہیے کہ نماز میں دعا مانگتے وقت [illegible] آسمان کی طرف [illegible] ورنہ ان کی آنکھیں اچک لی جائیں گی۔

ف یعنی لوگوں کو چاہیے کہ نماز میں آسمان کی طرف نگاہیں بلند کرنے سے باز آ جائیں [illegible] گے تو ان کی آنکھیں اچک لی جائیں گی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں [illegible] سر مبارک اٹھایا کرتے تھے جب حق سبحانہ وتعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا۔ جو لوگ اپنی نمازوں میں خشوع (عجز و تواضع اختیار کرتے ہیں) تو آپ نے سر مبارک نیچے کر لیا۔

۹۲۱ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَؤُمُّ النَّاسَ وَاُمَامَۃُ بِنْتُ اَبِی الْعَاصِ عَلٰی عَاتِقِہٖ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی امامت کراتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت ابو العاص کی بیٹی آپ کے

تَنْظُرُوْا اِلَیْهِ کُلُّکُمْ فَذَکَرْتُ دَعْوَةَ اَخِیْ سُلَیْمَانَ رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ فَرَدَدْتُهٗ خَاسِئًا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

کہ تم سب لوگ اسے دیکھو مگر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آ گئی یعنی رَبِّ ھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ (یا رب مجھے ایسی حکومت و سلطنت عطا[۳] کر جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو) تو میں نے اسے چھوڑ دیا اور وہ ناکام و نامراد چلا گیا۔ (بخاری و مسلم)

[۱] یعنی ان خبیث جنات میں سے ایک جن کہیں سے چھوٹ کر آ گیا جنہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے بند کر دیا تھا۔

[۲] عفریت عین کی زیر فا کی جزم اور ایک روایت کے مطابق را کی شد کے ساتھ بھی آیا ہے بمعنی قوی سرکش ظالم شیطان ۔ عفارہ سے مشتق ہے بمعنی خبث و شیطنت ۔ بعض کہتے ہیں کہ عفر و تعفیر سے مشتق ہے ۔ بمعنی خاک میں لوٹنا اور دوسرے کو خاک میں لوٹانا یعنی وہ شیطان جو اپنے ساتھی کو خاک پر گرا دیتا ہے۔

[۳] اس ملک سے جنات و شیاطین کی تسخیر اور ان پر تصرف و تسلط کرنا مراد ہے اور جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی ۔ اور اس ملک (تسخیر جنات) کو اپنے لیے مخصوص کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چاہا کہ اس تصرف کا اظہار کریں اور ملک سلیمان میں مداخلت نہ کریں ورنہ فی الحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تصرف و قدرت اور سلطنت کی قوت حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہیں بڑھ کر تھی کہ جن و انس کے ملک و ملکوت بلکہ تمام جہان خدا تعالیٰ کی تقدیر و تصرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت و تصرف کے احاطہ میں ہیں[۱]۔

۹۳۴ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَابَهٗ شَیْءٌ فِیْ صَلٰوتِهٖ فَلْیُسَبِّحْ فَاِنَّمَا التَّصْفِیْقُ لِلنِّسَاءِ ۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ التَّسْبِیْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِیْقُ لِلنِّسَاءِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے نماز میں کوئی حادثہ پیش آ جائے اسے چاہیے کہ تسبیح[۱] کہے تالی بجانا تو عورتوں کے لیے ہے۔ اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ تسبیح مردوں کے لیے اور تالی بجانا عورتوں کے لیے ہے۔ (بخاری و مسلم)

---

[۱] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مافوق الاسباب قدرت تصرف کے عقیدہ کو کفر و شرک قرار دینے والے (موحدین) حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا بغور مطالعہ کریں ۔ مترجم غفرلہ۔

لے مثلاً دورانِ نماز کوئی اسے بلائے یا اس سے اندر آنے کی اجازت طلب کرے اور اس اجازت طلب کرنے والے کو پتہ نہ ہو کہ وہ نماز میں ہے۔

۲ یعنی نمازی کو چاہیے کہ سبحان اللہ کہے تاکہ اس بلانے والے یا اجازت طلب کرنے والے کو پتہ چل جائے کہ وہ نماز میں ہے۔ یہ نمازی زبان سے سبحان اللہ کہے ہاتھ سے تالی نہ بجائے کہ یہ فعل عورتوں کے لائق ہے مردوں کے عزت و وقار کے لیے مناسب نہیں۔

۳ اس تالی اور تصفیق کی شکل یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مارے ہتھیلی کو ہتھیلی پر کھیل کے طور پر نہ مارے اگر ایسا کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ کذافی شرح مسلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۹۲۵ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کُنَّا نُسَلِّمُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ فِی الصَّلٰوۃِ قَبْلَ اَنْ نَّاْتِیَ اَرْضَ الْحَبْشَۃِ فَیَرُدُّ عَلَیْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ اَرْضِ الْحَبْشَۃِ اَتَیْتُہٗ فَوَجَدْتُہٗ یُصَلِّیْ فَسَلَّمْتُ عَلَیْہِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ حَتّٰی اِذَا قَضٰی صَلٰوتَہٗ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ مِنْ اَمْرِہٖ مَا یَشَآءُ وَاِنَّ مِمَّا اَحْدَثَ اَنْ لَّا تَتَکَلَّمُوْا فِی الصَّلٰوۃِ فَرَدَّ عَلَیَّ السَّلَامَ وَقَالَ اِنَّمَا الصَّلٰوۃُ لِقِرَآءَۃِ الْقُرْاٰنِ وَذِکْرِ اللّٰہِ فَاِذَا کُنْتَ فِیْھَا فَلْیَکُنْ ذٰلِکَ شَاْنُکَ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

دوسری فصل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ حبشہ جانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے حالانکہ آپ نماز میں ہوتے تھے تو آپ ہم کو سلام کا جواب دیتے تھے پھر جب ہم لوگ سرزمین حبشہ سے واپس ہوئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو نماز پڑھتے پایا میں نے آپ کو سلام کیا تو مجھے آپ نے جواب نہ دیا حتی کہ جب نماز پوری کی تو فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں جو چاہتا ہے نیا حکم دیتا ہے ان میں سے یہ نیا حکم دیا ہے کہ نماز میں کلام نہ کرو پھر آپ نے مجھے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ نماز قرآن پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ہے جب تم نماز میں ہو تو تمہاری یہی شان ہونا چاہیے۔

(ابوداؤد شریف)

لے یعنی ملک حبشہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے۔

۹۴۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قُلْتُ لِبِلَالٍ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِيْنَ كَانُوْا يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ كَانَ يُشِيْرُ بِيَدِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ـ وَفِيْ رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ نَحْوُهٗ وَعِوَضُ بِلَالٍ صُهَيْبٌ ـ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت بلال سے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کیسے جواب دیتے تھے جب کہ وہ آپ کو نماز میں سلام کرتے تھے فرمایا اپنے ہاتھ سے اشارہ[1] کرتے تھے۔ (ترمذی)

اور نسائی کی ایک روایت میں بھی اسی طرح ہے اور بجائے بلال کے صہیب[2] ہے۔

لہ اس اشارے کا یہ طریقہ تھا کہ ہتھیلی مبارک کو پھیلاتے پھر ہتھیلی کو نیچے کی طرف گھماتے اور پشت کو اوپر کی طرف اٹھاتے یعنی بایاں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی کی حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور کبھی صرف انگلی کے اشارہ پر کفایت کرتے جیسا کہ ان تینوں محدثین نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور صاحب سفر السعادۃ نے کہا ہے کہ کبھی آپ سر مبارک سے اشارہ کرتے تھے مگر ہم نے یہ بات کسی حدیث میں صراحۃً نہیں پائی اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ سلام کا جواب دینا سر اور آنکھ کے اشارہ سے جائز ہے مگر اس بارے میں کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ واللہ اعلم۔

باقی رہی یہ بات کہ اس طریقہ پر سلام کا جواب دینا نسخ سے پہلے تھا یا نسخ کے بعد اور یہ کہ صرف کلام سے سلام کا جواب دینا منسوخ ہوا اور ہاتھ وغیرہ سے جواب دینا منسوخ نہیں ہوا؟ ظاہر یہی ہے کہ صرف کلام سے جواب دینا منسوخ ہوا۔

لے یعنی نسائی کی روایت میں بلال کی جگہ صہیب واقع ہوا ہے۔ یعنی ترمذی کی روایت میں تو اس طرح آیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا اور نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے یہ سوال حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے کیا۔ یہ اختلاف اس امر کا احتمال رکھتا ہے کہ آپ نے دونوں حضرات سے دریافت کیا ہو جیسا کہ شرح الشیخ میں مذکور ہے۔ ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں جو کچھ مذکور ہے یہ ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا میرا گذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہوا جب کہ آپ نماز ادا فرما رہے تھے میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے انگلی کے اشارے سے اس کا جواب دیا، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت بلال سے سوال کرنے کا ذکر حضرت بلال کی حدیث میں ہے۔

۹۴۴ وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز

عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ فَعَطَسْتُ فَقُلْتُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَ يَرْضٰى فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ انْصَرَفَ فَقَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ فِي الصَّلٰوةِ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِيَةَ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّالِثَةَ فَقَالَ رِفَاعَةُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدِ ابْتَدَرَهَا بِضْعَةٌ وَّثَلٰثُوْنَ مَلَكًا اَيُّهُمْ يَصْعَدُ بِهَا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَ النَّسَائِيُّ.

پڑھی۔ مجھے دوران نماز چھینک آگئی تو میں نے چھینک کر کہا۔ الحمد للہ حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ مبارکًا علیہ کما یحب ربنا ویرضیٰ۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں بہت تعریفیں اور طیب و پاکیزہ حمدیں برکت والی اور ان پر برکت والی جیسی ہمارا رب چاہیے اور جن سے ہمارا رب راضی اور خوش ہو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی اور پھرے تو فرمایا نماز میں کلام کرنے والا کون تھا۔ کوئی نہ بولا۔ آپ نے پھر دوبارہ یہی فرمایا مگر کوئی نہ بولا۔ پھر تیسری مرتبہ یہی فرمایا تو حضرت رفاعہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ہوں۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس میں تیس اور چند فرشتوں نے جلدی کی کہ کون انہیں لے کر چڑھے۔
(ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)

ف۱ رفاعہ را کے کسرہ کے ساتھ۔

ف۲ مبارکا فیہ یعنی برکت والی حمد و ثنا مبارکا علیہ یعنی حمد و ثنا کرنے والے پر برکت کا نزول ہو۔

ف۳ یعنی وہ حمد و ثنا اور وہ حمد و ثنا کرنے والا جو خدا تعالیٰ کے لیے پسندیدہ ہو اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔

ف۴ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈانٹ اور زجر کے خوف سے کوئی نہ بولا۔

ف۵ یعنی جب اس امر کی ضرورت محسوس کی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا جواب دیا جائے تو حضرت رفاعہ بولے۔

ف۶ کہ کون ان کلمات کو اٹھا کر بارگاہ الہٰی کے حضور مقام قبولیت میں لے جاتے ہیں۔

ف۷ اس حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ چھینکنے والا اگر دوران نماز حمد کے الفاظ زبان سے ادا کرے اگرچہ بلند آواز سے کہے نماز فاسد نہ ہوگی۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ نمازی اگر دل میں حمد و ثنا کرے لب نہ ہلائے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر لب ہلا کر حمد و ثنا کرے گا تو نماز ٹوٹ جائے گی اور شیخ موصوف اس حدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث اس وقت سے تعلق رکھتی ہے جب کہ نماز میں ابھی گفتگو کرنے کی ممانعت نہ ہوئی تھی۔

واللہ اعلم۔

۹۲۸ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ التَّثَاؤُبُ فِی الصَّلٰوۃِ مِنَ الشَّیْطَانِ فَاِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَکْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَفِیْ اُخْرٰی لَہٗ وَلِاِبْنِ مَاجَۃَ فَلْیَضَعْ یَدَہٗ عَلٰی فِیْہِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں جمائی شیطان[1] کی طرف سے ہے۔ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو بقدر طاقت اسے روکے[2]۔ ترمذی۔ اور ترمذی کی دوسری روایت میں اور ابن ماجہ میں ہے کہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے۔

[1] کیونکہ جمائی سستی، نیند، بدن کے بوجھل ہونے اور بے ذوقی کا موجب و سبب ہوتی ہے اور شیطان اس سے خوش ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے۔ چھینک کے پسندیدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ قوت دماغ، فرح و نشاط کی علامت ہوتی ہے اور جمائی اس کے برعکس ہے۔ تاہم یہ بھی وارد ہوا ہے کہ بلند اور زور کی چھینک شیطان کی طرف سے ہوتی ہے جیسا کہ حد سے بڑھی ہوئی جمائی بھی ابلیس کی طرف سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھینک کے وقت آواز پست رکھتے تھے اور جمائی کے وقت منہ مبارک بند کر لیتے تھے۔ اس بارے میں مزید گفتگو باب العطاس والتثاؤب میں آرہی ہے۔

[2] کظم کا معنی ہے ہونٹ بند کر لینا اور لبوں کو دانتوں سے پکڑ لینا بھی آتا ہے جیسا کہ گزرا۔ مگر جب کہ حدیث میں منہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر آگیا ہے تو بہتر ہے کہ یہی متعین ہو الا یہ کہ اخبار و آثار میں لب بند کرنے کا ذکر بھی آیا ہو۔

۹۲۹ وَعَنْ کَعْبِ بْنِ عُجْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ اَحَدُکُمْ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَہٗ ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا اِلَی الْمَسْجِدِ فَلَا یُشَبِّکَنَّ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ فَاِنَّہٗ فِی الصَّلٰوۃِ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ۔

حضرت کعب بن عجرہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے اور اچھے طریقے[2] سے وضو کرے۔ پھر مسجد جانے کے ارادے سے نکلے تو انگلیوں میں انگلیاں نہ ڈالے کیونکہ وہ نماز میں ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

[1] عجرہ عین کی پیش اور جیم ساکن سے۔ آپ صحابی ہیں اور اصحاب شجرۃ الرضوان میں سے ہیں۔

[2] یعنی وضو کی شرائط اور اس کے آداب و مستحبات اور پوری توجہ اور حضور سے کرے بزرگ فرماتے ہیں جس قدر وضو میں توجہ، حضور اور اس کے آداب و شرائط کو محفوظ رکھا جائے گا اسی قدر نماز میں حضور اور خشوع و

خضوع نصیب ہوگا۔

سے۳ تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا فریضہ بجا لائے اور تقرب ومناجات حاصل ہو۔

سے۴ تو ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں نہ ڈالے کیونکہ جب وہ نماز کے ارادے سے مسجد کی جانب چل پڑا تو گویا وہ نماز داخل ہوگیا اور یہ عمل نماز میں منع ہے کیونکہ یہ خشوع وخضوع کے خلاف ہے یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جو خشوع وخضوع کے منافی ہو۔ اس حدیث میں اس پر بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ نماز کو جاتے وقت بھی حضورِ قلب اور خشوع وخضوع اور ادب ووقار سے چلے۔

واضح ہو کہ انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کی ممانعت آئی ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شاید اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ ممانعت جھگڑے، فتنے اور ایک دوسرے سے دست وگریبان ہونے کی علامت ہے۔ اسی لیے جب ایک موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر کیا تھا تو تشبیک اصابع (انگلیوں میں انگلیاں ڈالی تھیں) کیا تھا۔ پوشیدہ نہ رہے کہ تشبیک اصابع آپس میں اتفاق واتحاد کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں (بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب) کو خمس مال دینے کے باب میں مذکور ہوا ہے۔ نہی کا [illegible] یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ چیز خشوع وخضوع کی حالت کے خلاف اور نامناسب ہے۔ اسی وجہ سے اس ممانعت کو نماز کے لیے جانے کی حالت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تشبیک [illegible] پھر اس باب میں دو حدیثیں درج کیں جو اس کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ علماء نے [illegible] ممنوع ہے جب کہ یہ عبث اور فضول طور پر ہو اگر کسی تمثیل یا معنیٰ کا فائدہ پہنچانے کی غرض سے ہو تو جائز ہے جیسا کہ فتنوں کے ذکر میں بیان ہوا۔

۹۳۰/۱۹ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مُقْبِلًا عَلَی الْعَبْدِ وَهُوَ فِیْ صَلٰوتِهٖ مَالَمْ یَلْتَفِتْ فَاِذَا الْتَفَتَ انْصَرَفَ عَنْهُ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] رہتا ہے [illegible] جب بندہ ادھر ادھر دیکھنے لگتا ہے [illegible] تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اعراض کر لیتا ہے۔

(احمد، ابوداؤد، نسائی)

(دارمی)

سے۱ اور لطف وعنایت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا رہتا ہے جب کہ بندہ نماز میں ہوتا ہے۔

سے۲ اور اس سے اپنی نگاہِ لطف وعنایت پھیر لیتا ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک

حدیث روایت کی اور امام ترمذی نے اسے صحیح بھی قرار دیا کہ بندہ جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے عزت و کرامت والے چہرہ سے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جب بندہ نماز میں خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے ادھر ادھر اپنا دھیان منتشر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم کے بیٹے تو کسے دیکھتا ہے۔ مجھ سے بہتر کوئی اور ہے کہ مجھے چھوڑ کر تو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اپنا رخ میری طرف کر۔ جب بندہ یہ فرمانے پر دوسری بار بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ پھر اسی طرح فرماتا ہے تیسری بار پھر اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے اور بندہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنا رخ اس کی طرف سے پھیر لیتا ہے۔ ایک شاعر نے اس مفہوم کو یاں مجاز میں اس طرح ادا کیا ہے۔ ؎

آمد سحر آں دلبر خونیں جگراں ما — گفتا اے تو بر خاطر من بار گراں

شرمت بادا کہ من بسویت نگراں — با چشم تو نہی چشم بسوئے دگراں

ترجمہ۔ خونیں جگر دلبر صبح کے وقت تشریف لایا اور کہا میرا دل تجھ سے بڑے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔

تجھے شرم کرنی چاہیے کہ میں تیری طرف دیکھ رہا ہوں مگر تو نے اپنی نگاہ دوسروں کی طرف لگا رکھی ہے۔

۹۳۶ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَنَسُ اجْعَلْ بَصَرَكَ حَيْثُ تَسْجُدُ - رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي سُنَنِ الْكَبِيْرِ مِنْ طَرِيْقِ الْحَسَنِ عَنْ اَنَسٍ يَرْفَعُهُ -

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس اپنی نگاہ سجدہ گاہ پر رکھو۔ اس حدیث کو بیہقی نے اپنے سنن کبیر میں بطریق الحسن عن انس مرفوع روایت کیا۔

لمعات: حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ پوری نماز کے اندر نگاہ سجدہ گاہ پر جمائے رکھنا مستحب ہے۔ شافعیہ کا عمل یہی ہے جیسا کہ آیہ کریمہ ہُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ کی تفسیر میں امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام دلالت کرتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مستحب ہے کہ نمازی کی نگاہ حالت قیام میں سجدہ گاہ پر، رکوع میں پاؤں کی پشت پر سجدے میں ناک پر اور التحیات میں اپنی گود کی طرف ہو۔ ان کا یہ بیان اس کے موافق ہے جو علمائے حنفیہ نے کہا ہے حنفیہ اس میں تھوڑا سا اضافہ یہ کرتے ہیں کہ سلام پھیرتے وقت نگاہ کندھوں کی طرف ہو۔ جیسا کہ نہایہ شرح ہدایہ میں مذکور ہے اور بعض علما نے کہا ہے کہ حرم شریف میں نگاہ کعبہ پر رہنی چاہیے۔ اس جگہ راوی کے ذکر میں اصل کتاب کے اندر خالی سفید جگہ ہے اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ بیہقی نے اپنے سنن کبیر میں بطریق الحسن عن انس مرفوعاً روایت کیا۔

۹۳۷ / ۱۸ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بُنَيَّ اِيَّاكَ وَ الْاِلْتِفَاتَ فِي الصَّلٰوةِ فَاِنَّ

انہیں سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے میرے بیٹے نماز میں ادھر ادھر رخ کرنے سے بچ کیونکہ نماز میں ایسا کرنا

الْإِلْتِفَاتَ فِي الصَّلٰوةِ هَلَكَةٌ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَفِي التَّطَوُّعِ لَا فِي الْفَرِيْضَةِ ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

ہلاکت[2] ہے۔ اگر ایسا کرنا ضروری ہو تو نفل نمازیں کرو[3] نہ کہ فرض نمازیں۔ (ترمذی)

[1] اس طرح کے خطاب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ پر اپنی خاص مہربانی کا اظہار فرمایا کیونکہ ایک تو آپ اس وقت بچے تھے۔ دوسرے وہ پورے صدق واخلاص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور آپ کی محبت سے سرشار تھے۔ آپ (حضرت انس) آٹھ سال کے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اس وقت حاضر ہو گئے۔

[2] کہ نماز میں ادھر ادھر التفات کرنا بندے کے لیے آخرت میں ہلاکت ونقصان کا باعث ہے۔ کیونکہ یہ شیطان کی فرمانبرداری اور درگاہِ حضرت رحمان جل مجدہ سے روگردانی ہے۔ ہَلَکَۃ ھا اور لام کی زبر کے ساتھ یعنی نیست ونابود ہو جانا۔

[3] یعنی اگر ادھر ادھر التفات کرنے سے کوئی چارہ نہ ہو اور تو اپنی نماز کو کامل درجہ پر ادا کرنے کی خواہش نہ ہو تو پھر نفل نمازیں ایسا کرے کہ اس کا معاملہ فرض نماز سے آسان ہے کہ فرض نماز کا اہتمام زیادہ سے کامل وتمام کرنا ضروری ہے۔ گر حقیقت میں نوافل میں نقصان فرض ہی کا نقصان ہے کیونکہ نوافل فرائض ہی کی تکمیل کے لیے ہیں۔

[۹۲۳/۱۹] وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْحَظُ فِي الصَّلٰوةِ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا وَّلَا يَلْوِيْ عُنُقَهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کوئے آنکھوں[1] سے دیکھتے تھے دائیں بائیں اور گردن پیٹھ کے پیچھے نہ موڑتے تھے[2]۔ (ترمذی ونسائی)

[1] یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کی غرض سے نماز میں گوشۂ چشم سے دائیں بائیں دیکھ لیتے تھے اور ایسا دیکھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ یا بعض مقتدیوں کے حالات پر نگاہ ڈالنے کے لیے آپ ایسا کرتے تھے۔ بعض علماء رحمۃ اللہ نے کہا کہ ایسا آپ شاید نماز نفل میں کرتے تھے۔ جیسا کہ گذشتہ حدیث میں گزرا۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ شارع علیہ السلام اگر تعلیم جواز کی غرض سے فعل مکروہ بھی کرے تو وہ مکروہ نہ ہوگا۔

[2] مگر دائیں بائیں سر پھیرنے سے قدرے رخ پیٹھ کی طرف پھر جاتا ہے (اس میں غور کرو) اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکروہ گردن کا موڑنا ہے گوشۂ چشم سے دیکھنا مکروہ نہیں ہے۔

۵۳ گزشتہ بیان میں مذکور ہو چکا ہے کہ اس حدیث کا اسناد صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم

۹۳۴ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَفَعَهُ قَالَ الْعُطَاسُ وَالنُّعَاسُ وَالتَّثَاؤُبُ فِي الصَّلٰوةِ وَالْحَيْضُ وَالْقَيْءُ وَالرُّعَافُ مِنَ الشَّيْطَانِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

عدیؓ بن ثابت اپنے باپ اور اپنے دادا سے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نماز میں چھینک، اونگھ، جمائی، حیض، قے اور نکسیر شیطان سے ہے۔ (ترمذی)

۱ عدی بن ثابت تابعی انصاری کوفی ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں ذکر کیا۔ ابو حاتم نے کہا صدوق ہے اور بعض نے کہا کہ سخت قسم کا شیعہ ہے۔ بعض نے کہا غالی رافضی ہے لیکن ثقہ ہے۔ یہ شخص شیعہ مسجد کا امام اور ان کا عالم و قاضی تھا۔ ۱۱۶ھ میں فوت ہوا۔ اس کے دادے کا نام دینار ہے۔

۲ یعنی عدی بن ثابت اپنے باپ اور اپنے دادا سے روایت کرتا ہے۔ اس کے دادا نے اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے (حدیث کی سند حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک لے گیا ہے)

۳ عطاس، عین کی پیش طا کی تخفیف کے ساتھ بمعنی چھینک۔

۴ نعاس۔ نون کی پیش، عین کی تخفیف (جزم) کے ساتھ بمعنی نیند آ جانا۔ یا نیند کے باعث طبیعت کا بوجھل ہو جانا یا اول نیند۔

۵ رعاف را کی پیش ہے۔ یعنی ناک سے خون بہنا۔ یہ سب عوارض اگر نماز میں لاحق ہوں تو شیطان کی طرف سے ہیں۔ اور یہ سستی، لاپرواہی اور خرخش کرنے کا باعث ہیں کیونکہ ان سے نماز میں نقصان لاحق ہوتا ہے۔ اور چھینک اگرچہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے مگر جب زور اور شدت سے آئے تو بعض اوقات قراءت میں رکاوٹ کا موجب بن جاتی ہے اور حضرت حق تعالیٰ کے لیے حضور قلب اور اس کی جناب میں مناجات کے لیے استغراق کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے اور نیند اور جمائی تو ظاہر ہے کہ رکاوٹ کا موجب ہیں۔ مگر حیض اور قے اور نکسیر جب نماز میں لاحق ہوں تو شیطان کی طرف منسوب ہوں گی اور ان تین امور کے نماز میں لاحق ہونے کی تخصیص اور پہلی تین چیزوں کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی تین چیزیں تو نماز کو باطل نہیں کرتیں مگر ان آخری تین چیزوں کے نماز میں لاحق ہونے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے پھر اگرچہ یہ سب عوارض (امور طبعیہ) بے اختیار انسان پر وارد ہوتے ہیں اور انسان انہیں اپنے سے دور رکھنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ مگر ان کے لاحق ہونے سے چونکہ نماز میں خلل پڑتا اور وہ شیطان کی خوشی اور رضا کا موجب ہے اس لیے ان کی نسبت شیطان کی طرف کر دی۔

۹۳۵/۲۱ وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ وَلِجَوْفِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ يَعْنِيْ يَبْكِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَفِيْ صَدْرِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الرَّحٰى مِنَ الْبُكَاءِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى النَّسَائِيُّ الرِّوَايَةَ الْاُوْلٰى وَاَبُوْدَاوُدَ الثَّانِيَةَ

حضرت مطرف[1] بن عبداللہ بن الشخیر سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے شکم مبارک میں ہانڈی کی کھولن[2] تھی یعنی آپ رو رہے تھے اور ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا اس وقت آپ کے سینہ انور میں رونے سے چکی سی گڑگڑاہٹ تھی[3] احمد اور نسائی نے پہلی روایت اور ابو داؤد نے دوسری روایت کی۔

[1] مُطَرِّف میم کی پیش طا کی زبر اور شد یعنی را اور آخر میں فا۔ شِخِّیر شین کی زیر خا کی زیر اور شد اور آخر میں یا اور را ہے مطرف تابعین سے ہیں اور ان کے والد حضرت عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

[2] مرجل پتھر یا تانبے کی دیگ۔ ازیز ہمزہ کی زبر زائے اولی کی زیر یا ساکن [illegible] جوش مارنے کے وقت اس سے بلند ہوتی ہے۔ مرجل میم کا زیر را ساکن اور جیم کے زبر سے [illegible] تانبے کی دیگ کتاب مشارق میں کہا مرجل دیگ کو کہتے ہیں بعض کے نزدیک تانبے کی دیگ ہے [illegible] مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز میں سخت گریہ طاری تھا۔

[3] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں گریہ سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ ہدایہ میں [illegible] جنت یا دوزخ کی یاد سے نماز میں روئے یا آہ کرے اور اس کی آواز بلند ہو جائے تو اس نے نماز نہیں توڑی [illegible] اگر یہ رونا کسی درد یا مصیبت کی بنا پر ہو تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

۹۳۶/۲۲ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصٰى فَاِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهٗ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں کھڑا ہو تو کنکریاں نہ چھوئے کیونکہ رحمت اس کے سامنے ہوتی ہے۔

احمد، ترمذی، ابوداؤد و نسائی ابن ماجہ

۱؎ یعنی نماز کے دوران کنکریاں ہموار نہ کرے۔ اور ایک روایت ہے فلا یُسوی الحصٰی یعنی کنکریاں برابر نہ کرے
۲؎ اور اس کی طرف متوجہ ہوتی اور اس کا استقبال کرتی اور اس پر نازل ہوتی ہے تو اس مقام میں سوء ادب کا مرتکب ہونا اور کنکریوں سے کھیلنا بڑا نامناسب ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے انوار فضل و رحمت سے محروم نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں مراد یہ ہے خدا تعالیٰ کی رحمت اس چیز نازل ہوتی اور پڑتی ہے جو نمازی کے سامنے ہوتی ہے۔ یعنی زمین اور کنکریوں پر، تو چاہیے کہ ان کنکریوں پر ہی سجدہ کرے۔ ان میں تبدیلی نہ کرے۔

۹۳۴ وَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ رَاَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ غُلَامًا لَّنَا يُقَالُ لَهُ اَفْلَحُ اِذَا سَجَدَ نَفَخَ فَقَالَ يَا اَفْلَحُ تَرِّبْ وَجْهَكَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ایک لڑکے کو جسے افلح کہا۱؎ جاتا تھا، دیکھا کہ جب وہ سجدہ کرتا تو پھونک۲؎ مارتا۔ حضور نے اسے فرمایا اے افلح اپنا چہرہ خاک آلودہ کرے۳؎۔ (ترمذی)

۱؎ یعنی جس کا نام افلح تھا اور ایک روایت میں رباح آیا ہے۔
۲؎ یعنی زمین کو پھونک سے صاف کرتا تھا تاکہ اس کا چہرہ گرد آلودہ نہ ہو۔
۳؎ یعنی پھونک سے جگہ صاف نہ کر بلکہ ایسے ہی سجدہ کر کہ اس صورت میں عاجزی اور تذلل زیادہ ہے۔

۹۳۵ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَلْاِخْتِصَارُ فِي الصَّلٰوةِ رَاحَةُ اَهْلِ النَّارِ۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا اہل دوزخ کا آرام۱؎ ہے۔ (شرح سنہ)

۱؎ دوزخ میں تو اہل دوزخ کے لیے آسائش کا نام تک نہیں مگر اہل دوزخ اس وہم میں ایسا کریں گے کہ شاید اسی طرح انہیں آرام حاصل ہو، حالانکہ وہاں آرام کہاں۔ اس حدیث میں کلام فصل اول میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

۹۳۶ وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اقْتُلُوا الْاَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلٰوةِ الْحَيَّةَ وَ الْعَقْرَبَ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ لِلنَّسَائِيِّ مَعْنَاهُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کے اندر دو سیاہ چیزوں کو قتل کرو۔ سانپ اور بچھو کو۔
احمد، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے اس حدیث کا معنیٰ روایت کیا۔

ل یعنی اس معنی کو دوسرے الفاظ میں روایت کیا۔

۹۴۰/۲۶ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ تَطَوُّعًا وَالْبَابُ عَلَيْهِ مُغْلَقٌ فَجِئْتُ فَاسْتَفْتَحْتُ فَمَشٰى فَفَتَحَ لِيْ ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى مُصَلَّاهُ وَذَكَرَتْ أَنَّ الْبَابَ كَانَ فِي الْقِبْلَةِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَرَوَى النَّسَائِيُّ نَحْوَهُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز پڑھ رہے تھے اور دروازہ آپ پر بند تھا میں آئی، دروازہ کھلوایا آپ چلے اور میرے لیے دروازہ کھولا۔ پھر اپنے مصلی کی طرف لوٹ گئے آپ نے ذکر کیا کہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا۔ احمد، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

ل یعنی دروازہ بند کر کے نماز ادا فرما رہے تھے۔

۲ یعنی چونکہ آپ نماز میں کھڑے تھے۔ چند قدم اٹھا کر آگے بڑھے اور دروازہ کھول دیا۔

۳ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ کی طرف آنے اور لوٹنے میں جانب قبلہ سے رخ پھیرنا لازم نہ آیا اسی طرح واپس مصلا پر تشریف لے جاتے وقت بھی آپ کا رخ مبارک قبلہ کی جانب ہی رہا کیونکہ دروازہ جانب قبلہ واقع تھا شارحین حدیث نے یہ بھی کہا ہے کہ مکان تنگ تھا ایک دو قدم سے زیادہ چلنے کی ضرورت نہ پڑی۔

۹۴۱/۲۷ وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُعِدِ الصَّلٰوةَ۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ مَعَ زِيَادَةٍ وَنُقْصَانٍ۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی نماز میں ہوا خارج ہو جائے تو چاہیے کہ واپس پھرے وضو کرے اور نماز لوٹائے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے کچھ زیادتی اور کمی کے ساتھ روایت کیا۔

ل یعنی آواز کے بغیر۔

۲ ایک روایت میں ولیتوضأ واو کے ساتھ آیا ہے۔

۳ نماز کے لوٹانے کا حکم افضلیت اور اولویت کی بنا پر ہے اور اگر بقیہ مذکورہ شرائط کے مطابق جہاں چھوڑی تھی وہیں سے شروع کرے تو بھی درست ہے۔

۹۴۲/۲۸ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب

اَحْدَثَ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلْيَاْخُذْ بِاَنْفِهٖ ثُمَّ لِيَنْصَرِفْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

تم میں کوئی نماز میں بے وضو ہو جائے تو چاہیے کہ اپنی ناک پکڑ لے[1] اور واپس لوٹ لے۔ (ابو داؤد)

[1] تاکہ لوگوں کو یہ وہم گزرے کہ شاید نکسیر پھوٹ پڑی ہے یا ناک سے خون بہنا شروع ہو گیا ہے اور نماز میں وضو ٹوٹنے سے پردہ حیا قائم رہے۔ کیونکہ لوگ اس امر کے عادی ہیں کہ ایسے فعل کو نقص و عیب جانتے اور پس پشت اس کی غیبت کرتے ہیں اور شرم کے مارے اور اس وجہ سے کہ لوگ مجھے عیب لگائیں گے اور بے آبروئی کریں گے، بے وضو ہی نماز پڑھتا رہے۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ انسان اگر نفس الامر میں سچا ہو مگر ظاہراً کوئی اعتراض والی بات کرے تو یہ ٹھیک نہیں۔ بلکہ چاہیے کہ اپنا ستر اور عیب پوشی کرے تاکہ لوگ اس کی بے آبروئی نہ کریں اور جو عیب اس میں نہیں وہ اس کی طرف منسوب نہ کریں، یہ چیز جھوٹ میں داخل نہیں ہے بلکہ لوگوں کو غلط وہم سے بچانے کا ایک طریقہ ہے۔ اور یہ چیزیں ریا میں نہیں بلکہ تجمل اور پردہ پوشی کی ایک شکل ہے اور ایسا کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔ کما قال العلماء۔

حکایت: امیر المومنین سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا واقعہ ہے کہ آپ جماعت کرا رہے تھے کہ دوران نماز ایک شخص کا وضو ٹوٹ گیا مگر وہ شرم کے مارے وضو کے لیے نہ گیا۔ اور بے وضو ہی نماز پڑھنی چاہی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا آؤ ہم سب وضو کریں کہ ایسا کرتے ہیں کوئی حرج نہیں اور وضو پر وضو کرنا نور علی نور ہے آپ نے ایسا اس لیے کہا کہ وہ شخص لوگوں کے عیب لگانے سے بچے اور بے وضو نماز پڑھنے کی گمراہی میں نہ پڑے۔

۹۴۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْدَثَ اَحَدُكُمْ وَقَدْ جَلَسَ فِيْ اٰخِرِ صَلٰوتِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّسَلِّمَ فَقَدْ جَازَتْ صَلٰوتُهٗ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ اِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ وَقَدِ اضْطَرَبُوْا فِيْ اِسْنَادِهٖ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ نماز کے آخری قعدہ میں بیٹھ چکا ہو[1] اور ابھی سلام نہ پھیرا ہو تو اس کی نماز درست ہو گئی۔[2] اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا اس حدیث کا اسناد قوی نہیں۔ اور اس حدیث کے راویوں میں اضطراب[3] ہے۔

[1] یعنی تشہد کی مقدار بیٹھ چکا ہو۔

[2] اور اس کی نماز پوری ہو گئی یہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے موافق ہے کہ ان کے نزدیک الفاظ سلام سے نماز سے باہر آنا فرض نہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک فرض ہے۔ مگر خروج بالصنعۃ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک بھی فرض ہے۔ لہٰذا یہاں وضو ٹوٹنے کو قصداً توڑنے پر محمول کیا جائے گا۔ تاکہ فعل قصدی کا وجود حاصل

ہو جائے۔ پس اس حدیث کا ظاہر امامین (امام ابو یوسف و امام محمد) کے مذہب کی تائید کرتا ہے جن کے نزدیک فعل مصلی کے ساتھ نماز سے باہر آنا فرض نہیں۔

۳ اور مقدمہ کتاب میں مذکور ہو چکا ہے کہ حدیث مضطرب کسے کہتے ہیں یعنی وہ حدیث جسے مختلف طریقوں سے روایت کیا گیا ہو۔ اور یہ اس کے ضعف کی علامت ہوتی ہے کیونکہ اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے راوی اسے ضبط نہیں کر سکے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۹۹۰ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلَی الصَّلٰوةِ فَلَمَّا كَبَّرَ انْصَرَفَ وَ اَوْمَأَ اِلَیْهِمْ اَنْ كَمَا كُنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَ رَأْسُهٗ یَقْطُرُ فَصَلّٰی بِهِمْ فَلَمَّا صَلّٰی قَالَ اِنِّیْ كُنْتُ جُنُبًا فَنَسِیْتُ اَنْ اَغْتَسِلَ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوٰى مَالِكٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ مُرْسَلًا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لائے جب تکبیر کہہ چکے تو واپس لوٹے اور لوگوں کو اشارہ کیا کہ تم اپنے حال پر رہو پھر تشریف لے گئے غسل کیا پھر تشریف لائے حالانکہ سر مبارک سے قطرے ٹپک رہے تھے پھر انہیں نماز پڑھائی جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا کہ میں جنبی تھا غسل کرنا بھول گیا تھا۔

(احمد) اور مالک نے عطاء بن یسار سے مرسلاً روایت کیا۔

۱ اس حدیث سے شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ استدلال کیا ہے کہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام کی نماز باطل ہو گئی ہے مقتدیوں کی نماز باطل نہیں ہوتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں داخل ہو چکے تھے اور مقتدی بھی نماز میں داخل ہو چکے تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنبی ہونا ظاہر ہوا اور آپ کی نماز بھی باطل ہو گئی۔ مگر مقتدی ان کے پہلے تحریمہ پر ہی باقی رہے نہ ان کی نماز باطل ہونے اور تکبیر تحریمہ کے لوٹانے کا حکم دیا۔

اور حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ امام کی نماز کا بطلان مقتدیوں کی نماز کو بھی باطل کر دیتا ہے کیونکہ امام قوم کی نماز کا ضامن ہوتا ہے۔ حدیث صحیح الامام ضامن کہ امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے۔ حضرات حنفیہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مقتدی بھی تکبیر تحریمہ کہہ چکے تھے اور نماز میں داخل ہو چکے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکبیر تحریمہ کے متصل بعد قوم کے تکبیر کہنے سے پہلے ہی اپنے جنبی ہونے کا احساس ہو گیا ہو۔ اور صحیح مسلم میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مصلے پر نماز پر کھڑے ہی ہوئے تھے اور تکبیر تحریمہ نہیں کہی تھی کہ واپس لوٹے اور غسل کیا

لہٰذا اگر کتاب مشکوٰۃ کی اس حدیث اور مسلم کی حدیث کا ایک ہی واقعہ ہے تو اس پر عمل کرنا چاہیے کہ آپ تکبیر تحریمہ کہنے اور نماز میں داخل ہونے ہی والے تھے کہ غسل کرنے کا خیال آ گیا۔ اور اگر یہ دو الگ الگ واقعات ہوں تو پھر جواب وہ ہے جو مذکور ہوا یعنی کہ مقتدیوں کی تکبیر کہنے سے پہلے ہی آپ غسل کے لیے لوٹ گئے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے امام محمد کی کتاب الآثار سے یہ بات نقل کی ہے کہ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں جو جنبی حالت میں یا بے وضو امامت کرے فرمایا کہ وہ اپنی نماز دوبارہ پڑھے اور مقتدی بھی۔ شیخ ابن الہمام یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود جنبی حالت میں یا بے وضو امامت کی پھر وہ نماز دوبارہ پڑھی اور مقتدیوں کو بھی دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

۲؎ حضرت عطا تابعی ہیں۔

۳؎ ارسال کا معنی مقدمہ کتاب میں بیان ہو چکا ہے۔

۹۲۵/۱۴۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي الظُّهْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَآخُذُ قَبْضَةً مِّنَ الْحَصٰى لِتَبْرُدَ فِيْ كَفِّيْ أَضَعُهَا لِجَبْهَتِيْ أَسْجُدُ عَلَيْهَا لِشِدَّةِ الْحَرِّ رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ظہر پڑھتا تھا۔ اور میں دوران نماز اپنے ہاتھ میں کنکریوں کی ایک مٹھی لیتا تاکہ وہ ٹھنڈی ہو جائیں پھر اس پر اپنی پیشانی رکھ کر سجدہ کرتا تھا شدت تپش کی وجہ سے۔ ابو داؤد اور نسائی نے اس کی مثل روایت کیا۔

۱؎ اس سے معلوم ہوتا ہے نماز میں اتنا سا فعل کر لینا معاف ہے اور یہ فعل کثیر بھی نہیں ہے کہ آپ صرف ایک بار مٹھی میں کنکریاں لیتے تھے۔

۹۲۶/۱۴۲ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فَسَمِعْنَاهُ يَقُوْلُ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ثُمَّ قَالَ أَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ ثَلَاثًا وَبَسَطَ يَدَهٗ كَأَنَّهٗ يَتَنَاوَلُ شَيْئًا فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الصَّلٰوةِ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ سَمِعْنَاكَ تَقُوْلُ فِي الصَّلٰوةِ شَيْئًا لَمْ نَسْمَعْكَ تَقُوْلُهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ وَرَأَيْنَاكَ بَسَطْتَ يَدَكَ قَالَ إِنَّ

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو ہم نے سنا کہ آپ کہہ رہے ہیں اعوذ باللہ منک میں تجھ سے اللہ کے پاس پناہ لیتا ہوں پھر آپ نے فرمایا میں تجھ پر لعنت کرتا ہوں اللہ کی لعنت تین بار فرمایا اور آپ نے اپنا دست مبارک بڑھایا گویا آپ کوئی چیز پکڑنا چاہتے ہیں۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ کو نماز میں وہ کہتے سنا ہے جو ہم نے پہلے کبھی آپ کو کہتے نہیں سنا اور ہم

عَدُوَّ اللّٰهِ اِبْلِيْسَ جَآءَ بِشِهَابٍ مِّنْ نَّارٍ لِّيَجْعَلَهٗ فِيْ وَجْهِيْ فَقُلْتُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قُلْتُ اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ فَلَمْ يَسْتَاْخِرْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَرَدْتُّ اَنْ اٰخُذَهٗ وَاللّٰهِ لَوْلَا دَعْوَةُ اَخِيْنَا سُلَيْمَانَ لَاَصْبَحَ مُوْثَقًا يَلْعَبُ بِهٖ وِلْدَانُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

نے ایک دیکھا کہ آپ نے دست مبارک کو پھیلایا ہے آپ نے فرمایا اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا ایک شعلہ لے کر آیا تا کہ اسے میرے منہ میں ڈالے تو میں نے تین بار اعوذ باللہ منک کہا پھر میں نے کہا میں تجھ پر اللہ کی لعنت کرتا ہوں مکمل اور پوری لعنت۔ یہ الفاظ بھی تین بار کہے۔ مگر وہ پیچھے تو نہ ہٹا اور دور نہ ہوا پھر میں نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا۔ اللہ کی قسم اگر ہمارے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو لوگ اسے جکڑا ہوا دیکھتے کہ اہل مدینہ کے بچے اس سے کھیل رہے ہوتے۔ (مسلم)

۱؎ مراح میں ہے کہ شہاب آگ کے انگارے کو کہتے ہیں۔

۲؎ جو آپ نے جنات کو مسخر کرنے اور ان پر اپنا تصرف کرنے کے لیے مانگی تھی۔ اس کی شرح حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فصل اول کے آخر میں گزر چکی ہے مگر اس حدیث میں عفریت من الجن کا لفظ آیا ہے اور اس حدیث میں ابلیس کا نام آیا ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا جنات پر تصرف اور انہیں مسخر کرنے کے لیے تھی ابلیس کو مسخر کرنے کے لیے نہ تھی۔ اس کا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ جب ابلیس جن کی صورت میں متشکل ہو کر آ گیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا تصرف اس پر بھی ہوتا تھا جس طرح کہ دوسرے جنات پر۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں حضرت آدم علیہ السلام والا شیطان مراد نہ ہو بلکہ کوئی اور سرکش جن مراد ہو۔ اور ابلیس سے اس کے لغوی معنی مراد ہوں۔ یعنی ابلیس ابلاس بمعنی رحمت الٰہی سے ناامید ہونا مراد ہو۔

٩٤٧/٣٣ وَعَنْ نَّافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ وَّهُوَ يُصَلِّيْ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَرَدَّ الرَّجُلُ كَلَامًا فَرَجَعَ اِلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَقَالَ لَهٗ اِذَا سُلِّمَ عَلٰى اَحَدِكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلَا يَتَكَلَّمْ وَلْيُشِرْ بِيَدِهٖ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک شخص کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہا تھا آپ نے اسے سلام کہا اس نے کلام (وعلیکم السلام) سے جواب دیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کے پاس لوٹ کر آئے اور اس سے فرمایا جب تم میں سے کسی کو کوئی سلام کہے اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو کلام سے جواب نہ دے بلکہ ہاتھ کے اشارے سے کر لے۔ (مالک)

لہ یعنی اگر گزشتہ ذکر ہوا۔

بَابُ السَّهْوِ

بھولنے کا باب

بعض نسخوں میں باب سجود السہو آیا ہے۔ سہو کا معنی ہے آدمی جس کام میں معروف ہوا سے بھولنا اس سے غافل اور بے خبر ہو جانا اور دوسرا کسی اور طرف متوجہ ہونا۔ واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان اقوال میں سہو و نسیان کا طاری ہونا جائز نہیں جو شرعی احکام کے اخبار و ابلاغ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور آپ کے افعال میں سہو جانے میں اختلاف ہے۔ اہل حق کے نزدیک مختار یہ ہے کہ ان میں سہو لاحق ہونا جائز ہے۔ کیونکہ صحیح احادیث اس میں وارد ہیں۔ لہٰذا ناچار اس کا قائل ہونا پڑتا ہے اور اس کے جواز میں کوئی خلل و عیب بھی نہیں۔ بلکہ آپ کا سہو حکمت کو متضمن ہوتا ہے حقیقت میں آپ کا سہوامت پر اکمال نعمت اور ان کے لیے دین کی تکمیل کا موجب ہے تاکہ امت آپ کی اقتداء و اتباع کے شرف سے مشرف ہو۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا اِنَّمَا اُنَسّٰی لِاَسُنَّ یعنی میں اس لیے بھول جاتا ہوں تاکہ وہ فعل لوگوں کیلئے میری سنت قرار پائے اور اگرچہ آپ کی سنت آپ کے قول و امر سے بھی مرحوم ہو جاتی ہے۔ مثلاً آپ یوں فرما دیں جو شخص نماز میں بھول جائے اس پر سجدہ سہو واجب ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سہو کا واقع ہونا اور فعل سجدہ کا شروع ہونا آپ کے شرف اقتداء کے حصول کو مستلزم و متضمن ہے (خوب سمجھ لو) پھر یہ بھی قرین یقین رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں بھی سہو و نسیان لاحق ہوا وہ کسی مقام خاص میں اشتغال و استغراق کی بنا پر ہوا ہے کہ عقول انسانی کے ہاتھ اس مقام کے دامن ادراک کو چھونے سے قاصر و کوتاہ ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۹۴۳- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا قَامَ یُصَلِّیْ جَآءَهُ الشَّیْطَانُ فَلَبَسَ حَتّٰی لَا یَدْرِیْ کَمْ صَلّٰی فَاِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ اَحَدُکُمْ فَلْیَسْجُدْ سَجْدَتَیْنِ وَهُوَ جَالِسٌ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک تم میں سے ایک آدمی جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اسے شک و شبہ میں ڈالتا ہے یہاں تک کہ وہ نمازی نہیں جانتا کہ اس نے کتنی رکعت پڑھی ہیں۔ جب تم میں کوئی یہ حالت و کیفیت پائے تو چاہیے کہ بیٹھے ہوئے دو سجدے کر لے[۲]۔ (بخاری و مسلم)

۱ اس کا مصدر لبس ہے سلام کی پیش، اور باساکن ہے۔ جس کا مطلب ہے کسی پر اس [illegible] مشتبہ کر دینا اور تاریکی کو روشنی سے ملا دینا۔ لبس تشد اور بغیر شد دونوں طرح مروی ہے [illegible] شد مبالغہ اور تکثیر کا فائدہ دیتی ہے۔

۲ واضح ہو کہ اس حدیث میں شک کی صورت بیان کی گئی ہے اور شک و سہو میں فرق یہ ہے کہ سہو میں ایک جانب کا یقین ہوتا ہے اور شک میں تردد ہوتا ہے کہ اس طرح ہوا ہے یا اس طرح علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی شک میں نہیں پڑے کیونکہ شک ابلیس کے شبہ ڈالنے سے ہوتا ہے۔ ہاں آپ علیہ استغراق اور دوسرے عالم کی طرف متوجہ ہونے کے باعث سہو و نسیان میں پڑ جاتے تھے اور شک کا بھی وہی حکم ہے جو سہو کا حکم ہے کہ اس میں بھی سجدے کرنے پڑتے ہیں اس کا مفصل بیان آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

۹۲۹/۲ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلّٰى ثَلٰثًا أَوْ أَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلٰى مَا اسْتَيْقَنَ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ فَإِنْ كَانَ صَلّٰى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهٗ صَلَاتَهٗ وَإِنْ كَانَ صَلّٰى تَمَامًا لِأَرْبَعٍ كَانَتَا تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلًا وَفِي رِوَايَتِهٖ شَفَعَهَا بِهَاتَيْنِ السَّجْدَتَيْنِ

حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے وہ حضرت ابوسعید سے راوی فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے کہ [illegible] اگر [illegible] ہو گئی ہیں۔

مسلم شریف اور امام مالک نے [illegible] عطاء سے مرسلاً روایت کی ان کی روایت میں یوں ہے کہ ان دو سجدوں سے [illegible]

۱ آپ تابعی ثقہ اور مشہور شخصیت ہیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام [illegible] کیلے سے ہیں۔

۲ یعنی اس رکعت کو شمار نہ کرے جس میں اسے شک لاحق ہوا ہے۔

۳ یعنی شک کی صورت میں کم تعداد پر بنا کرے یعنی تین اور چار رکعت میں شک ہو تو تین پر بنا کرے۔

۴ جیسا کہ سجدہ سہو کا دستور و طریقہ ہے۔

۵ بخاری کی روایت میں یہ قید نہیں ہے۔ یہیں سے آئمہ میں یہ اختلاف واقع ہوا ہے کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے

کرے یا سلام کے بعد جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں تفصیل سے ہم یہ مسئلہ بیان کریں گے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فان کان صلی الی آخرہ سے دو سجدوں کا فائدہ بیان فرمایا۔

ؔ۵۶ یعنی اگر شک تین اور چار رکعت میں ہوا اور بنا تین پر کی اور واقع میں چار رکعت تھیں جب اس نے ایک رکعت اور پڑھی تو واقع میں پانچ رکعت ہو گئیں۔ تو یہ دو سجدے ان پانچ کو چھ رکعت کر دیں گے کہ یہ دو سجدے نمازی کے لیے ایک پوری رکعت کا درجہ رکھتے ہیں۔

ؔ۵۷ اور اگر تین پر بنا کر کے چار پوری کرنے کے لیے ایک رکعت اور پڑھی تاکہ چار پوری ہو جائیں اور واقع میں اس نے تین ہی پڑھی تھیں تو اس طرح چار رکعت پوری ہو گئیں تو یہ دو سجدے شیطان کو ذلیل کرنے اور اس کی ناک خاک آلودہ کرنے کے لیے ہوں گے۔ یعنی اگرچہ اس صورت میں سہو کے دو سجدوں کی ضرورت نہ تھی۔ جیسا کہ صورت اول میں پانچ کو چھ رکعت بنانے کی ضرورت تھی۔ مگر اس صورت میں بھی یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ شیطان ذلیل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس نے چاہا تھا کہ نمازی کو شک میں ڈالے اور اس کی عبادت خراب کرے۔ لیکن جب نمازی نے اور سجدے کیے اور عبادت میں اضافہ کیا تو یہ چیز شیطان کی ذلت کا باعث ہو گئی۔

ؔ۵۸ اس حدیث کو مسلم نے عن عطا بن یسار عن ابی سعید خدری روایت کیا اور امام مالک نے عطا بن یسار سے بطریق ارسال روایت کیا۔ اور حضرت ابو سعید خدری کا ذکر نہ کیا۔ مقدمۂ کتاب میں ارسال کا معنی بیان ہو گیا ہے۔

ؔ۵۹ یعنی مالک کی ایک روایت میں بجائے شفعن لہ صلوٰتہ کہ جیسا کہ مسلم میں مذکور ہوا اس طرح واقع ہوا ہے شفعھا بھاتین السجدتین یعنی ان پانچ رکعت کو ان دو سجدوں کے ساتھ شفع بنالے۔ جیسا کہ اس کی وجہ گذشتہ بیان میں مذکور ہوئی۔

واضح ہو کہ اس حدیث کا ظاہر اس میں ہے کہ شک کی صورت میں اقل پر بنا کرے۔ کہ اس کا یقین ہے اور تحری یعنی ظن غالب پر عمل کرے۔ جمہور ائمہ کا مذہب یہی ہے۔ اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کے نزدیک شک کی صورت میں نماز دوبارہ پڑھے۔ اس مقام پر امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اگر شک پہلی بار لاحق ہوا ہو یعنی شک میں پڑنے کا عادی نہ ہوا ہو تو تحری یعنی ظن غالب پر عمل کرے۔ ظن غالب سے اگر ایک جہت کمی یا زیادتی کی متعین ہو جائے تو اس پر عمل کرے۔ اور ظن غالب حاصل نہ ہو تو کم پر بنا کرے اور سجدہ سہو کرے کیونکہ ظن غالب پر بنا کرنا شرع میں مقرر قاعدہ اور دستور ہے جیسا کہ قبلہ وغیرہ کے تعین میں اس کا اعتبار ہے۔ اور بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو شک لاحق ہو تو درست پہلو کے لیے تحری کرے اور اس کے مطابق نماز مکمل کرے علامہ شمنی نے اس حدیث کو شرح جامع الاصول میں نسائی کی حدیث سے تحری صواب میں نقل کیا اور امام محمد نے اپنے موطا میں کہا کہ ظن غالب کی تحری میں بہت سے آثار آئے ہیں اور کہا اگر اس طرح نہ کیا جائے تو سہو اور شک سے

نجات پانے کی صورت بڑی مشکل ہے اور ہر بار نماز لوٹانے میں بڑی دقت اور حرج عظیم ہے۔ انتہیٰ۔

بندۂ ضعیف (عبدالحق) (اللہ اسے ہر عیب سے محفوظ رکھے) کہتا ہے کہ حاصل اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس باب میں تین احادیث آئی ہیں۔ حدیث اول اذا شک احدکم فلیستانف اوکما قال یعنی جب تم میں سے کسی کو شک لاحق ہو تو نئے سرے سے نماز پڑھے یا جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

دوسری حدیث من شک فی صلوتہ فلیتحر الصواب جسے اپنی نماز میں شک لاحق ہو جائے تو وہ ظن غالب پر عمل کرے۔

تیسری یہ حدیث ہے جو اس باب میں مذکور ہے اور یقین پر بنا کرنے کا فیصلہ کر رہی ہے۔ تو حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان تینوں احادیث کو جمع کر دیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ آپ حدیث اول کو پہلی بار شک لاحق ہونے پر محمول کرتے ہیں۔ دوسری حدیث اس پر صورت پر جہاں ظن غالب ایک جانب کا فیصلہ کرے۔ تیسری حدیث کو اس صورت پر محمول کرتے ہیں جہاں تحری نہ پائی گئی ہو۔ یہ امام اعظم واکرم رضی اللہ عنہ کے مذہب کی کمال جامعیت اور نہایت تحقیق ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۹۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا فَقِيْلَ لَهٗ اَزِيْدَ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا صَلَّيْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ وَاِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھی تو آپ سے عرض کیا گیا کیا نماز میں زیادتی کی گئی ہے؟ فرمایا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں۔ تو آپ نے سلام کے بعد دو سجدے کر لیے اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا میں تمہارے جیسا بشر ہوں تمہاری طرح بھولتا ہوں جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو اور جب تم میں سے کوئی نماز میں شک کرے تو درستی کو تلاش کرے پھر اس پر نماز پوری کرے [illegible] کرے

[illegible] (بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی تمہارا یہ دریافت کرنا کس بنا پر ہے کیا میں نے چار رکعت سے زیادہ پڑھی ہیں۔

۲؎ یعنی ظن غالب سے کام لے کر درست پہلو کو تلاش کرے۔

۳؎ یعنی ظن غالب کے مطابق۔

۴؎ اس حدیث میں اقل پر بنا کا ذکر نہیں ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اگر تحری سے فائدہ نہ ہو تو اقل پر بنا کر کے نماز

پوری کرے اور شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ چونکہ تحری کے قائل نہیں ہیں۔ لہٰذا وہ تحری سے اقل مقدار کو اختیار کرنا مراد لیتے ہیں اور فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک پانچ رکعت ادا کرنے کی صورت میں تفصیل ہے۔ چنانچہ اگر قعدہ اخیرہ بھول گیا اور پانچ رکعت کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ پانچویں کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے واپس لوٹ آئے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کرلیا تو اس کے فرض باطل اور پانچویں رکعت لغو ہو جائے گی اور اگر قعدہ اخیرہ کر کے اٹھا تھا اور سلام سے پہلے پانچویں کے لیے اٹھ کھڑا اگر پانچویں کا ابھی قعدہ نہیں کیا تو واپس قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور اگر پانچویں کا سجدہ کرلیا تو فرض مکمل ہو گئے۔ پھر اس کے ساتھ چھٹی رکعت اور ملا کر چھ پوری کرے اور اس صورت میں سجدہ سہو کرنا مستحسن ہے کیونکہ سلام رہ گیا تھا حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹی رکعت ساتھ نہ ملائی اور صرف سجدہ سہو پر اکتفا کیا۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔ اس کا جواب شرح (عربی) میں دے دیا گیا ہے۔ (یہ مقام غور ہے)

۹۵۱ وَعَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدٰى صَلٰوتَيِ الْعَشِيِّ قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ قَدْ سَمَّاهَا أَبُوْ هُرَيْرَةَ وَلٰكِنْ نَسِيْتُ أَنَا قَالَ فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ إِلٰى خَشَبَةٍ مَعْرُوْضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَأَ عَلَيْهَا كَأَنَّهٗ غَضْبَانُ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهٖ وَوَضَعَ خَدَّهُ الْأَيْمَنَ عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَخَرَجَتْ سَرَعَانُ الْقَوْمِ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوْا قُصِرَتِ الصَّلٰوةُ وَفِي الْقَوْمِ أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ فَهَابَاهُ أَنْ يُكَلِّمَاهُ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِيْ يَدَيْهِ طُوْلٌ يُقَالُ لَهٗ ذُو الْيَدَيْنِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی دو نمازوں میں سے کوئی نماز پڑھائی۔ ابن سیرین کہتے ہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وہ نماز بتائی تھی لیکن میں وہ بھول گیا۔ پھر فرماتے ہیں کہ ہمیں دو رکعت پڑھائیں۔ پھر سلام پھیر دیا پھر مسجد میں پڑی ہوئی لکڑی کی طرف تشریف لے گئے اور اس پر ٹیک لگائی گویا غصے میں تھے اور اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا اور اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور دایاں رخسار مبارک بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھا اور قوم کے جلد باز لوگ مسجد کے دروازوں سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ نماز کم ہو گئی اور قوم میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ لیکن انہوں نے کلام کرنے سے خوف کیا۔ اور قوم میں ایک صاحب تھے جن کے ہاتھ کچھ لمبے تھے۔ انہیں ہاتھوں والا کہا جاتا تھا۔ وہ بولے یا رسول اللہ آپ بھول گئے یا نماز

أَنَسِيتَ أَمْ قُصِرَتِ الصَّلٰوةُ فَقَالَ لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ فَقَالَ أَكَمَا يَقُولُ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالُوا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى مَا تَرَكَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهٖ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ وَكَبَّرَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهٖ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ وَكَبَّرَ فَرُبَمَا سَأَلُوْهُ ثُمَّ سَلَّمَ فَيَقُولُ نُبِّئْتُ أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِلْبُخَارِيِّ وَفِي أُخْرٰى لَهُمَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَلَ لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ قَدْ كَانَ بَعْضُ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ۔

کم ہو گئی حضور نے فرمایا نہ میں بھولا نہ نماز کم ہوئی پھر فرمایا کیا ایسا ہی ہے جیسا ذو الیدین کہتے ہیں لوگوں نے کہا ہاں تو آپ آگے بڑھے اور چھوٹی ہوئی رکعتیں پڑھیں پھر سلام پھیرا پھر تکبیر کہی اور سجدوں کے برابر یا کچھ دراز سجدہ کیا پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی لوگوں نے ان سے پوچھا کہ پھر سلام بھی پھیرا تو آپ کہنے لگے کہ مجھے خبر ملی کہ عمران ابن حصین نے کہا۔ پھر سلام پھیرا۔

(مسلم، بخاری)

یہ لفظ بخاری کے ہیں۔ اور ان دونوں کی دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے "نہ میں بھولا اور نہ نماز کم ہوئی" کے یہ فرمایا کہ ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی [illegible] نے کہا یا رسول اللہ کچھ تو ہوا ہے۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ

ترمذی نے [illegible] حدیث حسن غریب ہے

۱؎ حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ ان کے [illegible]

۲؎ یعنی نماز ظہر یا عصر یعنی زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک [illegible]

۳؎ یعنی آپ کو سہو ہو گیا کہ دو رکعت پر سلام پھیر دیا تیسری رکعت کے لیے نہ اٹھے۔

۴؎ مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں فی المسجد کا لفظ نہیں ہے۔ مگر بخاری شریف میں ہے۔

۵؎ سَرَعان سین اور را کی زبر سے وہ لوگ جو جانے میں سب سے جلدی کریں۔ یہ لفظ را ساکن کے ساتھ بھی آیا ہے اور جزم اور پیش کے ساتھ بھی بیان کیا گیا ہے۔ مراد وہ لوگ ہیں جو نماز ادا کرنے کے بعد ذکر و دعا کے لیے نہیں رکتے بلکہ جلد اور سب سے پہلے مسجد سے نکل کر چلے جاتے ہیں اور وہ لوگ جو معرکہ جنگ سے جلدی اور سب سے پہلے نکل کر واپس آ جاویں انہیں بھی سرعان القوم کہتے ہیں۔

۶؎ یعنی صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کا مشاہدہ کرتے ہوئے کہ آپ نے دو رکعت پر سلام

پھیر دیا ہے، کہا۔

۶ قصرت قاف کی زبر اور صاد کی پیش سے اور قاف کی پیش اور صاد کی زیر سے دونوں طرح یہ لفظ مروی ہے۔ یعنی کیا چار رکعت سے دو رکعت ہو گئی ہے۔

۷ یعنی حقیقت دریافت کرنے سے یہ دونوں بزرگ ڈر گئے۔ جیسے بادشاہ کی ہیبت کے باعث لوگ اس سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں۔

۸ بعض نے کہا ان کو ذوالیدین کہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ دونوں ہاتھوں سے کام کرتے تھے۔ بعض نے کہا چونکہ ان کے دو بیٹے تھے اس لیے ان کو ذوالیدین کہتے تھے۔ مگر حدیث کا مضمون مرجح ہے کہ ان کو ذوالیدین کہنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ہاتھ لمبے تھے۔ ان کا نام عمیر بن عبد عمرو اور کنیت ابو محمد تھی۔ بعض نے کہا ان کا نام مبارک خرباق تھا (خا کی زیر سے) بعض کہتے ہیں۔ خرباق کسی دوسرے شخص کا نام ہے جسے ذوالشمالین کہتے تھے۔ بعض کہتے ہیں خرباق، ذوالیدین اور ذوالشمالین کے علاوہ کوئی تیسرا شخص ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ واللہ اعلم

۹ یعنی دو رکعت چھوڑ دی گئی تھیں۔

۱۰ سجدہ کی درازی، کوتاہی سے معرفت عظمت حق کے مشاہدہ اور خدا تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے حکم کے نفاذ کی بنا پر تھی۔

۱۱ خلاصہ کلام یہ کہ آپ نے سہو کے دو سجدے کیے۔

۱۲ یعنی مذکورہ صورت میں حضرت ابن سیرین سے اس حدیث روایت کرنے کے بعد کئی بار لوگوں نے ان سے استفہام کے طور پر دریافت کیا۔

۱۳ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ثم سلّم کے الفاظ بھی کہے تھے یعنی سہو کے دو سجدے سلام سے پہلے کیے یا بعد۔

۱۴ یعنی مجھے یاد نہیں اور خبر دی گئی ہے کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں کہا کہ ثم سلّم یعنی اس لفظ کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے میں محفوظ نہیں رکھتا۔ لیکن مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ عمران بن حصین نے بھی یہ روایت کی ہے اپنی حدیث میں ثم سلّم کا لفظ بیان کیا ہے اور میں نے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ثم نے سلّم کا لفظ بیان کیا، حضرت عمران بن حصین کی حدیث کا لفظ ہے جو میں نے یہاں درج کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ سہو کے دو سجدوں کے بعد بھی تشہد ہوتا ہے۔ کہا نہیں ہوتا اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کہ فرمایا میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ ان میں تشہد پڑھا جائے اور فصل ثانی میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تشہد کا ذکر آ رہا ہے۔

واضح ہو کہ شارحین حدیث نے اس حدیث کے مفہوم کے بیان میں کافی لمبی گفتگو کی ہے۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے

اسے فتح الباری میں مکمل طور پر درج کیا ہے اگر میں یہاں وہ پوری گفتگو نقل کروں تو کلام دراز ہو جائے گا مگر یہاں دو باتیں ہیں جنہیں بیان کرنا چاہیے۔

پہلی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کُلُّ ذٰلِکَ لَمْ یَکُنْ سے متعلق ہے۔ یعنی نہ تو نماز کم ہوئی نہ میں بھولا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک قبیلۂ اخبار سے ہے۔ انشاء سے نہیں ہے اور یہ خلاف واقع کلام ہے (کیونکہ آپ بھول تو گئے تھے) اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ نبی سے اخبار میں سہو واقع ہونا جائز نہیں۔ ہاں افعال میں خلاف واقع کے صدور میں اختلاف ہے۔

یہاں دوسری گفتگو یہ ہے کہ آپ نے نئے سرے سے نماز کیوں نہ شروع کی جب کہ آپ نے کلام بھی کیا اور دوسرے افعال کے خلاف نماز بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقع ہو گئے۔ بعض علماء نے اشکال اول کے جواب میں فرمایا ہے کہ نسیان کا عدم جواز ان اقوال میں ہے جو تبلیغ شرائع اور احکام وحی سے متعلق ہوں نہ کہ تمام اخبار میں مگر یہ جواب کمزور ہے کیونکہ خلاف واقع خبر دینا کذب و نقص ہے اگرچہ دانستہ طور پر نہ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام عزت و بزرگی کا اس کذب و نقص سے پاک و منزہ ہونا ضروری ہے۔ جمہور علماء کا مذہب بھی یہی ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک "نہ نماز کم ہوئی نہ میں بھولا" سے مراد یہ ہے کہ میرے اعتقاد میں ایسا نہیں ہے نہ کہ نفس الامر میں ایسا نہیں ہوا۔ اور یا بعض کے نزدیک [illegible] ہے یا یہ قول عدم شعور سے کنایہ ہے۔ گویا آپ نے یوں فرمایا کہ مجھے اس کا شعور نہیں [illegible] اور درست ہے۔

دوسرے اشکال کے جواب میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ کلام اور فعل جو [illegible] مذہب ہے [illegible] کلام جو سہو و نسیان کے طور پر ہو جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے مگر یہ جواب کامل نہیں کیونکہ حضرت [illegible] اور دیگر صحابہ سے آپ کا کلام کرنا سہو کے طور پر نہ تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ کرام [illegible] حیثیت نہ رکھتے تھے۔ تاہم یہ جواب بھی کمزوری سے خالی نہیں اور مذکورہ جواب حنفی مذہب کے [illegible] ان کے نزدیک نماز میں کلام عمداً ہو یا سہواً نماز کو توڑ دیتا ہے [illegible] کلام کرنا اور دوسرے افعال کرنا نماز میں نسخ کلام و افعال سے قبل کا واقعہ ہے [illegible]

اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز میں کلام کرنا دانستہ [illegible] ہو جاتا ہے وہ کلام امام سے صادر ہو جاتا ہے مقتدی سے۔ جیسا کہ حدیث کے اس واقعہ میں مذکور [illegible]

۹۵۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُحَيْنَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمُ الظُّهْرَ، فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ لَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ

حضرت عبداللہ ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ظہر کی نماز پڑھائی آپ دو رکعت پڑھنے پر نہ بیٹھے بلکہ کھڑے ہو گئے (درمیانی التحیات چھوڑ دیا) تو لوگ بھی آپ کے ساتھ

تَسْلِيمَهُ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب آپ نماز پڑھ چکے اور لوگ آپ کے سلام کا انتظار کرنے لگے تو آپ نے بیٹھے ہوئے تکبیر کہی اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کیے پھر آپ نے سلام پھیرا۔ (بخاری اور مسلم)

اے بُحَیْنَہ باء کی پیش حاء کی زبر اور یا ساکن کے ساتھ۔ یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ماں کا نام ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے ان کے باپ کا نام مالک ہے۔ بعض اسناد میں عبداللہ بن مالک بن بحینہ آیا ہے۔ مالک کی تنوین اور ابن کا الف ثابت رکھنے کے ساتھ تاکہ مالک کی صفت قرار نہ پائے۔ آپ صحابی ہیں بنی عبدالمطلب کے حلیف ہیں۔ اور مولفۃ القلوب سے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ امارت میں فوت ہوئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِي

دوسری فصل

۹۵۳ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمْ فَسَهَا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ تَشَهَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمران[1] بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ بھول گئے تو آپ نے دو سجدے کیے پھر تشہد پڑھا اس کے بعد سلام[2] پھیرا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن غریب ہے[3]۔

لے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ان کے حالات دوسرے مقامات میں تحریر ہو چکے ہیں۔

لے اس حدیث میں سجدہ سہو کی جگہ کی تعیین نہیں کی۔ البتہ تشہد کا ذکر کیا اور دوسری احادیث میں تشہد کا ذکر نہیں آیا۔ یہ حدیث احناف کے مذہب کے موافق ہے۔ امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔ نیز بعض مالکیہ اور شافعیہ بھی اسی پر ہیں۔ پھر اس میں اختلاف ہے۔ کہ درود شریف اور دعا آخری تشہد میں پڑھی جاتی ہے۔ اس تشہد میں بھی پڑھے جو سجدہ سہو سے پہلے ہوتا ہے یا اس تشہد میں جو سجدہ سہو کے بعد ہوتا ہے۔ حضرت امام کرخی جو حنفیہ میں سے ہیں، کا پسندیدہ مذہب دوسرا قول ہے۔ جسے ہدایہ میں صحیح کہا گیا ہے۔ اور ہدایہ کی بعض شرحوں میں ہے کہ درست یہ ہے کہ پہلے تشہد میں درود و دعا پڑھے طحاوی کے اختیار کردہ قول کے مطابق۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ امام طحاوی کا قول زیادہ احتیاط پر مبنی ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ قاضیخان میں ہے۔

۳ے کیونکہ اس کا راوی تشہد کا اضافہ بیان کرنے یا دوسرے راویوں کی مخالفت کرنے میں متفرد ہے۔ حالانکہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں اور حافظ حدیث بھی ہیں اور حاکم نے کہا یہ حدیث شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط کے مطابق بالکل صحیح حدیث ہے۔

مگر بیہقی و ابن عبدالبر وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

۹۵۴ وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ الْاِمَامُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَاِنْ ذَكَرَ قَبْلَ اَنْ يَسْتَوِيَ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَاِنِ اسْتَوٰى قَائِمًا فَلَا يَجْلِسْ وَيَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام دو رکعتوں پر اٹھ کھڑا ہو سو اگر اسے سیدھا کھڑا ہونے سے قبل یاد آجائے تو بیٹھ جائے۔ اور اگر سیدھا کھڑا ہو چکا ہو تو پھر نہ بیٹھے اور سہو کے دو سجدے کرے لے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

لے اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ سجدہ سہو نہ کرے اور ہدایہ میں کہا کہ بعض نے کہا تاخیر واقع ہو جانے کی وجہ سے سجدہ سہو کرے۔ مگر صحیح تر بات یہ ہے کہ نہ کرے۔

ع یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ سجدہ سہو کرنے نہ کرنے میں اعتبار پورے کھڑے ہونے اور نہ ہونے کا ہے۔ احناف کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اگر ابھی بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو واپس لوٹے اور بیٹھے اور تشہد پڑھے اور اگر قیام کے زیادہ قریب ہو چکا ہے تو واپس نہ لوٹے اور نہ بیٹھے پھر سہو کا سجدہ کرے۔ زیادہ قریب ہونے کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اگر کمر سے نیچے کا نصف حصہ قیام کے لیے سیدھا ہو گیا ہے تو یہ قیام کے زیادہ قریب ہے ورنہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے۔ بعض نے کہا اگر سرین اور زانو اوپر اٹھا لیے ہیں تو قیام کے زیادہ قریب ہو چکا ہے ورنہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے۔ اور بعض نے کہا زانو اٹھا لینے کا اعتبار ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا زیادہ قرب کا اعتبار امام ابو یوسف سے ایک روایت کی بنا پر ہے جسے مشائخ بخارا نے اختیار کیا ہے مگر ظاہر مذہب یہ ہے کہ اگر ابھی سیدھا کھڑا نہیں ہوا تو واپس لوٹ جائے یہی قول صحیح تر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۹۵۵ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعَصْرَ وَسَلَّمَ فِي ثَلٰثِ رَكَعَاتٍ ثُمَّ دَخَلَ مَنْزِلَهٗ فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ الْخِرْبَاقُ وَكَانَ فِي يَدَيْهِ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی اور تین رکعت پر سلام پھیر دیا پھر اٹھ کر اپنے گھر تشریف لے گئے تو ایک شخص جسے خرباق کہتے ہیں اور جن کے ہاتھ قدرے لمبے تھے، اٹھ کر آپ کے پاس جا کھڑا ہوا

طُوْلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَذَكَرَ لَهٗ صَنِيْعَهٗ فَخَرَجَ غَضْبَانَ يَجُرُّ رِدَاءَهٗ حَتّٰى انْتَهٰى اِلَى النَّاسِ فَقَالَ اَصَدَقَ هٰذَا قَالُوْا نَعَمْ فَصَلّٰى رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور کہا یا رسول اللہ اس نے آپ کے عمل یاد دلایا تو آپ غصے میں اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے باہر تشریف لائے تا آنکہ لوگوں تک آ پہنچے اور فرمایا کیا یہ آدمی سچ کہتا ہے لوگوں نے کہا ہاں۔ تو آپ نے ایک رکعت اور پڑھی پھر آپ نے سلام پھیرا پھر دو سجدے کیے۔ پھر سلام پھیرا (مسلم)

لہ تحقیق یہ ہے کہ یہ صاحب وہی حضرت ذوالیدین صحابی ہیں جن کا گذشتہ ذکر ہوا۔ جیسا کہ شرح شیخ میں مذکور ہے
ٹہ یعنی تین رکعت پر سلام پھیر دینا یاد دلایا۔
ٹہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس سہو کا سبب کیا تھا نیز اس غصے اور اضطراب کی کیا وجہ تھی۔ واللہ اعلم باسرارہ۔
ٹہ یعنی وہ رکعت جو رہ گئی تھی اور جس سے سہو ہو گیا تھا۔
ہ پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی اس حدیث اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث کے درمیان دو طرح سے مخالفت ہے ایک یہ کہ وہاں دو رکعت پر سلام کا ذکر ہے اور یہاں تین رکعت پر سلام پھیرنے کا ذکر ہے نیز اس حدیث میں کہا کہ آپ نے مسجد میں پڑی ہوئی ایک لکڑی پر تکیہ لگایا۔ یہاں فرماتے ہیں کہ آپ اپنے دولت کدہ میں تشریف لے گئے۔
دوسری وجہ کے بارے میں تو ممکن ہے کہ دونوں باتوں کا وقوع ہوا ہو۔ مگر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک بات کا ذکر کیا اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے دوسرے کا ذکر کیا مگر وجہ اولیٰ میں مخالفت دور کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ اسی بنا پر علماء نے کہا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں اور دونوں واقعات کے بیان کرنے والے حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ ہیں۔ واللہ اعلم

۹۹۲ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً يَشُكُّ فِى النُّقْصَانِ فَلْيُصَلِّ حَتّٰى يَشُكَّ فِى الزِّيَادَةِ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس نے اس طرح نماز پڑھی کہ اسے رکعات معینہ کے کم ہونے کا شک لہ ہو تو وہ اتنی رکعت مزید پڑھے کہ اسے رکعات کے زیادہ ہونے کا شک پڑنے لگے ٹہ (احمد)

لہ جیسے چار رکعت والی نماز میں شک پڑ جائے کہ تین رکعت پڑھی ہیں یا چار رکعت۔

۵۲ یعنی کم مقدار پر بنا کرے۔ چنانچہ صورتِ مذکورہ میں تین رکعت قرار دے۔ پس ایک رکعت اور ادا کرے۔ یہاں تک کہ اسے شک پڑے کہ چار رکعت ہو گئی ہیں یا پانچ۔ اس احتمال کی بنا پر کہ نفس الامر میں چار رکعت ہوں اور یہ پانچویں رکعت ہو یہی معنی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کا کہ اتنی رکعت زیادہ پڑھے کہ مقررہ مقدار سے زیادہ پڑھ جانے کا شک ہو۔

واضح ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چند مقامات پر سہو واقع ہوا ہے۔ اول قعدہ اولیٰ میں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوا۔ دوم آخری دو رکعت میں۔ جیسا کہ حضرت ذوالیدین کی حدیث میں واقع ہوا۔ سوم آخری ایک رکعت میں جیسا کہ حضرت خرباق کی حدیث میں آیا۔ چہارم پانچویں رکعت بڑھا دینے میں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے۔ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر قیاس کرتے ہوئے کہا ہے کہ نمازی اگر نماز کے واجبات میں سے کسی واجب کو بھول کر چھوڑ دے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ مگر اصحاب ظواہر سجدہ کرنے میں صرف انہیں مقامات پر کفایت کرتے ہیں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو کیا۔ ان کے علاوہ کسی اور جگہ بھول جانے کی صورت میں سجدہ سہو نہیں کرتے۔

یہاں دوسری بات جو ذہن میں رکھنے کے لائق ہے۔ یہ ہے کہ ان احادیث سے جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو سلام سے پہلے کیا ہے اور بعض مقامات میں سلام کے بعد۔ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے کبھی اس طرح کیا اور کبھی اس طرح۔ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ لیکن ائمہ کرام کے مذہب مختلف ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ ہر جگہ سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنے کے قائل ہیں۔ اور ان احادیث کو جو سلام سے پہلے سجدہ سہو کے [illegible] وارد ہوئی ہیں راجح قرار دیتے ہیں۔ بلکہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو احادیث بعد سلام میں وارد ہوئی ہیں وہ منسوخ ہیں [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنے کا ہے مگر ان کا یہ دعویٰ ثابت نہیں [illegible]

اس کے برعکس امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ ہر جگہ بعد سلام سجدہ سہو کرنے کے قائل ہیں۔ ان کے دلائل [illegible] احادیث وارد ہیں اور قوی بھی ہیں۔ صحاح ستہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کے بعد سجدہ سہو کرتے تھے۔ اگرچہ حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے بعد سلام بھی وارد ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ نے ذکر کیا۔ اسی طرح ابو داؤد، ابن ماجہ، احمد اور عبدالرزاق نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے [illegible] روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لِکُلِّ سَھْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ مَا یُسَلِّمُ یعنی ہر سہو کے لیے بعد سلام دو سجدے ہیں۔ جب [illegible] قول فعل سے زیادہ قوی ہے۔ جیسا کہ اصول فقہ میں یہ امر ثابت ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں [illegible] صحابہ کرام کی ایک جماعت سے منقول ہے جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت [illegible] حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جہاں سجدہ سہو نقصان کی تلافی کے لیے ہو۔ وہاں سجدہ سہو سلام سے پہلے ہوگا اور جہاں زیادتی کی بنا پر سجدہ سہو لازم آئے وہاں سلام پھیرنے کے بعد کیا جائے اور اگر نقصان اور زیادتی کی دونوں

صورتیں جمع ہو جائیں تو اس صورت میں قبل سلام سجدہ سہو کیا جائے۔ مزنی اور ابو ثور جو ائمہ شافعیہ میں سے ہیں، اسی قول پر ہیں۔ اور ابن عبد البر نے کہا کہ امام مالک کا قول نظر عقل کے موافق ہے۔ کیونکہ نقص اور کمی کی صورت میں نقصان کی تلافی مقصود ہوتی ہے۔ اس لیے چاہیے کہ سجدہ سہو اصل نماز میں داخل ہو اور زیادتی کی صورت میں ابلیس کو ذلیل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مگر ان کی یہ بات محل نظر ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام سے پہلے سجدہ سہو کیا ہے وہاں سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنا چاہیے اور جہاں سلام کے بعد سجدہ سہو کیا ہے وہاں سلام کے بعد سجدہ سہو کرنا چاہیے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ قول زیادہ قوی اور درستی کے زیادہ قریب ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی چیز مروی نہ ہوتی تو ہم کہتے کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے کرنا چاہیے۔

واضح ہو کہ یہ اختلاف جو مذکور ہوا کہ سجدہ سہو بعد سلام کیا جائے یا سلام سے پہلے، افضلیت و اولویت میں اختلاف ہے۔ اصل جواز میں اختلاف نہیں۔ اس بات کی تصریح ائمہ اربعہ کی کتب میں مذکور ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ سلام ایک طرف ہے یا دونوں طرف تو قول اول امام محمد رحمۃ اللہ کا قول ہے اور فخر الاسلام کا مختار و پسندیدہ قول بھی یہی ہے اور کہا کہ اپنے سامنے کی طرف سلام کہے اور کہا گیا ہے کہ دائیں جانب سلام کرے اور ہدایہ میں کہا کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ دونوں جانب سلام کہے۔ امام شمس الائمہ رحمۃ اللہ کا مختار و پسندیدہ یہی قول ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ سجدہ سہو کے بعد تشہد ہے یا نہیں، جو مذکور ہوا وہ بعض احادیث میں مذکور ہے۔ اور احناف کا مذہب یہی ہے جیسا کہ گزرا۔

بَابُ سُجُوْدِ الْقُرْاٰنِ

قرآن کے سجدوں کا باب

واضح ہو کہ سجود تلاوت میں علماء کا اختلاف ہے۔ آئمہ احناف کا مسلک ہے کہ یہ سجدہ واجب ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سنت اور اس کا کرنا نہ کرنے سے افضل و بہتر ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ کے نزدیک بھی واجب ہے اگر نماز میں ہو۔ سجدۂ تلاوت کے وجوب کے دلائل وہ آیات و احادیث ہیں جو اس کے ترک کی مذمت میں آئی ہیں، نیز وہ تاکید و مبالغہ ہے جو اس کے ادا کرنے میں وارد ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت نماز کا جزو ہے۔ مگر تخفیف و آسانی کے لیے صرف سجدہ پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اس بیان کے مطابق یہ سجدہ فرض ہونا چاہیے جس طرح نماز جنازہ میں قیام۔ لیکن چونکہ اس کے دلائل قطعی نہ تھے اس بنا پر اسے واجب قرار

دیا گیا اور ہم اس کی فرضیت کے قائل نہ ہوئے۔

اس بارے میں دوسرے آئمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کو دلیل قرار دیتے ہیں جس میں انہوں نے کہا کہ میں نے سورۃ النجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلاوت کی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ تلاوت نہ کیا (حالانکہ اس میں سجدہ تلاوت ہے) مگر اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ سجدہ علی الفور واجب نہیں (کہ آیت کے پڑھتے ہی سجدہ کرنا ضروری ہو تاخیر کرنا جائز نہ ہو) دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ نہ کرنا سورۃ النجم کے ساتھ خاص ہو کہ اس سجدہ میں اختلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر اس سجدے کے لیے بھی باوضو ہونا شرط ہے کہ اس شرط میں کسی کی طرف سے اختلاف منقول نہیں۔ صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ وہ بے وضو بھی کر لیتے تھے۔ آئمہ اور علماء میں سے کسی نے ان کے ساتھ اس میں موافقت نہیں کی سوائے امام شعبی رحمہ اللہ کے امام شعبی کے بارے میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ راستے پر چلتے ہوئے اور بے وضو غیر قبلہ کی سمت بھی اشارہ سے سجدہ کر لیتے تھے۔ جیسا کہ شیخ (ابن حجر) نے کہا۔ سلف میں سے بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ سجدہ تلاوت پڑھنے والے پر واجب ہے سننے والے پر واجب نہیں ہوتا چنانچہ اگر اتفاقاً بلا قصد آیت سجدہ کان میں پڑ گئی تو سجدہ واجب نہ ہوگا۔ بعض نے کہا کہ اگر پڑھنے والے نے سجدہ نہ کیا تو سننے والے پر بھی واجب نہیں گویا پڑھنے والا سننے والے کے لیے امام کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بات امام مالک سے [illegible] بعض نے کہا سجدے کا وجوب اسی صورت میں ہے کہ پڑھنے والا قصد و ارادہ سے تلاوت کرے [illegible] تلاوت نہ کرے۔ جس طرح قصہ خوان واعظ پڑھتے ہیں۔ تاہم احناف اور جمہور آئمہ کا مذہب یہ ہے کہ قاری (پڑھنے والے) اور سامع دونوں پر مطلق نماز کی شرائط کے مطابق یہ سجدہ واجب ہے [illegible] مذہب حق ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۹۵۷ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجَدَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّجْمِ[1] وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ[2]۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں [illegible] سب نے سجدہ کیا۔ (بخاری)

[1] یعنی سورۃ النجم کی آخری آیت میں۔

[2] یعنی ان تمام جنوں اور انسانوں نے جو اس مجلس میں حاضر و موجود تھے۔ اس معنی کے مطابق یہ الفاظ تاکید

کے علاوہ پر ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمام زمین کے تمام جنوں وانسانوں نے سجدہ کیا ہو، جن کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا۔

۳ علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے حکم سجدہ کی بجا آوری اور حق سبحانہ کی عظیم نعمتوں کی شکر گزاری کے طور پر کیا جو سورہ کے اوائل میں گن گن کر بیان کی گئی ہیں۔ اور مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں سجدہ کی بجا آوری اور شکر گزاری کے لیے کیا اور مشرکین کا سجدہ ان کے الہوں لات وعزیٰ ومنات کے نام سننے کی بنا پر تھا یا ان کا سجدہ کبریائے الٰہی عزوجل کے غلبہ جلال وسطوت کے ظہور اور اس ذات کی عزت وبزرگی چھا جانے اور اس کے انوار عظمت وہیبت کے چمک اٹھنے کی بنا پر تھا۔ ان پر عظمت وہیبت الٰہی کا اس قدر غلبہ ہوا کہ باطل کی تاب وطاقت فنا ہو کر رہ گئی اور وہ سجدہ کرنے میں بے اختیار ہو گئے اور ان کے انکار وعناد اور ہٹ دھرمی کا اثر بالکل مٹ کر رہ گیا اور ان کا تکبر وغرور مضمحل ہو گیا۔ مشرکین میں سے صرف انہوں نے سجدہ نہ کیا جو سب سے بدبخت اور سرکش تھے، انہوں نے سجدہ کرنے کے بجائے اپنے ہاتھوں سے خاک اٹھائی اور اپنے بدصورت ماتھوں اور چہروں پر مل لی۔ اور کہا کہ اتنا ہی کافی ہے جیسا کہ تیری فصل میں آرہا ہے۔ یہاں ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے جو زندیق اور بے دین لوگوں کا گھڑا ہوا اور سراسر افتراء ہے (اللہ ان کو ذلیل وخوار کرے) جسے بعض ان ارباب سیر وتاریخ نے بھی بیان کر دیا جو عجائب وغرائب کا تذکرہ کرنے کا بڑا شوق رکھتے ہیں۔ علماء محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو من گھڑت قرار دیا اور اس کے ابطال کی تصریح کی ہے۔ وہ قصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لات وعزیٰ ومنات کا ذکر کرتے وقت ان کی مدح وثنا بھی کر دی (معاذ اللہ) اور کہا۔

تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى

یہ بڑی عزت وبلندی والے ہیں اور بےشک ان کی شفاعت کی امید بھی رکھی جا سکتی ہے

یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر بھولے سے یہ الفاظ جاری ہو گئے یا ابلیس نے اپنی آواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے مشابہ کر کے آپ کی آواز کے ساتھ ملا دی اور مشرکین کو اس نے اپنی یہ آواز اس انداز سے سنوائی کہ انہوں نے اسے حضور کی آواز سمجھا، پھر وہ بھی سجدہ میں گر گئے اور انہوں نے کہا کہ اب محمد نے بھی ہمارے بتوں کی مدح وثنا کر دی ہے، ہمارا ان کا جھگڑا ختم ہو گیا ہے ہم بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق، زندہ کرنے والا، مارنے والا، سب کچھ جاننے والا، بخشنے والا اور سب کو رزق عطا کرنے والا ہے۔ یہ تو ہمارے صرف سفارشی ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شفاعت کا اقرار کر لیا ہے۔ یہ قصہ عقلاً ونقلاً کئی طرح سے باطل ومن گھڑت ہے۔ اس قصے کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے ہم نے شرح (عربی) میں بھی قدرے اس کا بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق ہی فرماتا ہے اور وہی راہ راست پر چلانے والا ہے۔

۹۹۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورہ اذا السماء انشقت اور سورہ اقرأ باسم ربک میں سجدہ کیا۔[1] (مسلم)

[1] اس سے ثابت ہوا کہ ان دو سورتوں میں سجدۂ تلاوت ہے اور اس شخص کا قول مردود ہو گیا جس نے کہا کہ مفصل سورتوں میں سجدہ نہیں ہے اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں آنے کے بعد ان میں سجدہ نہیں کیا جیسا کہ دوسری فصل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آ رہا ہے۔

959/3 وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ فَنَزْدَحِمُ حَتّٰى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا لِجَبْهَتِهٖ مَوْضِعًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کی آیت تلاوت کرتے اور ہم لوگ آپ کے پاس ہوتے تھے تو آپ سجدہ کرتے اور ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے تو ہمارے درمیان ہجوم کی شکل ہو جاتی یہاں تک کہ ہم میں سے کسی کو پیشانی رکھنے کی جگہ بھی نہ ملتی جہاں وہ سجدہ کرے۔[1] (بخاری و مسلم)

[1] واضح ہو کہ یہ سب مبالغہ و تاکید اور اجتماع و ہجوم تھا پھر جب سجدہ کی علامت ہے [illegible] تو یہ ہجوم کس لیے ہوتا۔ واللہ اعلم

960/4 وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّجْمِ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيْهَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورہ نجم کی تلاوت کی تو آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔[1] (بخاری و مسلم)

[1] یہ وہی حدیث ہے جسے سجدۂ تلاوت کے عدم وجوب کی دلیل بنایا [illegible] اسے ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

961/5 وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجْدَةُ صٓ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيْهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں سورہ ص کا سجدہ ان سجدوں میں سے نہیں ہے جن کے کرنے کا حکم ہے[1] اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس میں سجدہ کرتے تھے[2] اور ایک روایت میں

قَالَ مُجَاهِدٌ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ ءَاَسْجُدُ فِيْ صٓ فَقَرَاَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمَانَ حَتّٰى اَتٰى فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ فَقَالَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مِمَّنْ اُمِرَ اَنْ يَّقْتَدِيَ بِهِمْ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)	ہے کہ مجاہد نے کہا میں نے ابن عباس سے کہا کیا میں سورۃ ص میں سجدہ کروں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت ومن ذریتہ داؤد وسلیمان فبھداھم اقتدہ تک پڑھی پھر فرمایا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کی اقتدا اور پیروی کریں۔ (بخاری شریف)

۱؎ عزیمت کا معنی ہے دل کا کسی چیز کا ارادہ کرنا صراح میں ہے عزم عین کی زبر اور پیش سے اور عزیمت ارادہ کرنا اور کسی چیز پر دل رکھ دینا۔ اس کے بعد ضروری اور اہم کام کے لیے استعمال ہونے لگا۔ اور فقہا کی اصطلاح میں اس کا معنی ہے وہ حکم جو اپنے اصل پر قائم ہو۔

۲؎ علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مقام پر سجدہ کرنا حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ موافقت اور ان کی توبہ کی قبولیت کے شکر کے طور پر تھا اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بھائی داؤد نے سجدہ کیا کہ ان کی توبہ قبول ہوئی۔ ہم بھی اس جگہ ان کی شکر گزاری کی خاطر سجدہ کریں گے۔

۳؎ حضرت مجاہد تابعین میں سے اور فقہاء اور قراء مکہ میں سے اور اس کے اکابر واعاظم علماء میں سے ہیں۔ انہوں نے تیس مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو قرآن پاک سنایا تھا۔ ۱۰۳ھ میں وفات پائی۔

۴؎ تا آنکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آیت کے اس مقام تک آئے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ آپ بھی ان کی ہدایت کی اقتداء و پیروی کریں۔

۵؎ لہٰذا آپ اس امر کے زیادہ لائق ہیں کہ ان کی اقتدا کریں یعنی جب کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی موافقت میں سجدہ کیا تو ہمیں بھی یہاں سجدہ کرنا چاہیئے۔

یہاں اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور دیگر انبیاء سابقین کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اور ان کے تابع ہونے کی نسبت کیونکر درست ہو سکتی ہے۔ حالانکہ آپ سب کے مقتدی، متبوع اور سب سے افضل واکمل ہیں۔ تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ یہ نسبت صرف ظاہری طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انبیاء سابقین علیہم السلام سے وجود عنصری کے لحاظ سے آخر میں تشریف لانے کی بنا پر ہے۔ جس طرح آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا تابع بھی کہا گیا بلکہ اس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل واکمل ہونے کی دلیل قرار دیا گیا ہے کیونکہ جب آپ تمام کے تابع اور سب انبیاء کی ہدایت پر عمل پیرا ہوئے تو ضروری طور پر سب انبیاء کے کمالات کے جامع اور سب کی صفات کو اپنے اندر

فاضل کرنے والے ہوئے اور اس بنا پر سب سے افضل و اکمل قرار پائے۔ بیت

خوبی و ناز و کرشمہ حرکات و سکنات
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حرکات و سکنات میں خوبی اور ناز و کرشمہ جو تمام خوبان جہاں میں فرداً فرداً پایا جاتا ہے وہ سب تجھ اکیلے میں موجود ہے علیہ افضل الصلوات و التسلیمات اتمہا و اکملہا۔

اور یہ حدیث سورہ ص میں سجدہ تلاوت واجب نہ ہونے میں حضرات شوافع کی دلیل ہے۔ اور احناف اور امام مالک اور ایک روایت کے مطابق احمد کے نزدیک واجب ہے جس طرح دوسرے باقی قرآنی سجدے واجب ہیں اور یہ حدیث بھی عدم وجوب پر دلالت نہیں کرتی زیادہ سے زیادہ اس قدر ہے کہ اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے سجدہ کی وجہ بیان کی ہے کہ توبہ قبول ہونے کی بنا پر آپ نے سجدہ کیا اور اپنے سجدہ کرنے کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ ہم نے ان کی قبولیت توبہ کی شکر گزاری اور ان سے موافقت کرنے کے لیے کیا اور ہم اپنیوں کا سجدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام کی اقتداء میں ہے جن کی اقتدا کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا اور حقیقت میں تمام عبادات (فرائض و واجبات وغیرہ) سب شکر نعمت، حکم کی بجا آوری اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول کہ یہ سجدہ امور سجدوں میں سے نہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا وجوب ان امور میں سے نہیں جن کا ابتداءً بطور تعبد و بندگی حکم دیا گیا ہے بلکہ وہ اس مذکورہ سبب (قبولیت توبہ) و ادائے شکر کے طور پر واجب ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

امام احمد رحمۃ اللہ ابو بکر بن عبد اللہ مزنی سے ناقل ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سورہ ص لکھ رہا ہوں جب میں آیت سجدہ پر پہنچا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ دوات قلم اور ہر چیز جو اس پر تھی سب سجدہ میں گر گئی ہے میں نے یہ قصہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ سجدہ بھی باقی سجدوں کی طرح ضروری اور اس کے کرنے کا حکم [illegible] سجدہ عزائم میں سے نہ تھا اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی [illegible] کہ اس قصہ سے پیش آنے سے قبل یہ سجدہ واجب نہ تھا جیسا کہ [illegible]

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۹۶۲ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اَقْرَاَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمْسَ عَشْرَۃَ سَجْدَۃً فِی الْقُرْاٰنِ مِنْھَا ثَلٰثٌ فِی الْمُفَصَّلِ وَ فِیْ سُوْرَۃِ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے ان میں سے تین مفصل سورتوں میں اور دو سورۃ حج

الْحَجِّ سَجْدَتَيْنِ۔ میں ہیں سے

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ) (ابوداؤد، ابن ماجہ)

لہ بعض نسخوں میں اقرانی کا لفظ آیا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھائے اور بتلائے۔

سلہ یعنی سورہ حجرات سے آخر قرآن تک کی سورتیں مفصل سورتوں کا بیان اور اس میں اختلاف کتاب الصلوٰۃ کے ابتداء میں بیان ہو چکا ہے۔ ان تین سجدوں میں سے ایک سورۃ النجم میں دوسرا اذا السماء انشقت اور تیسرا سورۃ اقراء باسم ربک میں ہے۔

سلہ اور سورۃ حج میں دو سجدوں کی تعلیم دی۔ ایک آیت اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ میں اور دوسرا آیت یا ایہا الذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا میں۔

واضح ہو کہ تمام آئمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآنی سجدوں کی کل تعداد چودہ ہے۔ مگر امام مالک سے ایک روایت میں اور امام شافعی کے قول قدیم میں مفصل سورتوں میں سجدہ نہیں ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سورہ ص کے سجدہ کے قائل ہیں اور سورۃ حج کے دوسرے سجدہ کے قائل نہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ یہ نماز کا سجدہ ہے تلاوت کا سجدہ نہیں۔ اس قرینے کی بنا پر کہ یہاں سجدہ کے ساتھ رکوع کا ذکر بھی ہے۔ امام شافعی اور امام احمد اس کے برعکس کہتے ہیں اور امام احمد سے ایک روایت کے مطابق قرآن پاک میں پندرہ سجدے ہیں۔ وہ اس طرح کہ ایک سورۃ ص کا سجدہ اور سورۃ حج کے دو سجدے جیسا کہ یہ حدیث بھی سورت حج کے دو سجدے ثابت کرتی ہے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ضعیف ہے۔ دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اس کے بعض راوی مجہول ہیں۔

۱۲ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فُضِّلَتْ سُوْرَةُ الْحَجِّ بِاَنَّ فِيْهَا سَجْدَتَيْنِ قَالَ نَعَمْ وَمَنْ لَّمْ يَسْجُدْهُمَا فَلَا يَقْرَاْهُمَا۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ وَفِي الْمَصَابِيْحِ فَلَا يَقْرَاْهَا كَمَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ سورت حج کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ جس نے اس کے دو سجدے نہ کرے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے بھی روایت کیا اور کہا کہ یہ ایسی حدیث ہے جس کا اسناد قوی نہیں ہے اور کتاب مصابیح میں ہے کہ جیسا کہ شرح سنۃ میں ہے۔

۵؎ یعنی کامل طور پر نہیں پڑھا
۶؎ اور یہ حدیث بھی ضعیف ہے جیسا کہ امام ترمذی نے خود اگلے جملے میں فرمایا ہے۔
۷؎ کیونکہ اس کے راویوں میں سے ایک راوی ابن لہیعہ ہے اور وہ اگرچہ ائمہ حدیث میں سے ہے مگر ضعیف ہے۔ کیونکہ آخر عمر میں اس کے حفظ میں خلل اور غلط راہ پا گیا تھا جو اس کی روایت کردہ حدیث میں عدم اعتماد کا موجب بن گیا۔
۸؎ یعنی مصابیح میں فلا یقرء ھما ضمیر تثنیہ کے بجائے جس کا مرجع سجدہ کی دو آیتیں ہیں فلا یقرء ھا ضمیر واحد کے ساتھ آیا ہے۔ جس کا مرجع پوری سورت حج ہے اور شرح سنۃ میں بھی ایسا ہی ہے مصابیح کے الفاظ میں زیادہ مبالغہ ہے جو دلالت کرتا ہے کہ جس نے دو سجدے نہ کیے۔ اس نے گویا پوری سورت ہی نہ پڑھی اور ترک سجدہ پوری سورت کی تلاوت کا ثواب فوت کر دیتا ہے۔

۹۶۴/۸ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِيْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ فَرَاَوْا اَنَّهٗ قَرَاَ تَنْزِيْلَ السَّجْدَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا پھر کھڑے ہوئے اور رکوع کیا تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ نے سورۃ تنزیل السجدہ تلاوت کی ہے۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی کہ آپ نے سورت الم تنزیل الکتاب پڑھی ہے جس میں سجدہ کی آیت ہے صحابہ کرام کا یہ جاننا اور اعتقاد کرنا محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کرنے اور پھر رکوع جانے کی بناء پر تھا یا صحابہ نے کوئی آیت سنی تھی جس سے انہیں پتہ چلا کہ آپ نے یہ سورت پڑھی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی سورت سے کوئی آیت صحابہ کو سنا دیتے تھے تاکہ وہ جان لیں کہ آپ فلاں آیت پڑھ رہے ہیں یا بے اختیار غایت شوق و حضور کے باعث آپ سے کسی آیت کا جہر ہو جاتا تھا جیسا کہ باب القراۃ میں گزرا۔
پھر اس حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ سجدہ کرنے اور اٹھنے کے بعد باقی سورت پڑھے بغیر آپ رکوع میں چلے گئے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ باقی سورت پڑھنے کے بعد رکوع کرے پہلی صورت میں یہ بات لازم آتی ہے کہ پوری سورت نہ پڑھی جائے اور یہ صورت فی الجملہ جائز ہے یہاں سے یہ لازم نہیں آتا کہ سجدہ کے مقام میں قیام برائے رکوع اور قرات جائز نہیں جیسا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایسا کرنا واجب نہیں ہے اگر ایسا کرے گا تو جائز ہے (خوب سمجھو)

۹۶۵/۸ وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَ،

انہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے قرآن

عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ فَاِذَا مَرَّ بِالسَّجْدَةِ كَبَّرَ وَ سَجَدَ وَ سَجَدْنَا مَعَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

پاک پڑھتے تھے جب سجدے کی آیت پہ سے گزرتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے اور ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے[1]۔ (ابوداؤد)

[1] اس سے معلوم ہوا کہ قاری اور سامع دونوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے۔

۹۶۶ وَ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَرَاَ عَامَ الْفَتْحِ سَجْدَةً فَسَجَدَ النَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْهُمُ الرَّاكِبُ وَ السَّاجِدُ عَلَى الْاَرْضِ حَتّٰى اَنَّ الرَّاكِبَ لَيَسْجُدُ عَلٰى يَدِهٖ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

انہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال آیت سجدہ پڑھی تو سب لوگوں نے سجدہ کیا ان میں سوار بھی تھے اور زمین پر سجدہ کرنے والے بھی۔ یہاں تک کہ سوار اپنے ہاتھ پر سجدہ کرتا تھا[1]۔ (ابوداؤد)

[1] ہو سکتا ہے کہ بعض وہ حضرات جو سواری پر تھے انہوں نے نیچے اتر کر زمین پر سجدہ کیا ہو۔ حدیث کا لفظ اس بارے میں صریح نہیں ہے کہ سب لوگ جو سوار تھے ان سب نے سواری کی حالت میں اپنے ہاتھوں پر سجدہ کیا ہو (اسے سمجھو) اور یہ واقعہ اس واقعہ کے علاوہ ہے جو سورۃ النجم سے متعلق ہے جس میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم پڑھی اور مسلمانوں اور کافروں سب نے سجدہ کیا جیسا کہ گزرا کیونکہ وہاں مشرکوں میں ایسا آدمی بھی تھا جس نے مٹھی میں خاک لی اور اسے اپنے منحوس چہرے پر ڈالی اور کہا میرے لیے یہ کافی ہے۔ نیز فتح مکہ کے دن مشرکین موجود نہ تھے۔ لہٰذا سورۃ النجم والا قصہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے (غور سے کام لو)

۹۶۷ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لَمْ يَسْجُدْ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ مُنْذُ تَحَوَّلَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ منتقل ہونے کے بعد مفصل سورتوں میں سجدہ نہیں کیا[1]۔ (ابوداؤد)

[1] یعنی اگرچہ مدینہ منورہ کی طرف منتقل ہونے سے قبل قیام مکہ کے دوران آپ نے سجدہ کیا تھا اور سب لوگوں مسلمانوں کافروں اور جن وانس نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا تھا۔

یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے مخالف ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ سورت اذا السماء انشقت اور سورۃ اقرأ باسم ربک میں سجدۂ تلاوت کرتے تھے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ منتقل ہونے کے بعد ہجرت کے ساتویں سال ایمان لائے۔ محدثین نے کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث زیادہ صحیح اور زیادہ راجح ہے۔ اور بہت سے صحابہ کرام نے روایت کی ہے کہ مفصل سورتوں میں سجدہ ہے۔ اور اصول کا قاعدہ ہے کہ مثبت روایت نافی روایت پر فوقیت رکھتی ہے (یعنی وہ حدیث جو کسی حکم کو ثابت کرے اس حدیث پر فوقیت رکھتی ہے جو اس حکم کی نفی کرے)

۹۶۸/۱۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي سُجُودِ الْقُرْاٰنِ بِاللَّيْلِ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت قرآنی سجدوں کی تلاوت میں یہ الفاظ پڑھتے تھے۔ سجد وجھی للذی خلقہ وشق سمعہ وبصرہ بحولہ وقوتہ۔ یعنی سجدہ کیا میرے چہرے[1] نے اس ذات کے آگے جس نے اسے پیدا کیا اور اسے سجایا اور اس میں کان اور آنکھیں پیدا کیں۔ اپنی توانائی اور قوت سے اسے ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ف

۱؎ یعنی میرے چہرے یا میری ذات نے

۲؎ یعنی کان اور آنکھیں ایک قسم کا شگاف ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے سننے اور دیکھنے کی قوت رکھی [illegible] میں رات کی قید اتفاقی ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رات یا دن کی قید کے بغیر مطلق طور پر بھی یہ حدیث [illegible] بھی مروی ہے مذنب انی ظلمت نفسی فاغفرلی۔ اے اللہ میں نے اپنے [illegible] بھی مروی ہے۔ سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا۔ ہمارا رب پاک ہے اور ہمارے رب کا وعدہ [illegible] اور حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز کے سجدہ کی مسنون تسبیح سجدہ تلاوت میں کافی ہے کیونکہ نماز کا سجدہ [illegible] سے افضل ہے جب اس میں وہ تسبیح کافی ہے تو اس میں بطریق اولیٰ کفایت کرے گی۔ مگر اس کے باوجود اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سجدہ تلاوت میں جو مخصوص دعائیں مروی ہیں ان کا پڑھنا بھی بہت بہتر اور بہت مناسب ہے۔

۹۶۹/۱۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ رَأَيْتُنِي اللَّيْلَةَ وَأَنَا نَائِمٌ كَأَنِّي أُصَلِّي خَلْفَ شَجَرَةٍ فَسَجَدْتُ فَسَجَدَتِ الشَّجَرَةُ لِسُجُوْدِي فَسَمِعْتُهَا تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِي بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا وَضَعْ عَنِّي بِهَا وِزْرًا وَاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ ذُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاؤُدَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجْدَةً ثُمَّ سَجَدَ فَسَمِعْتُهُ وَهُوَ يَقُوْلُ مِثْلَ مَا أَخْبَرَهُ الرَّجُلُ عَنْ قَوْلِ الشَّجَرَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاؤُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ ۔

میں آیا اور کہا یا رسول اللہ میں نے آج رات سوتے میں ایک خواب دیکھا ہے کہ گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں اور میں نے سجدہ کیا ہے اور درخت نے بھی میرے سجدے کے ساتھ سجدہ کیا ہے[1] پھر میں نے اس درخت کو کہتے ہوئے سنا۔ اے اللہ میرے لیے اس سجدہ کے عوض اپنے پاس اجر و ثواب لکھ دے اور مجھ سے میرا بوجھ اتار دے اور اسے میرے لیے اپنے پاس ذخیرہ بنا اور اسے میری طرف سے قبول کر جس طرح تو نے اپنے بندے داؤد سے قبول کیا حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سجدہ پڑھی پھر آپ نے سجدہ کیا۔[2] پھر میں نے آپ کو سنا کہ آپ بھی وہی الفاظ پڑھ رہے تھے جن کی خبر اس شخص نے درخت کے پڑھنے کے بارے میں دی تھی اسے ترمذی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے مگر ابن ماجہ نے قبول کر اسے میری طرف سے جس طرح تو نے اپنے بندے داؤد سے قبول کیا تھا[3] کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی درخت بھی میرے سجدہ کے وقت یا میرے سجدہ کی طرح۔

[2] یعنی اس تعلیم کی غرض سے کہ حضرت نے درخت سے یہ دعا پڑھنے کی غرض سے آپ نے سجدہ کیا۔

[3] یعنی معلوم نہیں ہو سکا کہ اس صورت میں پڑھی یا کوئی اور سورت۔ ظاہر روایت میں اس لفظ کے ذکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی دن یہ سورۃ ص پڑھی ہوگی۔ اور اس وجہ سے بھی کہ یہاں مطلقاً آیت کا ذکر ہے اور ہو سکتا ہے دونوں روایتوں کا تعلق مختلف حال میں ہو مگر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت جو پہلی روایت میں مطلق آئی ہے اس سے مراد آیات سجدہ میں سے کوئی آیت ہو۔ واللہ اعلم۔

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث دونوں حدیثوں سے غریب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۹۷۰/۱۳ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَأَ وَالنَّجْمِ فَسَجَدَ فِیْھَا وَسَجَدَ مَنْ کَانَ مَعَہٗ غَیْرَ اَنَّ شَیْخًا مِّنْ قُرَیْشٍ اَخَذَ کَفًّا مِّنْ حَصًی اَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَہٗ اِلٰی جَبْھَتِہٖ وَقَالَ یَکْفِیْنِیْ ھٰذَا! قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ فَلَقَدْ رَاَیْتُہٗ بَعْدُ قُتِلَ کَافِرًا مُّتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَزَادَ الْبُخَارِیُّ فِیْ رِوَایَۃٍ وَھُوَ اُمَیَّۃُ بْنُ خَلَفٍ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ والنجم پڑھی تو اس میں سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا مگر قریش میں سے ایک بوڑھے شخص نے کہ اس نے ہاتھ میں کنکریاں یا مٹی لی اور اسے اپنی پیشانی پر لگا لا اور کہا میرے لیے یہ کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں بالتحقیق میں نے اس بوڑھے کو دیکھا کہ کفر کی حالت میں قتل ہوا بخاری مسلم اور بخاری نے ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ کیے کہ وہ بوڑھا امیہ بن خلف ہے۔

سلہ اور اس نے سجدہ کرنے سے تکبر کیا اور سرکشی اختیار کی باوجودیکہ باقی سب مشرکین نے جو اس کے ساتھ تھے سجدہ کیا

سلہ علماء فرماتے ہیں وہ مقتول امیہ بن خلف تھا۔ خلف لام کی زبر سے یہ بدر کے دن مارا گیا اور اس کا بھائی ابی بن خلف تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے احد کے دن قتل کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بوڑھا عتبہ بن ربیعہ ہے۔ اور بعض ولید بن مغیرہ بتلاتے ہیں بعض نے کہا بعض اہل الناس مراد ہے کہ ان سب کا کفر پر قتل ہونا اول ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ فتح مکہ کے دن یہ کافر موجود نہ تھا۔

۹۷۱/۱۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِیْ صٓ وَقَالَ سَجَدَھَا دَاوٗدُ تَوْبَۃً وَّنَسْجُدُھَا شُکْرًا۔ (رَوَاہُ النَّسَائِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے [illegible] بے شک نبی [illegible] سجدہ کیا [illegible] ہم [illegible] شکر کا سجدہ کرتے ہیں [illegible] (نسائی)

سلہ یعنی اس واقعہ میں جو ان کے متعلق سورۃ ص میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمائش میں ڈالا [illegible] میں مصروف ہو گئے اس کوتاہی کے باعث جو ان سے صادر ہوئی تھی۔

سلہ یعنی ہم داؤد کی توبہ کی قبولیت کی شکرگزاری کے لیے سجدہ کرتے ہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام شخص واحد کی طرح ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک نبی پر افاضہ نعمت گویا تمام انبیاء پر افاضہ نعمت ہوتا ہے۔ اور ہمارے

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے لیے مشفق باپ کی طرح ہیں، اس لیے آپ ان پر نعمت یاد کر کے بہت زیادہ خوشی اور مسرت محسوس کرتے ہیں۔

بَابُ اَوْقَاتِ النَّهْيِ

ممانعت نماز کے اوقات

یعنی ان اوقات کے بیان کا باب جن میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ ان تین اوقات کو بھی شامل ہے جن میں نماز پڑھنا حرام ہے یعنی طلوع وغروب آفتاب اور نصف النہار کا وقت۔ اور دو وقت اور ہیں کہ ان میں نماز مکروہ ہے۔ فجر اور عصر کے بعد۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ مذکورہ تین اوقات میں ممانعت فرض ونفل دونوں کو شامل ہے۔ لہذا ان تین اوقات میں کوئی نماز جائز نہیں۔ نہ ادا نہ قضا۔ مگر اس دن کی عصر، اور نہ نماز جنازہ نہ سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ میں جب کہ ان اوقات میں حاضر ہو۔ اسی طرح سجدۂ تلاوت میں جب کہ آیت سجدہ ان اوقات میں پڑھی جائے، ایک قول کے مطابق ادا کر لینا جائز ہے اسی طرح دیگر کے وقت میں بھی جائز ہے مگر نیت باندھ کر توڑ دے اور وقت مکروہ گزرنے پر قضا کرے، اور اسی وقت مکروہ میں پوری کرے تو بھی ذمہ داری سے نکل آئے گا۔ مگر توڑ دینا افضل ہے۔ جیسا کہ شرح ابن الہمام میں مبسوط سے منقول ہے۔

اور امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ان اوقات میں قضا جائز ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضا کے بارے میں فرمایا ہے فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا کہ جب یاد آئے قضا نماز پڑھ لے اور نماز جنازہ جب حاضر ہو اور تحیۃ المسجد بھی اگر اتفاق سے مسجد میں داخل ہو جائے تو ادا کر لے۔ تاہم اگر ان اوقات میں تحیت کے ارادہ سے مسجد کے اندر آئے قصد کر کے کہ ان اوقات میں ادا کرے تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ چیز اس میں داخل ہے کہ وہ کوشش اور قصد وارادہ سے طلوع وغروب کے اوقات میں نماز پڑھنا چاہتا ہے۔ یہاں کو یہ پہلی حدیث کے حکم کے مطابق ممنوع ہے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اسی طرح نماز کسوف بھی ان اوقات میں جائز ہے کہ دیر کرنے سے ہو سکتا ہے کہ گرہن ہی ختم ہو جائے اور وضو کے بعد کی دو رکعتیں اور احرام وطواف کی دو رکعات اور سجدۂ تلاوت کی آیت اگر ان دو اوقات مکروہ میں پڑھی گئی۔

پھر احناف کے نزدیک یہ کراہت تمام نمازوں اور جگہوں کو شامل ہے مگر امام شافعی اور ان حضرات کے نزدیک جو ان کے موافق ہیں کہ جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت بھی جائز ہے۔ اور ان کے نزدیک مکہ معظمہ میں تمام اوقات میں جائز روا ہے۔ اور امام احمد کے نزدیک طواف کی رکعتیں فجر اور عصر کے بعد جائز ہیں، اور نصف النہار اور طلوع وغروب آفتاب

۴ؔ یا اذان کے توجہ یا اپنے ہاتھ اٹھانے کے لیے طلوع و غروب آفتاب کے وقت کی انتظار نہ کرو یعنی طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز نہ پڑھو۔

۵ؔ اس عبارت کی شرح باب مواقیت الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔ یہاں غروب کا ذکر نہ کیا ایک تو اختصار کے لیے دوسرے طلوع آفتاب پر کفایت کرتے ہوئے۔

۹۶۳ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ثَلٰثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَانَا اَنْ نُّصَلِّيَ فِيْهِنَّ اَوْ نَقْبُرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ وَحِيْنَ يَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ حَتّٰى تَمِيْلَ الشَّمْسُ وَحِيْنَ تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰى تَغْرُبَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں تین اوقات ایسے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھنے سے منع فرمایا یا یہ کہ ہم ان اوقات میں اپنے مردے[۱] دفن کریں۔ جب سورج اپنی چمک دمک کے ساتھ طلوع ہو رہا ہوتا ہے اور نصف النہار[۲] کے وقت یہاں تک کہ ڈھلنا شروع ہو جائے اور جب سورج غروب ہونے لگے یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔ (مسلم)

۱ؔ مردے دفن کرنے سے مراد نماز جنازہ ہے۔ ورنہ ان اوقات میں دفن کرنا اور قبر میں اتارنا بالاجماع ممنوع نہیں ہے۔ جیسا کہ اللمعات وغیرہ میں ہے اور وہ تین اوقات یہ ہیں جو اس حدیث میں مذکور ہوئے۔

۲ؔ یعنی ٹھیک دوپہر کو جب کہ سورج کھڑا ہوتا ہے۔ اس سے مراد اس کا سایہ ہے یا خود آفتاب ہے۔

۹۶۴ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلٰوةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے[۱] (بخاری و مسلم)

۱ؔ یہ نفی کمال کی نفی ہے کہ ان اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے حرام نہیں۔

۹۶۵ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عمرو ابن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف

الْمَدِيْنَةَ فَقَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلْتُ
عَلَيْهِ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الصَّلٰوةِ
فَقَالَ صَلِّ صَلٰوةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ
عَنِ الصَّلٰوةِ حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ
حَتّٰى تَرْتَفِعَ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ حِيْنَ تَطْلُعُ
بَيْنَ قَرْنَیْ شَيْطَانٍ وَّحِيْنَئِذٍ يَّسْجُدُ
لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ
مَشْهُوْدَةٌ مَّحْضُوْرَةٌ حَتّٰى يَسْتَقِلَّ
الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ
فَاِنَّ حِيْنَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ فَاِذَا
اَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُوْدَةٌ
مَّحْضُوْرَةٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ
اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰى تَغْرُبَ
الشَّمْسُ فَاِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَیْ
شَيْطَانٍ وَّحِيْنَئِذٍ يَّسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ
قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَالْوُضُوْءُ
حَدِّثْنِيْ عَنْهُ قَالَ مَا مِنْكُمْ رَجُلٌ
يُّقَرِّبُ وَضُوْءَهٗ فَيَتَمَضْمَضُ وَيَسْتَنْشِقُ
فَيَسْتَنْثِرُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهٖ
وَفِيْهِ وَخَيَاشِيْمِهٖ ثُمَّ اِذَا غَسَلَ
وَجْهَهٗ كَمَا اَمَرَهُ اللّٰهُ اِلَّا خَرَّتْ
خَطَايَا وَجْهِهٖ مِنْ اَطْرَافِ لِحْيَتِهٖ
مَعَ الْمَآءِ ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ اِلَى
الْمِرْفَقَيْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا يَدَيْهِ
مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَآءِ ثُمَّ يَمْسَحُ

لائے تو میں بھی مدینے آیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا
اور عرض کیا مجھے نماز کے متعلق خبر دیجیے فرمایا نماز فجر
پڑھو پھر آفتاب طلوع ہونے تک نماز سے باز رہو
یہاں تک کہ بلند ہو جائے کیونکہ وہ نکلتے وقت
شیطان کے دو سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔ اور
اس وقت اسے کفار سجدہ کرتے ہیں پھر نماز پڑھو کیونکہ
نماز حاضری یا گواہی کا وقت ہے یہاں تک کہ
نیزے کا سایہ کم ہو جائے پھر نماز سے باز رہو
کیونکہ اس وقت دوزخ تپایا جاتا ہے پھر جب
زوال کا سایہ آگے ہو جائے تو نماز پڑھو کیونکہ
وہ حاضری اور گواہی کا وقت ہے یہاں تک کہ
نماز عصر پڑھ لو پھر سورج ڈوبنے تک نماز
سے باز رہو کیونکہ وہ شیطان کے سینگوں
کے درمیان ڈوبتا ہے اور اس وقت کفار
اسے سجدہ کرتے ہیں [illegible]
عرض کیا یا رسول اللہ مجھے وضو کے متعلق خبر
دیجیے فرمایا ایسا کوئی شخص نہیں جو [illegible]
کا پانی [illegible] پھر کلی کرے [illegible]
[illegible] مگر اس کے چہرے [illegible]
کی خطائیں نکل جاتی ہیں پھر جب [illegible]
منہ دھوئے جیسے اسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا
مگر اس کے چہرے کی خطائیں داڑھی کے کناروں
سے پانی کے ساتھ نکل جاتی ہیں پھر اپنے ہاتھ کہنیوں
تک دھوئے مگر اس کے ہاتھوں کی خطائیں پانی کے
ساتھ پوروں سے گر جاتی ہیں پھر اپنے سر کا مسح

رَاْسِهٖ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رَاْسِهٖ مِنْ اَطْرَافِ شَعْرِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رِجْلَيْهِ مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَاءِ فَاِنْ هُوَ قَامَ فَصَلّٰى فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ وَ مَجَّدَهٗ بِالَّذِىْ هُوَ لَهٗ اَهْلٌ وَ فَرَّغَ قَلْبَهٗ لِلّٰهِ اِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِيْئَتِهٖ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ ـ

کرے مگر اس کے سر کی خطائیں پانی کے ساتھ بالوں کے کناروں سے گر جاتی ہیں۔ پھر اپنے پاؤں دھوئے مگر اس کے پاؤں کی خطائیں پانی کے ساتھ پوروں سے گر جاتی ہیں۔ پھر اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ کی وہ حمد و ثنا اور بڑائی کرے جس کے وہ لائق ہے اور اپنا دل اللہ کے لیے خالی کر لے ۔ مگر اپنی خطاؤں سے اس دن کی طرح پھرے گا جس دن اسے ماں نے جنا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(مسلم)

لہ عَبَسَہ عین اور سین کی زبر سے آپ مشہور صحابی ہیں۔ آپ کے حالات شریفہ اور قصہ ابتداء اسلام کئی جگہ مذکور ہوا ہے۔

لہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس صحابی نے نماز کے وقت کے بارے میں دریافت کیا تھا۔

لہ اصل میں لفظ اقصر ہمزہ کی زبر سے صیغہ امر ہے مصدر اقصار سے جب کوئی شخص کسی کام کی طاقت رکھتے ہوئے اس سے باز رہے اور اسے نہ کرے تو اس کے لیے کہتے ہیں۔ اُقْصِرْتُ اور اگر کسی کام کے کرنے کی اس میں طاقت ہی نہ ہو اور اس بنا پر اسے نہ کر سکے تو اسے قَصُرْتُ کہتے ہیں یعنی اس کام کے کرنے سے تو قاصر رہا ہے اور یہاں ہمزہ نہیں آتا۔ عربوں کے ہاں اس لفظ کا استعمال یوں ہی آیا ہے۔

لہ یعنی نماز نفل وغیرہ جو چاہے ادا کرے۔

لہ یعنی اس وقت کی نماز میں یا مطلق نماز کے وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ یا نمازی کے لیے اس کے نماز پڑھنے پر گواہی دیتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک محضورۃ ضاد نقطہ والے کے ساتھ معنی اول کے مطابق مشہودۃ کی تاکید و تقریر ہے اور ایک روایت میں مشہودۃ مکتوبۃ آیا ہے۔ یعنی اس نماز کے وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس کے اعمال نامہ میں اس کا اجر و ثواب درج کرتے ہیں۔ اور ملائکہ کرام کتابت اعمال کے لیے بھی آتے ہیں۔

یعنی اس نیزے کا سایہ جو زمین گھاڑا جاتا ہے نیزے سے کم اور بہت چھوٹا ہو جائے۔ جیسا کہ دوپہر کے وقت ہوتا ہے اور لفظ استقلال بلند ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یعنی سایہ نیزہ سے بلند ہو جائے اور زمین پر نہ پڑے

بعض روایات میں حتی یستقل سمع بالظل بھی آیا ہے یعنی نیزہ کے مقابلے میں اس کا سایہ کم ہو جائے [illegible] عبارتوں کے معنی کا مآل ایک ہی ہے یا قلت اور کمی کے معنی پر محمول ہے۔

۵۷ تسجر کا لفظ جیم کی شد اور تخفیف دونوں طرح روایت آئی ہے۔

۵۸ اور اس کی فضیلت اور درجہ بیان فرمائیں۔

۵۹ وضوء واو کی زبر کے ساتھ۔ در اصل اس عبارت میں وضو اور طہارت کے اہتمام کی طرف اشارہ ہے کہ بندے کو چاہیے کہ وضو کا پانی حاصل کرنے اور اس کی تیاری میں خود کوشش کرے خادم دنوکر کے ذمے نہ لگائے اس مشقت اور اپنے مولیٰ کی عبادت و خدمت میں کسی اور کو شریک نہ کرے۔

۶۰ یستنثر تین نقطوں والی ثا کے ساتھ۔ لفظ استنشاق میں ناک کی صفائی میں مبالغہ ہے کیونکہ ناک شیطان کے رات بسر کرنے کی جگہ ہے۔ جیسا کہ وضو کے باب میں گزرا۔

۶۱ یعنی منہ اور ناک کے اندر کے حصے کے گناہ اور خطائیں۔ خرت نقطہ والی خا اور را شدہ کے ساتھ خرور سے بمعنی اوپر سے نیچے گرنا۔ یہ لفظ جیم اور را مخفف سے بھی مروی ہے بمعنی اور بہا [illegible]۔

۶۲ یعنی ان صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جس کے وہ لائق ہے۔

۶۳ گویا اس قول میں باطنی گناہوں سے اپنے آپ کو پاک کرنے کی جانب اشارہ ہے جس طرح [illegible] ظاہری اعضا کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اگلا ارشاد کہیتہ یوم ولدتہ امہ اس پر بالکل ٹھیک صادق آگیا کہ جس طرح ماں کے پیٹ سے نکلنے کے وقت گناہوں سے پاک ہوتا ہے [illegible] صاف ہو جاتا ہے۔

۹۷۱ وَعَنْ كُرَيْبٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَالرَّحْمٰنِ ابْنَ الْاَزْهَرِ اَرْسَلُوْهُ اِلٰى عَائِشَةَ فَقَالُوْا اِقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ وَسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَبَلَّغْتُهَا مَا اَرْسَلُوْنِيْ فَقَالَتْ سَلْ اُمَّ سَلَمَةَ فَخَرَجْتُ اِلَيْهِمْ فَرَدُّوْنِيْ اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ

[illegible] حضرت ابن عباس [illegible] عبدالرحمٰن [illegible] عائشہ رضی اللہ عنہا [illegible] سہو کا [illegible] رکعت کے [illegible] عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں وہ پیغام پہنچایا جو مجھے دے کر بھیجا تھا۔ انہوں نے فرمایا ام سلمہ سے پوچھو۔ میں ان حضرات کی طرف واپس ہوا۔ انہوں نے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْهُمَا ثُمَّ رَأَيْتُهُ يُصَلِّيهِمَا ثُمَّ دَخَلَ فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ الْجَارِيَةَ فَقُلْتُ قُوْلِي لَهُ تَقُوْلُ أُمُّ سَلَمَةَ يَا رَسُوْلَ اللهِ سَمِعْتُكَ تَنْهَى عَنْ هَاتَيْنِ الرَّكْعَتَيْنِ وَأَرَاكَ تُصَلِّيهِمَا قَالَ يَا ابْنَةَ أَبِي أُمَيَّةَ سَأَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَإِنَّهُ أَتَانِي نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَشَغَلُوْنِي عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

مجھے ام سلمہ کے پاس بھیجا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے منع کرتے سنا پھر میں نے آپ کو یہ رکعتیں پڑھتے دیکھا پھر آپ تشریف لائے[۵] تو میں نے ایک لڑکی[۶] کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور میں نے کہہ دیا کہ آپ سے عرض کرنا یا رسول اللہ ام سلمہ عرض کرتی ہے کہ میں نے آپ کو ان دو رکعتوں سے منع کرتے سنا اور آپ کو یہ رکعتیں پڑھتے دیکھتی ہوں۔ فرمایا اے ابو امیہ کی بیٹی[۷] تو نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے متعلق مجھ سے پوچھا ہے میرے پاس عبدالقیس[۸] کے کچھ لوگ آئے تھے جنہوں نے ظہر کے بعد والی دو رکعتوں سے باز رکھا۔ یہ وہی دو رکعتیں ہیں[۹]۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ کریب کاف کے پیش اور را کے زبر سے۔

۲؎ مخرمہ میم کے زبر خا ساکن اور را کے زبر سے اور مسور میم کے زیر سین ساکن اور واؤ کے زبر سے۔ یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے [illegible] ہیں۔ یہ ہجرت کے بعد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور ۸ھ میں مکہ سے نقل مکانی کر کے [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنیں [illegible] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک مدینہ منورہ میں درس حدیث دیتے رہے۔ پھر مستقل طور پر مکہ میں آ گئے [illegible] آپ نے یزید کی بیعت سے نفرت کا اظہار کیا۔ تا آنکہ یزید نے [illegible] حضرت مسور نماز پڑھ رہے تھے کہ دوران نماز آپ کو منجنیق (اس [illegible]) کا ایک پتھر لگا جس سے نماز ہی میں شہید ہو گئے رضی اللہ عنہ۔

۳؎ [illegible] آپ [illegible] حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ برادر زادہ ہیں غزوہ حنین [illegible] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ہم عمر لوگوں میں سے ہیں۔ حضرت کریب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام [illegible]

۴؎ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے عصر کے بعد کی دو رکعتوں کا حال دریافت کرو کہ ان کا ادا کرنا جائز ہے یا نہیں [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہیں یا نہیں۔ گویا ان حضرات نے سن رکھا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہیں۔

۵۵ کہ انہیں اس بارے میں علم ہے۔

۵۶ یہ حضرت کریب رضی اللہ عنہ کا غایت ادب اور ان کی دانائی کا مظہر ہے کہ حضرت عائشہ سے سیدھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہ گئے کیونکہ ان حضرات نے انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا تھا۔ نہ کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس لیے پہلے واپس لوٹ کر ان حضرات کے پاس گئے۔ پھر جب ان حضرات نے انہیں حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجا تو حضرت ام سلمہ کے پاس گئے۔

۵۷ کہ صرف یہ دو رکعتیں یا مطلق کوئی بھی نماز عصر کی نماز کے بعد ادا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۵۸ گویا آپ نے یہ دو رکعت مسجد میں ادا کی تھیں۔ پھر دولتکدہ میں تشریف لائے یا پہلے آپ گھر کے حجرے پر تھے پھر گھر میں داخل ہوئے۔

۵۹ یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو۔

۶۰ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں فرمایا۔

۶۱ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام سہیل بن مغیرہ مخزومی ہے اور ان کی کنیت ابو امیہ تھی۔

۶۲ یعنی قبیلہ عبدالقیس کے کچھ لوگوں نے دینی احکام سیکھنے کے لیے مجھے مصروف رکھا۔

۶۳ یہ دو رکعتیں وہ ظہر کی بعد والی دو رکعتیں ہیں جن میں [illegible]

۶۴ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دین کی تعلیم دینا، احکام شریعت کی تبلیغ و اشاعت [illegible] سکھانا نفل نماز سے اہم اور افضل ہے۔ اگرچہ یہ نماز سنت مؤکدہ ہی کیوں نہ ہو [illegible] حدیث سے [illegible] کہ اگر کسی وقت نماز سے متعلق نفل نماز یعنی سنت مؤکدہ نماز رہ جائے [illegible] شافعی حضرات کا مذہب یہی ہے۔ مگر حنفیہ کے نزدیک انہیں [illegible] (جیسے ظہر کی پہلی چار رکعت سنت مؤکدہ اگر فرض نماز سے پہلے [illegible] جائیں) باقی رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت ظہر [illegible] پڑھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کو تعلیم و ہدایت کی ضرورت کے تحت توڑ دی ہوں۔ اس وجہ سے [illegible] کے بعد توڑنے سے ان کی قضا واجب ہو جاتی ہے) واللہ اعلم۔

سوال۔ اگر یہ کہا جائے کہ بے شک یہ حدیث تو صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی دو رکعت سنتیں جو عصر کے بعد پڑھیں وہ وفد عبدالقیس سے مصروفیت کی بنا پر ظہر کے بعد نہ پڑھی جا سکی تھیں۔ اس لیے انہیں عصر کے بعد پڑھا۔ مگر ان احادیث کا کیا جواب ہو گا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح البخاری میں مروی ہیں

اور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو رکعتیں ہمیشہ پابندی سے پڑھی ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں مجھے اس رب تعالیٰ کی قسم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے آخرت کی طرف لے گیا آپ نے بعد عصر کی دو رکعت کبھی ترک نہ کیں تا آنکہ آپ نے اپنے پروردگار سے ملاقات کی (دنیا سے رحلت کر گئے)

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلوت وجلوت ہر حالت میں یہ دو رکعت پڑھتے تھے کبھی ترک نہ کرتے تھے اور فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بعد عصر میرے گھر تشریف نہ لائے مگر دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے جمہور علماء بھی اسی پر ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اس وقت میں نماز پڑھنے سے روکتے اور سزا دیتے تھے۔ مگر بعد نماز عصر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دو رکعت پڑھنا بھی ثابت ہے۔ اس بارے میں علماء نے بہت گفتگو کی ہے اس کا کچھ حصہ عربی شرح (لمعات) میں مذکور ہوا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ بعد عصر آپ کا دو رکعت پڑھنا اور پابندی سے پڑھنا آپ کے خصائص میں سے تھا اور امت کو آپ نے اس سے منع فرمایا جس طرح کہ آپ خود وصال کے روزے رکھتے تھے مگر دوسروں کو اس سے منع کرتے تھے بعض کہتے ہیں کہ آپ نے بعد عصر نماز پڑھنے سے اس لیے منع کیا کہ لوگ غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنا شروع نہ کر دیں۔ لہٰذا اگر بعد نماز عصر کوئی نماز غروب آفتاب سے پہلے پڑھی جائے تو مکروہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو مارنا اور سزا دینا بھی اسی خدشے کی بنا پر تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز صبح اور نماز عصر کے بعد اس شخص کے لیے نماز پڑھنا مکروہ ہے جو طلوع وغروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ کرے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے لَا تَحَرَّوْا بِصَلٰوتِکُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَہَا۔ یعنی اپنی نمازوں کے لیے طلوع اور غروب آفتاب کا وقت مقرر نہ کرو۔ جیسا کہ باب کے ابتداء میں گزرا۔ جمہور علماء اس پر ہیں کہ مذکورہ دونوں نمازوں کے بعد مطلق نماز مکروہ ہے۔

منقول ہے کہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ لوگوں سے چھپ کر گھر میں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا۔ آپ لوگوں کے سامنے کیوں نہیں پڑھتے۔ فرمایا لوگوں سے ڈر کے مارے ظاہر یہ ہے کہ اس امام اجل کا مذہب اس بارے میں باقی لوگوں کے مذہب کے خلاف تھا اور چونکہ جمہور مسلمان نہ پڑھنے کے قائل تھے اس لیے اس امام نے نہ چاہا کہ بے چارے لوگوں کے خلاف ایک کام کریں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۹۷۸ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَاَى النَّبِيُّ

حضرت محمد بن ابراہیم حضرت قیس بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ لَمْ اَكُنْ صَلَّيْتُ الرَّكْعَتَيْنِ الَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا فَصَلَّيْتُهُمَا الْاٰنَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

صبح کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو فرمایا صبح کی نماز دو دو رکعت ہے[۲]۔ اس شخص نے عرض کیا میں نے صبح کے دو فرضوں سے پہلے کی دو رکعتیں نہ پڑھی تھیں[۳]۔ میں نے وہ اب پڑھی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے[۴]۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ وَقَالَ اِسْنَادُ هٰذَا الْحَدِيْثِ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ اِبْرَاهِيْمَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَنُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ قَيْسِ بْنِ قَهْدٍ نَحْوَهٗ.

اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کیا اور فرمایا اس حدیث کا اسناد متصل نہیں کیونکہ محمد بن ابراہیم کا قیس بن عمرو سے سماع ثابت نہیں ہے[۱] اور شرح السنۃ اور نسخ مصابیح میں قیس بن قہد سے اس کی مثل روایت کیا۔

---

۱ حضرت محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کم سن تابعین میں سے ہیں اور قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں۔

۲ یعنی کیا تو صبح کی نماز اس طرح ادا کرتا ہے کہ پہلے دو رکعت فرض پڑھتا ہے اور اس کے بعد دو رکعت نفل باوجودیکہ تجھے علم ہے کہ اس نماز کے بعد کوئی نماز جائز نہیں۔

۳ یعنی میں نے فجر کی دو سنتیں نہ پڑھی تھیں، اس لیے وہ اب پڑھ رہا ہوں۔

۴ اور اس سے منع نہ کیا، بلکہ اس کے فعل کو قائم اور باقی رکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر فجر کی سنتیں فرضوں سے پہلے نہ پڑھی ہوں تو فرضوں کے بعد انہیں قضا کر لیا جائے۔ امام شافعی اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے، امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سنتوں کی قضا نہ فرضوں کے بعد ہے نہ طلوع آفتاب کے بعد مگر جب کہ فجر کے فرض بھی قضا ہو گئے ہوں۔ جیسا کہ لیلۃ التعریس (غزوہ خیبر سے واپسی کی ایک رات) میں ہوا۔ امام محمد رحمۃ اللہ نے کہا میں پسند کرتا ہوں کہ ان سنتوں کو زوال سے پہلے پہلے قضا پڑھ لیا جائے۔ شیخین (امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف)

فرماتے ہیں سنتوں میں اصل عدم قضا ہے کہ قضا واجب کے ساتھ خاص ہے اور اس بارے میں حدیث وارد نہیں ہوئی مگر اس شکل میں کہ فرض بھی رہ جائیں اور سنتیں ان کے تابع سنتیں بھی قضا کی جائیں۔ لہٰذا اس صورت کے علاوہ باقی صورتیں اپنی اصل پر باقی رہیں گی یعنی عدم قضا اور محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ کی حدیث ضعیف ہے استدلال کی صلاحیت نہیں رکھتی اور باقی نمازوں کی سنتیں الگ قضا نہ کی جائیں گی۔ اور فرضوں کے تابع ہو کر ان کی قضا میں اختلاف ہے کذا فی الھدایۃ۔ امام ترمذی نے کہا۔ علمائے مکہ کی ایک جماعت حدیث قیس کے پیش نظر سنتوں کی قضا کی قائل ہے۔ وہ کہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں کہ مرد فرضوں کے بعد طلوع آفتاب سے قبل دو سنتیں پڑھے یہ علماء ایک اور حدیث بھی بیان کرتے ہیں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مَنْ لَّمْ یُصَلِّ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ فَلْیُصَلِّھِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ۔ جس نے سنت فجر کی دو رکعت نہ پڑھی ہوں وہ طلوع آفتاب کے بعد انہیں پڑھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہی عمل مروی ہے اور اسی کے قائل ہیں سفیان ثوری، ابن المبارک، شافعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ، انتہیٰ۔

۵ یعنی شرح السنہ اور مصابیح کے نسخوں میں محمد بن ابراہیم عن قیس بن قہد قاف کی زبر اور ہا ساکن، سے یہ حدیث مروی ہے اور ترمذی نے قیس بن عمرو اور قیس بن قہد دونوں سے روایت کیا اور کہا حفاظ حدیث کے نزدیک صحیح قیس بن عمرو ہے اور تقریب اور کاشف اور ذہبی میں قیس بن عمرو کا ذکر کیا نہ قیس بن قہد کا ذکر نہ کیا بعض کتابوں میں قیس بن عمرو اور قیس بن عمرو اور قیس بن قہد دونوں کا ذکر کیا ہے اور کہا کہ دونوں حضرات بنی نجار سے ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ محمد بن ابراہیم التیمی نے فجر کی دو سنتوں والی حدیث جس سے روایت کی وہ قیس بن قہد ہے۔ اور بعض نے کہا قیس بن عمرو سے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۹۶ وَعَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوْا اَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَیْتِ وَصَلّٰی اَیَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنَ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ۔

حضرت جبیر[۱] بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبد[۲] مناف کی اولاد نہ روکو کسی کو بھی جو اس بیت کا طواف کرے اور رات اور دن کی جس گھڑی میں بھی نماز پڑھے[۳]۔ (ترمذی۔ ابوداؤد) (نسائی)

۱ یعنی حضرت جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف قرشی نوفلی رضی اللہ عنہ۔ آپ فتح مکہ سے پہلے خیبر کے سال اسلام لائے، معززین قریش میں سے تھے۔

۵۲ ایک روایت میں یا بنی عبد المطلب (اے عبد المطلب کی اولاد) کا لفظ آیا ہے۔

۵۳ طواف کرنے میں تو جس گھڑی میں بھی ہو خواہ طلوع و غروب اور دوپہر کے وقت ہو خواہ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد ہو خواہ کسی اور وقت میں، کسی کا اختلاف نہیں۔ اختلاف نماز ادا کرنے میں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ہر نماز جائز ہے طواف کی دو رکعتیں ہوں یا کوئی اور نماز۔ اس حدیث کے ظاہر معنی کو دلیل بناتے ہوئے۔ امام احمد کے نزدیک طواف کی دو رکعتیں طواف کے تابع ہونے کی وجہ سے جائز ہیں۔ احناف کے نزدیک مکروہ اوقات میں مطلق کوئی نماز جائز نہیں۔ اور کسی کام کے حرام و مکروہ ہونے میں مکہ معظمہ کا حکم بھی دوسرے تمام شہروں کی طرح ہے۔ کیونکہ حدیث نہی عام ہے نیز اس بنا پر بھی کہ حرام کرنے والی دلیل کو جائز قرار دینے والی پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نہی کا حکم جواز کو منسوخ کرنے والا ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۷۹/۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الصَّلٰوةِ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰی تَزُوْلَ الشَّمْسُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کے علاوہ ہر دن کی دوپہر کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ سورج ڈھل پڑے۔ (شافعی)

۱۵ یہ بھی امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔ اس حدیث کو دلیل بناتے ہوئے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں ممانعت میں وارد احادیث مشہور احادیث ہیں۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ان کے مقابلے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ نیز تعارض کے وقت کسی کام کو حرام قرار دینے والی حدیث جائز قرار دینے والی حدیث سے راجح اور فائق ہوتی ہے۔

۹۸۰/۹ وَعَنْ اَبِی الْخَلِیْلِ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَرِهَ الصَّلٰوةَ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰی تَزُوْلَ الشَّمْسُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقَالَ اِنَّ جَهَنَّمَ تُسْجَرُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَقَالَ اَبُو الْخَلِیْلِ لَمْ یَلْقَ اَبَا قَتَادَةَ۔

حضرت ابوالخلیل، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے علاوہ سورج ڈھلنے سے پہلے نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کو مکروہ جانتے تھے اور فرمایا جمعہ کے دن کے سوا ہر روز دوزخ کو بھڑکایا جاتا ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور کہا ابوالخلیل نے حضرت ابوقتادہ سے ملاقات نہیں کی ہے۔

۱۵ خلیل نقطہ والی خا کے ساتھ۔ آپ ثقہ تابعین سے ہیں۔ اور حضرت ابوقتادہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔

رضی اللہ عنہ۔

۲؎ یعنی دوپہر کے وقت تُحَمَّرُ اور تُسَجَّرُ شدا ور تخفیف دونوں طرح مروی ہے۔

۳؎ لہٰذا اس حدیث کا اسناد متصل نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۹۸۱ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا ثُمَّ اِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَهَا فَاِذَا زَالَتْ فَارَقَهَا فَاِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوْبِ قَارَنَهَا فَاِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا وَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِيْ تِلْكَ السَّاعَاتِ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ

حضرت عبداللہ صنابحی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جب سورج طلوع ہوتا ہے اس وقت اس کے ساتھ شیطان کا سینگ[2] ہوتا ہے۔ جب سورج بلند ہو جاتا ہے تو شیطان کا سینگ اس سے الگ ہو جاتا ہے، پھر جب سورج دوپہر کے وقت کو پہنچتا ہے تو شیطان کا سینگ اس کے ساتھ آکر مل جاتا ہے اور جب سورج ڈھل پڑتا ہے تو وہ سینگ اس سے الگ ہو جاتا ہے اور جب سورج ڈوبنے کے قریب ہوتا ہے تو وہ سینگ اس کے ساتھ پھر آکر مل جاتا ہے اور جب غروب ہو جاتا ہے تو اس سے الگ ہو جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔[3] مالک، احمد، نسائی

۱؎ صُنابحی صاد کے پیش، باکی زیر اور حا بے نقطہ سے صنابح کی طرف منسوب ہے جو قبیلہ مرہ کی ایک شاخ ہے۔ یہ صحابی ہیں بعض نے ابوعبداللہ صنابحی بیان کیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ ابوعبداللہ تابعی ہے اور حضرت عبداللہ صحابی ہیں۔

۲؎ شیطان کے سینگ کا مطلب گزشتہ حدیث میں گزر چکا ہے۔

۳؎ تعجب کی بات ہے کہ امام مالک خود اس حدیث کے راوی بھی ہیں مگر دوپہر کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت کے قائل نہیں ہیں۔ اور آپ کہتے ہیں کہ ہم نے اہل فضل و کمال کو نہیں پایا مگر اس حال میں کہ دوپہر کے وقت نماز پڑھنے کی کوشش کرتے اور اس وقت میں نماز پڑھتے تھے۔

۹۸۲ وَعَنْ اَبِيْ بَصْرَةَ الْغِفَارِيِّ قَالَ

حضرت ابو بصرہ[1] الغفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُخَمَّصِ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَالَ اِنَّ هٰذَا صَلٰوةٌ عُرِضَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَضَيَّعُوْهَا فَمَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَ لَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ وَصَلٰوةٌ بَعْدَهَا حَتّٰى يَطْلُعَ الشَّاهِدُ وَالشَّاهِدُ النَّجْمُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ مقام مخمص میں نماز عصر پڑھی۔ فرمایا بیشک یہ نماز تم سے پہلے لوگوں پر پیش کی گئی تو انہوں نے اسے ضائع کر دیا۔ جو شخص اس نماز کی حفاظت کرے گا اسے دوگنا اجر ملے گا۔ اور اس نماز عصر کے بعد کوئی نماز جائز نہیں۔ یہاں تک کہ شاہد (ستارہ) طلوع کر آئے شاہد یعنی ستارہ۔ (مسلم)

لے بصرہ بائے بے نقطہ اور صاد بے نقطہ سے۔ غفاری نقطہ والے غین کے کسرہ سے۔ آپ صحابی ہیں ان کا نام جمیل ہے جیم کی پیش اور میم کی زبر۔ بعض نے جمیل جیم کی زبر اور میم کی زیر کہا۔ اور ایک جماعت نے میم کی زیر کہا مگر یہ وہم ہے۔

لے مخمص میم کی پیش خا نقطہ والی کی زبر اور میم مفتوح مشدد، آخر میں صاد بے نقطہ ایک جگہ کا نام ہے۔

لے یعنی پہلی امتوں پر۔

لے اور اس کا حق بجا نہ لائے اور نہ اسے پابندی سے پڑھا اور تمام کیا۔

لے ایک اجر تو اس بنا پر کہ یہ ایک نیک عمل ہے اور ہر نیک عمل پر ثواب ملتا ہے۔ دوسرے اسے پابندی سے ادا کرنے کا اجر و ثواب بخلاف پہلی امتوں کے کہ انہوں نے اسے ضائع کر دیا۔

لے شاہد یعنی حاضر ہونے والا ستارے کو شاہد اس لیے کہا جاتا ہے کہ غروب کے وقت سامنے آتا اور حاضر و موجود ہوتا ہے یا اس بنا پر اسے شاہد کہتے ہیں کہ یہ رات کے موجود ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ اور مقصود و مطلب غروب آفتاب ہے۔

۹۸۳ / ۱۲ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ اِنَّكُمْ لَتُصَلُّوْنَ صَلٰوةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَاَيْنَاهُ يُصَلِّيْهِمَا وَلَقَدْ نَهٰى عَنْهُمَا يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک تم لوگ ایک نماز پڑھتے ہو ہم نبی کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل رہا ہے ہم نے آپ کو یہ دو رکعت نماز پڑھتے نہیں دیکھا اور بیشک آپ نے ان کے پڑھنے سے منع فرمایا یعنی عصر کے بعد دو رکعت (بخاری)

لے یعنی حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما۔

سے کیونکہ آپ یہ اوور کعت گھروں پڑھتے تھے، اور اس کا مطلب حدیث کریب میں بیان ہو چکا ہے۔

۹۸۴/۱۳ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ وَقَدْ صَعِدَ عَلٰی دَرَجَةِ الْكَعْبَةِ مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَمَنْ لَّمْ یَعْرِفْنِیْ فَاَنَا جُنْدُبٌ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ اِلَّا بِمَكَّةَ اِلَّا بِمَكَّةَ اِلَّا بِمَكَّةَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَزِيْنٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا اور وہ کعبہ شریف کے ایک زینے پر چڑھے ہوئے تھے[1] جس نے مجھے پہچانا[2] اور جس نے مجھے نہیں پہچانا تو میں جندب ہوں[3]۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز نہیں اور نہ نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک مگر مکہ میں مگر مکہ میں مگر مکہ میں[4] (احمد و رزین)

[1] جس زینے کے ذریعے لوگ خانہ کعبہ میں داخل ہوتے تھے کہ خانہ کعبہ سطح زمین سے بلندی پر تھا۔ اور یہ زینہ اور سیڑھی آج کل (حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ کے زمانہ میں) لکڑی کی بنی ہوئی ہے اور منبر کی شکل میں ہے اور اس کے متعدد درجے اور زینے ہیں۔ اور یہ سیڑھی خانہ کعبہ کے دروازہ کے سامنے زمزم شریف کے پاس رکھی رہتی ہے اور میز کی طرح اس کے دونوں طرف پائے ہیں۔ جب لوگوں کو خانہ کعبہ کے اندر سے جانا ہوتا ہے تو اسے کھینچ کر در کعبہ کے ساتھ لگا دیتے ہیں پھر لوگ اس پر چڑھ کر خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جاتے ہیں۔ اور جب لوگ فارغ ہو جاتے ہیں تو اسے کھینچ کر اپنی جگہ پر لے آتے ہیں۔ اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایسی ہی صورت ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی اور شکل ہو۔ واللہ اعلم۔ غرضیکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس پر چڑھے۔ اور فرمایا۔

[2] یعنی جو شخص مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے کہ میں سچا اور سچی بات ہی زبان پر لاتا ہوں کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آسمان نے کسی انسان کے سر پر سایہ نہیں کیا اور زمین نے کسی انسان کو اپنے اوپر نہیں اٹھایا جو حضرت ابوذر سے بڑھ کر راست گو ہو۔

[3] یعنی اسے چاہیے کہ مجھے جان پہچان لے کہ میں جندب ہوں تا کہ اسے قرار نصیب ہو اور اس کا دل مطمئن ہو جائے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں سچا ہوں۔

جُنْدُبٌ جیم کی پیش نون ساکن پھر دال کی پیش اور زبر۔ یہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا نام مبارک ہے تو یہ حضرت جندب (ابوذر) روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ الی آخرہ۔

[4] یعنی تین بار مکرر فرمایا۔ بعض نسخوں میں صرف دو بار آیا ہے۔

بَابُ الْجَمَاعَةِ وَفَضْلِهَا

نماز باجماعت اور اس کی فضیلت

آئمہ کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ جماعت سنت ہے یا واجب یا فرض عین یا فرض کفایہ۔ بعض نے کہا فرض عین ہے مگر کسی عذر کے باعث رہ جائے تو الگ بات ہے۔ یہ امام احمد، داؤد، عطا اور ابو ثور کا قول ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں جو شخص اذان سنے اور جماعت کے لیے نہ آئے اس کی نماز درست نہیں ہوتی۔ بعض آئمہ فرماتے ہیں کہ جماعت فرض کفایہ ہے۔ علامہ طیبی نے کہا امام شافعی کی ظاہر تصریحات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جماعت فرض کفایہ ہے۔ اکثر صحابہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ شیخ ابن الہمام نے نقل کیا ہے کہ ہمارے اکثر مشائخ اس پر ہیں کہ جماعت واجب ہے اور اسے سنت کے نام سے اس بنا پر موسوم کرتے ہیں کہ اس کے وجوب کا ثبوت سنت (حدیث) سے ہے۔ فقہ کی کتاب بدائع میں کہا کہ جماعت سے نماز ادا کرنا ہر آزاد، عاقل بالغ پر واجب ہے۔ اسے مسجد میں آنے سے معذور قرار نہ دیا جائے گا اور اگر مسجد میں جماعت نہ پائے تو پھر اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ تلاش جماعت کے لیے دوسری مسجد میں جانا واجب نہیں ہے ہاں اگر تلاش کرنا بہتر ہے اور اگر مسجد محلہ میں اکیلا ادا کرے تو بھی بہتر ہے۔ امام قدوری رحمۃ اللہ نے کہا کہ ایسی صورت میں گھر کے [illegible] اہل خانہ کو جمع کر کے باجماعت نماز ادا کرے۔ پھر اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ اپنے محلے کی مسجد میں نماز ادا کرنا افضل ہے یا مسجد جامع میں اور دو جامع مسجدیں قریب ہوں تو پہلے تعمیر شدہ مسجد میں جائے اور اگر دونوں برابر ہوں [illegible] تو پھر قریب ترین جا کر نماز پڑھے اور اگر قریب تر مسجد میں نماز باجماعت [illegible] کے لیے [illegible] والی مسجد سے تکبیر کی آواز کان میں پڑی اگر قریب تر میں داخل ہو چکا ہے تو پھر اسی مسجد میں پڑھے [illegible] جا کر جماعت میں شامل ہو جائے۔

اور علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ کسی عذر کی بنا پر جماعت ساقط ہو جاتی ہے۔ جیسے بیمار ہونا، ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں اور تکلیف ہو یا دونوں جانب فالج گرا ہوا ہو کہ چل نہ سکتا ہو، یا ظالم سلطان [illegible] کمزور ہو کہ مسجد تک کا راستہ طے نہ کر سکتا ہو۔ اسی طرح نابینا ہونا بھی حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک عذر ہے۔ بعض نے کہا نابینا ہونا سب آئمہ کے نزدیک عذر ہے۔ اسی طرح بارش، کیچڑ، سخت لو، شدید سردی بھی [illegible] صحیح میں عذر ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ سے ایک روایت بھی ہے کہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ سے پوچھا کہ کیچڑ اور سخت لو میں نماز باجماعت کا کیا حکم ہے آپ نے فرمایا بہتر ہے کہ جماعت ترک نہ کرے اور امام محمد رحمۃ اللہ

نے ایک حدیث روایت کی کہ اِذَا ابْتَلَّتِ النِّعَالُ فَالصَّلٰوۃُ فِی الرِّحَالِ کہ جب جوتوں کے کیچڑ سے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہو تو نماز گھر میں پڑھو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۹۸۵ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ الْجَمَاعَۃِ تَفْضُلُ صَلٰوۃَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّ عِشْرِیْنَ دَرَجَۃً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باجماعت نماز اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجے افضل ہے۔ (بخاری ومسلم)

لے فذّ فا کی زبر اور ذال کی شد سے یعنی فرد و تنہا۔ ایک روایت میں پچیس درجے کا ذکر آیا ہے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اکثر روایات میں پچیس ہی آیا ہے۔ صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ستائیس کا عدد آیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اولاً پچیس کے عدد کی وحی ہوئی ہو۔ اس کے بعد فضل و انعام کے طور پر زیادہ کر دیا گیا ہو۔ اس اختلاف کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ نماز اور نمازی کے حال کے فرق کی وجہ سے یہ اختلاف ہو۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے ستائیس درجے جہری نماز میں ہو اور پچیس سری نمازوں میں۔ بعض نے کہا قلیل (۲۵) اور کثیر (۲۷) میں کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ قلیل کثیر کے ضمن میں موجود ہوتا ہے پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ فضیلت مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے کے ساتھ خاص ہے یا جہاں بھی پڑھی جائے بعض نے کہا مسجد میں نماز پڑھنے کے ساتھ خاص ہے۔ بہرحال جو صورت بھی ہو اس عدد کی فضیلت کی تخصیص کا علم شارع علیہ السلام کو ہی ہے اس کے سوا کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہو سکتی۔ بعض علماء نے ان اعداد سے متعلق کچھ مناسبات بھی بیان کیے ہیں واللہ اعلم۔

۹۸۶ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ ھَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ فَیُحْطَبَ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوۃِ فَیُؤَذَّنَ لَھَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَیَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰی رِجَالٍ وَّ فِیْ رِوَایَۃٍ لَا یَشْھَدُوْنَ الصَّلٰوۃَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس ذات بزرگ و برتر کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ بیشک میں نے ارادہ کیا کہ ایندھن جمع کرنے کا حکم دوں اور وہ جمع کر دیا جائے پھر میں نماز کے لیے اذان کہنے کا حکم دوں اور اذان کہی جائے۔ پھر میں حکم دوں کسی آدمی کو تو وہ لوگوں کی امامت کرے۔ پھر میں ان لوگوں کے پاس آؤں لے

فَاُحَرِّقَ عَلَیْھِمْ بُیُوْتَھُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ یَعْلَمُ اَحَدُھُمْ اَنَّہٗ یَجِدُ عَرْقًا سَمِیْنًا اَوْ مِرْمَاتَیْنِ حَسَنَتَیْنِ لَشَھِدَ الْعِشَآءَ۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُہٗ

جو نماز باجماعت میں شریک نہیں ہوتے۔ ایک روایت میں لا یشھدون الصلوٰۃ کی زیادت مرتجانہ کرتے ہیں۔ تو میں جلا ڈالوں ان پر ان کے گھروں کو۔ مجھے اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ان کا کوئی آدمی جان لے کہ اسے فربہ ہڈی ملے گی یا دو پائے گائے یا بکری کے اسے ملیں گے تو وہ عشا کی نماز میں ضرور حاضر ہو۔ اسے بخاری نے روایت کیا اور مسلم کے ہاں اس کی مثل روایت ہے۔

لے تاکہ انہیں اچانک جا پکڑوں۔ یا یہ معنی ہے کہ میں اس چیز کی مخالفت کروں جو میں نے خود ظاہر کی ہوتی ہے۔ یعنی نمازیوں کے ساتھ نماز قائم کرنا۔ یا یہ معنی ہے کہ نماز چھوڑ کر سزا اور عذاب دینے کے لیے ان لوگوں کے پاس جاؤں۔

ے۲ یعنی ایک روایت میں یہ زائد الفاظ الی الرجال لا یشھدون الصلوٰۃ مرتجانہ کرتے ہیں۔ اور جہاں یہ الفاظ عبارت حدیث میں موجود نہیں وہاں نیت میں مراد ہیں جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں اسے ظاہر کر دیا ہے۔ پھر اس نماز کی تعیین میں احادیث مختلف آئی ہیں کہ جمعہ کی نماز ہے یا عشا یا فجر کی ظاہر یہ ہے کہ حدیث تمام نمازوں کے لیے عام ہے۔

ے۳ یعنی مکمل طور پر ان کے گھر جلا کر راکھ کر دوں اس طرح کہ وہ خود بھی ان میں جل جائیں۔ اس حدیث میں تاکید و مبالغہ ہے اس بات کا کہ نماز باجماعت میں حاضر نہ ہونے والوں کو ضرور سزا ملنی چاہیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کے لیے اپنے آپ کو نماز کی امامت کے لیے پابند نہیں کرتے کسی اور کو اپنا نائب بناتے ہیں اور خود تارک جماعت لوگوں کو ان کے گھروں کو جلانے کے کام میں لگا دینا چاہتے ہیں۔

ے۴ عرق عین کی زبر را ساکن سے وہ ہڈی جس سے گوشت اتار لیا گیا ہو بعض نے کہا عرق وہ ہڈی ہے جس پر تھوڑا گوشت موجود ہو اور جس ہڈی پر سے گوشت اتار لیا گیا ہو اسے عراق (عین کی پیش) کہتے ہیں۔

ے۵ مرماۃ (میم کی زیر اور زبر) حسنتین۔ یعنی جو اس کی نظر حسن و اچھی اور گیمتی ہوں۔ کرا جیسے کہتے ہیں [illegible] کی تفسیر گوشت کے دو ٹکڑوں سے بھی کی گئی ہے۔

ے۶ یہ اس کے گھٹیا پن کا بیان ہے کہ اس گھٹیا حقیر دنیوی چیز کی خاطر نماز عشا کے وقت بھی آ سکتا ہے مگر ثواب آخرت اور درگاہ حق کے قرب کے حصول کے لیے آنے کو تیار نہیں ہوتا یہ اس کی کمینی بے تمیزی کی علامت ہے۔

۹۸۴/۳ وَعَنْہُ قَالَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ اَعْمٰی فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّہٗ لَیْسَ لِیْ قَائِدٌ یَقُوْدُنِیْ اِلَی الْمَسْجِدِ فَقَالَ

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک نابینا شخص حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ بے شک واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس کوئی ایسا آدمی

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّرَخِّصَ لَهٗ فَيُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِهٖ فَرَخَّصَ لَهٗ فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ النِّدَآءَ بِالصَّلٰوةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَجِبْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

نہیں جو مجھے مسجد میں ساتھ لے کر آئے[2] گا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اسے رخصت دیدیں[3] کہ وہ اپنے گھر ہی نماز پڑھ لیا کرے۔[4] آپ نے اسے اجازت دیدی جب وہ پشت پھیر کر جانے لگا تو آپ نے فرمایا کیا تو نماز کے لیے اذان کی آواز سنتا ہے۔ عرض کیا ہاں فرمایا پھر تجھے اذان کا جواب دینا چاہیے۔[5] (مسلم)

[1] بعض نے کہا اس سے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ جو مشاہیر صحابہ سے ہیں۔ جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح موجود ہے بعض نے کہا کوئی اور صاحب مراد ہیں۔

[2] یقود قود سے مشتق ہے بمعنی گائے بیل وغیرہ کو کھینچنا اور سوق کا معنی ہے جانوروں کو پیچھے سے ہانکنا۔

[3] اور مسجد میں آکر نماز پڑھنے کی پابندی سے آزاد کر دیں۔

[4] اور مسجد میں نہ آئے۔

[5] اس میں کمال تاکید و مبالغہ ہے کہ اذان سن کر مسجد میں ضرور آنا چاہیے۔

۹۵۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ اَذَّنَ بِالصَّلٰوةِ فِيْ لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَّرِيْحٍ ثُمَّ قَالَ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَّمَطَرٍ يَّقُوْلُ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک سردی اور ہوا کی رات میں نماز کے لیے اذان کی گئی۔[1] پھر حضرت ابن عمر یا مؤذن نے کہا لوگو آگاہ رہو اور جان لو کہ نماز اپنے گھروں[2] میں ہی پڑھ لو پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سردی اور بارش کی رات میں مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ وہ آواز دے کر کہے لوگو اپنی نمازیں گھروں میں ہی پڑھ لو۔[3] (بخاری و مسلم)

[1] اَذَّنَ ہو کا صیغہ ہے دال کی تشدید اور ضمہ ہمزہ اور ذال کی زبر دونوں طرح مروی ہے پہلی روایت کے مطابق معنی ہوگا کہ حضرت ابن عمر نے اذان کہی یا ان کے نزدیک نماز کے لیے اذان کہی گئی۔ دوسری روایت کے مطابق معنی ہوگا حضرت ابن عمر نے اذان کہی سیاق حدیث کا ظاہر اسی معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور بخاری کی عبارت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر نے خود اذان کہی تھی۔ بہر تقدیر نماز کیلئے اذان کہی تھی۔

[2] رحل کا معنی ہے مرد اور اس کے سامان وغیرہ کی جگہ۔ اس لفظ کا زیادہ تر اطلاق و استعمال اس چیز کے لیے

۱ بعض نسخوں میں الا الصلوٰۃ التی اقیمت کے ساتھ آیا ہے۔
۲ کیونکہ یہ حالت دشوار کے پیدا ہونے خلل و نقصان کا موجب اور دل کے منتشر ہونے کا باعث ہے۔ اور اگر وقت تنگ ہو کر کھانے یا قضائے حاجت میں مصروف ہونے سے نماز کا وقت گزر جائے گا تو پہلے نماز پڑھے اسے طیبی رحمۃ اللہ نے ذکر کیا۔

۹۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کی اقامت شروع ہو جائے تو پھر فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں۱ (مسلم)

۱ خواہ نفل نماز شروع کر چکے ہوں، خواہ بیٹھے ہوئے ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی سنتیں بھی جب تکبیر شروع ہو جائے تو چھوڑ دی جائیں اور امام کی موافقت کی جائے اور جماعت میں شامل ہو جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ اسی کے قائل ہیں۔ احناف کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر یہ جانتا ہو کہ سنت پڑھ کر ایک رکعت فرضوں کی مل جائے گی تو پہلے سنت پڑھے پھر فرضوں میں شامل ہو لیکن یہ سنتیں مسجد کے دروازے میں ادا کرے صف کے اندر کھڑے ہو کر ادا نہ کرے تاکہ دونوں فضیلتیں (سنت اور فرض ادا کرنے کی) اسے حاصل ہو جائیں۔ ہاں اگر فرض نماز ملنے کی امید نہ ہو تو پھر سنتیں چھوڑ کر جماعت سے مل جائے کہ جماعت کا ثواب عظیم تر ہے اور شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے کہا اگر امام کے ساتھ تشہد میں بھی مل جانے کی امید ہو تو سنت پڑھ لے۔ بعض نے کہا تشہد میں شامل ہو جانا امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے نزدیک رکعت پالینے کے حکم میں ہے مگر امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک رکعت کا اعتبار نہ ہوگا جیسا کہ نماز جمعہ میں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فقیہ اسماعیل زاہد رحمۃ اللہ سے جو منقول ہے کہ چاہیے کہ فجر کی سنتیں شروع کرے پھر جماعت میں شمولیت کی نیت سے توڑ دے۔ ایسا کرنے سے وہ لازم ہو واجب ہو جائیں گی اور ان کی قضا واجب ہو جائے گی تو بعد نماز ادا کے فرض ان کا قضا کرنا جائز ہو جائے گا مگر امام سرخسی رحمۃ اللہ نے ایسا کرنے کی تردید کی ہے کہ یہ عبادت کو فاسد اور باطل کرنے کے ارادہ سے شروع کرنا ہوگا جو بعید ہے۔ اگرچہ بعد میں ادا کر لینے کے ارادے سے ہی ہے اور فساد کو دور کرنا مصلحت کے حصول سے مقدم اور فائق ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ حرم شریف میں حنفیہ کے لیے یہ ابتلاء و آزمائش چار نمازوں میں لازم ہو چکی ہے اور شافعیہ پر نماز مغرب میں۔ کہ شافعی حضرات تو نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور احناف سنتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ یا بیٹھے ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے ذمہ اگر نماز قضا ہوتی ہے تو وہ امام کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں۔ اور بعض امام کے ساتھ نفل نماز ادا کرتے ہیں۔ اور بعض شافعی حضرات کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ مگر حنفی کی شافعی کی اقتداء میں نماز ادا کرنے میں کلام ہے۔ کاتب حروف

۹۹۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ اَصَابَتْ بَخُوْرًا فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْاٰخِرَةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی عورت خوشبو دار دھونی سے اپنے جسم کو بسا چکی ہو تو وہ نماز عشا کے لیے ہمارے پاس نہ آئے۔ (مسلم)

لہ بخور باکی پیش خاکی جزم بمعنی جلی ہوئی خوشبو کا دھواں لینا۔ اور باکی زبر سے وہ چیز جو جلائی جاتی ہے پھر اس کا دھواں کپڑوں اور بدن کے لیے حاصل کیا جاتا ہے جیسے عود اور عنبر وغیرہ۔ یہاں عشاء آخرہ سے نماز عشاء مراد ہے آخرہ کی قید اس لیے ہے کہ بعض دفعہ نماز مغرب پر بھی عشاء کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ پھر خاص عشاء کی تخصیص اس لیے کی کہ یہ اندھیرے اور تاریکی کا وقت ہوتا ہے اس میں وقوع فتنہ زیادہ اور نزدیک تر ہوتا ہے۔ اس لیے تخصیص نہیں کی کہ یہ چیز وقت عشا میں ہی منحصر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۹۹۵ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو اپنی عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکو اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں لہ (ابوداؤد)

لہ اگر عورتیں نماز کے لیے آنا چاہیں تو انہیں نہ روکو لیکن اگر وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں تو بہتر ہے اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔

۹۹۶ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الْمَرْاَةِ فِیْ بَيْتِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهَا فِیْ حُجْرَتِهَا وَصَلٰوتُهَا فِیْ مِخْدَعِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهَا فِیْ بَيْتِهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا اس کے حجرہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور اس کا اپنے سامان خانہ میں نماز پڑھنا اس کے گھر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

لے مخدع یعنی کوٹا۔ اور چھوٹا کمرہ۔ یہاں اس کی تفسیر گھر کے صحن سے کی گئی ہے۔ زین العرب نے منقول ہے کہ حجرہ سے مراد مکان کی وہ طرف ہوتی ہے جس طرف مکان کے دروازے کھلتے ہیں۔ اس کا مطلب بھی وہی بنتا ہے یعنی گھر کا صحن۔

لے مخدع۔ میم کی زیر اور زبر۔ کبھی پیش بھی پڑھتے ہیں۔ اور دال کی زبر۔ یعنی مکان کا وہ پچھلا کمرہ جس میں قیمتی سامان رکھا جاتا ہے۔ خدع سے مشتق ہے بمعنی چھپا کر رکھنا۔ یعنی عورت جس قدر زیادہ پردے کی جگہ نماز پڑھے۔ زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔

۹۹۷/۱۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ حِبِّیْ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ امْرَاَةٍ تَطَیَّبَتْ لِلْمَسْجِدِ حَتّٰی تَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الْجَنَابَةِ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَی اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ نَحْوَهٗ۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے اپنے محبوب پاک حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی جو مسجد میں آنے کے لیے خوشبو لگائے جب تک کہ وہ جنابت والا غسل نہ کر لے۔

(ابوداؤد) اور احمد و نسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

لے حِبّ حا کی زیر یا کی شد سے بمعنی محبوب۔

لے اس سے مقصود بدن سے خوشبو کا دھونا ہے۔ اور غسل جنابت سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ خوشبو لگا کر مسجد میں آنا جب قوت شہوانی کو ابھارنے اور تیز کرے تو وہ جماع کی طرح ہے۔ ملکا نے اس کی تفسیر فرمائی ہے۔ کی گئی ہے اور علامہ طیبی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ اس وقت ہے جب کہ سارے بدن کو خوشبو لگائی ہو اور اگر بدن کے صرف کسی حصہ پر خوشبو لگائی ہو تو پھر اس حصے کو دھوئے۔

۹۹۸/۱۴ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کُلُّ عَیْنٍ زَانِیَةٌ وَاِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِیَ کَذَا وَکَذَا یَعْنِیْ زَانِیَةٌ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَلِاَبِیْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ نَحْوَهٗ۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آنکھ زنا کرنے والی ہے اور بے شک عورت جب عطر لگا کر مجلس کے پاس سے گزرے تو وہ ایسی ہے ایسی ہے یعنی زانیہ ہے۔ (ترمذی)

اور ابوداؤد اور نسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

لے یعنی ہر وہ آنکھ جو نظر بد اور شہوت سے بیگانی عورت یا بیگانے مرد کو دیکھے وہ زنا کرنے والی ہے۔

کے جس میں مرد و عورت اور وہ عورت یہ محسوس کرے کہ مرد اس کی طرف نگاہ شہوت سے دیکھیں۔

۳ یعنی زنا کرنے والی ہے۔

۹۹۹ وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الصُّبْحَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلٰوتَيْنِ اَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَاَتَيْتُمُوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الرُّكَبِ وَاِنَّ الصَّفَّ الْاَوَّلَ عَلٰى مِثْلِ صَفِّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيْلَتُهٗ لَابْتَدَرْتُمُوْهُ وَاِنَّ صَلٰوةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْكٰى مِنْ صَلٰوتِهٖ وَحْدَهٗ وَصَلٰوتُهٗ مَعَ الرَّجُلَيْنِ اَزْكٰى مِنْ صَلٰوتِهٖ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ فجر کی نماز پڑھی جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا کیا فلاں شخص حاضر ہے۔ لوگوں نے عرض کیا نہیں پھر فرمایا فلاں آدمی موجود ہے لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا بیشک یہ دو نمازیں[1] (فجر و عشا) منافقین پر سب نمازوں سے بھاری ہیں اور اگر تمہیں علم ہو جاتا کہ ان کے ادا کرنے میں اس قدر اجر و ثواب ہے تو ان کے لیے اپنے زانوؤں[2] پر چل کر آتے اور بیشک صف اول ملائکہ کی صف کی طرح[3] ہے اگر تمہیں اس کی فضیلت و شان کا پتہ چل جاتا تو تم اس کے پانے کے لیے جلدی کرتے[4] اور بیشک مرد کی نماز مرد کے ساتھ زیادہ افضل و پاکیزہ ہے اس کے اکیلے نماز پڑھنے سے اور دو آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنا اس کے ایک آدمی کے ساتھ مل کر پڑھنے سے افضل ہے اور جتنی جماعت زیادہ ہوگی اتنی ہی اللہ تعالٰی کو زیادہ محبوب[5] ہوگی۔ (ابوداؤد، نسائی)

۱ یعنی صبح اور عشا کی نماز۔ اور عشا کو صبح کے ساتھ ذکر کرنا یا تو قرینہ حال کی بنا پر ہے یا لوگوں کو پہلے سے عشا کے بارے میں علم تھا کہ منافقین ان کے بھی تارک ہیں۔ اور اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ دو آدمی نفاق میں مشہور تھے۔ واللہ اعلم۔

۲ یعنی ان دو نمازوں کو ادا کرنے کے لیے گرتے اٹھتے حاضر ہوتے۔ "حبو" کا معنی ہے ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل راستہ طے کرنا بعض نے کہا اس کا معنی ہے شکم اور سرین کے بل چلنا۔ مراح میں ہے حبو کا معنی ہے بچے کا چوتڑوں کے بل چلنا۔

۳ یعنی فضیلت و شرف میں ان ملائکہ کی صف کی طرح ہے جو کبریائے الٰہی کی درگاہ میں کھڑے ہوتے ہیں۔

۴ اور اسے پانے اور اس تک پہنچنے کے لیے دوڑ کر آتے۔

۵ؔ اور اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

۱۰۰۱/۱۶ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ ثَلٰثَةٍ فِیْ قَرْیَةٍ وَّلَا بَدْوٍ لَّا تُقَامُ فِیْهِمُ الصَّلٰوةُ اِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَعَلَیْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنَّمَا یَاْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِیَةَ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَ النِّسَائِیُّ۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بستی اور گاؤں میں تین آدمی نہیں ہوتے جن میں نماز (با جماعت) قائم نہیں کی جاتی مگر بیشک ان پر شیطان غالب آجاتا ہے تو اے (میرے امتی) تیرے لیے جماعت کے ساتھ رہنا ضروری ہے کہ بھیڑیا اس بکری کو کھاتا ہے جو گلے سے الگ ہوتی ہے۔

(احمد، ابوداؤد، النسائی)

لہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جماعت فرض کفایہ ہے خوب سمجھنا چاہیے۔

۱۰۰۲/۱۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِیَ فَلَمْ یَمْنَعْهُ مِنَ اتِّبَاعِهٖ عُذْرٌ قَالُوْا وَمَا الْعُذْرُ قَالَ خَوْفٌ اَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلٰوةُ الَّتِیْ صَلّٰی۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ الدَّارُقُطْنِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے اذان کی آواز سنی اسے اس کی اتباع سے کسی عذر نے منع نہ کیا لوگوں نے کہا عذر کیا ہے فرمایا خوف یا بیماری تو جو نماز اس نے پڑھی وہ قبول نہ ہوگی۔

(ابوداؤد، دار قطنی)

۱ؔ یعنی نماز با جماعت کے لیے مسجد میں آنے سے کوئی عذر و بہانہ موجود نہ تھا۔

۲ؔ یعنی صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے درمیان آپ سے سوال کیا۔

۳ؔ یعنی وہ عذر کیا ہے جس کی وجہ سے کسی کو مسجد میں آنے سے معذور قرار دیا جا سکتا ہے۔

۴ؔ یعنی ہلاکت کا خوف، یا دشمن کی طرف سے نقصان کا خوف یا درندے وغیرہ کا ڈر۔

۵ؔ یعنی بیماری یا کمزوری جس کی وجہ سے چل کر نہ آ سکتا ہو۔

۶ؔ یعنی اس کی نماز بے جماعت قبول نہ ہوگی۔ اس حدیث کا ظاہر جماعت کے فرض ہونے پر دلالت کرتا ہے یا اس میں نماز با جماعت کی تاکید و مبالغہ کا اہتمام ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۰۲/۱۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ وَوَجَدَ اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَبْدَاْ بِالْخَلَاءِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى مَالِكٌ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ۔

حضرت عبداللہ بن ارقم[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب نماز کی تکبیر کہی جا رہی ہو اور تم میں کوئی آدمی قضائے حاجت کی ضرورت محسوس کرتا ہو[۲] اسے چاہیے کہ پہلے قضائے حاجت سے فارغ ہو[۳] (ترمذی، مالک، ابوداؤد النسائی)

۱؎ آپ صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے سال اسلام لائے۔ آپ کاتب وحی تھے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے بھی کاتب تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بلا اجرت و تنخواہ بیت المال کی تولیت کی ذمہ داری پوری کرتے رہے پھر آپ نے اس ذمہ داری سے استعفا دے دیا۔

۲؎ یعنی بول و براز کے لیے طہارت خانہ میں جانے کی ضرورت محسوس کرتا ہو۔ تاکہ اس سے فراغت حاصل کرے۔

۳؎ یعنی اگرچہ اس ضرورت کے لیے جماعت ہی چھوڑنی پڑے۔ کیونکہ طہارت کا معاملہ اور اس کی تکمیل اہم اور مقدم ہے

۱۰۰۳/۱۹ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يَّفْعَلَهُنَّ لَا يَؤُمَّنَّ رَجُلٌ قَوْمًا فَيَخُصَّ نَفْسَهٗ بِالدُّعَاءِ دُوْنَهُمْ فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا يَنْظُرُ فِيْ قَعْرِ بَيْتٍ قَبْلَ اَنْ يَّسْتَاْذِنَ فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا يُصَلِّ وَهُوَ حَقِنٌ حَتّٰى يَتَخَفَّفَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَلِلتِّرْمِذِيِّ نَحْوُهٗ۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین کام ایسے ہیں کہ ان کا کرنا کسی کے لیے حلال و جائز نہیں۔ وہ آدمی لوگوں کی امامت نہ کرے کہ جب دعا کرے تو صرف اپنی ذات کے لیے دعا کرے لوگوں کے لیے دعا نہ کرے[۱]۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو خیانت کا مرتکب ہوگا اور کسی کے گھر میں بلا اجازت نہ دیکھے اگر ایسا کرے گا تو ان سے خیانت کرے گا اور نماز نہ پڑھے جب کہ اس نے بول براز روک کر رکھا ہوا ہو۔ بلکہ پہلے اس سے فارغ ہو اور اپنے آپ کو ہلکا کرلے[۲]۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کیا۔

۱؎ یعنی صیغہ واحد سے دعا کیا کرے۔ جو صرف اس کے لیے اپنے ساتھ خاص ہو اور جمع کا صیغہ استعمال نہ کرے جو سب کو شامل ہو۔

۵۲ حقن لون سے۔ یعنی بول روک سکنا۔ اس کے حکم میں ہے پاخانے کو روکنے والا اسادان کیلئے لفظ حقب بولا کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔

۱۰۰۴ / ۲۰ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُؤَخِّرُوا الصَّلٰوةَ لِطَعَامٍ وَّلَا لِغَيْرِهٖ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانے یا کسی اور کام کی خاطر نماز میں دیر نہ کرو۔[۱] (شرح السنۃ)

۱ے علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس حالت پر محمول ہے جب کہ نماز کا وقت جا رہا ہو یا اس پر محمول ہے کہ کھانا سامنے نہ آیا ہو بلکہ سامنے آنے کے قریب ہو۔ اور گذشتہ حدیث میں جو گزر را وہ کھانا سامنے آجانے پر محمول ہے۔ بعض علماء نے کہا یہ نہی دراصل کھانا نہ لانے سے متعلق ہے یعنی نماز کے وقت کھانا سامنے نہ لایا جائے تاکہ ادائیگی نماز میں تاخیر کا سبب نہ بنے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۱۰۰۵ / ۲۱ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَاَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلٰوةِ اِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهٗ اَوْ مَرِيْضٌ اِنْ كَانَ الْمَرِيْضُ لَيَمْشِیْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَاْتِیَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلٰوةَ فِی الْمَسْجِدِ الَّذِیْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّلْقَى اللّٰهَ غَدًا مُسْلِمًا فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّهُنَّ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک ہم لوگ اور صحابہ کرام اس بات کو جانتے تھے کہ نماز با جماعت سے پیچھے نہیں رہتا تھا مگر وہ منافق جس کا نفاق لوگ جانتے تھے یا بیمار (جو مسجد میں آنے کی بالکل طاقت و قدرت نہ رکھتا تھا) بے شک مریض بھی نماز با جماعت میں شامل ہونے کیلئے دو مردوں کے درمیان اور ان کے سہارے سے چل کر آیا کرتا اور نماز میں شامل ہو جاتا تھا اور آپ نے فرمایا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہدایت کے راستہ پر ڈالنے والی سنتوں کی تعلیم دی۔ اور بیشک ان سنن ہدی میں سے ایک سنت یہ ہے کہ اس مسجد میں نماز ادا کی جائے جس میں اذان ہوتی ہو۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس کے لیے یہ

وَلَوْ اَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّيْ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِيْ بَيْتِهٖ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُوْرَ ثُمَّ يَعْمِدُ اِلٰى مَسْجِدٍ مِّنْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ خَطْوَةٍ يَخْطُوْهَا حَسَنَةً وَّرَفَعَهٗ بِهَا دَرَجَةً وَّحَطَّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً وَّلَقَدْ رَاَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا اِلَّا مُنَافِقٌ مَّعْلُوْمُ النِّفَاقِ وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهٖ يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

بات باعث مسرت ہو کہ وہ کل خدا تعالیٰ سے اسلام کی حالت میں ملاقات کرے تو اسے چاہیے کہ ان پانچ نمازوں کی حفاظت کرے جہاں بھی انکے لیے اذان دی جاتی ہو کیونکہ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنن ہدیٰ عطا کی ہیں[۳] اور انکے راستے پر چلایا ہے اور ان پانچ نمازوں کی حفاظت سنن ہدیٰ میں سے ہے اگر تم لوگ اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھو گے جس طرح کہ یہ منافق اپنے گھر میں ہی نماز پڑھتا ہے[۳] تو تم اپنے نبی کی سنت کے تارک بن جاؤ گے اور اگر تم لوگ اپنے نبی کی سنت ترک کر دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے اور نہیں ہے کوئی آدمی جو طہارت کرتا ہے اور اچھی طہارت کرتا ہے[۴] پھر ان مساجد میں سے کسی مسجد کو جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کیلئے ہر قدم پر جو وہ اٹھاتا ہے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا درجہ بلند کرتا اور اس کی برکت سے اس کی برائی اور گناہ مٹا دیتا ہے اور ہمیں اور صحابہ کو اس کا علم تھا کہ اس نماز سے پیچھے نہیں رہتا مگر منافق جس کا نفاق سب کو معلوم تھا بیشک (بیمار) آدمی کو لایا جاتا تھا دو آدمیوں کے سہارے جھومتے ہوئے[۱] یہاں تک کہ اسے صف میں لا کر کھڑا کیا جاتا تھا۔ (مسلم)

لہ یعنی جس منافق ہونے کی تحقیق ہو چکی تھی اور جس کا نفاق ظاہر ہو چکا ہوتا تھا اور جس کا نفاق ابھی پوشیدہ ہی ہوتا تھا وہ بھی نماز باجماعت سے پیچھے نہ رہتا تھا۔

ے اس کلام کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ نماز باجماعت واجب ہے۔

ے یعنی وہ سنتیں جنہیں اختیار کرنا اور ان پر عمل کرنا ہدایت کا موجب اور قرب و رضائے الہٰی کی درگاہ میں پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ سنن ہدیٰ کا اکثر اور ہمیشہ اطلاق و استعمال سنت مؤکدہ کے لیے آتا ہے۔ سنن غیر مؤکدہ کے لیے لفظ سنن زوائد استعمال ہوتا ہے۔

ے یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ جماعت سنت ہے واجب نہیں۔ مگر جب کہ یہاں سنت سے طریقہ مسلوکہ فی الدین (وہ طریقہ جس پر اہل اسلام دین میں چلتے ہیں) مراد لیا جائے یا یہ مراد لیا جائے کہ اس کا ثبوت سنت نبوی

(حدیث پاک) سے ہے۔

عہ یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ قیامت کے دن خوش خوشی اور مومن کامل بن کر اللہ سے ملاقات کرے تو اسے چاہیے کہ الی آخرہ۔

۵ہ حدیث پاک کے ان الفاظ کا ظاہر سیاق اس میں ہے کہ نماز کی محافظت سے انہیں باجماعت ادا کرنا مراد ہے جیساکہ اس پر اگلا قول حیث ینادی بھن دلالت کرتا ہے۔

۶ہ یعنی مسجد میں ادا کرے۔

۷ہ یعنی ہدایت کے طریقہ پر چلنے کے مترادف ہے۔

۸ہ متخلف یعنی پیچھے رہنے والا اور مقام قرب وخیر سے دور ہو جانے والا ظاہر یہ ہے کہ اس سے کوئی خاص شخص مراد ہے جو نماز باجماعت میں نہ آتا تھا اور حاشیہ میں ہے کہ یہ ایک شخص مدینہ منورہ کا حاکم تھا جس میں نفاق کا نشان پایا جاتا تھا۔ واللہ اعلم۔

۹ہ یعنی اس کے آداب وشرائط کے ساتھ

۱۰ہ یعنی اپنی درگاہِ قرب وعزت میں اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔

۱۱ہ محاذاۃ کا معنی ہے کسی کو دو آدمیوں کا تھام کر لانا۔ اس طرح کہ ایک نے اسے ایک طرف سے پکڑا ہوا ہو اور دوسرے نے دوسری طرف سے۔

۱۰۰۶/۲۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا مَا فِی الْبُيُوْتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الذُّرِّيَّةِ اَقَمْتُ صَلٰوةَ الْعِشَآءِ وَ اَمَرْتُ فِتْيَانِیْ يُحْرِقُوْنَ مَا فِی الْبُيُوْتِ بِالنَّارِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں نماز عشاء قائم کرتا اور اپنے غلاموں کو حکم دیتا کہ گھروں میں جو کچھ ہے ہر چیز کو مکمل طور پر جلا دیتے۔ بلکہ ان پر علاوہ ازیں جو خرچ کا کھلے ہیں اگر نماز باجماعت کے لیے مسجد میں حاضر نہیں ہوتے اگرچہ ساتھ ہی آگ میں جلا دیتے۔ (احمد)

سلہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تارک جماعت کی سزا اسے آگ میں جلانا ہے۔ یہ سزا کسی جرم پر دینے کا ذکر نہیں آیا ماسوائے ترک جماعت اور غنیمت میں خیانت کرنے پر۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں بھی ڈانٹ اور تشدید مراد ہے۔ حقیقت کلام مراد نہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۰۰۷/۲۳ وَعَنْهُ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ

اور انہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْمَسْجِدِ فَنُودِيَ بِالصَّلٰوةِ فَلَا يَخْرُجْ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُصَلِّيَ۔
(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب تم مسجد میں موجود ہو اور نماز کے لیے اذان ہو جائے تو تم میں کوئی شخص باہر نہ جائے یہاں تک کہ نماز پڑھ لے[1]
(احمد)

[1] واضح ہو کہ اس باب میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں اور ابوداؤد میں سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے بھی آیا ہے کہ اذان کے بعد مسجد سے باہر نہ آئے گا مگر منافق اور وہ جسے تقاضائے حاجت باہر نکالے مگر وہ واپس آنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ مذہب احناف کے مطابق یہ نہی اس امر کے ساتھ مقید ہے کہ اس آدمی کے ساتھ کسی دوسری مسجد کا انتظام متعلق نہ ہو ورنہ اس کے لیے نکلنا کروہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا نکلنا درحقیقت تکمیل ہے اگرچہ صورت میں ترک جماعت ہے اور اگر عصر مغرب اور فجر پہلے پڑھ چکا ہے تو باہر جاسکتا ہے بعصر اور فجر میں تو اس لیے کہ ان کے بعد نفل پڑھنا منع ہے اور مغرب میں اس لیے کہ تین رکعت نفل جائز نہیں۔ اور ظہر و عشا میں بھی باہر نکلنے میں حرج نہیں کیونکہ وہ اذان کی اجابت عملاً کر چکا ہے اور داعی حق (موذن) کی آواز پر لبیک کہہ چکا ہے۔ مگر جب کہ موذن تکبیر کہنا شروع کر دے تو پھر جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے تاکہ اس پر ترک جماعت کی تہمت نہ لگے اور دوسرے آئمہ کے نزدیک نماز دوبارہ پڑھے اور امام احمد کے نزدیک اگر پہلے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ چکا ہے تو پھر بھی دوبارہ جماعت میں شامل ہو جائے اور احناف کے نزدیک نہی کی حدیث مقدم اور راجح ہے کہ اس کا مضمون دائمی ہے۔ دوسرے یہ حدیث زیادہ صحیح ہے اور اس وجہ سے بھی کہ حرام قرار دینے والی دلیل جائز قرار دینے والی دلیل پر فوقیت رکھتی ہے۔ یا احناف کے نزدیک شامل ہونے کی اجازت نہی سے پہلے تھی۔ یہ توجیہ دلائل میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے ہے اور بعض احادیث میں مذکورہ استثنار بھی وارد ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۲۱ وَعَنْ أَبِي الشَّعْثَاءِ قَالَ خَرَجَ رَجُلٌ مِّنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ مَا أُذِّنَ فِيهِ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَمَّا هٰذَا فَقَدْ عَصٰى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوالشعثاء[1] سے روایت ہے کہ ایک آدمی مسجد میں اذان ہو لینے کے بعد اس سے باہر نکلا۔ تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص نے حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے۔
(مسلم)

[1] الشعثاء شین معجمہ کی زبر اور عین خالی اور ثا اور مد سے۔
[2] آپ ثقہ تابعین سے ہیں۔

۱۰۹/۲۵ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَهُ الْاَذَانُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَّهُوَ لَا يُرِيْدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے اذان نے مسجد میں پالیا پھر وہ اس سے باہر نکلا مگر کسی ضروری کام کے لیے باہر نہ نکلا اور اس کا واپس آنے کا ارادہ بھی نہ ہو تو وہ منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

لہ اصل میں لفظ رجعت آیا ہے اور یہ را کی زیر اور زبر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

۱۱۰/۲۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَا صَلٰوةَ لَهٗ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ۔ (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے اذان سنی اور اس کا جواب نہ دیا (مسجد میں آکر نماز ادا نہ کی) تو اس کی نماز نہیں مگر کسی عذر کی وجہ سے۔ ان عذروں میں سے جن کا پہلے ذکر ہوا۔ (دار قطنی)

۱۱۱/۲۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُمِّ مَكْتُوْمٍ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْمَدِيْنَةَ كَثِيْرَةُ الْهَوَامِّ وَالسِّبَاعِ وَاَنَا ضَرِيْرُ الْبَصَرِ فَهَلْ تَجِدُ لِيْ مِنْ رُّخْصَةٍ قَالَ هَلْ تَسْمَعُ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَحَيَّ هَلًا وَلَمْ يُرَخِّصْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بے شک اس شہر مدینہ میں بہت زیادہ کیڑے مکوڑے اور درندے ہیں اور میں ایک نابینا آدمی ہوں تو کیا میرے لیے رخصت اور آسانی ہے آپ نے فرمایا کیا تم حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کی آواز سنتے ہو عرض کیا ہاں سنتا ہوں تو فرمایا پھر اس آواز کا جواب کرو اور حضور نے ان کو رخصت نہ دی اور آپ نے اسے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی۔ (ابوداؤد۔ نسائی)

لہ آپ مشہور نابینا صحابی ہیں۔

۲ہ جس میں نجات پانے اور مقصود حاصل کر لینے کی بشارت ہے۔ غرض اذان کا سننا ہے۔ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کی تخصیص کی وجہ وہ ہے جو ذکر ہوئی (مقصود فلاح پانے کی بشارت)

۳ہ علماء نے کہا ہے کہ حیّ اور ہلا دو کلمے ہیں جو ابھارنے اور جلدی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ لفظ

اجب کی جگہ آتا ہے اور حاشیہ میں کہا حَیَّ کِل آ اور شتابی کرنے کے معنی میں آتا ہے اور یہ حَیَّ اور ھَل سے مرکب ہے دونوں کلمے جلدی کرنے کا معنی دیتے ہیں۔ جب توقف کرنا چاہے تو حَیَّ ھَلَا کہے اور حالت وصل میں تنوین پڑھنا بھی روا ہے یعنی حَیَّ ھَلًا۔ اس لفظ کی تحقیق باب الاذان میں بھی گزر چکی ہے۔

۱۰۴۲/۲۸ وَعَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ اَبُو الدَّرْدَاءِ وَهُوَ مُغْضَبٌ فَقُلْتُ مَا اَغْضَبَكَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَعْرِفُ مِنْ اَمْرِ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا اِلَّا اَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ جَمِيْعًا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں مجھ پر داخل ہوئے حضرت ابو الدرداء اور وہ غصے میں تھے میں نے کہا آپ کے غضب ناک ہونے کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا میں امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے کاموں میں کوئی کام نہیں دیکھتا ماسوائے اس کے کہ یہ سب اکٹھی نماز پڑھتے ہیں[1]

(بخاری)

[1] یعنی ان میں صرف یہ ایک نیک کام باقی رہ گیا ہے۔ مگر اسے بھی بعض ترک کر دیتے ہیں۔

۱۰۴۳/۲۹ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ اَبِيْ حَثْمَةَ قَالَ اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَدَ سُلَيْمَانَ بْنَ اَبِيْ حَثْمَةَ فِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ وَاِنَّ عُمَرَ غَدَا اِلَى السُّوْقِ وَمَسْكَنُ سُلَيْمَانَ بَيْنَ الْمَسْجِدِ وَالسُّوْقِ فَمَرَّ عَلَى الشِّفَاءِ اُمِّ سُلَيْمَانَ فَقَالَ لَهَا لَمْ اَرَ سُلَيْمَانَ فِي الصُّبْحِ فَقَالَتْ اِنَّهٗ بَاتَ يُصَلِّيْ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَقَالَ عُمَرُ لَاَنْ اَشْهَدَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فِي الْجَمَاعَةِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَقُوْمَ لَيْلَةً۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ[1] سے روایت ہے انہوں نے کہا بیشک عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صبح کی نماز میں سلیمان بن ابی حثمہ کو نہ پایا۔ اور بیشک عمر رضی اللہ عنہ صبح کے وقت بازار کی طرف گئے تو آپ کا گزر حضرت سلیمان کی ماں حضرت شفا[2] کے پاس سے ہوا۔ اور سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کے درمیان تھا آپ نے ان کی ماں سے کہا میں نے آج صبح سلیمان کو نہیں دیکھا ان کی ماں نے عرض کیا وہ ساری رات نماز پڑھتا رہا تو اس پر نیند غالب آگئی حضرت عمر نے فرمایا بیشک میرا صبح کی نماز کی جماعت میں حاضر ہونا مجھے زیادہ محبوب ہے اس امر سے کہ میں ساری رات نماز پڑھتا رہوں[3] اور فجر کی جماعت کو ضائع کر دوں۔

(مالک)

[1] حثمہ حاء کی فتح اور ثاء کے سکون سے۔ حضرت سلیمان کبار تابعین میں سے ہیں۔ قرشی عدوی ہیں۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

انہیں جماعت میں نہ پایا اور نہ دیکھا۔ اور وہ نماز فجر کی جماعت میں شریک نہ ہوئے۔

۵۲ شفا شین کی زیر اس کے بعد فا ہے حضرت سلیمان کی ماں کا نام ہے۔ آپ ابتدائے اسلام میں ہجرت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں اور بڑی عقلمند صاحب فضیلت اور نمازی خواتین میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس قیلولہ فرمانے کے لیے تشریف لاتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام لیلی اور لقب ام شفا ہے اور لقب کا استعمال زیادہ ہو چکا ہے۔

۵۳ اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ صبح کی نماز با جماعت ادا کرنا رات کی نماز اور تہجد سے افضل ہے۔ اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ اگر قیام لیل (رات کو نماز پڑھنا) فجر کی نماز پڑھنے میں رکاوٹ بنتا ہو تو قیام لیل کا ترک کر دینا بہتر ہے۔

$\frac{1014}{31}$ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو اور دو سے زیادہ انسان جماعت[۵۴] ہیں۔ (ابن ماجہ)

۵۴ کہ اگر دو ہوں تو ایک امام بنے اور دوسرا مقتدی اور جماعت سے نماز پڑھیں۔

$\frac{1015}{31}$ وَعَنْ بِلَالِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا النِّسَآءَ حُظُوْظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِذَا اسْتَاْذَنَّكُمْ فَقَالَ بِلَالٌ وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ اَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَقُوْلُ اَنْتَ لَنَمْنَعُهُنَّ وَفِیْ رِوَایَةِ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ فَاَقْبَلَ عَلَیْهِ عَبْدُ اللّٰهِ فَسَبَّهٗ سَبًّا مَا سَمِعْتُهٗ سَبَّهٗ مِثْلَهٗ قَطُّ وَقَالَ اُخْبِرُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت بلال[۵۵] بن عبداللہ بن عمر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے باپ عبداللہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کو ان کے مساجد کے حصے سے منع نہ کرو جبکہ وہ مسجد میں جانے کی تم سے اجازت طلب کریں تو بلال نے کہا اللہ کی قسم ہم ضرور اپنی عورتوں کو منع کریں گے۔ ایک حضرت عبداللہ نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور تو کہتا ہے[۵۶] کہ ہم ضرور عورتوں کو منع کریں گے اور سالم کی اپنے باپ سے ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے سخت ایسی گالیاں دیں کہ میں نے ایسی گالیاں دیتے کبھی نہ سنا تھا اور اسے کہا میں تجھے[۵۷] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خبر دیتا ہوں اور اس کے جواب میں تو کہتا ہے کہ واللہ ہم ضرور عورتوں کو روکیں گے[۵۸]۔ (مسلم)

۱؎ آپ تابعی مدنی صالح الحدیث ہیں۔
۲؎ یعنی آپ نے ڈانٹ اور زجر کے طور پر کہا۔
۳؎ بعض روایات میں آیا ہے کہ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے زندگی بھر کلام نہ کیا اور ان سے ناراض رہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کی رائے نص کے مقابلے میں پیش نہیں کی جا سکتی۔

۱۱۴۶ وَعَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلٌ اَهْلَهُ اَنْ يَاْتُوا الْمَسَاجِدَ فَقَالَ ابْنٌ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَاِنَّا نَمْنَعُهُنَّ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ هٰذَا قَالَ فَمَا كَلَّمَهُ عَبْدُ اللّٰهِ حَتّٰى مَاتَ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت مجاہد[۱] سے وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مرد بھی اپنے اہل[۲] کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکے اس پر حضرت عبداللہ کے ایک لڑکے[۳] نے کہا کہ بیشک ہم لوگ تو ضرور انکو روکیں گے حضرت عبداللہ نے یہ سن کر کہا میں تیرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو آگے سے یہ کہتا ہے تو حضرت نے اس لڑکے سے کلام نہ کیا۔ یہاں تک کہ فوت ہو گئے[۴] (احمد)

۱؎ حضرت مجاہد علماء تابعین اور ان کے قاریوں میں سے ہوئے ہیں۔ آپ دین کی بزرگ شخصیتوں میں سے ہیں۔
۲؎ جیسے بیوی، ماں، بہن وغیرہ کو۔
۳؎ اس سے ادبی بلال ہی ہیں۔ اس حدیث میں ان کو مبہم بیان کیا ان کے نام کی تعیین نہ کی۔
۴؎ اس حدیث میں یہ امر بیان کیا گیا ہے کہ ترک سنت کی بنا پر اولاد سے قطع تعلق کرنا روا ہے۔

بَابُ تَسْوِيَةِ الصَّفِّ

صف سیدھی کرنے کا باب

تسویۃ الصف سے مراد یہ ہے کہ نمازی مل کر کھڑے ہوں اپنے درمیان بالکل فاصلہ نہ چھوڑیں۔ اور آگے پیچھے نہ

کھڑے ہوں۔ بلکہ سیدھے اور برابر کھڑے ہوں اور اگر صفیں زیادہ ہوں تو ایک سمت میں کھڑے ہوں۔ دونوں صفوں کا درمیانی فاصلہ خطوط متوازیہ کی طرح ہر جگہ سے برابر ہو۔ پھر ترتیب کو ملحوظ رکھیں۔ یہ صف کے ظاہری آداب میں جنہیں نظر انداز کرنا باطن کے حالات میں خلل کا موجب ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں۔ الظاہر عنوان الباطن۔ ظاہر باطن کا عنوان ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آرہا ہے کہ آپس میں مل کر اور برابر کھڑے ہو اور آپس میں اختلاف نہ کرو تاکہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا نہ ہو۔ جیسا کہ اس کی شرح کی جائے گی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۰۱۷/۱ عَنِ النُّعْمَانَ بْنُ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّى صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّى بِهَا الْقِدَاحَ حَتّٰى رَاٰى اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتّٰى كَادَ اَنْ يُكَبِّرَ فَرَاٰى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهُ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ۔ (رواہ مسلم)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں سیدھی کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ گویا آپ ان کے ساتھ تیروں کو سیدھا کرتے ہیں یہاں تک کہ آپ نے سمجھ لیا کہ یہ مسئلہ ہمارے ذہن نشین ہو گیا ہے پھر ایک دن آپ باہر نکلے اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور تکبیر کہنے کے قریب ہو گئے کہ آپ نے ایک آدمی دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا اللہ کے بندو تم لوگ ضرور اپنی صفوں کو درست کرو ورنہ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔ (مسلم)

ے بشیر با کی فتح اور شین کی زیر۔ آپ کمسن صحابہ میں سے ہیں۔ آپ ہجرت سے چودہ مہینے بعد پیدا ہوئے۔ آپ انصار میں ہجرت کے بعد سب سے پہلے پیدا ہونے والے بچے ہیں۔ جس طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مہاجرین میں پہلے مولود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۸ سال اور ۷ ماہ تھی۔ اہل مدینہ کہتے ہیں کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع حاصل نہیں۔ اور اہل عراق کہتے ہیں کہ آپ کا سماع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ہے۔

ے قداح قدح بکسر قاف کی جمع ہے۔ قدح تیر کی لکڑی کو کہتے ہیں جس کے آگے ابھی پیکان نہ لگایا گیا ہو پیکان لگانے کے بعد اسے سہم کہتے ہیں اور یہ کسی چیز کے بالکل صحیح سیدھا ہونے کی مثال ہے کہ گویا اس کے ساتھ دوسری چیزوں کو سیدھا اور ہموار کیا جاتا ہے۔ یہاں اس امر کی تاکید ہے کہ صفوں کو اس قدر سیدھا درست کیا جائے

کہ ان کے ساتھ تیری نگاہوں کو بھی سیدھا کیا جائے اور بعض شارحین کہتے ہیں کہ یہ عبارت قلب پر محمول ہے اور معنی یہ ہے کہ گویا ان صفوں کو تیروں کی طرح کے ساتھ سیدھا کیا جا رہا ہے۔

۵۳ یعنی آپ نے خیال فرما لیا اور جان لیا کہ ہم لوگ آپ کے قول و فعل سے نماز میں اس سنت اور ادب کو سیکھ گئے ہیں۔

۵۴ یا یہ بات ہوگی کہ بے شک اللہ تعالٰے تمہاری ذوات اور نفوس میں اختلاف ڈال دے گا۔ جیسا کہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آ رہا ہے کہ اے لوگو آپس میں اختلاف نہ کرنا تاکہ تمہارے دل مختلف نہ ہو جائیں اور یہ اس سبب کی بنا پر ہوگا کہ اختلاف کرنے کسی کے آگے ہونے اور ایک دوسرے کے برابر نہ ہونے سے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نفرت کینہ وحشت اور ایک دوسرے کے خلاف عداوت کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ اس سے یہ خطرہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ دین میں اختلاف واقع ہونا شروع ہو جائے اور شوکت و عزت اسلام میں کمزوری پیدا ہونے لگے۔ یا خدا کی اطاعت نہ کرنے اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے سے دلوں پر تاریکی اور میل کچیل چڑھ معنی شروع ہو جائے جو تمہارے ظاہر اجسام میں سرایت کرنا شروع کر دے ان توجیہات کے باوجود یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اختلاف پیدا ہوتے ہیں کوئی سا تر اور خاصیت ہو۔ جیسا کہ احادیث کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں مخالفت وجوہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالٰے چہروں کو پشت کی طرف پھیر دے گا۔ یا بعض حیوانات کی شکل میں تمہاری صورتیں مسخ کر دے گا۔ جیسا کہ امام کی مخالفت کرنے والے کے بارے میں فرمایا وہ شخص نہیں ڈرتا جو اپنا سر امام سے پہلے سجدے سے اٹھا لیتا ہے کہ اللہ اس کی شکل گدھے کی صورت میں بدل دے۔

۱۰۲۱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَاَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ قَالَ اَتِمُّوا الصُّفُوْفَ فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ انور سے ہماری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا اپنی صفیں سیدھی کرو۔ اور آپس میں مل کر کھڑے ہو۔[۱] کیونکہ میں تمہیں اپنی پشت کے پیچھے دیکھتا ہوں۔[۲] اسے بخاری نے روایت کیا اور متفق علیہ حدیث میں اس طرح آیا ہے اپنی صفوں کو درست کرو کہ بیشک میں اپنی پشت پیچھے دیکھتا ہوں۔

لہ تاکہ درمیان میں فاصلہ نہ رہے اور جس طرح دیوار بناتے وقت پتھر اینٹ کو ایک دوسرے سے ملا کر رکھتے ہو بالکل اسی طرح نماز میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہو اور پوری نماز میں تمہاری یہی حالت رہے۔ اس سے غفلت نہ کرنا۔

۵۲ یعنی دل سے یا ظاہری آنکھ سے بطریق معجزہ اور نماز میں مجھے ایک خاص قسم کی نورانیت حاصل ہوتی ہے جس کی بدولت تمہاری حالت مجھ پر منکشف ہو جاتی ہے۔ اس معنیٰ کی تحقیق گزشتہ گزر چکی ہے۔

۵۳ اتمام صفوف کا معنیٰ یا تو انہیں سیدھا کرنے کا ہے یا اس کا معنیٰ ہے جب تک صف اول پوری نہ ہو دوسری صف نہ بناؤ۔ بہتر یہ ہے کہ اس لفظ سے دونوں معنیٰ مراد لیے جائیں۔

۱۰۱۹ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اِلَّا اَنَّ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ۔

انہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو اپنی صفیں سیدھی اور درست کیا کرو کہ بیشک صفوں کا سیدھا کرنا نماز کے قائم کرنے میں داخل ہے ۵۱ (بخاری و مسلم) مگر مسلم کے نزدیک من اقامۃ الصلوٰۃ کی بجائے من تمام الصلوٰۃ کا لفظ آیا ہے ۵۲

۵۱ جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور جس کی مدح بہت سی آیات میں آئی ہے۔ جیسے یقیمون الصلوٰۃ۔ اقیموا الصلوٰۃ۔ المقیمین الصلوٰۃ وغیرہ۔ علماء نے کہا ہے کہ جہاں بھی نماز اور نمازی کی مدح کی گئی ہے وہ نماز قائم کرنے کے ساتھ کی گئی ہے۔ اصل نماز پر تو بعض جگہ مذمت بھی آئی ہے۔ جیسے فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ (ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں)

۵۲ مگر دونوں عبارتوں کا مآل ایک ہی ہے۔

۱۰۲۰ وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِی الصَّلٰوةِ وَيَقُوْلُ اسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُكُمْ لِيَلِيَنِیْ مِنْكُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ قَالَ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ فَاَنْتُمُ الْيَوْمَ اَشَدُّ اخْتِلَافًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھوں کو ہاتھ لگاتے تھے اور فرماتے تھے سیدھے رہو درست کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف واقع ہو جائے گا اور چاہیے کہ مجھ سے قریب رہیں جو اصحاب عقل و فہم ہیں وہ میرے نزدیک کھڑے ہوں پھر وہ کھڑے ہوں جو ان سے قریب ہیں ان کے قریب ہوں پھر وہ جو ان کے قریب ہیں۔ حضرت ابو مسعود نے کہا تم لوگ آج بہت زیادہ اختلاف میں پڑے ہوئے ہو ۵۳ (مسلم)

لہ آپ مشغول ابصارانیا یا صحابی ہیں یہ ابن مسعود کے علاوہ ہیں۔

سے اور اپنے دست مبارک سے انہیں نماز میں برابر اور ہموار کرتے اور صفیں درست فرماتے تھے۔

سے اس جملے کی شرح گزشتہ حدیث کے ضمن میں مذکور ہو چکی ہے۔

سے لِیَلِنِی یا کے حذف اور تخفیف نون سے۔ بعض نسخوں میں لِيَلِيَنِّي تشریعاً اور نون تاکید سے آیا ہے۔ بعض راویوں نے ثبوت یا اور اس کی جزم کے ساتھ بھی روایت کیا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ غلط ہے مگر درست بات یہ ہے کہ اسے پڑھنا بھی صحیح ہے تاہم یہ استعمال نادر اور قلیل الوقوع ہے۔

ھ اس جملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب صفوف کا بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ میرے ساتھ اور صف اول میں کھڑے ہوں جو عاقل و بالغ ہیں۔ احلام کبھی حلم بکسر حا کی جمع لاتے ہیں۔ بمعنی مضبوطی اور وقار اور حلم کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ غصے کے ابال اور جوش کے وقت نفس کو قابو میں رکھے۔ اور حلم کی تفسیر عقل سے بھی کرتے ہیں کیونکہ تحمل و وقار عقلمندی کے لیے لازم ہے اور کبھی احلام کو حلم بضم حا کی جمع قرار دیتے ہیں بمعنی بالغ آدمی کو خواب آنا۔ نُھٰی نون کی پیش اور ھا کی زبر بمعنی عقل کیونکہ عقل انسان کو ناشائستہ کاموں سے باز رکھتی ہے۔ معنی اول کے مطابق لفظ النُّھٰی تاکید و تفسیر ہوگا۔ اہل عقل و فضل کو ساتھ کھڑا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ وہ کیفیت نماز اور اس کے احکام کو پوری طرح سمجھ کر یاد کر لیں گے پھر آگے امت تک پہنچائیں گے۔

لہ جیسے بچے اور وہ جو قریب البلوغ ہوں جن کو مراہق بھی کہتے ہیں۔

ےہ جیسے خنثیٰ (ہیجڑے) جن میں مردوں اور عورتوں دونوں کی علامت موجود ہوتی ہے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ ان کے بعد عورتوں کی صف ہونی چاہیے۔

شہ اور یہ خرابی صفوں کو درست نہ کرنے اور شارع علیہ السلام کے حکم کی بجا آوری نہ کرنے کے سبب ہے۔

۱۰۲۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَلِيَنِّيْ مِنْكُمْ اُولُو الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثَلٰثًا وَاِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْاَسْوَاقِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے نماز میں میرے ساتھ وہ لوگ کھڑے ہوا کریں جو ارباب عقل و فہم ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں۔ آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔ اور اپنے آپ کو مسجدوں میں شور و غل مچانے سے دور رکھو۔ (مسلم)

لہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثم الذین یلونہم کا فقرہ تین بار دہرایا تو اس حدیث کے مطابق صف کے مراتب چار ہوں گے۔ گزشتہ حدیث میں آپ نے عورتوں کا ذکر نہ کیا۔ کیونکہ خنثیٰ کے بعد انہیں کی صف متعین ہے اور ہر ایہ

در یافت اور طلب میں کوشش جاری کرتا ہے یا یہ آگے ہونے اور مزید طلب کا بیان ہے یعنی آگے بڑھنا اور مزید نیکی طلب کرنا یعنی ہے کہ تم لوگ میری اتباع کرو۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ آپ فرما دیں اگر تم لوگ اللہ کے دوست بننا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں اپنا دوست بنالے گا۔ اور جب تم لوگ دین میں کامل ہو جاؤ گے تو دوسروں کی تکمیل کرو گے اور دوسرے لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے وہ تمہاری اتباع کریں گے یا یہ حکم بعد والوں کو ہے کہ وہ بھی تمہاری تابعت میں پہلے آپ کو طالب اور پیاسا ظاہر کریں اور جو شخص طلب سے دور رہا پیچھا اور اس میں سستی دکھائی وہ مرتبہ قرب و وصول سے دور کر دیا گیا ہے

تو راہ نرفتہ از آں معذوری ورنہ کہ زد ایں در کہ بروئے نکشودند

ترجمہ۔ تو راستے پر چلا ہی نہیں اس لیے محروم ہے ورنہ کون ہے جس نے یہ دروازہ کھٹکھٹایا اور دروازہ نہ کھولا گیا تو جہاں تک ہو سکے کوتاہی نہ کرو۔

اندریں راہ چناں گراں مکنی دست و پائے بزن زیاں نکنی

ترجمہ۔ اس راستے میں بوجھل نہ بن۔ ہاتھ پاؤں مار اور کوشش کر تاکہ نقصان نہ کر بیٹھے۔

حدیث کا ظاہر عبارت بھی اس معنیٰ میں ہے۔ مگر بعض محدثین نے اسے صفیں درست کرنے پر چسپاں کیا ہے اور یہ بھی طلب کمال کا ایک فرد ہے مگر حدیث کا معنیٰ صرف اس کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۲۳ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَاٰنَا حِلَقًا فَقَالَ مَالِیْ اَرٰىكُمْ عِزِیْنَ ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ اَلَا تَصُفُّوْنَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلٰٓئِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلٰٓئِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا قَالَ يُتِمُّوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوَلَ وَيَتَرَاصُّوْنَ فِی الصَّفِّ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر[1] بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف نکل کر تشریف لائے ہمیں آپ نے حلقوں کی شکل میں دیکھا تو فرمایا مجھے کیا ہے کہ میں تمہیں حلقہ حلقہ بنائے بیٹھے دیکھتا ہوں پھر آپ تشریف لائے تو فرمایا تم لوگ اپنی صفیں اس طرح کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس صفیں بناتے ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ملائکہ اپنے رب کے پاس کیسی صفیں بناتے ہیں۔ فرمایا اگلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور آپس میں بالکل جڑ کر کھڑے ہوتے ہیں۔
(مسلم)

[1] حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں قبیلہ بنی عامر سے ہیں۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہمشیرہ زاد ہیں۔

۵۲ حِلقا حا کی زیر سے جمع حلقہ حا کی زبر اور لام ساکن۔ جیسے بدرہ اور بدر [illegible] جمع جمہور لغت نے کہا حَلَقا حا کی زبر سے ہے جیسے تمر و تمرۃ حلقہ لام کی زبر سے بھی آیا ہے اور اس کی جمع حلقا دو زبروں کے ساتھ آئی ہے تاہم بعض علماء اس کا انکار کرتے ہیں۔

۵۳ یہ ان کے اس حالت میں بیٹھنے سے ممانعت ہے کیونکہ اس طرح بیٹھنا دلوں کے متفرق ہونے کے درمیان اختلاف و مبائنت کی علامت ہے۔ اور مجلس میں اختلاف و انتشار کا موجب و سبب ہے۔ عزین جمع عزہ عین کی زیر زا ساکن، بمعنیٰ جمع شدہ گروہ۔ اور باب الجمعۃ میں آتا ہے کہ یہ حلقے بنا کر بیٹھنا جمعہ کے دن خطبہ کے وقت یا نماز سے پہلے تھا۔

عہ یعنی اللہ تعالےٰ کی اطاعت میں۔

۵۴ اگر یہ کہو کہ پہلی صف تو ایک ہی ہوتی ہے۔ پھر صیغہ جمع کیوں لایا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ملائکہ کرام آسمان و زمین میں ہر جگہ صفیں بناتے ہیں اور ہر جگہ پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں۔

۱۰۲۴/۸ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُھَا وَشَرُّھَا اٰخِرُھَا وَخَیْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ اٰخِرُھَا وَشَرُّھَا اَوَّلُھَا۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں کی سب سے افضل صف پہلی صف ہوتی ہے اور ان کی سب سے بری صف ان کی آخری صف ہوتی ہے اور عورتوں کی سب سے افضل صف انکی آخری صف ہوتی ہے اور انکی سب سے بری صف انکی پہلی صف ہوتی ہے [illegible]

سلہ یعنی مردوں کو چاہیے کہ اپنی صفیں آگے بنائیں اور عورتوں کی صفوں سے آگے رکھیں اور عورتوں کو چاہیے کہ صفیں مردوں کے بعد اور پیچھے ہوں۔ جیسا کہ صفوں کی ترتیب کے بیان میں گزرا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۰۲۵/۹ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُصُّوْا صُفُوْفَکُمْ وَقَارِبُوْا بَیْنَھَا وَحَاذُوْا بِالْاَعْنَاقِ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنِّیْ لَاَرٰی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی صفوں کو جوڑ کر اور ہموار رکھو اور ایک دوسرے کے قریب ہو کر کھڑے ہو اور اپنی گردنوں کو برابر کرو کیونکہ وہ ذات جس کے قبضہ

الشَّیْطٰنَ یَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ کَاَنَّھَا الْحَذَفُ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

قدرت میں میری جان ہے بیشک میں دیکھتا ہوں کہ شیطان صفوں کے درمیانی فاصلے میں داخل ہوتا ہے گویا کہ وہ سیاہ رنگ کی بکری ہے۔ (ابوداؤد)

لے یعنی اس طرح مل کر کھڑے ہو جس طرح دیوار کی چنائی میں اینٹ پتھر جوڑ کر رکھے جاتے ہیں۔
۲ے اس میں اس بات سے منع کیا کہ آپس میں فاصلہ رکھ کر نہ کھڑے ہو۔
۳ے حذف حا مہملہ اور ذال معجمہ دونوں پر زبر۔ آخر میں فا۔ حجاز ویمن کی سیاہ رنگ کی بکریاں۔ جیسا کہ شرح الشیخ میں آیا ہے۔ اور راوی سے حدیث حضرت ابوامامہ میں بکری کے چھوٹے بچوں سے اس کی تفسیر کی ہے۔ ایک روایت میں کَاَنَّھَا بَنَاتُ حَذَفٍ آیا ہے یعنی بکریوں کے بچے۔

۱۰۲۹ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِیْ یَلِیْہِ فَمَا کَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْیَکُنْ فِی الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

انہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے اگلی صف کو مکمل کرو پھر اس کے بعد والی کو اور جو کمی رہ جائے وہ سب سے آخری صف میں ہو۔ (ابوداؤد)

۱۰۳۰ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ یَلُوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوْلٰی وَمَا مِنْ خُطْوَۃٍ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ خُطْوَۃٍ یَمْشِیْھَا یَصِلُ بِھَا صَفًّا۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ اور اس کے فرشتے پہلی صفوں والوں پر درود بھیجتے ہیں[1] اور اللہ کے نزدیک کوئی قدم اس قدم سے زیادہ محبوب و پسندیدہ نہیں جو صف کو پورا کرنے کے لیے اٹھایا گیا ہو[2] (ابوداؤد)

لے جب آپ نے پہلی صف کی فضیلت بیان کردی تو پھر دوسری صف کی فضیلت کی طرف بھی اشارہ کیا جو اس کے ساتھ ملی ہوتی ہے اور بعد والی صف پرانے فضیلت حاصل ہوتی ہے اور الذین یلون الصفوف الاولیٰ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ معنی ظاہر لفظ کے خلاف ہے۔
۲ے یعنی اگر کسی صف میں فرجہ (فاصلہ) ہو تو قدم اٹھا کر وہاں کھڑا ہو اور اسے ملا دے۔ اور تشبیہا متصل تا خطاب کے ساتھ بھی آیا ہے۔

۱۰۲۸/۱۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلٰى مَيَامِنِ الصُّفُوْفِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے صفوں میں دائیں جانب کھڑے ہونے والوں پر درود بھیجتے ہیں[1] (ابوداؤد)

[1] یعنی ان لوگوں پر جو صف میں دائیں جانب کھڑے ہوتے ہیں۔ علماء نے کہا ہے کہ امام کے دائیں جانب کھڑے ہوتا اگرچہ امام سے دور رہی ہو افضل ہے ان لوگوں سے جو امام کی بائیں جانب کھڑے ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ امام کے قریب ہی کیوں نہ ہوں۔ بعض علماء شافعیہ نے کہا ہے کہ یہ مسجد نبوی شریف کے علاوہ مساجد کے لیے ہے۔ مسجد نبوی شریف میں امام کی بائیں جانب کھڑے ہونا زیادہ فضیلت رکھتا ہے کیونکہ قبر شریف اسی جانب ہے۔ اللہ تعالےٰ اس قائل کو اپنی رحمت سے نوازے۔

۱۰۲۹/۱۳ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّىْ صُفُوْفَنَا اِذَا قُمْنَا اِلَى الصَّلٰوةِ فَاِذَا اسْتَوَيْنَا كَبَّرَ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب ہم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کو سیدھا کرتے تھے[1] جب ہم لوگ ٹھیک ہو کر کھڑے ہو جاتے تو پھر آپ تکبیر کہتے تھے (ابوداؤد)

[1] یعنی ہاتھ یا اشارہ سے صفیں سیدھی کرتے تھے

۱۰۳۰/۱۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَنْ يَمِيْنِهٖ اِعْتَدِلُوْا سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَعَنْ يَسَارِهٖ اِعْتَدِلُوْا سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائیں جانب فرماتے سیدھے رہو صفیں سیدھی کرو اور اپنی بائیں جانب فرماتے سیدھے رہو صفیں سیدھی کرو[1] (ابوداؤد)

[1] یہ آپ صفوں کی درستی کے لیے انتہائی اہتمام و احتیاط کی بنا پر کرتے تھے

۱۰۳۱/۱۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِيَارُكُمْ اَلْيَنُكُمْ مَنَاكِبَ فِى الصَّلٰوةِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو نماز میں اپنے کندھے نرم رکھتے ہیں[1] (ابوداؤد)

ملے اس کے چند معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک معنی یہ ہے کہ صف میں کھڑا نمازی دوسرے ایسے نمازی کے لیے اپنے شانے نرم رکھے جس کا کندھا صف سے باہر نکلا ہوا اور آگے پیچھے ہو اور وہ اسے صف سیدھی کرنے کے لیے آگے پیچھے کرے۔ بعض نے کہا اگر کوئی نمازی صف میں داخل ہونا چاہیے تو اسے منع نہ کرے۔ بلکہ اجازت دے کہ وہ صف میں کھڑا ہو خصوصاً جبکہ آنے والا صف میں موجود فاصلے کو پر کرنے کے لیے آکر کھڑا ہو۔ بعض کہتے ہیں کندھے نرم کرنے سے نماز میں سکون، خشوع اور سکینت ووقار مراد ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

١٠٣٢ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اسْتَوُوْا[۱۶] اسْتَوُوْا اسْتَوُوْا فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنِّيْ لَاَرَاكُمْ مِنْ خَلْفِيْ كَمَا اَرَاكُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے سیدھے رہو سیدھے رہو سیدھے رہو[۱]۔ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں تم کو اپنے پیچھے سے ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسے تمہیں اپنے آگے سے دیکھتا ہوں۔ (ابوداؤد)

ملے یعنی آپ نے تین دفعہ مکرر فرمایا کہ اپنی صفیں سیدھی اور درست کرکے نماز میں کھڑے ہو۔

١٠٣٣ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ[۱۷] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ قَالَ وَعَلَى الثَّانِيْ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابوامامہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صف اول پر درود بھیجتے ہیں۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ اور دوسری صف پر[۲]۔ آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے صف اول پر درود بھیجتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور صف دوم پر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے صف اول پر درود بھیجتے ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور دوسری صف پر آپ نے فرمایا اور دوسری پر[۳] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنی

وَسَلَّمَ سَوُّوا صُفُوفَكُمْ وَحَاذُوا بَيْنَ مَنَاكِبِكُمْ وَلِينُوا فِي أَيْدِي إِخْوَانِكُمْ وَسُدُّوا الْخَلَلَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ فِيمَا بَيْنَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْحَذَفِ يَعْنِي أَوْلَادَ الضَّأْنِ الصِّغَارَ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

صفیں سیدھی کرو۔ اور اپنے کندھوں کے درمیان مقابلہ رکھو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو[۴] کشادگیاں بند کرو کیونکہ شیطان تمہارے درمیان بکری کے چھوٹے بچے کی شکل میں گھس جاتا ہے۔

(احمد)

[۱] اُمامۃ ہمزہ کی پیش۔

[۲] یعنی دوسری صف کے لیے بھی فرمائیں کہ صف اول پر بھی درود نازل ہو اور دوسری پر بھی اسے عطفِ تلقینی کہتے ہیں کہ مخاطب متکلم کو تلقین کرتا ہے کہ عطف کرے اور اسے بھی ذکر کرے۔

[۳] ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے التماس کرنے سے پہلی اور دوسری صف پر مشترکہ درود بھیجنے کی وحی آگئی ہو اور آپ کے اس انداز سے یہ ظاہر ہوگیا کہ صف اول کو دوسری پر بہت فضیلت حاصل ہے اور دوسری صف کا درجہ پہلی صف سے کم ہے۔

[۴] یہ عبارت معنی اول کے مطابق جو حدیث ابن عباس میں گزرا کے زیادہ مناسب ہے اور لفظ لینوا و لینوا دونوں طرح روایت کیا گیا ہے۔ مگر شد کے بغیر صحیح ہے۔

۱۰۳۴/۱۸ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقِيمُوا الصُّفُوفَ وَحَاذُوا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسُدُّوا الْخَلَلَ وَلِينُوا بِأَيْدِي إِخْوَانِكُمْ وَلَا تَذَرُوا فُرُجَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَهُ قَطَعَهُ اللّٰهُ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ مِنْهُ قَوْلَهُ وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا إِلَى آخِرِهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صفیں سیدھی کرو اور اپنے کندھوں کے درمیان مقابلہ رکھو کشادگیاں بند کرو اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ اور شیطان کے لیے کشادگیاں نہ چھوڑو جو صف کو ملائے گا اللہ اسے ملائے گا اور جو صف کو توڑے گا اللہ اسے توڑ دے گا۔ ابوداؤد اور نسائی نے بھی اسے من وصل سے آخر تک روایت کی[۱]

[۱] یعنی اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل و رحمت سے ہمکنار کرے۔

ف۵ جو صف میں پہنچ رکھے اور اسے توڑ کر کھڑا ہو اللہ تعالیٰ اسے مقام قرب و رحمت اور جنت سے الگ کر دے گا۔ نسائی نے اول حدیث کو اقیموا الصفوف سے لے کر اس قول تک روایت نہ کیا۔

۱۰۳۵ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَسَّطُوا الْاِمَامَ وَسُدُّوا الْخَلَلَ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام کو بیچ میں رکھو[1] اور کشادگیاں بند کرو۔ (ابوداؤد)

[1] اور اس کے پیچھے اس کے دائیں بائیں کھڑے ہو۔

۱۰۳۶ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ قَوْمٌ یَتَاَخَّرُوْنَ عَنِ الصَّفِّ الْاَوَّلِ حَتّٰی یُؤَخِّرَھُمُ اللّٰہُ فِی النَّارِ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم پہلی صف سے پیچھے ہوتی رہے گی[1] حتی کہ اللہ انہیں آگ میں پیچھے کرے گا۔ (اور دوزخ میں ڈالے گا) (ابوداؤد)

[1] اور مقام فضل و ثواب میں آگے بڑھنا ترک کریں گے۔

۱۰۳۷ وَعَنْ وَابِصَۃَ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا یُّصَلِّیْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَہٗ فَاَمَرَہٗ اَنْ یُّعِیْدَ الصَّلٰوۃَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ

حضرت وابصہ[1] ابن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھتے دیکھا تو اسے نماز لوٹانے کا حکم دیا[2] (احمد، ترمذی، ابوداؤد) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

[1] آپ کی کنیت ابو سالم ہے، قبیلہ بنی اسد سے ہیں، ساکن ہیں، انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہے، ۹ھ میں ... حاضر ہوئے ... پہلے کوفہ میں قیام کیا پھر جزیرہ میں آ گئے، مقام رقہ میں انتقال فرمایا آپ کی قبر اب بھی رقہ میں ہے۔

[2] آپ نے اسے آگے بڑھنے میں کوتاہی کرنے پر تغلیظاً اور ڈانٹ کے طور پر فرمایا نماز کے بطلان یا فساد کی بنا پر نہ فرمایا۔ اور امام احمد اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک اگر نماز اکیلے پڑھے گا تو باطل ہو جائے گی جب کہ اگلی صف میں داخل ہونے کی

گنجائش موجود ہو۔ اس حدیث اور دوسری احادیث کی بنا پر اور ان آئمہ کے بعض اہل مذہب نے نماز جنازہ کو اس سے مستثناء کیا ہے۔ جب کہ جنازے کی نماز میں پانچ آدمی ہوں۔ تین صفیں بنانے کے لیے کہ تین صفیں بنانا مستحب ہے۔ بخلاف عورت کے کہ وہ اکیلی ہی مردوں کی صف کے پیچھے نماز ادا کرے گی ان آئمہ کے نزدیک اس وقت نماز فاسد ہوگی۔ جب کہ وہ پوری نماز اکیلا پچھلی صف میں ادا کرے اور اگر اس نے صرف تکبیر تحریمہ اکیلے پچھلی صف میں باندھی اس کے بعد اگلی صف میں شامل ہو گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ جیسا کہ باب الموقف میں حضرت ابوبکرہ کی حدیث سے معلوم ہوگا۔ پھر امام احمد کے نزدیک امام کے بائیں جانب کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے والے کا بھی یہی حکم ہے۔

۳؎ اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ وہ ایک دوسری صحیح حدیث بھی روایت کرتے ہیں: لاصلوٰۃ للذی خلف الصف یعنی جو صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھے۔ اس کی نماز نہیں ہوتی۔ مگر دوسرے آئمہ کے نزدیک یہ حدیث نفی کمال پر محمول ہے۔

بَابُ الْمَوْقِفِ

نماز کی جگہ کا بیان

یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ نماز میں امام کہاں کھڑا ہو اور مقتدی کہاں۔ امام آگے کھڑا ہو یا مقتدی امام کے پہلو میں دائیں جانب کھڑا ہو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۰۳۸ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ فِیْ بَیْتِ خَالَتِیْ مَیْمُوْنَةَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فَقُمْتُ عَنْ یَّسَارِهٖ فَاَخَذَ بِیَدِیْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِهٖ فَعَدَلَنِیْ کَذٰلِكَ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِهٖ اِلَی الشِّقِّ الْاَیْمَنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

پہلی فصل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے اپنی خالہ میمونہ کے گھر رات گزاری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے میں آپ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیٹھ کے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اسی طرح پیٹھ کے پیچھے سے دائیں طرف گھما لیا۔

(بخاری و مسلم)

سلہ جو انواع طہارت میں سے ہیں۔
سلہ یعنی میں بھی اٹھا اور وضو کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی رکھا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور میں بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہوا۔
سلہ یہ حدیث اس جگہ مختصر بیان ہوئی ہے مکمل حدیث باب قیام اللیل میں آئے گی ان شاء اللہ تعالٰے۔
سلہ یا اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ کہتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دوسری طرف کرنے کا نقشہ اور کیفیت بیان کی۔ اور لفظ کذالک اس حالت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ امثال و حکایات بیان کرتے وقت ایسا کرنا خصوصاً اہل عرب کی عادت ہے کہ لفظ اشارہ استعمال کرتے ہیں، خوب سمجھو۔

۱۰۳۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ فَجِئْتُ حَتّٰى قُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَ بِيَدِيْ فَاَدَارَنِيْ حَتّٰى اَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ يَسَارِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَ بِيَدَيْنَا جَمِيْعًا فَدَفَعَنَا حَتّٰى اَقَامَنَا خَلْفَهٗ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے پھر میں آیا حتی کہ آپ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے گھمایا یہاں تک کہ اپنے دائیں مجھے کھڑا کیا۔ پھر جبار ابن صخر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں کھڑے ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کا ہاتھ پکڑا اور ہمیں پیچھے کیا حتی کہ ہمیں اپنے پیچھے کھڑا کیا۔ (مسلم)

سلہ ظاہر یہ ہے کہ یہ رات کی نماز تھی جیسا کہ حدیث ابن عباس میں تھا۔ رات کے نوافل کے علاوہ دوسرے نوافل کا بھی احتمال ہے کبھی کبھی آپ نے وہ جماعت سے ادا کیے ہوں۔
سلہ جبار شد سے۔ ابن صخر آپ انصار میں سے ہیں۔ اور ان ستر خوش نصیب حضرات میں سے ہیں جو لیلۃ العقبہ میں حاضر تھے۔
سلہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر مقتدی صرف ایک ہو تو وہ امام کے ساتھ اس کی دائیں جانب کھڑا ہو اور اگر زیادہ ہوں تو امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔

۱۰۴۰ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ اَنَا وَيَتِيْمٌ فِيْ بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے اور ایک یتیم نے اپنے گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور ام سلیم ہمارے

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ) پیچھے تھیں۔ (مسلم)

لے ام سلیم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بچے کا بالغ مرد کے ساتھ نماز میں کھڑے ہونا درست ہے کیونکہ یتیم بچے ہی کو کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یتیم حضرت انس کے بھائی کا نام ہے اور وہ بچے نہ تھے۔ لہٰذا اس حدیث میں اس امر پر کوئی دلالت نہیں کہ بچہ مرد کے ساتھ ایک صف میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ مگر اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ یہ نفل نماز تھی اس لیے اس میں نرمی کو روا رکھا جا سکتا ہے اور گذشتہ بیان کردہ احکام فرض نمازسے متعلق تھے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۴۱/۴ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهٖ وَبِاُمِّهٖ اَوْ خَالَتِهٖ قَالَ فَاَقَامَنِيْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَاَقَامَ الْمَرْاَةَ خَلْفَنَا۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

انہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور ان کی ماں یا خالہ کو نماز پڑھائی۔ فرماتے ہیں مجھے تو آپ نے اپنے دائیں کھڑا کیا اور عورت کو ہمارے پیچھے ۔ (مسلم)

لے یہ راوی کا شک ہے۔

۲ے یعنی میری ماں یا میری خالہ کو۔ اور اس حدیث میں یتیم کا ذکر نہیں ہے۔

۱۰۴۲/۵ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ اَنَّهٗ انْتَهٰى اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ اَنْ يَّصِلَ اِلَى الصَّفِّ ثُمَّ مَشٰى اِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے حالانکہ آپ رکوع میں تھے تو انہوں نے صف تک پہنچنے سے پہلے رکوع کر لیا پھر صف تک چلے گئے یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا تو فرمایا اللہ تمہاری حرص زیادہ کرے دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ (بخاری)

لے بکرہ تا کے ساتھ آپ مشہور صحابی ہیں۔

۲ے حضرت ابو بکرہ نے صف تک پہنچنے سے پہلے ہی نماز کی نیت کی اور تکبیر تحریمہ اس لیے کہی تاکہ ... کو رکوع میں پالیں اور رکعت پالیں اور تکبیر اولیٰ کی فضیلت بھی حاصل کر لیں۔

۳ے یعنی اللہ تعالیٰ تجھ میں طلب خیر اور مقام قرب تک وصول کی حرص اور زیادہ کرے۔

۴ے تاکہ منفرد کی صف کے پیچھے یا صف تک پہنچنے سے پہلے رکوع اور صف کی طرف چلتے ہوئے نماز میں اقتداء

لازم نہ آئے یہ ہے کہ جہاں تکبیر تحریمہ باندھی ہے وہیں کھڑا ہو جائے۔ پس یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نماز میں اکیلے آدمی کا صف میں کھڑا ہونا نماز کو باطل نہیں کرتا کیونکہ آپ نے اس آدمی کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہ دیا۔ بعض راوی اس لفظ تعدّ عین کی جزم اور دال کی پیش سے بیان کرتے ہیں اور اسے عَدْوٌ سے مشتق مانتے ہیں۔ یعنی دوڑنا یعنی دوڑنے میں اس قدر شتابی نہ کرنا کہ دوڑنے کی نوبت آجائے۔ مگر پہلی روایت روایۃً اور درایۃً صحیح ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۰۴۳ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كُنَّا ثَلٰثَةً اَنْ يَّتَقَدَّمَنَا اَحَدُنَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب ہم تین ہوں تو ہم میں سے ایک آگے بڑھ جائے۔[له] (ترمذی)

[له] یعنی ایک امام بن جائے اور دو اس کے مقتدی۔

۱۰۴۴ وَعَنْ عَمَّارٍ اَنَّهٗ اَمَّ النَّاسَ بِالْمَدَائِنِ وَقَامَ عَلٰی دُكَّانٍ يُّصَلِّیْ وَالنَّاسُ اَسْفَلَ مِنْهُ فَتَقَدَّمَ حُذَيْفَةُ فَاَخَذَ عَلٰی يَدَيْهِ فَاتَّبَعَهٗ عَمَّارٌ حَتّٰی اَنْزَلَهٗ حُذَيْفَةُ فَلَمَّا فَرَغَ عَمَّارٌ مِّنْ صَلٰوتِهٖ قَالَ لَهٗ حُذَيْفَةُ اَلَمْ تَسْمَعْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اَمَّ الرَّجُلُ الْقَوْمَ فَلَا يَقُمْ فِیْ مَقَامٍ اَرْفَعَ مِنْ مَّقَامِهِمْ اَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ قَالَ عَمَّارٌ لِذٰلِكَ اتَّبَعْتُكَ حِيْنَ اَخَذْتَ عَلٰی يَدَیَّ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عمار[له] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے مدائن میں لوگوں کی امامت کی اور اونچی جگہ پر نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے لوگ ان سے نیچے تھے۔ حضرت حذیفہ آگے بڑھے اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ عمار ان کے پیچھے لگ گئے حتیٰ کہ انہیں حذیفہ نے نیچے اتار دیا۔ جب عمار نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے حذیفہ نے کہا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے نہ سنا کہ جب کوئی شخص قوم کی امامت کرے۔ تو اس کی جگہ سے اونچی جگہ کھڑا نہ ہو یا اس کی مثل۔ عمار نے کہا کہ اسی لیے جب آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا میں آپ کے پیچھے ہو لیا۔[له] (ابوداؤد)

[له] حضرت عمار رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ جنگ صفین میں

شہید ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا تقتلک الفئۃ الباغیۃ یعنی تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔ عمار ان یک شخص کا نام ہے۔

۵۲ حضور کا مشخص لفظ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھا اس بنا پر آپ کو شک تھا کہ آپ نے یہ لفظ کہا یا اور کوئی لفظ۔

۵۳ اور میں نے آپ کی بات مان لی اور نیچے اتر آیا۔

۵۴ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمار اس مسئلہ کو جانتے تھے اور آپ نے یہ مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا تھا۔ یہاں اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب حضرت عمار یہ مسئلہ جانتے تھے تو پھر آپ نے پہلے اس فعل کا ارتکاب کیوں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید آپ کو اس کی یادداشت ذہن سے نکل چکی تھی۔ جب حضرت حذیفہ نے یاد دلایا تو آپ کو یاد آگیا۔ یا حضرت عمار کا فعل خلاف اولیٰ تھا نفس جواز کے خلاف نہ تھا اور حضرت حذیفہ کے توجہ دلانے سے آپ نے اولیٰ اور افضل فعل کو اختیار کر لیا۔

واضح ہو کہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے کہ تنہا امام اونچی جگہ کھڑا ہو اور مقتدی نیچے کھڑے ہوں کیونکہ یہ اہل کتاب کے ساتھ تشبہ ہے کہ یہ لوگ امام کے لیے بلند جگہ مخصوص کرتے ہیں اور اگر امام کے ساتھ بعض لوگ کھڑے ہوں تو پھر مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر سب مقتدی اونچی جگہ کھڑے ہوں اور امام نیچے کھڑا ہو تو عدم تشبہ کی وجہ سے ظاہر روایت کے مطابق مکروہ نہ ہوگا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ صورت بھی مکروہ ہے۔ اور یہی صحیح ہے کہ اس میں امام کی [illegible] ہے اور امام کے حق عزت و احترام میں کوتاہی ہے۔ پھر بلند جگہ کی بلندی میں جس کے ساتھ کراہت متعلق ہے [illegible] ہے بعض نے کہا درمیانہ قد آدمی کی اونچائی تک بلندی مراد ہے۔ بعض نے کہا اتنی مقدار بلندی مراد ہے جس سے امام اور مقتدین کی جگہ میں فرق و امتیاز محسوس ہو۔ بعض نے کہا ایک گز بلندی مراد ہے [illegible] پہلا قول پسندیدہ ہے اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا دوسرا قول زیادہ مناسب ہے کہ [illegible] موجود ہے۔ ایک گز کی بلندی کی صورت میں کوئی خرابی اور کوتاہی نہیں [illegible] کھڑے تھے۔ اگر اس بلندی علم ہوتا تو اس شخص پر حجت و دلیل قائم ہو جاتی جو [illegible] ثابت ہو چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر شریف بلند ہوتا تھا [illegible] یا یہ کہ کہا جائے گا کہ کراہت اس صورت میں ہے جب کہ بلندی پر کھڑے ہونے [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے شمار کیا جائے گا۔ واللہ اعلم انتہی۔

۱۰۴۵ / ۸ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِنِ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ سُئِلَ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ الْمِنْبَرُ

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان سے دریافت کیا گیا کہ منبر کس چیز کا تھا فرمایا

فَقَالَ هُوَ مِنْ اَثْلِ الْغَابَةِ عَمِلَهٗ فُلَانٌ مَوْلٰى فُلَانَةَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عُمِلَ وَ وُضِعَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَكَبَّرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَهٗ فَقَرَأَ وَرَكَعَ النَّاسُ خَلْفَهٗ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى فَسَجَدَ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ عَادَ اِلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى حَتّٰى سَجَدَ بِالْاَرْضِ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ نَحْوُهٗ وَقَالَ فِيْ اٰخِرِهٖ فَلَمَّا فَرَغَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا صَنَعْتُ هٰذَا لِتَاْتَمُّوْا بِيْ وَلِتَعَلَّمُوْا صَلَاتِيْ۔

جنگل کے جھاؤ کا ہے فلاں فلانی کے مولی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنایا تھا اور جب بنایا اور رکھا گیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوئے قبلے کی طرف منہ کیا اور تکبیر کہی لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے آپ نے قراءت کی اور رکوع کیا اور لوگوں نے آپ کے پیچھے رکوع کیا، پھر اپنا سر اٹھایا پھر الٹے پاؤں لوٹے، پھر زمین پر سجدہ کیا پھر منبر کی طرف لوٹے، پھر قراءت کی پھر رکوع کیا پھر سر اٹھایا پھر پیچھے لوٹے۔ حتیٰ کہ زمین پر سجدہ کیا یہ بخاری کے لفظ ہیں۔ اور مسلم و بخاری میں اس کی مثل ہے اور اس کے آخر میں بخاری نے فرمایا کہ جب فارغ ہوئے تو لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے، اور فرمایا اے لوگو، میں نے یہ اس لیے کیا تاکہ تم میری اقتدا کرو اور میری نماز کو جان لو

لے آپ انصاری ہیں۔ اور آخری صحابی ہیں جنہوں نے مدینہ پاک میں وفات پائی۔

لے یعنی آپ کا منبر شریف کس لکڑی کا تھا یہ مطلب اس وقت ہوگا جب کہ سائل کو پہلے سے پتہ ہو کہ وہ لکڑی کا تھا ورنہ اس سوال کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ کس چیز کا بنا ہوا تھا پتھر کا تھا یا لکڑی کا۔ جواب کی ظاہر عبارت ھُوَ مِنْ اَثْلِ الْغَابَةِ۔ یعنی وہ جنگل کے جھاؤ کی لکڑی کا بنا ہوا تھا، سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا معنی مراد ہے۔ اَثْل۔ ہمزہ کی زبر ثاء کی جزم۔ درخت طرفا ہے اس کو جھاؤ کہتے ہیں جھاؤ بعض نے کہا اثل ایک درخت ہے جھاؤ کی طرح مگر اس سے بڑا ہوتا ہے۔ غابہ" بمعنی جنگل پھر اس کا غالب استعمال اس جگہ کے لیے ہونے لگا جہاں گھنے درخت ہوں۔ شیخ ابن حجر کی شرح میں کہا کہ غابہ مدینہ طیبہ سے تین میل کی مسافت پر ایک جگہ ہے۔

لے یعنی وہ منبر فلاں آدمی نے جو فلاں عورت کا غلام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنایا تھا۔ اس غلام کا نام باقوم رومی تھا بعض نے کہا اس کا نام میمون تھا، مشہور تر قول اول ہے۔ اس کے نام میں اور اقوال بھی ہیں۔ جولائق

اعتبار نہیں۔ مگر عورت کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ بعض نے کہا اس کا نام عُداثہ تھا۔ آپ نے اس عورت سے فرمایا تھا کہ تیرے بڑھئی غلام کو ہمارے لیے منبر بنانا چاہیے تو آپ کے لیے منبر تیار کیا گیا جس کے تین زینے تھے۔ ہر زینے کی بلندی ایک بالشت تھی اور چوڑائی ایک گز تو وہ منبر مسجد شریف میں رکھ دیا گیا۔

ٹ لیعنی میں نے منبر پر اور بلند جگہ پر اس لیے نماز ادا کی ہے تاکہ تم لوگ میری اقتدا اور پیروی کرو۔ اور میری نماز کو جان لو بعض نسخوں میں لام کی شد تعلّمُوا کا صیغہ آیا ہے یعنی تاکہ میری نماز سیکھ لو کہ میں اسے کس صفت اور کیفیت سے ادا کرتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مبارک ان مقامات میں سے ہے جو امام کے مقتدیوں سے بلند ہونے کی کراہت سے مستثنیٰ ہے۔ جیسا کہ گذشتہ حدیث میں اس کی جانب اشارہ گزرا اور ائمہ شافعیہ نے کہا امام کا اونچے مقام پر کھڑا ہونا اس وقت مکروہ ہے جبکہ کسی غرض و ضرورت کے لیے نہ ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہاں غرض کیفیت نماز کی تعلیم و تبلیغ تھی۔ پھر یہاں یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہ فعل کثیر تھا جو مفسد نماز ہے۔ کیونکہ منبر شریف کے تین پائے قریب قریب تھے۔ جن سے اترنا اور ان پر چڑھنا ایک یا دو قدم سے میسر تھا خصوصاً جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نچلے پایہ پر کھڑے ہوئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

۱۰۴۶/۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ حُجْرَتِهٖ وَالنَّاسُ يَأْتَمُّوْنَ بِهٖ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجْرَةِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ میں نماز پڑھی اور لوگ حجرے سے باہر آپ کی اقتدا کرتے تھے ۔ (ابوداؤد)

سلہ محدثین نے کہا ہے کہ یہاں حجرہ سے مراد وہ جگہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائی کی بنائی تھی جب کہ آپ نے اعتکاف کا ارادہ کیا تھا اور رمضان شریف کی ان چند راتوں کی نماز تراویح جو آپ نے ادا کی [illegible] اور لوگ باہر کھڑے ہو کر آپ کی اقتدا کرتے تھے اور جب لوگوں نے زیادہ ہجوم کرنا شروع کر دیا تو آپ نے ان راتوں کا پڑھنا ترک کر دیا کہ ہم پر فرض ہی نہ ہو جائے۔ جیسا کہ اس حدیث میں [illegible] ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کا حجرہ مراد نہیں کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اور لوگ [illegible] کھڑے ہو کر آپ کی اقتدا کر رہے ہوں کیونکہ اس طرح یہ ممکن نہیں کہ لوگ امام کو دیکھ سکیں۔ جیسا کہ بعض علماء نے کہا۔ یا بعض علماء کے نزدیک امام کے احوال پر مطلع ہونا ضروری ہے۔ اور یہ چیز بظاہر اس صورت میں مفقود ہے۔ اور اگر حجرہ ازواج مطہرات [illegible] مرض موت کا واقعہ ہے۔ کہ آپ اس وقت معذور تھے۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۱۱۴۳ عَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَفَّ الرِّجَالَ وَصَفَّ خَلْفَهُمُ الْغِلْمَانَ ثُمَّ صَلّٰی بِهِمْ فَذَكَرَ صَلٰوتَهٗ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا صَلٰوةُ قَالَ عَبْدُ الْاَعْلٰی لَا اَحْسِبُهٗ اِلَّا قَالَ اُمَّتِیْ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابومالک الاشعری[1] رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی خبر نہ دوں[2] حضرت ابومالک نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قائم کی۔ آپ نے اپنے پیچھے مردوں کی صف بنائی۔ انکے پیچھے بچوں کی صف بنائی[3] پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ تو حضرت ابومالک رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز کی کیفیت بیان کی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابومالک نے فرمایا نماز اس طرح ہوتی ہے۔ عبدالاعلیٰ راوی کہتا ہے میں گمان نہیں کرتا مگر یہ کہ آپ نے فرمایا میری امت کی نماز اس طرح ہے۔ (ابوداؤد)

[1] حضرت ابومالک الاشعری رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ سے ہیں۔ انہیں ابومالک اشجعی بھی کہتے ہیں۔ ان کے نام میں اختلاف ہے۔

[2] یعنی آپ کے نماز میں کھڑے ہونے صفوں کی ترتیب اور کیفیت نماز کے بارے میں خبر نہ دوں۔

[3] یہاں عورتوں کا ذکر شاید اس لئے نہیں کیا کہ وہاں عورتیں موجود نہ تھیں۔

۱۱۴۴ وَعَنْ قَیْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ بَیْنَا اَنَا فِی الْمَسْجِدِ فِی الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ فَجَبَذَنِیْ رَجُلٌ مِّنْ خَلْفِیْ جَبْذَةً فَنَحَّانِیْ وَقَامَ مَقَامِیْ فَوَاللّٰهِ مَا عَقَلْتُ صَلٰوتِیْ فَلَمَّا انْصَرَفَ اِذَا هُوَ اُبَیُّ بْنُ كَعْبٍ فَقَالَ یَا فَتٰی لَا یَسُوْءُكَ اللّٰهُ اِنَّ هٰذَا عَهْدٌ مِّنَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَیْنَا اَنْ نَّلِیَهٗ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ

حضرت قیس[1] بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اس حال میں کہ میں مسجد میں پہلی صف میں تھا کہ مجھے پیچھے سے کسی نے کھینچا۔ مجھے ہٹا دیا اور میری جگہ خود کھڑا ہو گیا۔ خدا کی قسم مجھے اپنی نماز کی خبر نہ رہی[2] جب فارغ ہوئے تو وہ ابی ابن کعب تھے[3] فرمایا اے جوان اللہ تجھے کبھی غمگین نہ کرے[4] یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم سے عہد ہے کہ آپ سے قریب رہیں[5] پھر آپ قبلہ رو ہوئے اور فرمایا رب کعبہ کی قسم۔ حکومتوں والے ہلاک ہو گئے۔ تین بار کہا۔ پھر

الْقِبْلَةَ فَقَالَ هَلَكَ اَهْلُ الْعَقْدِ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ مَا عَلَيْهِمْ اٰسٰى وَلٰكِنْ اٰسٰى عَلٰى مَنْ اَضَلُّوْا قُلْتُ يَا اَبَا يَعْقُوْبَ مَا تَعْنِيْ بِاَهْلِ الْعَقْدِ قَالَ الْاُمَرَاءَ

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

فرمایا خدا کی قسم ان پر غم نہیں کرتا۔ لیکن ان پر غم کرتا جنہوں نے انہیں بہکایا۔ میں نے کہا "اے ابو یعقوب عقد والوں سے آپ کی کیا مراد ہے فرمایا امیر لوگ۔

(نسائی)

۱؎ عبادمین کی پیش باشد یا مخفف قیس بن عباد طبقہ اولیٰ اور تابعین بصرہ سے ہے۔ ثقہ ہے قلیل الحدیث ہے۔ خیار صالحین سے ہے۔ شیعہ افکار کا حال تھا بڑا اللہ کو یاد کرنے والا اور عبادت گذار تھا حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابی بن کعب اور عبداللہ بن سلام سے حدیث روایت کرتا ہے۔ اس سے حضرت حسن بصری نے حدیث روایت کی ہے۔ حجاج بن یوسف نے اسے قتل کیا۔

۲؎ یعنی اللہ کی قسم میں اپنی نماز نہ پاسکا اور یہ چیز فراموش کر گیا کہ کس طرح نماز ادا کیوں کر چند رکعت ادا کر چکا ہوں۔ میری یہ حالت غصے اور غضب کی بنا پر ہوئی جو انہوں نے مجھے کھینچا اور افضل جگہ سے مجھے پیچھے ہٹا دیا باوجودیکہ میں پہلے اس جگہ میں کھڑا ہو گیا تھا۔

۳؎ جو عظمائے صحابہ میں سے تھے۔

۴؎ یعنی اس فعل کی وجہ سے جو میں نے تجھ سے کیا۔ تجھے غم اور حد سے محسوس نہ کرنا چاہیے۔

۵؎ یعنی ہم لوگ کہ اہل عقل و فہم اور علم و فضل والے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑے ہونا اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ہم اسی کے مطابق عمل کرنا چاہتے ہیں۔

۶؎ اہل عقد یعنی امراء جو رعایا کے احکام کی حفاظت و نگران اور تمام دینی و دنیوی احکام کا اہتمام کرتے ہیں یعنی کہ نماز کی صفوں میں کھڑے کرنے کا اہتمام بھی ان کے ذمے ہے۔

۷؎ لیکن میں ان کا غم کھاتا ہوں جنہیں امراء گمراہ کرتے ہیں یعنی بد عقیدہ امیروں و حکام کی پیروی کر [illegible] کہ عبارت کا معنی یہ ہو کہ مجھے ان لوگوں کی حالت پر افسوس ہے جو امراء کو گمراہ کرتے ہیں۔ اور [illegible] جو امور شریعت میں مداہنت کرتے ہیں۔ اور اس طرح امراء احکام گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے [illegible] کا فساد امراء و سلاطین کے فساد کے باعث ہوتا ہے اور سلاطین کا فساد علماء کے فساد کی وجہ سے ہوتا ہے۔ وغیرہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا غم و صدمہ ان امراء کے بارے میں تھا جو ان کے زمانہ کے بعد بنی امیہ میں سے ہونے والے تھے۔ اور طیبی نے کہا ہے کہ شاید ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد کے امراء پر چوٹ کی ہو تھی

واضح ہو کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی موت خلافت عثمانی کے دور میں ہوئی بعض نے کہا خلافت فاروقی کے دور میں ہوئی۔ مگر قول اول صحیح تر ہے۔ ممکن ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بعض امراء و حکام کے متعلق شکایت ہو خصوصاً امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض حکام کے بارے میں، واللہ اعلم۔

۸ یعنی قیس بن عباد کہتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا۔

۹ ابو یعقوب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

بَابُ الْإِمَامَةِ

امامت کا باب

امامت بمعنی پیشوا بننا۔ امام بمعنی پیشوا۔ یہاں امامت سے نماز کی امامت مراد ہے۔ جسے امامتِ صغریٰ کہتے ہیں اور کاروبار عالم میں پیشوائی اور اہلِ جہان کے امور میں تصرف کو امامت کبریٰ کہتے ہیں۔ اس باب میں اس امر کا بیان ہے کہ امامت کا کون مستحق ہے اور کون اس کے مناسب اور افضل ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَأُهُمْ لِکِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ کَانُوْا فِی الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنْ کَانُوْا فِی السُّنَّةِ سَوَاءً فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَاِنْ کَانُوْا فِی الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَاَقْدَمُهُمْ سِنًّا وَلَا یَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِیْ سُلْطَانِهٖ وَلَا یَقْعُدْ فِیْ بَیْتِهٖ عَلٰی تَکْرِمَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهٗ وَلَا یَؤُمَّنَّ

پہلی فصل

حضرت ابو مسعود[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص قوم کی امامت کرے جو کتاب اللہ کا زیادہ قاری[۲] ہو۔ اگر قراءت میں سب برابر ہوں تو سنت کا زیادہ جاننے والا[۳]۔ اگر سنت میں سب برابر ہوں تو پہلے ہجرت کرنے والا[۴]۔ اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو زیادہ عمر رسیدہ کوئی شخص کسی شخص کی ولایت کی جگہ امامت نہ کرے[۵] اور نہ اس کے گھر میں اس کے بغیر اجازت اعلیٰ مقام پر بیٹھے[۶]

(مسلم)

اور مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ کوئی شخص کسی شخص

الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِیْ اَھْلِهٖ ۔ کہ اس کے گھر میں امامت نہ کرے ؁

؁ یعنی حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ ۔

؁ یعنی قرآن حکیم کو تجوید کے مطابق زیادہ عمدہ اور بہتر پڑھنے والا اور مخارج حروف و صفات اور اس کے قواعد و قوانین کا زیادہ خیال رکھنے والا۔ مگر اس کے باوجود نماز کے ارکان اور ضروری مسائل و احکام کا عالم بھی ہو۔ اگرچہ مسائل کی تفاصیل اور نماز کے اندر پیش آنے والے حوادث و نوائب کی جزئیات ؁ پوری طرح آگاہ نہ ہو۔

؁ یعنی جو احکام نماز اور مسائل و حوادث کو بہتر جانتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ قراءت سنونہ پڑھنی ٹھیک طرح عادی ہو یہ حضرت امام احمد اور ان کے بہت سے اصحاب کا مذہب ہے۔ اور امام ابو یوسف بھی اس حدیث اور ابو سعید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیث کی بنا پر جو آگے آرہی ہے، اسی جانب ہیں۔ مگر امام ابو حنیفہ، امام شافعی کا مذہب اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ زیادہ علم والا اور زیادہ فقہ جاننے والا صرف اچھی قراءت جاننے والے سے فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ قراءت کی تو نماز کے صرف ایک رکن میں ضرورت ہے مگر علم کی تمام ارکان میں ضرورت ہے۔

فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ وہ احادیث جو قرآن اچھا پڑھنے والے کی فوقیت و افضلیت پر دلالت کرتی ہیں ان کی دلالت اس بنا پر ہے کہ دورِ صحابہ میں اچھا قاری علم میں بھی افضل حاصل ہوتا تھا کیونکہ یہ حضرات قرآن سیکھنے کے ساتھ ساتھ احکام کا علم بھی حاصل کرتے تھے۔ لہٰذا اس وجہ سے اچھے قاری کو امامت کے لیے افضل قرار دیا گیا۔ مگر ہمارے زمانہ میں ایسا نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے زیادہ علم رکھنے والے کو امامت کے لیے افضل و بہتر قرار دیا ہے۔ کذا فی الہدایہ۔

سوال۔ اگر تم یہ کہو کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کا معنی کیا ہوگا۔ فان کانوا فی القراءۃ سواء فاعلمھم بالسنۃ۔ یعنی اگر علم قراءت میں سب برابر ہوں تو پھر امامت کے زیادہ لائق وہ ہوگا جو سنت کا علم سب سے زیادہ جانتا ہو۔ کیونکہ تمہاری بیان کردہ تاویل کے مطابق قراءت میں مساوات و برابری علم میں مساوات کو مستلزم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول ظاہر اور اغلب کے اعتبار سے ہے۔ قطعی اور کلی نہیں۔ کیونکہ یہ چیز طے شدہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب زیادہ قاری تھے اور حضرت ابن مسعود علم میں بڑھ کر تھے۔ اس لیے یہ ممکن ہے کہ قراءت میں تو دو شخص برابر ہوں مگر ان میں ایک دوسرے پر فوقیت رکھتا ہو تو شارع علیہ السلام نے اس متصور و ممکن صورت کو بھی بیان فرما دیا۔ جب کہ ایسا اکثر ہوتا ہے۔ کسی بھی عہد میں پائی جا سکتی ہے۔ یہ صورت ہمارے زمانے کے پیش نظر بیان فرما دی کہ قراءت میں دو آدمی مساوی ہوں مگر علم میں مساوی نہ ہوں جیسا کہ ہدایہ کی بعض شروح میں آیا ہے۔ اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اقرأ کا معنی اعلم بالکتاب ہے۔ یعنی جو کتاب اللہ کا علم زیادہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ انہوں نے اس کا دعویٰ کیا ہے کہ اقرأ کا معنی یہی ہے اور وہ مفہوم جس پر حدیث دلالت کرتی ہے۔ یہ ہے کہ اگر قراءت اور احکام کتاب کے علم میں برابر ہوں تو پھر وہ شخص امامت کا زیادہ مستحق ہے جو حدیث اور سنت کے علم میں بڑھ کر ہو۔

علما نے یہاں کہا ہے کہ بہترین دلیل جس سے ثابت ہوتا ہے کہ زیادہ علم امام بننے کے زیادہ لائق ہے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض موت میں حضور نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے آگے کیا۔ حالانکہ صحابہ میں حضرت ابوبکر سے بڑھ کر قاری موجود تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسی لیے آگے کیا گیا کہ وہ کتاب و سنت کے سب سے بڑھ کر عالم تھے۔ دلیل اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک ہے اقرءکم اُبَیّ تم میں سب سے بڑھ کر قاری ابی بن کعب ہے اور دلیل ثانی ابوسعید کا یہ ارشاد ہے کان ابوبکر اعلمنا۔ یعنی ہم میں سب سے بڑے عالم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری واقعہ ہے۔ جیسا کہ شیخ نے کہا۔

۵۴ یعنی اگر نماز پڑھنے والے علم سنت و قراءت میں برابر ہوں تو پھر امامت کے لیے اسے آگے کریں جس نے ہجرت کرنے میں پیش قدمی کی ہو۔ یعنی جس نے مدینہ طیبہ کی طرف سب سے پہلے ہجرت کی ہو اور اس فضیلت میں سبقت لے چکا ہو وہ امامت نماز کے لیے اولیٰ اور زیادہ حق دار ہے۔ اور فقہ میں قراءت اور علم میں برابر ہونے کی صورت میں زیادہ متقی اور پرہیزگار کو امامت کے لیے افضل قرار دیا گیا ہے کیونکہ جب وطن سے ہجرت کرنا منسوخ ہو چکا تو ہجرت وطن کے بجائے گناہوں اور خطاؤں سے ہجرت جو انسانی طبیعت کا وطن ہے، کا اعتبار کیا گیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے المھاجر من ھجر الخطایا والذنوب، یعنی مہاجر وہ ہے جو گناہوں اور خطاؤں کو ترک کر دے۔

۵۵ یعنی اگر علم، قراءت اور ہجرت اور ورع و تقویٰ میں سب برابر ہوں تو پھر وہ امامت کرے جو عمر میں سب سے بڑا ہو۔ اس حدیث میں مراتب آئمہ نماز اتنے ہی بیان ہوئے ہیں اور علما نے کہا ہے کہ اگر عمر میں برابر ہوں تو پھر وہ امامت کرائے جو ان سب سے زیادہ خوش شکل اور حسین و جمیل ہو اور شکل و صورت میں بھی سب برابر ہوں تو پھر وہ امامت کا زیادہ اہل ہے کہ جو ان میں زیادہ شریف النسب ہو۔ اور اگر ان سب مذکورہ امور میں برابر ہوں تو پھر امامت کے لیے قرعہ اندازی کریں یا قوم جسے امام بنائے۔ کذا ذکرہ الشیخ ابن الہمام۔ علما نے یہ بھی کہا ہے کہ مسافر اور مقیم امامت میں برابر ہیں۔ بعض کے نزدیک مقیم اولیٰ ہے۔ یعنی مقیم نمازیوں کے لیے مقیم امام بہتر ہے اور کتاب حاوی میں جو امام شافعی رحمۃ اللہ کے مذہب کی کتاب ہے، اس کے بعد نسب کو مقدم قرار دیا اس کے بعد خوش لباس امام کو پھر خوش آواز کو، اس کے بعد خوش شکل امام کو۔

۵۶ لا یؤمّنّ یا کی زبر، ہمزہ کی پیش، میم کی زبر اور نون مشدد۔ یعنی کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے محل ولایت و اختیار اور اس کے مقام حکم و سلطنت میں اور اس جگہ جو اس کے ملک و تصرف میں ہو، امامت نہ کرائے۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ فی اہلہ یعنی اس کے اہل اور اس کے دائرہ تصرف میں۔ یعنی کسی جگہ کے والی کے دائرہ ولایت میں امامت نہ کرائے بلکہ ترتیب کا لحاظ کرے۔ یعنی سب سے پہلے امام اعظم کا حق ہے اور پھر اس کے مقررہ کردہ خلفاء اور حکام کا خصوصاً عیدوں اور جمعوں کی امامت میں۔ اسی طرح امام قبیلہ اور امام اہل خانہ۔ ہاں ان کی اجازت سے امام بن سکتا ہے

کیونکہ ان کے بلا اجازت امام بننا اس کے امر سلطنت و عزت کو کمزور کرنے اور آپس میں بغض اور قطع تعلق اور مخالفت کا موجب ہے۔ حالانکہ اسلام میں جماعت کا حکم جو آتا اور مشروعیت ہی ان خرابیوں، بغض، قطع تعلق۔ مخالفت کو دور کرنے کے لیے آیا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ عظیم فضل و شرف کے باوجود حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے جو بلاشبہ ایک ظالم و فاسق انسان تھا۔

۵۷ لَا یَقْعُدُ دال کی جزم اور پیش۔ یعنی کوئی آدمی دوسرے آدمی کی جائے تکرمہ پر نہ بیٹھے۔ تکرمہ سے مراد مسند، اور تکیہ ہے جو اس نے اپنے لیے بچھا رکھا ہوتا ہے۔ تکرمہ کا اصل تکریم و اکرام ہے یعنی اس کی عزت والی جائے نشست۔ بعض نے تکرمہ سے دسترخوان مراد لیا ہے مگر پہلا معنی زیادہ درست ہے۔ ہاں اس کی اجازت اور اذن سے بیٹھ سکتا ہے۔ اس استثناء کا تعلق دونوں حکموں لا یؤمن اور لا یقعد کے ساتھ ہے۔

۵۸ اس روایت میں سلطانہ کی جگہ فی اہلہ کی لفظ آیا ہے اسی وجہ سے لفظ سلطان کی تفسیر یہاں اس کی ملک و حکم سے کی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

۱۰۵۰/۲ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانُوْا ثَلٰثَۃً فَلْیَؤُمَّھُمْ اَحَدُھُمْ وَاَحَقُّھُمْ بِالْاِمَامَۃِ اَقْرَؤُھُمْ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَ ذُکِرَ حَدِیْثُ مَالِکِ ابْنِ الْحُوَیْرِثِ فِیْ بَابٍ بَعْدَ بَابِ فَضْلِ الْاَذَانِ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تین[۱] آدمی ہوں تو ان میں سے ایک امام بنے اور امامت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو قرآن اچھا پڑھتا ہو (مسلم) اور مالک بن حویرث[۲] کی حدیث باب فضل الاذان کے بعد والے باب میں ذکر کی گئی ہے[۳]

۱ تین افراد کی قید اتفاقی ہے اگر اس سے زیادہ یا کم ہوں تو بھی یہی حکم ہے۔

۲ حویرث۔ حا کی پیش واو کی زبر اور را کی زیر۔

۳ اس حدیث میں یہ حکم ہے کہ جب دو مسلمان اکٹھے ہوں تو ایک اذان دے [illegible] مشکوٰۃ) نے اس حدیث کا وہاں ذکر کرنا مناسب جانا اور صاحب مصابیح نے یہاں اس حدیث کا ذکر کردیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۰۵۱/۱ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیُؤَذِّنْ لَکُمْ خِیَارُکُمْ وَلْیَؤُمَّکُمْ قُرَّاءُکُمْ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے اذان وہ کہے جو تم میں بہتر ہو۔ اور امامت وہ کرائے جو تم میں زیادہ قاری ہو۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ) (ابوداؤد)

لہ مطلق جو تم میں نیک اور دیانتدار ہو کیونکہ لوگوں کے اوقات نماز وروزہ کا معاملہ اس کے سپرد ہے تو چاہیے کہ موذن امین اور دیندار ہو چونکہ موذنوں کے لیے یہ حکم ملا ہے کہ بلند جگہ کھڑے ہو کر اذان دیں۔ اس صورت میں موذن کی نگاہ لوگوں کے گھروں کے اندر بھی جا سکتی ہے اس لیے چاہیے کہ اس کی نگاہ محارم پر نہ پڑے۔ اور ان کے پوشیدہ امور دیکھنے سے پرہیز کرے۔

۱۰۶۹ وَعَنْ اَبِیْ عَطِیَّۃَ الْعُقَیْلِیِّ قَالَ کَانَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَیْرِثِ یَاْتِیْنَا اِلٰی مُصَلَّانَا یَتَحَدَّثُ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ یَوْمًا قَالَ اَبُوْعَطِیَّۃَ فَقُلْنَا لَہٗ تَقَدَّمْ فَصَلِّہٖ قَالَ لَنَا قَدِّمُوْا رَجُلًا مِّنْکُمْ یُصَلِّیْ بِکُمْ وَسَاُحَدِّثُکُمْ لِمَ لَا اُصَلِّیْ بِکُمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا یَؤُمَّھُمْ وَلْیَؤُمَّھُمْ رَجُلٌ مِّنْھُمْ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ اِلَّا اَنَّہٗ اقْتَصَرَ عَلٰی لَفْظِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوعطیہ عقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ ہماری جائے نماز میں تشریف لایا کرتے اور بات چیت کیا کرتے تھے ایک دن نماز کا وقت ہو گیا ابوعطیہ کہتے ہیں ہم نے ان سے کہا آپ آگے ہوں اور امام بنیں انہوں نے کہا تم لوگ اپنے میں سے کسی کو آگے کرو کہ وہ امامت کرے میں ابھی تمہیں بتاؤں گا کہ میں تمہارا امام کیوں نہیں بنتا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو آدمی کسی قوم کی زیارت کو جائے وہ ان کا امام نہ بنے بلکہ ان میں سے کوئی امام بنے۔ ابوداؤد ترمذی۔ نسائی اور ترمذی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ پر کفایت کی ہے۔

لہ عقیلی عین کی پیش قاف کی زبر۔ آپ تابعین کے طبقہ ثالثہ میں سے ہیں۔

۲ہ آپ صحابہ میں سے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور بیس روز آپ کی خدمت و صحبت میں رہے۔

۳ہ یہ جگہ یا تو مسجد ہو گی یا اور کوئی جگہ جو انہوں نے نماز کے لیے متعین کر رکھی تھی۔

۴ہ یہ نہی واقعہ اذن نہ ہونے کی صورت میں ہے مگر حضرت مالک نے اسے مطلق پر عمل کیا اور امامت نہ کرانے میں مصلحت دیکھی۔

۵ہ اور مالک نے تشریف لانے اور انہیں امامت کی تکلیف دینے اور ان کا امامت سے انکار نہ کرنے ذکر نہ کیا۔

۱۰۷۰ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ رَسُوْلُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ابْنَ اُمِّ مَکْتُوْمٍ یَؤُمُّ النَّاسَ وَ ھُوَ اَعْمٰی۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو (اپنا) قائم مقام بنایا کہ وہ لوگوں کے امام بنیں حالانکہ وہ ایک نابینا شخص تھے۔[۲] (ابوداؤد)

[۱] حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ میں سے اور قدیم الاسلام اور مہاجرین اولین میں سے ہیں اور سورہ عبس و تولّی کے سبب نزول ہیں۔ علماء نے کہا ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم تیرہ مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ نماز بنے۔ ان میں سے ایک بار غزوہ تبوک کے وقت خلیفہ نماز مقرر ہوئے۔ حالانکہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مدینہ طیبہ میں موجود تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اہل وعیال کی حفاظت کے لیے خلیفہ بنا کر تشریف لے گئے تھے۔ اس موقعہ پر حضرت ابن ام مکتوم کو خلیفہ بنانے کا باعث یہ تھا کہ اگر حضرت علی کو ہی نماز کا خلیفہ بھی بنایا جاتا تو پھر اہل وعیال کی ذمہ داری میں خلل واقع ہوتا۔

[۲] اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ ایک نابینا شخص کا امام بننا بلاکراہت جائز ہے اور حنفی مذہب کی روایات فقہیہ میں بھی آیا ہے کہ اگر نابینا آدمی قوم کا مقتدا بنے تو جائز ہے۔ بعض نے کہا کہ اگر زیادہ علم والا نابینا ہی ہو تو اسے امام بنانا اولیٰ اور بہتر ہے۔ جیسا کہ شرح کنز میں مبسوط سے منقول ہے۔ کتاب اشباہ والنظائر میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور میں نے شیخ اجل اکرم اعلم حضرت عبدالوہاب متقی مکی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آخر عمر تک ان کی بینائی جاتی رہی اور اس حالت میں اپنے ساتھیوں کی امامت کرتے تھے۔ میرے دل میں ان کی امامت کی بات کھٹکتی تھی مگر ازراہ ادب اور اس اعتماد کی بنا پر کہ جو کچھ آپ کرتے ہیں خلاف سنت نہیں ہو سکتا، سوال کی جرأت نہ کرتا تھا۔ اس کے بعد میں نے فقہ میں ایک چیز پائی جو نابینا کی امامت کے جواز کو واضح کرتی تھی۔ اس حدیث میں اس امر کی دلیل بھی ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے غیر افضل کی امامت جائز ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے اس عذر کی بنا پر جو مذکور ہوا، حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو حضور نے امامت کے لیے مقرر فرمایا۔

۲۴ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃٌ لَا تُجَاوِزُ صَلٰوتُھُمْ اٰذَانَھُمُ الْعَبْدُ الْاٰبِقُ حَتّٰی یَرْجِعَ وَ امْرَاَۃٌ بَاتَتْ وَ زَوْجُھَا عَلَیْھَا سَاخِطٌ وَاِمَامُ قَوْمٍ وَھُمْ لَہٗ کٰرِھُوْنَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کی نماز ان کے کانوں سے آگے نہیں بڑھتی۔ ایک بھاگا ہوا غلام یہاں تک کہ واپس آ جائے۔ دوسری وہ عورت جو اس حال میں رات بسر کرے کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو۔ تیسرا وہ امام جو کسی قوم کا امام بنا ہوا ہو اور وہ اسے ناپسند کرتے ہوں۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

لے یعنی مقام قبولیت اور رضائے حق کے مقام تک نہیں پہنچتی۔
۲ے یعنی کسی حق اور جائز بات پہ ناراض ہوا اور اگر کسی ناجائز بات پر ناراض ہو تو پھر معاملہ الٹ ہو جائے گا
۳ے یعنی کسی شرعی مذموم امر کی بنا پر اس سے ناخوش ہوں۔

۱۰۵۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ صَلٰوتُهُمْ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَّهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ وَرَجُلٌ اَتَى الصَّلٰوةَ دِبَارًا وَّالدِّبَارُ اَنْ يَّاْتِيَهَا بَعْدَ اَنْ تَفُوْتَهٗ وَرَجُلٌ اعْتَبَدَ مُحَرَّرَةً۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کی نماز قبول نہیں ہوتی وہ جو لوگوں کا امام بن بیٹھے اور لوگ اسے ناپسند جانتے ہوں۔ وہ آدمی جو گزر وقت میں نماز پڑھے یعنی[۱] وقت فوت ہونے کے بعد آئے۔ تیسرا وہ شخص جو کسی آزاد کو غلام بنائے[۲]
(ابوداؤد)
(ابن ماجہ)

۱ے اصل میں مفتوح یا دال کی زیر سے آیا ہے۔ یعنی وقت کال مستحب گزرنے کے بعد آدمی کا نماز پڑھنا۔
۲ے یعنی غلام کو آزاد کرنے کے بعد اس پر جبر و قہر یا اس کی آزادی کو پوشیدہ رکھ کر غلام کی طرح اس سے خدمت لیتا ہے یا کسی آزاد پر غلام ہونے کا دعوی کرے اور اس کا مالک بن جائے اور اس میں مالکانہ حیثیت سے تصرف کرے

۱۰۵۲ وَعَنْ سَلَامَةَ بِنْتِ الْحُرِّ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَّتَدَافَعَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ لَا يَجِدُوْنَ اِمَامًا يُّصَلِّيْ بِهِمْ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت سلامہ[۱] بن الحر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی قیامت کی علامات سے ہے کہ اہل مسجد امامت نماز کو ایک دوسرے پر ڈالیں گے۔ اور کوئی ایسا آدمی نہ پائیں گے جو انہیں نماز پڑھا دے[۲]
(احمد۔ ابوداؤد)
(ابن ماجہ)

۱ے سین کی زبر اور لام مخفف حُرّ حا کی پیش۔ آپ قبیلہ ازد سے ہیں۔ بعض نے کہا قبیلہ اسد سے ہیں۔ صحابیہ ہیں۔ ان کی احادیث اہل کوفہ کے پاس ہیں۔
۲ے ان کے جہل اور امامت کی نااہلی کی بنا پر۔ دراصل یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ آخر زمانہ میں جہالت اور فسق پھیل جائے گا۔

۱۰۵۷/۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَیْکُمْ مَعَ کُلِّ اَمِیْرٍ بَرًّا کَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْکَبَائِرَ وَالصَّلٰوةُ وَاجِبَةٌ عَلَیْکُمْ خَلْفَ کُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا کَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْکَبَائِرَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر امیر وقت کے ساتھ ہو کر کافروں سے جہاد کرنا فرض ہے وہ امیر نیک ہو یا فاسق و فاجر اور ہر مسلمان کے پیچھے نماز ادا کرنا فرض ہے وہ مسلمان نیک ہو یا فاسق و فاجر اگرچہ وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو[1] اور نماز جنازہ ہر مسلم پر فرض ہے چاہے وہ نیک ہو یا فاجر اور اگرچہ وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب تھا۔[2]

(ابوداؤد)

[1] یعنی اس کی اقتدا میں نماز ادا کرنا جائز ہے۔ اگرچہ مکروہ ہے۔ یہاں اس کے جواز کا عقیدہ رکھنا واجب و ضروری ہے بعض نے اس حدیث سے وجوب جماعت پر استدلال کیا ہے۔ مگر ایسے شخص کی اقتدا میں اس وقت نماز پڑھی جائے جب کہ اس کا فسق حد کفر کو نہ پہنچا ہو اور کوئی مرد صالح موجود نہ ہو۔

[2] اور وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقروض کی نماز نہ پڑھی جو اپنے پیچھے کوئی مال ترکہ چھوڑ کر نہ گیا تھا تو اس سے مقصود زجر اور ڈانٹ تھی۔ اسی طرح اس پر آپ نے نماز جنازہ نہ پڑھی جو کہ حد کو پہنچ گیا تھا کہ وہ حد کے طور پر زجر تھی۔ اب علماء کا اتفاق ہے کہ ان سب پر نماز جنازہ پڑھنا فرض ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں صرف امام اس کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہو باقی سب لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۰۵۸/۱۰ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلِمَةَ قَالَ کُنَّا بِمَاءٍ مَمَرَّ النَّاسِ یَمُرُّ بِنَا الرُّکْبَانُ نَسْاَلُهُمْ مَا لِلنَّاسِ مَا لِلنَّاسِ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَیَقُوْلُوْنَ یَزْعَمُ اَنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَهٗ اَوْحٰی اِلَیْهِ اَوْحٰی اِلَیْهِ کَذَا وَکُنْتُ اَحْفَظُ ذٰلِکَ الْکَلَامَ فَکَاَنَّمَا یُغْرٰی فِیْ صَدْرِیْ وَکَانَتِ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِاِسْلَامِهِمُ الْفَتْحَ فَیَقُوْلُوْنَ

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ گھاٹ پر رہتے تھے جس پر لوگ گزرتے تھے ہم ان سے دریافت کرتے کہ لوگوں کے کیا حالات ہیں اور ان صاحب کا کیا حال ہے وہ کہہ دیتے (حضرت نبوت) فرماتے ہیں کہ اللہ نے انہیں رسول بنایا ہے انہیں فلاں فلاں وحی کی میں اس وحی کو یاد کر لیا کرتا تھا۔ گویا وہ میرے سینہ میں پیوستہ ہو جاتی تھی اہل عرب اسلام قبول کرنے میں فتح مکہ کے منتظر تھے کہتے

اَتْرُكُوْهُ وَ قَوْمَهٗ فَاِنَّهٗ اِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ نَبِيٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا كَانَتْ وَقْعَةُ الْفَتْحِ بَادَرَ كُلُّ قَوْمٍ بِاِسْلَامِهِمْ وَ بَدَرَ اَبِيْ قَوْمِيْ بِاِسْلَامِهِمْ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ جِئْتُكُمْ وَ اللّٰهِ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ حَقًّا فَقَالَ صَلُّوْا صَلٰوةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا وَ صَلٰوةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ اَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْثَرُكُمْ قُرْاٰنًا فَنَظَرُوْا فَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ اَكْثَرَ قُرْاٰنًا مِنِّيْ لِمَا كُنْتُ اَتَلَقّٰى مِنَ الرُّكْبَانِ فَقَدَّمُوْنِيْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَنَا ابْنُ سِتٍّ اَوْ سَبْعِ سِنِيْنَ وَ كَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ اِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصَتْ عَنِّيْ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِّنَ الْحَيِّ اَلَا تُغَطُّوْنَ عَنَّا اِسْتَ قَارِئِكُمْ فَاشْتَرَوْا فَقَطَعُوْا لِيْ قَمِيْصًا فَمَا فَرِحْتُ بِشَيْءٍ فَرَحِيْ بِذٰلِكَ الْقَمِيْصِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

تھے کہ انہیں ان کی قوم کے ساتھ چھوڑ دو۔ اگر وہ ان پر غالب آ جائیں تو سچے نبی ہیں۔ جب فتح مکہ کا واقعہ ہو گیا تو ہر قوم اسلام لانے میں جلدی کرنے لگی۔ میرے والد اپنی قوم کی طرف سے اسلام لانے جلدی پہنچ گئے[۲] جب آئے تو بولے۔ خدا کی قسم میں سچے نبی کے پاس سے ہو کر آ رہا ہوں۔ فرمایا کہ فلاں نماز فلاں وقت میں اور فلاں نماز فلاں وقت میں پڑھا کرو[۳]۔ جب وقت نماز آئے تو تمہارا کوئی فرد اذان دے اور امامت وہ کرے جسے قرآن زیادہ یاد ہو۔ انہوں نے دیکھا کہ مجھ سے زیادہ قرآن دان کوئی نہ تھا کیونکہ میں قافلوں سے سن کر یاد کرتا رہتا تھا۔ انہوں نے مجھے ہی آگے کر دیا۔ حالانکہ میں عمر میں چھ یا سات سال کا تھا۔ مجھ پر ایک چادر تھی۔ کہ جب میں سجدہ کرتا تو چڑھ جاتی (کھل جاتی) تھی[۴] قبیلہ کی ایک عورت بولی کہ اپنے قاری کے چوتڑ کیوں نہیں ڈھکتے تو اس پر انہوں نے میرے لیے قمیص خرید کر کٹوائی۔ مجھے جتنی خوشی اس قمیص سے ہوئی اتنی کسی چیز سے نہ ہوئی تھی[۵]۔

(بخاری)[۶]

۱؎ سلمہ بن یزید کی جمہور کے نزدیک صحابی ہیں۔ ان کی صحبت میں اختلاف ہے۔ لفظ سلمہ ہر جگہ سین کی زیر سے ہے۔ مگر عمرو بن سلمہ اور بنی سلمہ انصار کا ایک قبیلہ ہے۔

۲؎ پہلے پہلے اور سب سے آگے۔

۳؎ یعنی ظہور اسلام کی کیفیت و حالت میں سے ہے اور تکرار غایت تعجب کی بنا پر ہے۔

۴؎ اس اس مرد کی شان و صفت کیا ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف سے کنایہ ہے۔

۵؎ یہ قرآن علم سے کنایہ ہے۔ جو گزرنے والے سوار انہیں پڑھ پڑھ کر سناتے تھے۔ لغت میں وحی کا معنی ہے اشارہ

اور پیغام۔ اور دل میں کوئی بات ڈالنا۔

۵۶ یعنی قرآن مجید کی وہ آیات جو وہ پڑھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو جو حالات بیان کرتے تھے۔

۵۷ اصل میں لفظ یغری آیا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے کسی چیز کا چسپاں ہو جانا۔ غراء سے مدسے یا غیر مد سے مشتق ہے۔

۵۸ کہ اگر مکہ فتح ہو گیا تو ہم لوگ بھی اسلام لے آئیں گے۔

۵۹ یعنی عرب کے لوگ کہتے تھے اس مرد کو اس کی قوم کے ساتھ چھوڑ دو۔ یعنی قریش کے ساتھ جو بزرگ ترین اور رئیس ترین عرب میں اور مکہ کے باشندے ہیں جو عرب بلکہ سارے جہاں سے اشرف ترین جگہ ہے۔

۱۱۰ یعنی ہجرت کے آٹھویں سال۔

۱۱۱ جیسا کہ سورۃ اذا جاء نصر اللہ کا مضمون اس کی خبر دے رہا ہے۔

۱۱۲ محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ عمرو بن سلمہ اپنے باپ کے ہمراہ تھے یا نہ تھے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ آپ صحابی ہیں یا نہیں۔ حدیث کے الفاظ کا ظاہر انداز اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ صحابی ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۱۳ یعنی نماز کے تمام اوقات کی تعیین فرما دی۔

۱۱۴ یہاں تک کہ میرا ستر برہنہ ہو جاتا تھا۔

۱۱۵ یعنی اس عجیب و غریب قمیص کے ملنے پر کیونکہ کمسن ہونے اور افتقار و غیبت کے باعث میں نے اس سے قبل کبھی قمیص زیب تن نہ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے مجھے اس مرتبہ پر پہنچا دیا۔

۱۱۶ اس حدیث سے شافعیہ نے نابالغ کی امامت کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ تاہم بالغ اولیٰ ہے۔ اگرچہ نابالغ فقہ و قراءت میں فائق ہی ہو۔ کیونکہ نابالغ کی امامت کی صحت میں علماء کا اختلاف ہے۔ یہ اختلاف در اصل اس اختلاف کی طرف رجوع کرتا ہے کہ فرض والے کی نفل والے کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ گذشتہ باب القراءتین ان مسئلے پر گفتگو ہو چکی ہے۔ اور آئندہ باب من صلی مرتین میں بھی اس مسئلہ پر مزید گفتگو ہو گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۰۵۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ الْمَدِيْنَةَ كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلٰى اَبِيْ حُذَيْفَةَ وَفِيْهِمْ عُمَرُ وَاَبُوْ سَلَمَةَ ابْنُ عَبْدِ الْاَسَدِ۔

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب مہاجرین اولین مدینہ منورہ آئے تو ان دنوں ان کی امامت سالم مولیٰ ابو حذیفہ کرتے تھے۔ حالانکہ ان میں حضرت عمر بن الخطاب اور ابو سلمہ بن عبد الاسد بھی تھے۔ (بخاری)

۱ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آپ کے حکم سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آپہنچے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں

حضرات میں سے تھے۔

ؑ۲ یہ ملک فارس سے تعلق رکھتے تھے اور فضلائے موالی اور خیار صحابہ میں سے تھے۔ اور قرار قرآن میں شمار ہوتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ چار حضرات سے قرآن حاصل کرو، ان میں ایک حضرت سالم کو شمار کیا۔

ؑ۳ یہ حضرات کبار صحابہ میں سے تھے، ان کے ہوتے ہوئے حضرت سالم کا امامت کرنا یا تو اس بنا پر تھا کہ وہ اچھے قاری تھے یا کسی اور مصلحت کی بنا پر، واللہ اعلم۔

۱۰۲۱ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا تَرْفَعُ لَهُمْ صَلٰوتُهُمْ فَوْقَ رُءُوْسِهِمْ شِبْرًا رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَ هُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ وَ امْرَاَةٌ بَاتَتْ وَ زَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَ اَخَوَانِ مُتَصَارِمَانِ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کی نمازیں ان کے سروں سے ایک بالشت بھی بلند نہیں ہوتیں۔ وہ آدمی جو لوگوں کی امامت کرے اور لوگ اسے ناپسند کرتے ہوں۔ وہ عورت جو اس حال میں رات گزارے کہ خاوند اس پر ناراض ہو اور دو مسلمان بھائی جو آپس میں قطع تعلق کریں[۱]۔

(ابن ماجہ)

ؑ۱ یعنی اسلامی حقوق سلام و کلام وغیرہ کو نظر انداز کر دیں یعنی تین دن سے زیادہ آپس میں قطع تعلق کو باقی رکھیں۔ اس مسئلے کی قدرے تفصیل ہے جو اپنے مقام میں مذکور ہے۔

بَابُ مَا عَلَى الْإِمَامِ

امام پر کیا لازم ہے

یعنی ان حقوق کا بیان جو مقتدیوں کے لیے امام کے ذمہ ہیں۔ امام کے ذمہ اہم چیز یہ ہے کہ مقتدیوں کے حال کا لحاظ کرتے ہوئے ہلکی نماز پڑھے۔ کیونکہ مقتدیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں۔ بوڑھے اور کام کاج کرنے والے بھی۔ لہٰذا نماز کو مناسب مقدار سے زیادہ لمبا نہ کرے کہ مقتدی جماعت میں شامل ہونے سے گریز کریں۔ واضح ہو کہ نماز کے ہلکا کرنے اور لمبا نہ کرنے سے یہ مراد نہیں کہ قراءت اور تسبیحات میں اندازہ سنت کو ترک کر دے اور آداب و سنن کی رعایت کرنے میں سستی کرے، چہ جائیکہ واجبات بھی ترک کرے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ قدر کفایت پر اکتفا کرے۔ چنانچہ فقہ میں مذکور مفصل

سورتوں کی تلاوت کرے اور تسبیحات میں قدر کفایت یہ ہے کہ تین بار کہنے پر کفایت کرے۔ اور قومہ و جلسہ کی رعایت کرے احادیث میں اکثر و بیشتر تخفیف سے مراد قراءت میں تخفیف ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فصل اول

۱۰۶۱ / ۱ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَآءَ اِمَامٍ قَطُّ اَخَفَّ صَلٰوةً وَّلَا اَتَمَّ صَلٰوةً مِّنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَآءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ اَنْ تُفْتَنَ اُمُّهٗ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جو ہلکی بھی ہو اور مکمل بھی۔ اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم بچے کے رونے کی آواز سنتے تھے تو نماز ہلکی کر دیتے تھے تاکہ اس کی ماں پریشان نہ ہو۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہلکی بھی ہوتی تھی اور کامل و مکمل بھی۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں آیا ہے [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم اخف الناس صلوۃ فی تمام یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ ہلکی نماز پڑھتے تھے مگر آپ کی نماز [illegible] بھی ہوتی تھی۔ بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ قراءت میں تخفیف کرتے [illegible] بعض کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دوسروں کی نماز کی نسبت [illegible] کوئی دوسرا اتنی لمبی قراءت کرتا تو گراں محسوس ہوتی تھی بخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کی قراءت [illegible] اور لذت و حضور قلب کا موجب بنتی تھی۔ کیونکہ آپ [illegible] آپ کی تلاوت کے دوران انوار و اسرار کا ظہور ہوتا تھا اور آپ کی قراءت [illegible] تھا کہ تھوڑے وقت میں زیادہ قراءت کر لیتے تھے۔ اس لیے [illegible] اس سے بھی زیادہ قرآن پاک پڑھ لیتے تھے۔ بعض کہتے ہیں ہلکی قراءت [illegible] زیادہ قراءت کے سامنے ہلکی اور کم ہو جاتی ہیں۔ اور تھوڑی قراءت اس سے [illegible] علیہ وسلم تخفیف (ہلکی قراءت) اور تطویل (لمبی قراءت) دونوں پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

بندہ حقیر کاتب سطور عبدالحق بن سیف الدین عفی عنہما کہتا ہے ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ آپ جب صحابہ کرام میں شوق و ایثار محسوس کرتے تو قراءت دراز کرتے اور کبھی عذر اور کام کی وجہ سے تھوڑی قراءت کرتے تھے۔ یہ معنی سیاق حدیث کے مطابق زیادہ مناسب ہے۔ جیسا کہ حدیث کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ وان کان لیسمع بکاء الصبی فیخفف مخافۃ ان تفتن امہ۔

یعنی بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچے کے رونے کی آواز سنتے تو نماز کو ہلکا کرتے۔ اس اندیشے کی بنا پر کہ اس کی ماں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ یعنی بچے کو چپ کرانے کے لیے نماز نہ توڑ دے یا اس کا خشوع و خضوع برباد نہ ہو جائے۔

۱۰۴۲ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلٰوةِ وَأَنَا أُرِيدُ إِطَالَتَهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو قتادہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نماز میں داخل ہوتا ہوں اسے طویل سے طویل کرنے کا ارادہ ہوتا ہے۔ اس دوران میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز ہلکی اور مختصر کرتا ہوں[۲] اس بنا پر جو اس بچے کی ماں میں سخت صدمہ اور اثر محسوس کرتا ہوں بچے کے رونے کی وجہ سے[۳]

(بخاری)

۱؎ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ فضلائے صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ بیعت عقبہ میں موجود تھے۔ غزوہ بدر میں حاضر تھے ان کے علاوہ دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ غزوہ احد یا بدر میں ان کی آنکھ چوٹ کی وجہ سے باہر نکل آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی جگہ پر رکھ دیا اور وہ دوسری آنکھ سے بھی اچھی اور بہتر ہو گئی۔

۲؎ یعنی اسے مداوا کرتا ہوں اور جلدی ختم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تک کر دیتا ہوں اعداد کار و وظائف میں بھی اختصار کرتا اور جلدی ختم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

۳؎ آپ کی اپنی امت اور ضعیف لوگوں پر نہایت شفقت و رحم ہے کہ ایسے بلند ترین مقام میں بھی امت کو یاد رکھتے اور ان کی رعایت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو بہتر جزا عطا کرے۔ شعر

خواجہ را بین کہ در نشیمن راز بندہ را یاد میکند بہ نیاز!

قاصد زیبائے ز ترحم بلند تا شکستہ پائیگاں بروے تنند

ترجمہ: آقا کی طرف دیکھو کہ مقام راز میں بھی اپنے غلام کو نیاز و تواضع کی بنا پر یاد رکھتا ہے۔

اللہ کے نبی بلند مقام و آسمان سے نیچے آتا ہے تو شکستہ پا (عاجز لوگ) بے تکلفی کی بنا پر ناز و ادا سے پیش آتے ہیں۔

۱۰۴۳ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ السَّقِيمَ وَالضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَإِذَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے (امامت کرے) تو ہلکی نماز پڑھے کہ بیشک ان میں بیمار، کمزور اور

صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِنَفْسِهٖ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَآءَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

زیادہ عمر والے بھی ہوتے ہیں اور جب اکیلا نماز پڑھے تو جس قدر چاہے نماز لمبی کرے۔ (بخاری ومسلم)

۱۰۶۴ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِيْ حَازِمٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ لَاَتَاَخَّرُ عَنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ مِنْ اَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيْلُ بِنَا فَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَوْعِظَةٍ اَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ فَاَيُّكُمْ مَا صَلّٰى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَذَا الْحَاجَةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت قیس[1] بن ابو حازم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ مجھے ابو مسعود نے خبر دی کہ بیشک ایک آدمی نے کہا۔ واللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیشک میں فجر کی نماز[2] میں فلاں آدمی کی وجہ سے شامل نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ نماز لمبی کرتا ہے تو نہ دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نصیحت میں زیادہ غضبناک اس دن کی نسبت پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تم میں کچھ لوگ نفرت دلانے اور بھگانے والے[3] ہیں تو جو آدمی بھی تم میں سے لوگوں کو نماز پڑھائے تو چاہیے کہ ہلکی نماز پڑھائے[4] کیونکہ ان میں کمزور اور بوڑھے اور کام کاج والے بھی ہوتے ہیں[5] (بخاری ومسلم)

۱؎ حازم حا اور زا سے۔ آپ اکابر تابعین سے ہیں۔ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔

۲؎ اور جماعت میں شریک نہیں ہوتا۔ اس نے ایک آدمی کا نام لیا علماء نے کہا ہے کہ وہ حضرت ابی ابن کعب ہیں بعض نے کہا حضرت معاذ بن جبل مراد ہیں۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

۳؎ اور نیکی و خیر کے کاموں سے دور کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

۴؎ اور اتنی لمبی نہ کرے کہ مقتدیوں کے ملال کا باعث بنے۔ اور جماعت میں شریک ہونے سے لوگوں کو روک دے

۵؎ جو ضعف و پیری کی بنا پر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور کام کاج والے نے ضروری امور کیلئے جانا ہوتا ہے۔

۱۰۶۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلُّوْنَ لَكُمْ فَاِنْ اَصَابُوْا فَلَكُمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں امام نماز پڑھایا کریں گے اگر وہ درست نماز پڑھایا کریں

وَاِنْ اَخْطَاُوْا فَلَكُمْ وَ عَلَيْهِمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَ هٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنْ فَصْلِ الثَّانِيْ۔

تو تمہارے لیے مفید[۱] ہے اور اگر خطا کریں تو تمہارے لیے مفید[۲] اور ان کے لیے نقصان دہ ہے[۳] (بخاری)

اور یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے[۴]

[۱] اور ان کے لیے بھی مفید ہے مگر اس کا ذکر نہ فرمایا کیونکہ قرینہ مقام سے اس کی سمجھ آجاتی ہے اور مصابیح کے بعض نسخوں میں ولہم کا لفظ مزید موجود ہے۔

[۲] اور اگر وہ امام نا راست اور نا درست نماز پڑھائیں گے تو تمہیں پھر بھی اس کا اجر و ثواب ملے گا۔ جو تم نے ٹھیک اور درست نماز ادا کی اور جماعت میں شمولیت کی نیت و ارادہ کیا۔

[۳] یعنی غلط اور نا درست نماز پڑھانے کا وبال ان کے ذمہ ہوگا۔ کہ انہوں نے نماز کی ادائیگی میں نقص و کوتاہی کی۔ یہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وصیت ہے کہ غلط سلاطین و امراء کا دور ابتلاء و آزمائش کا وقت ہوگا اور میرے بعد آئے گا اور سلاطین و امراء نمازیں پڑھائیں گے اور اس کی ادائیگی کے وقت احکام و آداب نماز کا لحاظ نہ رکھیں گے۔ بلکہ اس میں کوتاہی اور خرابی کے مرتکب ہوں گے۔ ایسے وقت کے لیے آپ نے یہ وصیت فرمائی کہ تم لوگ اپنی نمازیں درست اور ٹھیک ادا کرنا۔ اگر تمہارے امام (سلاطین و امراء) بھی ٹھیک طرح نمازیں ادا کریں گے تو بہت بہتر ہے۔ ورنہ تمہیں ان کی خرابی اور کوتاہی سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔

شافعی حضرات اس حدیث سے یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ امام کی نماز کا فساد مقتدیوں کی نماز میں فساد پیدا نہیں کرتا۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہراً یہاں خرابی اور نا درستی سے سنن اور مستحبات کا ترک مراد ہے۔ شرائط و ارکان نماز کا ترک مراد نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

[۴] جس میں صاحب مصابیح حسن احادیث لایا کرتے ہیں۔ مولف تیسری فصل یہاں لائے اور کہا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ قَالَ اٰخِرُ مَا عَهِدَ اِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِذَا اَمَمْتَ قَوْمًا فَاَخِفَّ بِهِمُ الصَّلٰوةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے جو آخری عہد کیا یہ تھا کہ جب تم کسی قوم کی امامت کرو تو انہیں ہلکی نماز پڑھاؤ۔ (مسلم)

وَ فِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ

اس کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ اُمَّ قَوْمَکَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَجِدُ فِیْ نَفْسِیْ شَیْئًا قَالَ اُدْنُہْ فَاَجْلَسَنِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ ثُمَّ وَضَعَ کَفَّہٗ فِیْ صَدْرِیْ بَیْنَ ثَدْیَیَّ ثُمَّ قَالَ تَحَوَّلْ فَوَضَعَهَا فِیْ ظَهْرِیْ بَیْنَ کَتِفَیَّ ثُمَّ قَالَ اُمَّ قَوْمَکَ فَمَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْهِمُ الْکَبِیْرَ وَاِنَّ فِیْهِمُ الْمَرِیْضَ وَاِنَّ فِیْهِمُ الضَّعِیْفَ وَاِنَّ فِیْهِمْ ذَا الْحَاجَةِ فَاِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ وَحْدَہٗ فَلْیُصَلِّ کَیْفَ شَآءَ۔

علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اپنی قوم کی امامت کرو فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنے دل میں کچھ پاتا ہوں[۲]۔ فرمایا قریب آؤ مجھے اپنے سامنے بٹھایا۔ اپنا ہاتھ میرے سینے پر دونوں پستانوں کے درمیان رکھا۔ پھر فرمایا پھر کر اپنا ہاتھ میری پیٹھ میں دونوں کندھوں کے درمیان رکھا۔ پھر فرمایا اپنی قوم کی امامت کرو۔ جو کسی قوم کا امام ہو تو نماز ہلکی پڑھائے کہ ان میں بوڑھے، بیمار، مریض اور کمزور اور کام کاج والے ہیں۔ اور جب کوئی اکیلے نماز پڑھے تو جیسے چاہے پڑھے۔

لہ ثقفی صحابی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے دو سال تک طائف کے عامل رہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو بنی ثقیف مرتد ہونے لگے آپ نے ان سے فرمایا اے میری قوم تم اسلام لانے میں بھی سب سے پیچھے تھے۔ اب مرتد ہونے میں سب سے پہلے نہ بنو۔ اور آپ اپنی قوم میں سب سے چھوٹی عمر والے تھے۔

۲ یعنی امام بننے کی صورت میں اپنے اندر عجب و تکبر پیدا ہونے کا مجھے اندیشہ ہے۔ یا یہ کہ میں حقوق امامت اور اس کی شرائط پوری کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں رکھتا۔ یا مجھے امامت کے دوران وسوسہ آنے کا خوف ہے۔

۳ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت اور تصرف سے وہ تمام امور دور ہو گئے جو اقامت امامت کے لیے رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔

۱۰۹۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْمُرُنَا بِالتَّخْفِیْفِ وَیَؤُمُّنَا بِالصَّافَّاتِ۔ (رَوَاہُ النَّسَآئِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہلکی نماز پڑھانے کا حکم دیتے تھے اور ہماری امامت سورۂ الصافات سے کرتے تھے[۱]۔ (نسائی)

لہ یعنی یہ کہ ہم ہلکی نماز پڑھیں اور تھوڑی قرأت کریں۔

سلہ یعنی سورۂ والصافات اور اس جیسی دوسری سورتوں کی تلاوت کرتے تھے۔ یعنی آپ خود قرأت لمبی کرتے تھے مگر آپ کی قرأت لمبی ہونے کے باوجود ہلکی اور مختصر محسوس ہوتی تھی۔ ان وجوہات کی بنا پر جو گزشتہ ایک حدیث کے تحت بیان کی گئی ہیں۔

بَابُ مَا عَلَى الْمَامُومِ مِنَ الْمُتَابَعَةِ وَحُكْمِ الْمَسْبُوقِ

مقتدی پر امام کی پیروی لازم ہے

یعنی یہ باب اس چیز کے بیان میں ہے کہ اونچا ہونے اور نیچے جانے میں مقتدی پر امام کی پیروی لازم ہے اور مسبوق کا بیان جس نے امام کے ساتھ نماز کا کچھ حصہ نہیں پایا ہوتا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فصل اوّل

۱۰۴۳ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبْهَتَهُ عَلَى الْأَرْضِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت براء[1] بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ جب آپ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہم میں سے کوئی اس وقت تک پیٹھ نہ جھکاتا جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشانی مبارک زمین پر نہ رکھتے۔

(بخاری و مسلم)

سلہ عازب بھی اور ان کے بیٹے آپ مشہور صحابی ہیں۔ سب سے پہلے جس غزوے میں آپ شریک ہوئے وہ غزوہ خندق ہے۔ اس سے پہلے آپ چھوٹی عمر کے شمار ہوتے تھے۔ آپ جمل، صفین اور نہروان میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔

سلہ اصل میں لفظ لم یحن آیا ہے۔ یا کی زبر حا ساکن اور نون پر پیش اور زیر۔ از باب نَصَرَ یَنْصُرُ یا از باب ضَرَبَ یَضْرِبُ۔

سلہ یعنی ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سجدہ میں نہ جاتے تھے بلکہ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہم لوگ

کھڑے رہتے تھے۔ اور جب آپ اپنی پیشانی مبارک زمین پر رکھ دیتے تو ہم سجدہ کے لیے جھکتے تھے

۱۰۶۹/۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَلَمَّا قَضٰی صَلٰوتَہٗ اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْھِہٖ فَقَالَ اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ اِمَامُکُمْ فَلَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالرُّکُوْعِ وَلَا بِالسُّجُوْدِ وَلَا بِالْقِیَامِ وَلَا بِالْاِنْصِرَافِ فَاِنِّیْ اَرٰکُمْ اَمَامِیْ وَمِنْ خَلْفِیْ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی جب نماز پوری ہوگئی تو آپ اپنے چہرہ انور سے ہماری جانب متوجہ ہوگئے۔ اور فرمایا اے لوگو میں تمہارا امام ہوں لہذا رکوع سجدے قیام اور فراغت میں مجھ سے آگے نہ بڑھو۔ کیونکہ میں تم کو اپنے آگے سے بھی دیکھتا ہوں اور پیچھے سے بھی۔ (مسلم)

۱؎ اپنا چہرہ انور ہماری جانب کرکے تشریف فرما ہوئے۔

۲؎ یعنی مجھ سے پہلے رکوع سجود میں نہ جاؤ۔ اور رکوع سے سر نہ اٹھاؤ اور یہاں سب سے زیادہ انصراف سے مراد سلام ہے۔ یا نماز کی جگہ سے اٹھنا اور مسجد سے باہر آنا۔ اول زیادہ ظاہر ہے اور یہ خیال نہ کرنا کہ میں تمہارے حالات سے باخبر نہیں ہوں۔

۱۰۷۰/۳ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُبَادِرُوا الْاِمَامَ اِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ وَاِذَا رَکَعَ فَارْکَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ اِلَّا اَنَّ الْبُخَارِیَّ لَمْ یَذْکُرْ وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام سے جلدی نہ کرو جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو جب وہ ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو (بخاری ومسلم) مگر بخاری نے یہ ذکر نہ کیا کہ جب وہ ولا الضالین کہے۔

وَإِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّينَ ۔

لے یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کا منصب سمع اللہ لمن حمدہ کہنا ہے۔ اور مقتدی کے ذمے یہ ہے کہ ربنا لک الحمد کہے۔ یہ دونوں کلمات دونوں کے درمیان تقسیم ہیں۔ اس کلام کی تحقیق گذشتہ بیان میں ہو چکی ہے۔

۱۰۸۱ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ فَصَلَّى صَلٰوةً مِّنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَآءَهُ قُعُوْدًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا صَلّٰى قَائِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا أَجْمَعُوْنَ قَالَ الْحُمَيْدِيُّ قَوْلُهٗ إِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا هُوَ فِيْ مَرَضِهِ الْقَدِيْمِ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَالنَّاسُ خَلْفَهٗ قِيَامٌ لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِالْقُعُوْدِ وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْاٰخِرِ فَالْاٰخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَاتَّفَقَ مُسْلِمٌ إِلٰى أَجْمَعُوْنَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے تو اس سے گر گئے اور آپ کی دائیں جانب چھل گئی۔ پھر آپ نے کوئی نماز بیٹھ کر پڑھی۔ ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا امام اس لیے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ جب وہ نماز کھڑے ہو کر پڑھے تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو۔ جب رکوع کرے تو رکوع کرو۔ جب اٹھے تم بھی اٹھو۔ جب کہے سمع اللہ لمن حمدہ تو تم ربنا لک الحمد کہو۔ جب وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم سب بیٹھ کر پڑھو۔ حمیدی فرماتے ہیں یہ حکم کہ بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو آپ کے پرانے مرض میں تھا۔ پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز بیٹھ کر پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ انہیں بیٹھنے کا حکم نہ دیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل لیا جاتا ہے اور یہ آخری ہے۔ یہ بخاری کے لفظ ہیں۔ مسلم سے اجمعون تک متفق ہیں۔

وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا ۔

اور ایک روایت میں یہ زیادہ ہے کہ امام کی مخالفت نہ کرو۔ جب سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو۔

۵۱ اس قسم کے طبعی افعال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بتقاضائے بشریت واقع ہو جاتے تھے یا کوئی معجزہ کے طور پر نہ ہوتا تھا۔

۵۲ اور کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کی قوت نہ رہی۔ جحش پہلے جیم پھر حا۔

۵۳ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں یہ بھی ہے واذا سجد فاسجدوا۔ یعنی جب امام سجدہ میں جائے تو تم بھی سجدے میں جاؤ محدثین نے کہا ہے کہ بخاری میں نہیں ہے۔

۵۴ یعنی اس حمیدی نے جو شیوخ بخاری سے ہے۔ نہ کہ اس حمیدی نے جو کتاب الجمع بین الصحیحین کا مولف ہے اور یہ اگلی عبارت بھی بخاری کی ہے جو وہ حمیدی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک اذا صلی جالسًا فصلوا جلوسًا قدیم بیماری کے زمانہ کا قول ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عارض ہوا تھی۔ کیونکہ آپ گھوڑے یا کسی اور سواری پر سے گرے ہوئے تھے۔

۵۵ اور آپ کا آخری فعل پہلے فعل کا ناسخ ہوتا ہے۔

۵۶ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بخاری کے لفظ میں نہیں ہے جیسا کہ میں نے کہا اس میں غور کرو۔

۱۱۰۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ بِلَالٌ يُّؤْذِنُهٗ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ اَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَصَلّٰى اَبُوْبَكْرٍ تِلْكَ الْاَيَّامَ ثُمَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهٖ خِفَّةً فَقَامَ يُهَادٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ فِي الْاَرْضِ حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمَّا سَمِعَ اَبُوْبَكْرٍ حِسَّهٗ ذَهَبَ يَتَاَخَّرُ فَجَاءَ حَتّٰى جَلَسَ عَنْ يَّسَارِ اَبِيْ بَكْرٍ فَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ يُصَلِّيْ قَائِمًا وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَاعِدًا يَقْتَدِيْ اَبُوْبَكْرٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض شدید ہو گیا تو حضرت بلال آپ کو نماز کی اطلاع دینے کے لیے آئے فرمایا ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں چنانچہ ان دنوں ابوبکر نماز پڑھاتے رہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے میں کچھ افاقہ پایا تو دو شخصوں کے درمیان سہارا لے کر اٹھے آپ کے قدم زمین پر گھسٹتے جاتے تھے حتی کہ مسجد میں تشریف لائے جب صدیق اکبر نے آپ کی آہٹ سنی پیچھے ہٹنے لگے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ ہٹو نہیں حتی کہ آپ تشریف لائے اور حضرت صدیق کے بائیں طرف بیٹھ گئے حضرت صدیق اکبر کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر سلو

بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَ النَّاسُ یَقْتَدُوْنَ بِصَلٰوۃِ اَبِیْ بَکْرٍ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ لَّھُمَا یُسْمِعُ اَبُوْبَکْرٍ النَّاسَ التَّکْبِیْرَ۔

صدیق اکبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے۔ اور لوگ صدیق اکبر کی نماز کی[۸] بخاری ومسلم اور ان دونوں کی دوسری روایت میں ہے کہ صدیق اکبر لوگوں کو تکبیر سنا رہے تھے[۹]۔

[۱] اور ضعف انتہا کو پہنچ گیا۔

[۲] کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور سب لوگ مسجد میں جمع ہیں۔ صحابہ کی یہ عادت تھی کہ اذان کے بعد اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری میں دیر ہو جاتی تھی تو حضرت بلال اطلاع دینے کے لیے آپ کی خدمت اقدس میں آتے تھے۔ اس عادت کے مطابق اس موقعہ پر بھی حاضر ہوئے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آپ خود بہ نفس نفیس مسجد میں تشریف لا کر مسجد کو منور کریں گے اور امامت فرمائیں گے یا صحابہ میں سے کسی کو امامت کا حکم دیتے ہیں۔

[۳] یعنی میری طرف سے ابوبکر کو کہو کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھیں اور ان کی امامت کریں۔

[۴] کہ آپ کے ہاتھ دونوں مردوں کے کندھوں پر تھے اور آپ آہستہ آہستہ اور جھکے ہوئے مسجد کی طرف آ رہے تھے۔

[۵] کیونکہ آپ میں پاؤں اٹھانے کی سکت اور طاقت بالکل نہ تھی۔ گذشتہ بیان ہو چکا ہے کہ انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم کو عوارض بدنی اور صفات جسمانی پر بشری حد میں رکھا گیا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی صفات جلالی کا مشاہدہ کر کے اس کا حق بندگی بجا لائیں۔ ہاں اظہار معجزہ کے وقت ان سے قدرت الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔ اور ان سے خرق عادت کام صادر ہوتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کمال ملکی کمال بشری کے علاوہ ہے کہ کمال بشری مرتبہ ناسوت و ملکوت اور کمال جسمانی و عدم ملاقی کا جامع ہے مصرعہ

یار ما این دارد و آن نیز ہم

ہمارا یار یہ کمال بھی رکھتا ہے اور وہ کمال بھی

اظہار معجزہ کے وقت قدرت کاملہ جو ان سے ظاہر ہوتی ہے اور خرق عادت امور کا صدور جو ان سے ہوتا ہے وہ امر دیگر ہے۔

[۶] اور ایک جانب کو ہو گئے تاکہ پیچھے ہٹ جائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے ہو کر امامت کریں۔ صراح میں ہے حس یعنی آہٹ محسوس کی۔

[۷] آپ نے یہ اشارہ اعضا سر اور ہاتھ اور آنکھ اور ابرو سے کیا۔

[۸] یعنی لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے افعال کو دیکھ کر نماز ادا کر رہے تھے۔ ورنہ امام تو خود حضور صلی اللہ

علیہ وسلم تھے۔ اور سب لوگ آپ کی اقتدا کر رہے تھے۔ جبکہ وہ لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال نہیں دیکھتے تھے اور آپ کی تکبیریں نہ سنتے تھے وہ حضرت ابو بکر کے افعال اور ان کی تکبیریں دیکھ اور سن کر اپنی نماز ادا کر رہے تھے گویا وہ حضرت ابو بکر کی اقتداء کر رہے تھے۔

۵۹ سوال: جب کہ حضرت ابو بکر اس نماز میں لوگوں کے امام نہ تھے۔ تو اہل سنت وجماعت کا [illegible] تسیرہ، بنا ان کی خلافت کی دلیل نہ بن سکے گا۔ جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امامت کا جو حکم دیا تھا وہ آپ کی خلافت کی دلیل ہے اور آپ کی علالت کے دوران کئی دن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے اور سب لوگ آپ کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے۔ ہاں اس دن کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس تشریف لے آئے تو آپ نے خود امامت کی اور اگر آپ کا یہ فعل آپ کے قول سابق کا ناسخ قرار دیا جائے۔ جیسا کہ شیعہ حضرات کا خیال و وہم ہے۔ تو چاہیے تھا کہ آپ اپنے قول سے اسے منسوخ کرتے اور کسی دوسرے کو نماز پڑھانے کا حکم دیتے۔ علاوہ ازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم تشریف آوری کے وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت متعین تھی۔ ایک دوسرے موقع پر کہ بنی عمرو بن عوف کے درمیان جو قبا کے باشندے تھے، آپ صلح کرانے تشریف لے گئے۔ جب نماز کا وقت آ گیا، حضرت بلال نے اذان کہی اور سب صحابہ نے حضرت ابو بکر کو امام بنایا۔ اس دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ ابو بکر اپنی جگہ پر قائم رہے [illegible] امامت کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] میں یہ نماز پڑھی۔ جیسا کہ صحیح البخاری میں مذکور ہے۔

۲۵۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَا یَخْشَی الَّذِیْ یَرْفَعُ رَاْسَهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ یُّحَوِّلَ اللّٰهُ رَاْسَهٗ رَاْسَ حِمَارٍ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ [illegible] فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا [illegible] جو امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے [illegible] کہ اللہ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے۔ [illegible]

سلہ ایک اور روایت میں اس طرح آیا ہے کہ اللہ اس کی شکل گدھے کی شکل میں بدل دے۔ امام غزالی [illegible] نے کہا یہ اس آدمی کی بے وقوفی اور بے سمجھی سے کنایہ ہے جو امامت کا معنی [illegible] کہ اتباع [illegible] اتفاق و اتحاد میں ہے۔ اور یہ گدھا پن ہے کہ ایک آدمی کو امام بنائیں پھر اس کی اتباع اور پیروی نہ کریں۔ امام غزالی [illegible] ان الفاظ کا یہی مفہوم متعین ہے۔ ورنہ ہم لوگ دیکھتے ہیں امام کی اتباع نہ کرنے والے کا چہرہ اور صورت گدھے کی شکل میں تبدیل نہیں ہوتا۔ پوشیدہ نہ رہے کہ حدیث سے جو ثابت ہے [illegible] شکل کے مسخ ہونے کا ڈر ہے [illegible] ہو کہ

ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا۔ مراد یہ ہے کہ بے وقوفی میں وہ شخص گدھے کی مانند ہے۔ ورنہ اس امت میں مسخ ناجائز ہے اور ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس کی شکل کا بگاڑ آخرت میں ہوگا نہ کہ دنیا میں۔ کیونکہ اس امت کے دنیا میں مسخ صوری میں اختلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۱۰۳۲ عَنْ عَلِیٍّ وَّمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الصَّلٰوۃَ وَالْاِمَامُ عَلٰی حَالٍ فَلْیَصْنَعْ کَمَا یَصْنَعُ الْاِمَامُ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

حضرت علی اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی نماز کو آئے اور امام کسی حالت میں ہو تو وہ بھی وہی فعل کرے جو امام کر رہا ہے[1]۔ (ترمذی) اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] تو مقتدی کو چاہیے کہ تکبیر تحریمہ کہے اور اسی فعل پر شامل ہو جائے جس میں امام ہے۔ لیکن رکعت اس صورت پر پائے گا جب کہ رکوع میں داخل ہو نہ کہ اس کے بعد۔

۱۰۳۳ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْہُ شَیْئًا وَّمَنْ اَدْرَکَ رَکْعَۃً فَقَدْ اَدْرَکَ الصَّلٰوۃَ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم بھی سجدے میں شامل ہو جاؤ اور اسے کچھ شمار نہ کرو[1]۔ اور جس نے رکعت پالی اس نے نماز پالی[2]۔ (ابوداؤد)

[1] یعنی اسے رکعت کو پالینا نہ سمجھو جس طرح رکوع پانے میں ہے۔

[2] اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ رکعت سے رکوع اور لفظ صلوٰۃ سے رکعت مراد ہے۔ یعنی جس نے امام کو رکوع میں پایا اس نے رکعت پالی۔ اور اس کی ایک رکعت شمار ہوگی۔ جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ جس نے رکعت پالی اس نے امام کے ساتھ نماز پالی۔ اور اسے نماز باجماعت کا ثواب اور اس کی فضیلت حاصل ہوگی۔ ہدایہ میں کہا جس نے ظہر کی ایک رکعت پائی اور تین رکعتیں نہ پائیں اس نے ظہر کی جماعت نہ پائی۔ یعنی اس کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے ظہر کی نماز جماعت سے ادا کی ہے۔ اسی لیے وہ شخص اپنی قسم میں حانث نہ ہوگا جس نے یہ قسم کھائی کہ لا علی

الظہر بجماعۃ مجھے قسم ہے کہ میں ظہر کی نماز جماعت سے نہ پڑھوں گا بلکہ ایسے آدمی کو جماعت کا ثواب ملتا ہے اور یہ غیر جمعہ میں ہے۔ جمعہ کے بارے میں مذہب یہ ہے کہ جس نے امام کو جمعہ کی نماز میں پالیا اس نے جمعہ پالیا اور جو رکعت رہ گئی اسے پڑھ لے۔ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک اگر اس نے دوسری رکعت کا اکثر حصہ پالیا جیسا کہ رکوع میں جا ملا تو جمعہ پالیا اور دوسری رکعت کا کم حصہ پایا تو پھر ظہر کی نماز پڑھے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک اسی پر جمعہ کی بنا ہے۔ اگرچہ امام کو التحیات یا سجدہ سہو میں پائے۔

۱۰۶۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِيْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس دن با جماعت نماز ادا کرے اور تکبیر اولیٰ پائے[۱] اس کے لیے دو برائتیں لکھی جاتی ہیں۔ ایک آگ سے برات اور دوسری نفاق سے[۲] (ترمذی)[۳]

[۱] جو شخص خالص اللہ کے لیے نماز پڑھے اور کسی غرض کا شائبہ اس میں نہ ہو۔ اس طرح چالیس دن کرے تکبیر اولیٰ سے ظاہر یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت موجود ہو۔ اور علماء نے کہا ہے کہ اگر سمع اللہ لمن حمدہ امام کہتا ہے تو تکبیر اولیٰ میں شامل ہو گیا اور بعض کے نزدیک پہلی رکعت میں شامل ہو گیا تو تکبیر اولیٰ پانے کے لیے کافی ہے۔

[۲] ظاہر یہ ہے کہ مراد نفاق سے برات ہے کہ اس کی بلا سے اسے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اس کی نسبت منافقین کی طرف کی گئی ہے۔ اور باقی نفاق کی صفات یعنی جھوٹ اپنا معمول بنانا جو احادیث میں نفاق کی علامات قرار دی گئی ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بھی اسے پاک کر دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس سے عذاب سے نجات مراد ہو۔ جو منافقوں کے ساتھ خاص ہے۔

[۳] لیکن امام ترمذی نے اس میں کلام کیا ہے۔

۱۰۶۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا اَعْطَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِثْلَ اَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو وضو کرے اور اچھا وضو کیا پھر مسجد کی طرف چلا اور لوگوں کو پایا کہ وہ نماز پڑھ چکے تو اللہ تعالیٰ اسے ان کا ثواب دیتا ہے جنہوں نے اسے با جماعت ادا کیا اور جماعت کے لیے حاضر ہوئے اگرچہ ان کا ثواب گھٹنے سے اچھے ثواب

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ) — یں کوئی کمی نہ ہوگی ۳؎ (ابوداؤد، نسائی)

۱؎ یعنی تروتازہ اور خوب سیراب ہوکر، شرائط اور آداب اور حضور دلی کے ساتھ۔

۲؎ مگر یہ اسی صورت میں ہے جب کہ یہ تاخیر اس کی سستی اور کوتاہی کی وجہ سے نہ ہو۔ بلکہ وہ صحیح وقت پر اور سچی نیت سے گیا ہو۔

۳؎ کیونکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کو تو ان کے فعل کا ثواب ملے گا اور اس کو اس کی نیت کا۔

۱۰۴۱ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَقَدْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَا رَجُلٌ یَتَصَدَّقُ عَلٰی هٰذَا فَیُصَلِّیْ مَعَهٗ فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلّٰی مَعَهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک آدمی آیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے تو آپ نے فرمایا کوئی ایسا آدمی نہیں جو اس پر صدقہ اور احسان کرے کہ اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے ۱؎۔ ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی ۲؎ (ترمذی۔ ابوداؤد)

۱؎ کہ اکیلا نماز پڑھ رہا ہے۔

۲؎ تاکہ وہ بھی جماعت کا ثواب پائے۔ اور اس کے درجات حاصل کرے۔ یہ اس کا احسان ہوگا جو وہ اس پر کرے گا۔

۳؎ کہتے ہیں کہ سنن بیہقی میں آیا ہے کہ وہ مرد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۱۰۴۲ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَةَ فَقُلْتُ اَلَا تُحَدِّثِیْنِیْ عَنْ مَرَضِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ بَلٰی ثَقُلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَصَلَّی النَّاسُ فَقُلْنَا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهُمْ یَنْتَظِرُوْنَكَ فَقَالَ ضَعُوْا لِیْ مَاءً فِی الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَفَعَلْنَا فَاغْتَسَلَ فَذَهَبَ

حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی بابت کچھ بتائیں گی؟ فرمایا ہاں ضرور۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت بیمار ہو گئے تو فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے کہا یا رسول نہیں وہ آپ کے منتظر ہیں فرمایا ہمارے لیے لگن میں پانی رکھو۔ فرماتی ہیں ہم نے ایسا کر دیا

لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعُوْا لِيْ مَآءً فِي الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعُوْا لِيْ مَآءً فِي الْمِخْضَبِ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ النَّاسُ عُكُوْفٌ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لِصَلٰوةِ الْعِشَآءِ الْاٰخِرَةِ فَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ بِاَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَاَتَاهُ الرَّسُوْلُ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَاْمُرُكَ اَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَ كَانَ رَجُلًا رَقِيْقًا يَا عُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ اَنْتَ اَحَقُّ بِذٰلِكَ فَصَلّٰى اَبُوْبَكْرٍ تِلْكَ الْاَيَّامَ ثُمَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهٖ خِفَّةً وَّ خَرَجَ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَا الْعَبَّاسُ لِصَلٰوةِ الظُّهْرِ وَ اَبُوْبَكْرٍ يُصَلِّيْ

آپ نے غسل کیا پھر اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے پھر افاقہ ہوا۔ تو فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے کہا یا رسول اللہ نہیں وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں فرمایا ہمارے لیے لگن میں پانی رکھو۔ فرماتی ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے پھر غسل کیا پھر اٹھنے لگے تو آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ پھر کچھ افاقہ ہوا تو فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ نہیں وہ لوگ آپ کے منتظر ہیں۔ فرمایا ہمارے لیے لگن میں پانی رکھو۔ پھر بیٹھے پھر غسل کیا پھر اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے پھر افاقہ ہوا تو فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ نہیں وہ آپ کے منتظر ہیں۔ اور لوگ مسجد میں ٹھہرے ہوئے آخری عشاء کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو پیغام بھیجا کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ [illegible] آپ کے پاس قاصد آیا عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو حکم دیتے ہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ ابوبکر بہت نرم دل آدمی تھے فرمایا اے عمر تم لوگوں کو نماز پڑھا دو۔ عمر فاروق نے عرض کیا اس کے حق دار آپ ہی ہیں۔ چنانچہ ان دنوں میں ابوبکر صدیق نماز پڑھاتے رہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جی میں ہلکا پن محسوس کیا اور دو شخصوں کے درمیان نماز ظہر کے لیے نکلے جن میں سے ایک عباس تھے۔ اور ابوبکر

بِالنَّاسِ فَلَمَّا رَاٰهُ اَبُوْبَكْرٍ ذَهَبَ لِيَتَاَخَّرَ فَاَوْمَاَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَنْ لَّا يَتَاَخَّرَ فَقَالَ اَجْلِسَانِيْ اِلٰى جَنْبِهٖ فَاَجْلَسَاهُ اِلٰى جَنْبِ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ وَّ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَهٗ اَلَا اَعْرِضُ عَلَيْكَ مَا حَدَّثَتْنِيْ عَائِشَةُ عَنْ مَّرَضِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَاتِ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَدِيْثَهَا فَمَا اَنْكَرَ مِنْهُ شَيْئًا غَيْرَ اَنَّهٗ قَالَ اَسَمَّتْ لَكَ الرَّجُلَ الَّذِيْ كَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَ عَلِيٌّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب حضرت ابوبکر صدیق نے آپکو دیکھا تو پیچھے جانے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ پیچھے نہ جاؤ۔ فرمایا مجھے ابوبکر کے برابر بٹھا دو۔ ان دونوں نے آپکو ابوبکر کے برابر بٹھا دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔ عبید اللہ کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت عبد اللہ بن عباس کے پاس گیا اور ان سے عرض کیا کہ کیا میں آپ پر وہ حدیث پیش نہ کروں جو مجھے حضرت عائشہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے متعلق سنائی فرمایا لاؤ میں نے آپ پر انکی پوری حدیث پیش کر دی۔ آپ نے اس کا کچھ بھی انکار نہ کیا بجز اس کے کہ فرمایا کیا حضرت عائشہ نے تمہیں ان صاحب کا نام بھی بتایا جو حضرت عباس کے ساتھ تھے۔ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا وہ علی تھے۔[۱]

(بخاری و مسلم)

[۱] حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود الہذلی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برادر زادہ کے بیٹے ہیں۔ آپ فقیہ تھے آنکھوں سے نابینا تھے۔ اونچے درجے کے تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ مدینہ طیبہ کے سات فقہاء میں سے ہیں۔ بہت سے صحابہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ آپ ثقہ، امام اور مامون ہیں۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے معلم و استاد ہیں۔ آپ کے چند اشعار بھی ہیں۔ ۹۲ھ میں اور بقول بعض ۹۸ھ میں فوت ہوئے۔ حضرت عبد اللہ بن عتبہ بھی اکابر تابعین سے ہیں۔ بعض نے ان کو صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ اور ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ثابت کی ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں۔ ابن سعد نے کہا آپ تابعی ہیں اور کثیر الفتوی ہیں اور بہت بڑے محدث ہیں۔ ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔

[۲] تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے قول مبارک سے واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا۔

[۳] اصل میں لفظ مخضب میم کی زیر خا ساکن۔ فتح ضاد بانقطہ دال سے ایک قسم کا برتن ہے۔

[۴] اور میں نے آپ کے لیے مخضب میں پانی رکھا۔

[۵] بے ہوشی جبکہ مرض کی جنس سے ہو تو اس کا انبیاء علیہم السلام پر طاری ہونا جائز ہے۔ بخلاف دیوانگی کے کہ

وہ نقص وعیب ہے اور شافعی حضرات نے یہ قید لگائی ہے کہ بے ہوشی زیادہ وقت تک نہ ہو۔

۵۶ آخرہ کا لفظ نماز مغرب سے احتراز کے لیے ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ مغرب کو بھی عشاء کہتے دیتے ہیں۔

۵۷ گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابتداءً نہ جانتے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت ہی ضروری اور لازم ہے اور یہ کہ آپ کا حکم وجوب کے لیے ہے آخرکار انہیں معلوم ہوگیا کہ حضرت ابوبکر صدیق کے لیے امامت کرنا واجب وضروری ہے جیساکہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۵۸ اور یہ سترہ دن کا عرصہ تھا۔

۵۹ بعض نسخوں میں من نفسہ کے بجائے فی نفسہ آیا ہے۔ یعنی آپ نے اپنی ذات میں ہلکاپن اور آرام محسوس کیا۔

۶۰ یہاں یہ سوال کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عباس کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام کیوں نہ لیا۔ بعض نے کہا حضرت عائشہ کی حضرت علی کے ساتھ کچھ ناراضگی تھی۔ اور ناراضگی کی وجہ یہ تھی کہ واقعہ افک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ کی بریت زور شور سے نہ کی تھی جس طرح کہ دوسرے صحابہ کرام نے کی تھی۔ جیساکہ سیاق قصہ افک سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر یہ وجہ ضعیف ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ نے حضرت علی کا کئی مواقع میں نام لیا ہے اور اس واقعہ افک کے بعد حضرت علی کی مدح بھی کی ہے۔ تو حاشا وکلا کہ نام نہ لینے کی وجہ یہ ہو۔ اور ناراضگی اس حد تک پہنچی ہوئی ہو کہ حضرت عائشہ حضرت علی کا اپنی زبان پر نام لانا بھی گوارا نہ کریں۔ بلکہ بعض نے کہا ہے کہ اس حدیث کی ایک روایت میں حضرت عائشہ نے آپ کا نام بھی لیا ہے۔ لہٰذا درست اور ٹھیک بات وہ ہے جو بعض نے کہی ہے کہ نام نہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ دوسری جانب کا آدمی مقرر ومتعین نہ تھا جس طرح حضرت عباس دوسری جانب متعین تھے بلکہ دوسری جانب باری باری لوگ آپ کو تھامتے تھے۔ کبھی حضرت علی کبھی حضرت اسامہ یا حضرت فضل بن عباس۔ اسی لیے ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا دوسری جانب اہل بیت میں سے ایک مرد تھا۔ تاکہ یہ حضرات سب اس میں شامل ہو جائیں۔ واللہ اعلم۔

۱۰۸۰ / ۱۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ السَّجْدَةَ وَمَنْ فَاتَتْهُ قِرَاءَةُ اُمِّ الْقُرْاٰنِ فَقَدْ فَاتَهٗ خَيْرٌ كَثِيْرٌ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرمایا کرتے تھے جس نے رکعت پالی اس نے سجدہ پالیا اور جس کی سورۃ ام القرآن (سورۃ فاتحہ) فوت ہوگئی اس کی خیر کثیر فوت ہوگئی۔ (مالک)

۱ یعنی جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت پالی۔ یہاں رکعت کو سجدہ سے تعبیر کیا کیونکہ سجدہ سے رکعت مکمل ہوتی ہے۔

لے یہ حدیث سورۃ فاتحہ کی عدم فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔ شیخ ابن حجر اپنی شرح میں کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے جس کی سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے مسبوق ہونے کی وجہ سے فوت ہوگئی اور یہ کہ حدیث مسبوق کے بارے میں ہے۔ جو دیر کے بعد آتا ہے اور فاتحہ نہیں پڑھ سکتا اور اس میں جماعت کو ابتداء میں ہی پانے کی ترغیب و تاکید ہے تاکہ یہ خیر کثیر فوت نہ ہو یعنی اگر چہ اس نے رکوع پا لینے سے رکعت پالی لیکن اس کا ثواب کثیر سورۂ فاتحہ کے فوت ہونے کی وجہ سے فوت ہوگیا۔

۱۰۴۱ وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ الَّذِیْ یَرْفَعُ رَاْسَهٗ وَ یَخْفِضُهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ فَاِنَّمَا نَاصِیَتُهٗ بِیَدِ الشَّیْطٰنِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

انہیں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے بے شک انہوں نے کہا جو شخص اپنا سر امام سے پہلے اوپر اور نیچے کرتا ہے تو اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ (مالک)

لے کہ وہ اس کی پیشانی کو خلاف شریعت اور خلاف سنت ہلاتا اور پھیرتا ہے۔

بَابُ مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً مَّرَّتَیْنِ

وہ آدمی جو ایک نماز دو مرتبہ پڑھے

یعنی یہ باب اس شخص کے حال کے بیان میں ہے جو نماز دوبارہ ادا کرے۔ اور یہ مختلف صورتوں کو شامل ہے۔ اس سے مقصود علیٰ الخصوص جیسا کہ احادیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب ایک آدمی فرض نماز ادا کرے پھر مسجد جماعت میں آیا تو پھر جماعت کے ساتھ ادا کرے اسی تفصیل کے مطابق جو نصوص میں مذکور ہے۔ اور اس اختلاف کے مطابق جو آئمہ کے درمیان واقع ہے اس کا حکم حسب باب اوقات ممنوعہ گزر چکا ہے اور اگر اس نے ایک بار جماعت سے ادا کر لی ہو اس کے بعد لوگوں کا امام بنا سکتا ہے جیسا کہ حدیث معاذ میں آرہا ہے۔ اور شافعیہ کے نزدیک تکرار فرض سے موسوم ہے۔ تاہم یہ حقیقۃً تکرار فرض نہیں کیونکہ دوسری بار پڑھنا نفل ہے۔ سب سے زیادہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک قول مشہور کے مطابق فرض کی نیت کرے گا اور اس صورت میں لازم آتا ہے کہ فرض پڑھنے والا نفل والے کی اقتدا کرے اور یہ ان کے نزدیک جائز ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فصل اوّل

۱۰۴۲ عَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَ مُعَاذُ بْنُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت

جَبَلٍ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِيْ قَوْمَهٗ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرتے پھر اپنی قوم میں آتے اور ان کی امامت[1] کرتے۔ (بخاری و مسلم)

[1] اور مسلم میں یہ لفظ بھی ہے۔ تلک الصلوٰۃ۔ یعنی وہ نماز اپنی قوم میں آکر دوبارہ بصورت امام پڑھتے جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی ہوتی تھی اور بخاری میں اس طرح ہے۔ الصلوٰۃ المکتوبۃ۔ یعنی آپ اپنی قوم میں آکر وہی فرض نماز دوبارہ بصورت امام ادا کرتے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی ہوتی تھی۔

$\frac{1083}{2}$ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى قَوْمِهٖ فَيُصَلِّيْ بِهِمُ الْعِشَاءَ وَهِيَ نَافِلَةٌ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَالْبُخَارِيُّ۔

انہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عشاء پڑھتے۔ پھر اپنی قوم میں تشریف لاتے اور انہیں نماز عشاء پڑھاتے اور یہ ان کی نفل نماز ہوتی تھی[1] (بیہقی۔ دار قطنی)

[1] اور قوم کی یہ فرض نماز ہوتی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نفل پڑھنے والے کی اقتدا نفل والے کے ساتھ درست ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ ھی لہ نافلۃ کا جملہ بخاری و مسلم میں نہیں ہے فرمایا شیخ ابن حجر میں کہا کہ عبدالرزاق شافعی اور طحاوی نے یہ جملہ روایت کیا ہے اور مشکوٰۃ میں یہاں بیاض ہے۔ بعض نے کہا یہ جملہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا ہے جو انہوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر کہا ہے اسی وجہ سے امام شافعی کے علاوہ کسی اور نے ان زائد الفاظ کا ذکر نہیں کیا۔ اور کتاب مشکوٰۃ میں یہاں بیاض (سفید جگہ) ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کو حدیث کی کسی کتاب میں یہ زائد الفاظ نہیں ملے۔ علامہ تورپشتی رحمہ اللہ نے کہا کہ علمائے حدیث نے کہا ہے کہ ھی لہ نافلۃ کا قول حدیث کا جزو نہیں غیر محفوظ ہے۔ امام احمد کی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے فرمایا یا میرے ساتھ نماز ادا کر یا اپنی قوم کے لیے آسانی اور تخفیف کر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ لینے کی صورت میں انہیں اپنی قوم کی امامت نماز نہ کرنی چاہیے تھی کیونکہ اس صورت میں حضرت معاذ کی قوم کے ساتھ نماز نفل ہوگی اور اس صورت میں فرض والے کی اقتداء نفل والے کے ساتھ ہوگی جو جائز نہیں ہے۔ اور امام احمد کی یہ حدیث اس زیادتی کے منافی ہے۔ حضرت معاذ کی نماز کا قصہ باب قرأت میں تفصیل سے گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

۱۰۴۲ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّتَهٗ فَصَلَّيْتُ مَعَهٗ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فِيْ مَسْجِدِ الْخَيْفِ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ وَانْحَرَفَ فَاِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ فِيْ اٰخِرِ الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّيَا مَعَهٗ قَالَ عَلَيَّ بِهِمَا فَجِيْءَ بِهِمَا تُرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا فَقَالَ مَا مَنَعَكُمَا اَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا قَدْ صَلَّيْنَا فِيْ رِحَالِنَا قَالَ فَلَا تَفْعَلَا اِذَا صَلَّيْتُمَا فِيْ رِحَالِكُمَا ثُمَّ اَتَيْتُمَا مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَصَلِّيَا مَعَهُمْ فَاِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ۔

دوسری فصل

حضرت زید[1] بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے حج میں حاضر ہوا[2]۔ تو میں نے آپ کے ساتھ مسجد خیف[3] میں نماز فجر پڑھی جب آپ نماز پوری کر چکے اور پھرے تو نمازیوں کے آخر میں دو شخص[4] تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز نہ پڑھی تھی۔ فرمایا انہیں میرے پاس لاؤ انہیں لایا گیا کہ ان کے کندھے کانپ رہے[5] تھے فرمایا تمہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اپنی منزلوں[6] میں نماز پڑھ چکے تھے۔ فرمایا ایسا نہ کرو[7] جب تم اپنی منزلوں میں نماز پڑھ لو۔ پھر جماعت کی مسجد میں آؤ تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لو۔ کہ وہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔

(ترمذی، ابوداؤد)
(نسائی)

---

[1] انہیں شرف صحابیت حاصل ہے۔ اہل طائف میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی حدیث اہل کوفہ کے پاس ہے۔ بعض نے انہیں یزید بن الاسود کہا ہے۔

[2] اسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

[3] یہ مسجد منٰی میں ہے خیف دراصل پہاڑ کے دامن میں واقع گہرائی اور نشیب کو کہتے ہیں۔ یہ مسجد چونکہ ایسے ہی نشیب میں واقع ہے۔ اس لیے اس نام سے موسوم ہے۔

[4] یہ دونوں سب سے آخر میں بیٹھے ہوئے تھے۔

[5] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف اور ہیبت کی وجہ سے۔ کیونکہ آپ کے غضب و جلال کے وقت پہاڑ بھی اپنی جگہ پر قائم نہ رہ سکتا تھا۔ فرائص فریصہ (فا اور صاد مہملہ) کی جمع ہے۔ بمعنی گوشت کا وہ ٹکڑا جو پہلو

اور کندھے کے درمیان ہوتا ہے اور خوف و ڈر کے وقت لرز اٹھتا ہے۔ کبھی لا مے کو ذبح کرتے وقت بھی اس کا یہ عضو لرز اٹھتا ہے۔ اور لوگ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

۵۶ اور اس جگہ میں پڑھ لی ہے جہاں ہم نے اپنا اپنا سامان رکھا ہوا ہے۔

۵۷ یعنی نماز کی جماعت کے وقت اپنی منزلوں اور جا ئے رہائش میں داخل نہ ہوا کرو۔

۵۸ خواہ پہلے تم نے با جماعت نماز ادا کی ہو یا بغیر جماعت کے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۰۸۵ عَنْ بُسْرِ بْنِ مِحْجَنٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ كَانَ فِيْ مَجْلِسٍ مَّعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُذِّنَ بِالصَّلٰوةِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى وَرَجَعَ وَمِحْجَنٌ فِيْ مَجْلِسِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تُصَلِّيَ مَعَ النَّاسِ اَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُّسْلِمٍ فَقَالَ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلٰكِنِّيْ كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِيْ اَهْلِيْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتَ الْمَسْجِدَ وَكُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ فَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ وَاِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَّالنَّسَائِيُّ)

حضرت بسر بن محجن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ نماز کی اذان ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے نماز پڑھی اور واپس ہوئے محجن اپنی مجلس میں بیٹھے رہے تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے تمہیں کس چیز نے روکا کیا تم مسلمان نہیں ہو عرض کیا ہاں یا رسول اللہ لیکن میں اپنے گھر میں نماز پڑھ چکا تھا تب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مسجد میں آؤ اور تم نے پہلے نماز پڑھ لی ہو اور نماز کی تکبیر کہی جائے تو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لو اگرچہ پہلے پڑھ چکے ہو [illegible] (نسائی)

۱ے بسر با موحدہ اور سین مہملہ کے ساتھ۔

۲ے محجن میم کی زیر۔ حا ساکن اور جیم کی زبر۔ صحیح تر قول کے مطابق حضرت بسر تابعی ہیں۔ اور ان کے باپ حضرت محجن صحابی ہیں۔

۳؎ اور یا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز نہ پڑھی۔ یہاں حضرت محجن نے اپنے آپ کو لفظ غائب سے تعبیر کیا اور یوں نہ کہا کہ میں اپنی جگہ پڑھ چکا ہوں۔ یہ انداز بیان آپ نے اس لیے اختیار کیا تاکہ اس منصب کو صرف اپنی طرف نسبت کرنے سے گریز کریں اور اپنے آپ کو مقام حضور سے کم مرتبہ تصور کرنے کی وجہ سے ہی۔

۱۰۸۶ وَعَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَسَدِ بْنِ خُزَيْمَةَ اَنَّهُ سَاَلَ اَبَا اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيَّ قَالَ يُصَلِّيْ اَحَدُنَا فِيْ مَنْزِلِهِ الصَّلٰوةَ ثُمَّ يَاْتِي الْمَسْجِدَ وَتُقَامُ الصَّلٰوةُ فَاُصَلِّيْ مَعَهُمْ فَاَجِدُ فِيْ نَفْسِيْ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اَبُوْ اَيُّوْبَ سَاَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذٰلِكَ لَهُ سَهْمُ جَمْعٍ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْ دَاؤُدَ)

اسد[1] بن خزیمہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ اس نے حضرت ابوایوب[2] انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ہم میں سے کوئی آدمی[3] اپنی جگہ نماز پڑھ لے۔ پھر مسجد میں آئے اور نماز کی تکبیر ہو تو کیا میں ان کے ساتھ نماز پڑھ لوں، میرے دل میں اس سے کچھ شبہ[4] ہے۔ ابوایوب نے کہا کہ ہم نے اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا یہ اس کے لیے ڈبل حصہ[5] ہے۔
(مالک)
(ابوداؤد)

۱؎ لفظ اسد شیر کے معنی سے مشہور ہے۔ اور مضر کے ایک قبیلہ کے باپ کا نام بھی ہے۔ اور اسد بن خزیمہ بن مدرکہ [illegible]

۲؎ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء ہجرت میں انہی کے گھر کو [illegible] مشرف فرمایا۔ یا انہی کے گھر قیام فرمایا تھا۔

۳؎ [illegible] گھر میں نماز ادا کرتا ہوں پھر مسجد میں آتا ہوں۔

۴؎ [illegible] امام کی مخالفت کی بنا پر۔ بعض نے کہا اجد فی نفسی شیا من ذالک سے مراد [illegible]

۵؎ [illegible] کا ثواب ملے گا اس لیے کوئی شبہ اور کراہت نہ ہونی چاہیے کیونکہ ایسا کرنے سے جماعت کی فضیلت [illegible] دوسری تو [illegible] بالکل ظاہر ہے یعنی تو جماعت [illegible] محسوس کرتا ہے یہ سب جماعت کا اثر ہے۔

۱۰۸۷ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ جِئْتُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت یزید[1] بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ فَجَلَسْتُ وَلَمْ اَدْخُلْ مَعَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰنِيْ جَالِسًا فَقَالَ اَلَمْ تُسْلِمْ يَا يَزِيْدُ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَسْلَمْتُ قَالَ وَمَا مَنَعَكَ اَنْ تَدْخُلَ مَعَ النَّاسِ فِيْ صَلٰوتِهِمْ قَالَ اِنِّيْ كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِيْ مَنْزِلِيْ اَحْسَبُ اَنْ قَدْ صَلَّيْتُمْ فَقَالَ اِذَا جِئْتَ الصَّلٰوةَ فَوَجَدْتَ النَّاسَ فَصَلِّ مَعَهُمْ وَاِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ تَكُنْ لَكَ نَافِلَةً وَهٰذِهٖ مَكْتُوْبَةٌ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

کہ حضرت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نماز میں تھے تو بیٹھ گیا اور ان کے ساتھ نماز میں شامل نہ ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو مجھے بیٹھا ہوا دیکھا فرمایا اے یزید تم مسلمان نہیں ہوئے۔ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ فرمایا تمہیں لوگوں کے ساتھ نماز میں شرکت سے کس نے منع کیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نماز اپنی جگہ میں پڑھ چکا ہوں۔ میں نے خیال کیا کہ آپ حضرات نماز پڑھ چکے ہیں۔ فرمایا جب تم نماز کو آؤ اور لوگوں کو پاؤ تو ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ اگر چہ تم پہلے پڑھ چکے ہو یہ تمہاری نفل ہو جائے گی اور وہ فرض ہے۔

۱؎ یزید یا اور زاء سے۔ آپ صحابی ہیں۔ جنگ حنین میں مشرکوں کے ساتھ اسلامی مجاہدین کے مقابلے [illegible] میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

۲؎ یعنی پہلی نماز فرض ہو جائے گی۔ یہ معنی بظاہر الفاظ [illegible] نماز نفل ہو گی۔ کیونکہ فرض نماز تو پہلی بار پڑھنے سے ان کے [illegible] حکم کی ضمیر اس نماز کی طرف لوٹتی ہے جو اس نے پہلے [illegible] اشارہ ہے جو اس نے جماعت کے ساتھ ادا کی ہوتی ہے اور کہا کہ [illegible] ذمے سے ساقط کر دیتی ہے، نفل نماز کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے [illegible] ہوتی ہے اور قضا کو ذمے سے ساقط نہیں کرتی۔ فرض نماز کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے [illegible] نماز وہی ہے جو جماعت کے ساتھ ادا کی جائے اور جو نماز باجماعت ادا نہیں ہوتی اس کا کوئی [illegible] کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اس میں غور کرو۔

[illegible] وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ [illegible] ۔۔۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی

سَأَلَهُ فَقَالَ إِنِّي أُصَلِّي فِي بَيْتِي ثُمَّ أُدْرِكُ الصَّلٰوةَ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ الْإِمَامِ أَفَأُصَلِّي مَعَهُ قَالَ لَهُ نَعَمْ قَالَ الرَّجُلُ أَيَّتُهُمَا أَجْعَلُ صَلٰوتِي قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَ ذٰلِكَ إِلَيْكَ إِنَّمَا ذٰلِكَ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ يَجْعَلُ أَيَّتَهُمَا شَاءَ۔
(رَوَاهُ مَالِكٌ)

شخص نے ان سے پوچھا کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہوں۔ پھر امام کے ساتھ مسجد میں نماز پاتا ہوں۔ کیا اس کے ساتھ بھی پڑھوں۔ فرمایا ہاں۔ اس نے کہا کہ ان دونوں میں سے اپنی نماز کسے سمجھوں[1]۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا کیا یہ تمہارا کام ہے[2]؟ یہ تو اللہ عزوجل کا کام ہے کہ ان میں سے جسے فرض نماز قرار دے (مالک)

[1] یعنی پہلی کو اپنی نماز فرض قرار دوں یا دوسری کو یعنی ان میں سے فرض نماز کونسی ہوگی۔

[2] • حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے استفہام کے طور پر کہا کہ ان دو نمازوں میں سے ایک کو فرض کی حیثیت دینا تیرا کام نہیں۔ بعض میں و ما فالک ایک نفی کے ساتھ آیا ہے پھر تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ ان دو میں سے جسے چاہے فرض قرار دے۔ اس حدیث میں اس چیز کی تائید ہے جس کی طرف بعض شافعیہ گئے ہیں اور اسے امام غزالی رحمہ اللہ نے اختیار کیا کہ ان دو میں سے کوئی ایک غیر معین نماز فرض ہے۔ تاہم اکثر احادیث اس بارے میں صریح ہیں کہ دوسری نماز نفل ہے۔ اور پہلا فرض اور یہی معنی قیاس کے بھی موافق ہے۔ کیونکہ بندہ پہلی نماز ادا کرنے سے فرض سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اس لیے پہلی نماز فرض نماز قرار پائے گی۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ سُلَيْمَانَ مَوْلٰى مَيْمُوْنَةَ قَالَ أَتَيْنَا ابْنَ عُمَرَ عَلَى الْبَلَاطِ وَ هُمْ يُصَلُّوْنَ فَقُلْتُ أَلَا تُصَلِّيْ مَعَهُمْ قَالَ قَدْ صَلَّيْتُ وَ إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُصَلُّوْا صَلٰوةً فِيْ يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ۔

حضرت سلیمان[1] مولی میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ مقام بلاط[2] میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے۔ لوگ نماز پڑھ رہے تھے ہم نے عرض کیا کہ کیا آپ ان کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے فرمایا میں پڑھ چکا ہوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایک دن میں ایک نماز کو دوبار نہ پڑھو[3] (احمد۔ ابوداؤد، نسائی)

[1] حضرت سلیمان ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اکابر تابعین میں سے ہیں ثقہ فقیہ فاضل عابد متقی اور دلیل و حجت ہیں۔ اور سات فقہاء میں سے ہیں۔ انہیں سلیمان بن یسار بھی کہتے ہیں۔ بعض نے کہا سلیمان مولائے میمونہ سلیمان بن یسار نہیں ہیں مگر اس میں نظر و اعتراض ہے۔

۱؎ حضرت نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد غلام ہیں۔ بلند پایہ فقیہ اور اکابر تابعین سے ہیں۔

۲؎ محمد ابن زید [illegible] کی پیش کی ہے۔ یہ حدیث بظاہر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے اور اگر مراد وہی ہے جو انہوں نے بطور روایت کہا ہے تو پھر یہ مرفوع ہے لہذا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی مؤید ہے۔ جو فرماتے ہیں کہ ان دو نمازوں کا اعادہ نہیں۔ احناف کے نزدیک نماز عصر بھی اس میں داخل ہے۔ امام شافعی کے نزدیک مطلقاً ہر نماز کا اعادہ جائز ہے۔ اس حدیث میں اس جانب بھی اشارہ موجود ہے کہ اس نے پہلی نماز جماعت سے نہ پڑھی تھی۔

بَابُ السُّنَنِ وَفَضَائِلِهَا

سنتوں اور ان کے فضائل کا باب

سنتوں سے وہ نمازیں مراد ہیں جو دن رات میں فرض نمازوں کے متعلق پڑھی جاتی ہیں اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ بلا ناغہ پڑھی ہیں۔ دوسرے نوافل کے پڑھنے کی تاکید فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو۔ جیسے عصر کی سنتیں کہ ان کی تاکید نہ فرمائی۔ قسم اول (جن کی تاکید فرمائی) کو سنن رواتب کہتے ہیں۔ رواتب رتب سے مشتق ہے بمعنی دوام و ثبوت۔ ترتیب بھی اسی سے مشتق ہے۔ ممکن ہے سنن راتبہ سنن مؤکدہ سے عام ہوں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

۱؎ عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى فِيْ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِيَ لَهٗ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن رات میں بارہ رکعتیں پڑھتا ہے اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا چار ظہر سے پہلے دو ظہر کے بعد دو رکعت مغرب کے بعد دو عشاء کے بعد اور دو رکعتیں فجر سے پہلے (ترمذی) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی مسلمان بندہ ایسا نہیں کہ اللہ کے لیے ہر دن

يُصَلِّي لِلّٰهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيْضَةٍ إِلَّا بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ أَوْ إِلَّا بُنِيَ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔

بارہ رکعتیں نفل پڑھا کرے فرض کے علاوہ مگر اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا، یا جنت میں گھر بنایا جائے گا۔

۱؎ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا امہات المومنین میں سے ہیں، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی ہمشیرہ ہیں۔

۲؎ نماز ظہر کا ذکر سب سے پہلے کیا کیونکہ اوقات نماز کی تعلیم کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے سب سے پہلے اسی نماز کی امامت کی۔ اسی وجہ سے اس نماز کو صلوٰۃ الاولیٰ بھی کہتے ہیں اور فارسی میں اس کا ترجمہ ہے نماز پیشین یعنی پہلی نماز۔

۳؎ مصابیح میں یہ حدیث فصل اول میں ذکر کی گئی جو بخاری و مسلم کی احادیث کے لیے مقرر ہے

۴؎ یہاں دن سے دن رات مراد ہے اور غیر فریضہ کا لفظ تطوع (نفل) کی تاکید کے لیے ہے۔

$\frac{1092}{2}$ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ قَالَ وَحَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو رکعت ظہر کے بعد اور دو رکعت مغرب کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پڑھیں اور دو رکعت عشاء کے بعد آپ کے گھر میں اور کہا کہ مجھ سے حضرت حفصہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر طلوع ہوتے ہی دو ہلکی رکعتیں پڑھا کرتے تھے (مسلم، بخاری)

۱؎ یہ حدیث حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کی دلیل ہے کہ ظہر سے پہلے سنت دو رکعت ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اختلاف الفاظ کے ساتھ مختلف کتب حدیث میں موجود ہے، احناف کے نزدیک ظہر سے پہلے چار رکعت ہیں اور اس کے ثبوت میں بھی احادیث وارد ہیں۔ جو کہ حضرت علی، حضرت عائشہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں، امام ترمذی نے کہا صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے اور ان کے بعد والے بھی اکثر اسی پر ہیں، سفیان ثوری، ابن المبارک اور اسحاق کا قول ہے۔ امام شافعی اور امام احمد سے بھی چار رکعت کا ایک قول موجود ہے۔ لیکن دو سلام کے ساتھ۔ ہو سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی چار اور کبھی دو رکعت پڑھتے ہوں جس صحابی نے جو دیکھا اس کی روایت کر دی۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گھر میں چار رکعت پڑھتے ہوں۔ ازواج مطہرات سے ان کی روایت کی ہو۔ اور جب مسجد میں تشریف لاتے ہوں تو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے ہوں۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ظہر کی سنتیں گمان کر لیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اعتقاد یہ ہو کہ ظہر سے پہلے سنت دو رکعت ہیں اور چار رکعت جو آپ ادا کرتے تھے وہ چاشت کی چار رکعت ہوتی تھیں جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

۲؎ اس سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مراد ہے۔ اور حضرت ابن عمران کے بھائی ہیں۔

۳؎ اور جب کہ اس وقت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کو جایا نہ کرتے تھے۔ اس لیے حضرت حفصہ سے سن کر یہ روایت کی۔ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حضرت ابن عمر نے کہا یہ وہ وقت ہے کہ میں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہوتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو رکعت بھی آپ گھر میں ہی پڑھتے تھے اور احادیث میں صراحۃً بھی ایسا آیا ہے۔ جیسا کہ باب صلوٰۃ اللیل میں آ رہا ہے۔

۱۴۳/۲ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فِيْ بَيْتِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد کوئی نماز نہ پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ گھر میں آتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ (بخاری و مسلم)

۱۴۴/۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهٖ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِيْ قَبْلَ الظُّهْرِ اَرْبَعًا ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَ كَانَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْعِشَاءَ وَ يَدْخُلُ بَيْتِيْ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَ كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ فِيْهِنَّ الْوِتْرُ

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے پھر تشریف لے جاتے لوگوں کو نماز پڑھاتے اور میرے گھر میں تشریف لاتے تو دو رکعت پڑھتے اور لوگوں کو نماز مغرب پڑھاتے پھر تشریف لاتے اور دو رکعتیں پڑھتے پھر لوگوں کو عشاء پڑھاتے اور میرے گھر میں تشریف لاتے تو دو رکعتیں پڑھتے اور رات میں نو رکعتیں پڑھتے تھے جن میں وتر بھی ہیں اور رات میں بہت

١١٠٠ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَیْسَ فِیْهِنَّ تَسْلِیْمٌ تُفْتَحُ لَهُنَّ اَبْوَابُ السَّمَآءِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہر سے پہلے چار رکعتیں جن میں سلام نہیں ہوتا، جن کے سبب ان کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں[1]

(ابو داؤد، ابن ماجہ)

[1] اور وہ مقام قبولیت میں پہنچ جاتی ہیں۔ ادائی کی برکت سے آسمان سے اللہ کے فضل و رحمت کا نزول ہوتا ہے پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس سے ظہر کی چار رکعت سنت مؤکدہ مراد ہیں یا کوئی اور مستقل نماز جو اس وقت میں ادا کی جاتی ہو اور اسے وقت زوال کی نماز کہتے ہیں۔ دراصل یہ ان لوگوں کا مسلک ہے جو ظہر سے پہلے دو رکعت سنت مؤکدہ کے قائل ہیں اور جو حضرات ظہر سے قبل چار رکعت کے قائل ہیں وہ اس میں متردد ہیں۔ تاہم اس فضیلت کا ثبوت اس کے مخالف نہیں کہ یہ رکعتیں رواتب اور مؤکدہ ہیں یا نہیں۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ غیر رواتب ہیں۔

١١٠١ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا بَعْدَ اَنْ تَزُوْلَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَقَالَ اِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِیْهَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ فَاُحِبُّ اَنْ یَّصْعَدَ لِیْ فِیْهَا عَمَلٌ صَالِحٌ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت عبداللہ بن السائب[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے کے بعد اور ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ گھڑی ہے کہ اس میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ تو میں پسند کرتا ہوں کہ میرے لیے اس وقت نیک عمل اوپر اٹھایا جائے[2]

(ترمذی)

[1] آپ صحابی ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے قرآن پاک پڑھا۔ مجاہد اور اہل مکہ نے ان سے علم حاصل کیا ایک عبداللہ بن سائب تابعی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں صحابی مراد ہے۔

[2] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گھڑی اجابت و قبولیت کی گھڑی ہے ہر نیک عمل جو اس گھڑی میں کیا جائے مقبول ہے تو نماز جو افضل اعمال سے ہے اس گھڑی میں اس کا ادا کرنا بہت اچھا اور افضل ہوگا اور پہلی حدیث جس میں فرمایا کہ ان رکعات کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ وہ بھی انہی معنی پر محمول ہے۔

١١٠٢ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَیَّ اِلَّا صَلّٰی اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ اَوْ سِتَّ رَکَعَاتٍ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نماز عشاء پڑھی اور پھر میرے پاس تشریف لائے مگر آپ چار یا چھ[1] رکعت پڑھتے تھے۔

(ابوداؤد)

[1] مشہور روایات میں عشاء کے بعد دو رکعت کا ذکر آیا ہے۔ بعض روایات میں چار رکعت کا ذکر بھی آیا ہے۔ مگر چھ رکعت کا ذکر اس حدیث کے سوا اور کسی میں نہیں آیا۔ واللہ اعلم۔ بعض حواشی میں کہا کہ یہاں عشاء سے مغرب مراد ہے۔ گویا اس قول کا باعث ترمذی کی حدیث ہے۔ جو بعد مغرب چھ رکعت کے بارے میں آئی ہے۔ اس تردد اور شک کے ساتھ کہ وہ چھ رکعت دو رکعت سنت مؤکدہ کے ساتھ ہیں یا ان کے علاوہ۔ اسے خوب سمجھو۔ مگر عشاء سے قبل چار رکعت مستحب کے بارے میں جیسا کہ فقہ میں مذکور ہے کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری۔ اسی لیے اہل حرمین یہ چار رکعت نہیں پڑھتے بلکہ نہیں جانتے ہی نہیں جیسا کہ کتاب سنن الہدیٰ میں مذکور ہے۔

۱۱۰۸/۱۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَدْبَارَ النُّجُوْمِ الرَّکْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ الرَّکْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ادبار النجوم[2] سے فجر سے پہلے کی دو سنتیں مراد ہیں اور ادبار السجود سے مغرب کی بعد کی دو سنتیں۔

(ترمذی)

[2] یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تسبیح سے جو ادبار النجوم [illegible] فجر کی دو سنتیں مراد ہیں۔ جنہیں ستاروں کے ڈوبنے کے وقت پڑھتے ہیں [illegible] جو سورۂ قاف میں واقع ہے اس سے بعد مغرب کی دو سنتیں مراد ہیں اور [illegible] کہا کہ ادبار السجود سے فرض نمازوں کے بعد کے نوافل مراد ہیں۔ بعض نے کہا بعد عشاء کے [illegible] اور کہا گیا ہے کہ سورۂ قاف میں واقع لفظ ادبار دُبر کی جمع ہے اور نافع، ابن کثیر [illegible] اور حمزہ نے [illegible] کے آخر میں جو ادبار آیا ہے اسے حمزہ کی زیر اور زبر دونوں قرأت شاذہ میں پڑھا گیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۱۰۹/۱۹ عَنْ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ بَعْدَ الزَّوَالِ تُحْسَبُ بِمِثْلِهِنَّ فِيْ صَلٰوةِ السَّحَرِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا وَهُوَ يُسَبِّحُ اللّٰهَ تِلْكَ السَّاعَةَ ثُمَّ قَرَأَ يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهُمْ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلّٰهِ وَهُمْ دَاخِرُوْنَ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ -

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ظہر سے پہلے زوال کے بعد کی چار رکعتیں[1] اتنی ہی تہجد کی رکعتوں کے برابر شمار کی جاتی ہیں[2] اور نہیں ہے کوئی چیز مگر وہ اس گھڑی اللہ کی تسبیح کرتی ہے پھر تلاوت فرمائی۔ یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهُمْ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلّٰهِ وَهُمْ دَاخِرُوْنَ (جھکتے ہیں ان کے سائے دائیں بائیں اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے پوری عاجزی کے ساتھ۔ ترمذی۔ بیہقی فی شعب الایمان

[1] یہ چار رکعت احتمال رکھتی ہیں کہ سنت ظہر ہوں یا وقت زوال کی چار رکعتیں۔

[2] یعنی یہ چار رکعتیں فضیلت و ثواب میں سحری کی چار رکعتوں کے برابر قرار دی جاتی ہیں۔ اور نماز تہجد کی بڑی ہی فضیلت اور درجہ ہے یعنی اس وقت میں نماز ادا کرنا تہجد کے وقت عبادت کی طرح ہے۔ علامہ طیبی نے کہا کہ یہاں نماز سحر سے فجر کی دو سنت اور دو فرض مراد ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ لفظ سحر کے زیادہ مناسب اور اظہر تہجد کی نماز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ فجر کی چار رکعت پر عمل کرنے کا باعث چار کا عدد ہے۔ کیونکہ نماز تہجد تو چار رکعت سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور سفر السعادۃ میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ زوال کے بعد آٹھ رکعت پڑھتے تھے اور فرماتے تھے یہ آٹھ رکعت قیام لیل (تہجد) کے برابر ہو جاتی ہیں۔ آپ کا یہ بیان مرفوع حدیث کے حکم میں ہے کیونکہ رکعتوں کی مقدار اور ان کا ثواب شارع علیہ السلام سے سنے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی تحقیق ہو چکی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کہ نماز سحر کو آپ قیام لیل پر محمول کرتے ہیں کہ نماز تہجد سے افضل [illegible] اور [illegible] کا اظہار [illegible] ظاہر ہوتا ہے کہ آٹھ رکعت سے وقت زوال اور سنت ظہر کی آٹھ رکعت کا مجموعہ مراد ہے۔ بعض مشائخ قدس سرہم نے کہا کہ [illegible] یہ دونوں وقت نزول رحمت اور حصول قربت کے اوقات ہیں۔ کیونکہ نصف النہار کے بعد [illegible] آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور آخری نصف شب میں رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور جب کہ یہ دو ایک دوسرے سے مناسبت رکھتے ہیں تو ان دونوں اوقات میں نماز بھی ایک دوسرے کے برابر اور مساوی ہوگی اور جب کہ آخر شب میں نزول رحمت زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہے تو وقت زوال کی نماز کو اس کے برابر اور مشابہ قرار دیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول مبارک سے وقت زوال کی فضیلت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا وما من شئ الا وہو یسبح للہ تلک الساعۃ۔ یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو

متاخرین نے کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۱۱/۲۱ وَعَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ قَالَ قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْعَصْرِ فَقَالَ كَانَ عُمَرُ يَضْرِبُ الْاَيْدِىْ عَلٰى صَلٰوةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ وَكُنَّا نُصَلِّىْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْتُ لَهٗ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهِمَا قَالَ كَانَ يَرَانَا نُصَلِّيْهِمَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت مختار بن فلفل[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے عصر کے بعد کے نفلوں کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ حضرت عمر بعد نماز عصر نماز پڑھنے پر لوگوں کے ہاتھوں پر مارتے تھے حالانکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آفتاب غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ پڑھتے تھے۔ فرمایا کہ ہمیں پڑھتے دیکھتے تھے تو نہ ہمیں حکم دیتے تھے اور نہ منع کرتے تھے[2] (مسلم)

۱؎ مختار بن فلفل، مختار کا پیش اور لام پر فتحہ، آپ مخزومی ہیں تابعی ہیں، کوفہ کے رہنے والے اور ثقہ ہیں۔ انہوں نے حضرت انس سے حدیث سنی اور ان سے ثوری وغیرہ نے۔

۲؎ یعنی ان کے پڑھنے سے منع کرتے تھے۔

۳؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی سے بعد عصر نماز پڑھنے کا جواز ثابت ہوگیا۔ محدثین نے یہاں کہا ہے کہ شاید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی آخرہ سے واقف نہ تھے اور نہ ہی حضرت انس کے قول كنا نصلی على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پڑھتے تھے سے بھی آگاہ تھے۔ بعض نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لوگوں کو عصر کے بعد نماز پڑھنے پر مارنے کا سبب یہ تھا کہ آپ کو ڈر محسوس ہوا کہ لوگ وقت غروب تک بھی یہ نماز پڑھنا شروع کر دیں، اس اندیشہ کے بغیر مکروہ نہیں اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ ان کے سوا دوسرے حضرات کے نزدیک بعد عصر مطلقاً نماز مکروہ ہے۔ بہر صورت بعد عصر نماز کی کراہت کا مسئلہ اور اس کے بارے میں وارد شدہ حدیث اختلاف و اضطراب سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۱۱۲/۲۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا بِالْمَدِيْنَةِ فَاِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِصَلٰوةِ الْمَغْرِبِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ مدینہ میں تھے جب موذن نماز مغرب کی

ابْتَدَرُوا السَّوَارِيَ فَرَكَعُوا رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى اِنَّ الرَّجُلَ الْغَرِيْبَ لَيَدْخُلُ الْمَسْجِدَ فَيَحْسَبُ اَنَّ الصَّلٰوةَ قَدْ صُلِّيَتْ مِنْ كَثْرَةِ مَنْ يُّصَلِّيْهِمَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اذان دیتا تو لوگ ستونوں کی طرف بڑھ جاتے[1]. اور دو رکعتیں پڑھتے حتی کہ اجنبی آدمی مسجد میں آتا تو سمجھتا کہ نماز پڑھی جا چکی ہے[2] ان پڑھنے والوں کے ہجوم کی وجہ سے[3] (مسلم)

[1] اور ستونوں کے پیچھے کھڑے ہوتے۔
[2] اور یہ کہ اب لوگ بعد مغرب کی سنتیں پڑھ رہے ہیں۔
[3] گویا ان صحابہ نے قبل غروب نماز کی نہی سے یہ سمجھا تھا کہ بعد غروب نماز مغرب سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

۱۱۱۳/۲۳ وَعَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ اَتَيْتُ عُقْبَةَ الْجُهَنِيَّ فَقُلْتُ اَلَا اُعْجِبُكَ مِنْ اَبِيْ تَمِيْمٍ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ فَقَالَ عُقْبَةُ اِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ فَمَا يَمْنَعُكَ الْاٰنَ قَالَ الشُّغْلُ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت مرثد بن عبداللہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں عقبہ الجہنی کے پاس آیا اور میں نے کہا کیا میں آپ کو ابو تمیم[2] کی عجیب بات نہ بتاؤں۔ یہ شخص نماز مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتا ہے اس پر حضرت عقبہ نے کہا ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے۔ میں نے کہا اب آپ کو اس سے کس چیز نے روک دیا ہے۔ کہا کام کاج کی معروفیت نے[3] (بخاری)

[1] مرثد میم کی زبر، را ساکن اور ثا کی زبر، آپ تابعی ہیں اہل مصر کے مفتی تھے عبدالعزیز بن مروان عبدالملک بن مروان کا بھائی انہیں فتوی کے لیے بلاتا اور اپنے سامنے بٹھاتا تھا ابن حبان نے انہیں ثقہ لوگوں میں ذکر کیا ہے۔
[2] ابو تمیم بلند درجہ تابعی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں یہ اسلام لائے۔
[3] نیز یہ سنت مؤکدہ بھی نہیں۔ نووی نے کہا کہ مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ یہ دو رکعت مستحب ہیں کیونکہ ان کے بارے میں احادیث صحیحہ صریحہ آئی ہیں۔

۱۱۱۴/۲۴ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى مَسْجِدَ بَنِيْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ

حضرت کعب[1] بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنی عبد الاشہل میں تشریف لائے اور اس

فَصَلّٰى بِهِمُ الْمَغْرِبَ فَلَمَّا قَضَوْا صَلَاتَهُمْ رَاٰهُمْ يُسَبِّحُوْنَ بَعْدَهَا فَقَالَ هٰذِهٖ صَلٰوةُ الْبُيُوْتِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

میں نماز مغرب پڑھی جب لوگ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے انہیں دیکھا وہ نماز کے بعد تسبیح کرتے ہیں یعنی نفل پڑھتے ہیں[۳]۔ فرمایا یہ گھروں کی نماز ہے[۴]۔ (ابوداؤد)

وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ قَامَ نَاسٌ يَتَنَفَّلُوْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِهٰذِهِ الصَّلٰوةِ فِي الْبُيُوْتِ

ترمذی اور نسائی کی روایت یوں ہے لوگ نفل پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نماز تم لوگ گھروں میں پڑھا کرو[۵]

[۱] عُجرہ عین کی پیش جیم کا زبر۔ آپ صحابی ہیں۔ بیعت شجرہ رضوان کے اصحاب میں سے ہیں۔ ان کے حالات دوسرے مواضع میں ذکر ہو چکے ہیں۔

[۲] بنی عبد الاشہل ایک قبیلہ کا نام ہے۔

[۳] اس سے مغرب کے بعد کی دو سنتیں مراد ہیں۔ یعنی آپ نے دیکھا کہ مسجد میں ہی یہ دو سنتیں بھی پڑھ رہے ہیں۔

[۴] یعنی یہ مغرب کی سنتیں یا مطلق نفل نماز گھروں میں پڑھنی چاہیے نہ کہ مسجد میں۔

[۵] واضح ہو کہ نماز نفل یعنی غیر فرض گھر میں پڑھنی چاہیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک بھی یہی تھا۔ مگر کسی سبب یا عذر کی بنا پر خصوصاً مغرب کی سنتیں آپ نے کبھی مسجد میں ادا نہیں کیں۔ بعض علماء نے کہا اگر مغرب کی سنتیں مسجد میں پڑھیں تو سنت ادا نہ ہوگی۔ بعض نے کہا یہ سنتیں مسجد میں ادا کرنے والا گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حکم وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ مگر جمہور اس پر ہیں کہ یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ سنتیں گھر میں پڑھی جائیں۔ حاشیہ ہدایہ میں جامع صغیر سے لکھا کہ اگر ایک آدمی نے نماز مغرب مسجد میں پڑھی اگر اسے اندیشہ ہو کہ گھر میں جانے سے کسی کام میں مشغول ہو جائے گا تو یہ سنتیں مسجد میں ہی پڑھ لے۔ اور اگر ایسا اندیشہ نہ ہو تو پھر افضل یہ ہے کہ گھر جا کر پڑھے اور اگر گھر میں جانا میسر نہ ہو تو پھر مسجد کے دروازے سے باہر پڑھے۔ اگر امام نے مسجد کے اندر کے حصے میں پڑھی ہو۔ اور اگر امام نے مسجد کے خارجی حصہ میں نماز ادا کی ہو تو پھر یہ بھی سنتیں مسجد کے خارجی حصے میں ادا کرے اور اگر ایسی مسجد ہو کہ اس کا اندرونی اور بیرونی حصہ الگ الگ نہ ہو تو پھر کسی ستون کے پہلو میں یا کسی کونے میں یہ سنتیں پڑھے۔

۱۱۱۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے

سَلَّمَ يُطِيْلُ الْقِرَاءَةَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ حَتّٰى يَتَفَرَّقَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

بعد کی دو رکعتوں میں قرأت لمبی کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اہل مسجد منتشر ہو جاتے تھے[1]
(ابوداؤد)

[1] اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے یہ سنتیں مسجد میں پڑھی تھیں۔ آپ کا یہ عمل کسی سبب اور عذر پر محمول ہے جس کی وجہ سے آپ گھر نہ جا سکے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے یہ گھر میں پڑھی ہوں اور حضرت ابن عباس نے آپ کو اس حالت میں پایا۔ کیونکہ آپ کا گھر مسجد کے متصل تھا۔ مسجد اور گھر کے درمیان صرف ایک دیوار تھی پھر اس دیوار میں ایک دروازہ تھا جو مسجد کی طرف کھلتا تھا۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سنت مغرب میں لمبی قرأت کبھی کبھار آپ نے کی۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دو رکعتوں میں قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔

۱۱۱۹/۲۶ وَعَنْ مَكْحُوْلٍ[1] يَبْلُغُ بِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ قَبْلَ اَنْ يَتَكَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ رُفِعَتْ صَلٰوتُهٗ فِيْ عِلِّيِّيْنَ مُرْسَلًا۔ وَعَنْ حُذَيْفَةَ نَحْوَهٗ وَزَادَ فَكَانَ يَقُوْلُ عَجِّلُوا الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فَاِنَّهُمَا تُرْفَعَانِ مَعَ الْمَكْتُوْبَةِ رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ الزِّيَادَةَ عَنْهُ نَحْوَهَا فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

حضرت مکحول[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اس کی روایت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی مغرب کے بعد بات کرنے سے پہلے دو رکعتیں اور ایک روایت میں ہے کہ چار رکعتیں پڑھے تو اس کی نماز علیین[2] میں اٹھائی جاتی ہے مرسلاً۔ اور حضرت حذیفہ سے اسی کی مثل ہے اور زیادہ کیا کہ وہ کہتے تھے کہ مغرب کے بعد دو رکعتیں جلدی پڑھو کیونکہ وہ دونوں فرضوں کے ساتھ اٹھائی جاتی ہیں۔ ان دونوں حدیثوں کو رزین نے روایت کیا اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس زیادتی کو روایت کیا۔

[1] حضرت مکحول شامی اہل مشہور تابعین سے ہیں اور ان کے بلند مرتبہ ثقہ حضرات میں سے ہیں۔
[2] علیین ساتویں آسمان سے اوپر ایک جگہ ہے۔ بعض نے کہا ہے ساتویں آسمان کا نام ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ملائکہ کے دیوان کا نام ہے جس میں وہ صالحین کے اعمال لے کر جاتے ہیں۔ بعض نے کہا یہ جناب حضرت حق تعالیٰ کے نزدیک ایک مکان

سے اعلیٰ، اشرف اور اقرب جگہ کا نام ہے۔

۳؎ یعنی مکحول نے اسے بطور ارسال روایت کیا۔ یہ حضرت مکحول کثیر الارسال شخصیت تھے۔

۴؎ اور حضرت حذیفہ سے جو صحابہ میں سے ہیں اسی حدیث کی مانند روایت کی گئی ہے۔

۵؎ یعنی فرضوں کے متصل ان کو پڑھو۔

۶؎ اس لیے انہیں فاصلہ کے بغیر جلدی ادا کرو تاکہ اعمال لے جانے والے ملائکہ کو انتظار نہ کرنی پڑے۔ ظاہر یہ ہے کہ قراءت اور دعا یا ذکر جس کا فرضوں کے بعد ثبوت صحیح روایات سے ہو چکا ہے۔ اس جلدی کے منافی نہیں۔ یا یوں کہا جائے گا کہ ان اذکار کا دو رکعتوں کے بعد پڑھنا اس جلدی کے منافی نہیں ہے۔ اور گذشتہ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں اس طرح کی کچھ گفتگو گزر چکی ہے۔ البتہ یہاں ایک چیز دل میں کھٹکتی ہے۔ کہ ان دو رکعت کی گھر میں ادائیگی کی فضیلت ثابت ہو چکی ہے تاہم اگر کسی کا گھر مسجد سے دور ہو تو گھر جانے سے اس جلد ادائیگی کی خلاف ورزی لازم آتی ہے تو وہ کیا کرے۔ اس کے جواب کی دو صورتیں ہیں ان دو میں ظاہر یہ ہے کہ گھر ہی جا کر پڑھے کہ گھر میں پڑھنے کے بارے میں تاکید زیادہ آئی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۸۸/۲۸ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ إِنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ أَرْسَلَهُ إِلَى السَّائِبِ يَسْأَلُهُ عَنْ شَيْءٍ رَآهُ مِنْهُ مُعَاوِيَةُ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ نَعَمْ صَلَّيْتُ مَعَهُ الْجُمُعَةَ فِي الْمَقْصُوْرَةِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ قُمْتُ فِي مَقَامِي فَصَلَّيْتُ فَلَمَّا دَخَلَ أَرْسَلَ إِلَيَّ فَقَالَ لَا تَعُدْ لِمَا فَعَلْتَ إِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلَا تَصِلْهَا بِصَلٰوةٍ حَتّٰى تَكَلَّمَ أَوْ تَخْرُجَ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنَا بِذٰلِكَ أَنْ لَا نُوْصِلَ بِصَلٰوةٍ حَتّٰى نَتَكَلَّمَ أَوْ نَخْرُجَ — رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت عمرو بن عطار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔[۱] فرماتے ہیں نافع بن جبیر نے انہیں حضرت سائب کے پاس اس چیز کے پوچھنے کے لیے بھیجا جو حضرت امیر معاویہ نے ان سے نماز میں دیکھی تھی[۲] انہوں نے فرمایا ہاں میں نے امیر معاویہ کے ساتھ مقصورہ[۳] میں جمعہ پڑھا جب امام نے سلام پھیرا تو میں اسی جگہ کھڑا ہو گیا اور وہیں نماز پڑھی جب وہ گئے[۴] تو مجھے بلایا اور فرمایا یہ کام آئندہ نہ کرنا[۵] جب جمعہ پڑھو تو اسے اور نماز سے نہ ملاؤ۔ یہاں تک کہ کوئی بات کر لو یا ہٹ جاؤ۔ کیونکہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا کہ ہم بغیر کلام کیے یا بغیر ہٹے نماز کو نماز سے نہ ملائیں[۶] (مسلم)

۱؎ آپ تابعی ہیں اور نافع بن جبیر بن مطعم بھی تابعی ہیں اور حضرت سائب صحابی ہیں۔
۲؎ اور اس سے منع کیا ہو۔
۳؎ مقصورہ مسجد کی وہ جگہ ہے جو کبریٰ اور امراء کے لیے بنائی جاتی ہے۔ یہ لفظ قصر سے مشتق ہے بمعنی اونچا محل
۴؎ یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب اپنے گھر گئے۔
۵؎ یعنی جہاں فرض نماز پڑھی جائے آئندہ وہیں نفل نماز نہ پڑھنا۔
۶؎ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں لفظ صلوٰۃ نہیں ہے۔ تو عبارت کا ظاہر مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جمعہ کے ساتھ دوسری نماز نہ ملائیں جب تک کہ بات نہ کر لیں یا مسجد سے باہر نکل آئیں۔

$\frac{1119}{29}$ وَعَنْ عَطَآءٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى الْجُمُعَةَ بِمَكَّةَ تَقَدَّمَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيُصَلِّي أَرْبَعًا وَإِذَا كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ صَلَّى الْجُمُعَةَ ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى بَيْتِهٖ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ فِي الْمَسْجِدِ فَقِيْلَ لَهٗ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ

وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ صَلّٰى بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ أَرْبَعًا

حضرت عطاء[۱] رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب جمعہ کی نماز مکہ معظمہ میں پڑھتے تو اس جگہ سے جہاں جمعہ پڑھا ہوتا ذرا آگے ہوتے[۲] اور دو رکعت نماز پڑھتے پھر اور آگے ہوتے اور چار رکعت پڑھتے[۳] اور جب مدینہ طیبہ میں جمعہ کی نماز پڑھتے تو اس کے ساتھ ہی گھر آجاتے۔ اور گھر آ کر دو رکعت نماز پڑھتے۔ مسجد میں نہ پڑھتے حضرت ابن عمر سے دریافت کیا گیا کہ آپ ایسا (گھر میں آکر پڑھتے ہیں مسجد میں نہیں پڑھتے) کیوں کرتے ہیں۔ تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے ابو داؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے میں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا کہ آپ نے جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھیں پھر اس کے بعد چار رکعت پڑھیں۔

۱؎ : جین یا عطا نام کے کئی آدمی گزرے ہیں۔ یہ بزرگ بھی تابعی ہیں۔
۲؎ تو آپ کا یہ ذرا آگے ہونا نماز جمعہ کے مابین فاصلہ کی حیثیت رکھتا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو ذکر تھا کہ نماز جمعہ کے بعد دوسری نماز پڑھنے سے پہلے کلام کرے یا مسجد سے باہر نکل آئے۔ حضرت ابن عمر کے آگے بڑھنے سے یہ شرط پوری ہو جاتی تھی اور آپ کا یہ فعل کلام کرتے یا مسجد سے باہر نکلنے کی طرح تھا۔
۳؎ اس طرح کل چھ رکعت بن جاتی تھیں جو آپ جمعہ کے بعد پڑھتے تھے مکہ معظمہ میں آپ اسی طرح کرتے تھے۔

؁ علماء نے کہا ہے کہ شاید مکہ اور مدینہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ میں فرق کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ طیبہ میں آپ کا مکان مسجد نبوی شریف کے نزدیک اور اس کے بالکل متصل تھا۔ اور مکہ میں مسافر ہوتے تھے اور آپ کی رہائش حرم سے دور تھی۔ اسی لیے ذرا آگے بڑھنے کو آپ گھر واپس آنے کی حیثیت دے لیتے تھے اور مکہ معظمہ میں جو آپ جمعہ کے بعد چھ رکعت پڑھتے تھے تو اس کی وجہ یہ بھی کہ حرم شریف مکہ میں ہر عبادت کا ثواب دو گنا ہے۔ ترمذی نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نماز جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم دیتے تھے پھر چار رکعت کا۔ مولف (صاحب مشکوٰۃ) نے بھی حدیث عطا میں ترمذی سے نقل کیا ہے اور کہا ہے وفی روایۃ الترمذی الی آخرہ۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔

؁ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک جمعہ کے بعد چار رکعت سنت ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک چھ رکعت میں پہلے چار پھر دو یہ جمعہ کے بعد کی نماز کا حکم ہے۔ جمعہ سے پہلے سنت نماز ثابت ہے۔ بعض محدثین نے اس کا انکار کیا ہے اور اس انکار میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔ بعض نے کہا کہ جو لوگ جمعہ سے پہلے سنت نماز ثابت کرتے ہیں وہ ظہر پر قیاس کرتے ہیں مگر قیاس کے ساتھ سنت کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے مگر حق بات یہ ہے کہ جمعہ سے قبل بھی سنت نماز ثابت ہے۔ اس میں گفتگو طویل ہے ہم نے شرح سفر السعادۃ میں وہ گفتگو کر دی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

بَابُ صَلٰوۃِ اللَّیْلِ
رات کی نماز کا باب

واضح ہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز شب کے بارے میں مختلف روایات آئی ہیں۔ مختلف ایام میں مختلف رکعات کی صورت میں آپ پڑھتے تھے پھر نفل عبادت ادا کرنے والا امتی مختار ہے کہ حضور کے جس طریقہ پر بھی عمل پیرا ہو گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا شرف حاصل کرے گا اور اگر متعدد اوقات میں آپ کے سب طریقوں پر عمل کرے تو یہ زیادہ موافق اور زیادہ مناسب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز کی رکعات کی تعداد ۱۳، ۱۱، ۹ اور سات آئی ہے۔ بعض علماء نے پانچ رکعت بھی بیان کی ہیں۔ البتہ تیرہ رکعت سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ پھر بعض علماء تو اس تعداد میں سنت فجر کو بھی شامل کرتے ہیں۔ بعض شامل نہیں کرتے۔ شامل نہ کرنا زیادہ صحیح اور زیادہ درست ہے۔ پھر وتر نماز کبھی آپ ایک رکعت پڑھتے۔ کبھی تین رکعت۔ بعض روایات میں عدد وتر کو اس تعداد میں شمار کیا اور بعض

میں اس سے خارج رکھا۔ اور بعض روایات میں ایک رکعت کو وتر کہا۔ بعض میں تین رکعت کو۔ بعض روایات میں پانچ رکعت اور بعض میں سات رکعت کو بھی وتر کہہ دیا۔ اور بعض روایات میں ساری نماز شب کو وتر کہہ دیا۔ جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعت وتر پڑھتے تھے جب آپ بوڑھے ہو گئے تو پھر سات رکعات وتر پڑھتے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اے اہل قرآن وتر نماز ادا کیا کرو۔ اس سے آپ نے نماز شب مراد لی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز وتر ملانے سے ساری نماز شب وتر بن جاتی ہے۔ جس طرح دن کی ساری نمازیں نماز مغرب شامل کرنے سے وتر یعنی طاق رکعتیں بن جاتی ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ نماز تہجد صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی یا اول امت پر بھی فرض تھی۔ بعد میں امت سے اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ مشہور اور مختار یہ ہے کہ امت پر سے اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آخر عمر تک فرض رہی۔ اس بات کی تحقیق اپنی جگہ کر دی گئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۱۲۰/۱ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِيمَا بَيْنَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلَى الْفَجْرِ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَاُ اَحَدُكُمْ خَمْسِيْنَ اٰيَةً قَبْلَ اَنْ يَّرْفَعَ رَاْسَهٗ فَاِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَتَبَيَّنَ لَهُ الْفَجْرُ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حَتّٰى يَاْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْاِقَامَةِ فَيَخْرُجُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشا سے فارغ ہونے کے بعد نماز فجر تک گیارہ رکعات پڑھا کرتے تھے ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے اور ایک رکعت کے ساتھ وتر ادا کرتے تھے۔ اس میں اتنا دراز سجدہ کرتے تھے کہ تم میں سے کوئی آپ کے سر مبارک اٹھانے سے پہلے پہلے پچاس آیتیں پڑھ سکتا پھر جب مؤذن فجر کی [illegible] اور آپ کے لئے فجر ظاہر ہو جاتی تو کھڑے ہو جاتے اور دو ہلکی رکعتیں پڑھتے پھر آپ [illegible] پہلو پر لیٹ جاتے یہاں تک کہ مؤذن اقامت کہنے کے لئے آپ کے پاس آتا تو آپ گھر سے باہر تشریف لاتے۔

(بخاری و مسلم)

ـلـه اس عبارت کی شرح میں متعدد توضیحات بیان کی گئی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ وتر کے سجدوں میں کوئی سجدہ بہت لمبا کرتے۔ یا وتر نماز کے تمام سجدے اتنے طویل ہوتے تھے کہ قرآن پڑھنے والا اس عرصہ میں پچاس آیتیں پڑھ سکتا تھا۔ بعض شافعیہ نے اس سجدہ کو سجدۂ شکر پر محمول کیا ہے کہ آپ اس فعل کے بجالانے کی توفیق ملنے پر شکرانہ کے طور پر کرتے تھے۔ نماز کے باہر صرف سجدہ کرنے میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ باب سجدۂ الشکر میں آئے گا اور وہ جو بعض علاقوں میں وتروں کے بعد معروف طریقہ پر دو سجدے کرتے ہیں تو اس کی فضیلت بعض ضعیف اور مجروح فقہی روایات میں آئی ہے اور لوگ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدۂ شکر پر محمول کرتے ہیں مگر اخبار و آثار میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور مختار فقہی روایات میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اور حرمین شریفین میں بلکہ تمام دیار عرب میں اس پر کوئی عمل نہیں کیا جاتا اور اس بارے میں جو حدیث روایت کی جاتی ہے۔ علماء نے اس حدیث کو موضوع اور من گھڑت کہا ہے اور اس حدیث کے موضوع ہونے کے آثار واضح ہیں اور ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام اس سجدے کی سنیت یا استحباب کا قائل نہیں ہے۔ دیار عرب کے اکثر حنفیہ اس سجدے کو جانتے تک نہیں۔ اس کا مکروہ ہونا نقل کرتے ہیں۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

ـلـه اکثر روایات میں سکت تائے فوقانی سے آیا ہے جو سکوت بمعنی خاموشی سے مشتق ہے یعنی جب مؤذن اذان فجر دے کر خاموش ہو جاتا اور بعض نے یہ لفظ سکب بائے موحدہ سے بھی روایت کیا ہے۔ یہ سکبٌ (انڈیلنا) سے نکلا ہے۔ اس کا مطلب بھی دراصل خاموش ہونا ہے۔ یعنی جب مؤذن لوگوں کے کانوں میں اذان انڈیل دیتا۔

ـلـه اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادائے سنت کے لیے صرف مؤذن کی اذان پر کفایت نہ کرتے تھے کیونکہ اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ مؤذن نے رات گزرنے میں خطا کی ہو۔ بلکہ آپ خود فجر ہونے کی تحقیق کرتے تھے۔

ـلـه جیسا کہ سنت فجر کے بارے میں آیا ہے کہ آپ اس کی پہلی رکعت میں سورۃ قل یا ایہا الکافرون اور دوسری میں قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔

ـلـه جس کی شرح تیسری حدیث کے تحت کریں گے۔

ت ب ۲۲ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَاِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِيْ وَاِلَّا اضْطَجَعَ	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو سنتیں پڑھ لیتے اگر میں جاگ رہی ہوتی تو آپ مجھ سے باتیں کرتے ورنہ سو جاتے۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	(مسلم)

ـلـه امام بخاری نے بھی باب الحدیث بعد رکعتی الفجر اور باب من یحدث بعد الرکعتین ولم یضطجع میں اس حدیث کو روایت کیا۔ اس حدیث سے سنت فجر کے بعد بات چیت کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ امام ترمذی نے سنت فجر کے

بعد کلام کرنے کے بارے میں ایک باب باندھا ہے اور اس باب میں حضرت عائشہ سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث روایت کی ہے۔ کہ اِذَا صَلّٰی رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ فَاِنْ کَانَ لَہٗ اِلٰی حَاجَۃٌ کَلَّمَنِیْ وَ اِلَّا خَرَجَ اِلَی الصَّلٰوۃِ یعنی جب آپ فجر کی دو سنتیں پڑھ لیتے تو اگر مجھ سے آپ کو کوئی کام ہوتا تو مجھ سے گفتگو فرماتے ورنہ نماز کے لیے تشریف لے جاتے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ بھی کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض علمائے صحابہ طلوع فجر کے بعد سے نماز فجر ادا کرنے تک کلام کرنا مکروہ جانتے تھے مگر یہ کہ ذکر الٰہی کیا جائے یا کوئی بہت ضروری بات۔ یہی احمد اور اسحٰق کا قول ہے ما تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ سے گفتگو کرنا اسی نوعیت کا تھا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ کا قول فان کانت لہ الی حاجۃ اس امر کو ظاہر کرتا ہے اور اگر اس قسم کی ضروری بات نہ بھی ہو تو بات کر لینا سنت کو باطل نہیں کرتا نہ اس سے سنتیں دوبارہ پڑھنی پڑتی ہیں مگر جب کہ اس وقت میں احتیاط اور تکمیل ثواب کے پیش نظر بات کرنے کو شدید مکروہ قرار دیا جائے۔

۱۱۷۲/۳ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دو سنتیں پڑھ لیتے تو اپنے دائیں پہلو پر سو جاتے تھے[1]

(بخاری و مسلم)

واضح ہو کہ اس حدیث میں دو طرح کا کلام ہے۔ ایک سنت فجر کے بعد سونا دوسرے دائیں پہلو پر سونا۔ قول اول کے متعلق تو یہ ہے کہ بعض ظاہریہ اس سونے کو واجب قرار دیتے ہیں اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ بعض اسے فرض نماز کی صحت کی شرط قرار دیتے ہیں کہ اگر نہ سوئے گا تو اس کی فرض نماز باطل ہو جائے گی اور ایک جماعت اس وقت سونے کو مکروہ قرار دیتی اور بدعت کہتی ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ اسے بدعت کہنا حق سے بعید بات ہے کیونکہ اس وقت نیند کے بارے میں احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ لہٰذا یوں کہا جائے گا کہ اولاً سونا جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا یا اس وقت نیند کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ یا اس نیند کو بقصد استراحت پر محمول کیا جائے گا نہ کہ اس وقت سونے کو عبادت قرار دیا جائے۔ یوں ہی اس نیند کو واجب و ضروری قرار دینا بھی بعید ہے۔ کیونکہ اس بارے میں روایات مختلف آئی ہیں۔ اور بعض روایات میں سونے کا ذکر نہیں آیا صرف اس قدر آیا ہے کہ آپ سنتیں پڑھتے اور باہر مسجد کی طرف نکل آتے۔ لہٰذا قول مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ سونا مستحب ہے۔ مکروہ یا واجب نہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ارادے سے سوئے کہ قدرے آرام حاصل کرے۔ اور نماز تہجد کے باعث جو ثقل و تھکاوٹ لاحق ہو چکی ہے دور ہو جائے تو بہتر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی ارادے کے تحت نیند کرتے تھے۔ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔

دوسری بات یعنی آپ کا دائیں پہلو پر سونا تو یہ آپ کی ہمیشہ عادت مبارکہ تھی۔ علماء نے کہا ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے تاکہ گہری میں نیند نہ سو جائیں۔ کیونکہ قلب یعنی گوشت کا صنوبری ٹکڑا بائیں جانب ہے۔ اگر بندہ بائیں پہلو پر سوئے تو دل کو قرار حاصل ہوگا اور اس پر استراحت کا غلبہ نہ ہوگا اور وہ ہی گہری نیند کی بے ہوشی اس پر طاری ہوگی۔ اور اس کے لیے نیند سے اٹھ بیٹھنا اور بیدار ہونا آسان ہوگا۔ اسی وجہ سے اطباء نے بھی بائیں پہلو پر سونے کی تلقین کی ہے کیونکہ دل راحت طلب کرتا ہے اور نیند کی حالت میں کھانا ہضم ہوتا ہے۔ کیونکہ حرارت غریزی اندرون بدن داخل ہو جاتی ہے اور جس قدر نیند کا غلبہ زیادہ ہوگا راحت زیادہ حاصل ہوگی اور کھانا وافر طور پر ہضم ہوگا۔ اور صاحب شرع علیہ السلام نے نیند ہلکی رکھنے اور رات کو بیداری میسر آنے کے لیے دائیں پہلو پر سونے کو اختیار کیا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے کم کھانا بھی ضروری ہے۔

واضح ہو کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو سنتیں پڑھنے کے بعد دائیں پہلو پر سو جاتے تھے یہاں تک کہ آپ کے خراٹوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اس کے بعد اٹھتے اور تازہ وضو کیے بغیر نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔ نیند سے وضو کا نہ ٹوٹنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ نے فرمایا ہے (میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا) بعض کہتے ہیں کہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے اور باب الاذان قصہ لیلۃ التعریس میں اس مقام سے متعلق کچھ بیان ہو چکا ہے۔ اسے ذہن نشین کر لیا جائے۔

۱۱۳۳ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے۔ فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت تیرہ رکعت پڑھتے تھے ان میں وتر[۱] بھی ہوتے تھے اور فجر کی دو سنتیں بھی۔[۲] (مسلم)

[۱] یعنی ایک رکعت یا تین رکعات وتر

[۲] یعنی ان تیرہ رکعات میں جو آپ رات کو پڑھتے تھے دو رکعت سنت فجر کو شامل کیا گیا ہے کیونکہ یہ دو رکعتیں رات کے قریب ہیں اس کے متصل اور اہتمام شب کے وقت پڑھی جاتی ہیں۔ رات میں آپ کی اصل نماز گیارہ رکعات ہوتی تھی۔ جیسا کہ دوسری روایات میں آیا ہے۔ صاحب سفر السعادۃ نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ آپ کی رات کی نماز فجر کی سنتوں کے علاوہ تیرہ رکعات ہوتی تھی۔ مگر وتر ان تیرہ رکعت میں داخل ہیں۔

۱۱۳۴ وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَّتِسْعٌ وَّاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً سِوَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا سات رکعت، نو رکعت اور گیارہ رکعات ہوتی تھی[2]۔ فجر کی دو سنتوں کے علاوہ[3] (بخاری)

[1] حضرت مسروق رضی اللہ عنہ تابعین میں سے ہیں۔ آپ بچپن میں گھر سے چوری ہو گئے تھے۔ اس بنا پر آپ کا یہ نام پڑ گیا۔

[2] یعنی کبھی سات کبھی نو اور کبھی گیارہ رکعات

[3] ظاہر یہ ہے کہ اس استثناء کا تعلق گیارہ رکعات سے ہے اور اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ تیرہ رکعت سنت فجر کو ملا کر ہوتی تھیں۔

۱۱۲۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ لِيُصَلِّيَ افْتَتَحَ صَلٰوتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز کے لیے اٹھتے تو دو ہلکی رکعتوں سے شروع کرتے[1] (مسلم)

[1] اس سے وہ دو رکعت مراد ہیں جو آپ وضو کے بعد ادا کرتے تھے اور یہ اس ہلکا پڑھنا مستحب ہے۔ ان کے بارے میں قولاً اور فعلاً روایات آ چکی ہیں۔

۱۱۲۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَتِحِ الصَّلٰوةَ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص رات کو اٹھے تو دو ہلکی رکعتوں سے شروع کرے (مسلم)

۱۱۲۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ لَيْلَةً وَّالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فَتَحَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ اَهْلِهِ سَاعَةً

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ[1] کے ہاں بسر کی، اس رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے پاس تھے آپ اپنے گھر والوں کے ساتھ کچھ دیر باتیں کرتے رہے[2] پھر سو گئے

ثُمَّ رَقَدَ فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ أَوْ بَعْضُهُ قَعَدَ فَنَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ فَقَرَأَ إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ

جب رات کا آخری تہائی حصہ یا اس کا (کچھ) حصہ باقی رہ گیا تو آپ بیدار ہوئے اور اٹھ بیٹھے۔ پھر آپ نے آسمان کی طرف نگاہ بلند کی اور یہ آیت پڑھی۔

ثُمَّ قَامَ إِلَى الْقِرْبَةِ فَأَطْلَقَ شِنَاقَهَا ثُمَّ صَبَّ فِي الْجَفْنَةِ ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوْءًا حَسَنًا بَيْنَ الْوُضُوْءَيْنِ لَمْ يُكْثِرْ وَقَدْ أَبْلَغَ فَقَامَ فَصَلّٰى فَقُمْتُ وَتَوَضَّأْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَّسَارِهٖ فَأَخَذَ بِأُذُنِيْ فَأَدَارَنِيْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ فَتَتَامَّتْ صَلٰوتُهٗ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ وَكَانَ إِذَا نَامَ نَفَخَ فَآذَنَهٗ بِلَالٌ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَكَانَ فِيْ دُعَائِهٖ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّمِيْنِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّسَارِيْ نُوْرًا وَّفَوْقِيْ نُوْرًا وَّتَحْتِيْ نُوْرًا وَّأَمَامِيْ نُوْرًا وَّخَلْفِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا وَّزَادَ بَعْضُهُمْ وَفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّذَكَرَ وَعَصَبِيْ وَلَحْمِيْ وَدَمِيْ وَشَعْرِيْ وَ

ختم سورۃ تک۔ بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں البتہ اہل عقل کے لیے نشانیاں ہیں پھر آپ کھڑے ہوئے اور ایک مشک کے پاس گئے اور اس کا منہ کھولا پھر ایک ٹب میں پانی ڈالا۔ پھر آپ نے دو وضوؤں کے درمیانی کا وضو کیا کہ آپ نے زیادہ پانی نہ بہایا مگر ہر عضو تک اچھی طرح پانی پہنچایا۔ پھر آپ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ میں بھی کھڑا ہوا اور وضو کیا اور آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا آپ نے میرے کان پکڑ کر مجھے اپنی دائیں جانب گھما دیا تو آپ کی تیرہ رکعت نماز مکمل ہو گئی۔ پھر آپ لیٹ گئے اور آپ کو نیند آ گئی۔ یہاں تک کہ آپ کے خراٹوں کی آواز آنے لگی اور یہ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب نیند طاری ہوتی تو آپ کے خراٹوں کی آواز آتی تھی۔ پھر حضرت بلال نے آکر آپ کو نماز کی اطلاع دی۔ تو آپ نے نماز پڑھی اور تازہ وضو نہ کیا۔ اور آپ کی دعا میں سے یہ کلمات تھے اے میرے اللہ میرے دل میں نور بھر دے اور میری آنکھوں میں اور کانوں میں نور ڈال دے۔ اور میرے دائیں اور

بَشَرِیْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا وَ اجْعَلْ فِيْ نَفْسِيْ نُوْرًا وَ اَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا وَ فِيْ اُخْرٰى لِمُسْلِمٍ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا۔

بائیں نور کر دے اور میرے اوپر میرے نیچے میرے آگے اور میرے پیچھے نور کر دے اور میرے پٹھوں کو نور کر دے اور میرے گوشت، میرے خون اور میرے بالوں اور چمڑے میں نور پیدا کر دے بخاری و مسلم۔ اور ان دونوں کی ایک دوسری روایت میں یہ لفظ آئے ہیں اور میری روح میں نور پیدا کر دے اور مجھے اعظم نور عطا فرما اور مسلم کی ایک دوسری روایت ہے اے میرے اللہ مجھے نور عطا کر۔

☆ ☆ ☆

۵۱ یعنی ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس زمانہ میں بچے تھے۔

۵۲ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ضرورت و مصلحت کے تحت عشاء کے بعد باتیں کرنا جائز ہے جیسا کہ باب اوقات الصلوٰۃ میں بھی گزرا۔

۵۳ بعض روایات میں لاتخلف المیعاد تک پانچ آیتیں پڑھنے کا ذکر آیا ہے سو کر اٹھنے کے بعد آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کے وقت بھی ان آیات کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے اور بعض روایات میں مسواک کے وقت بھی ان کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔

۵۴ اصل میں لفظ قربۃ آیا ہے۔ قاف کی زیر اور را ساکن یعنی مشک

۵۵ عربی میں لفظ شناق آیا ہے۔ شین کی زیر نون مخفف۔ آخر میں قاف یعنی ڈوری یا رسی جس کے ساتھ مشک کا منہ باندھتے ہیں۔

۵۶ اصل میں لفظ جفنۃ ہے جیم کی زبر فا ساکن اور نون یعنی بہت بڑا پیالہ (ٹب)

۵۷ یعنی آپ کے اس وضو میں نہ اسراف تھا اور نہ ہی ضرورت سے بھی کم پانی۔ یعنی آپ نے فضول پانی نہ بہایا جو حد اسراف کو پہنچ جائے اور نہ اتنا کم کہ اعضائے وضو کو تر و تازہ بھی کر سکے جیسا کہ فرمایا۔ لم یکثر وقد ابلغ۔

۵۸ یہ تیرہ رکعت نماز وتروں کے ساتھ ہوگی۔ سنت فجر کی دو رکعتیں اس کے علاوہ ہیں۔ اس طرح یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں آیا ہے کہ فجر کی دو سنتیں بھی ان تیرہ رکعت میں شامل ہیں۔ اور جب کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ رات کی نماز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مبارک مختلف تھا۔ اس لیے کبھی اتنی اور کبھی اتنی رکعات پڑھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز شب کا قطب و مدار حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی احادیث ہیں۔

۹ؔ اور یہ سانس کی نالی کے کشادہ ہونے اور قوائے جسمانی کے صاف اور سُدّہ وغیرہ سے محفوظ ہونے کی علامت تھی۔

۱۰ؔ اور اس بات کی اطلاع دی کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ سب نمازی حاضر ہیں اور مسجد میں جمع ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ اطلاع دینا اذان کی اطلاع دینے کے علاوہ ہے۔ اذان کی اطلاع آپ کو اس وقت دی جاتی تھی جب کہ دیر ہو رہی ہوتی تھی اور آپ گہری نیند سوئے ہوتے تھے۔

۱۱ؔ یعنی آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور سنتیں پڑھیں۔

۱۲ؔ یعنی نیند سے بیدار ہو کر تازہ وضو نہ کیا۔ کیونکہ نیند سے آپ کا وضو نہ ٹوٹتا تھا۔ جیسا کہ گزشتہ بیان میں معلوم ہوا۔

۱۳ؔ یعنی اس دعا کے کلمات جو آپ سنت فجر اور فرض کے درمیان پڑھتے تھے۔ اکثر مشائخ کا عمل اسی پر ہے اور تہجد کے بعد اس دعا کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس حدیث میں بھی اس دعا کو تہجد پر محمول کیا جائے اور اسے دعائے طویل کہتے ہیں۔ حضرت امام شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ نے عوارف میں فرمایا۔ ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس دعا کو اپنا ہمیشہ کا ورد بنایا مگر اس شخص نے جسے اللہ تعالےٰ نے برکت اور نور سے بہرہ ور فرمایا ہے اور لمبی دعا ہے اس کے آخر میں یہ کلمات ہیں اللھم فی قلبی نورا الی آخرہٖ

۱۴ؔ تاکہ ہر چہ سمت نور ایمان ویقین اور شہود الٰہی میرے شامل حال ہو جائے اور میرا سارا وجود نورانی ہو جائے بلکہ یہ نور مجھے ذات حق تعالےٰ میں فانی کر دے۔

۱۵ؔ یعنی ایسا نور جو دائرہ حواس و جہات سے باہر ہو۔

۱۶ؔ یعنی بعض راویوں نے وفی لسانی نورا کا اضافہ کیا۔ یعنی میری زبان میں نور پیدا کر دے تاکہ دوسروں کو جو نور شہود اور ما ستفاضہ اسرار وجود کرنا چاہتے ہیں میری نورانی زبان سے جو ابہام اور توہمات کی ظلمت سے محفوظ ہے، تعبیر کر دوں۔ اور وحی والہام کے نور کی تائید سے جو اوہام کا ذرہ کی معمولی سی ملاوٹ سے بھی پاک ہے۔ لوگوں کو راہ راست کی ہدایت کروں۔

۱۷ؔ بعض نے اس طرح روایت کی اَجْعَلْ فِیْ عَصَبِیْ نُوْرًا۔ وشعری نورًا۔ وبشری نورًا۔ یعنی میرے پٹھوں میں نور ڈال دے۔ میرے گوشت میں نور پیدا کر دے۔ میرے خون میں نور بھر دے۔ میرے بالوں میں نور ڈال دے اور میرے چمڑے میں نور بھر دے۔

۱۸ؔ نفس روح حیوانی سے عبارت ہے جو روح اور جسم کے درمیان برزخ و پردہ ہے اور نور و لطافت اور ظلمت و کدورت کے وسط میں ہے۔ تاکہ میری روحانیت نور احکام سے متصف ہو جائے اور نورانیت کی بہت غالب آ جائے اور خیر و طاعت میں ہی اضافہ ہو۔ جیسا کہ فرمایا واعظم لی نورًا یعنی میرے لیے نور عظیم پیدا کر دے۔

۱۹ اس فقرے میں گذشتہ تمام تفصیلات کو مجملاً بیان کر دیا۔ یعنی اے اللہ اپنی نورانیت سے وہ حصہ عطا کر جس سے میرا ظاہر اور باطن۔ میرا جسم روح۔ زیر و زبر پیش و پس اور میرا دایاں بایاں پوری طرح روشن منور ہو جائے یہاں تک کہ میں اس طرح ہو جاؤں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے

اندر دونم نمے روی بیروں
گر گرفتی درون و بیروں را

ترجمہ۔ تو میرے باطن سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اگرچہ تو میرے ظاہر و باطن کو اپنی گرفت میں لے لے۔
اور جب کہ نور خاص اسم الٰہی اور اس کی ذات مقدس کا مصداق ہے تو کسی نے اس دعا کا ماحصل اور خلاصہ بیان کرتے ہوئے یوں کہا۔ ع

سرتاپایم فدائے سرتاپایت
یعنی میں سر سے پاؤں تک تیرے سرتاپاؤں پر فدا اور قربان ہوں

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

۱۱۲۸/۹ وَعَنْهُ اَنَّهٗ رَقَدَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَيْقَظَ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّاَ وَهُوَ يَقُوْلُ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ اَطَالَ فِيْهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّاُ وَيَقْرَاُ هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی یہ روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو گئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے مسواک کی اور وضو کیا اور یہ پڑھتے ہوئے وضو کیا۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ختم سورۃ تک پھر آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعتیں پڑھیں۔ ان دونوں رکعتوں میں قیام، رکوع اور سجدہ لمبا کیا پھر فارغ ہوئے اور سو گئے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے پھر آپ نے تین بار اسی طرح کیا کہ آپ ہر بار مسواک کرتے، وضو فرماتے، اور یہ آیات پڑھتے پھر آپ نے تین رکعت وتر ادا کیں۔

لے ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ بھی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر پیش آیا کہ حضرت ابن عباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی سو گئے۔

؎۲ اس حدیث میں دلیل ہے کہ وتر تین رکعت شروع ہیں۔ بہت سی روایات میں نماز وتر ایک رکعت بھی آئی ہے شافعی حضرات نے اس بارے میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور تین رکعت وتر کے قول کو ضعیف کہا ہے۔ حالانکہ تین رکعت وتر کے ثبوت میں احادیث اور آثار صحیحہ ہیں۔ حق یہ ہے کہ وتر تین رکعت ہیں یا ایک رکعت علمائے صحابہ اور ان کے بعد کے علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ جیسا کہ باب الوتر میں آرہا ہے۔ پھر یہ اختلاف اولیٰ اور افضل میں ہے یعنی تین رکعت وتر پڑھنا افضل اور اولیٰ ہے یا ایک رکعت پڑھنا۔ ورنہ کسی کے نزدیک بھی تین رکعت وتر پڑھنا ممنوع نہیں

۱۱۲۹/۱۰ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ اَنَّهٗ قَالَ لَاَرْمُقَنَّ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَةَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ اَوْتَرَ فَذٰلِكَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَوْلُهٗ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ هٰكَذَا فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَاَفْرَادِهٖ مِنْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَمُوَطَّاِ مَالِكٍ وَسُنَنِ اَبِيْ دَاؤُدَ وَجَامِعِ الْاُصُوْلِ۔

حضرت زید بن خالد جہنی؎۱ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں؎۲ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز ضرور دیکھوں گا تو آپ نے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں۔ پھر دو رکعتیں دراز دراز دراز پڑھیں؎۳۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی دو سے ہلکی تھیں۔ پھر دو رکعتیں جو پہلی دو سے ہلکی تھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان پہلی دو سے ہلکی تھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان پہلی دو سے ہلکی تھیں؎۴۔ پھر وتر پڑھے۔ یہ تیرہ رکعتیں ہوئیں؎۵۔

اسے مسلم نے روایت کیا اس قول تک کہ پھر دو رکعتیں پڑھیں اور وہ دونوں اپنی پہلی رکعتوں سے کم تھیں۔ چار؎۶ بار۔ یوں ہی صحیح مسلم؎۷ میں کتاب حمیدی کے افراد؎۸ میں موطا امام مالک سنن ابو داؤد اور جامع الاصول؎۹ میں ہے۔

؎۱ جیم کی پیش اور ہا کی زبر۔ حضرت زید مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہ، حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابو سلمہ، عطا ابن ابی یسار وغیرہ احادیث روایت کرتے ہیں۔

۱؎ ۵۰ھ میں کوفہ میں فوت ہوئے۔

۲؎ یعنی اپنے آپ سے کہا۔

۳؎ یعنی بہت ہی لمبی

۴؎ تو یہ پانچ دوگانے ہوئے۔ اس ترتیب سے کہ ہر بعد دوگانہ پہلے دوگانہ سے ہلکا تھا۔

۵؎ اگر دو ہلکی رکعتوں کو اس نماز میں شامل نہ سمجھا جائے تو پھر یہ حدیث تین رکعت وتر پر مبنی ہوگی اور اگر شامل قرار دیا جائے تو اس صورت میں وتر ایک رکعت ہوں گے۔ پہلی معنی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ ہلکی دو رکعتیں تحیۃ الوضو کے دو نفل ہوتے تھے۔ نہ کہ رات کی نماز۔

۶؎ یعنی مؤلف نے کہا کہ قول ثم صلی رکعتین وہما دون اللتین قبلہما اربع مرات۔ یعنی یہ قول چار بار ہے جس کا مجموعہ آٹھ رکعت بنتا ہے اور پہلی دو رکعتوں کے ساتھ جو بہت لمبی تھیں، دس رکعتیں بنتی ہیں۔

۷؎ اور کتاب حمیدی میں جس میں صحیحین کی حدیثوں کو جمع کیا اور افراد مسلم میں۔ اور اس میں تین قسم کی احادیث ہیں۔ ایک وہ جو بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہیں جنہیں دونوں نے روایت کیا۔ دوسری وہ جس میں بخاری اکیلے ہیں۔ اور امام بخاری اس سے مخصوص ہیں اور اس کی روایت کرتے ہیں وہ متفرد ہیں۔ تیسری قسم وہ کہ اس میں امام مسلم اکیلے ہیں۔ اور وہ اس کی روایت میں متفرد ہیں۔ امام بخاری نے انہیں روایت نہیں کیا۔ پس صحیح مسلم کے متن میں یہ عبارت چار دفعہ واقع ہوئی اور کتاب حمیدی میں بھی ایسا ہی ہے

۸؎ جامع الاصول وہ کتاب ہے جس میں صحاح ستہ کی احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اور یہ مبالغہ آمیز کلام مؤلف کی جانب سے صاحب مصابیح پر ایک طرح کا اعتراض ہے کہ اس نے اس قول کو تین بار ذکر کیا جس کا مجموعہ گیارہ رکعت تھیں بعض شارحین نے یہ توجیہ کی ہے کہ تین بار لفظ طویلتین طویلتین طویلتین چھ رکعت پر محمول ہے اور ان میں حرف عطف محذوف ہے۔ دو ہلکی رکعتیں اس سے خارج ہیں اور وتر ایک رکعت پڑھا اس توجیہ کے مطابق تیرہ رکعت نہیں۔ مگر اس توجیہ میں تکلف پایا جاتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ لفظ طویلتین کا تکرار تاکید اور تطویل میں مبالغہ کے بیان کے لیے ہے جیسا کہ [illegible]

۱۱۳۰
۱۱

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ لَمَّا بَدَّنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَقُلَ كَانَ اَكْثَرُ صَلٰوتِهٖ جَالِسًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھاری بدن کے ہو گئے اور بوجھل ہو گئے تو آپ کی زیادہ تر نماز بیٹھ کر ہوتی تھی۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی جب ضعف پیری کی وجہ سے آپ تن دار ہو گئے اور بڑھاپے کے باعث آپ کو اپنا جسم مبارک بھاری محسوس ہونے لگا۔

۲؎ یعنی نماز شب یا مطلق نوافل آپ بیٹھ کر ادا کرتے تھے۔ واضح ہو کہ لفظ بَدَّنَ دال مخفف اور اس کی پیش

سے روایت کیا گیا ہے اور یہ بدانت سے مشتق ہے بمعنی فربہ پن اور جسم کا بوجھل ہونا۔ یہ لفظ دال کی زبر اور شد سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ یہ تبدین سے مشتق ہے بمعنی بڑھاپا۔ بعض علماء نے اس روایت کو زیادہ پسند کیا ہے۔ کیونکہ آپ کے حلیہ شریف کے بیان میں علماء نے یوں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معتدل الخلق (معتدل وجود والے) اور چھریرے بدن والے تھے۔ اور فربہ اس کے منافی ہے۔ بعض علماء نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔ حضرت عائشہ کی حدیث کی وجہ سے اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے۔ فَلَمَّا اَسَنَّ وَاَخَذَ اللَّحْمَ۔ (جب آپ معمر ہو گئے اور گوشت بڑھ گیا) گوشت کا اعتدال کے طور پر بڑھنا اعتدال پر پیدا ہونے اور جسم کے سڈول ہونے کے منافی نہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۱۳۱/۱۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِیْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرُنُ بَيْنَهُنَّ فَذَكَرَ عِشْرِيْنَ سُوْرَةً مِنْ اَوَّلِ الْمُفَصَّلِ عَلٰى تَاْلِيْفِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ سُوْرَتَيْنِ فِیْ رَكْعَةٍ اٰخِرُهُنَّ حٰمٓ الدُّخَانِ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں ایک دوسری سے ملتی جلتی[1] سورتوں کو خوب جانتا ہوں جنہیں آپ ایک دوسری سے ملاتے تھے تو حضرت ابن مسعود نے اپنی تالیف کے مطابق اول مفصل[2] سے لے کر بیس سورتوں کا ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھتے تھے ان بیس میں آخری یہ دو سورتیں تھیں حٰمٓ الدخان اور عم یتساءلون[3] (بخاری و مسلم)

[1] یعنی جو سورتیں قدر و منزلت اور لمبی چھوٹی ہونے میں ایک دوسری کی نظیر اور مثل تھیں۔ آپ ان کو ایک دوسری سے ملا کر پڑھتے تھے۔

[2] مفصل کا مطلب باب القراءت میں بیان ہو چکا ہے کہ قول مشہور کے مطابق سورہ حجرات سے تا آخر قرآن مفصل سورتیں ہیں مگر یہ سورتیں جو ایک دوسری کی نظیر و مثل ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جمع و تالیف قرآن کے مطابق ہیں۔ بعض صحابہ نے بعض مصلحتوں کے تحت قرآن پاک کی ایک خاص ترتیب بنا رکھی تھی۔ جیسے حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے جمع کیا تھا۔ علماء یہ کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی قرآن پاک کے نزول کے موافق ایک ترتیب دے رکھی تھی۔ اس ترتیب سے ناسخ و منسوخ کا پتہ چل جاتا تھا۔ مگر اس کے بعد جب ثابت ہو گیا کہ قرآن پاک کی ترتیب وحی کے مطابق ہے۔ اور قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اور یہ کہ حضرت جبریل نازل کرتے وقت کہتے تھے کہ اس سورت کو فلاں سورت کے بعد رکھا جائے اور اس آیت کو فلاں جگہ اور اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا اور صحابہ کے اتفاق سے عثمانی مصاحف لکھ کر تیار ہو گئے۔ تو پھر کسی اختلاف و اشتباہ کی گنجائش نہ رہی۔ اور آپ ایک دوسری سے ملتی جلتی سورتوں کو جو ملاتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دو سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے۔

۵۳ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وہ بیس سورتیں اس ترتیب سے ذکر کی ہیں جو امام سیوطی کی تفسیر اتقان میں بیان کردہ ترتیب کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۱۱۳۲ / ۱۳ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فَكَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثَلٰثًا ذُو الْمَلَكُوْتِ وَ الْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَ الْعَظَمَةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَاَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهٗ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهٖ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ فَكَانَ قِيَامُهٗ نَحْوًا مِّنْ رُكُوْعِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُوْدُهٗ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهٖ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ وَكَانَ يَقْعُدُ فِيْمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِّنْ سُجُوْدِهٖ وَكَانَ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَاَ فِيْهِنَّ الْبَقَرَةَ وَ اٰلَ عِمْرَانَ وَ النِّسَآءَ وَ الْمَآئِدَةَ اَوِ الْاَنْعَامَ شَكَّ شُعْبَةُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

دوسری فصل

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ تین بار فرماتے تھے اللہ بڑا ہے ملکوت جبروت اور کبریائی والا ہے۔ پھر نماز شروع کی تو سورہ بقرہ پڑھی پھر رکوع کیا تو آپ کا رکوع آپ کے قیام کے مثل تھا۵۴۔ اپنے رکوع میں سبحان ربی العظیم کہتے تھے۵۵ پھر رکوع سے سر مبارک اٹھایا تو آپ کا قومہ رکوع کی مثل تھا۵۶ فرماتے تھے۔ ربی الحمد میرے رب کے لیے حمد و ثنا ہے۵۷۔ پھر سجدہ کیا۔ تو آپ کا سجدہ قومہ کی مثل تھا۔ اپنے سجدہ میں فرماتے تھے سبحان ربی الاعلیٰ۔ پھر سجدہ سے سر اٹھایا۔ اور آپ دو سجدوں کے درمیان سجدے کی مثل ہی بیٹھتے تھے۔ اور کہتے تھے مولیٰ مجھے بخش دے۵۸ اور آپ نے چار رکعتیں پڑھیں جن میں آل عمران، نساء، مائدہ، یا انعام پڑھیں، شک شعبہ کو ہے۵۹۔

(ابوداؤد)

۱؎ یعنی تین بار اللہ اکبر کہا۔ پھر ذوالملکوت والجبروت والکبریاء والعظمۃ کے الفاظ پڑھے۔ ملکوت ملک کا مبالغہ ہے جبروت جبر بمعنی قہر وغلبہ کا صیغہ مبالغہ ہے۔ یہ صیغہ مبالغہ کے معنی میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے رحموت۔ رہبوت اور کبریا اور عظمت دونوں قریب المعنیٰ ہیں اور اگر ایک کو ذات پر اور دوسرے (عظمت) کو صفات پر عمل کیا جائے تو یہ بھی درست ہے۔

۲؎ یعنی پھر آپ نے دعائے استفتاح سبحانک اللھم پڑھی اور شروع نماز کی دعائیں گذشتہ باب مایقرء بعد التکبیر میں گزر چکی ہیں۔

۳؎ یعنی لمبائی میں۔ کہ جس طرح قیام کو مقررہ عادت کی مقدار سے تلاوت کی درازی سے دراز کیا رکوع کو بھی ذکر و تسبیح کے ذریعہ قیام کی مقدار دراز کیا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ قیام و رکوع فی الحقیقت درازی میں برابر تھے۔ بلکہ درازی میں ایک دوسرے کے نزدیک تھے۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ بعض اوقات دونوں برابر بھی ہوتے تھے۔ جیسا کہ نسائی نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا۔ ہم نے شرح میں اسے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۴؎ روایات میں اس کے علاوہ اور اذکار اور دعائیں بھی آئی ہیں۔

۵؎ یعنی لمبائی اور درازی میں قومہ رکوع کی طرح تھا۔

۶؎ یہ الفاظ آپ نے مکرر پڑھے۔ اس کے علاوہ اور اذکار بھی آتے ہیں۔

۷؎ بعض روایات میں اس سے زائد کلمات میں آئے ہیں۔ جیسا کہ باب السجود میں گزرا۔

۸؎ یعنی یہ شعبہ کو شک ہے جو حدیث کا راوی ہے کہ چوتھی رکعت میں سورۃ مائدہ پڑھی یا سورۃ انعام۔

۱۱۴۳/۱۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَامَ بِعَشْرِ اٰيَاتٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ اٰيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِاَلْفِ اٰيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقَنْطِرِيْنَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات کی نماز میں دس آیات پڑھتا ہے وہ غافلوں میں نہیں لکھا جاتا۔[۱] اور جو شخص سو آیات کے ساتھ قیام اللیل کرتا ہے وہ اطاعت گزار لوگوں میں لکھا جاتا ہے۔[۲] اور جو رات کی نماز میں ایک ہزار آیت پڑھتا ہے اس کا نام عظیم ثواب حاصل کرنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔[۳] (ابو داؤد)

۱؎ یعنی دو رکعت یا گیارہ رکعت میں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ آیات سورۃ فاتحہ کے علاوہ ہیں۔ یعنی صرف دس آیات پڑھنے کی مقدار رات کو اٹھ کر نماز میں پڑھنے کا فائدہ یہ ہے کہ ایسا کرنے والے سے غفلت کا نام اٹھا لیا جاتا ہے۔ اور

اسے غفلت کے نام سے موسوم نہیں کیا جاتا اور اسے غفلت کی پستی سے نکال لیا جاتا ہے اور یہ سب سے کم درجہ ہے۔
؎۲ قانتین یعنی اطاعت کرنے والے اور خدا تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کرنے والے اور نماز کو دراز کرنے والے۔ یہ درمیانہ درجہ ہے۔ قانتین قنوت سے مشتق ہے یعنی طاعت طول قیام اور خشوع و خضوع۔
؎۳ اور ان لوگوں کی طرح ہوتا ہے جو بہت سامان و اسباب حاصل کر لیتے ہیں۔ قنطار مال کثیر کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قنطار کا لفظ کم از کم ستر ہزار دینار پر بولا جاتا ہے۔ اور یہ ثواب کا اعلیٰ درجہ ہے۔ اس سے بھی بلند بہت سے درجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ مدارج عطا کرے۔

۱۱۳۴/۱۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَتْ قِرَآءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ طَوْرًا وَّ يَخْفِضُ طَوْرًا (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت اس طرح ہوتی تھی کہ کبھی آپ آواز بلند کرتے کبھی پست کرتے تھے؎۱ (ابوداؤد)

؎۱ یعنی تقاضائے وقت کے مطابق۔ علماء نے کہا ہے کہ اگر آپ تنہا نماز پڑھ رہے ہوتے تو بلند آواز سے پڑھتے اور اگر وہاں کوئی سویا ہوتا تو پھر پست آواز سے پڑھتے۔

۱۱۳۵/۱۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ قِرَآءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَدْرِ مَا يَسْمَعُهُ مَنْ فِي الْحُجْرَةِ وَهُوَ فِي الْبَيْتِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنی بلند قراءت فرماتے کہ حجرہ میں بیٹھا ہوا آدمی آپ کی آواز سن لیتا تھا جب کہ آپ مکان کے اندر پڑھ رہے ہوتے تھے۔ (ابوداؤد)

؎۱ حجرہ کی تفسیر صحن خانہ اور دیوان خانہ سے کی گئی ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ حجرہ اور بیت سے ایک ہی جگہ مراد ہے یعنی جب آپ گھر کے صحن کے اندر پڑھتے تو گھر میں پاس بیٹھنے والا آپ کی قراءت سنتا تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جب آپ نماز مسجد میں ادا کرتے تو مسجد کے باہر تک آپ کی آواز جاتی تھی۔

۱۱۳۶/۱۷ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً فَاِذَا هُوَ بِاَبِیْ بَكْرٍ يُصَلِّیْ وَهُوَ يَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهٖ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَهُوَ يُصَلِّیْ رَافِعًا

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات باہر نکلے تو آپ کا آمنا سامنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ صدیق اکبر آہستہ آواز سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر کے پاس سے گزرے

صَوْتَهٗ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ رَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّيْطَانَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا بَكْرٍ ارْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اَخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ)

اور وہ بلند آواز سے قراءت کر رہے تھے حضرت ابوقتادہ کہتے ہیں جب دونوں حضرات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر میں تیرے قریب سے گزرا تو نماز میں پست آواز سے قرآن پڑھ رہا تھا[1]۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ میں اُس ذات کو سنوا رہا تھا جسکے حضور مناجات کر رہا تھا[2] اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا میں تیرے قریب سے گزرا تو نماز میں بلند آواز سے قراءت کر رہا تھا[3] حضرت عمر نے عرض کیا میں سونے والوں[4] اور غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو بیدار کرتا ہوں اور شیطان کو دفع کرتا ہوں[5]، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا اے ابوبکر تو اپنی آواز ذرا اونچی کر اور حضرت عمر سے فرمایا تو اپنی آواز قدرے پست کر[6]۔ ابوداؤد اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کی۔

[1] کہ تو نے اپنی آواز کس لیے اتنی پست کر رکھی ہے۔

[2] اور جس سے راز و نیاز کی باتیں کر رہا ہوں۔

[3] کہ تیرے بلند آواز سے پڑھنے کا کیا سبب و باعث ہے۔

[4] جو عبادت کے وقت بیدار نہیں ہوتے مگر بیدار ہونا چاہتے ہیں نیند کی گرانی اور ابلیس کی مداخلت انہیں بیدار نہیں ہونے دیتی۔

[5] تاکہ وہ قرآن پاک سننے سے بھاگ جائے اور وہ وائرہ وسواس کے گرد نہ گھوم سکے۔ شیطان تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سایہ سے بھی بھاگتا تھا اور جب آپ قرآن پڑھ رہے ہوتے تھے تو اس وقت ابلیس اس مکان کے قریب بھی نہ آ سکتا تھا۔ ان دونوں بزرگوں نے اپنی اپنی نیت بیان کی دونوں کا مقصد و موقف درست ہے۔ جیسا کہ علماء فرماتے ہیں۔ جب کوئی شخص پاس نماز پڑھ رہا ہو تو بلند آواز سے ذکر نہ کرنا چاہیے اور نہ قرآن بلند آواز سے پڑھنا چاہیے۔ مگر سوئے ہوئے آدمی کے پاس بلند آواز سے پڑھنا چاہیے۔ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ غفلت میں پڑے ہوئے بیدار ہو جائیں۔ میں نے بعض مشائخ کرام سے سنا ہے جو آدمی نمازی ہو اور اتفاق سے سویا ہوا ہو اسے نماز کے لیے جگانا چاہیے اور جو ایسا نہ ہو اسے نہ جگانا چاہیے۔ تاکہ اس

ایک گھڑی میں نماز کا مکلف نہ ہو سکے دور صحابہ کے تمام لوگ نماز کے پابند تھے اور اس بارے میں پوری کوشش سے کام لیتے تھے۔

۵۶ یہ وسط و اعتدال کے طریقہ پر چلنے کی ہدایت ہے۔ اور اس عادت کو تبدیل کرنے کا حکم ہے جسے ان حضرات نے اختیار کیا ہوا تھا۔ جیسا کہ مریدین کے بارے میں مرشدین کاملین کا طریقہ اور تصرف ہوتا ہے۔

۱۱۳۷/۱۸ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَصْبَحَ بِاٰیَةٍ وَ الْاٰیَةُ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَ اَبْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات ایک ہی آیت کا تکرار کرتے رہے یہاں تک کہ صبح کر دی۱ ۔ اور وہ یہ آیت تھی۲ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ اگر تو انکو عذاب دے تو بیشک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر نہیں تو بخش دے تو بیشک تو غالب حکمت والا ہے (ترمذی و ابن ماجہ)

۱ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی آیت کے ساتھ صبح تک قیام لیل کیا۔ کہ نماز میں اس ایک آیت کا تکرار اور اس میں تدبر کرتے رہے۔ بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ اس میں دلالت ہے کہ قیام میں سورۃ فاتحہ کا تکرار نماز کو باطل نہیں کرتا اور نہ ایک ہی آیت کے تکرار سے نماز میں کوئی ضرر و نقصان لاحق ہوتا ہے۔ بلکہ نشاط و خوشی کے وقت ایسا کرنا مستحب ہے میں نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ بعض اوقات اہدنا الصراط تا آخر سورت طبیعت کو اچھا لگتا اور ذوق عطا کرتا ہے۔ ایسے وقت میں کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا فرض نماز میں ایسا نہ کرنا چاہیے نفل نماز میں ایسا کرنے کا اختیار ہے۔

۲ یعنی وہ آیت جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات پڑھتے رہے، یہ تھی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ ۔ الی آخر یہ آیت دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کے بارے میں قول ہے کہ آپ نے درگاہ حق تعالیٰ میں عرض کیا کہ اگر تو ان کو عذاب میں مبتلا کرے تو وہ تیرے بندے ہیں کیا کر سکتے ہیں اور اپنی کرتا ہیوں کی بنا پر اس کے مستحق ہیں اور تیری رحمت و مغفرت کے لائق ۔۔۔ اور اگر ان کے مستحق عذاب ہونے کے باوجود تو ان کو بخش دے تو تو غالب ذات ہے کسی کی کیا مجال ہے کہ تجھے کہہ سکے کہ تو نے ایسا کیوں اور کیا کیا ہے۔ اس میں ضرور کوئی حکمت و مصلحت ہوگی۔ گویا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدرگاہ عزت میں اپنی امت کا حال عرض کیا اور ان کے لیے مغفرت چاہی۔

۱۱۳۸/۱۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمْ رَكْعَتَیِ الْفَجْرِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی فجر کی دو رکعت سنت پڑھ لے تو اپنے

فَلْيَضْطَجِعْ عَلٰى يَمِيْنِهٖ - دائیں پہلو پر سو جائے[1]

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ) (ترمذی، ابوداؤد)

[1] اس حدیث کی شرح گزر چکی ہے۔ اس حدیث میں ایسا کرنے کا حکم وارد ہوا ہے۔ اسی وجہ سے بعض اہل ظواہر اسے واجب قرار دیتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۱۱۳۹/۲۰ عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ اَيُّ الْعَمَلِ كَانَ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ اَلدَّائِمُ قُلْتُ فَاَيَّ حِيْنٍ كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَتْ كَانَ يَقُوْمُ اِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ - (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے محبوب عمل کونسا تھا فرمایا وہ عمل جو ہمیشہ کیا جائے[1] میں نے عرض کیا آپ رات کس وقت اٹھتے تھے فرمایا جب آواز دینے والا (مرغ) آواز دیتا[2] تو اٹھ کھڑے ہوتے۔ (بخاری و مسلم)

[1] اور جس پر عمل کرنے والا ہمیشگی کرے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اگرچہ وہ قلیل عمل ہی ہو۔

[2] علماء نے کہا ہے کہ مرغ کی عادت ہے کہ وہ نصف شب کے بعد یا اس کے قریب بانگ دیتا ہے شاید یہ اختلاف مرغ کے مختلف علاقوں کے اختلاف کے باعث ہوتا ہو۔ اور ہمارے بلاد ہندوستان و پاکستان میں غالب طور پر مرغ رات کے تیسرے حصے کے آخر میں بلکہ رات کے آخری چھٹے حصے میں بانگ دیتا ہے۔

۱۱۴۰/۲۱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا كُنَّا نَشَاءُ اَنْ نَرٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اللَّيْلِ مُصَلِّيًا اِلَّا رَاَيْنَاهُ وَلَا نَشَاءُ اَنْ نَرَاهُ نَائِمًا اِلَّا رَاَيْنَاهُ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں نماز پڑھتا ہوا دیکھیں مگر آپ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے اور ہم نہ چاہتے تھے کہ آپ کو سویا ہوا دیکھیں مگر آپ کو سویا ہوا پاتے تھے[1] (نسائی)

[1] یعنی آپ رات کو نیند بھی کرتے اور قیام بھی۔ نہ ساری رات سوتے نہ ساری رات بیدار رہتے۔ لہذا ہم آپ کو سویا ہوا بھی پاتے اور عبادت کرتا ہوا بھی۔

۱۱۴۱/۲۲ وَعَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ

حضرت حمید[1] بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ وَاَنَا فِيْ سَفَرٍ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللهِ لَاَرْقُبَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلٰوةِ حَتّٰى اَرٰى فِعْلَهٗ فَلَمَّا صَلّٰى صَلٰوةَ الْعِشَاءِ وَهِيَ الْعَتَمَةُ اضْطَجَعَ هَوِيًّا مِّنَ اللَّيْلِ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَنَظَرَ فِي الْاُفُقِ فَقَالَ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا حَتّٰى بَلَغَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ثُمَّ اَهْوٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَاسْتَلَّ مِنْهُ سِوَاكًا ثُمَّ اَفْرَغَ فِيْ قَدَحٍ مِّنْ اِدَاوَةٍ عِنْدَهٗ مَاءً فَاسْتَنَّ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى حَتّٰى قُلْتُ قَدْ صَلّٰى قَدْرَ مَا نَامَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى قُلْتُ قَدْ نَامَ قَدْرَ مَا صَلّٰى ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَفَعَلَ كَمَا فَعَلَ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ فَفَعَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَبْلَ الْفَجْرِ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

کے صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے سوچا حالانکہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا کہ قسم خدا کی میں نماز کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھوں گا[۲] حتی کہ آپ کا عمل دیکھ لوں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا یعنی عتمہ[۳] پڑھ لی، تو کافی رات تک لیٹے رہے پھر جاگے تو کنارہ آسمان میں نظر فرمائی پھر کہا ہمارے رب تو نے اسے بیکار پیدا نہ کیا۔ یہاں تک کہ لا تخلف المیعاد تک پہنچ گئے[۴] پھر اپنے بستر کی طرف جھکے، وہاں سے مسواک نکالی[۵] پھر اس برتن سے جو آپ کے پاس رکھا تھا پانی پیالے میں انڈیلا پھر مسواک کی پھر کھڑے ہوئے نماز پڑھتے رہے حتی کہ میں نے سوچا کہ آپ نے سونے کے بقدر نماز پڑھ لی۔ پھر لیٹ گئے حتی کہ میں نے کہا کہ آپ بقدر نماز سوئے پھر بیدار ہوئے تو جیسا پہلی بار کیا تھا ویسا ہی کیا اور جو پہلے فرمایا تھا ویسا ہی فرمایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر سے پہلے یہ کام تین بار کیا۔

(نسائی)

[۱] حمید حاکی بیٹے۔ آپ اکابر تابعین سے ہیں۔

[۲] یعنی میں چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھوں۔ اس میں غور کروں اور اسے محفوظ رکھوں۔

[۳] یعنی وہ نماز عشا جسے عتمہ کہتے ہیں۔ یہ لفظ مغرب کی نماز سے احتراز کے لیے ہے کہ اسے بھی عشا کہا جاتا ہے

اول زمانہ میں عرب کے دیہاتی مغرب کو عشاء اور عشاء کو عتمہ یعنی تاریکی کہتے تھے۔ اس کے بعد عشاء کو عتمہ کہنے سے روک دیا گیا۔ اس معنی کی تحقیق باب اوقات صلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔

سکے اصل میں لفظ ہَوِیًّا آیا ہے۔ ھا کی زبر واؤ کی زیر یا اور یا کی تشدید یعنی زمانہ طویل۔ بعض نے کہا یہ لفظ رات کے ساتھ خاص ہے۔

ھہ یعنی آسمان میں اور اکثر روایات میں فی السماء کا لفظ واقع ہوا ہے اور اس روایت میں افق کا ذکر گویا اس بنا پر آیا ہے کہ ستارے افق میں اور اس کے قریب زیادہ روشن اور تاباں دکھائی دیتے ہیں۔

سلہ دوسری روایات میں آتا ہے کہ آپ اس آیت کی ابتداان فی خلق السموات والارض سے کرتے تھے اور آخر سورۃ یالا تخلف المیعاد تک پڑھتے تھے۔

ےہ اصل عربی میں لفظ سَلّ آیا ہے۔ یعنی کسی چیز کو نرمی سے کھینچنا۔ جس طرح شمشیر کو نیام سے نکالتے ہیں۔

۱۱۳۲/۲۳ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ اَنَّهٗ سَأَلَ اُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلٰوتِهٖ فَقَالَتْ وَمَا لَكُمْ وَصَلٰوتَهٗ كَانَ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَ مَا صَلّٰى حَتّٰى يُصْبِحَ ثُمَّ نَعَتَتْ قِرَاءَتَهٗ فَاِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُّفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ۔

حضرت یعلیٰؔ بن مملک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت اور نماز کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا کہ تمہیں ان کی نماز سے کیا نسبت[۲]۔ آپ نماز پڑھتے تھے، پھر نماز کے بقدر سوتے تھے، پھر سونے کے بقدر نماز پڑھتے تھے پھر نماز کے بقدر سوتے تھے۔ حتیٰ کہ صبح کرتے پھر آپ کی قراءت بیان کی[۳] تو ایسی قراءت کرنے لگیں کہ ایک ایک حرف صاف جدا جدا کر کے

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

لہ یا کی زبر عین ساکن، لام پر زبر۔ مملک پہلی میم کی پیش دوسری میم ساکن لام کی زبر۔ یعلی بن مملک طبقہ ثالثہ میں سے اور تابعین میں سے ہیں۔

سلہ یعنی تمہارا آپ کی نماز سے کیا کام اور آپ کی نماز کے بارے میں تم کیا پوچھتے ہو اور آپ کی نماز کی طرح تم لوگ کس طرح نماز پڑھ سکتے ہو۔ بعض شارحین کہتے ہیں کہ اس کلمہ سے حضرت ام سلمہ کی مراد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آنے پر آپ کے حالات کو یاد کر کے ان پر حسرت اور افسوس کا اظہار ہے۔ پھر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی نماز کا ذکر فرمایا جو اہم اور افضل ہے۔

۵۳ اور اس کی کیفیت بیان فرمانے لگیں۔

بَابُ مَا یَقُوْلُ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّیْلِ

جب رات میں اٹھے تو کیا پڑھے

یعنی ان اذکار و دعاؤں کا باب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائم اور ہمیشہ اور تمام اوقات و حالات میں پڑھتے تھے خصوصًا قیام لیل میں جو اوقات و حالات میں افضل اور رحمت ربانی اور انوار رحمانی کے چمکنے اور قربت و اجابت کے آثار کے ظہور اور نور و حضور کے ظاہر ہونے کا وقت و موقعہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۱۴۳ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَ وَعْدُكَ الْحَقُّ وَ لِقَاۤؤُكَ حَقٌّ وَ قَوْلُكَ حَقٌّ وَ الْجَنَّةُ حَقٌّ وَ النَّارُ حَقٌّ وَ النَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَ مُحَمَّدٌ حَقٌّ وَ السَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَ بِكَ اٰمَنْتُ وَ عَلَيْكَ

پہلی فصل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں تہجد پڑھنے کے لیے اٹھتے تو کہتے الٰہی تیرے لیے حمد ہے تو آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر والوں کا قائم رکھنے والا ہے۔ تیرے لیے ہی حمد ہے۔ تو آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر والوں کا نور ہے اور تیری ہی حمد ہے تو آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر والوں کا بادشاہ ہے۔ اور تیری ہی حمد ہے تو حق ہے اور تیرا وعدہ حق ہے۔ تجھ سے ملنا حق ہے اور تیری بات حق ہے۔ جنت حق ہے۔ دوزخ حق ہے نبی حق ہیں۔ جناب محمد حق ہیں۔ قیامت حق ہے۔ اے اللہ تیرے لیے میں اسلام لایا۔ تجھ پر میں ایمان لایا اور تجھ پر میں نے بھروسہ کیا اور تیری طرف میں نے رجوع کیا۔ تیرے بھروسے پر میں کفار سے

تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

لوٹتا ہوں[۵] اور تجھ سے فیصلہ چاہتا ہوں[۶]۔ میرے اگلے پچھلے چھپے کھلے بخش دے اور وہ بخش جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ تو ہی آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے ہٹانے والا ہے[۱۲]۔ تو ہی معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں[۱۳]۔

(بخاری و مسلم)

[۱] یعنی جب آپ رات کے بعض حصے میں نماز تہجد کے لیے اُٹھتے۔ لغت میں ہجود اور تہجد کا لفظ نیند اور بیداری دونوں معنوں کے لیے آتا ہے مگر اس کے بعد اس کا استعمال زیادہ تر اس نماز کے لیے ہونے لگا جو نیند سے بیدار ہو کر پڑھی جاتی ہے۔ بعض نے تہجد کا معنیٰ نیند ترک کرنے کا کیا ہے جس طرح لفظ تاثم کا معنیٰ ہے اثم (گناہ) کو چھوڑ دینا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز تہجد کے لیے اُٹھتے تو یہ دعا پڑھتے۔

[۲] اور جو ان دو نوع کے اندر ہیں یعنی ملائکہ، جنات اور انسان۔ یعنی تو ہی مخلوق کی حفاظت کا ذمہ دار اور ان کے امور کا مدبر اور انہیں قائم رکھنے والا ہے کہ اگر ایک سانس کے لیے بھی اس فیض کے حصول کا سلسلہ بند ہو جائے تو سارے عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ بیت

گر نخواہد بود قافلہ بر قافلہ   فیض تو برہم فتد این سلسلہ

یعنی اگر تیرا فیض قافلہ در قافلہ نہ پہنچے تو یہ سلسلہ کائنات درہم برہم ہو کر رہ جائے۔

اور قیومیت کی تخصیص عقلاء کے ساتھ کہ کلمہ مَنْ عقلاء کے لیے آتا ہے اس بنا پر ہے کہ ان کے لیے قیومیت کے ذکر سے ان کا شرف علاوہ تمام ظاہر ہوتا ہے کیونکہ عقل کا موجود ہونا یہ وہم ڈالتا ہے کہ ذوی العقول چیزیں بنفس خود قائم ہیں اور اپنے امور کی خود مدبر ہیں اور لفظ قیم، قیوم اور قیام سب مبالغہ کے صیغے ہیں۔ اور ان تینوں لفظوں کے ساتھ روایت آئی ہے قیام لیل کے ذکر کے مقام میں ان الفاظ کا ذکر مناسب ہے۔

[۳] تو ہی آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے کو روشن رکھتے اور وجود عطا کرنے والا ہے۔ یہ تمام مخلوق سے کنایہ ہے قوم کی اصطلاح میں نور اسے کہتے ہیں جو خود ظاہر اور اپنے غیر کو ظاہر کرنے والا ہو۔ اس معنیٰ کی تفسیر آیۃ اللہ نور السموٰت والارض سے تلاش کرنی چاہیے۔ کاتب حروف (حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہ) کو بھی اس کے ذکر میں ایک مستقل رسالہ لکھنے کی توفیق نصیب ہوئی ہے۔ اس مقام میں نور کا ذکر کرنے کی وجہ بالکل ظاہر و عیاں ہے۔

٤ ملک (بادشاہ) کا ذکر بھی یہاں مناسب ہے کیونکہ نصف شب میں بادشاہ بادشاہاں کی بادشاہی تؤتی الملک من تشاء (تو جسے چاہتا ہے بادشاہی عطا کرتا ہے) کے مطابق اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے کوچہ کے گداؤں کو عطا فرماتا ہے چنانچہ اکابر اولیاء میں سے ایک بزرگ نے کہا ہے۔ بیت

زانگہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب — صد ملکِ نیم روز بیک جو نمے خرم

ترجمہ۔ جب سے مجھے ملک نیم شب میسر آیا ہے میں سو ایسے ملک ایک جو کے عوض لینے کو تیار نہیں ہوں جن پر نصف دن تک سورج چمکتا رہتا ہے۔

٥ یعنی تمام کمالات کے ساتھ تو ہی حمد و ثنا کے لائق ہے۔ اور معدوم و باطل ہونے کے وہم کے بغیر تیری ہی ذات موجود، ثابت اور قائم ہے تیرے سوا جو کچھ ہے اپنی حد ذات میں معدوم و باطل ہے۔ اس کے موجود اور ثابت ہونے کا زیور اسے تیری ذات سے عاریۃً ملا ہے۔

٦ تیرا وعدہ حق ہے جو تو نے اپنے بندگان خاص سے دنیا میں مدد و نصرت کا اور آخرت میں اجر و ثواب خصوصًا اپنی ذات کے دیدار کا کر رکھا ہے اور عاشق لوگ اس وعدہ کے بھروسے پر خوش ہیں۔ اگر اغیار کی زحمت اور اس دار دنیا کی محنت و مشقت نہ ہوتی تو کونسی سختی تھی جو یہ مسکین عشاق اپنی جان پر نہ ڈھاتے۔ بیت

مرا امید وصال تو زندہ میدارد — دگرنہ هر دمم از هجر تست بیم هلاک

ترجمہ۔ مجھے تیرے وصال کی امید زندہ رکھتی ہے۔ ورنہ مجھے تیرے ہجر سے ہر سانس پر ہلاک ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

٧ دار آخرت کی طرف جانا اور تیری درگاہ عزت و کبریا میں جانا اور تیرا دیدار برحق ہے۔

٨ تیرا قول صادق اور جس جس چیز کی تو نے خبر دی ہے سب حق ہے یہ مجمل بیان ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی والجنۃ حق والنار حق الی آخرہ۔

٩ اللھم لک اسلمت یعنی خداوندا میں تیرے حکم کی فرمانبرداری کرتا ہوں۔ تیرے آگے عاجزی اور فروتنی کرتا ہوں یعنی تیرے احکام تشریعی و ارادی کی بجاآوری کرتا ہوں اور انہیں تسلیم کرتا ہوں۔

١٠ یعنی ظاہر و باطن میں ہی تیری طرف ہی لوٹتا ہوں۔ توبہ و انابت دونوں کا معنی رجوع ہے۔ تاہم انابت کا مقام اعلیٰ وارفع ہے۔

١١ یعنی تیری حجت و دلیل اور تیری عطا کردہ قوت و نصرت سے دین کے دشمنوں سے لڑتا ہوں۔

١٢ یعنی میں اپنا ہر معاملہ تیرے ہی سامنے پیش کرتا ہوں کیونکہ تیرا ہی حکم ہی نافذ و جاری ہے نہ کہ تیرے غیر کا۔ اور تیری ہی ذات کو اپنے اور ان کے درمیان جو دین و دنیا میں مخالفت پر کمربستہ ہیں، قاضی اور حکم بناتا ہوں کیونکہ کسی امر کا فیصلہ قاضی کے سپرد ہوتا ہے۔

ؒلہ یعنی تیرے سوا کسی کو۔

۱۲ہ یہ غیر کی الوہیت کی نفی کی تاکید و تصریح ہے یہ بات جان لینے کے بعد کہ الوہیت حق تعالٰی کی ذات میں ہی بند ہے

۱۱۴۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ افْتَتَحَ صَلٰوتَهُ فَقَالَ اللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَئِيْلَ وَمِيكَائِيْلَ وَإِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ إِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے اور نماز شروع کرتے تو یہ دعا پڑھتے اے اللہ جبرئیل میکائیل اسرافیل کے رب آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے[1] غیب و شہادت کو جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ہر اس چیز میں فیصلہ کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ ہر اختلافی معاملے میں میری حق کی طرف راہ نمائی فرما۔[2] اپنے اذن اور اپنی توفیق سے بیشک تو صراط مستقیم پر چلنے اور قائم رہنے کی ہدایت دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے۔ (مسلم)

لہ انہیں عدم سے وجود میں لانے والے۔

۲ہ اور مجھے اس پر ثابت قدم رکھ اور اس ثابت قدمی میں مزید قوت و استحکام عطا کر۔ کیونکہ قرب کے مقامات اور انوار تجلیات بے حد و نہایت ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعا کا حکم دیا گیا۔ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر)

۱۱۴۵ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی رات کو جاگے[1] اور کہا کوئی الٰہ نہیں سوائے اللہ کے وہ وحدہ لا شریک ہے۔ اسی کی بادشاہی ہے اور وہی حمد و ثنا کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ پاک ہے۔ سب تعریفیں اس کے لیے ہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اور برائی سے بچنے اور نیک کام

وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ اَوْ قَالَ ثُمَّ دَعَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ فَاِنْ تَوَضَّأَ وَ صَلّٰى قُبِلَتْ صَلٰوتُهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

کرنے کی قوت و طاقت نہیں مگر اللہ کی توفیق سے۔ پھر اس نے کہا اے میرے رب مجھے بخش دے یا اس طرح کہا پھر دعا کی تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے[۴] پھر اگر اس نے وضو کیا اور نماز پڑھی تو اس کی نماز قبول ہو جاتی ہے[۵] (بخاری)

[۱] حضرت عبادہ مشہور صحابی ہیں۔ نقباء انصار میں سے ہیں عقبہ اولیٰ اور ثانیہ میں موجود تھے۔ جنگ بدر اور باقی تمام غزوات میں شریک ہوئے دراز قد اور حسین و جمیل اور جسیم انسان تھے۔

[۲] تعار یعنی بیدار ہوا اور پہلو بدلا یہ لفظ عربی میں اس بیداری کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں آواز بھی ہو۔ جیسا کہ بیدار ہونے کے وقت عادۃً ہوتا ہے۔ یہ عرار سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ہے شتر مرغ کی آواز۔

[۳] یہ راوی کو شک ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص یہ اللھم اغفرلی فرمائی یا مطلق دعا کرنے کا ذکر فرمایا جو بندے اپنے مقصد کے لیے کرتے ہیں۔

[۴] بعض علماء فرماتے ہیں یہ دعا جو بندہ اس وقت کرتا ہے اور ہم الکیس کے نام سے موسوم ہے۔ یعنی جس طرح وہ شخص جس کی جیب میں ہر وقت پیسے موجود ہوں ـــــ اپنے مطلب کی چیز خریدنے کو تیار ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ دعا اجابت کے لیے تیار اور بالکل قریب ہے۔

[۵] اس کی یہ دعا تو قبول ہو چکی ہوتی ہے۔ پھر وضو کرکے جب نماز پڑھتا ہے تو وہ بھی درجہ قبولیت کو پہنچ جاتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

$\frac{1146}{2}$ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَيْقَظَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِيْ وَ اَسْئَلُكَ رَحْمَتَكَ اَللّٰهُمَّ زِدْنِيْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِيْ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنِيْ وَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بیدار ہوتے تو کہتے کوئی معبود نہیں سوائے تیرے اے اللہ تو پاک ہے میں تیری حمد و ثنا کے ساتھ تیری تنزیہ کرتا ہوں میں اپنے گناہوں کی تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ میرے علم کو زیادہ کر اور جب کہ تو نے مجھے ہدایت دی تو اس کے بعد میرے دل کو ہر کجی سے محفوظ رکھ اور مجھے اپنے پاس سے رحمت

(معناہ ابو قتادۃ) عطا کر۔ بیشک تو ہی کامل عطا کرنے والا ہے۔ (ابوداؤد)

لہ میں تیری ایسی تنزیہہ کرتا ہوں جو تیری ذات کے لائق ہے۔

۲ہ کہ مراتب علم کی کوئی انتہا نہیں اور سبب کہ صفات و افعال الٰہی کی کوئی نہایت نہیں۔ اور اس کی تجلیات غیر متناہی ہیں تو بندہ کا علم بھی ہمیشہ ترقی کرتا اور بڑھتا رہتا ہے۔

۳ہ میرے دل کو اسلام سے کفر کی طرف اور طاعت سے معصیت کی طرف اور حق سے باطل کی طرف نہ پھرنے دے۔

۴ہ یعنی مجھے اپنے مقام قرب خاص سے عظیم رحمت عطا کر۔

۵ہ کہ تیری عطا کا کوئی شمار نہیں ہو سکتا اور وہ حد و شمار سے باہر ہے۔

۱۱۶۴ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَبِيْتُ عَلٰى ذِكْرٍ طَاهِرًا فَيَتَعَارُّ مِنَ اللَّيْلِ فَيَسْأَلُ اللهَ خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ اللهُ إِيَّاهُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان نہیں جو باوضو اور پاک وطاہر ذکر الٰہی کرتے ہوئے سوتا ہے پھر رات میں اٹھتا ہے (عبادت کے لیے) اور اللہ تعالیٰ سے خیر کا سوال کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اسے عطا کر دیتا ہے۔ (احمد، ابوداؤد)

۱۱۶۵ وَعَنْ شَرِيْقٍ الْهَوْزَنِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَسَأَلْتُهَا بِمَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ إِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَتْ سَأَلْتَنِيْ عَنْ شَيْءٍ مَا سَأَلَنِيْ عَنْهُ أَحَدٌ قَبْلَكَ كَانَ إِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ عَشْرًا وَحَمِدَ اللهَ عَشْرًا وَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ عَشْرًا وَقَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ عَشْرًا وَاسْتَغْفَرَ اللهَ عَشْرًا وَهَلَّلَ اللهَ عَشْرًا ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا وَضِيْقِ يَوْمِ

حضرت شریق الہوزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں اٹھتے تھے تو کس ذکر سے آغاز کرتے تھے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا تو نے مجھ سے ایسی بات کا سوال کیا ہے جس کا مجھ سے پہلے کسی نے مجھ سے سوال نہیں کیا۔ رات میں جب آپ بیدار ہوتے تو دس بار اللہ اکبر کہتے۔ دس بار الحمد للہ کہتے۔ دس بار سبحان اللہ وبحمدہ کہتے۔ دس بار سبحان الملک القدوس کہتے دس بار استغفر اللہ دس بار لا الٰہ الا اللہ پڑھتے پھر آپ دس بار یہ دعا پڑھتے۔ اے اللہ بے شک میں تجھ سے دنیا اور دن قیامت کی تنگی سے

الْقِيَمَةِ عَشْرًا ثُمَّ يَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

پناہ لیتا ہوں پھر نماز شروع کرتے [۲] (ابوداؤد)

[۱] شرق شین کی زبر راکی زیر اور قاف۔ ہوزنی۔ ھاکی زبر واو ساکن راکی زبر آپ تابعی ہیں۔ رضی اللہ عنہ

[۲] اس ورد کو معشرات سبع کہتے ہیں۔ جیسے مسبعات عشر کہ ایک مشہور ورد کا نام ہے اس میں دس چیزیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو سات بار پڑھتے ہیں۔ یہاں سات چیزیں ہیں جنہیں دس دس بار پڑھا جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۱۳۹ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا ثُمَّ يَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ اَبُوْ دَاؤُدَ بَعْدَ قَوْلِهٖ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثَلٰثًا وَفِیْ اٰخِرِ الْحَدِيْثِ ثُمَّ يَقْرَاُ۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں بیدار ہوتے تو اللہ اکبر کہتے پھر کہتے پاک ہے اے اللہ تیری ذات میں تیری حمد و ثنا کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں [۱] تیرا نام بہت برکت والا ہے اور تیری ذات بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں پھر کہتے اللہ اکبر کبیرا پھر کہتے اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم۔ میں اللہ سمیع و علیم کی پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے بچنے اور اس کے وسوسے اور اس کے تکبر [۲] اور اس کے دم جھاڑ سے۔ ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابوداؤد نے قول غیرک کے بعد اتنا زیادہ کیا کہ پھر تین بار لا الہ الا اللہ کہتے اور اس حدیث کے آخر میں یہ زیادہ کیا کہ پھر آپ سورۃ فاتحہ پڑھتے اور قرأت شروع کرتے۔

[۱] جد بمعنی بخت ،غنا، عظمت اور بزرگی۔

[۲] جس میں وہ انسان کو مبتلا کرتا اور اسے برباد کرتا ہے۔

۱۱۴۰ وَعَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ عِنْدَ حُجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ

حضرت ربیعہ ابن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے پاس رات بسر کرتا تھا تو میں آپ کو سنتا تھا جب آپ

أَسْمَعُهُ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَقُولُ سُبْحَانَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الْهَوِيَّ ثُمَّ يَقُولُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ الْهَوِيَّ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

رات میں اٹھتے تو دیر تک یہ کلمہ پڑھتے سبحان رب العالمین پھر دیر تک یہ کلمہ پڑھتے سبحان اللہ و بحمدہٖ نسائی۔

اور ترمذی کے ہاں اس کی مثل ہے۔

اور ترمذی نے کہا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

؎۱ حضرت ربیعہ اسلمی اصحاب صفہ اور قدماء صحابہ میں سے ہیں۔ سفر و حضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے

؎۲ اصل میں لفظ الہوی ہے۔ ہا کی زبر اور یا کی تشدد سے یعنی زمانہ طویل۔

بَابُ التَّحْرِيضِ عَلٰى قِيَامِ اللَّيْلِ

رات میں اٹھنے کی ترغیب کا باب

لغت میں تحریض کا لفظ کسی کو کسی چیز پر ابھارنے اور گرم کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ قیام لیل پر تحریض کا معنی ہے۔ رات میں اٹھنے کی رغبت دلانا اور نہ اٹھنے پر ڈرانا اور اس پر عمل کرنے کے فضائل اور نہ اٹھنے کے نقائص بیان کرنا۔ قیام لیل کے فضائل بے شمار ہیں جن سے عمدہ اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس وقت بندوں پر خدا تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ ایسا کرنے والا خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کے قریب ہوتا ہے۔ شب بیداری کرنے والوں کی دعا قبول ہوتی ہے اور اس وقت جو کچھ خدا تعالیٰ سے مانگا جاتا ہے۔ عطا ہوتا ہے اور گناہ بخشے جاتے ہیں۔ بے شک خدا کے جل وعلیٰ نے اپنے حبیب پاک علیہ السلام سے وعدہ کر رکھا ہے کہ تہجد کے سبب آخرت میں تجھے مقام محمود عطا کروں گا۔ اور یہ ضروری بات ہے کہ اس شب بیداری کے عمل میں آپ کا پیروی کرنے والوں کو بھی اس مقام اور اس وقت کی نورانیت سے بہر تو اور حصہ ملے گا۔ مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالےٰ نے کہا ہے کہ اس دنیا میں بہشت کی لذت کا نمونہ وہ لذت و آرام ہے جو سحری کے وقت خدا تعالےٰ سے چاپلوسی اور مناجات سے حاصل ہوتا ہے۔ ؎

بر در دل نشین کاں دلبر خوشگاہ ہے وقت سحری آید یا نیم شبی باشد

ترجمہ۔ دل کے روبرو ہو کر بیٹھ جا کیونکہ نازک اندام معشوق سحری کے وقت آئے گا یا نیم شب کے وقت۔

※

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۱۵۱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعْقِدُ الشَّیْطَانُ عَلٰی قَافِیَةِ رَأْسِ اَحَدِکُمْ اِذَا هُوَ نَامَ ثَلٰثَ عُقَدٍ یَضْرِبُ عَلٰی کُلِّ عُقْدَةٍ عَلَیْكَ لَیْلٌ طَوِیْلٌ فَارْقُدْ فَاِنِ اسْتَیْقَظَ فَذَکَرَ اللّٰهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ تَوَضَّاَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ صَلّٰی انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاَصْبَحَ نَشِیْطًا طَیِّبَ النَّفْسِ وَاِلَّا اَصْبَحَ خَبِیْثَ النَّفْسِ کَسْلَانَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

فصل اول

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سو گئے ہوتے ہو تو شیطان تمہارے سر کے پیچھے تین گرہیں[1] لگا دیتا ہے۔ ہر گرہ لگاتے ہوئے سونے والے کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے تیرے سونے کے لیے ابھی کافی رات باقی ہے اس لیے تو سیا رہ لیں اگر وہ جاگ اٹھتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے پھر جب نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے[2] تو وہ بندہ خوش اور پاک نفس ہو کر صبح کرتا ہے ورنہ پلید نفس اور سستی اور کاہلی کی حالت میں صبح کرتا ہے (بخاری و مسلم)

[1] جس طرح جادوگر لوگ جس انسان پر جادو کرتے ہیں تو وہ کچھ گرہیں لگاتے ہیں [illegible] شیطان کا گرہ لگانا یا حقیقت پر محمول ہے یا مجاز اور تصویر و تمثیل ہے کیونکہ جو شخص کسی کو [illegible] ہے تاکہ وہ ہل نہ سکے اور نہ بھاگ سکے مگر جب کہ وہ گرہیں کھولی [illegible] کرنے والے کے لیے نیند کو محبوب بنایا اور آرام و راحت کو اس کے لیے [illegible] لیے حرکت کرنے کو تنگ کر دیتا ہے۔

[2] بعض روایات میں یہاں عقدہ بلفظ جمع (عُقَدٌ) آیا ہے [illegible] تمام گرہیں کھل جاتی ہیں۔

۱۱۵۲ وَعَنِ الْمُغِیْرَةِ قَالَ قَامَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِیْلَ لَهٗ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام لیل فرمایا (شب بیداری کی) یہاں تک کہ آپ کے دونوں قدم مبارک سوج گئے آپ سے کہا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے گئے ہیں۔ حضور

شَكُورًا ۔ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں ؟[2]

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

[1] حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

[2] یعنی تو کیا میں حق تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر نہ کروں خصوصاً اس نعمت عظیم پر کہ میرے سارے گناہ بخش دیے گئے ہیں۔ اس معنی کی تحقیق دوسرے مقام پر کر دی گئی ہے۔

۱۱۵۱ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقِيْلَ لَهُ مَا زَالَ نَائِمًا حَتّٰى أَصْبَحَ مَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ ذٰلِكَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيْطٰنُ فِيْ أُذُنِهٖ أَوْ قَالَ فِيْ أُذُنَيْهِ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کا ذکر کیا گیا اس آدمی کے بارے میں کسی نے کہا کہ یہ آدمی ساری رات سویا رہا ہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور وہ نماز کے لیے بھی نہیں اٹھا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ آدمی ہے جس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا۔[1] یا آپ نے فرمایا اس کے دونوں کانوں میں[2]۔ (بخاری و مسلم)

[1] راوی کو شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فی اذنہ فرمایا یا فی اذنیہ۔ یعنی اس کے ایک کان میں یا دونوں کانوں میں۔

[2] واضح ہو کہ اس کی حقیقت کا علم صرف شارع علیہ السلام کو ہے اور ظاہر معنی پر حمل کرنا بھی ممکن ہے کیونکہ شیطان کا طرف کھانے پینے جمع کرنے اور بعض پاخانہ سے دوسرے ہوا خارج کرنے وغیرہ امور کی نسبت کی گئی ہے تو اس کی طرف بول کی نسبت بھی ممکن ہو گی۔ بعض اوقات ان کی مناسب تاویلات بھی کی گئی ہیں۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک مثال ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو نماز سے غفلت اور موذن کی آواز نہ سننے کے لیے دی اور آپ نے اس شخص کو اس آدمی کے حال سے تشبیہ دی جس کے کان میں بول پڑنے سے ان کے کان بھاری ہو گئے ہوں۔ اور اس وجہ سے اس کی حس سماعت برباد ہو گئی ہو۔ بعض نے کہا مراد یہ ہے کہ شیطان نے اس کے کان کلام باطل اور لغو سے پر کر دیے اور ان سے اس کی قوت سماعت میں گرانی پیدا ہو گئی۔ اب اس کے لیے دعوت حق سننا مشکل ہو گیا یہ وہ وجہیں اس جانب رہنمائی کرتی ہیں کہ وہ آدمی نماز صبح کے لیے بھی نہ اٹھا۔ اور نماز فجر کی اذان بھی نہ سنی۔ تاہم ظاہر یہ ہے کہ اس سے نماز شب مراد ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض نے کہا یہ اس شخص پر نیند طاری ہو جانے سے کنایہ ہے اور کان کی تخصیص اس بنا پر کہ یہ بیداری کا آلہ اور ذریعہ ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۵۲ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات گھبرائے

لَيْلَةً فَزِعًا يَقُولُ سُبْحَانَ اللهِ مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ يُرِيدُ أَزْوَاجَهُ لِكَيْ يُصَلِّينَ رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْآخِرَةِ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ہوئے اور یہ کہتے ہوئے بیدار ہوئے۔ اللہ پاک ہے آج رات رحمت کے کیا خزانے نازل کیے گئے ہیں اور کیا فتنے اتارے گئے ہیں۱؎ کون ہے جو حجروں میں رہنے والیوں کو بیدار کرے اس سے آپ اپنی ازواج مطہرات مراد لیتے ہیں تاکہ وہ نماز ادا کریں بہت سی وہ عورتیں جو دنیا میں لباس زیب تن کیے ہیں آخرت میں ننگی ہوں گی۲؎۔
(بخاری)

۱؎ یعنی مختلف قسم کے عذاب۔

۲؎ یعنی بہت سی عورتیں یا لباس والے جنہوں نے قسم قسم کے زیورات اور سوٹ پہن رکھے ہیں۔ آخرت میں برہنہ ہوں گے۔ کسوت کا معنیٰ ہے کسی کو کپڑا پہنانا۔ یہاں یہ لفظ لابس (لباس پہنے ہوئے) کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی صیغہ اسم فاعل۔ لفظ عاریۃ کے قرینے کی وجہ سے یا اپنے معنیٰ پر ہی بقصد مبالغہ محمول ہے۔ یعنی جو دنیا میں دوسروں کو کپڑے پہناتی تھیں مگر آخرت میں خود ننگی ہوں گی۔

۱۱۵۵ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ ثُمَّ يَبْسُطُ يَدَيْهِ يَقُولُ مَنْ يُقْرِضُ غَيْرَ عَدُومٍ وَلَا ظَلُومٍ حَتَّى يَنْفَجِرَ الْفَجْرُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات میں آسمان دنیا پر تجلی فرماتا ہے جب کہ رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں اور کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا کروں اور کون ہے جو مجھ سے بخشش چاہے تو میں اسے بخش دوں (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو ایسے غنی کو قرض دے جو نہ فقیر ہے اور نہ ظلم کرنے والا ہے۔ یہاں تک کہ فجر چمک جاتی ہے

۱؎ یعنی اس کی رحمت خاص اور فضل خاص جو رات میں سب سے نچلے آسمان پر نازل ہوتا ہے۔ محققین کے نزدیک نزول اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے جیسے ید اللہ استواء وغیرہ جو متشابہات میں سے ہیں۔ کہ ان پر ایمان

لانا چاہیے اور ان کی کیفیت و نوعیت کے سمجھنے کے درپے نہ ہونا چاہیے۔ یعنی اللہ تعالےٰ اس صفت کے ساتھ سحری کے وقت تجلی فرماتا ہے۔

۲؎ یعنی سحری کا وقت

۳؎ واضح ہو کہ دعا کے لیے پڑھنے کا لفظ آتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں یا رب اس کے مقابل لفظ اجابت و قبول آتا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لبیک عبدی اے میرے بندے میں تیری ہر حاجت پوری کرنے کو تیار ہوں۔ اور لفظ سوال مانگنے اور طلب کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اس کے جواب میں لفظ اعطا استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ اسم اعظم کی صفت میں واقع ہوا ہے کہ جب اسم اعظم کے ساتھ دعا کی جاتی ہے تو وہ قبول کر لی جاتی ہے اور جب اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا جاتا ہے تو وہ چیز اسے دے دی جاتی ہے اور کبھی دعا اور سوال ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

۴؎ جو مال نہیں رکھتا اور قرض لے کر قرض ادا کرنا چاہتا ہے اور نہ وہ ظالم ہے کہ مال و دولت کے ہوتے ہوئے کسی پر ظلم کرے اور کسی کا حق اسے نہ دے قرض ادا نہ کرنے میں یہ دو چیزیں رکاوٹ ہیں۔ ایک فقر دوسرا ظلم اللہ تعالےٰ ان دونوں باتوں سے پاک و منزہ ہے۔

۵؎ یعنی اللہ تعالےٰ یہ باتیں اپنی زبان لطف و کرم سے فرماتا ہے یہاں تک کہ فجر پھوٹ پڑتی اور صبح ہو جاتی ہے

۱۱۵۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ يَسْاَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا مِنْ اَمْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرماتے تھے بیشک رات میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ نہیں پاتا اسے کوئی مسلمان کہ اللہ تعالیٰ سے اس دنیا و آخرت کی بھلائی مانگے مگر رب تعالےٰ اسے یہ دیتا ہے اور یہ گھڑی ہر رات میں ہے۔

۱؎ یعنی کسی مخصوص شب میں یہ گھڑی نہیں ہوتی جیسے جمعہ وغیرہ۔ باقی رہی یہ بات کہ وہ گھڑی متعین ہے یا مبہم بعض کہتے ہیں مبہم ہے جیسے شب قدر اور جمعہ کے دن کی گھڑی۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ گھڑی نصف شب کا وقت ہے۔

۱۱۵۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ

سَلَّمَ اَحَبُّ الصَّلٰوۃِ اِلَی اللّٰہِ صَلٰوۃُ دَاوٗدَ وَاَحَبُّ الصِّیَامِ اِلَی اللّٰہِ صِیَامُ دَاوٗدَ کَانَ یَنَامُ نِصْفَ اللَّیْلِ وَ یَقُوْمُ ثُلُثَہٗ وَ یَنَامُ سُدُسَہٗ وَ یَصُوْمُ یَوْمًا وَّ یُفْطِرُ یَوْمًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

کے نزدیک سب سے محبوب اور پیاری نماز حضرت داؤد کی نماز ہے اور اللہ کے ہاں سب روزوں سے پیارا روزہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے کہ نصف رات تک سوتے تھے اور تیسرا حصہ شب میں اٹھتے تھے پھر چھٹا حصہ شب سو جاتے تھے[۱] اور آپ ایک دن روزہ رکھتے ایک دن افطار کرتے[۲]۔ (روزہ نہ رکھتے) (بخاری و مسلم)

[۱] کہ آپ رات کو اس طرح تقسیم کرتے تھے۔ اول شب میں سو جاتے تھے۔ پھر تیسرا حصہ شب جاگتے اور آخری چھٹا حصہ شب سو جاتے۔ اس طرح رات کے دو حصے سوتے اور ایک حصہ نمازیں گزارتے۔

[۲] یہاں مشکل امر یہ ہے کہ سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم حضرت داؤد علیہ السلام کے اس عمل پر دائماً عمل پیرا نہ تھے تو پھر یہ عمل اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل کیسے بن گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبوب ترین عمل کو کیسے ترک کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فعل مذکور کا محبوب تر ہونا بعض اعتبارات سے ہے نہ کہ ہر لحاظ سے۔ اور وہ بعض وجوہ و اعتبارات یہ ہیں کہ یہ عمل احتمال کے زیادہ قریب اور حفظ صحت کے لحاظ سے زیادہ مفید ہے اور اس وجہ سے بھی کہ رات کے آخری چھٹے حصے میں سو جانا تھکاوٹ و مشقت کو دور کرتا ہے اور رنگ کی زردی اور شکستگی کی صورت میں عبادت کا اثر ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ یہ بیان تو نماز سے متعلق ہے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے کا محبوب اور پسندیدہ تر ہونے کا بیان باب صیام میں ان شاء اللہ تعالیٰ آ رہا ہے۔ اور حضور سید انبیاء علیہ من الصلوٰۃ افضلہا و اکملہا یا ان جو الاوقات کے تقاضوں کے مطابق مختلف ہوتا تھا۔ اور لاتعداد حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہوتا تھا جو آپ کی ذات کریم اور آپ کی امت ہر وجہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ کیونکہ آپ کی امت میں کمزور اور طاقتور ہر قسم کے لوگ تھے۔ اسے خوب سمجھو و باللہ التوفیق۔

۱۱۵۸ وَ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ تَعْنِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنَامُ اَوَّلَ اللَّیْلِ وَ یُحْیِیْ اٰخِرَہٗ ثُمَّ اِنْ کَانَتْ لَہٗ حَاجَۃٌ اِلٰی اَھْلِہٖ قَضٰی حَاجَتَہٗ ثُمَّ یَنَامُ فَاِنْ کَانَ عِنْدَ النِّدَآءِ الْاَوَّلِ جُنُبًا وَّثَبَ فَاَفَاضَ عَلَیْہِ الْمَآءَ وَ اِنْ لَّمْ یَکُنْ جُنُبًا تَوَضَّاَ لِلصَّلٰوۃِ ثُمَّ صَلّٰی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول رات میں سو جاتے اور اس کے آخری حصے میں جاگتے پھر اگر آپ کو اپنے گھر والوں سے کوئی حاجت ہوتی تو اپنی حاجت کو پورا کرتے اور اسی حالت میں سو جاتے۔ پھر اگر اذان اول کے وقت جنبی ہوتے تو جلدی اٹھ کھڑے ہوتے اور اپنے اوپر پانی بہاتے اور اگر جنبی نہ ہوتے تو وضو کرتے پھر دو رکعتیں پڑھتے

مُكُتَّبٌ -

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری ومسلم)

لہ اور آخر شب کو زندہ رکھتے یعنی اس میں جاگتے۔ رات کی بیداری کو اسے زندہ رکھنے سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ زمانے کی زندگی اس میں عبادت کرنے سے ہے اور وہ زمانہ جس میں عبادت نہ کی جائے گویا مردہ ہے۔ یا اس سے نفس کو شب بیداری اور عبادت سے زندہ کرنا مراد ہے کیونکہ نیند موت کی طرح ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے النوم اخ الموت۔ نیند موت کی بہن ہے۔ احیاء لیل میں یہ دونوں معنی بیان کیے گئے ہیں۔ پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے۔ حدیث کا لفظ بھی اس پہلے معنی میں زیادہ ظاہر ہے۔ خوب سمجھو۔ یہ بات باقی رہی کہ اول شب میں کتنا وقت سوتے تھے اور آخر شب میں کتنی دیر جاگتے اور عبادت کرتے تھے ظاہر یہ ہے کہ نصف نصف کرتے تھے۔ علماء نے کہا ہے کہ آدھی رات تک سوتے تھے اور آدھی رات جاگتے تھے اگرچہ رات کو بیداری مختلف صورتوں میں ہوتی تھی۔ واللہ اعلم۔

لہ یعنی بے غسل کیے سو جاتے۔ البتہ وضو کر لیتے تھے اور یہ وضو نیند کی طہارت ہے۔

لہ تقاضائے حاجت (جماع) میں مشغول ہونے کی وجہ سے۔

لہ نداءِ اول سے مراد اذانِ اول ہے۔ اذان کو اولی کہنے کی وجہ یا تو اقامت کی نسبت سے ہے یا اس مؤذن کی اطلاع کی نسبت جو آپ کے درِ اقدس پر حاضر ہو کر آپ کو دیتا تھا۔

لہ یعنی فجر کی دو سنتیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِي

دوسری فصل

۱۱۹۹ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِينَ قَبْلَكُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ وَمَكْفَرَةٌ لِلسَّيِّئَاتِ وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْإِثْمِ -

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رات میں اٹھنا اپنے اوپر لازم جانو کیونکہ وہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور تمہیں رب تعالٰے کے قریب کرتا اور گناہوں کی بخشش[1] کا ذریعہ اور برائیوں[2] سے روکنے کا سبب ہے۔

(ترمذی)

لہ اصل عربی میں لفظ مکفرۃ آیا ہے میم کی زبر کاف ساکن فا کی زبر بمعنی ستر و پوشیدہ کرنا۔ کفارہ گناہ کا بھی یہی معنی ہے۔

۵ے منہاۃ میم کی زبر اور نون ساکن۔ تمام حسنات گناہوں کا کفارہ ہیں اور نماز مطلقاً فحش و منکر سے روکتی ہے اور رات کی نماز تہجد نہایت فضیلت کی بنا پر اس معنی (بخشش و مغفرت) میں زیادہ اتم اور اکمل ہے۔

۱۱۶۰ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ ثَلٰثَۃٌ یَضْحَکُ اللّٰہُ اِلَیْھِمْ اَلرَّجُلُ اِذَا قَامَ بِاللَّیْلِ یُصَلِّیْ وَ الْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِی الصَّلٰوۃِ وَ الْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِیْ قِتَالِ الْعُدُوِّ۔ (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے ہنستا ہے ایک وہ آدمی جو رات میں اٹھ کر نماز پڑھے دوسری وہ قوم جو نماز میں ٹھیک صفیں بنائے تیسری وہ قوم جو دشمن سے لڑائی کے وقت صفیں بنائے (شرح السنۃ)

لہ یہ کنایہ ہے رضا و لطف سے اور مسرت و رحمت کے متوجہ ہونے سے احادیث میں جو رب تعالیٰ کی طرف ہنسنے کی نسبت اور اس کا اطلاق ہوا ہے، متشابہات میں سے ہے۔

۲ے اور متوجہ ہو اور خدا تعالیٰ کی جناب قرب کی جانب اپنا رخ کرے۔

۳ے اور دشمنان دین کے قتل کرنے میں کمربستہ ہو اور مولیٰ تعالیٰ کی محبت میں اپنی روح کو نثار کر دیتے اور دین کی سربلندی کے لیے ہمت باندھے

۱۱۶۱ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَکُوْنَ مِمَّنْ یَذْکُرُ اللّٰہَ فِیْ تِلْکَ السَّاعَۃِ فَکُنْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا۔

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کے آخری حصے کے درمیان اللہ تعالیٰ بندے کے بہت قریب ہوتا ہے اور بندہ اپنے رب کے بہت قریب حالت سجود میں ہوتا ہے۔ اگر تو طاقت رکھتا ہے کہ ان لوگوں میں سے ہو جائے جو اس گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں تو ضرور ہو جا اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ اسناد کے لحاظ سے۔

لہ عین واو اور سین کی زبر۔

۲ے بندے سے اللہ تعالیٰ کا قریب ہونا اس قرب سے اتم اور اکمل ہے۔ جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس آئندہ قول مبارک میں ارشاد فرمایا ہے۔

۳؎ وہاں بندہ سجدہ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا قرب چاہتا ہے اور یہاں خدا ئے پروردگار تعالیٰ و تقدس رحمت کے ساتھ نزول کرتا ہے اور بندے کے قریب ہوتا ہے۔ رات کی نماز مذکورہ دونوں قربوں پر مشتمل ہے۔

۴؎ اور جو لوگ حضور مرالی اور نزول قرب کی خواہش رکھتے ہیں تو تم بھی ان میں سے ہو جا۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین اور آپ کی درگاہ کے محبوب لوگوں میں سے ہیں۔ نورِ نبوت کے ظہور کے ابتدا میں جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تھے اور حضرت عمرو بن عبسہ اپنے وطن میں تھے ان کے دل میں ایکا ایک نورِ توحید داخل ہوا اور شرک و بت پرستی سے آپ کو نفرت ہو گئی۔ اس دوران آپ نے سنا کہ مکہ میں ایک ایسا مرد پیدا ہوا ہے جو لوگوں کو توحید کی دعوت دیتا اور بتوں کی عبادت سے روکتا ہے۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے آپ کے بارے میں حالات معلوم کیے۔ ان دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی سے دشمنانِ دین کی نظروں سے پوشیدہ رہتے تھے۔ حضرت عمرو نے آکر دریافت کیا کہ یہاں کوئی ایسا مرد پیدا ہوا ہے جس نے تمہاری راہ و روش چھوڑ دی ہے اور ایک نئے دین کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے لوگوں نے کہا ہاں ایک دیوانہ ہے جس نے آباو اجداد کا طریقہ چھوڑ کر ایک نئی رسم کی طرح ڈالی ہے۔ ؎

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

ترجمہ۔ تو پہلے اپنا دیوانہ بناتا ہے پھر دونوں جہاں اس کو بخش دے دیتا ہے۔ تیرا دیوانہ دو جہاں کو کیا کرے گا

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا وہ دیوانہ کہاں مل سکتا ہے۔ لوگوں نے کہا وہ نصف رات کے وقت باہر آتا ہے اور اس گھر (بیت اللہ) کے گرد گھومتا ہے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نصف شب کے وقت باہر نکلے اور کعبہ کے پردوں میں جا کر چھپ گئے اچانک آپ نے ایک مرد دیکھا کہ نمودار ہوا ہے ایسا کامل مرد کہ سب مرد اس کے آستانے کی خاک ہیں اور وہ لا الٰہ الا اللہ لا الٰہ الا اللہ کہہ رہا ہے اور خانہ کعبہ کے ارد گرد طواف کرتا ہے۔ حضرت عمرو پردوں سے باہر نکلے اور سلام عرض کیا اور پوچھا تو کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خدا کا رسول ہوں میرا دین لا الٰہ الا اللہ ہے حضرت عمرو نے کہا میں بھی اسی دین کو چاہتا ہوں۔ اس طرح آپ اسی وقت ایمان لے آئے۔ آپ تیسرے یا چوتھے مسلمان ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو رخصت کیا اور فرمایا میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا ہے جب وہ وعدہ پورا ہو جائے گا تو میرے پاس آنا۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ آ گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک میں رہنے لگے اور درجہ کمال کو پہنچے۔ یہ حدیث اسی وقت سے تعلق رکھتی ہے

۱۲۳۰ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰہُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلّٰی وَ اَیْقَظَ امْرَاَتَہٗ فَصَلَّتْ فَاِنْ	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحم کرے جو رات میں اٹھتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور اپنی بیوی کو جگاتا ہے وہ بھی نماز

اَبَتْ نَضَحَ فِیْ وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلَّتْ وَ اَیْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلّٰی فَاِنْ اَبٰی نَضَحَتْ فِیْ وَجْهِهِ الْمَاءَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ النَّسَائِیُّ)

پڑھتی ہے۔ اگر وہ اٹھنے سے انکار کرتی ہے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم کرے جو رات میں اٹھتی اور نماز پڑھتی ہے اور اپنے خاوند کو بیدار کرتی ہے تو وہ بھی نماز پڑھتا ہے اگر اٹھنے سے انکار کرتا ہے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتی ہے[1]۔ (ابوداؤد و نسائی)

[1] یعنی خاوند بیوی کو چاہیے کہ طاعت و عبادت میں ایک دوسرے کے مددگار و معاون ہیں اور دوستوں، و رفقاء کو آپس میں ایسا ہی کرنا چاہیے۔

۱۱۶۳/۱۳ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّیْلِ الْاٰخِرُ وَدُبُرُ الصَّلَوٰتِ الْمَكْتُوْبَاتِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ کونسی دعا سنی جاتی ہے[1] فرمایا رات کے نصف آخر کے درمیان کی دعا[2]۔ اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا[3]۔ (ترمذی)

[1] اور اجابت و قبولیت کا مقام حاصل کرتی ہے۔

[2] یا اس عبارت کا معنی ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا دعا کس وقت مستجاب ہوتی ہے۔ فرمایا رات کے [illegible] وقت

[3] یہ عبارت تشہد کے آخر کی دعا کو شامل ہے اور نماز کے آخر میں اس کے متصل بعد کے [illegible] کی دعا [illegible] میں مذکور و منقول ہے اور یہ حدیث باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔

۱۱۶۴/۱۴ وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ غُرَفًا یُرٰی ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا اَعَدَّهَا اللّٰهُ لِمَنْ اَلَانَ الْكَلَامَ وَاَطْعَمَ الطَّعَامَ وَتَابَعَ الصِّیَامَ وَصَلّٰی بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ

حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر ان کے اندر سے نظر آتا ہے اور ان کا اندر کا حصہ باہر سے دکھائی دیتا ہے یہ بالاخانے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بنائے ہیں جو نرم کلام کرتا ہے کھانا کھلاتا ہے لگاتار روزے رکھتا ہے۔ اور رات کو اٹھ کر نماز

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوَهُ وَفِي رِوَايَتِهِ لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ.

بلحاظ بے جگر رگ سوئے ہوتے ہیں۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا اور ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کیا اور ترمذی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ بالا خانے اس کے لیے ہیں جو لوگوں سے نرم اور اچھی گفتگو کرے۔

ـــه ان کی نفاست صفائی اور لطافت کی وجہ سے۔ غرف غین کی پیش را کی زبر۔ غرفۃ غین کی پیش۔ را ساکن بمعنی بلند محل اور مکان کے اوپر مکان۔

ـــه اور لوگوں سے درشت کلامی سے پیش نہ آئے۔ اور لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے زندگی بسر کرے۔

ـــه مراد یہ ہے کہ کثرت سے روزے رکھتا ہو۔

ـــه کیونکہ یہ وقت صدق عبودیت اور اخلاص عمل کے زیادہ قریب ہے۔ ان الفاظ میں درحقیقت صفت تواضع اور صفت جود و سخاوت کی طرف اشارہ ہے۔ بیت

شرف مرد بجود ست و کرامت بسجود ہر کہ این ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

انسان کا شرف سخاوت ہے اور عزت و بزرگی سجدہ (عبادت الٰہی) سے حاصل ہوتی ہے۔ جو آدمی ان دونوں سے محروم ہے اس کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ فلاں آدمی کی طرح نہ ہونا۔ جو پہلے رات میں اٹھتا تھا پھر اس نے اسے ترک کر دیا ـــه (بخاری و مسلم)

ـــه آپ نے ایک معین شخص کا نام لیا تھا۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ مجھے اس فلاں شخص کے نام کا کسی بھی اسناد سے پتہ نہیں چل سکا۔

سلہ اس کلام سے مقصود حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کرنا ہے کہ شب بیداری میں کثرت نہ کرنا اور اس میں حد سے نہ بڑھنا کیونکہ بسا اوقات یہ کثرت ملال و تھکاوٹ اور بد دلی کا موجب جاتی ہے اور انسان شب بیداری سے بالکل رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ اس صحابی کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساری رات بیدار رہتے۔ اور بالکل نیند نہ کرتے ان کے باپ نے انہیں اس سے روکا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے آئے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ اسے سمجھ لو۔

۱۱۶۶/۱۹ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كَانَ لِدَاؤُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ اللَّيْلِ سَاعَةٌ يُوْقِظُ فِيْهَا اَهْلَهٗ يَقُوْلُ يَا اٰلَ دَاوُدَ قُوْمُوْا فَصَلُّوْا فَاِنَّ هٰذِهٖ سَاعَةٌ يَسْتَجِيْبُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيْهَا الدُّعَاءَ اِلَّا لِسَاحِرٍ اَوْ عَشَّارٍ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرماتے تھے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے رات میں ایک گھڑی تھی جس میں وہ اپنے اہل کو بھی جگاتے تھے اور فرماتے تھے اے آل داؤد کھڑے ہو اور نماز پڑھو کیونکہ یہ وہ گھڑی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں دعا قبول کرتا ہے مگر جادوگر کا اور ظلم کے ساتھ لوگوں سے عشر وصول کرنے والے کی۔ سلہ

(احمد)

سلہ کہ یہ عشر وصول کرنے والے بڑے موذی ہوتے ہیں۔ لوگوں سے ناحق ان کے مال [illegible] رہتے ہیں ایک حدیث میں شعبان کی پندرہویں کا ذکر بھی آیا ہے کہ اس شب کو بخشش دے دیتے ہیں ماسوائے ظالمانہ عشر وصول کرنے والے۔ عادی شراب نوش۔ والدین کے نافرمان اور تہہ بند کو ٹخنے سے نیچے رکھنے

۱۱۶۷/۲۰ وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْمَفْرُوْضَةِ صَلٰوةٌ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فرض نمازوں کے بعد افضل رات کے درمیانی حصے میں نماز ہے۔ سلہ

(احمد)

سلہ یہ فضیلت زمانہ اور وقت کے لحاظ سے بیان فرمائی۔ اور مکان کے لحاظ سے نفل نماز گھر میں افضل ہے۔ کسی حضرت نے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کو ان کے اس دار فانی سے رحلت کر جانے کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا فرمایا طاحت العبارات۔ وفنیت الاشارات وما نفعنا الا رکعات صلیناها فی جوف اللیل۔ یعنی عبارتیں مٹ گئیں۔ ارشادات فنا ہو گئے اور ہمیں کسی چیز نے نفع نہ دیا سوائے ان رکعتوں

کے جو ہم نے درمیان شب پڑھی تھیں۔ اس عبارت میں حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے سچے طالبوں کو عبادت و ریاضت کے اہتمام و کوشش کی ترغیب دی ہے اور اس امر کی نہمائش کی ہے کہ صوفیانہ موشگافیوں سے دھوکے میں نہ آنا اور نہ ان کا اعتبار کرنا۔ بیت۔

کار کن کار بگذر از گفتار کاندریں راہ کار دارد کار

پوری لگن سے کام میں مصروف رہ باتیں کرنا چھوڑ دے کہ اس راہ میں کام کرنے سے ہی کام بنتا ہے۔

۱۱۶۸/۱۸ وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ فُلَانًا يُصَلِّي بِاللَّيْلِ فَإِذَا أَصْبَحَ سَرَقَ فَقَالَ إِنَّهُ سَيَنْهَاهُ مَا تَقُوْلُ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں آدمی رات کو نماز پڑھتا ہے جب صبح کرتا ہے تو چوری کرتا ہے آپ نے فرمایا جلد ہی رات کی نماز اسے اس برے کام سے روک دے گی[1] جو تو کہہ رہا ہے۔ (احمد اور بیہقی شعب الایمان میں)

[1] توبہ کی توفیق نصیب ہونے، اس میں نورانیت کے سرایت کرنے اور اس میں نماز کی برکت آ جانے سے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا۔ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

۱۱۶۹/۱۹ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَيْقَظَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّيَا أَوْ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ جَمِيْعًا كُتِبَا فِي الذَّاكِرِيْنَ وَالذَّاكِرَاتِ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَهْ)

حضرت ابوہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد جب رات میں عبادت کے لیے اپنی بیوی کو جگائے اور وہ دونوں یا ان[1] میں سے ہر ایک دو رکعتیں پڑھیں تو وہ ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں[2] میں لکھے جاتے ہیں۔

(ابوداؤد وابن ماجہ)

[1] یہ راوی کو شک ہے کہ آپ نے نصلیا کہا بصیغہ تثنیہ یا نصلی بصیغہ مفرد کہا۔ مفرد کی صورت میں دونوں میں سے ہر ایک مراد ہے۔

[2] جو ہمیشہ ذکر الٰہی میں لگے رہتے ہیں۔ اور اس وقت کے قیام اور دوسرے کو جگانے کی فضیلت کی خصوصیت کے پیش نظر اس میں پوری توجہ مبذول کرتے ہیں۔

۱۱۷۰/۲۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَۃُ الْقُرْاٰنِ وَ اَصْحَابُ اللَّیْلِ۔ رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ

ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں زیادہ قدر و منزلت والے وہ ہیں جو قرآن کو اٹھانے والے ہیں اور وہ جو شب بیداری کرتے ہیں۔ (بیہقی شعب الایمان میں)

لے یعنی قرآن کے حافظ اور اس پر عمل کرنے والے اور رات میں نماز اور غیر نماز میں پڑھنے والے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا و اصحاب اللیل۔

ے یعنی وہ لوگ جو شب بیداری کی پابندی کرنے والے اس میں نماز اور قرآن پڑھنے والے ہیں۔

۱۱۸۱/۲۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ اَبَاہُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ کَانَ یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ مَا شَآءَ اللہُ حَتّٰی اِذَا کَانَ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ اَیْقَظَ اَھْلَہٗ لِلصَّلٰوۃِ یَقُوْلُ لَھُمُ الصَّلٰوۃَ ثُمَّ یَتْلُوْا ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَ اصْطَبِرْ عَلَیْھَا لَا نَسْئَلُکَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُکَ وَ الْعَاقِبَۃُ لِلتَّقْوٰی (رَوَاہُ مَالِکٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک ان کے باپ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رات میں نماز پڑھتے تھے جتنی اللہ تعالیٰ چاہتا۔ یہاں تک کہ جب رات کا آخری حصہ آجاتا تو آپ اپنے اہل کو بھی جگاتے تھے۔ انہیں فرماتے نماز کا وقت ہو گیا ہے پھر یہ آیت پڑھتے۔ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس نماز پر قائم رہئے۔ ہم آپ سے روزی طلب نہیں کرتے۔ ہم آپ کو رزق دیتے ہیں اور اچھا انجام تقویٰ کا ہے۔ (مالک)

لے مقدار شب اور عدد رکعات میں سے جو اللہ تعالیٰ چاہتا۔

ے یعنی ہم جو کہ سارے جہاں کے پروردگار ہیں تجھ سے اپنے لیے رزق کا سوال نہیں کرتے کیونکہ ہماری شان اس سے بہت بلند ہے یا معنی یہ ہے کہ ہم تجھ سے یہ سوال نہیں کرتے کہ تو طلب رزق اور [illegible] میں ایسا دوڑ بھاگ کرے کہ وہ تجھے نماز سے ہی روک دے۔

بَابُ الْقَصْدِ فِی الْعَمَلِ

عمل میں میانہ روی کا باب

قصد و اقتصاد کا معنی ہے افراط و تفریط میں درمیانی راہ اختیار کرنا۔ صراح میں ہے۔ قصد و اقتصاد یعنی ہر چیز میں

میانہ روی اختیار کرنا فلاں شخص انفاق میں قصد و اقتصاد کرتا ہے یعنی خرچ کرنے میں نہ اسراف کرتا ہے نہ کنجوسی عمل میں میانہ روی اختیار کرنا ایک اچھی چیز ہے کیونکہ میانہ روی اس عمل کے دوام کی موجب بنتی ہے اور وہ بندہ اس میں سستی اور تھکاوٹ سے محفوظ رہتا ہے جو اکثر کار اس کام کے ترک کرنے کا باعث بن جاتی ہے پھر یہ میانہ روی نفس اور اہل و عیال کے حق کی ادائگی میں بڑا دخل رکھتی ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۱۴۳ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَّا يَصُوْمَ مِنْهُ شَيْئًا وَيَصُوْمُ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَّا يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا وَكَانَ لَا تَشَاءُ اَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا اِلَّا رَاَيْتَهٗ وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَاَيْتَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مہینہ میں روزہ نہ رکھتے۔ یہاں تک کہ یہ گمان ہونے لگتا کہ آپ اس ماہ بالکل روزے نہ رکھیں گے اور آپ روزے رکھتے یہاں تک کہ گمان ہونے لگتا کہ آپ اس ماہ میں روزے ہی رکھتے چلے جائیں گے افطار نہ کریں گے[1] اور آپکی یہ حالت تھی کہ اے مخاطب تو نہ چاہے گا کہ آپ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھے مگر نماز میں ہی دیکھے گا[2]۔ اور نہ آپ کو سویا ہوا دیکھے مگر سویا ہوا ہی دیکھے گا۔ (بخاری)

[1] یعنی آپ نہ تو ہمیشہ روزہ دار ہوتے اور نہ روزہ رکھنے میں افراط کرتے اور نہ ایسا کرتے کہ ہمیشہ بے روزہ رہیں۔ تاکہ تفریط لازم آئے بلکہ ہر ماہ میں کبھی روزے رکھتے اور کبھی نہ رکھتے۔ لفظ یُظَنُّ یا کی پیش ظا کی زبر سے ہے جیسا کہ ہم نے ترجمہ کیا ہے اور اکثر روایات میں نون کی زبر ظا کی پیش سے بھی مروی ہوا یعنی ہم لوگ گمان کر لیتے تھے۔

[2] یعنی آپ رات میں نماز بھی پڑھتے تھے اور سوتے بھی تھے کہ نہ تو ساری رات نماز پڑھتے نہ ساری رات سوئے رہتے تو آپ کا عمل اعتدال پر مبنی ہوتا تھا اس میں افراط تفریط نہ ہوتی تھی۔ جیسا کہ باب قیام اللیل میں گزرا۔

۱۱۴۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑھ کر محبوب عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہی ہو[1]۔ (بخاری و مسلم)

[1] کیونکہ عمل قلیل جو ہمیشہ جاری رہے زیادہ مؤثر اور زیادہ کارگر ہوتا ہے۔ اس عمل کی نسبت جو زیادہ ہو مگر کبھی

کبھی ہو۔ جس طرح ایک ایک قطرہ جو لگاتار اور ہمیشہ گرتا ہے سوراخ کر دیتا ہے بخلاف بہت سے پانی کے جو کبھی کبھی بہتا ہو کہ وہ اتنا اثر نہیں کرتا۔)

۱۱۷۴ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اعمال اختیار کرو جن کی طاقت رکھتے ہو[1] کہ اللہ تعالےٰ اس وقت تک نفرت نہیں کرتا جب تک کہ تم خود نفرت نہ کرنے لگو[2] (بخاری و مسلم)

[1] اور جو تمہارے لیے آسان ہو تاکہ ہمیشہ کے لیے جاری رکھ سکو۔ اس طرح اس عمل کے دوام کے ساتھ اس کا ثواب بھی دائماً ملتا رہے گا۔

[2] یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت تک ثواب عطا کرنے سے نفرت نہیں کرتا جب تک کہ تم عمل سے نفرت نہ کرنے لگو اور جب تک کہ اسے چھوڑ نہ دو۔ ملال کا معنی ہے کسی شے کو گراں سمجھنا اور نفس کا اس کی طرف میلان اور اس سے محبت کرنے کے بعد اس سے نفرت کرنا۔ فارسی میں اس کا معنی ہے عاجز آ جانا لفظ یَمَلُّ یا کی زبر سے اور تَمَلُّوْا تا کی زبر سے ہے اور میم بھی دونوں میں مفتوح ہے۔

۱۱۷۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّ اَحَدُكُمْ نَشَاطَهٗ وَاِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاہیے کہ تم میں سے ہر ایک اس وقت تک نماز پڑھے جب تک کہ اس کا ذوق[1] شوق رہے اور جب سست پڑ جائے تو بیٹھ جائے[2] (بخاری و مسلم)

[1] حدیث میں لفظ نشاط آیا ہے جس کا معنی ہے خوشی اور مسرت ظاہر کرنا۔

[2] فتر تا کی زبر سے۔ یعنی جب سست اور درماندہ ہو جائے تو چاہیے کہ بیٹھ جائے۔ نماز پڑھنا چھوڑنے سے لیٹ جانے کا حکم نہ دیتے بلکہ صرف بیٹھنے کا حکم دینے میں اس جانب اشارہ ہے کہ دوبارہ ذوق و شوق پیدا ہونے کے انتظار میں بیٹھے تاآنکہ ذوق و شوق لوٹ آئے اور اس میں از سر نو عمل کا جذبہ پیدا ہو جائے ایسا نہ کرے کہ عمل [illegible] پر فارغ ہو کر گہری نیند سو جائے۔

واضح ہو کہ نفس میں ذوق و شوق باقی رہنے تک عمل میں مصروف رہنا اور سستی و درماندہ ہو جانے کی صورت میں عمل ترک کر دینے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ اور آخر شب میں نفس پر عمل گراں ہونے کے باوجود عمل کر لینے میں نقصان ہے

چاہیے کہ عبادت کا طلبگار کوشش کرے اور نفس کو کثرت عمل کا عادی بنائے مشقت و ریاضت کا خوگر بنے حتیٰ کہ سو رکعت اور قرآن کے دس پارے تھوڑے وقت میں اس کے لیے پڑھنا آسان ہو جائے اور اس حد تک پہنچنے پر بھی ذوق و شوق بڑھتا ہی رہے۔ حالانکہ اس سے پہلے اس کے لیے دو رکعت اور ایک پارہ پڑھنا گراں اور بھاری محسوس ہوتا تھا۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

۱۱۷۶ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ لَا يَدْرِيْ لَعَلَّهٗ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو اونگھ آنے لگے اور وہ نماز میں ہو تو چاہیے کہ سو جائے[۱] یہاں تک کہ اس سے نیند[۲] دور ہو جائے کیونکہ تم میں سے کوئی آدمی جب نماز پڑھ رہا ہو اور اسے اونگھ بھی آ رہی ہو تو اسے پتہ نہ چلے[۳] گا شاید کہ وہ استغفار کرنے لگے اور بجائے استغفار کے اپنے آپ کو گالیاں دے۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی نماز ہلکی کرے اور مکمل کر کے سو جائے۔

۲؎ نُعاس۔ نون کی پیش سے نیند کی گرانی اور اس کی ابتدائی حالت اسے غنودگی کی زبر یا سِنۃ بکسر سین بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ اونگھ اور نیند سے پاک ہے۔ یہ دراصل ایک لطیف ہوا ہوتی ہے جو دماغ کی طرف سے آتی ہے اور آنکھوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔ دل تک نہیں پہنچتی۔ جب دل تک پہنچ جاتی ہے تو اسے نیند کہتے ہیں۔ رقود و رقاد پیش سے یعنی نیند۔ صرف اونگھ کی صورت میں اگر اٹھ کھڑا ہو اور کام کاج کرنے لگے جس سے اونگھ دور ہو جائے تو ایسا ہو جاتا ہے مگر جب کہ نیند غالب آ جائے اور اسے ہٹانا دماغ کو نقصان دیتا اور بدن کے بوجھل ہونے کا باعث بنے یہ حالت اختلاف حالات و اوقات سے معلوم ہو جاتی ہے۔

۳؎ نہ جانے کا مطلب یہ ہے اسے معلوم نہ ہوگا کہ وہ نماز کا کونسا فعل اور نماز کے کونسے کلمات کہہ رہا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ استغفار و دعا کرے مگر اس سے غلطی واقع ہو جائے اور غلطی کی وجہ سے اپنے آپ کو گالی دے اور بجائے اللھم اغفرلی یا اللھم ارحمنی کہنے کے یوں کہہ دے اللھم عذبنی والعنی۔ اے اللہ مجھے عذاب دے اور مجھ پر لعنت کر۔

۱۱۷۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَّلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک دین اسلام آسانی اور سہولت پر مبنی ہے اور کوئی شخص دین کو

قیام لیل اور نماز شب کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے اسی وجہ سے یہ حدیث اس باب میں لائی۔

۱۱۷۹/۸ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو پر نماز پڑھ[1] (بخاری)

[1] اگر اسے نماز فرض پر محمول کریں تو ظاہر ہے اور اگر نماز نافلہ مراد لیں تو یہ افضل و اکمل کا بیان ہے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔ اور حضور کا قول مبارک علیٰ جَنْبٍ (پہلو پر) فقہاء کے قول مختار پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قبلہ رو چت لیٹ کر پڑھے۔

۱۱۸۰/۹ وَعَنْهُ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلٰوةِ الرَّجُلِ قَاعِدًا قَالَ إِنْ صَلّٰى قَائِمًا فَهُوَ أَفْضَلُ وَمَنْ صَلّٰى قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلّٰى نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھو تو افضل ہے اور جو بیٹھ کر نماز پڑھے تو اسے کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے اور جو لیٹ کر نماز پڑھے اسے بیٹھنے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے[1] (بخاری)

[1] یہ حدیث نفل نماز پر محمول ہے کیونکہ نماز فرض اگر بلا عذر بیٹھ کر پڑھے گا تو درست نہ ہوگی۔ لہٰذا یہ کھڑے ہو کر جو نفل نماز میں افضل ہے ادا کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا اور اگر کوئی عذر لاحق ہو تو پھر قیام ساقط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اب قیام بیٹھنے سے افضل نہ ہوگا اور بیٹھنے والے کو کھڑے ہونے والے سے آدھا ثواب نہ ملے گا بلکہ پورا ملے گا۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے نفل نماز کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پڑھنے کی تلاوت ہوتے ہوئے لیٹ کر پڑھنی جائز ہے۔ علماء کا ایک گروہ اس جواز کا قائل ہے امام حسن بصری بھی اس گروہ میں سے ہیں جیسا کہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۱۱۸۱/۱۰ عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو

آوٰی اِلٰی فِرَاشِہٖ طَاھِرًا وَّ ذَکَرَ اللّٰہَ حَتّٰی یُدْرِکَہُ النُّعَاسُ لَمْ یَتَقَلَّبْ سَاعَۃً مِّنَ اللَّیْلِ یَسْئَلُ اللّٰہَ فِیْھَا خَیْرًا مِّنْ خَیْرِ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ اِلَّا اَعْطَاہُ اِیَّاہُ ذَکَرَہُ النَّوَوِیُّ فِیْ کِتَابِ الْاَذْکَارِ بِرِوَایَۃِ ابْنِ السُّنِّیِّ

اپنے بستر پر پاک ہو کر لیٹے[1] اور اللہ کا ذکر کرتا ہے یہاں تک کہ اسے نیند آجائے تو رات کی کسی گھڑی میں کروٹ نہ لے گا جس میں اللہ سے دنیا و آخرت کی خیر مانگے مگر رب تعالٰے اسے دے گا۔

اسے نووی نے کتاب الاذکار میں ابن السنی سے روایت کیا۔

۱؎ اور باوضو لیٹے۔ لفظ آوٰی آیا اور بے مد دونوں طرح مروی ہے۔ بے مد زیادہ مشہور ہے۔ فراش فا کی زیر سے بمعنی بستر۔

۱۱۴۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ رَّجُلَیْنِ رَجُلٌ ثَارَ عَنْ وِطَائِہٖ وَ لِحَافِہٖ مِنْ بَیْنِ حِبِّہٖ وَ اَھْلِہٖ اِلٰی صَلٰوتِہٖ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ لِمَلٰٓئِکَتِہٖ اُنْظُرُوْا اِلٰی عَبْدِیْ ثَارَ عَنْ فِرَاشِہٖ وَ وِطَائِہٖ مِنْ بَیْنِ حِبِّہٖ وَ اَھْلِہٖ اِلٰی صَلٰوتِہٖ رَغْبَۃً فِیْمَا عِنْدِیْ وَ شَفَقًا مِّمَّا عِنْدِیْ وَ رَجُلٌ غَزَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَانْھَزَمَ مَعَ اَصْحَابِہٖ فَعَلِمَ مَا عَلَیْہِ فِی الْاِنْھِزَامِ وَ مَا لَہٗ فِی الرُّجُوْعِ فَرَجَعَ حَتّٰی ھُرِیْقَ دَمُہٗ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ لِمَلٰٓئِکَتِہٖ اُنْظُرُوْا اِلٰی عَبْدِیْ رَجَعَ رَغْبَۃً فِیْمَا عِنْدِیْ وَ شَفَقًا مِّمَّا عِنْدِیْ حَتّٰی ھُرِیْقَ دَمُہٗ۔ رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا رب دو آدمیوں سے بہت راضی ہوتا ہے[1] ایک وہ آدمی جو اپنے بستر اپنے لحاف اپنے پیاروں[2] اپنے گھر والوں کے درمیان[3] نماز کے لیے کود کر کھڑا ہو۔ رب تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کو دیکھو کہ اپنے بستر اور لحاف سے اپنے پیاروں اور گھر والوں کے درمیان سے نماز کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ میری رحمت کی رغبت اور میرے عذاب کے خوف سے[4] اور ایک وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے[5] تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ جائے پھر غور کرے کہ اس پر بھاگنے میں کیا عذاب ہے اور واپس جہاد کی طرف لوٹنے میں کیا ثواب ہے تو لوٹ پڑے یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا جائے۔ تو رب تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو میرے ثواب میں رغبت اور میرے عذاب سے خوف کرتے ہوئے لوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا گیا۔ (شرح السنۃ)

سلہ اور ان دو شخصوں پر تعجب کرتا ہے یعنی انہیں عظیم و کبیر جانتا ہے۔ بعض نے کہا اللہ راضی ہوتا اور انہیں ثواب عطا کرتا ہے۔

سلہ۲ یعنی اپنے نرم بستر سے جس پر وہ سویا ہوتا ہے اور اپنے لحاف سے جسے اس نے اوڑھا ہوتا ہے، جلدی سے نکل پڑتا ہے۔ لفظ وطاء واو کی زیر اور زبر دونوں طرح ہے لحاف لام کی زیر سے۔

سلہ۳ اصل میں لفظ حب آیا ہے حا کی زیر سے بمعنی محبوب۔

سلہ۴ شفق شین اور فا کی زبر بمعنی خوف و ہراس۔

سلہ۵ جو راہ خدا میں کافروں سے جہاد کے لیے نکلا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۱۸۳/۱۲ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ حُدِّثْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلٰوةِ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ فَوَجَدْتُهٗ يُصَلِّيْ جَالِسًا فَوَضَعْتُ يَدِيْ عَلٰى رَاْسِهٖ فَقَالَ مَالَكَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ① قُلْتُ حُدِّثْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ قُلْتَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلٰى نِصْفِ الصَّلٰوةِ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ قَاعِدًا قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنِّيْ لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تیسری فصل

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد کی نماز بیٹھ کر آدھی نماز ہے فرماتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے پایا میں نے اپنا ہاتھ آپ کے سر پر رکھ دیا[1] تو فرمایا اے عبداللہ بن عمرو تمہیں کیا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے فرمایا مرد کی نماز بیٹھ کر آدھی نماز ہے اور آپ بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں فرمایا ہاں لیکن میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں [illegible]

(مسلم)

سلہ علماء نے کہا ہے یہ عربوں کی عادت ہے کہ جب کسی چیز کو خصوصی اہمیت دینی ہوتی ہے یا اسے عجیب سمجھے اور اس پر تعجب کرتے ہیں۔ اس کی نظیر وہ ہے کہ بعض دیہاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ شریف کو چومتے تھے۔ حضرت شیخ ابن حجر اپنی شرح میں فرماتے ہیں۔ سر پر ہاتھ رکھنا خلاف ادب ہے۔ بعض نے کہا شاید حضرت عبداللہ بن عمرو رضی

رضی اللہ عنہ سے یہ فعل تعجب و حیرت کی بنا پر یکایک بلا قصد و ارادہ واقع ہو گیا۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت عبداللہ نے یہ فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد کیا نہ کہ نماز کے اندر۔

۲؎ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت عبداللہ کے اس فعل کو عجیب و غریب جانا۔

۳؎ تو آپ جیسی تمام افضلوں و اکملوں سے افضل و اکمل ذات سے افضل و اکمل فعل کا ترک کیسے واقع ہوا۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔

۴؎ ہاں ایسا ہی ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے۔

۵؎ یہ جو میں نے کہا میرے علاوہ میری امت کے دوسرے لوگوں کے لیے ہے۔ میں اس حکم سے خارج ہوں۔ میرا پروردگار مجھے بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی اتنا ہی ثواب عطا کرتا ہے جتنا مجھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر دیتا ہے۔ کیونکہ اس کا میرے اوپر خصوصی فضل و کرم ہے۔ یا یہ بات میرے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ مجھے رب تعالیٰ کی طرف انتہا درجہ کی توجہ اور حضور کی معرفت اور قرب نصیب ہے۔ مجھے دوسروں پر قیاس نہ کرو۔ نہ دوسروں کو مجھ پر۔

۱۱۸۴ - وَعَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ قَالَ قَالَ رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ لَيْتَنِي صَلَّيْتُ فَاسْتَرَحْتُ فَكَأَنَّهُمْ عَابُوا ذَالِكَ عَلَيْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَقِمِ الصَّلٰوةَ يَا بِلَالُ أَرِحْنَا بِهَا (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت سالم بن ابو الجعد رضی اللہ عنہ[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ خزاعہ کے ایک آدمی نے کہا۔ کاش میں نماز پڑھ لیتا۔ تو راحت پا جاتا۔ شاید لوگوں نے اس بات کو معیوب جانا[2]۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اے بلال نماز کی تکبیر کہو۔ ہمیں اس سے راحت پہنچاؤ[3]۔ (ابوداؤد)

۱؎ صحیح یہ ہے کہ یہ صحابی نہیں بلکہ سالم بن ابو الجعد مشہور تابعی ہیں۔ اور ان میں ثقہ شخصیت ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہوئے۔

۲؎ یعنی وہاں موجود دوسرے صحابہ کرام وغیرہم نے اس کی اس بات کو اچھا نہ جانا اور ان کے فہم پر یہ بات گراں گزری۔

۳؎ یعنی ہمیں بلال ہمیں نماز کے ساتھ راحت دو۔ تکبیر کہو تاکہ ہم نماز پڑھیں اور راحت حاصل کریں۔ دوسری بات یہ کہ نماز میں مشغول ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موجب راحت تھا۔ نماز کے ادا کرنے اور اس میں بارگاہ حق میں مناجات کرنے سے دنیا کی ملال اور لوگوں کے میل جول سے نجات پاتے تھے اسی لیے آپ نے فرمایا جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔ یعنی نماز کے اندر میری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک رکھی گئی ہے۔ ان دونوں معنوں میں فرق یہ ہے کہ معنیٰ اول تو یہ ہے کہ ہم ذمہ داری سے بری ہو کر، طاعت بجا لاتے، حکم کی فرمانبرداری کرتے، مشغولیت کی تھکاوٹ سے خلاصی پاتے اور اس ذات کے ساتھ تعلق

قلبی قائم کرنے کے ذریعہ راحت حاصل کریں۔ اور معنی ثانی یہ ہے کہ نماز کے وجود، ذوق مناجات اور اس شہود سے جو نماز میں نصیب ہو گا اس کے ذریعے راحت حاصل کریں۔ اور شک نہیں کہ دوسرا معنیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام حال کے زیادہ مناسب و لائق ہے اور خزاعی مرد کا قول پہلے معنی کی طرف رخ رکھتا ہے۔ اسی بنا پر صحابہ نے اسے معیوب جانا ممکن ہے کہ خزاعی مرد کی مراد بھی دوسرا معنی ہی ہو۔ یعنی ہم نماز پڑھیں اور اس کے ساتھ راحت حاصل کریں۔ اور ما سوائے اللہ کے ساتھ مشغولیت سے نجات پائیں، خوب سمجھو، و باللہ التوفیق۔

بَابُ الْوِتْرِ

نماز وتر کا بیان

علماء کے درمیان نماز وتر میں دو طرح کا اختلاف ہے۔ اول یہ کہ وتر سنت ہیں یا واجب۔ اکثر ائمہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ اس پر ہیں کہ نماز وتر سنت ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وتر واجب ہیں۔ تاہم واجب بمعنی فرض نہیں۔ اور ایک روایت کے مطابق آپ کے نزدیک فرض ہیں اور ایک روایت میں سنت بھی آیا ہے مگر صحیح قول اول ہے کہ واجب ہیں۔ علماء نے کہا کہ سنت ہونے کے باوجود ان کی قضا واجب ہے۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ نماز وتر ایک رکعت ہے یا تین رکعت۔ پانچ اور سات رکعات کا ذکر بھی آیا ہے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک وتر ایک رکعت ہے۔ حنفیہ کے نزدیک تین رکعت۔ احادیث دونوں جانب وارد ہیں۔ بعض حضرات جو ایک رکعت کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ ایک رکعت وتر سے پہلے دو رکعت بھی پڑھے اور سلام پھیرے اگر پہلے دو رکعت نہ پڑھی جائیں تو یہ مکروہ ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ نماز وتر میں کیا کہتے ہیں، آپ نے جواب دیا اکثر احادیث سے ایک رکعت وتر کا ثبوت ملتا ہے۔ میں بھی اسی جانب ہوں۔ دوسرے وقت میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ دو رکعت پر سلام پھیرتے اگر سلام نہ بھی پھیرے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض شافعیہ نے تین رکعت وتر کے قول کو ضعیف اور کمزور ثابت کرنے میں بلند بانگ دعوے سے کام لیا ہے اور حق یہ ہے کہ تین رکعت کے بارے میں بھی احادیث کثیرہ اور آثار صحیحہ آئے ہیں۔ اور اس باب وتر میں کافی گفتگو کی گئی ہے۔ اس کے دلائل وجوب اور اس کے ایک رکعت یا تین رکعت ہونے میں شرح عربی (لمعات) اور شرح سفر السعادۃ میں تفصیل سے یہ گفتگو ذکر ہو چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۱۱۸۵ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا خَشِيَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کو صبح ہونے کا خطرہ لاحق ہو جائے تو وہ ایک رکعت اور پڑھے۔ یہ ایک رکعت پہلی رکعتوں کو وتر بنا دے گی[1] (بخاری و مسلم)

[1] وتر بمعنی طاق ہے۔ جفت عدد کے مقابل۔ اور جب اس نے پہلے دو دو رکعت پڑھی ہیں۔ سب جفت واقع ہوں گی۔ اور جب ایک ان کے ساتھ ملائے گا تو وتر بن جائیں گی۔ حدیث میں آیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ وتر ہے وتر کو پسند کرتا ہے وتر نماز کی مشروعیت کا سبب یہ حدیث ہے پھر بھی رات کی ساری نماز کو وتر کہہ دیتے ہیں۔ حدیث کا ظاہر مفہوم یہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک فَاِذَا خَشِيَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ گویا رات کی نماز کو دراز کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ نزدیک صبح تک پڑھی جائے۔ ورنہ وتر نماز کا ادا کرنا طلوع صبح کے خوف پر موقوف نہیں ہے۔ اسے خوب سمجھو۔

۱۱۸۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِّنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وتر آخر رات میں ایک رکعت ہیں[2] (مسلم)

[2] امام شافعی کے مطابق کہ اس سے پہلے دو رکعت پڑھے اور سلام پھیرے اس کے بعد ایک رکعت پڑھے یہ حدیث نماز وتر کے ایک رکعت ہونے کی دلیل ہے۔ وہ احادیث جو وتر نماز کے تین رکعت ہونے پر دلالت کرتی ہیں ابھی آ رہی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ اس جانب اشارہ ہے کہ چاہیے کہ وتر آخر شب میں پڑھے جائیں۔ اس میں بھی کلام آ رہا ہے۔

۱۱۸۷ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُّوْتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ لَا يَجْلِسُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ ان میں سے پانچ رکعت وتر پڑھتے تھے۔ جن میں آخر کے سوا کہیں نہ بیٹھتے تھے

فِیْ شَیْءٍ اِلَّا فِیْ اٰخِرِھَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) (بخاری و مسلم)

لے تحقیق سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کئی طرح پر ہوتی تھی۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ آپ آٹھ رکعت پڑھتے۔ چہار سلام کے ساتھ دو دو رکعت کر کے۔ اور پانچ رکعت لگاتار اور متصل ادا کرتے وتر کی نیت سے ایک تشہد اور ایک سلام کے ساتھ۔ یہ حدیث صحیح اس بارے میں صریح ہے کہ پانچ رکعت میں ایک تشہد کے ساتھ اتصال کرتے تھے اور یہ بات فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے جو فقہاء اس کے قائل نہیں ہیں وہ عدم تشہد کی تاویل عدم سلام سے کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ کہ تشہد سے یہاں سلام مراد ہے۔ یعنی آپ سلام نہ پھیرتے مگر آخر میں۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ لم یسلم الا فی آخرھن آپ سلام نہ پھیرتے مگر ان کے آخر میں اور چار رکعتوں سے زائد رکعتوں کو ایک سلام سے ملانا جائز ہے۔ بالاتفاق اور حنفیہ کے نزدیک آٹھ رکعت تک اس طرح کرنا جائز ہے۔

۱۱۸۸ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ ھِشَامٍ قَالَ انْطَلَقْتُ اِلٰی عَائِشَۃَ فَقُلْتُ یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْبِئِیْنِیْ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ اَلَسْتَ تَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قُلْتُ بَلٰی قَالَتْ فَاِنَّ خُلُقَ نَبِیِّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ الْقُرْاٰنَ قُلْتُ یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْبِئِیْنِیْ عَنْ وِتْرِ رَسُوْلِ رسولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ کُنَّا نُعِدُّ لَہٗ سِوَاکَہٗ وَطَھُوْرَہٗ فَیَبْعَثُہُ اللّٰہُ مَا شَاءَ اَنْ یَّبْعَثَہٗ مِنَ اللَّیْلِ فَیَتَسَوَّکُ وَیَتَوَضَّاُ وَیُصَلِّیْ تِسْعَ رَکَعَاتٍ لَا یَجْلِسُ فِیْھَا اِلَّا فِی الثَّامِنَۃِ فَیَذْکُرُ اللّٰہَ وَیَحْمَدُہٗ وَیَدْعُوْہُ ثُمَّ یُسَلِّمُ تَسْلِیْمًا یُسْمِعُنَا ثُمَّ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ بَعْدَ مَا یُسَلِّمُ وَھُوَ قَاعِدٌ فَتِلْکَ اِحْدٰی عَشَرَۃَ

حضرت سعد[1] بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں حضرت عائشہ کے پاس گیا۔ عرض کیا اے ام المومنین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی خبر دیجیے آپ نے فرمایا کیا تم لوگ قرآن نہیں پڑھتے ہو میں نے کہا ہاں پڑھتا ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا میں نے عرض کیا اے ام المومنین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کی خبر دیجیے فرمایا ہم آپ کی مسواک اور وضو کا پانی تیار کرتے تھے تو رات میں جب اللہ چاہتا انہیں اٹھاتا تو آپ مسواک کرتے اور وضو کرتے اور نو رکعتیں پڑھتے نہ بیٹھتے ان میں سے آٹھویں کے سوا کہیں بیٹھتے [illegible] کرتے اس کی حمد کرتے اور دعا [illegible] سلام پھیرے کھڑے ہوتے تو نویں رکعت [illegible] پھر اللہ کا ذکر کرتے اور اس کی حمد کرتے اور اس سے دعا مانگتے۔ پھر اس طرح سلام پھیرتے کہ ہمیں سنا دیتے پھر سلام کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے۔ اے بیٹے یہ گیارہ رکعتیں ہوئیں۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم

رَكْعَةً يَا بُنَيَّ فَلَمَّا أَسَنَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخَذَ اللَّحْمَ أَوْتَرَ بِسَبْعٍ وَصَنَعَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِثْلَ صَنِيعِهِ فِي الْأُولٰى فَتِلْكَ تِسْعٌ يَا بُنَيَّ وَكَانَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى صَلٰوةً أَحَبَّ أَنْ يُّدَاوِمَ عَلَيْهَا وَكَانَ إِذَا غَلَبَهُ نَوْمٌ أَوْ وَجَعٌ عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً وَلَا أَعْلَمُ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ الْقُرْآنَ كُلَّهُ فِي لَيْلَةٍ وَصَلّٰى لَيْلَةً إِلَى الصُّبْحِ وَلَا صَامَ شَهْرًا كَامِلًا غَيْرَ رَمَضَانَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

عمر رسیدہ اور کمزور[7] ہو گئے تو سات رکعتیں پڑھنے لگے اور دو رکعتوں میں پہلی رکعتوں کا سا عمل کرتے اے بیٹے یہ نو ہوئیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نماز پڑھتے تو اس پر ہمیشگی کو پسند فرماتے[8] اور جب آپ کو نیند یا تکلیف رات کو اٹھنے سے مانع ہوتی تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے[9]۔ اور مجھے خبر نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا قرآن ایک رات میں پڑھا ہو، اور نہ یہ کہ ساری رات صبح تک نماز پڑھی ہو اور نہ یہ کہ رمضان کے سوا کسی مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں[10]

(مسلم)

۱ حضرت سعد انصاری تابعی اور جلیل القدر شخصیت ہیں۔ امام حسن بصری ان سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی احادیث اہل بصرہ کے پاس ہیں اصحاب میں شہرت یافتہ ہیں۔ آپ ہندوستان کی طرف تشریف لائے۔ جہاد کیا اور مکران میں جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا کے بیٹے ہیں۔

۲ یعنی آپ کی نماز وتر کے بارے میں آگاہ کریں۔

۳ یعنی قرآن پاک میں جو اخلاق عظیمہ اور صفات حمیدہ مذکور و بیان کی گئی ہیں آپ ان سب کے ساتھ متخلق اور موصوف تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کا خلق قرآن پاک میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (بے شک آپ خلق عظیم سے موصوف ہیں)

۴ [illegible]

۵ یعنی آپ تشہد پڑھتے اور تشہد میں ذکر و حمد و دعا کرتے۔

۶ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کا دوسرا طریقہ ہے اور اس میں یہ تعیین ہے کہ لفظ لا یجلس ظاہر پر محمول ہے۔ اور لفظ یجلس سے سلام مراد نہیں ہے۔ ورنہ استثناء کی بنا پر لازم آئے گا کہ آٹھویں رکعت پر آپ سلام پھیرتے تھے۔ حالانکہ

اس بات کی تصریح موجود ہے کہ ان میں بیٹھتے مگر سلام نہ پھیرتے تھے۔

۷ھ یعنی آپ کے جسم اقدس کا گوشت بڑھ گیا اور آپ تن دار اور ضعیف ہو گئے یعنی آخر عمر شریف میں۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے کہا کہ آپ کی یہ حالت رحلت سے ایک سال پہلے ہو گئی۔

۸ھ اس محبت کی بنا پر جو آپ کو نماز سے تھی اور یہ دستور اس کے ساتھ کوئی منافات نہیں رکھتا کہ آپ کا نفل پڑھنا وقتاً فوقتاً ہوتا تھا اور آپ اپنے اوپر نوافل کو لازم و ضروری نہ گردانتے تھے تاکہ امت پر فرض نہ ہو جائیں۔

۹ھ اور دن میں وہ تفصیل نہ ہوتی تھی کہ کبھی تیرہ رکعت پڑھتے کبھی گیارہ یا نو یا سات رکعت۔

۱۰ھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نفی کی نسبت اپنے علم کی طرف احتیاط کی۔ اور فرمایا میں نہیں جانتی کہ شاید آپ حضرت عائشہ کی باری کے علاوہ یا بعض اوقات سفر وغیرہ میں کرتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ۔ واضح ہو کہ وتر کے بعد دو رکعت پڑھنا بہت سی احادیث میں آیا ہے لیکن ایک دوسری حدیث اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وترًا (رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ) بظاہر اس کے معارض اور مخالف نہیں یہ چیز بہت سے علماء کے لیے مشکل ہو گئی ہے۔ اس لیے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ وتر کے بعد دو رکعت پڑھنے کے منکر ہیں اور کہا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے امام احمد رحمۃ اللہ نے کہا میں یہ دو رکعت خود نہیں پڑھتا مگر کسی کو منع بھی نہیں کرتا۔ اور جمہور علماء بعد وتر دو رکعت پڑھنے کے قائل ہیں کیونکہ ان دو رکعت کا ذکر احادیث صحیحہ میں آ چکا ہے اور کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے وتر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے تاکہ لوگ جان لیں کہ وتر کے بعد نفل پڑھنے جائز ہیں۔ لہٰذا حدیث اجعلوا آخر صلوتکم باللیل استحباب پر محمول ہو گی نہ کہ وجوب پر۔

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ وتر کے بعد دو رکعت پڑھنا اول رات میں تھا یا آخر رات میں۔ اس باب میں حضرت ابوامامہ کی حدیث مطلق ہے۔ اس میں صرف اس قدر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے یہ نہیں کہا کہ اول شب میں یا آخر شب میں۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ یہ دو رکعت آپ اس وقت پڑھتے جب کہ وتر اول رات میں پڑھتے۔ یہ دونوں حدیثیں باب کے آخر میں آئیں گی اور بخاری و مسلم و موطا کی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ایسا قیام لیل میں ہوتا تھا اور یہی صحیح ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ دو رکعتیں وتر کے ساتھ ملحق ہیں۔ اور وتر کے لیے سنت جابرہ کی طرح ہیں۔ خصوصًا اس شخص کے قول کے مطابق جو اس کے وجوب کا قائل ہے جیسے دن کے وتر کہ وہ نماز مغرب ہے۔ اس کے متصل بعد دو رکعت سنت مؤکدہ پڑھی جاتی ہیں۔ اور رات کے وتر کے ساتھ بھی دو رکعت ملانا ضروری ہو گا۔

اس کے بعد یہ بھی واضح ہو کہ اول رات میں وتر نماز کو جفت (دو رکعتیں) بنانے کی نیت جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں کہ بیٹھ کر دو رکعت نفل پڑھنے کو ایک رکعت کی طرح قرار دیتے ہیں تو ان بعض کا یہ خیال کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اور

ایسا کرنا بلا ضرورت وتر نماز کو ناقص اور باطل کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بعد الوتر نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر وتر اول شب میں پڑھ لیے جائیں پھر قیام لیل کی توفیق بھی نصیب ہو جائے اور نماز تہجد بھی ادا کی جائے تو دوبارہ پڑھنے کی حاجت و ضرورت نہ رہے گی۔ مختار و پسندیدہ قول یہی ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے اور بلا شک و شبہ روایات میں آ چکا ہے کہ لا وتران فی لیلۃ واحدۃ ایک رات میں دوبارہ وتر نہیں پڑھے جا سکتے۔ اس میں غور کرو۔

۱۱۸۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلٰوتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ رات کی آخری نماز وتروں کو بناؤ[1] (مسلم)

[1] اس کی شرح گذشتہ حدیث کے بیان میں گزر چکی ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ امام بخاری نے بھی باب الوتر میں اسے روایت کیا ہے۔

۱۱۹۰ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِرُوا الصُّبْحَ بِالْوِتْرِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر پڑھ کر صبح پانے میں جلدی کرو[1] (مسلم)

[1] یعنی طلوع سے پہلے وتر پڑھو اور ترمذی کی حدیث میں ہے صبح ہونے سے پہلے وتر ادا کرو۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ جب فجر طلوع ہو گئی تو رات کی نماز جاتی رہی۔ لہٰذا وتر فجر ہونے سے پہلے پڑھو۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ نماز فجر کے بعد وتر نہیں۔ اس سے وتر کی ادا مراد ہو گی ورنہ صبح کے وقت وتر نماز کی قضا جائز ہے۔ جیسا کہ فصل ثانی میں زید بن اسلم کی حدیث میں آ رہا ہے کہ قضا ہر وقت جائز ہے۔ ترتیب کی رعایت کے ساتھ۔

۱۱۹۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَنْ لَّا يَقُوْمَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهٗ وَمَنْ طَمِعَ اَنْ يَّقُوْمَ اٰخِرَهٗ فَلْيُوْتِرْ اٰخِرَ اللَّيْلِ فَاِنَّ صَلٰوةَ اٰخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَّذٰلِكَ اَفْضَلُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اندیشہ ہو کہ آخر شب میں نہ اٹھے گا تو وہ اول شب میں ہی وتر پڑھ لے اور جسے آخر شب میں بیدار ہونے کی امید ہو وہ آخر شب میں وتر پڑھے کیونکہ آخر شب کی نماز کی فضیلت و شان کی گواہی دی گئی ہے[1] (مسلم)

سلہ اور وہ آخر شب میں اٹھنے پر اعتماد رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ وتر آخر شب میں پڑھے۔

سلہ اور اس نماز کے وقت ملائکہ رحمت حاضر و موجود ہوتے ہیں اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے مشہودۃ محضورۃ و ذالک افضل یعنی اس وقت کی نماز کی فضیلت و شان کی گواہی آ چکی ہے۔ اور اس وقت ملائکہ رحمت موجود ہوتے ہیں۔ اور یہ افضل عمل ہے اور آخر شب میں وتر پڑھنا اول شب میں پڑھنے کی نسبت زیادہ فضیلت والا عمل ہے اس وجہ سے کہ اس وقت کی فضیلت کی گواہی آ چکی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی عارضے کے باعث کسی خاص شخص کے لیے اول شب میں وتر پڑھ لینا اولی اور زیادہ احتیاط کی بات اور اس کے حال کے زیادہ لائق ہو۔ ابو داؤد کی حدیث میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو کس وقت وتر پڑھتا ہے عرض کیا اول شب میں۔ آپ نے حضرت عمر سے فرمایا تو کس وقت وتر پڑھتا ہے۔ عرض کیا آخر شب میں۔ آپ نے حضرت ابو بکر کے بارے میں فرمایا اس نے احتیاط کو اختیار کیا ہے اور حضرت عمر کے بارے میں فرمایا اس نے قوت و طاقت والا عمل اختیار کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وتر اول شب میں پڑھ کر سو جایا کر۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اول شب میں احادیث سنتے اور انہیں یاد کیا کرتے تھے (تو اندیشہ ہوتا تھا کہ آخر شب میں بیدار نہ ہو سکیں)

۱۱۹۲/۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَاَوْسَطِهٖ وَاٰخِرِهٖ وَانْتَهٰى وِتْرُهٗ اِلَى السَّحَرِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر حصے میں وتر پڑھے ہیں۔ اول شب میں اس کے درمیان میں اور آخر شب میں بھی پھر آخر عمر شریف میں آپ سحری کے وقت وتر پڑھتے تھے
(بخاری ومسلم)

سلہ یعنی آخر عمر میں یہ چیز طے ہو گئی کہ سحری کے وقت اور آخر شب میں آپ وتر پڑھتے تھے

۱۱۹۳/۹ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ بِثَلٰثٍ صِيَامِ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَيِ الضُّحٰى وَاَنْ اُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَنَامَ
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے میرے دوست حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کاموں کی وصیت فرمائی ہر ماہ تین روزے رکھنے کی نماز چاشت کی دو رکعتیں پڑھنے کی اور اس بات کی کہ میں سونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کروں
(بخاری ومسلم)

لہ یعنی میرے جانی دوست نے جس کی محبت میرے دل میں گھر کر چکی ہے۔

ے وہ تین دن جو دن بھی ہوں۔ اکثر روایات میں ہر ماہ کے درمیانی تین دن آئے ہیں جنہیں ایام بیض کہتے ہیں۔ جیساکہ کتاب الصوم میں آرہا ہے۔

ے یعنی آفتاب طلوع ہو کر بلند ہو جانے کے بعد اور باب صلوٰۃ الضحیٰ میں آرہا ہے کہ دو رکعتیں نماز چاشت کی کم نماز ہے۔ اس کی زیادہ مقدار بارہ رکعت تک ہے۔ صرف دو رکعت گویا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔

کہ علماء نے کہا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اول شب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کرنے اور جو کچھ انہوں نے دوسرے صحابہ کرام سے سنا ہوتا تھا اسے ذہن نشین کرنے میں مصروف تھے۔ اس کام میں رات کا کافی حصہ گزر جاتا تھا۔ اس وجہ سے آپ کے لیے آخر شب میں اٹھنا مشکل ہوتا تھا اور حضرت ابوہریرہ کو صرف دو رکعت پڑھنے کا حکم بھی اسی وجہ سے دیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری عبادت کی نسبت علم دینی میں مشغول رہنا زیادہ فضیلت والا کام ہے۔

مجھے اپنے بعض اساتذہ کی یہ حکایت یاد ہے کہ انہوں نے فرمایا فقہ کی روایات میں آیا ہے کہ دینی طالب علم کے لیے وتر نماز کے بعد دو رکعت اول شب میں ہی پڑھ لینا مستحب ہے۔ طالب علم کے لیے اس حکم کی تخصیص کی وجہ اس وقت مجھ پر ظاہر نہ ہو سکی۔ اب جب کہ اس حدیث پاک کا علم ہوا تو وجہ ظاہر ہو گئی کہ طالب علم اول شب میں تکرار علم اور اس کے حفظ میں مصروف رہتا ہے۔ جیسے حضرت ابوہریرہ کا حال تھا۔ اور یہ دو رکعتیں نماز شب کے قائم مقام ہو جائیں گی جیساکہ فصل ثالث کے آخر میں آرہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۱۲۴۳ عَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ أَرَأَيْتِ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فِيْ أَوَّلِ اللَّيْلِ أَمْ فِيْ اٰخِرِهٖ قَالَتْ رُبَّمَا اغْتَسَلَ فِيْ أَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ فِيْ اٰخِرِهٖ قُلْتُ اَللهُ أَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِي

دوسری فصل

حضرت غضیف لہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کیا آپ نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت اول رات میں کرتے تھے یا آخر رات میں حضرت عائشہ نے کہا بہت دفعہ آپ اول شب میں غسل کر لیتے تھے اور بہت دفعہ آخر شب میں ہے۔ میں نے کہا اللہ اکبر سے تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے کار دین

الْاَمْرِ سَعَةً قُلْتُ كَانَ يُوْتِرُ اَوَّلَ اللَّيْلِ اَمْ فِيْ اٰخِرِهٖ قَالَتْ رُبَّمَا اَوْتَرَ فِيْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا اَوْتَرَ فِيْ اٰخِرِهٖ قُلْتُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِي الْاَمْرِ سَعَةً قُلْتُ كَانَ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ اَمْ يَخْفِتُ قَالَتْ رُبَّمَا جَهَرَ بِهٖ وَرُبَّمَا خَفَتَ قُلْتُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِي الْاَمْرِ سَعَةً۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ اَلْفَصْلَ الْاَخِيْرَ)

میں کشادگی اور فراخی رکھی ہے۔ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول شب میں وتر پڑھتے تھے یا آخر شب میں فرمایا بہت دفعہ آپ اول شب میں وتر پڑھتے اور بہت دفعہ آخر شب میں۔ میں نے کہا اللہ اکبر تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے دین میں کشادگی اور آسانی رکھی ہے۔ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے قراءت کرتے تھے یا آہستہ۔[۴] فرمایا بہت دفعہ آپ قراءت میں جہر کرتے تھے اور بہت دفعہ مخفی پڑھتے تھے۔[۵] میں نے کہا اللہ اکبر تمام تعریفیں اسی اللہ جل شانہ کے لیے ہیں جس نے دین کے معاملے میں کشادگی اور آسانی ملحوظ رکھی ہے۔[۶] اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے صرف فصل اخیر کو روایت کیا۔

[۱] غضیف غین کی پیش ضاد کی زبر آخر میں فا۔ حضرت غضیف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک پایا مگر ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے اور انہوں نے خود کہا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں تھا اور میں نے آپ کے دست پر بیعت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ یہ حضرت عمر حضرت ابوذر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

[۲] یعنی جماع کے بعد متصل غسل کر لیتے یا آخر شب میں کہ جماع کرنے کے بعد سو جاتے اور جب نماز تہجد کے لیے اٹھتے تو غسل کرتے۔

[۳] یعنی اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے کہ اپنے بندوں پر اپنی بندگی کا بھاری بوجھ رکھے۔

[۴] یعنی نماز شب کی قراءت۔ یا مطلق تلاوت میں۔

[۵] خَفَتَ يَخْفِتُ یعنی آرام سے آواز نکالنا اور راز کو پوشیدہ طور پر بیان کرنا۔

[۶] اس حدیث میں اس امر پر تنبیہ فرمائی کہ احکام و تکالیف شریعہ میں آسانی و کشادگی عظیم نعمت اور وسیع رحمت ہے بندوں پر جس کے لیے خدا تعالیٰ کا شکر بجا لانا واجب و ضروری ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ دینی مسائل میں اختلاف دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کے تعدد و تنوع سے پیدا ہوا ہے۔ اس ضمن میں امت پر شفقت اور ان کے کام میں وسعت و کشادگی پیدا کرنا مقصود ہے پھر اسی طرح

مجتہدین کا استنباط احکام میں اختلاف کہ یہ سب خیر ہی خیر اور دین میں کمال اور اضافے کا موجب ہے اور مزید انوار کا سبب اور بوجھوں و مشقتوں کے ہلکا کرنے کا ذریعہ ہے۔

۷ یعنی اس حدیث کو مکمل طور پر تو ابوداؤد نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے فصل اخیر یعنی اس حصے کو روایت کیا جو قرأت سے متعلق ہے۔

۱۱۹۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ قَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِكَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ قَالَتْ كَانَ يُوْتِرُ بِاَرْبَعٍ وَّثَلٰثٍ وَسِتٍّ وَّثَلٰثٍ وَّثَمَانٍ وَّثَلٰثٍ وَعَشَرٍ وَثَلٰثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُوْتِرُ بِاَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَّلَا بِاَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثَ عَشَرَةَ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عبداللہ بن ابوقیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعتیں وتر پڑھتے تھے۔ فرمایا چار اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے[۱] اور چھ اور تین بھی وتر پڑھتے تھے[۲] اور آٹھ اور تین رکعت بھی۔ اور دس اور تین رکعت بھی۔ اور سات سے کم اور تیرہ رکعت سے زیادہ وتر نہ پڑھتے تھے[۳] (ابوداؤد)

۱ یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔ آپ کے نام پر آپ کی کنیت غالب آگئی۔

۱۱۹۶ وَعَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّوْتِرَ بِخَمْسٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّوْتِرَ بِثَلٰثٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّوْتِرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْيَفْعَلْ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر نماز ہر مسلمان پر ثابت و لازم ہے تو جو شخص چاہے کہ وتر پانچ رکعت پڑھے تو ایسا کرلے[۱] اور جو پسند کرے کہ وتر تین رکعت پڑھے تو وہ ایسا کرلے[۲]۔ اور جو پسند کرے کہ وتر ایک رکعت پڑھے وہ ایک رکعت پڑھے[۳] (ابوداؤد، نسائی۔ ابن ماجہ)

۱ اسی طرف سفیان ثوری اور بعض دوسرے آئمہ گئے ہیں۔

۲ یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔

۳ یہ حضرت امام شافعی اور بعض دوسرے آئمہ کا مذہب ہے۔

۱۱۹۷/۱۳ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ فَاَوْتِرُوْا یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَآئِیُّ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ وتر ہے وتر کو پسند کرتا ہے تو اے اہل قرآن وتر نماز ادا کرو[1]

(ترمذی، ابوداؤد) (نسائی)

[1] یعنی اپنی رات کی نماز کو وتر بناؤ۔ ایک رکعت ملا کر یا تین رکعت ملا کر یا اہل القرآن یعنی اے وہ لوگو جو قرآن پاک پر ایمان لائے ہو۔ اور اس کی تصدیق کی ہے اور اس کے حفظ و تلاوت سے دلچسپی رکھتے ہو۔ اپنی رات کی نماز وتر رکعتوں کی تعداد میں پڑھو۔

دراصل اس ارشاد میں قیام لیل اور تلاوت قرآن پاک کی پابندی کرنے کی تنبیہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنے قول مبارک میں فرمایا۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا۔ قرآن کو ترتیل سے پڑھو۔ واضح ہو کہ وتر سے مراد کی زیر اور زبر سے عدد فرد کو کہتے ہیں۔ اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر بایں معنیٰ کیا جاتا ہے کہ اس کی ذات فرد و یگانہ ہے تقسیم کو قبول نہیں کرتی۔ اور وہ اپنی صفات میں بے مثل و بے مثال ہے۔ اور اپنے افعال میں شریک و مددگار سے بے نیاز و پاک ہے اس طرح اللہ کی ذات میں وتریت فردانیت کے معنیٰ میں ہے اور اس مناسبت سے وہ وتر عدد کو پسند کرتا ہے۔ اور وتر فعل پر اجر و ثواب عطا کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عدد وتر کا اہتمام فرماتے تھے شرع شریف میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ جیسا کہ اس کی جستجو کرنے والے سے پوشیدہ نہیں۔

۱۱۹۸/۱۴ وَعَنْ خَارِجَۃَ بْنِ حُذَافَۃَ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ اَمَدَّکُمْ بِصَلٰوۃٍ ھِیَ خَیْرٌ لَّکُمْ مِّنْ حُمْرِ النَّعَمِ اَلْوِتْرُ جَعَلَہُ اللّٰہُ لَکُمْ فِیْمَا بَیْنَ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ اِلٰی اَنْ یَّطْلُعَ الْفَجْرُ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ۔

حضرت خارجہ[1] بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا بے شک اللہ نے ایک نماز سے تمہاری مدد فرمائی ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے یعنی وتر نماز۔ اسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نماز عشاء اور طلوع فجر کے درمیان رکھا ہے۔

(ترمذی، ابوداؤد)

[1] خاء معجمہ اور جیم۔ یہ حضرت صحابی قرشی اور قبیلہ بنی عدی سے ہیں۔ قریش کے سرداروں میں شمار ہوتے ہیں۔

انہیں ہزار سواروں کے برابر قرار دیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تین ہزار سواروں کی کمک طلب کی تو حضرت عمر تین افراد بھیجا۔ حضرت خارجہ بن حذافہ کو حضرت زبیر بن عوام کو اور حضرت مقداد بن اسود کو۔

۲ یعنی اس نے نماز پنجگانہ پر ایک نماز زیادہ کی ہے۔ امداد کا معنیٰ ہے ایک کو دوسرے کے پیچھے ردا کرنا اس کی تقویت اور تائید کے لیے۔ ایک روایت میں لفظ زادکم آیا ہے۔ یعنی اس نے ایک نماز زیادہ ہے۔ بعض میں امرکم کا لفظ آیا ہے۔ یعنی اللہ نے پنجگانہ کے علاوہ ایک اور نماز کا حکم بھی دیا ہے۔

۳ یعنی یہ نماز تمہارے سرخ چارپایوں سے بہتر ہے۔ اس سے سرخ رنگ کے اونٹ مراد ہیں۔ جو عربوں کے نزدیک نہایت عزیز اور نفیس مال شمار ہوتا ہے یعنی یہ نماز دنیا کے سامان وزینت سے بہتر ہے یا یہ کہ وہ تمہارے نزدیک محبوب تر ہے۔ حُمُر حا کی پیش، میم ساکن اَحْمَر کی جمع اور اگر میم پر بھی پیش ہو تو حمار کی جمع ہے۔

۴ اس حدیث کو وتر نماز کے واجب ہونے کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔

۱۱۹۹/۱۵ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهِ فَلْيُصَلِّ إِذَا أَصْبَحَ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا

حضرت زیدؓ بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی وتر پڑھے بغیر ہی سو گیا اسے چاہیے کہ صبح کے وقت انہیں پڑھے۔ یعنی قضا کرے۔

(ترمذی، مرسلا)

۱ آپ اکابر تابعین سے ہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ ثقہ، عالم، فقیہ اور نہایت عبادت گزار شخصیت تھے۔ آپ کی مجلس میں چالیس سے بھی زیادہ فقہاء حاضر رہتے تھے امام مالک، سفیان ثوری، ابن عیینہ اور ابو ایوب سختیانی نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ان کی مجلس میں حاضر ہوتے اور آپ سے حدیث سنتے۔ لوگوں نے کہا اے رسول اللہ کے بیٹے۔ آپ سب سے بہترین اور افضل ترین شخصیت ہو کر زید بن اسلم کے پاس جاتے ہیں جو موالی (آزاد کردہ غلاموں) میں سے ہیں۔ فرمایا علم حاصل کرنا چاہیے جہاں سے بھی حاصل ہو۔

۱۲۰۰/۱۶ وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوْتِرُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَفِي

حضرت عبد العزیز بن جریجؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کن سورتوں سے وتر پڑھتے تھے فرمایا پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی۔ دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد اور سورۃ فلق و

الثَّانِيَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَ الْمُعَوِّذَتَيْنِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ النَّسَائِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ وَالدَّارِمِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَمْ يَذْكُرِ الْمُعَوِّذَتَيْنِ

والناس پڑھتے۔ (ترمذی، ابوداؤد) اور نسائی نے عبدالرحمٰن بن ابزی سے روایت کی اور احمد نے ابی بن کعب سے۔ اور دارمی نے ابن عباس سے اور انہوں نے سورہ فلق و ناس کا ذکر نہ کیا۔

۱؎ جُوَیْم جیم اول کی پیش۔ راکی زبر یا ساکن

۲؎ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ واو مشدد ہے۔ یہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کا نام ہے۔

۳؎ اَبْزٰى ہمزہ کی زبر با ساکن اس کے بعد زا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی کم سن صحابی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے خراسان کے حاکم تھے۔

۴؎ یعنی احمد و دارمی نے فلق و ناس کا ذکر نہ کیا۔ بلکہ صرف قل ھو اللہ احد کا ذکر کیا۔ ترمذی نے کہا کہ اکثر صحابہ کرام اور بعد والوں کا عمل اسی پر ہے کہ صرف قل ھو اللہ احد پڑھتے ہیں۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا ہمارے اصحاب حنفیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ انتہیٰ۔ اور ہمارے دیار ہندوستان میں بعض لوگ جو پہلی رکعت میں انا انزلنا کا پڑھتے ہیں تو کسی روایت اور اخبار و آثار میں اس کا ذکر نہیں ملا سکتے ہیں۔ بعض بعض روایات میں ایسا آیا ہے۔

۱۲۰۱/۴ وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ اَقُوْلُهُنَّ فِيْ قُنُوْتِ الْوِتْرِ اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کلمات تعلیم فرمائے جنہیں میں قنوت وتر میں پڑھا کروں وہ کلمات یہ ہیں۔ اے اللہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ راہ راست دکھا جنہیں تو نے راہ راست دکھلایا ہے اور مجھے ان لوگوں کے ساتھ عافیت عطا فرما جنہیں تو نے عافیت عطا کی ہے۔ اور مجھے اپنا دوست بنا ان لوگوں کے ساتھ جنہیں تو نے اپنی دوستی کے ساتھ سرفراز کیا ہے۔ اور جو کچھ تو نے عطا کیا ہے اس میں مجھے اپنی قضا کے شر سے بچا کہ بے شک حکم تیرا ہی چلتا ہے تجھ پر کسی کا حکم نہیں چل سکتا

دَاؤدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَ الدَّارِمِیُّ۔

واقعہ یہ ہے کہ جسے تو دوست بنائے وہ خوار نہیں ہو سکتا اور جس سے دشمنی کرے اسے عزت نہیں مل سکتی۔ اسے ہمارے رب تو بہت برکت والا ہے اور بلند شان والا ہے۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ اور دارمی۔

۱؎ یعنی دعا کے یہ چند کلمات جو میں قنوت وتر میں پڑھتا ہوں ان میں احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قنوت وتر میں پڑھنے کی تعلیم دی۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس دعا کی تعلیم دی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کلمات کو قنوت وتر میں پڑھنا بہتر جانا۔ ظاہر عبارت اسی جانب ناظر ہے۔ لیکن علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِجْعَلْہُ فِیْ وِتْرِکَ۔ یعنی ان کلمات کو وتر میں پڑھا کر۔ مگر یہ روایت غریب ہے۔ وتر اور فجر میں شافعی حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ کی قنوت یہی ہے۔ احناف کے نزدیک دعا قنوت یہ ہے اللھم انا نستعینک الی آخرہ۔ علماء نے کہا ہے کہ افضل یہ ہے کہ دونوں پڑھے۔ باب قنوت میں تفصیل کے ساتھ یہ بحث آرہی ہے۔

۲؎ عافیت سے دنیا و آخرت کی تمام آفات سے سلامتی مراد ہے۔

۳؎ یعنی مجھے اپنا دوست بنا اور میرے جملہ امور کا متولی اور سرپرست بن اور میرے سارے کام اپنے ذمہ لطف و کرم پر لے لے۔

۴؎ یعنی ہر شر و بدی جو تیری قضا میں ہے اور جو تو نے مقدر کر دی ہے۔ مجھے اس سے بچالے۔ بچاؤ کی یہ درخواست ظاہری اسباب و آلات کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ لایزال یعنی آنے والے واقعات و امور میں مٹانا اور باقی رکھنا جاری ہے۔

۵؎ علامہ شمنی نے یہ کلمات اور زیادہ کیے فَلَکَ الْحَمْدُ عَلٰی مَا قَضَیْتَ نَسْتَغْفِرُکَ اَللّٰھُمَّ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ۔ جو کچھ تو نے قضا اور مقدر کیا ہے اس پر تیرے لیے ہی حمد و ثنا ہے۔ ہم تیرے حضور استغفار کرتے ہیں۔ اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔ اے میرے رب مجھے بخشش دے مجھ پر رحم کر۔ تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے اور روایات میں اس دعا کا اختتام درود شریف کے ان کلمات سے کیا ہے۔ وصلی اللہ علی النبی محمد وآلہ وسلم

۱۲۰۲/۱۸ وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ فِی الْوِتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز وتر میں سلام پھیرتے تو کہتے سبحان الملک الخ یعنی بادشاہ حقیقی جو قدوس ہے ہر عیب سے پاک منزہ ہے۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ زَادَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ يُطِيْلُ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِلنَّسَائِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا سَلَّمَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ثَلٰثًا وَ يَرْفَعُ صَوْتَهٗ بِالثَّالِثَةِ۔

ابوداؤد و نسائی اور نسائی نے یہ الفاظ زیادہ کیے تین بار اور آپ یہ الفاظ کہتے ہوئے اپنی آواز دراز اور بلند کرتے تھے یعنی تیسری بار کہنے میں جیسا کہ دوسری روایت میں اسے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نسائی کی ایک روایت میں جو عبدالرحمٰن بن ابزی سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر نماز کا سلام پھیرتے تو تین بار سبحان الملک القدوس پڑھتے تیسری بار میں اپنی آواز بلند کرتے[۱]

[۱] یعنی تیسری بار میں یا تیسرے کلمہ میں۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ ذکر بالجہر جائز و مشروع ہے۔ ذکر بالجہر کرنا بلا شبہ جائز ہے۔ ہاں جس موقعہ پر ذکر بالجہر نہیں آیا وہاں آہستہ ذکر کرنا افضل ہے۔

۱۲۰۳/۱۹ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ اٰخِرِ وِتْرِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وتر نماز کے آخر میں پڑھتے تھے[۱] اے اللہ! میں تیری رضا کے ساتھ تیرے غصے سے پناہ لیتا ہوں اور تیری معافی کے ساتھ تیرے عذاب سے اور میں تیری ذات کے ساتھ تجھ سے پناہ لیتا ہوں۔ میں تیری ذات پر ثنا کا شمار نہیں کر سکتا۔ تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے اپنی ثنا خود ہی فرمائی[۲]

رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ۔

(ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی ابن ماجہ)

[۱] یعنی رکوع سے سیدھے کھڑے ہونے کے بعد۔ بعض نے کہا سلام پھیرنے کے بعد مراد ہے بعض نے تشہد میں سلام سے پہلے اور بعض نے کہا سجدہ میں نہ پڑھتے تھے۔

[۲] اس کا ترجمہ باب السجود میں وضاحت کے ساتھ گزر چکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۲۰۴/۲۰ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيْلَ لَهٗ هَلْ لَكَ فِيْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مُعَاوِيَةَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس کو کہا گیا کیا آپ کو امیر المومنین حضرت معاویہ

مَا أَوْتَرَ إِلَّا بِوَاحِدَةٍ قَالَ أَصَابَ إِنَّهُ فَقِيهٌ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَكْعَةٍ وَعِنْدَهُ مَوْلًى لِابْنِ عَبَّاسٍ فَأَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ دَعْهُ فَإِنَّهُ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

رضی اللہ عنہ سے محبت یا انکی طرف میلان[1] ہے وہ تو وتر نہ پڑھتے تھے مگر ایک رکعت[2]۔ حضرت ابن عباس نے کہا معاویہ نے ٹھیک کیا ہے بیشک معاویہ فقیہ ہیں اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے۔ ابن ابی ملیکہ[4] نے کہا کہ حضرت معاویہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھے جبکہ ان کے پاس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام موجود تھے وہ غلام حضرت ابن عباس کے پاس آئے اور انہیں اس بات کی خبر دی[5]۔ تو حضرت ابن عباس نے کہا معاویہ کو چھوڑ[6] دو بیشک انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہے[7]۔ (بخاری)

[1] باوجودیکہ ان سے ایک نامشروع و ناجائز فعل صادر ہوا ہے (وتر ایک رکعت پڑھنا)

[2] ظاہر یہ ہے کہ قائل نہ جانتا تھا کہ ایک رکعت وتر پڑھنا جائز ہے۔

[3] اور شریعت کے عالم ہیں۔

[4] ملیکہ میم کا پیش۔ لام پر زبر۔ یا ساکن۔ آپ تابعی ہیں ثقہ ہیں۔

[5] کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وتر ایک رکعت پڑھے ہیں۔

[6] ان کی غلطی نہ نکال اور ان پر اعتراض نہ کر کیونکہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے۔

[7] مانع ہو کہ یہ ایک رکعت یا تو مستقل تھی اس سے پہلی دو رکعتوں کو ان کے ساتھ نہ ملایا گیا۔ اگر یہ صورت ہو تو بیشک یہ چیز محل اعتراض ہے اور اسے نماز بتیرا کہتے ہیں۔ (بتیرا بے برکت) اور یہ ممنوع ہے۔ باتفاق علماء یا پہلی دو رکعتوں کو اس کے ساتھ ملا کر جیسا کہ عامہ آئمہ اس کے قائل ہیں ظاہر احتمال ثانی ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بنا پر معذور سمجھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے۔ کیونکہ سنت کے مطابق یہی ہے کہ وتر کی ایک رکعت کے ساتھ پہلی دو رکعتوں کو شامل کیا جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی صورت مراد ہو کہ وتر صرف ایک رکعت ہوں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا انہیں ان کی فقاہت کی بنا پر درست کہنا ظاہر کرتا ہے یعنی ممکن ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے کے نزدیک وتر ایک رکعت ہیں۔ اس بنا پر ہو کہ انہوں نے اسے دلائل سنت سے استنباط کیا ہو۔ حضرت ابن عباس امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ آپ نے ان سے علم حاصل کیا تھا۔ اس کے باوجود آپ نے حضرت معاویہ کے موقف کی رعایت کی۔ اور آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

حضرت امیر معاویہ کے ساتھ جھگڑے اور نزاع کے وقت حضرت علی سے بڑی ملاقات کرتے تھے اور عرض کیا کرتے تھے آپ جلدی نہ کریں۔ اگر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی وعدہ یا اشارہ پاتے ہیں تو صبر سے کام لیں اور ساتھ دیں ورنہ معاویہ سے جھگڑے اور نزاع کی کیا ضرورت ہے۔ جیسا کہ ہم لوگوں کو خبر دی گئی ہے کہ ہمارے بھائیوں میں اختلاف واقع ہوگا۔ ہم اس وعدہ کی انتظار میں اس وقت کو دیکھ رہے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے زمانہ میں لوگوں میں تین رکعت وتر پڑھنا متعارف اور مشہور تھا۔

$\frac{1205}{21}$ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ وتر حق ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں[1]۔ وتر حق ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ وتر حق ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں[2]۔

(ابوداؤد)

[1] یعنی وہ ہمارے تابع نہیں نہ ہمارے طریقہ پر ہے۔

[2] آپ نے تین بار کر یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ اس وعید اور ڈانٹ کے ساتھ۔ اور یہ نماز وتر کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔

$\frac{1206}{22}$ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ اَوْ نَسِيَهٗ فَلْيُصَلِّ اِذَا ذَكَرَهٗ اَوْ اِذَا اسْتَيْقَظَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ ۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو وتر پڑھے بغیر سو گیا یا انہیں بھول گیا تو جب یاد آئے یا بیدار ہو تب پڑھ لے[1]۔

(ترمذی۔ ابوداؤد)

(ابن ماجہ)

[1] یہ حدیث بھی اپنے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے وجوب وتر پر دلالت کرتی ہے۔ اگرچہ عدم وجوب کا احتمال بھی اس میں ہے اور اتنا اندازہ ہی ثبوت وجوب (جو فرض کے مقابل ہے) کے لیے کافی ہے۔

$\frac{1207}{23}$ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الْوِتْرِ اَوَاجِبٌ

حضرت مالک سے روایت ہے انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عمر سے دریافت کیا کہ

هُوَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ قَدْ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يُرَدِّدُ عَلَيْهِ وَ عَبْدُ اللّٰهِ يَقُوْلُ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ - (رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا)

وتر واجب ہیں؟ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھے ہیں اور مسلمانوں نے بھی وتر پڑھے ہیں۔ وہ آدمی اپنا ہر بار سوال دہراتا رہا اور حضرت ابن عمر ہر بار فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھے۔ مسلمانوں نے وتر پڑھے[1]

(موطا امام مالک)

[1] اس حدیث کا ظاہر وتر کے وجوب یا عدم وجوب میں تردد و شک ثابت کرتا ہے۔ یعنی اس بارے میں جو کچھ پایہ ثبوت کو پہنچا ہے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھنے کا فعل کیا ہے اور آپ کا فعل وجوب اور سنیت دونوں کا احتمال رکھتا ہے اس حدیث میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں وتر کے فرض عملی ہونے کی طرف اشارہ ہو کیونکہ اس کی دلیل قطعی نہیں۔ اور یہاں وجوب کا یہی معنی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۰۸/۲۴ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ يَقْرَأُ فِيْهِنَّ بِتِسْعِ سُوَرٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ يَقْرَأُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلٰثِ سُوَرٍ اٰخِرُهُنَّ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ - (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر تین رکعت پڑھتے تھے۔ اس میں مفصل سورتوں میں سے نو سورتیں پڑھتے تھے۔ ہر رکعت میں تین سورتیں پڑھتے تھے۔ ان میں سے آخری سورت قل ہو اللہ احد ہوتی تھی[1]

(ترمذی)

[1] بعض روایات میں اس مجمل کی تفسیر اس طرح آئی ہے کہ آپ پہلی رکعت میں القدر، الھاکم اور زلزلت۔ دوسری میں العصر، النصر اور کوثر اور تیسری رکعت میں الکافرون، تبت اور اخلاص پڑھتے تھے۔

۱۲۰۹/۲۵ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ بِمَكَّةَ وَ السَّمَاءُ مُغَيِّمَةٌ فَخَشِيَ الصُّبْحَ فَاَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ انْكَشَفَ فَرَاٰى اَنَّ عَلَيْهِ لَيْلًا فَشَفَعَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا خَشِيَ الصُّبْحَ اَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں حضرت ابن عمر کے ساتھ مکہ میں تھا۔ اور آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے آپکو صبح ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہوا تھا آپ نے وتر ایک رکعت پڑھے پھر بادل چھٹ گئے تو آپ نے دیکھا کہ ابھی رات موجود ہے۔ تو آپ نے ایک رکعت کے ساتھ دو رکعتیں اور ملائیں

(رَوَاہُ مَالِکٌ)

اس کے بعد آپ نے دو دو رکعت اور پڑھیں۔ پھر جب آپ کو صبح کا اندیشہ لاحق ہوا تو آپ نے ایک رکعت وتر پڑھے۔ (مالک)

لہ اسماء مُغیمۃ۔ یہ لفظ متعدد وجوہ سے مروی ہوا ہے مُغما ۃ میم کی پیش غین ساکن اور میم مخفف۔ مُغما ۃ میم کی پیش غین کی زبر میم مشدد۔ مُغیمتہ میم کی پیش غین کی زبر یا مشدد۔ مُغیمتہ میم کی پیش غین کی زیر یا ساکن

۱۲۱۰/۲۶ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ جَالِسًا فَيَقْرَءُ وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهٖ قَدْرُ مَا يَكُوْنُ ثَلٰثِيْنَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ اٰيَةً قَامَ وَقَرَءَ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ يَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ جب آپ کی قراءت سے بقدر تیس یا چالیس آیات کے باقی رہ جاتا تو آپ کھڑے ہو جاتے اور حالت قیام میں قراءت کرتے پھر رکوع کرتے۔ پھر سجدہ کرتے۔ پھر آپ دوسری رکعت میں بھی اسی کی مثل کرتے۔ (مسلم)

لہ مگر اس حال کا عکس مروی نہیں ہے۔ کہ آپ کھڑے ہو کر نماز شروع کی ہو۔ اس کے بعد بیٹھ گئے ہوں اور قراءت کی ہو پھر بیٹھے ہوئے رکوع گئے ہوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دراصل یہ صورت بھی جائز ہے۔ اگرچہ کراہت سے خالی نہیں اگر بے عذر ایسا کرے اسکا بیان گزشتہ باب السنن میں عبداللہ بن شقیق کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

۱۲۱۱/۲۷ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ بَعْدَ الْوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَزَادَ ابْنُ مَاجَةَ خَفِيْفَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے ترمذی اور ابن ماجہ نے یہ لفظ زیادہ کیا ہلکی رکعتیں۔ درانحالیکہ آپ بیٹھے ہوتے تھے لہ

لہ اس کی شرح باب اول میں سعد بن ہشام کی حدیث میں گزر چکی ہے

۱۲۱۲/۲۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ يَقْرَأُ فِيْهِمَا وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت وتر پڑھتے پھر دو رکعتیں پڑھتے ان میں قراءت کرتے درانحالیکہ آپ بیٹھے ہوتے تھے۔ جب آپ رکوع کا ارادہ کرتے تو

يَرْكَعُ قَامَ فَرَكَعَ۔
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

کھڑے ہو جاتے اور رکوع کرتے
(ابن ماجہ)

۱۲۱۳/۲۹ وَعَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ هٰذَا السَّهَرَ جُهْدٌ وَثِقَلٌ فَإِذَا أَوْتَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ فَإِنْ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ وَإِلَّا كَانَتَا لَهُ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یہ بے خوابی[1] مشقت اور گرانی ہے۔ جب تم میں سے کوئی وتر پڑھے تو دو رکعتیں پڑھے پھر اگر اس نے قیام لیل بھی کیا تو بہت افضل و اکمل بات ہے۔ ورنہ یہ دو رکعتیں ہی اس کے کافی ہو[2] جائیں گی۔
(دارمی)

[1] سَہَر۔ دو زبروں سے۔ یعنی بیدار و بے خوابی۔ جہد جیم کی زبر یا ساکن جیم کی پیش بھی آیا ہے۔
[2] یعنی یہ دو رکعتیں شب بیداری کی جگہ اس کے اصل ثواب کے حصول میں کافی ہو جائیں گی۔

۱۲۱۴/۳۰ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيهِمَا بَعْدَ الْوِتْرِ وَهُوَ جَالِسٌ يَقْرَأُ فِيهِمَا إِذَا زُلْزِلَتْ وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دو رکعتیں وتر نماز کے بعد بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ ان دو رکعتوں میں آپ سورہ اذا زلزلت اور قل یا ایہا الکافرون پڑھتے تھے۔ (احمد)

بَابُ الْقُنُوْتِ

دعائے قنوت کا باب

قنوت طاعت، خاموشی، دعا اور نماز میں قیام کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں اس سے مخصوص دعا مراد ہے۔ بعض مشائخ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت آئی ہے کہ قنوت اور رکوع وغیرہ میں کوئی معین دعا لازم نہیں۔ علماء فرماتے ہیں دعا کی تعیین رقت قلب کو زائل کرتی اور دل کو بے توجہ بناتی ہے۔ مگر اکثر علماء اس پر ہیں کہ دعا کی تعیین اور اس کا وقت مقرر ہونا چاہیے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ زبان پر ایسی چیز جاری ہو جائے جو لوگوں کے ساتھ بات چیت کے مشابہ ہو اور اس سے نماز ہی فاسد ہو جائے مگر یہ تعیین اور وقت مقرر کرنے میں اختلاف وہاں ہے جو عقل سے متعلق ہو۔ شرع شریف میں اس کی تعیین اور وقت کا تقرر وارد نہ ہوا ہو۔ وہاں یہ اختلاف نہیں جہاں شرع شریف اس کی تعیین اور وقت کا تقرر کر چکی ہو۔

چاہیئے۔ تعین کا یہ تقرر استحباب کے طور پر ہو یا وجوب کے طور پر۔ کتاب محیط وذخیرہ میں اس سے اللھم انا نستعینک اور اللھم اھدنا کو مستثنیٰ قرار دیا اور حنفیہ کے نزدیک قنوت میں اللھم نستعینک متعین ومقرر ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ اس پر اتفاق رکھتے ہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اللھم اھدنا فیمن ھدیت الی آخرہ بھی اس کے ساتھ پڑھے علامہ شمنی نے حضرت ابو اللیث سے اللھم اغفرلی تین دفعہ پڑھنے کا ذکر بھی کیا۔ بعض نے کہا ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار بھی پڑھے۔ علماء نے یہ کہا ہے کہ جو شخص دعائے قنوت نہ جانتا ہو وہ اللھم اغفرلی اور ربنا آتنا پڑھ لے۔ جیسا کہ شرح ابن الہمام میں مذکور ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اللھم اھدنا الی آخرہ پر اکتفا کیا جائے۔ یہ حضرات اللھم انا نستعینک کو دعا قنوت میں شمار نہیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بخاری ومسلم اور سنت کی مشہور کتابوں میں اس کے بارے میں کوئی روایت نہیں لیکن علمائے حنفیہ نے طبرانی وغیرہ سے طرق صحیحہ کے ساتھ اسے ثابت کیا ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ابو داؤد سے نقل کیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مضر پر بددعا کر رہے تھے اس دوران حضرت جبرئیل آئے اور خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور عرض کیا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کو گالی دینے والا اور لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ بلکہ آپ کو رحمۃ العالمین بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کو اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے جسے ملعون قرار دینا ہے اور جس کی ہلاکت و بربادی کا ارادہ کرنا ہے خود کرے گا۔ اس کے بعد جبرئیل نے آپ کو اللھم انا نستعینک کی تعلیم دی۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی نے جو شافعیہ میں سے ہیں کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں اختلاف الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا لہٰذا فی الجملہ روایات میں اس دعا کا ذکر آچکا ہے اور علماء امت کے درمیان واقع اختلافات کہ یہ دعا رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا رکوع کے بعد اور قنوت کا پڑھنا وتر نماز کے ساتھ خاص ہے یا نماز فجر وغیرہ میں بھی پڑھی جائے پھر یہ دعا وتر نماز میں ہمیشہ پڑھی جائے یا رمضان کے آخری نصف میں، سب باتیں دلائل کے ساتھ شرح طویل (لمعات) اور شرح سفر السعادۃ میں مذکور ہیں حنفیہ کا مذہب ان صورتوں میں شق اول پر مبنی ہے۔ اس میں غور کرو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۲۱۵ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّدْعُوَ عَلٰی اَحَدٍ اَوْ یَدْعُوَ لِاَحَدٍ قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ فَرُبَّمَا قَالَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ.

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی پر بددعا کرنے کا ارادہ کرتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے یا ہا جب سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہتے تو کہتے۔ الٰہی ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ کو

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ ابْنَ الْوَلِيْدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعَيَّاشَ بْنَ اَبِىْ رَبِيْعَةَ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْاَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا سِنِيْنَ كَسِنِىْ يُوْسُفَ يَجْهَرُ بِذٰلِكَ وَكَانَ يَقُوْلُ فِىْ بَعْضِ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّ فُلَانًا لِاَحْيَاءٍ مِّنَ الْعَرَبِ حَتّٰى اَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَىْءٌ اَلْاٰيَةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نجات دے الٰہی سخت پامالی ڈال مضر[۳] پر اور اسے یوسف علیہ السلام کی قحط سالیوں کی طرح قحط بنا[۴] یہ بآواز بلند کہتے اور اپنی بعض نمازوں میں فرماتے۔ الٰہی فلاں فلاں عربی قبیلوں پر لعنت کر[۵] یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت[۶] نازل فرمائی۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَىْءٌ۔ الآیہ

(بخاری و مسلم)

[۱] یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے نقصان کی دعا کا ارادہ کرتے یا کسی کے نفع کے لیے دعا کا ارادہ کرتے۔

[۲] اپنے بعض ان اصحاب کی نجات کے لیے جو کفار کی بندش کے عذاب وخواری میں گرفتار ہوتے تھے، ان کی نجات کے لیے اور بعض قبائل عرب کی ہلاکت اور رحمت الٰہی سے محرومی کی دعا کیا کرتے۔

[۳] یعنی خداوندا نجات و خلاصی عطا فرما ولید بن ولید قرشی مخزومی کو، یہ صاحب حضرت خالد بن ولید کے بھائی تھے انہیں عبداللہ بن جحش نے بدر کے دن گرفتار کر لیا تھا، اور یہ ولید ابھی حالت کفر میں تھے، ان کے دو بھائی خالد اور ہشام مدینہ آئے اور ان کے عوض چار ہزار درہم فدیہ دیا۔ جب فدیہ ادا کر کے انہیں مکہ معظمہ لائے تو وہ مسلمان ہو گئے۔ لوگوں نے کہا تم فدیہ دینے سے پہلے ہی اسلام کیوں لائے، حالانکہ تو مسلمانوں کے درمیان تھا وہاں تجھے مال بھی ملتا اور اسلام بھی۔ حضرت ولید نے کہا مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ لوگ کہیں یہ شخص اسیری پر صبر نہیں کر سکا بے صبری کی وجہ سے اسلام لایا ہے پس کفار ان کے بھائیوں نے انہیں مکہ میں بند کر دیا، اور اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم قنوت میں ظالموں کے ہاتھ سے ان کی نجات اور خلاصی کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔ حضرت ولید کو ان ظالموں کے ہاتھ سے بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مدینہ شریف حاضر ہو گئے۔

[۴] یعنی قنوت میں دوسری دعا آپ اس طرح کرتے تھے۔ خداوندا سلمہ بن ہشام بن مغیرہ مخزومی کو نجات عطا فرما یہ صاحب ابوجہل کے بھائی ہیں۔ قدیم الاسلام تھے بلند مرتبت اور فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ کفار نے آپ کو مکہ میں بند کر رکھا تھا۔ اور انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دیتے رہتے تھے یہ بھی ان ظالموں کے ہاتھ سے بھاگ نکلے اور مدینہ طیبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پاک میں حاضر ہو گئے، انہوں نے امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جنگ یرموک

میں جام شہادت نوش فرمایا۔

۵ عیاش یا مشدد اور شین معجمہ بن ابی ربیعہ۔ یہ صاحب بھی ابوجہل کے بھائی تھے۔ اپنی ماں سے بھی پہلے اسلام لائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں جانے سے پہلے ایمان قبول کر چکے تھے۔ پھر انہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے۔ چند دن بعد آپ کا بھائی ابوجہل مدینہ آیا اور ان سے کہا تیری ماں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک وہ تجھے نہ دیکھ لے گی سایہ میں نہ بیٹھے گی۔ چنانچہ ماں کی محبت کے باعث ابوجہل کے ساتھ مکہ پہنچے تو ابوجہل نے آپ کو باندھ کر بند کر دیا۔ مگر انہیں بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا اور مدینے آ گئے۔ آپ نے جنگ تبوک میں شہادت پائی یہ اس کی مثال تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت میں ایمان والوں کے لیے دعا فرمائی۔ اور کفار پر بددعا کرنے کے لیے آپ نے اس طرح کہا۔ اللھم اشدد وطأتک علی مضر الی آخرہ۔

۶ یعنی اے اللہ قبیلہ مضر بن نزار پر سختی نازل کر انہیں پامال کر دے اور ان پر ہلاکت مسلط کر۔ مضر ایک قبیلہ کا نام ہے

۷ یعنی اس پامالی اور سزا ایام کو جن میں یہ کفار کفر و عناد کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں، اس قحط کی مانند کر دے جس طرح تو نے اہل مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط کے سات سال بنا دیے تھے۔ سنین سنۃ کی جمع ہے۔ اصل میں سال کے معنی میں آتا ہے۔ پھر اس کا غالب استعمال قحط کے سال پر ہونے لگا۔ اہل مکہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا اور قہر الٰہی سے سات سال قحط کے عذاب میں گرفتار رہے۔ اس مدت میں یہ لوگ ہڈیاں اور مردار کھاتے تھے۔ ہم اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے غضب و غصہ سے

۸ یعنی آپ اس دعا کو قنوت میں بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

۹ خداوندا فلاں فلاں قبیلہ پر لعنت کر اور انہیں اپنی درگاہِ رحمت سے دور کر دے۔ یہ بددعا آپ بعض عرب قبائل کے لیے کرتے تھے جو کہ افراد حق سے عناد اور بغض رکھتے تھے۔

۱۰ اور آخر آیت بھی اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۔ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو کارخانہ خداوندی میں دخل دینے کا اختیار نہیں نہ خدائے عزوجل کے کسی کام پر آپ کا اعتراض کرنے کا حق پہنچتا ہے

---

۱ بعض بے ادب آیۃ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ سے اپنی بدعقیدگی کی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ بے بس اور مجبور اور بالکل بے اختیار ثابت کرنے کی جسارت کرتے ہیں مگر اس آیت سے یہ مفہوم اخذ کرنا درست نہیں۔ ایک تو اس لیے کہ حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے خود یہاں وضاحت کر دی ہے کہ حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں بشری اوصاف کی قدر سے جبکہ آپ کی (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

سب تصرف و اختیار اللہ کے دست قدرت میں ہے۔ وہی ان کے معاملے کا مالک و مختار ہے کہ کفار کے ایک گروہ کو ہلاک

بقیہ حاشیہ۔ ذات میں باقی رکھی ہوئی تھی جس کی وجہ سے کسی وقت آپ غیظ و غضب میں آ جاتے تھے اور کفار و معاندین اسلام کے عذاب و ہلاکت کی بد دعا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ آپ کو فرماتا ہے کہ آپ ایسا نہ کریں۔ بلکہ وسعت ظرف اور بلند اخلاق کا مظاہرہ کریں۔ تاکہ آپ کے مکارم اخلاق سے متاثر ہو کر مخالفین و معاندین آپ کے گرویدہ بن کر دین اسلام قبول کریں۔
تو حضرت شیخ قدس سرہ کے بیان کے مطابق اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید بلندی اخلاق و وسعت ظرف اور صبر و ضبط سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے۔ کان خُلُقُہُ القرآن سے اسی جانب اشارہ ہے۔ آیت مذکورہ کا اصل مفہوم تو یہ ہے۔ اس مفہوم کے مطابق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید ارفع اخلاق سے متصف ہونے کو کہا گیا ہے نہ کہ معاذ اللہ اس میں آپ کی بے بسی بیان کی گئی ہے سو ادب بالغعات شرط ہے۔

دوسرے اس لیے کہ جناب علامہ احمد مصطفیٰ المراغی استاذ الشریعۃ الاسلامیہ مصری اپنی تفسیر مراغی کی جلد دوم ص۶۰ طبع ثالث میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لیس لک من الامر شیٔ ایک ایھا الرسول من امر خلق الاثان تنفذ فیھم امری و تنتھی فیھم الی طاعتی۔ یعنی اے رسول مکرم کسی کام کا خلق کرنا (اسے پیدا کرنا) آپ کے اختیار میں نہیں۔ آپ کا کام تو یہ ہے کہ لوگوں میں میرا حکم نافذ کریں اور انہیں میری طاعت و فرمانبرداری کی رغبت دلائیں یعنی اس آیت میں اس امر کی نفی ہے کہ نبی علیہ السلام کسی چیز کے خالق نہیں ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے کوئی نبی و ولی کسی چیز کا خالق نہیں۔

تیسرے اس بنا پر کہ عارف باللہ امام احمد بن محمد الصاوی المالکی المتوفی ۱۲۴۱ھ اپنی تفسیر کی جلد اول ص۱۶۷ پر لکھتے ہیں لیس لک من الامر شیٔ ای لا تملک لھم نفعا فتصلحھم ولا ضرا فتھلکھم فنفی ذالک من حیث الایجاد والاعدام واما من حیث الدلالۃ والشفاعۃ فھو الدلیل الشفیع المشفع جعل اللہ مفاتیح خزائنہ بیدہ فمن زعم ان النبی کاحاد الناس لا یملک شیئا اصلا ولا نفع بہ لا ظاھرا ولا باطنا فھو خاسر الدنیا والاخرۃ واستدلالہ بھذہ ضلال مبین۔ یعنی اے نبی تو ان کے نفع کا مالک نہیں کہ ان کے لیے اصلاح پیدا کرے اور نہ ان کے نقصان کا مالک ہے کہ ان کے لیے ہلاکت پیدا کر دے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے نفع اور نقصان کی نفی بایں معنی کی ہے کہ آپ ان کے لیے نفع و نقصان ایجاد (خلق) نہیں کر سکتے اور نہ خالق ہونے کی حیثیت سے کوئی چیز معدوم کر سکتے ہیں۔ باقی رہی آپ کی رہنمائی اور شفاعت کی حیثیت تو اس اعتبار سے آپ دلیل و رہنما، شفاعت کرتے ہیں آپ کی شفاعت مقبول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں کی چابیاں آپ کے ہاتھ میں دے دی ہیں تو جس شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عام لوگوں کی طرح ظاہراً باطناً کوئی نفع نہیں دے سکتے (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

کر دے اور اپنے قہر و غضب میں گرفتار کرے یا اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو ان پر مہربانی کرتے ہوئے احسان کی طرف اپنے فضل و رحمت سے رجوع کرے۔ یا اگر وہ کفر و ظلم پر اڑے رہیں تو انہیں اپنے عذاب سے مبتلا کرے آپ تو صرف حکم کے بندے ہیں۔ کہ انہیں ڈرائیں۔ اور جیسا کہ ہم نے آپ کو حکم دیا اور فرمایا ہے اس کے مطابق ان سے جہاد کریں۔ باقی جو کچھ ہم جانتے ہیں ہم وہ کریں گے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بد دعا کر رہے اور لعنت بھیج رہے تھے تو حضرت جبرئیل حاضر خدمت ہوئے اور خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو گالی دینے اور لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ ہم نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے۔ جیسا کہ ترجمہ کی شرح میں گزرا۔ اکثر مفسرین اس پر ہیں کہ یہ آیت جنگ احد کے دن نازل ہوئی۔ اور اس وقت جبکہ آپ کا سر مبارک زخمی ہو گیا اور خود کی ایک میخ آپ کے رخسار مبارک میں کھب گئی اور دندان مبارک کا ایک حصہ ٹوٹ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ انور سے خون صاف کرتے ہوئے فرما رہے تھے۔ كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ۔ وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا۔

علماء کرام فرماتے ہیں حصہ بشریت و طبیعت جو دینی اور دنیوی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر آپ کی ذات شریف میں رکھا گیا تھا اس کی وجہ سے آپ سے غصے کا ظہور ہوتا تھا۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی اور یہ در حقیقت آپ کے اخلاق و عادات کی تہذیب تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس حالت پر تنبیہ فرمائی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت آپ کے حالات کا مربی اور آپ کے اخلاق و عادات کو تہذیب و شائستگی سے ہمکنار کرتا رہتا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن یعنی آپ کا خلق قرآن تھا کا مطلب یہی ہے۔ یعنی قرآن آپ کے اخلاق کو درجہ بدرجہ مہذب بناتا رہتا تھا۔ شرح فتوح الغیب میں یہ معنی مکمل شرح و بسط سے بیان کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

۱۲۱۶ وَعَنْ عَاصِمٍ الْاَحْوَلِ قَالَ حضرت عاصم الاحول رضی اللہ عنہ سے روایت ہے سَاَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ

بقیہ حاشیہ ۔ اور کسی چیز کے مالک نہیں تو وہ کافر ہے اور دنیا و آخرت کے خسارے میں پڑا ہوا ہے [illegible] کو اپنے عقیدے کی دلیل بنانا صریح گمراہی ہے۔ محققین اولیاء کرام بھی اس بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں جو مولانا احمد بن محمد القسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بیان کیا ہے۔ تصدیق و اطمینان کے لیے کشف المحجوب تصنیف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، احیاء العلوم تصنیف امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ وغیرہ کتب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم والا الضالین۔ آمین۔ از مترجم غفرلہ

فِي الصَّلٰوةِ كَانَ قَبْلَ الرُّكُوْعِ اَوْ بَعْدَهٗ قَالَ قَبْلَهٗ اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا اِنَّهٗ كَانَ بَعَثَ اُنَاسًا يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا فَاُصِيْبُوْا فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا يَدْعُوْا عَلَيْهِمْ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

عنہ سے نماز میں قنوت کے بارے میں پوچھا کہ وہ رکوع سے پہلے ہے یا اس کے بعد۔ حضرت انس نے فرمایا رکوع سے پہلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ رکوع کے بعد قنوت پڑھی کیونکہ آپ نے کچھ حضرات صحابہ کو جنہیں قاری کہا جاتا تھا، کو (تبلیغ کے لیے) بھیجا تھا۔ یہ ستر حضرات تھے تو انہیں مصیبت میں ڈال دیا گیا (قتل کر دیا گیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک بعد رکوع قنوت پڑھی۔ اس میں آپ قاتلوں پر بددعا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ حضرت عاصم احول ثقہ تابعین میں سے ہیں

۲؎ یعنی رکوع سے سر مبارک اٹھانے کے بعد

۳؎ قاری یعنی قرآن پڑھنے والے۔ یہ حضرات قرآن پاک کی بہت تلاوت کرتے اور خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں بیان کیا ہے کہ یہ قرّاء حضرات دن کو لکڑیاں کاٹتے۔ رات کو نمازیں پڑھتے اور اس میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے۔ حضرت ثابت بنانی کی روایت میں آیا ہے کہ یہ حضرات دن کو لکڑیاں کاٹتے اور اپنے اہل خانہ کے لیے خورد و نوش کا سامان خریدتے اور رات پڑتی تو قرآن پاک کے درس و تدریس میں مصروف ہو جاتے رضی اللہ عنہم۔

۴؎ ایک دوسری روایت کے مطابق یہ چالیس افراد تھے اور ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد تیس تھی۔

۵؎ یعنی انہیں قتل کر دیا گیا۔ ان کے قتل کا قصہ غریب واقعات اور عجیب قصوں میں سے ہے۔ جو شرح عربی (لمعات) میں مذکور ہے۔ انہیں حضرات کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ الْاٰيَة جو لوگ اللہ کے راستے میں شہید کر دیے جاتے ہیں۔ انہیں مردہ گمان نہ کرو۔ بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

۶؎ یعنی رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ایک ماہ تک۔ ایک روایت تیس صبح تک آیا ہے اور ایک روایت میں چالیس صبح تک۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قنوت آپ نے صبح کی نماز میں پڑھی۔ صبح کی نماز میں یہ قنوت آپ نے صرف اس واقعہ کے پیش آنے پر پڑھی۔ ہمیشہ کے لیے نہیں پڑھی جیسا کہ شافعی حضرات کرتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۲۱۷/۳ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَھْرًا مُّتَتَابِعًا فِی الظُّھْرِ وَ الْعَصْرِ وَ الْمَغْرِبِ وَ الْعِشَآءِ وَ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ مِنَ الرَّکْعَۃِ الْاٰخِرَۃِ یَدْعُوْا عَلٰی اَحْیَآءٍ مِنْ بَنِیْ سُلَیْمٍ عَلٰی رِعْلٍ وَّ ذَکْوَانَ وَ عُصَیَّۃَ وَ یُؤَمِّنُ مَنْ خَلْفَہٗ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل اور لگاتار ایک ماہ قنوت پڑھی ظہر میں عصر میں، مغرب میں اور نماز عشاء میں اور نماز صبح میں جب آپ آخری رکعت[۱] میں سمع اللہ لمن حمدہ کہتے۔ اس قنوت میں آپ بنی سلیم کے چند قبیلوں اور قبیلہ رعل[۲] و ذکوان[۳] اور عصیہ[۴] پر بددعا کرتے تھے۔ اور جو لوگ آپ کے پیچھے ہوتے تھے وہ آمین کہتے تھے۔

(ابوداؤد)

[۱] من الرکعۃ الاخیرہ۔ بعض نسخوں میں اخیرہ کے بجائے آخرۃ آیا ہے۔

[۲] رِعْل۔ راکی زیر، عین ساکن۔

[۳] ذکوان ذال کی زبر، کاف ساکن

[۴] عُصَیَّۃ عین کی پیش، صاد کی زبر اور یا مشدد۔ یہ سب بنی سلیم کے قبائل ہیں۔ آپ ان پر بددعا کرتے تھے۔

۱۲۱۸/۴ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَھْرًا ثُمَّ تَرَکَہٗ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَآئِیُّ)

حضرت انس سے روایت ہے بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ قنوت پڑھی پھر چھوڑ دی[۱]

(ابوداؤد ونسائی)

[۱] جیسا کہ پیچھے مذکور ہوا اکثر اہل علم اس پر ہیں کہ قنوت نہ تو نماز صبح میں ہے نہ کسی اور نماز میں سوائے وتر کے۔ امام مالک و امام شافعی فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز میں تو قنوت ہمیشہ پڑھے۔ باقی نمازوں میں جب کوئی واقعہ پیش آئے۔

۱۲۱۹/۵ وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْجَعِیِّ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ یَا اَبَتِ اِنَّكَ قَدْ صَلَّیْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی

حضرت ملک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے اپنے باپ سے کہا اے میرے پیارے باپ بے شک آپ نے رسول اللہ صلی اللہ

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ وَعُثْمَانَ وَ عَلِیٍّ ھٰھُنَا بِالْکُوْفَۃِ نَحْوًا مِّنْ خَمْسِ سِنِیْنَ اَکَانُوْا یَقْنُتُوْنَ قَالَ اَیْ بُنَیَّ مُحْدَثٌ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ النَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ۔

علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے۔ اسی طرح ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی اقتداء میں بھی یہاں کوفہ میں بھی، کم و بیش پانچ سال تک۔ کیا یہ حضرات[۱] قنوت پڑھتے تھے۔ میرے باپ نے جواب دیا اے بیٹے یہ بدعت[۲] ہے۔

(ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

[۱] اس کلمہ کا تعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے کیونکہ کوفہ میں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ رہے ہیں نہ کہ پہلے تین خلفاء رضی اللہ عنہم۔

[۲] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ صبح کی نماز اور دوسری پانچ نمازوں میں قنوت پڑھا کرتے تھے؛ جیسا کہ آج کل بعض لوگ کرتے ہیں۔

[۳] یعنی ہمیشہ پابندی سے ان نمازوں میں قنوت پڑھنا بدعت اور دین میں نئی پیدا شدہ چیز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت ایک ماہ تک صرف نماز صبح میں پڑھی پھر ترک کر دی جیسا کہ گزرا ہے۔ یہ حدیث حنفی مذہب کی زبردست دلیل ہے۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ ہمارے ائمہ کرام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ حضرات جنہوں نے نماز صبح میں قنوت پڑھنے کے بارے میں احادیث لائی ہیں اور اسے ثابت کیا ہے، سب علماء ہیں اور کافی تعداد میں ہیں۔ لہٰذا انہیں ان لوگوں پر فوقیت دینا ضروری ہے جو نماز صبح میں قنوت کی نفی کرتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ وہ حدیث جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھی، ضعیف ہے۔ اسی طرح وہ بھی جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اسے بدعت قرار دیا۔ یوں ہی وہ بھی جو روایت کیا گیا ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت پڑھنے سے منع کر دیا تھا۔ یہ تمام احادیث ضعیف ہیں۔ مگر شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام تکلف سے خالی نہیں[۱]۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۱۲۲۰ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ

حضرت حسن سے روایت ہے بے شک عمر بن الخطاب

[۱] کہ ایک روایت کو دوسری پر تقدیم و فوقیت کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں دونوں میں تعارض ہو۔ اور یہاں زیر بحث مسئلہ میں تعارض ہی نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر وغیرہ میں ایک ماہ تک قنوت پڑھی پھر ترک کر دی اور اس سے منع فرما دیا۔ واللہ اعلم۔ مترجم غفرلہ

جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّيْ لَهُمْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَّلَا يَقْنُتُ بِهِمْ اِلَّا فِى النِّصْفِ الْبَاقِيْ فَاِذَا كَانَتِ الْعَشْرُ الْاَوَاخِرُ يَتَخَلَّفُ فَصَلّٰى فِيْ بَيْتِهٖ فَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَبَقَ اُبَيٌّ۔

رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی بن کعب پر اکٹھا کیا۔ تو ابی لوگوں کو بیس رات تک نماز پڑھاتے رہے آپ اس میں ان کے ساتھ قنوت نہ کرتے تھے مگر نصف باقی میں۔ جب آخری عشرہ آجاتا تو حضرت ابی مسجد میں نہ آتے بلکہ گھر میں نماز پڑھتے تو لوگ بطور تعجب نہ شکوہ کہتے کہ ابی بھاگ گئے۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَسُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فَقَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَبَعْدَهٗ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

ابوداؤد اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو آپ نے جواب دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی ہے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ رکوع سے پہلے پڑھی۔

(ابن ماجہ)

لے یعنی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے۔ حضرت ابی بن کعب بھی انہیں لوگوں میں سے تھے۔ یعنی صحابہ کرام میں سے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہی پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ آپ صحابہ کرام میں بہت اچھے قاری تھے لوگ آپ کو سید القراء کہتے تھے یعنی تمام قاریوں کے سردار۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو لوگوں کا امام مقرر کیا اور کہا سب لوگ ان کی اقتداء میں نماز پڑھیں۔ آپ کی یہ امامت قیام رمضان میں تھی۔

سلے اصل میں لفظ تخلف آیا ہے۔ یعنی کسی کام کے کرنے سے رہ جانا۔

سلے امام حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی یہ دو قول محدثین شافعی حضرات کی دلیل ہے یعنی حدیث اول اس امر کی دلیل ہے کہ رمضان کے نصف اخیر میں قنوت پڑھنا اور حنفی مشائخ فرماتے ہیں کہ وتر میں قنوت کے بارے میں احادیث مطلق آئی ہیں ان میں رمضان کی کوئی تخصیص نہیں آئی اور ایسی احادیث بہت ہیں۔ اور وتر ہمیشہ پڑھنے کی نماز ہے۔ رمضان کے ساتھ خاص نہیں۔ لہٰذا قنوت بھی (وتر کے اندر) ہمیشہ پڑھی جائے گی اور جب کہ اس مضمون کی احادیث بکثرت ہیں تو ان پر عمل اعلیٰ اور بہتر ہوگا۔ دوسری حدیث شوافع کے لیے اس امر کی دلیل ہے کہ قنوت بعد از رکوع پڑھی جائے ہمارے احناف اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھنے کے بارے میں بھی بہت احادیث وارد ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا عمل بھی اسی نقل کے موافق ہے۔ رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کا جو ذکر آیا ہے وہ صرف ایک ماہ کے لیے تھا۔ ہمیشہ کے لیے نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

رمضان شریف میں قیام کا باب

اس قیام رمضان سے تراویح مراد ہیں۔ انہیں تراویح اس لیے کہا جاتا ہے کہ لوگوں نے جب اکٹھے مل کر یہ نماز پڑھنا شروع کی تو لوگ دو سلام پھیرنے کے بعد بیٹھتے اور آرام لیتے تھے۔ اس بنا پر اس نماز کا نام تراویح پڑ گیا۔ تراویح میں بہت گفتگو کی گئی ہے۔ ہم نے اس بارے میں پوری گفتگو اپنے رسالہ مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ فِيْ اَيَّامِ السَّنَةِ میں کر دی ہے۔ یہ گفتگو اور اختلاف اس وجہ سے بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز ہمیشہ نہیں پڑھی۔ چند رات اسے پڑھا۔ پھر جب لوگوں کا اجتماع اور ہجوم ہونے لگا تو امت پر شفقت کی بنا پر کہ فرض نہ ہو جائے، اسے ترک کر دیا۔ صحیح یہ ہے کہ آپ کی یہ نماز در اصل تہجد کی نماز ہی تھی جو آپ گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیس رکعت پڑھتے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت فاروقی تک لوگ اسی طریقہ اور حالت پر رہے کہ ہر آدمی بطور خود گھر میں یا مسجد میں پڑھ لیتا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ابتدائی حصہ گزر گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو تراویح کے لیے جمع کیا۔ جیسا کہ احادیث میں آ رہا ہے اور مدینہ مطہرہ کے باشندے بیس رکعت کے علاوہ سولہ رکعت مزید پڑھتے ہیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اہل مکہ ہر دو ترویحہ کے بعد طواف کعبہ کرتے تھے اور طواف کی دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ اہل مدینہ جب کہ اس فضیلت سے دور تھے تو اس کے عوض چار رکعت کا اضافہ کر دیا اور اب بھی ان مقام شریف میں [illegible] سولہ رکعت کہتے ہیں۔ آخر شب میں کہ اول شب میں تراویح ادا کرنے کے بعد گھروں سے باہر نکلتے اور یہ سولہ رکعت پڑھتے ہیں۔

پہلی فصل	اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں چٹائی کا ایک حجرہ بنایا اس میں آپ کئی راتیں نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ لوگوں کا آپ پر اجتماع ہو گیا پھر ایک رات لوگوں نے آپ کی آواز نہ پائی اور انہیں گمان ہو گیا	۱۲۴۱ـ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ حُجْرَةً فِي الْمَسْجِدِ مِنْ حَصِيْرٍ فَصَلّٰى فِيْهَا لَيَالِيَ حَتّٰى اجْتَمَعَ عَلَيْهِ نَاسٌ ثُمَّ فَقَدُوْا صَوْتَهٗ لَيْلَةً

وَظَنُّوْا اَنَّہٗ قَدْ نَامَ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَتَنَحْنَحُ لِيُخْرُجَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ مَا زَالَ بِكُمُ الَّذِيْ رَاَيْتُ مِنْ صَنِيْعِكُمْ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَا قُمْتُمْ بِهٖ فَصَلُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ صَلٰوةِ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ .

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

آپ سو گئے ہیں۔ تو بعض حضرات کھانسنے لگے[1] تاکہ آپ باہر تشریف لائیں۔ پس آپ نے فرمایا۔ میں تمہارا فعل مسلسل دیکھتا رہا یہاں تک کہ مجھے خوف لاحق ہوا کہ یہ تم پر فرض ہو جائے[2] اور اگر تم پر فرض کر دیا جاتا تو تم اُسے قائم نہ رکھ سکتے۔ تو اے لوگو اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھو لو۔ کیونکہ مرد کی سب سے بہتر نماز وہ ہے جو اپنے گھر میں پڑھے۔ مگر فرض نماز۔

(بخاری و مسلم)

لہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فقہائے صحابہ میں سے ہیں۔ آپ نوافل کے بڑے پابند تھے اور کاتب وحی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی شاخوں کا ایک حجرہ مسجد میں بنا لیا تھا۔ جیسا کہ اعتکاف میں آپ کی عادت مبارکہ تھی۔ حجرہ حجر بمعنی منع کرنے سے بنا ہے۔ حجرے کو حجرہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کو اندر آنے سے روکتا ہے۔ ایک روایت میں حجرہ کے بجائے حجزہ آیا ہے بمعنی باز رکھنا۔

۲ہ تاکہ کھانسنے اور کھنگورنے کی آواز سن کر آپ ان کی طرف تشریف لے آئیں۔

۳ہ کہ تم لوگ رات کی نماز (تراویح) با جماعت پڑھنے کی بڑی حرص و خواہش رکھتے

۴ہ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل کی تھی کہ اگر آپ نے یہ نماز تراویح پابندی سے ہمیشہ پڑھی تو میں اسے ان لوگوں پر فرض کر دوں گا یا اتفاقاً آپ کے دل میں آ پڑی۔ جیسا کہ بعض ادنیٰ عمل ہوتا ہے جب آپ نے ہمیشگی کی تو فرض کر دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عادت مبارک ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام پر ہمیشگی کرتے تو اللہ تعالیٰ اسے فرض کر دیتا۔ مگر اس پر یہ اشکال لازم آتا ہے کہ بہت سی راتب سنتیں ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ادا کرتے تھے۔ مگر وہ فرض نہ ہوئیں۔

۱۲۴۴ — وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَغِّبُ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّاْمُرَهُمْ فِيْهِ بِعَزِيْمَةٍ فَيَقُوْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان کی ترغیب دیا کرتے تھے بغیر اس کے کہ آپ لوگوں کو اس کا تاکیدی حکم دیں۔ آپ فرماتے تھے جس نے رمضان میں شب بیداری کی ایمان و تصدیق کے ساتھ اور اچھا خرت کے ثواب

غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ ثُمَّ كَانَ الْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ فِيْ خِلَافَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَّصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلٰى ذٰلِكَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کے لیے نہ کہ دکھانے اور سنانے کے لیے تو اس کے تمام گزشتہ صغیرہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے، درانحالیکہ لوگ اسی حالت پر[1] تھے پھر خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں بھی معاملہ ایسا ہی رہا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں بھی اسی حالت پر[2] تھے۔ (مسلم)

[1] کہ آپ اپنے طور پر طلب ثواب کے لیے تراویح پڑھتے تھے ان کی باجماعت ادائیگی متعین و مقرر نہ تھی۔

[2] اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح کی شان کا اہتمام کیا اور لوگوں کو اکٹھے ہونے اور باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ ابھی حدیث میں آرہا ہے۔

۱۲۲۳ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَضٰى اَحَدُكُمُ الصَّلٰوةَ فِيْ مَسْجِدِهٖ فَلْيَجْعَلْ لِبَيْتِهٖ نَصِيْبًا مِّنْ صَلٰوتِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ فِيْ بَيْتِهٖ مِنْ صَلٰوتِهٖ خَيْرًا ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی جب اپنی نماز مسجد میں ادا کرے تو اس کا کچھ حصہ اپنے گھر میں جا کر پڑھے[1] کہ اللہ تعالیٰ گھر میں نماز پڑھنے سے اس کے گھر میں خیر و برکت کرے گا[2] (مسلم)

[1] مراد نفل نماز ہے۔

[2] اس حدیث کو اس باب میں لانے سے اس جانب اشارہ ہے کہ رمضان شریف میں بھی کچھ نہ کچھ نماز گھر میں پڑھنی چاہیے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۲۲۴ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ بِنَا شَيْئًا مِّنَ الشَّهْرِ حَتّٰى بَقِيَ سَبْعٌ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزے رکھے۔ آپ نے مہینے میں ہمارے ساتھ بالکل قیام نہ فرمایا[1]۔ یہاں تک کہ سات دن باقی رہ گئے۔ تب

ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا قِيَامَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهٗ قِيَامُ لَيْلَةٍ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا حَتّٰى بَقِيَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ اَهْلَهٗ وَنِسَاءَهٗ وَالنَّاسَ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى خَشِيْنَا اَنْ يَّفُوْتَنَا الْفَلَاحُ قُلْتُ وَمَا الْفَلَاحُ قَالَ السَّحُوْرُ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ اِلَّا اَنَّ التِّرْمِذِيَّ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ

ہمارے ساتھ قیام کیا یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی پھر جب چھٹی رات ہوئی تو ہمارے ساتھ قیام نہ کیا۔ پھر جب پانچویں رات ہوئی تو ہم کو نماز پڑھائی حتی کہ آدھی رات گزر گئی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاش کہ آپ ان باقی کا قیام ہمارے لیے نفل[1] فرما دیتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان جب امام کے ساتھ نماز پڑھے حتی کہ فارغ ہو جائے تو اس کے لیے ساری رات کا قیام شمار کیا جاتا ہے پھر جب چوتھی رات ہوئی تو ہمیں نماز پڑھائی حتی کہ تہائی رات باقی رہ گئی[2] پھر جب تیسری رات ہوئی تو اپنے گھر والوں اپنی بیویوں اور لوگوں کو جمع فرمایا ہمیں نماز پڑھائی حتی کہ ہم نے خوف کیا کہ ہماری فلاح جاتی رہے گی میں نے کہا فلاح کیا چیز۔ فرمایا سحری[3] پھر بقیہ مہینہ نماز نہ پڑھائی (ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی) اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کیا مگر ترمذی نے ثم لم یقم بنا بقیہ شہر کا ذکر نہ کیا۔

[1] یعنی آپ نے سارے فرض کے نفل نماز میں سے کچھ بھی باجماعت ادا کیا۔ اب بقیہ رات۔

[2] یعنی چھٹی رات باقی رہ گئی۔

[3] کیونکہ سحری روزہ مکمل کرنے میں مددگار ہے اور اس میں سنت بھی قائم ہوتی ہے اور اسی میں پوری فلاح ہے

۱۲۲۵/۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ بِالْبَقِيْعِ فَقَالَ اَكُنْتِ تَخَافِيْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهٗ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنَّكَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گم پایا۔ دیکھا کہ آپ جنۃ البقیع میں تھے فرمایا کیا تم اس سے ڈر رہی تھیں کہ اللہ و رسول تم پر ظلم کریں گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے خیال ہوا کہ آپ

اَتَيْتَ بَعْضَ نِسَآئِكَ فَقَالَ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِاَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ رَزِيْنٌ مِمَّنِ اسْتَحَقَّ النَّارَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ يُضَعِّفُ هٰذَا الْحَدِيْثَ ۔

اپنی کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں[6] فرمایا اللہ تعالیٰ پندرھویں شعبان کی رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے تو قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ بخش دیتا ہے۔ ترمذی، ابن ماجہ، رزین نے یہ بھی زیادہ کیا کہ جو لوگ آگ کے مستحق ہو چکے ہیں۔ ترمذی میں ہے کہ میں نے محمد بخاری کو سنا کہ اس حدیث کو ضعیف کہتے تھے۔

۱ جس میں حضور علیہ السلام کے میرے پاس رہنے کی باری تھی۔

۲ یعنی مدینہ طیبہ کا قبرستان

۳ اور تو نے گمان کیا کہ میں تیری باری کسی اور بیوی کو دے دوں گا۔

۴ یہ بات حضرت عائشہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک اکنت تخافین الخ سے سمجھی ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قرینہ اور حضرت عائشہ کی حالت سے سمجھا ہوگا۔ اور شاید کہ اس قول کے بعد عذر خواہی اور اظہار ما فی الضمیر کے طور پر کہا ہو

۵ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے باہر تشریف لے جانے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا

۶ یعنی فضل و رحمت کے ساتھ نزول فرماتا ہے۔

۷ کہ عرب میں اس قبیلہ کی بکریاں سب سے زیادہ تھیں۔ یعنی میں نے چاہا کہ اس شب میں قیام کروں۔ اور جنت البقیع جاؤں۔ اور وہاں کے مدفون حضرات کے لیے دعائے مغفرت کا یہ محل ہے۔ اس قصے کی تفصیل شرح (لمعات) میں ذکر کی گئی ہے۔ اس باب میں اس حدیث کا ذکر قیام رمضان کی مناسبت سے کیا گیا ہے۔

۸ حضرت رزین اکابر محدثین میں سے ہیں۔

۱۲۳۹ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهِ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهِ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کی نماز اس کے گھر میں افضل ہے میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے[1] مگر

اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ۔ فرض نماز کے

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ (ابوداؤد، ترمذی)

لے حالانکہ میری مسجد بہت عظیم الشان مسجد ہے کہ اس میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجد میں ہزار نماز سے افضل ہے۔

ﷺ کہ فرض نماز کا مسجد میں پڑھنا افضل ہے۔ یہ بات آپ نے وہاں فرمائی جب کہ مسجد میں لوگوں کے ساتھ چند رات قیام فرمایا پھر اسے ترک کر دیا اور اس کا عذر بھی بیان فرمایا پھر آپ نے فرمایا لوگو اپنے اپنے گھروں کو جاؤ اور مشغول ہو جاؤ اور نماز پڑھو۔ اس حدیث سے امام مالک، امام ابو یوسف اور بعض شافعیہ وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ افضل یہ ہے کہ نماز تراویح گھر میں اکیلے پڑھی جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں جو چند روز تراویح پڑھی وہ بیان جواز کے لیے تھی اور اس وجہ سے بھی کہ آپ معتکف تھے اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور ان کے اکثر اصحاب اور بعض مالکیہ وغیرہ اس پر ہیں کہ تراویح کی افضل نماز یہ ہے کہ مسجد میں با جماعت پڑھے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب اور ان کے بعد صحابہ نے کیا پھر مسلمانوں کا عمل ہمیشہ کے لیے اسی پر ہے کیونکہ یہ دین کے نشانات سے ہے۔ اور نماز عید کے مشابہ ہے۔ اس مناسبت سے اس باب میں اس حدیث کے ذکر کرنے کی مناسبت ظاہر ہو گئی۔ مگر اس میں اس جانب بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ نماز تراویح گھر میں پڑھ لینا بھی جائز ہے۔ اس بارے میں مختار و پسندیدہ بات یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص ہو جو لوگوں کا مقتدا ہو کہ اس کا وجود جماعت کی کثرت کا موجب ہو تو اسے چاہیے کہ مسجد میں آکر پڑھے۔ اور اگر اس حیثیت کا نہ ہو تو پھر اس کیلئے گھر میں پڑھنا جائز ہے۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۲۲۷ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيِّ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةً اِلَى الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ اَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ بِصَلٰوتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ اِنِّيْ لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ

تیسری فصل

حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت ہے فرماتے ہیں میں ایک رات کو حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کو گیا۔ لوگ متفرق اور الگ الگ تھے کوئی اکیلے نماز پڑھ رہا تھا۔ اور کسی کے ساتھ کچھ جماعت پڑھ رہی تھی۔ حضرت عمر نے فرمایا اگر میں ان لوگوں کو کسی قاری پر جمع کر دیتا تو بہتر ہوتا۔ پھر آپ نے ارادہ کر ہی لیا تو انہیں ابی بن کعب پر جمع کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ پھر میں دوسری رات آپ کے ساتھ گیا تو لوگ اپنے قاری کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر نے

ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً اُخْرٰى وَ النَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ وَ الَّتِيْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ تَقُوْمُوْنَ يُرِيْدُ اٰخِرَ اللَّيْلِ وَ كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

فرمایا یہ بڑی اچھی بدعت ہے[8]۔ اور وہ نماز جس سے تم سو رہتے ہو۔ اس سے افضل ہے جس کو تم قائم کرتے ہو۔ یعنی آخر رات کی۔ اور لوگ اول رات میں پڑھتے تھے[9]۔

(بخاری)

[1] القاری قارہ کی طرف نسبت ہے۔ یہ لفظ قاری یا مشددہ سے ہے اور قاری بمعنی قرآن پڑھنے والا ہمزہ کے ساتھ ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن کی ولادت حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہوئی۔ مگر نہیں آپ سے نہ تو سماع حاصل ہے۔ نہ ہی آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث روایت کی ہے۔ اور واقدی نے ان کو صحابہ میں شمار کیا۔ مشہور یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیت المال کے عامل تھے۔

[2] یعنی رمضان شریف کی ایک رات میں۔

[3] اصل میں لفظ رہط آیا ہے بمعنی دس افراد سے کم لوگوں کی جماعت

[4] یہاں لفظ قاری ہمزہ کے ساتھ ہے۔

[5] اور انہیں لوگوں کا امام بنا دیا۔

[6] یعنی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔

[7] اسے بدعت اس ہیئت اور اجتماع کے اعتبار سے کہا۔ ورنہ اصل جماعت تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں قائم ہو چکی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند بار اسے باجماعت ادا کیا تھا۔ جیسا کہ گزرا۔ اور حق بات یہ ہے کہ جو کچھ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کرتے ہیں وہ بھی سنت ہے۔ اور حدیث مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً کے عموم میں داخل ہے

[8] اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ آخر شب مراد لیتے ہیں۔ یعنی اس نماز کا آخر شب میں ادا کرنا افضل ہے اس سے جسے تم لوگ اول شب میں پڑھ لیتے ہو۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ آخر شب میں تراویح پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ یہ افضل وقت ہے اور اس میں مشقت زیادہ ہے۔ جیسا کہ اسے علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے نقل کیا اور یہ معنیٰ آپ کے قول يُرِيْدُ آخِرَ اللَّيْلِ (کہ آپ نے آخر شب مراد لیا) کے زیادہ موافق اور زیادہ ظاہر ہے۔ لیکن علامہ طیبی رحمۃ اللہ کا یہ قول کہ اہل مکہ نے اسے ہی اختیار کیا ہے کہ اہل مکہ سونے کے بعد تراویح پڑھتے ہیں۔ تو ہو سکتا کہ یہ ان کی قدیم زمانہ میں عادت تھی مگر آج کل وہ بھی اول شب میں تراویح پڑھتے ۔ اور ساری رات عبادت میں گزارتے ہیں اور پھر آخر شب میں سحری کھانے کے لیے اپنے اپنے گھروں

کو جاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ وہ نماز جس سے تم فارغ ہو کر سوتے ہو بہتر ہے اس نماز سے جس کے لیے تم سو کر اٹھتے ہو یعنی اول شب میں ہی تراویح پڑھ لینا افضل ہے اور یہ احتیاط کی بنا پر ہے تاکہ نیند کے غلبہ کے باعث کہیں رہ ہی نہ جائے۔ اس معنیٰ کے مطابق آخر اللیل کا لفظ تقومون سے متعلق ہوگا بعض علماء نے ان لوگوں میں جو آخر شب میں اٹھنے اور بیدار ہونے کا وثوق اور یقین رکھتے ہیں اور ان میں جنہیں یہ وثوق و اعتماد نہیں ہوتا فرق کیا ہے۔ جیسا کہ اول رات یا آخر رات میں وتر پڑھنے کی افضلیت میں گزرا۔ جیسا کہ علامہ کرمانی نے ذکر کیا۔

۱۲۲۸ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَّ تَمِيْمَ الدَّارِيَّ اَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَءُ بِالْمِئِيْنَ حَتّٰى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعَصَا مِنْ طُوْلِ الْقِيَامِ فَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ اِلَّا فِيْ فُرُوْعِ الْفَجْرِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم الداری[۱] رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ رمضان شریف میں لوگوں کے لیے گیارہ[۲] رکعت کے ساتھ قیام کریں۔ اور قاری (امام) کئی سو آیات[۳] پڑھتا تھا۔ یہاں تک کہ ہم لوگ زیادہ وقت کھڑے رہنے کی بنا پر لاٹھی[۴] سے سہارا لیتے تھے تو ہم لوگ واپس نہ لوٹتے تھے مگر جب کہ فجر کی ابتداء ہو رہی ہوتی تھی۔ (مالک)

[۱] حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ پہلے نصرانی تھے پھر نصرانیت ترک کر کے اسلام لے آئے۔

[۲] تو یہ دونوں صحابی رمضان المبارک میں گیارہ رکعت سے قیام کرتے تھے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت کے مطابق جو نماز تہجد کے بارے میں تھی، گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ روایت وہم پر مبنی ہے کیونکہ یہ بات صحیح روایات سے ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ اقدس میں لوگ بیس رکعتیں (تراویح) کی پڑھتے تھے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات بیس رکعت پڑھی ہوں۔ اللہ کبھی گیارہ رکعت۔ بعض نے کہا ہو سکتا ہے کہ بعض راتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت حاصل کرنے کے لیے ایسا کیا ہو اس کے بعد بیس رکعت ہی پڑھنا طے پا گیا ہو۔ جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تئیس رکعت کی روایت آئی ہے تین رکعت وتر اور بیس رکعت تراویح۔

[۳] مئین مائۃ کی جمع ہے سائۃ (سو) یعنی امام کئی سورتیں پڑھتا تھا اور ہر سورت کی آیتیں سو آیات سے زیادہ ہوتی تھیں۔

[۴] زیادہ دیر تک کھڑے ہونے کی وجہ سے نفل نماز میں ایسا کرنا جائز ہے۔ خصوصاً جب کہ ضعف و بے طاقتی لاحق ہو۔

سے اصل میں لفظ فروع آیا ہے یعنی اوائل فجر اور اس کے بلند حصے۔ ہر چیز کے بلند حصے کو اس کی فرع کہتے ہیں۔ جیسے درخت کی شاخیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک کانوں کی فرع تک بلند کرتے تھے یعنی کانوں کی بلندی تک۔

۱۲۲۹ وَعَنِ الْاَعْرَجِ قَالَ مَا اَدْرَكْنَا النَّاسَ اِلَّا وَهُمْ يَلْعَنُوْنَ الْكَفَرَةَ فِيْ رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَءُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فِيْ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ فَاِذَا قَامَ بِهَا فِيْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً رَاَى النَّاسُ اَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت الاعرج[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے لوگوں کو نہ پایا مگر وہ رمضان میں کافروں پر لعنت[2] کرتے تھے اور قاری (امام) آٹھ رکعت میں پوری سورۃ بقرہ پڑھتا تھا اور جب قاری یہ سورت بارہ رکعت میں پڑھتا تو لوگ خیال کرتے کہ اس نے ہلکی نماز پڑھائی ہے اور تھوڑی قراءت کی۔ (مالک)

لہ حضرت عبدالرحمن الاعرج رضی اللہ عنہ مشاہیر تابعین میں سے ہیں۔ اور راویان میں ثقہ شخصیت ہیں۔

سے یعنی قنوت وتر میں کیونکہ یہ کفار اس چیز کی تعظیم نہیں کرتے جس کی خدا تعالیٰ نے تعظیم کی ہے اور یہ کفار اس راستے پر نہیں چلتے جس میں چلنے کی قرآن نے ہدایت کی ہے۔

۱۲۳۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اُبَيًّا يَقُوْلُ كُنَّا نَنْصَرِفُ فِيْ رَمَضَانَ مِنَ الْقِيَامِ فَنَسْتَعْجِلُ الْخَدَمَ بِالطَّعَامِ مَخَافَةَ فَوْتِ السُّحُوْرِ وَفِيْ اُخْرٰى مَخَافَةَ الْفَجْرِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت عبداللہ[1] بن ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابی کو فرماتے سنا ہم لوگ رمضان میں قیام سے واپس لوٹتے تھے تو ہم خادموں کو کہتے کہ جلدی کھانا لاؤ سحری فوت ہو جانے کے خوف سے ایک دوسری روایت میں آیا فجر ہونے کے ڈر سے[2]۔ (مالک)

لہ یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سب سے بڑے ہیں اور قدیم الاسلام ہیں[1]۔

لہ مگر حضرت محدث الشہیر علی بن سلطان محمد القاری المعروف ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ مرقات شرح مشکوٰۃ جزء ثالث صفحہ ۱۹۴ مطبوعہ ملتان ... ان عبداللہ کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں۔ عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری المدنی تابعی اکابر مدینہ میں سے ہیں متابعی ہیں اسی بنا پر مولانا امیر علی صاحب محشی اشعۃ اللمعات یہاں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کے بارے میں یہ کلام اگر کسی نے الحاق کیا ہے تو غلط کیا ہے اور اگر حضرت شیخ قدس سرہٗ کا ذہن شریف (بقیہ آئندہ صفحہ)

۲ ؎ مگر دونوں روایتوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

۱۲۳۱ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَدْرِيْنَ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ يَعْنِيْ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ قَالَتْ مَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ فِيْهَا اَنْ يُّكْتَبَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ مِّنْ بَنِيْ اٰدَمَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِيْهَا اَنْ يُّكْتَبَ كُلُّ هَالِكٍ مِّنْ بَنِيْ اٰدَمَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِيْهَا تُرْفَعُ اَعْمَالُهُمْ وَفِيْهَا تَنْزِلُ اَرْزَاقُهُمْ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا مِنْ اَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى ثَلٰثًا قُلْتُ وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى هَامَتِهٖ فَقَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَةٍ يَقُوْلُهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔
رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا کیا تم جانتی ہو اس رات یعنی پندرھویں شعبان میں کیا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ اس میں کیا ہے۔ فرمایا اس رات میں اس سال پیدا ہونے والے انسانوں کے بچے لکھ دیے جاتے ہیں اور اس سال میں مرنے والے سارے انسان بھی لکھ دیے جاتے ہیں۔ اور اس رات میں ان کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں ۲ ؎ اور ان کے رزق اتارے جاتے ہیں ۳ ؎ حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا کوئی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جائے گا تو آپ نے تین بار فرمایا کہ کوئی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہ جائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ بھی نہیں ۴ ؎۔ آپ نے اپنا دست مبارک اپنے سر انور پر رکھا اور فرمایا میں بھی نہیں ۵ ؎۔ مگر یہ کہ مجھے اللہ اپنی رحمت میں چھپا لے۔ تین بار فرمایا ۶ ؎۔

(بیہقی دعوات کبیر)

بقیہ حاشیہ ۲ ؎ حاضرنہ تھا تو یہاں لغزش قلم ہے کیونکہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر تو جنگ طائف میں جام شہادت نوش کر گئے تھے۔ اور جناب مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی رحمۃ اللہ علیہ مرآۃ جلد دوم ص ۲۹۳، ص ۲۹۴ میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ سے اشعۃ اللمعات میں صدیق اکبر کا بڑا فرزند فرمایا خطا ہو گئی کہ وہ تو جنگ طائف میں شہید ہو گئے تھے۔ مترجم غفرلہٗ۔

۱؎ یعنی اس رات میں جو برکات اور عجیب و غریب چیزیں ظہور پذیر ہوتی ہیں تم اسے جانتی ہو۔

۲؎ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا کہ اولادِ آدم کے اعمال لکھے جاتے ہیں۔ جو سال کے دوران روزمرہ اٹھائے جاتے ہیں۔ جس طرح کہ لکھے جاتے ہیں۔ اس سال میں پیدا ہونے والے اور مرنے والے۔ تو ان سب چیزوں کی تحریر اس شب میں ہوتی ہے پھر سال میں پورے دن اٹھائے جاتے ہیں۔ گو یہ معنی عبارت سے دور ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ میں تو یوں ہے کہ اس رات میں اٹھائے جاتے ہیں نہ کہ لکھے جاتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ تمام سال کے اعمال روزمرہ اٹھائے جاتے ہوں۔ مگر اس رات میں سارے یکبارگی لکھ دیئے جاتے ہوں۔ پھر سارا دفتر بھی مقابلے کی غرض سے اٹھایا جاتا ہو۔ جیسا کہ اہل حساب کرتے ہیں۔ اس شب کی عظمت اور حکم الٰہی کی وجہ سے واللہ اعلم۔

۳؎ رزق اتارنے سے اس کا لکھا جانا مراد ہے۔ جس طرح اعمال لکھے جاتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ اس رات میں لوگوں کی اجل اور ان کا رزق لکھا جاتا ہے اور ان لوگوں کے نام لکھے جاتے ہیں جو اس میں حج کی سعادت حاصل کریں گے اور جنہیں اس سعادت کی توفیق نصیب ہوگی اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نیک اعمال کے اٹھنے کا ذکر سنا جو بندے کے لیے جنت میں جانے کا ذریعہ بنتے ہیں اور آپ نے یہ بھی سنا کہ بندوں کے عمل کرنے سے پہلے ہی یہ لکھ دیئے جاتے ہیں۔ تو اس سے آپ نے سمجھا کہ جنت میں جانا اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے فضل و کرم سے ہے۔ تنہا عمل سے نہیں اس لیے آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا کوئی آدمی جنت میں اللہ کی رحمت کے بغیر جا سکے گا۔ الخ۔

۴؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین بار فرمائی یا حضرت عائشہ کا سوال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دونوں کا تکرار تین بار ہوا۔ بعض نسخوں میں تین بار کا ذکر نہیں ہے۔

۵؎ یعنی آپ کی ذات اقدس کہ اللہ کے رسول اور اس کے محبوب ہیں۔ اللہ کی رحمت سے ہی بہشت میں داخل ہوں گے؟

۶؎ یعنی ہاں میں بھی اسکی رحمت کے ساتھ جنت میں جاؤں گا جو اس کی ذات کی طرف سے نازل ہوتی ہے اور اس کے فضل و لطف سے۔ اگرچہ میرا وجود سراسر رحمت ہے۔ بلکہ تمام جہانوں کیلیے رحمت ہے۔

۷؎ سر مبارک پر دست اقدس رکھنے سے درگاہِ حق تعالےٰ میں اپنی مسکنت اور محتاجی کا اظہار ہے اور اس جانب اشارہ ہے کہ سر سے پاؤں تک اللہ تعالیٰ کی رحمت میرے شامل حال ہے اور یہ کہ میں اللہ تعالےٰ کی رحمت کی تعظیم کرتا ہوں اور اس کی مغفرت کا طلبگار ہوں۔ علامہ میم مخفف سے یعنی سر۔

۱۲۳۵ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَیَطَّلِعُ فِیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ	حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں شب اپنے بندوں پر اپنی چشم فضل و رحمت سے جھانکتا ہے تو ساری مخلوق کو بخش

لِجَمِيْعِ خَلْقِهٖ اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ وَ فِيْ رِوَايَتِهٖ اِلَّا اثْنَيْنِ مُشَاحِنٌ وَ قَاتِلُ نَفْسٍ۔

دیتا ہے۔ مگر شرک اور کینہ پرور[2] انسان کو۔ ابن ماجہ اور احمد نے اسے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کیا۔ اور احمد کی روایت میں اس طرح آیا ہے کہ دو آدمیوں کو ایک کینہ پرور کو دوسرے خودکشی کرنے والے کو[3]۔

[1] اس معنیٰ کے مطابق لفظ یَطَّلِعُ طا مشدد اور لام کی زیر سے ہے۔ اور یَطْلِعُ طا ساکن لام کی زیر سے بھی آیا ہے۔ یہ طلوع سے مشتق ہوگا۔ اور اس سے مراد نزول ہے جیسا کہ حدیث تہجد میں واقع ہوا کہ ینزل ربنا۔ ہمارا رب نزولِ اجلال فرماتا ہے اور اس حدیث میں بھی بیہقی کی روایت میں ینزل واقع ہوا ہے۔ جیسا کہ حدیث تہجد میں ہے۔ البتہ اس حدیث میں اتنا مضمون زیادہ ہے کہ اس رات میں رب تعالیٰ کا نزولِ اجلال در رحمت وقت غروب آفتاب سے ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔ حاصل معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شب میں رحمت و مغفرت کی صفت سے تجلی فرماتا ہے۔

[2] یعنی جو خلاف شریعت کسی سے کینہ رکھتا ہے اور حکم شریعت کے مطابق کسی سے دل میں کینہ رکھنا جائز ہے۔

[3] اور بعض احادیث میں کچھ اور لوگوں کا بھی اضافہ فرمایا۔ یعنی رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا اور بعض میں تہبند و شلوار کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے والا۔ والدین کا نافرمان۔ اور عادی شراب نوش کا ذکر بھی آیا ہے۔ بعض احادیث میں ظلم سے عشر لینے والا جادوگر کاہن نجومی فخر کرنے والا اور گانے کے ساتھ بجانے والا بھی آیا ہے۔

۱۲۳۳ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَ صُوْمُوْا يَوْمَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ اَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهٗ اَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَاَرْزُقَهٗ اَلَا مُبْتَلًى فَاُعَافِيَهٗ اَلَا كَذَا اَلَا كَذَا حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب پندرھویں شعبان کی رات ہو تو رات کو قیام کرو۔ دن میں روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں اللہ تعالیٰ سورج ڈوبتے ہی آسمان دنیا کی طرف نزول رحمت فرماتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ کوئی معافی مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں۔ کوئی روزی مانگنے والا ہے کہ میں اسے روزی دوں۔ کوئی بیمار ہے کہ میں اسے شفا دوں۔ کیا کوئی ایسا ہے کیا کوئی ایسا[1] ہے۔ طلوع فجر تک۔ (ابن ماجہ)

[1] یہ اور دوسرے مطالب و حاجات والوں سے کنایہ ہے۔ چنانچہ کوئی گناہ گار نہیں کہ میں اسے بخش دوں۔ آیا کوئی

غمگین نہیں کرے میں سے خوش دل کروں۔ اللہ تعالٰی فجر طلوع ہونے تک اسی طرح فرماتا رہتا ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الضُّحٰی

نماز چاشت کا باب

ضحو وضحوۃ دن کا بلند ہونا۔ ضحیٰ ضاد کی پیش اور الف مقصورہ چاشت اور شعاع آفتاب کے معنی میں آتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی کا قول مبارک وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا طلوع آفتاب کے بعد لوگوں میں دونوں نمازیں متعارف ہیں۔ ایک نماز سورج ایک دو نیزہ بلند ہونے کے وقت۔ اسے نماز اشراق کہتے ہیں۔ دوسری نماز چاشت جو سورج کے چوتھا حصہ آسمان پر بلند ہونے کے وقت دوپہر سے کچھ پہلے۔ اسے نماز چاشت کہتے ہیں۔ بہت سی احادیث میں صلوۃ ضحیٰ کا نام دونوں کے نمازوں کے لیے آیا ہے۔ بعض احادیث میں صلوۃ ضحیٰ کا اطلاق نماز اشراق پر آیا ہے۔ جیسا کہ امام سیوطی نے طبرانی کی حدیث سے نقل کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے فرمایا اے ام ہانی یہ نماز اشراق ہے حالانکہ جو نماز آپ نے حضرت ام ہانی کے گھر پڑھی تھی وہ نماز چاشت تھی۔ اور امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالٰی کے قول بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ وقت اشراق وہ وقت ہے کہ آفتاب روشن ہو جائے اس کی شعاع صاف ہو جائے اور وہ چاشت کا وقت تھا۔ مختصر یہ کہ دن کے پہلے حصے میں جو نماز پڑھی جاتی ہے اس پر اور جو نماز دن کا چوتھا حصہ گزرنے پر پڑھی جاتی ہے۔ اس پر نماز اشراق کا اطلاق آیا ہے۔ پس دونوں نمازوں کو صلوۃ ضحیٰ اور صلوۃ اشراق کہہ سکتے ہیں۔ متعارف وہ ہے جو بیان کیا گیا ہے۔ حقیقت میں ایک ہی وقت ہے کہ اس کے اول میں ایک نماز اور اس کے آخر میں دوپہر سے کچھ پہلے دوسری نماز (چاشت) پڑھی جاتی ہے اور جب کہ بعض دفعہ دونوں وقتوں میں یہ نماز پڑھی گئی ہے۔ اس سے گمان کر لیا گیا کہ یہاں دو وقت ہیں۔ اور دو نمازیں۔ بعض علماء ان دو اوقات کو ضحوۃ صغریٰ اور ضحوہ کبریٰ بھی کہتے ہیں۔ نماز چاشت میں بہت سی احادیث اور آثار آئے ہیں۔ اکثر علماء اس نماز کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ پسندیدہ اور مختار قول یہی ہے۔ کتاب مواہب لدنیہ میں ہے کہ شیخ ولی الدین بن العراقی نے کہا کہ صلوۃ ضحیٰ میں بہت سی احادیث صحیحہ مشہورہ آئی ہیں تا آنکہ محمد بن جریر الطبرانی نے کہا کہ اس بارے میں وارد شدہ احادیث تواتر معنوی اور درجہ یقین کو پہنچ چکی ہیں۔ اور قاضی ابوبکر بن العربی المالکی نے کہا کہ یہ پہلے انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام کی نماز ہے اور امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے دیلمی سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ صلوۃ ضحیٰ اکثر و بیشتر حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور ابن النجار سے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت کرتے ہوئے کہا کہ صلوۃ ضحیٰ وہ نماز ہے جسے حضرت آدم حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ

اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین ہمیشہ پڑھتے تھے۔ بعض احادیث میں اس نماز کی نفی بھی آئی ہے اور بعض صحابہ کرام نے اس نماز پر بدعت کا اطلاق کیا۔ اور علماء کی ایک جماعت اس کے مکروہ ہونے کی طرف گئی ہے۔ جبکہ اسے پابندی کے ساتھ مسجدوں میں پڑھا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کبھی کبھی پڑھا۔ وہ بھی گھر میں۔ سلف صالحین کا بھی اسی پر عمل تھا کہ گھر میں پڑھتے تھے۔ مگر یہ اختلاف اس نماز میں ہے جو چوتھا حصہ دن گزرنے پر پڑھی جاتی ہے یعنی نماز چاشت مگر وہ نماز (اشراق) جس کے لیے نماز فجر کے بعد قبلہ رُخ بیٹھے رہتے ہیں اور آفتاب بلند ہونے کے بعد پڑھتے ہیں تو اسے بعض نے مکروہ نمازوں میں شمار کیا ہے واللہ اعلم۔

صلوٰۃ ضحٰی کی رکعات کی تعداد میں روایات دو سے بارہ تک آئی ہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک چار رکعت مختار ہیں۔ کیونکہ چار رکعت کی احادیث زیادہ صحیح ہیں اور اس میں اخبار و آثار بھی زیادہ ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۲۲۳ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلّٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ فَلَمْ اَرَ صَلٰوةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ اَنَّهُ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ وَقَالَتْ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى وَذٰلِكَ ضُحًى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ام ہانی[۱] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن آپ کے گھر میں تشریف لائے تو غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز پڑھی تو میں نے کبھی کوئی نماز اس سے ہلکی نہ دیکھی[۲] مگر اتنی بات ضرور تھی کہ آپ رکوع و سجود مکمل کرتے تھے اور ایک دوسری روایت میں آپ فرماتی ہیں کہ یہ چاشت کی نماز[۳] ہے۔ (بخاری و مسلم)

[۱] حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا ابو طالب کی بیٹی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں۔ ان کا نام فاختہ تھا بعض نے کہا ان کا نام عاتکہ تھا۔

[۲] یعنی آپ نے اس نماز کے کسی رکن کو اپنی عادت جاویدہ کے مطابق ادا نہ کیا۔ مگر اس میں یہ بات ملحوظ رکھی کہ ادب کا رکوع و سجدہ بالکل مکمل کیا۔

[۳] واضح ہو کہ نماز چاشت میں عمدہ اور مشہور حضرت ام ہانی کی حدیث ہے۔ امام احمد نے کہا کہ صحیح ترین حدیث جو نماز چاشت کے بارے میں آئی ام ہانی کی حدیث ہے۔ بعض نے کہا ام ہانی کے گھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نماز پڑھنا فتح مکہ کے شکرانہ کے طور پر تھا۔ آپ کے بعد امراء اسے نماز فتح کہتے اور فتوحات کے بعد اسے پڑھتے تھے۔ بعض نے کہا کہ

دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وظائف میں ایک وظیفہ مجاہت کی فتح کی مسرورفیت میں رہ گیا تھا۔ اس نماز کی صورت میں آپ نے اسے قضا کیا۔ تحقیق یہ ہے کہ آپ نے یہ چاشت کی نماز ہی پڑھی۔ کسی وظیفے کی قضا نہ تھی۔ کیونکہ ابوداؤد اور مسلم نے اسے سبحۃ الضحیٰ کے لفظ سے روایت کیا۔ یعنی وقت چاشت کی تسبیح۔ وقت کی طرف اضافت کرنا اس وقت کے سبب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں ظہر کی نماز، عصر کی نماز۔ مواہب لدنیہ میں ابن عبدالبر سے روایت کیا کہ ام ہانی نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ کونسی نماز تھی۔ فرمایا۔ چاشت کی نماز۔

۱۲۳۵ وَعَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَمْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلوٰةَ الضُّحٰى قَالَتْ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَّيَزِيْدُ مَا شَآءَ اللهُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت معاذہ[۱] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز کتنی رکعتیں پڑھتے تھے۔ فرمایا چار رکعتیں اور جو اللہ چاہتا اس سے زیادہ بھی پڑھتے تھے[۲]

(مسلم)

[۱] حضرت معاذہ رضی اللہ عنہا تابعیہ ہیں ثقہ ہیں اور طبقہ ثالثہ سے ہیں۔

[۲] روایات میں اس کی رکعتوں کی تعداد بارہ سے زیادہ نہیں آئی۔

۱۲۳۶ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ فَكُلُّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةٌ وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر آدمی کے ذمے اس کے جسم کے ہر بند و ہڈی[۱] پر صدقہ لازم[۲] ہے۔ پس ہر تسبیح صدقہ[۳] ہے ہر تحمید[۴] صدقہ ہے اور ہر تہلیل[۵] صدقہ ہے اور ہر تکبیر[۶] صدقہ ہے۔ ہر امر بالمعروف[۷] صدقہ ہے اور نہی عن المنکر صدقہ ہے۔ اس کی جگہ نماز چاشت کی دو رکعتیں کفایت کرتی ہیں[۸]۔

(مسلم)

[۱] اصل میں سُلامٰی آیا ہے۔ سین کی پیش۔ لام مخفف۔ میم کی زبر۔ معنی عضو۔ بعض نے کہا سُلامی ہر اس ہڈی کو کہتے ہیں

جس میں جوڑ ہو اور ہر اس ہڈی کو بھی جس سے انسان حرکت کے وقت سہارا لیتا ہے۔ پسندیدہ قول یہ ہے کہ سُلامٰی ہڈی کے ہر جوڑ کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ اپنے جسم کے ہر جوڑ کے عوض صدقہ کرے یعنی ہر عضو اور ہڈی اور جوڑ اور صحت و سلامتی انسان کے لیے نعمت ہے جس کا شکر کرنا اس پر لازم ہے اور وجوب کی وجہ شکر کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنی ہر چیز کو اس مقصد کے لیے صرف کرے جس کے لیے اس چیز کو پیدا کیا گیا ہے ایک دشوار اور مشکل امر ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ازراہِ لطف و کرم بندے سے ذکر الٰہی۔ اس کی حمد و ثنا وغیرہ خیرات اور امر معروف و نہی منکر کو بندے پر ہر جوڑ کے عوض صدقات واجبہ ضروریہ کی طرح لازم قرار دیا۔

۲؎ یعنی سبحان اللہ کہنا۔

۳؎ یعنی الحمد للہ کہنا۔

۴؎ یعنی لا الٰہ الا اللہ کہنا۔

۵؎ یعنی اللہ اکبر کہنا۔

۶؎ یعنی نیک کام کا حکم دینا۔

۷؎ یعنی کسی کو نامشروع اور ناجائز کام سے باز رکھنا۔

۸؎ یعنی یہ دو رکعتیں کفایت کرتی ہیں یا اللہ تعالیٰ تمام جوڑوں کے شکرانہ کے طور پر ان دو رکعت کو قبول کرتا اور اس پر جزا عطا کرتا ہے یہ فی الحقیقت نماز شکرانہ ہے تمام ظاہری باطنی نعمتوں کا، کیونکہ انسان کا ہر عضو اور جوڑ دل بدن وغیرہ مولیٰ تعالیٰ کی خدمت اور دعا اس کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں اس فضیلت کے ساتھ نماز چاشت کو مخصوص کر دیا گیا کہ وہ اول دن اور نعمتوں کے استعمال کے آغاز میں پڑھی جاتی ہے اور لفظ یجزی یا کی پیش اور ہمزہ ادمیاکی زبر اور ہمزہ کے بغیر دونوں طرح روایت ہے۔ اول صیغہ اجزاء سے ہے ہمزہ کی زیر سے ہے بمعنی کفایت۔ اور دوسرا صیغہ جزاء سے بمعنی بدلہ۔

۱۲۳۲ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّهُ رَأَى قَوْمًا يُصَلُّوْنَ مِنَ الضُّحٰى فَقَالَ لَقَدْ عَلِمُوْا أَنَّ الصَّلٰوةَ فِيْ غَيْرِ هٰذِهِ السَّاعَةِ أَفْضَلُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الْأَوَّابِيْنَ حِيْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک قوم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا یہ لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ اس گھڑی کے بجائے دوسری گھڑی افضل ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اوابین کی نماز اس وقت ہے جب کہ اونٹ کے بچے کے پاؤں گرم ہونے لگیں۔ (مسلم)

۱؎ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ سترہ غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا۔ آپ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خصوصی دوستوں میں سے تھے۔

۲؎ یعنی ثواب کے لحاظ سے ہے۔

۳؎ اوابین یعنی درگاہ حق تعالیٰ میں توبہ کرنے والے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے۔ رَمَضَ را و میم کی زبر بمعنی ریت وغیرہ پر دھوپ کا تیز پڑھنا اور ریت کا گرم ہو جانا۔ اس وقت میں نماز کی افضلیت اس وجہ سے ہے کہ یہ وقت لوگوں کے فراغت و آرام کا وقت ہے تو اس وقت نماز نہ پڑھے گا مگر وہ جو درگاہ حق سبحانہ کی طرف رجوع رکھتا ہے اور اس ذات جل و علا کے ذکر سے انس و محبت رکھتا ہے جس طرح نصف رات کے وقت نماز پڑھنا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۱۲۳۰ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ وَ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى اَنَّهُ قَالَ يَا ابْنَ اٰدَمَ ارْكَعْ لِيْ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِّنْ اَوَّلِ النَّهَارِ اَكْفِكَ اٰخِرَهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَ الدَّارِمِيُّ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ هَمَّارٍ الْغَطْفَانِيِّ وَ اَحْمَدُ عَنْهُمْ۔

حضرت ابو الدردا اور ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے فرمایا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے اے فرزند آدم میرے لیے اول دن میں چار رکعت میرے لیے پڑھ کر یں اس کی وجہ سے آخر دن تک تیرے لیے کافی ہو جاؤں گا۔[۱]

اسے ابو داؤد اور دارمی نے نعیم[۲] بن ہمار[۳] الغطفانی[۴] سے اور احمد نے ان تینوں سے روایت کیا۔

۱؎ یعنی اے آدمی میرے لیے اور میری رضا حاصل کرنے کے لیے پورے اخلاص کے ساتھ دن کے اول حصہ میں چار رکعت ادا کر اس کے عوض میں تیرے لیے آخر دن تک کافی ہو جاؤں گا اور میں تیرے کام پورے کروں گا کہ تیری حاجات پوری کر دوں گا اور ناپسندیدہ امور کو تجھ سے دور رکھوں گا۔ یعنی اپنے دل کو میری عبادت کے لیے فارغ کریں تیرے دل کو تیری حاجات سے فارغ کر دوں گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے متقی اور متوکل لوگوں کے لیے وعدہ کر رکھا ہے۔

۲؎ نُعیم نون کی پیش

۳؎ ھَمّار ھا کی زبر اور میم مشدد۔ مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں را سے آیا ہے یعنی ھَمّار۔ آپ شامی صحابی ہیں۔ ان کے نام میں بہت اختلاف ہے ہم نے اسے شرح (عربی) میں ذکر کیا ہے۔

۴؎ غطفانی غین کی زبر پھر فا ۔ غطفان کی طرف نسبت ہے ۔ یہ قبیلہ کے باپ کا نام ہے۔

۱۲۳۹ وَ عَنْ بُرَیْدَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِی الْاِنْسَانِ ثَلٰثُ مِائَۃٍ وَّ سِتُّوْنَ مَفْصِلًا فَعَلَیْہِ اَنْ یَّتَصَدَّقَ عَنْ کُلِّ مَفْصِلٍ مِّنْہُ بِصَدَقَۃٍ قَالُوْا وَ مَنْ یُّطِیْقُ ذٰلِکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ قَالَ النُّخَاعَۃُ فِی الْمَسْجِدِ تَدْفِنُھَا وَ الشَّیْءُ تُنَحِّیْہِ عَنِ الطَّرِیْقِ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فَرَکْعَتَا الضُّحٰی تُجْزِئُکَ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے انسان کے اندر تین سو ساٹھ جوڑ ہیں۔ تو انسان پر لازم ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ کرے لوگوں نے کہا۔ اے اللہ کے نبی اس کی کون طاقت رکھتا ہے۔ فرمایا مسجد میں پڑے ہوئے تھوک کو زمین میں دفن کر دے اور راستے میں پڑی ہوئی چیز کو راستے سے ہٹا دے۔ اگر تو ایسی کوئی چیز نہ پائے تو چاشت کی دو رکعتیں تیرے لیے کفایت کرتی ہیں۔

(ابوداؤد)

۱؎ بُرَیدہ با کی پیش۔ را کی زبر۔ آپ صحابی ہیں اور آپ نے قول مشہور کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ ہجرت کے دوران اسلام قبول کیا۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی خدمات انجام دیں۔ اسی طرح خلفاء راشدین کی بھی۔ آپ کی قبر انور مرو میں ہے کیونکہ آپ وہاں جہاد اسلامی کے لیے آئے تھے۔ لوگ آپ کی قبر مبارک کی زیارت کرتے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

۲؎ کہ ہر جوڑ کے بدلے صدقہ کرے اور خیر کا کام کرے۔

۳؎ تھوک یا ناک کی آلائش جو مسجد میں پڑی ہوئی ہو۔

۴؎ یعنی ایذا دینے والی چیزیں۔ جیسے نجاست، پتھر اور کانٹے وغیرہ اور عربی لفظ تُنَحِّیہ حا کی زیر اور تشدید سے ہے۔

۵؎ کہ یہ تین کام تیرے لیے صدقہ اور تین سو ساٹھ جوڑوں کے شکرانہ کی ادائیگی کے لیے کافی ہیں۔ یہ دو کام ہیں جن سے انسان اسلامی شعائر کی تعظیم اور مخلوق کو ایذا دینے والی چیزوں کو دفع کرتا ہے۔ اگرچہ معمولی چیز ہی ہو۔ حدیث اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ تھوک اور ناک کی آلائش کو دفن کرنا اور راستے سے اذیت دینے والی چیز کو دور کرنا دو رکعت نماز سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ مسجد کی تعظیم اور خلق خدا سے اذیت دور کرنے پر مشتمل ہے کہ نفس کے لیے نماز ادا کرنا یہ کام کرنے سے آسان تر ہے۔ جیسا کہ تجربہ اس کا گواہ ہے۔

۱۲۴۰ وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الضُّحٰى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بَنَى اللّٰهُ لَهُ قَصْرًا مِنْ ذَهَبٍ فِي الْجَنَّةِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز چاشت بارہ رکعت[1] پڑھتا ہے اللہ اس کے لیے جنت میں سونے کا محل بناتا ہے۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے ہم اسے اس اسناد کے سوا اور کسی طریقہ سے نہیں پہچانتے یعنی اس اسناد کے سوا جسے ترمذی نے ذکر کیا۔

[1] یہ نماز چاشت کا اکثر عدد ہے یعنی اس نماز کی رکعتیں کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہیں۔

۱۲۲۱/۹ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ فِيْ مُصَلَّاهُ حِيْنَ يَنْصَرِفُ مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ حَتّٰى يُسَبِّحَ رَكْعَتَيِ الضُّحٰى لَا يَقُوْلُ إِلَّا خَيْرًا غُفِرَ لَهُ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ أَكْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت معاذ بن انس الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد[1] اپنی جائے نماز پر ہی بیٹھا رہا یہاں تک کہ اس نے اشراق کی دو رکعتیں پڑھیں اور خیر و نیکی کے سوا کوئی بات نہ کی[2] تو اس کی خطائیں بخش دی جاتی ہیں۔ اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ جتنی ہی ہوں۔[3]

(ابو داؤد)

[1] یعنی آفتاب کے بلند ہونے تک

[2] یعنی بات ذکر سے کہ جو خیر ہو اور جس میں آخرت کا اجر و ثواب ہو جیسے ذکر اور تلاوت وغیرہ اور اگر اس نے کوئی ایسی بات کی جس میں کسی مسلمان کا فائدہ ہو تو وہ خیر اور نیکی کی بات کی طرح ہے۔

[3] یہاں نماز ضحیٰ سے نماز اشراق مراد ہے۔ دوسری احادیث میں صلوٰۃ ضحیٰ سے دونوں نمازوں نماز اشراق اور نماز چاشت کا احتمال ہے باقی رہی یہ بات کہ یہ ثواب جائے نماز میں بیٹھے رہنے پر ہی مرتب ہوتا ہے اور اگر جائے نماز سے اٹھ جائے اور خلوت میں چلا جائے اور مشغول ہو جائے تو یہ ثواب اسے نہ ملے گا اور ایک دوسری حدیث میں بھی آیا ہے کہ جو شخص اپنی جائے نماز پر بیٹھا رہے اور ذکر میں مصروف رہے تو فرشتے اس کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ مشائخ کی مسنتوں میں ذکر ہے کہ اگر وہاں بیٹھے رہنے میں پراگندہ خیال ہونے اور ریا میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو خلوت میں جا کر

ذکر و وظائف میں مشغول ہو۔ بعض کہتے ہیں ذکر و مشغولیت کا ثواب است بہرحال ہے گا گر وہیں بیٹھے رہنے پر مجبور برداشت الگ چیز ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ اس وقت کے بیٹھنے میں قبلہ رخ بیٹھنے کو نظر انداز نہ کرے۔ اگر نیند آ جائے تو پس پردہ ہو کر اسے دور کرے۔ شیخ الاسلام شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ عمل جس کی جزا اور بدلہ فی الوقت دنیا میں ہی نقد مل جاتا ہے اور جس سے باطن منور اور روشن ہوتا ہے یہی عمل ہے، کاتب حروف (شیخ عبدالحق قدس سرہ) کہتا ہے کہ جس طرح حسی آفتاب صبح کے وقت طلوع ہو کر روئے زمین کو روشن کرتا ہے۔ اسی طرح ذکر و حضور کا آفتاب بھی بلند ہو کر سینہ ذاکر کے صحن و فضا کو روشن و تاباں کرتا ہے۔ یہ معنی ذاکرین کے نزدیک محسوس و مشہود کے قریب ہے کہ سالک لوگ اسے واضح طور پر محسوس کرتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۱۳۴۲/۹ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلٰی شُفْعَةِ[1] الضُّحٰی غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُهٗ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے چاشت کی دو رکعت کی محافظت کی اس کے تمام گناہ بخش دیے گئے۔ اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ جیسے ہوں۔ (احمد، ترمذی) (ابن ماجہ)

[1] اصل میں لفظ شُفعہ ہے۔ شین کی پیش سے اور شین کی زبر سے بھی مروی ہے۔ یہ شفع سے نکلا ہے یعنی جفت وتر کے مقابل۔

۱۳۴۳/۱۰ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تُصَلِّی الضُّحٰی ثَمَانِیَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ تَقُوْلُ لَوْ نُشِرَ لِیْ[1] اَبَوَایَ مَا تَرَكْتُهَا (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھا کرتی تھیں، پھر کہتی تھیں کہ اگر میرے ماں باپ بھی زندہ ہو کر آ جاتے تو میں اس نماز کو نہ چھوڑتی۔ (مالک)

[1] یہ بقصد مبالغہ محال عادی کی تعلیق ہے۔ یعنی میں نماز کی لذت کو والدین کی ملاقات کی لذت کے لیے ترک نہ کروں گی۔

۱۳۴۴/۱۱ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ كَانَ

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الضُّحٰی حَتّٰی نَقُوْلَ لَا یَدَعُھَا وَیَدَعُھَا حَتّٰی نَقُوْلَ لَا یُصَلِّیْھَا (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ اسے کبھی نہ چھوڑیں گے اور آپ اسے چھوڑ دیتے تھے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ اسے کبھی نہ پڑھیں گے[1] (ترمذی)

[1] جیسا کہ نوافل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی۔ کہ آپ ہمیشہ اسے پابندی سے نہ پڑھتے تھے۔ یہ آپ کی امت پر شفقت تھی کہ امت پر لازم نہ ہو جائے اور مشقت میں نہ پڑ جائے اور اس کی فرضیت کا حکم نازل نہ ہو جائے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا حکم ہے۔ اب اگر امت اس نفل پر پابندی کرے تو مستحب ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اب بھی نماز چاشت میں سنت یہی ہے کہ کبھی کبھی پڑھے۔

۱۲۲۵ — وَعَنْ مُوَرِّقٍ الْعِجْلِیِّ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ تُصَلِّی الضُّحٰی قَالَ لَا قُلْتُ فَعُمَرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَأَبُوْبَکْرٍ قَالَ لَا قُلْتُ فَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا إِخَالُہٗ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت مورق[1] عجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت عمر پڑھتے تھے فرمایا نہ۔ میں نے کہا حضرت ابوبکر فرمایا نہ۔ میں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا میرا گمان ہے کہ آپ بھی نہ پڑھتے تھے[2] (بخاری)

[1] مُوَرِّق میم کا پیش، واؤ کا زبر، را مشدد کی زیر۔ آخر میں قاف۔ عِجلی۔ عین کی زیر۔ جیم ساکن یہ عجلی بن الجیم کی طرف نسبت ہے۔ آپ تابعی بصری ثقہ اور عابد و زاہد شخصیت ہیں۔

[2] یہاں ظن کی شکل میں نفی کی۔ اس احتمال کی بنا پر کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز پڑھی ہو۔ مگر حضرت ابوبکر و عمر کے بارے میں انہوں نے یقین سے نفی کی کہ وہ نہ پڑھتے تھے اور نفی کا مطلب معلوم ہو چکا ہے اور وہ یہ کہ یہ حضرات مسجد میں ہمیشہ پابندی سے یہ نماز نہ پڑھتے تھے ورنہ اصل نماز کا پڑھنا بلاشبہ صحیح اور ثابت شدہ امر ہے۔ لا اخالہٗ ہمزہ کی زیر و زبر دونوں طرح درست ہے۔

بَابُ التَّطَوُّعِ

نفل نماز کا باب

لفظ تطوع طوع وطاعۃ سے بنا ہے یعنی اطاعت و فرمانبرداری، نفلی عبادت کو تطوع اور بہ تفعل بالخیر متطوع کہتے ہیں۔ زیادہ تر اس کا اطلاق غیر موکدہ سنتوں پر ہوتا ہے تفعل کا صیغہ یا تو تکلف کے لیے یا مبالغہ کیلیے ہے بندہ شارع کی طرف سے ضروری نہ ہونے کے باوجود اسے بجالاتا اور اطاعت و فرمانبرداری میں مبالغہ کرتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۲۴۶ — ۱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ یَا بِلَالُ حَدِّثْنِیْ بِاَرْجٰی عَمَلٍ عَمِلْتَهٗ فِی الْاِسْلَامِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَیْكَ بَیْنَ یَدَیَّ فِی الْجَنَّةِ قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلًا اَرْجٰی عِنْدِیْ اِلَّا اَنِّیْ لَمْ اَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا فِیْ سَاعَةٍ مِّنْ لَیْلٍ وَّلَا نَهَارٍ اِلَّا صَلَّیْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُوْرِ مَا كُتِبَ لِیْ اَنْ اُصَلِّیَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے نماز فجر کے وقت فرمایا اے بلال مجھے اس عمل کی خبر دے جو تو نے اسلام میں کیا ہے۔ اور جس کے ثواب کی تجھے بہت زیادہ امید ہے کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تیرے جوتوں کی آہٹ سنی ہے[1] حضرت بلال نے عرض کیا میں نے اپنے نزدیک کوئی امید افزا کام نہیں کیا بجز اس کے کہ دن اور رات کی کسی گھڑی میں[2] وضو نہیں کیا مگر اس وضو سے اس قدر نماز پڑھی جو میرے مقدر میں تھی۔ (بخاری و مسلم)

[1] حدیث میں لفظ دف آیا ہے۔ دال اور فا مشددہ جس کا معنیٰ ہے۔ اونٹ کا راستے پر نرم رفتار سے چلنا اور پرندے کا ہلکے پھلکے انداز میں زمین پر چلنا اور زمین پر پاؤں رکھ کر اس کا پاؤں چلانا۔ لفظ یدیّ یا مشددہ ہے۔ یہ صیغہ تثنیہ ہے یہ وہ چیز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خواب یا بیداری میں منکشف ہوئی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ شب معراج میں آپ نے یہ موقعہ دیکھا ہو یا کسی اور معراج میں جو آپ کو ہوا، دیکھا ہو۔ واللہ اعلم۔

ؔ۱۲ یعنی ہر قسم کی طہارت کے وقت غسل، اور وضو کی صورت میں ہو یا تیمم کی صورت میں۔ دن اور رات کی کسی گھڑی میں۔

ؔ۱۳ یعنی مگر میں نے اتنی مقدار میں نماز پڑھی جو میرے مقدر میں تھی یا جو خود میں نے اپنے اوپر لازم کر رکھی تھی کہ میں نفل کے پڑھنے کا اپنے آپ کو پابند کر رکھا تھا۔ اس حدیث میں وضو کے بعد نماز پڑھنے کی فضیلت کا ذکر ہے۔ جسے لوگ تحیۃ الوضو کہتے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ مطلق نفل کی نیت کرے اس کی نیت میں شکر وضو کی نماز کہنا بے حقیقت چیز ہے۔

۱۳۲۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ اِذَا هَمَّ اَحَدُكُمْ بِالْاَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْ قَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْ قَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کاموں کے لیے استخارہ کی تعلیم دیتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ جب تم میں سے کوئی کسی کام کا[۱] قصد و ارادہ کرے تو فرض نماز کے علاوہ دو رکعتیں پڑھے[۲]۔ پھر یہ کہے۔ اے اللہ! میں تیرے علم کے ساتھ[۳] تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں اور میں تیری قدرت سے تجھ سے قدرت و طاقت مانگتا ہوں[۴]۔ اور میں تیرے فضل عظیم سے حصہ مانگتا ہوں[۵]۔ کہ بے شک تو قادر ہے۔ مجھ میں کوئی طاقت و قدرت نہیں۔ اور تو جانتا ہے میں نہیں جانتا اور تو تمام غیبوں کو جاننے والا ہے۔ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (جس کا میں نے ارادہ کیا ہے) میرے لیے۔ میرے دین، میری زندگی اور انجام کے لحاظ سے یا یوں[۶] فرمایا کہ میرے لیے فوری طور پر یا دیر کے بعد میرے لیے بہتر ہے تو اسے میرے لیے مقدر کر دے اور اسے میرے لیے آسان کر دے[۷]۔ پھر میرے لیے اس میں برکت ڈال دے۔ اے اللہ اگر تیرے علم میں یہ بات ہے کہ یہ کام میرے دین میری زندگی اور میرے انجام کے لیے یا یوں فرمایا۔ میرے لیے جلد ہی یا دیر کے بعد برا ہے تو اسے مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے پھیر دے

وَ اٰجِلِه فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَ اقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ قَالَ وَ یُسَمِّیْ حَاجَتَهٗ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

اور جہاں میرے لیے خیر و برکت ہے وہ میرے مقدر میں کر دے۔ پھر اس کام کے ساتھ مجھ سے خوش ہو جا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اپنی حاجت کا نام لے۔

(بخاری)

لے یعنی ایسا کام جس کا وجود میں آنا نادر ہو اور اہمیت بھی رکھتا ہو۔ جیسے سفر، تجارت اور عمارت وغیرہ کھانے پینے کی طرح کا عام فعل نہ ہو۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کام مباح ہو اور اس کے نیک اور بہتر ہونے میں تردد اور شک ہو اور اگر وہ کام خیر محض ہو تو پھر اس کے وقت خاص یا اس کی حالت خاص کے لیے استخارہ کرنا درست ہے۔

۲ یعنی نماز کے دو فرض یا سفر کے دو فرض اس کے لیے کفایت نہیں کرتے۔ ہاں سنت مؤکدہ کی دو رکعتیں بھی اس کے لیے کافی ہیں۔ اور الگ دو رکعت نفل استخارہ کی نیت سے پڑھے تو بہتر ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ان رکعتوں میں قرآن میں سے جو اسے آسان ہو پڑھے۔ بعض روایات میں سورۃ قل یاایہا الکفرون اور قل ہو اللہ احد کی تخصیص بھی آئی ہے۔ سلف سے بھی یہی منقول ہے۔

۳ یعنی تیرے علم کی مدد سے میں تجھ سے خیر اور بھلائی طلب کرتا ہوں۔

۴ یعنی خیر اور بھلائی کے حاصل کرنے میں تیری قدرت کو وسیلہ بناتا ہوں۔

۵ یعنی تیرے فضل و کرم سے جو بڑا عظیم اور بے حد و نہایت ہے، حصہ مانگتا ہوں۔

۶ یہ راوی کا شک ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا ان تمام الفاظ کے بجائے یا معاشی و عاقبۃ امری کے بجائے فی عاجل امری و آجلہ فرمایا۔ یعنی اس جہان میں اور اس جہان میں

۷ اور مجھے اس کام کی توفیق عطا فرما۔ اور فاقدر لی کے لفظ میں فاقدر دال کی پیش اور زیر دونوں روایتیں آئی ہیں۔ یہ قدر سے مشتق ہے۔

۸ وارضنی ہمزہ کی زبر را ساکن سے۔ ارضا سے مشتق ہے اور را کی زیر اور ضاد کی شد اور ہمزہ کے بغیر رضا سے مشتق بھی روایت ہے۔

۹ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا راوی نے کہا کہ ھذا الامر کا لفظ کہتے ہوئے اپنی حاجات اور اپنے کام کا نام لے۔ ظاہر یہ ہے کہ حدیث میں ان ھذا الامر کا لفظ بطریقہ عموم حاجت کا عنوان ہے۔ استخارہ کرنے والے کی عبارت میں اس خاص کام کا ذکر ہوگا۔ جیسے یہ سفر اور یہ قیام در ہائش وغیرہ کہ یہ جائز ہے کہ لفظ ھذا الامر کہتے ہوئے اپنی حاجت کا ذکر کرے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۲۴۸ — عَنْ عَلِیٍّ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْبَکْرٍ وَ صَدَقَ اَبُوْبَکْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ رَّجُلٍ یُّذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ یَقُوْمُ فَیَتَطَھَّرُ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثُمَّ یَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ اِلَّا غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ ثُمَّ قَرَءَ وَ الَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ اِلَّا اَنَّ ابْنَ مَاجَۃَ لَمْ یَذْکُرِ الْاٰیَۃَ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھ سے حضرت ابوبکر نے حدیث بیان کی اور انہوں نے سچ بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ ایسا کوئی شخص نہیں جو گناہ کرے۔ پھر اٹھے اور وضو کرے پھر نماز پڑھے۔ پھر اللہ سے معافی مانگے مگر اللہ اسے بخش دیتا ہے[۱] پھر یہ آیت[۲] پڑھی۔ اور وہ لوگ کہ جب کوئی برائی کرلیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر ڈالیں تو اللہ کو یاد کریں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ) مگر ابن ماجہ نے آیت کا ذکر نہیں کیا۔[۳]

[۱] اس نماز کو صلوٰۃ الاستغفار کہتے ہیں۔

[۲] یعنی آیت وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ۔

[۳] یعنی ابن ماجہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آیت کے پڑھنے کا ذکر نہ کیا۔

۱۲۴۹ — وَ عَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِذَا حَزَبَہٗ اَمْرٌ صَلّٰی۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی مصیبت اور پریشانی لاحق ہوتی تو آپ نماز پڑھتے تھے[۱] (ابوداؤد)

[۱] اور آپ نماز سے مدد چاہتے تھے تاکہ اس مصیبت اور مشکل سے نجات پائیں اور غم و فکر سے چھوٹ جائیں۔ ایسے وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دراصل اللہ سبحانہ کے اس حکم کی بجاآوری کرتے تھے۔ وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ صبر اور نماز سے مدد و سہارا طلب فرماتے ہیں۔ بندہ جب عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو اس پر عالم ربوبیت منکشف ہو جاتا ہے۔

جب عالم ربوبیت کا انکشاف ہوتا ہے تو اسے دنیا کا آئینہ متغیر دکھائی دیتا ہے۔ تو دنیا کے کسی کام کا نہ ہونا یا ہاتھ سے نکل جانا یا اس کا لاحق ہونا اس کے لیے آسان محسوس ہوتا ہے۔ تو اس دنیوی کام کے نہ ہونے سے گھبراتے نہیں اور نہ غرض ہوتا ہے جیسا کہ بزرگ فرماتے ہیں اگر دنیا پاس ہے تو بھی غم نہیں۔ پاس نہیں تو بھی کوئی غم نہیں۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں جب بندہ کسی مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہو جائے تو اسے چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف دوڑے۔ گویا یوں عرض کرے اے اللہ میرے لیے عبادت کو محبوب بنا دے۔ اور میری مراد مجھے تو دے یا نہ دے اور مجھے خوشی عطا کر یا محنت و تکلیف مجھ پر ڈال ہر حالت میں تیری عبادت میرے لیے محبوب بن جائے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نور طاعت، مناجات اور خدا تعالے کے حضور و شہود سے بندے کے باطن میں ایسا نور پیدا ہو جاتا ہے جس کی بدولت غم و فکر کی ظلمت دل سے نکل جاتی ہے۔ اور سینے کی تنگی دور ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ آیا ہے۔ اذا دخل النور انفتح القلب۔ جب نور داخل ہوتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے۔

۱۲۵۰/۵ - وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِلَالًا فَقَالَ بِمَا سَبَقْتَنِيْ اِلَى الْجَنَّةِ مَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَطُّ اِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ اَمَامِيْ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَذَّنْتُ قَطُّ اِلَّا صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَمَا اَصَابَنِيْ حَدَثٌ قَطُّ اِلَّا تَوَضَّاْتُ عِنْدَهٗ وَرَاَيْتُ اَنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی تو حضرت بلال کو بلایا اور فرمایا کہ تم کس وجہ سے جنت میں مجھ سے سبقت لے گئے۔ میں جنت میں کبھی بھی نہ گیا مگر اپنے سامنے تمہاری آہٹ سنی[1]۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کبھی اذان نہ کہی مگر دو رکعتیں پڑھ لیں اور مجھے کبھی حدث نہ ہوا۔ مگر اس وقت میں نے وضو کیا اور میں نے سمجھ لیا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے لیے دو رکعتیں لازم ہیں[2]۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں کی وجہ سے۔

(ترمذی)

[1] یعنی تیری آواز یا تیرے جوتوں کی آہٹ حدیث سابق کے قرینہ کی بنا پر۔ خشخشۃ۔ ہتھیار وغیرہ کی آواز۔

[2] یعنی میں نے نہ جانا اور اعتقاد کر لیا کہ مجھ پر خدا تعالیٰ کی دو رکعت ہیں۔ یہ پابندی کے ساتھ پڑھنے سے کنایہ ہے

کہ اللہ کی کتاب سے پہلے یہ علم حدیث سے حاصل ہوا۔

۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اِلَی اللّٰهِ اَوْ اِلٰی اَحَدٍ مِّنْ بَنِیْ اٰدَمَ فَلْیَتَوَضَّأْ فَلْیُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِیُصَلِّ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ لِیُثْنِ عَلَی اللّٰهِ تَعَالٰی وَلْیُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِیَقُلْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِیْمَةَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِیَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَیْتَهَا یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

حضرت عبداللہ[۱] بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ یا کسی انسان سے کوئی حاجت اور کام ہو تو وہ اچھی طرح وضو کرے۔ پھر دو رکعتیں پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر کہے رب کے سوا کوئی معبود نہیں وہ علم والا اور کرم والا ہے۔ اللہ پاک ہے بڑے عرش کا مالک ہے۔ سب تعریفیں جہانوں کے مالک اللہ کی ہی ہیں۔ الٰہی میں تجھ سے تیری رحمت کے اسباب[۲] اور تیری بخشش کے اعمال[۳] اور ہر نیکی میں سے غنیمت اور ہر گناہ سے سلامتی مانگتا ہوں۔ میرا کوئی گناہ بغیر بخشے اور کوئی غم بغیر دور کیے نہ چھوڑ۔ جو تیری رضا کا باعث ہے مگر اسے پورا کر دے۔ اے رحم والوں سے بڑا رحم کرنے والے

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

ترمذی نے کہا، یہ حدیث غریب ہے

[۱] آپ کا اور آپ کے والد ابو اوفیٰ دونوں کو ہی صحابیت کا شرف حاصل ہے۔ حدیبیہ میں حاضر ہوئے اور اس کے بعد کے غزوات میں شرکت کی۔ پھر آپ کوفہ چلے گئے اور یہیں وصال فرمایا۔ آپ کوفہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں۔

[۲] یعنی وہ اسباب جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے نزول کا ذریعہ ہیں۔

ﷺ عزائم یعنی وہ خصلتیں اور اعمال جو تیری بخشش کا موجب ہیں اور مغفرت کے حصول کی تاکید و توثیق کریں۔ عزم کا معنی ہے کسی فعل کا قصد وارادہ اور دل کا پختہ ارادہ۔

ﷺ یعنی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے ہر نقصان دہ چیز سے بچا کر رکھ۔ غنیمت اصل میں اس مال کو کہتے ہیں جو کفار سے جنگ میں حاصل ہوتا ہے۔

ﷺ یعنی علماء واسماء الرجال نے کہا ہے کہ اس حدیث کے اسناد میں کلام ہے۔

صَلٰوۃُ التَّسْبِیْحِ

نماز تسبیح کا بیان

۱۲۵۲ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یَا عَبَّاسُ یَا عَمَّاهُ اَلَا اُعْطِیْكَ اَلَا اَمْنَحُكَ اَلَا اُخْبِرُكَ اَلَا اَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ اِذَا اَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ ذَنْبَكَ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ قَدِیْمَهٗ وَحَدِیْثَهٗ خَطَاءَهٗ وَعَمَدَهٗ صَغِیْرَهٗ وَكَبِیْرَهٗ وَسِرَّهٗ وَعَلَانِیَتَهٗ اَنْ تُصَلِّیَ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَاُ فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتٰبِ وَسُوْرَةً فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِیْ اَوَّلِ رَكْعَةٍ وَاَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس بن عبد المطلب سے فرمایا اے عباس اے چچا کیا میں تجھے کچھ نہ دوں کچھ عطا نہ کروں کچھ نہ بتاؤں کیا تمہارے ساتھ دس بھلائیاں نہ کروں جب تو وہ کرلے۔ تو اللہ تعالیٰ تیرے اگلے پچھلے نئے پرانے دانستہ نادانستہ چھوٹے بڑے چھپے اور ظاہر سب گناہ معاف کردے گا تم چار رکعتیں پڑھو ہر رکعت میں فاتحۃ الکتاب اور کوئی سورۃ پڑھو جب پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو تو کھڑے کھڑے پندرہ بار کہو۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پھر رکوع کرو تو رکوع میں دس بار یہ کہو پھر رکوع سے سر اٹھاؤ تو دس بار کہو پھر سجدہ میں جاؤ تو دس بار

وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ خَمْسَ عَشَرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُوْلُهَا وَ اَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ سَاجِدًا فَتَقُوْلُهَا وَ اَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا فَذَالِكَ خَمْسٌ وَ سَبْعُوْنَ فِىْ كُلِّ رَكْعَةٍ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فِىْ اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُصَلِّيَهَا فِىْ كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِىْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِىْ كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِىْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِىْ عُمُرِكَ مَرَّةً۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الْبَيْهَقِىُّ فِى الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ وَ رَوَى التِّرْمِذِىُّ عَنْ اَبِىْ رَافِعٍ نَحْوَهٗ۔

سجدہ میں کہو۔ پھر سجدے سے اپنا سر اٹھاؤ تو دس بار کہو۔ یہ ایک رکعت میں پچھتر بار ہوئے۔ ایسا ہی چار رکعتوں میں کروشہ اگر ہو سکے تو ہر دن میں یہ نماز ایک بار پڑھو۔ اگر نہ کر سکو تو ہر ہفتہ میں ایک بار۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر ماہ میں ایک بار اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر سال میں ایک بار اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر میں ایک بار۔[۱]

(ابوداؤد)

(ابن ماجہ)

(بیہقی دعوات کبیر)

اور ترمذی نے ابو رافع سے اس کی مثل روایت کیا

[۱] یعنی ایسی دس خصلتیں جو دس طرح کے گناہوں کو مٹادیں۔ جن کا اول و آخر یہاں بیان ہو رہا ہے۔ اسی وجہ کے مطابق دس خصلتوں سے مراد دس قسم کے گناہ ہیں۔ بعض نے کہا دس خصال سے تسبیحات مراد ہیں۔ یہ دس تسبیحات غیر حالت قیام میں دس دس بار ہیں۔ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں فرماتے ہیں کہ ان چار رکعت میں الہاکم التکاثر، والعصر، الکافرون اور سورۃ اخلاص پڑھے۔

؎ ایک اور روایت میں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ کا اضافہ بھی آیا ہے۔
؎ یعنی رکوع کی تسبیح کے بعد۔
؎ یعنی سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کے بعد۔
؎ اس نماز کے تشہد میں التحیات کے بعد اور سلام سے پہلے یہ دعا آئی ہے۔ اللھم انی اسألک توفیق اھل الھدیٰ۔ واعمال اھل الیقین۔ ومناصحۃ اھل التوبۃ وعزم اھل الصبر۔ وجد اھل الخشیۃ وطلب اھل الرغبۃ۔ وتعبد اھل الورع۔ وعرفان اھل العلم حتی اخافک۔ اللھم انی اسألک مخافۃ تحجزنی عن معاصیک حتی اعمل بطاعتک عملا استحق بہ رضاک وحتی اناصحک بالتوبۃ خوفا منک۔ وحتی اخلص لک النصیحۃ حیاءً منک وحتی اتوکل علیک فی الامور وحسن ظن بک سبحان خالق النور۔

اے اللہ میں تجھ سے اہل ہدایت جیسی توفیق۔ اہل یقین جیسے اعمال۔ اہل توبہ جیسا خلوص۔ اہل صبر جیسا عزم وحوصلہ اہل خشیت جیسی کوشش۔ اہل رغبت جیسی طلب۔ اہل ورع جیسی عبادت اور اہل علم جیسا عرفان مانگتا ہوں۔ یہاں تک کہ مجھے تیری ملاقات نصیب ہو جائے اور میں تجھ سے ایسا ڈر اور خوف مانگتا ہوں۔ جو مجھے تیری نافرمانیوں سے روک دے یہاں تک کہ میں تیری طاعت میں ایسا عمل کروں کہ تیری رضا کا مستحق ہو جاؤں اور یہاں تک کہ تیرے خوف سے میں سچی توبہ کر لوں۔ اور یہاں تک کہ میں تیری حیا سے تیری خیر خواہی میں مخلص بن جاؤں اور یہاں تک کہ میں جملہ امور میں تیری ذات پر بھروسہ کروں اور تیری ذات کے بارے میں حسن ظن قائم ہو جائے۔ اے پاک ذات! اے نور (روشنی) کو پیدا کرنے والے۔

؎ واضح ہو کہ نماز تسبیح میں مشہور و معمول طریقہ یہی ہے جو ذکر ہوا۔ ترمذی کی روایت میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے ثنا کے بعد اور اعوذ باللہ وبسم اللہ کے سے پہلے پندرہ بار اور پھر آخر ارکان تک قراءت کے بعد دس بار آیا ہے اور دو سجدوں کے بعد تسبیح نہیں ہے۔ پھر پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ یہ نماز دو رکعت کر کے دو سلام سے پڑھے۔ یا ایک ہی سلام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھ لے۔ امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق ایک سلام سے پڑھے۔

یہ بھی واضح رہے کہ نماز تسبیح کی حدیث کو جامع الاصول میں ابوداؤد اور ترمذی سے لائے اور ایک روایت میں اس کی انتہا ایک سال بیان کی تمام عمر میں ایک بار کا ذکر نہ کیا۔ مؤلف علیہ الرحمۃ (صاحب مشکوٰۃ) ابن ماجہ اور بیہقی کی حدیث سے لائے اور حصن حصین میں ابوداؤد، ابن ماجہ، مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان کے اختصار سے لائے۔ بعض محدثین کو اس حدیث میں کلام ہے اور امام جوزی نے جو حدیث کو موضوع قرار دینے میں بڑے جلد باز لوگوں میں سے ہیں اس حدیث کو موضوع شمار کیا۔ تاہم اہل تحقیق کے نزدیک ابن جوزی کا بیان مردود ہے کہ بہت سے محدثین نے اس حدیث کو

صحیح قرار دیا ہے اور یہ نماز تابعین سلف صالحین اور ان کے بعد کے لوگوں میں آج تک معمول و مشہور چلی آرہی ہے مشائخ طریقت نے یہ نماز پڑھنے کی وصیت و تاکید کی ہے شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے اس کی تقویت اور اثبات میں مبالغہ سے کام لیا۔ اس بارے میں مکمل بحث و تحقیق شرح (عربی) میں مذکور ہے۔ یہاں اس حد تک ہی کافی ہے اور اللہ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے۔

۱۲۵۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلٰوتُهٗ فَاِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَاَنْجَحَ وَاِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَاِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيْضَتِهٖ شَيْءٌ قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِیْ مِنْ تَطَوُّعٍ فَيُكَمَّلُ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ يَكُوْنُ سَائِرُ عَمَلِهٖ عَلٰى ذٰلِكَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ بندے کے عمل سے سب سے اول جس کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔ اگر نماز ٹھیک ہوگئی تو بندہ کامیاب ہوگیا اور نجات پاگیا[1] اور اگر نماز بگڑ گئی تو محروم رہ گیا اور نقصان میں پڑ گیا۔ اگر بندے کے فرضوں میں کمی[2] ہوگی تو رب تعالیٰ فرمائے گا دیکھو کیا میرے بندے کے پاس کچھ نفل ہیں۔ ان سے فرض کی کمی پوری کر دی جائے۔ پھر بقیہ اعمال اسی طرح پر ہوں گے۔

÷

وَفِیْ رِوَايَةٍ ثُمَّ الزَّكٰوةُ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ تُؤْخَذُ الْاَعْمَالُ عَلٰى حَسَبِ ذٰلِكَ ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ رَجُلٍ۔

اور ایک روایت ہے کہ پھر زکوٰۃ[3] اسی طرح ہے۔ پھر دوسرے اعمال اسی طرح کیے جائیں گے۔ ابوداؤد نے احمد نے ایک مرد سے روایت کی[4]

[1] اسی کی حاجت پوری ہوگئی۔

[2] یعنی نماز کی سنتوں اور مستحبات میں کمی واقع ہوگی۔

[3] یعنی زکوٰۃ اور روزے وغیرہ کہ فرائض مکمل کرنے والی چیزوں میں کمی نکلے گی تو اس کمی کو نوافل سے مکمل کیا جائے گا۔

[4] کہ اس روایت میں نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر صراحۃً موجود ہے۔ اس کے بعد دوسرے اعمال کا ذکر علی العموم کر دیا۔

۵ھ یعنی امام احمد نے صحابہ میں سے غیر معین شخص سے روایت کی بحضرت ابوہریرہ کی طرح خاص راوی کا نام نہ لیا۔

۱۲۴۴ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَذِنَ اللّٰہُ لِعَبْدٍ فِیْ شَیْءٍ اَفْضَلَ مِنْ رَکْعَتَیْنِ یُصَلِّیْھِمَا وَاِنَّ الْبِرَّ لَیُذَرُّ عَلٰی رَأْسِ الْعَبْدِ مَا دَامَ فِیْ صَلٰوتِہٖ وَمَا تَقَرَّبَ الْعِبَادُ اِلَی اللّٰہِ بِمِثْلِ مَا خَرَجَ مِنْہُ یَعْنِی الْقُرْاٰنَ ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو دو رکعتوں سے جنہیں وہ ادا کرے زیادہ تاکیدی حکم کسی چیز کا نہ دیا[۱]۔ اور جب تک بندہ نماز میں رہتا ہے بھلائی اس کے سر پر نثار ہوتی رہتی ہے[۲] اور بندے رب کی طرف کسی چیز سے اتنا قرب حاصل نہیں کرتے جتنا اپنے منہ سے ادا کیے ہوئے سے۔ یعنی قرآن پاک[۳] (احمد۔ ترمذی)

ا۔ حدیث میں لفظ اَذِنَ آیا ہے اس کا ایک معنی تو وہ ہے جو ترجمہ میں مذکور ہوا۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کی طرف اس قدر کان نہیں لگاتا یا کسی پر اس قدر عنایت و مہربانی نہیں فرماتا کسی بھی عمل پر جتنا کہ دو رکعت نماز پڑھنے میں۔ کیونکہ یہ فاضل تر عمل ہے۔ یعنی نماز تمام اعمال سے افضل عمل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا لطف و عنایت و رحمت دوسرے اعمال کرنے والوں کی نسبت نمازی کے زیادہ شامل حال ہوتا ہے۔ کان لگانے اور سننے اور توجہ مبذول کرنے کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ نماز میں فاضل ترین رکن وہ ذکر قرآن ہے۔ اگرچہ نماز میں اور بھی افعال و اذکار ہیں۔

۲۔ بعض نے لیذر کے بجائے لیدر دال مہملہ سے پڑھا ہے۔ جس کا معنی ہے پانی یا دودھ اور کوئی چیز بہانا اگرچہ یہ معانی بھی درست ہیں مگر ان کا تعلق بہنے والی چیزوں سے ہے۔ جیسے مذکورہ اشیاء اور یہ معنی مناسبت مقام سے دور ہے۔ اس لیے علماء نے کہا یہ (دال کے ساتھ) کاتب کی غلطی ہے۔ صحیح اور درست ذال سے ہے۔

۳۔ یعنی اس چیز سے جو حق سبحانہ سے خارج ہوئی ہے یعنی قرآن اور قرآن کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے باہر آنا علم کے اعتبار سے ہے۔ یا لوح محفوظ سے۔ اور ہو سکتا ہے کہ بندے سے باہر نکلنے والی اور اس کی زبان پر جاری ہونے والی چیز مراد ہو یعنی قرآن پاک کی قرات اور اس کے ہاتھ سے ظاہر ہونے والی قرآن پاک کی کتابت۔ اس میں دوسرے اعمال کی نسبت نماز کے افضل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ السَّفَرِ

نماز سفر کا باب

واضح ہو کہ ائمہ دین اور علمائے امت کے درمیان مسافر کے لیے نماز قصر میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن احناف کے نزدیک قصر کرنا واجب ہے۔ وقت کی نماز مسافر پر دو رکعتیں فرض ہیں۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ قصر بھی عزیمت ہے اگرچہ اس پر مجازاً رخصت کا اطلاق بھی کر دیا جاتا ہے۔ اگر مسافر چار رکعت پڑھے گا تو درست نہ ہوگا مگر اس صورت میں جب کہ دو رکعت پر قعدہ میں بیٹھے کر یہ درحقیقت اس کا آخری قعدہ ہوگا۔ اگرچہ دو رکعت پر سلام نہ پھیرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ اور امام مالک کا مذہب جیسا کہ ابن ابی زید کے رسالہ سے جو انہوں نے اپنے مذہب مالکی میں لکھا ہے، سے مفہوم ہوتا ہے وہ بھی احناف کے مذہب کے موافق ہے۔ اور بعض شروح سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان کا مذہب امام شافعی اور امام احمد کے مذہب کے موافق ہے کہ قصر رخصت اور اجازت ہے اور مسافر نمازی کو قصر کرنے اور پوری پڑھنے کا اختیار ہے۔ اور اصل فرض چار رکعت ہی ہیں۔ اور ایسی ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت مروی نہیں کہ آپ نے سفر کے دوران چار رکعت پوری پڑھی ہوں اور خلفائے اربعہ سے ماسوائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ایسا مروی ہے۔ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ انہوں نے اپنے زمانہ خلافت کے چند سال گزرنے کے بعد منیٰ میں چار رکعت پڑھیں۔ ان کے اس فعل کی بہت سی تاویلات اور معانی ہیں۔ اس بارے میں مفصل کلام اور فریقین کے دلائل طویل ہیں ہم نے شرح میں انہیں بیان کر دیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

١٢٥٢- عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِيْنَةِ اَرْبَعًا وَّ صَلَّى الْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر کی چار رکعت (فرض) پڑھیں پھر ذوالحلیفہ[1] میں پہنچ کر عصر کی دو رکعت پڑھیں۔

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھیں۔ ذوالحُلَیْفَہ حا کی پیش۔ لام کی زبر یا ساکن اس کے بعد فا۔

فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے جواب میں فرمایا نماز کی قصر کرنا اللہ تعالیٰ کا صدقہ ہے جو اس نے تم پر کیا ہے تو تم لوگ اس کا صدقہ قبول کرو (مسلم)

[1] یعلیٰ یا کی زبر اور عین ساکن۔ اُمَیّہ ہمزہ کی پیش میم کی زبر اور یا مشدد۔ آپ صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ غزوہ حنین طائف اور تبوک میں شامل ہوئے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے نجران کے حاکم تھے جنگ صفین میں امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ شہید ہوئے۔

[2] یعنی اس سفر میں ہم امن میں ہیں تو قصر کس لیے کریں۔

[3] اور اس کا احسان ہے تو تمہیں چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے صدقہ اور احسان کو قبول کرو اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے آسانی اور تخفیف کی ہے تو تمہارا اپنے اوپر سختی کرنا جرأت و گستاخی کا موجب ہے۔ جو مقام عبودیت کے مناسب نہیں۔ یہ حدیث وجوب قصر کے لیے حنفیہ کی دلیل ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے سفر کے دوران روزہ کی فرضیت ساقط کر دی ہے۔ اور افطار کی آسانی مہیا کی۔ وہاں حالت سفر میں روزہ رکھنے کو کیوں جائز قرار دیتے ہو اور اسے عزیمت شمار کرتے اور روزہ نہ رکھنے کو محض رخصت سمجھتے ہو اور جس طرح سفر میں چار رکعت فرض پڑھنا جرأت کرنا اور اپنے اوپر سختی کرنے کے مترادف ہے۔ سفر کے دوران روزہ رکھنے کی بھی تو یہی کیفیت و حالت ہے۔ اس لیے مانع کیا ہے کہ مسافر کے لیے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے میں کیا فرق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح سفر میں روزہ نہ رکھنے کی آسانی ہے رمضان شریف میں بحالت سفر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ موافقت و مطابقت کے اعتبار سے بھی آسانی ہے۔ اس کے برعکس رمضان گزرنے کے بعد اس موافقت کے موجود نہ ہونے اور اکیلے روزہ رکھنے میں تنگی، مشقت اور دشواری ہے مگر نمازیں آسانی قصر کرنے میں ہی ہے اسے سمجھو۔ باقی اللہ تعالیٰ نے آیت ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا (اگر کافروں کے تمہیں فتنہ و فساد میں مبتلا کرنے کا خوف لاحق ہو) میں اس خوف و ڈر کی قید [illegible] اور خطرہ کے اوقات کے اعتبار سے ہے۔ کہ مسافر کے حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے غالب واکثر [illegible] کا خوف و خطر لاحق رہتا ہے خصوصًا نزول قرآن کے زمانہ میں کہ کفار ہر وقت مسلمانوں کو ایذا پہنچانے اور [illegible] کرنے کے درپے رہتے تھے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپ سفر کی وجہ سے دو دو رکعت پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم لوگ مدینہ

حَتّٰی رَجَعْنَا اِلَی الْمَدِیْنَۃِ قِیْلَ لَہٗ اَقَمْتُمْ بِمَکَّۃَ شَیْئًا قَالَ اَقَمْنَا بِھَا عَشْرًا۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

مدینہ واپس پہنچے۔ حضرت انس سے کہا گیا کہ کیا تم نے مکہ میں کچھ دن قیام کیا۔ فرمایا ہم نے مکہ میں دس دن قیام کیا۔[۲]
(بخاری و مسلم)

[۱] یہ حجۃ الوداع کے سفر کی بات ہے۔

[۲] کیونکہ آپ مکہ معظمہ میں ذوالحجہ کی چار کی صبح کو پہنچے تھے اور چودہ ذوالحجہ کو مکہ سے مدینہ واپس لوٹ پڑے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ کسی جگہ دس دن قیام کرنے سے مسافر مقیم شمار نہیں ہوتا اور قصر کرنے کے بجائے پورے چار فرض نہیں پڑھ سکتا۔

۷۵۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَافَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَفَرًا فَاَقَامَ تِسْعَۃَ عَشَرَ یَوْمًا یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ رَکْعَتَیْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَحْنُ نُصَلِّیْ فِیْمَا بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَکَّۃَ تِسْعَۃَ عَشَرَ رَکْعَتَیْنِ رَکْعَتَیْنِ فَاِذَا اَقَمْنَا اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ صَلَّیْنَا اَرْبَعًا۔
(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر کیا جس میں آپ نے انیس دن قیام فرمایا۔ اس اثنائے قیام میں آپ دو دو رکعت پڑھتے رہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں تو ہم لوگ اپنے اور مکہ کے درمیان انیس دن تک دو دو رکعت ہی پڑھتے تھے[۱] اور جب ہم اس سے زیادہ دن قیام کرتے تو پھر دو رکعت کے بجائے پوری چار رکعت پڑھتے تھے[۲]
(بخاری)

[۱] یعنی ہم لوگ اتنے فاصلے اور مسافت کے درمیان جو ہمارے (مدینہ منورہ) اور مکہ معظمہ کے درمیان ہے دو دو رکعت ہی پڑھتے تھے یعنی ہم لوگ جب مدینہ اور مکہ کے درمیان کسی منزل میں انیس دن تک ٹھہرتے تو قصر پڑھتے۔ درحاصل اس بات کا تعلق غزوہ فتح مکہ سے ہے یا یہ مراد ہے کہ جب ہم لوگ کوئی لمبا سفر کرتے جیسا کہ ہمارے اور مکہ کے درمیان ہے صرف مکہ اور مدینہ کا درمیانی سفر مراد نہیں ہے۔

[۲] واضح ہو کہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی مسافر کسی جگہ پندرہ یا اس سے زیادہ دن قیام کرنے کی نیت کرے تو پھر اس کے لیے پوری نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اور اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہو تو پھر دوگانہ پڑھے گا اور اگر مہینہ و سال کی نیت کے بغیر کسی جگہ قیام کیا تو اس صورت میں دوگانہ ہی پڑھے گا۔ یہ اندازہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ امام طحاوی نے اسے روایت کیا۔ اور امام محمد نے بھی اسے کتاب الآثار میں نقل

کیا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے آذربائیجان میں چھ ماہ قیام فرمایا۔ ہر دن یہی خیال تھا کہ آج واپس چل پڑتے یا کل چل پڑتے ہیں۔ اسی حالت میں آپ چھ ماہ مسافر والی نماز قصر پڑھتے رہے۔ آپ کے ساتھ اور بھی صحابہ کرام تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی شام میں عبد الملک بن مروان کے پاس دو ماہ قیام فرمایا مگر اس دوران آپ نماز قصر پڑھتے تھے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر اقامت کی نیت سے کسی جگہ چار یا چار سے زیادہ دن ٹھہرے گا تو مقیم سمجھا جائے گا اور قصر کے بجائے اسے پوری نماز پڑھنا ہوگی اور اگر اقامت کی نیت کے بغیر اس خیال میں کہ آج چلتا ہوں اٹھارہ دن قیام کرے تو پوری نماز پڑھے گا اسے قصر کی اجازت نہیں۔ شافعی حضرات چار دن کا تعین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے کرتے ہیں۔ اور احناف پندرہ دن کا تعین مدت طہر پر (کہ اس کی مدت پندرہ دن ہے) قیاس کر کے کرتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ معظمہ میں دس دن کے قیام کے دوران قصر پڑھنا بھی شوافع کے اس تعین و اندازے کی نفی کو مستلزم ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس دن کی نیت سے مکہ میں قیام پذیر رہے کہ آپ حج کے لیے تشریف لائے تھے اور مناسک حج تیرہ تاریخ تک ختم ہوتے ہیں۔ اور انیس دن کا اندازہ اس کے منافی ہے جو حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو کتاب میں مذکور ہے وہ بھی اٹھارہ دن کے اندازے کے منافی ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ شاید اترنے اور کوچ کرنے کے دن کو بھی اس میں شامل کر کے انیس دن کر دیئے ہوں۔ مگر یہ بعید بات ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض روایات میں اٹھارہ دن کا اور ایک روایت میں سترہ دن اور ایک میں پندرہ دن بھی آیا ہے۔ ان میں مطابقت کی وجہ شرح (عربی) میں بیان کر دی گئی ہے۔

[illegible] وَعَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَاءَ رَحْلَهٗ وَجَلَسَ فَرَاٰى نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هٰؤُلَاءِ قُلْتُ يُسَبِّحُوْنَ قَالَ لَوْ كُنْتُ مُسَبِّحًا اَتْمَمْتُ صَلٰوتِيْ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ لَا يَزِيْدُ فِيْ

حضرت حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم سے روایت ہے فرماتے ہیں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر مکہ میں تھا آپ نے ہمیں دو رکعت پڑھائیں پھر آپ اپنے سامان اور جائے رہائش میں تشریف لائے اور بیٹھ گئے تو آپ نے کچھ لوگوں کو کھڑے دیکھا فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا یہ نفل پڑھ رہے ہیں آپ نے فرمایا اگر میں نے نفل پڑھنے ہوتے تو میں اپنی نماز فرض پوری کر لیتا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں۔ آپ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے

السَّفَرِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ وَاَبَا بَكْرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ كَذٰلِكَ ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تھے اور میں حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی رہا ہوں وہ ایسا ہی کرتے تھے [4]
(بخاری و مسلم)

[1] یہ بھی احتمال ہے کہ وہ لوگ سنت مؤکدہ وغیرہ پڑھ رہے ہوں۔

[2] یعنی اگر یہ نفل پڑھنے کا موقعہ ہوتا تو پھر فرض نماز کو کامل پڑھنا زیادہ اہم اور بہتر ہوتا۔ اور جب کہ فرض نماز کے لیے قصر کرنے کا حکم ہے تو نوافل چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ نوافل کی نسبت فرض نماز کی تکمیل بہتر ہے۔

[3] یعنی آپ نفل نہ پڑھتے تھے۔

[4] یعنی یہ حضرات بھی دو رکعت نماز قصر سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔

[5] واضح ہو کہ یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سفر کے دوران نوافل پڑھنے سے انکار اور روکنے پر دلالت کرتی ہے۔ عدم انکار و منع بھی آپ سے مروی ہے۔ جیسا کہ فصل ثالث کے آخر میں آرہا ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے کو نفل پڑھتے ہوئے دیکھا تو انکار نہ کیا۔ اور جمہور صحابہ اور ان کے بعد کے اہل علم نوافل کے جواز کے قائل ہیں۔ بعض نے کہا مطلقاً نوافل پڑھنے کے استحباب پر سب کا اتفاق ہے۔ البتہ مؤکدہ سنتوں کے پڑھنے میں اختلاف ہے جو حضرات مؤکدہ سنتیں پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں وہ نوافل مطلقہ پر قیاس کرتے ہیں۔ بعض نے حالت سفر [illegible] حالت نزول و قیام میں فرق کیا ہے اور بعض نے نماز سے پہلے اور اس کے بعد میں فرق کیا ہے۔ وہ فرق یہ کیا ہے کہ نماز سے پہلے کی سنتیں [illegible] اور بعد والی نہ پڑھی جائے تاکہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ یہ بھی فرائض میں سے ہیں۔ پس بحالت سفر مؤکدہ سنتیں [illegible] کے جو فرض نماز کے [illegible] کردہ فرض کے ساتھ صورۃً و معنیً متصل ہیں۔ اور یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن مؤکدہ سنتیں اور نماز چاشت (جو کہ آٹھ رکعتیں تھی) پڑھی [illegible] اور اپنی جائے رہائش میں پڑھی تھیں۔ اور راوی نے آپ کو پڑھتے ہوئے نہ دیکھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے کسی وقت نہ بھی پڑھی ہوں تعلیم جواز کے لیے۔ واللہ اعلم۔ [illegible] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول [illegible] (آپ سفر میں زیادہ نہ پڑھتے تھے) سے مراد غالب حالات کا بیان ہے۔ [illegible] پوری پڑھی جائیں دوسرا یہ کہ انہیں بھی قصر کر کے پڑھا جائے تیسرا یہ کہ دو ہی پڑھی جائیں۔ قول اول پسندیدہ [illegible] ہے

[6] وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر اور عصر سفر کے دوران اکٹھی کر کے پڑھتے تھے اسی طرح نماز مغرب و عشا کو بھی جمع کر کے

وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

پڑھتے تھے[1] (بخاری)

[1] یعنی سفر میں یا حالت سفر مراد ہے نہ کہ نزول وقیام کی حالت۔ اور یہ قول کہ آپ جمع کرتے تھے، تقدیم و تاخیر دونوں کو شامل ہے۔ جمع تقدیم کا مطلب یہ ہے کہ آپ نماز عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھ لیتے تھے اور نماز عشاء کو مغرب کے وقت میں اور جمع تاخیر یہ کہ آپ ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھتے تھے جیسا کہ آئندہ احادیث میں آ رہا ہے۔

۱۲۶۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ يُوْمِئُ اِيْمَاءً صَلٰوةَ اللَّيْلِ اِلَّا الْفَرَائِضَ وَيُوْتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی حالت میں سواری پر نماز پڑھتے تھے۔ سواری کا رخ جدھر بھی ہوتا[1]۔ اشارے کے ساتھ۔ ایسا آپ رات کی نمازیں کرتے تھے۔ تمام نمازیں اسی طرح پڑھ لیتے تھے۔ سوائے فرائض کے۔ وتر بھی اپنی سواری پر پڑھتے تھے[2] (بخاری و مسلم)

[1] یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ کی طرف رخ کر لیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔

[2] [illegible] نماز نفل نماز کے ساتھ خاص ہے اور نفل کا لفظ سنت مؤکدہ اور نماز تہجد کو بھی شامل ہے۔ اس حدیث میں رات کی نماز کی تخصیص کا ذکر ہے مگر دوسری احادیث میں عام ہے۔ ترجمہ میں اس تعمیم کی جانب اشارہ کر دیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے یہ مروی ہے کہ سنت فجر کے لیے سواری سے نیچے اترنا مستحب ہے [illegible] سنت فجر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔ فرض نمازیں بھی سواری پر پڑھنا [illegible] جنگل میں کہ وہاں جان و مال کی ہلاکت اور چور یا درندہ یا قافلہ سے دور رہ جانے [illegible] سرکش ہو کر نیچے اترنے کے بعد پھر اس پر سوار ہونا دشوار ہو۔ یا [illegible] پاس کوئی ایسا آدمی بھی نہ ہو جو اسے سوار کرے یا اس جنگل میں سبزہ [illegible] فرض نماز سواری پر پڑھنا جائز ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ [illegible] سے مستثنیٰ ہوتی ہیں۔ جیسا کہ شروح ہدایہ میں مذکور ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے موطا میں صحابہ و تابعین سے بہت سے آثار لائے ہیں کہ وہ حضرات وتر کے لیے سواری سے اتر آتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایسا مروی ہے۔ [illegible] رحمۃ اللہ نے کہا کہ نماز جنازہ [illegible] نماز [illegible] اور سجدہ تلاوت [illegible] زمین پر بیٹھے

ہوئے پڑھنی سواری پر جائز نہیں۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ سواری کے اوپر نماز صرف حالت سفر میں جائز ہے جمہور ائمہ دین کا یہی مذہب ہے۔ امام ابو یوسف سے بھی ایک روایت کے مطابق ایسا ہی ہے مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف یہ شرط ہے کہ نمازی شہر سے باہر جا رہا ہو۔ مسافر ہو یا نہ ہو۔ اگر شہر کے اندر ہے تو پھر جائز نہیں کہ نفل نماز بھی سواری پر پڑھ سکے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا کہ مکروہ بھی نہیں۔ اس کے بعد اس میں بھی اختلاف ہے کہ شہر سے باہر کتنی مسافت تک جانا چاہتا ہے۔ بعض نے دو فرسخ (موجودہ دور کے تقریباً دس کلومیٹر) بعض نے تین فرسخ کہا۔ بعض کے نزدیک صرف میل کی مسافت کافی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ شہر کے مکانات سے نکلنے کے بعد جائز ہے۔ جیسا کہ نماز قصر کا مسئلہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۲۴۳ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کُلُّ ذٰلِکَ قَدْ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَصَرَ الصَّلٰوۃَ وَ اَتَمَّ۔ رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طرح کیا ہے نماز قصر بھی پڑھی ہے اور پوری بھی پڑھی ہے۔ (شرح السنۃ)

لہ صاحب سفر السعادۃ نے کہا یہ حدیث درجہ صحت کو نہیں پہنچی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے [illegible] کہیں بھی مذکور نہیں۔ دار قطنی نے بھی اس حدیث کی صحت کو تسلیم نہیں کیا اور وہ حضرت ابن عمر سے ایک [illegible] کہا یہ حدیث حسن ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۴۴ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ شَھِدْتُّ مَعَہُ الْفَتْحَ فَاَقَامَ بِمَکَّۃَ ثَمَانِیَ عَشَرَۃَ لَیْلَۃً لَا یُصَلِّیْ اِلَّا رَکْعَتَیْنِ یَقُوْلُ یَا اَھْلَ الْبَلَدِ صَلُّوْا اَرْبَعًا فَاِنَّا سَفْرٌ۔ رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا اور فتح مکہ میں آپ کے ساتھ حاضر ہوا آپ نے مکہ میں اٹھارہ رات قیام فرمایا اس دوران آپ دو رکعت ہی پڑھتے رہے اور آپ فرمایا کرتے تھے اے شہر والو! تم چار رکعت پڑھو کیونکہ ہم لوگ مسافر ہیں۔ (ابوداؤد)

لہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مقیم جب مسافر کی اقتدا کرے تو چار رکعت پڑھے دو رکعت نہ پڑھے اور

اکمال میں متابعت نہ کرے لیکن جب مسافر مقیم کی اقتدا کرے تو اس کی متابعت کرتے ہوئے چار رکعت پڑھے۔ لفظ سفر سین کی زبر فا ساکن سے مسافر کی جمع ہے۔ جیسے رکب راکب کی جمع ہے۔ اصل میں لفظ ہے اور مسافر جو باب مفاعلہ سے ہے اس کا اطلاق اس بناء پر کرتے ہیں کہ سفر عموماً ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ہوتا ہے۔

۱۲۹۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعت پڑھیں اس کے بعد دو رکعت مزید پڑھیں۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرَ اَرْبَعًا وَّبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَهَا شَيْئًا وَالْمَغْرِبَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلٰثَ رَكَعَاتٍ وَّلَا يَنْقُصُ فِي حَضَرٍ وَّلَا سَفَرٍ وَّهِيَ وِتْرُ النَّهَارِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اور ایک روایت میں ہے میں نے حضر میں ظہر کی چار رکعت فرض پڑھیں۔ اس کے بعد دو رکعتیں اور پڑھیں اور میں نے سفر میں آپ کے ساتھ ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اس کے بعد دو رکعتیں بھی پڑھیں۔ اور میں نے آپ کے ساتھ عصر کی دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد آپ نے کچھ نہ پڑھا۔ اور مغرب کی نماز سفر اور گھر میں برابر ہے یعنی تین رکعتیں۔ سفر اور گھر میں ان میں کمی نہیں ہو سکتی[1] اور یہ دن کے وتر ہیں[2] مغرب کے تین فرض پڑھنے کے بعد دو رکعتیں ہیں[3]۔[4] (ترمذی)

[1] لَا يَنْقُصُ یا کی زبر قاف کی پیش کے ساتھ محدثین نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ غور کرو اس سے یہ معلوم ہوا کہ قصر چار رکعت نماز کے ساتھ خاص ہے۔

[2] یعنی ظہر کی دو تر رات کے وتر ہیں۔ لہٰذا وتر دن کے بھی ہیں اور رات کے بھی ان اللہ وتر یحب الوتر۔ اللہ وتر ہے وتر کو ہی پسند کرتا ہے۔

[3] نماز مغرب پر عشاء کو قیاس کرتے ہوئے عشاء کا ذکر نہ فرمایا۔

[4] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں بھی سنت موکدہ پڑھنے کا ذکر موجود ہے اور حفص بن عاصم کی حدیث جو

ابن عمر سے مروی ہے اس کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ غالب و اکثر یہی تھا کہ آپ [illegible] کبھی کبھی [illegible] پڑھ لیتے تھے۔ گزشتہ حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جو لوگوں کو منع کیا اور رد کیا تو وہ اس لیے تھا کہ وہ لوگ [illegible] اور کوشش کے ساتھ انہیں چھوڑ رہے تھے۔ اس لیے ان کے عمل پر آپ نے اس کا انکار کیا۔ شرح سفر السعادۃ میں یہاں بہت زیادہ تفصیل سے گفتگو کر دی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۹۲ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَّرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَإِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعَصْرِ وَفِي الْمَغْرِبِ مِثْلَ ذٰلِكَ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَّرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَإِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَغِيْبَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعِشَاءِ ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک[1] میں تھے۔ وہاں سے روانگی سے پہلے جب سورج ڈھل جاتا تو آپ ظہر اور عصر ملا کر پڑھتے[2]۔ اور اگر روانگی سورج ڈھلنے سے پہلے ہوتی تو آپ نماز ظہر کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ آپ عصر کے لیے نیچے اترتے[3]۔ نماز مغرب میں بھی ایسا ہی کرتے اگر روانگی سے قبل سورج ڈوب جاتا تو مغرب و عشاء ملا کر پڑھتے اور اگر غروب آفتاب سے پہلے روانہ ہو جاتے تو نماز مغرب کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ نماز عشاء کے لیے نیچے اترتے اور دونوں ملا کر پڑھ لیتے۔

۱؎ جو آپ کا آخری غزوہ ہے۔

۲؎ اسے جمع تقدیم کہتے ہیں۔

۳؎ یہ جمع تاخیر ہے۔

واضح ہو کہ سفر میں دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے میں صحیح احادیث آئی ہیں۔ ان میں بعض مطلق ہیں [illegible] وقت سے مقید ہیں۔ بعض چلنے میں کوشش کی حالت سے اور بعض سفر میں جلدی کرنے کے وقت سے مقید ہیں۔ اس کی وجہ سے علماء میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض علماء تو مطلقًا ملا کر پڑھنے کے قائل ہیں، امام شافعی انہیں میں سے ہیں۔ بعض نے چلنے کی حالت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ منزل اور اترنے کی حالت میں اس کے جواز کے قائل نہیں۔ بعض نے سفر کی کوشش و جلدی کی صحت سے

اسے خاص کیا ہے۔ فتح الباری میں کہا کہ امام مالک کا مشہور مذہب یہی ہے۔ صاحب سفر السعادۃ نے کہا سفر میں دو نمازیں ملا کر پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی عادت مبارکہ نہ تھی۔ بلکہ جب آپ کو سفر کی جلدی ہوتی تو ملا کر پڑھتے تھے تاہم کسی منزل میں اترنے اور قرار پذیر ہونے کی حالت میں ملا کر پڑھنا آپ سے بالکل مروی نہیں۔ بعض نے سفر کے ساتھ ساتھ کسی اور عذر کی موجودگی سے اس کی تخصیص کی ہے۔ بعض کے نزدیک جمع تاخیر جائز ہے جمع تقدیم جائز نہیں۔ یہ امام احمد سے مروی ہے۔ پھر ان کے نزدیک بھی یہ جواز سفر میں چل رہے ہونے کے ساتھ مقید ہے۔ مگر ان کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ملا کر پڑھنا مطلق جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک دو نمازوں کو ملا کر پڑھنا مطلق جائز نہیں۔ اور ہم خدا تعالےٰ کی توفیق سے حضرت امام اعظم کے مذہب کے اثبات میں یوں کہتے ہیں کہ نماز کے اوقات کا تعین ایک قطعی اور یقینی بات ہے۔ اور یہ یقین تواتر سے ثابت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ یہاں تک کہ علماء نے نماز کو اپنے صحیح وقت سے موخر کرنے کو کبیرہ گناہوں میں سے شمار کیا ہے امام محمد نے اپنے موطا میں کہا ہم تک تحقیقی طور پر یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی علاقوں کے حکام کی جانب لکھا اور انہیں ایک وقت میں دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے سے منع کیا اور انہیں صاف صاف کہا کہ ایک وقت میں دو نمازوں کو ملا کر پڑھنا کبیرہ گناہوں میں سے ایک کبیرہ گناہ ہے اور جب کہ تعیین اوقات نماز قطعی اور متواتر ہے تو پھر کوئی بھی خبر واحد اس کے معارض ومقابل نہیں لائی جا سکتی۔ بخلاف سفر کے دوران روزہ نہ رکھنے اور نماز قصر کرنے کے کہ یہ اجازت در خصت نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اور امام بخاری ومسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی نماز کو اس کے غیر وقت میں ادا کیا ہو۔ ماسوائے اس کے کہ آپ نے مزدلفہ میں مغرب وعشا کو ملا کر پڑھا اور یہ بھی تحقیق سے ثابت ہے کہ عرفات میں ظہر وعصر کو ملا کر پڑھا جائے۔ یہ اجازت مناسک حج کی بنا پر ہے سفر کی وجہ سے نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ملا کر پڑھنا دائمی طریقہ نہ تھا۔ بلکہ جو کچھ اس بارے میں آپ سے روایت کیا گیا اور واقع ہوا وہ صریح نہیں ماسوائے غزوۂ تبوک کے۔ پھر اس غزوہ میں بھی دوام ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ لفظ کان دوام واستمرار پر دلالت نہیں کرتا۔ جیسا کہ ارباب فہم وتدبر سے پوشیدہ نہیں۔ اور جامع الاصول میں ابو داؤد سے ابن عمر کی حدیث نقل کی کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی سفر میں مغرب وعشاء کو ملا کر نہیں پڑھا ماسوائے ایک بار کے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا کہ انہوں نے کبھی بھی دو نمازیں کسی شب میں ملا کر نہ پڑھیں۔ ماسوائے ایک رات کے جس میں انہیں اپنی اہلیہ صفیہ بنت ابو عبید کی وفات کی اطلاع ملی۔ تو آپ گھر سے نکل کر ان کی طرف گئے اور دو نمازیں ملا کر پڑھیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے دو نمازیں ملا کر نہ پڑھیں مگر ایک بار یا دوبارہ اور ترمذی کی حدیث میں لائے کہ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت عبداللہ ایک رات میں دو نمازیں ملا کر پڑھتے تھے۔ یعنی سفر کے دوران۔ فرمایا ایسا آپ نے ماسوائے مزدلفہ کے کبھی نہ کیا۔ اور جمع تقدیم میں صحاح ستہ میں بہت کم احادیث آئی ہیں۔ بخاری کی روایات اس بارے میں مختلف ہیں۔ اسی وجہ سے بہت سے آئمہ جمع تقدیم کو جائز قرار نہیں دیتے۔ وہ صرف جمع تاخیر کے قائل ہیں۔ وہ بھی بعض دفعات

صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ساتھ پڑھتے تو چار رکعت پڑھتے اور جب اکیلے پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے یعنی قصر کرتے۔ (بخاری و مسلم)

لہ یعنی جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما حج کے لیے آئے اور منیٰ میں پہنچے چونکہ وہ مسافر تھے اس لیے انہوں نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔

ٹہ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنے اوائل خلافت کے چھ یا آٹھ برس تک منیٰ میں دو رکعت پڑھتے رہے۔

ٹہ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔

ٹہ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو پڑھتے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چار رکعت پڑھنے یعنی منیٰ میں قصر نہ کرنے کی علماء نے بہت سی وجہیں بیان کی ہیں ہم نے انہیں شرح (لمعات) میں ذکر کیا ہے۔ ان میں سے قریب تر وجہ یہ ہے کہ موسم حج میں کافی تعداد میں دیہاتی اور بدوی وغیرہ جو شرعی احکام کی تفصیلات سے واقف نہ تھے، جمع ہوئے ہوتے تھے تو یہ بتانے کے لیے کہ اصل نماز چار رکعت ہی ہے، چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ اگر قصر کرتے اور دو رکعتیں پڑھتے تو اندیشہ تھا کہ ناواقف لوگ یہ خیال کر لیتے کہ اصل نماز ہی دو رکعت ہے اور اس طرف ان کا ذہن نہ جاتا کہ دو رکعتیں تو صرف سفر کی وجہ سے پڑھی جا رہی ہیں۔ بعض نے کہا شاید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ امن و بے خوفی کی حالت میں قصر جائز [illegible] نہیں بلکہ قصر کی اجازت حالت خوف و ڈر کے ساتھ مقید ہے۔ جس طرح قرآن کا ظاہر مفہوم ہے۔ یا اس بنا پر کہ حضرت عثمان رضی [illegible] یہ تھا آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے موافق ہو گئے تھے کہ قصر کرنا یا پوری نماز پڑھنا دونوں صورتیں جائز ہیں اور یہ کہ رخصت پہلے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آسانی کی غرض سے رخصت کو اختیار کیا۔

$\frac{۱۲۷}{۱۴}$ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفُرِضَتْ اَرْبَعًا وَتُرِكَتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيْضَةِ الْاُوْلٰى قَالَ الزُّهْرِيُّ قُلْتُ لِعُرْوَةَ مَا بَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ قَالَ تَاَوَّلَتْ كَمَا تَاَوَّلَ عُثْمَانُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ (اول زمانہ نبوت میں سفر و حضر میں) نماز دو رکعت ہی فرض تھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو چار رکعتیں فرض ہو گئیں اور سفر کی نماز پہلے فرض پر چھوڑ دی گئی لہ زہری فرماتے ہیں میں نے عروہ سے کہا حضرت عائشہ کا کیا حال ہے کہ وہ سفر میں پوری رکعتیں پڑھتی ہیں حضرت عروہ نے کہا حضرت عائشہ نے تاویل کی ہے جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تاویل کی تھی ٹہ (بخاری و مسلم)

لہ یعنی نماز سفر کو فریضہ اولیٰ پر ہی کہ دو رکعت ہے، چھوڑ دیا گیا اور اقامت کی حالت میں رکعات کی تعداد زیادہ

کردی گئی۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ زید فی الحضر یعنی حالت اقامت میں رکعات کی تعداد زیادہ کردی گئی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شرع شریف کی طرف سے چار رکعت کا حکم آنے کے بعد سفر میں دو رکعتیں پڑھنا رخصت نہیں ہے بلکہ اصل حکم دو ہی رکعتوں کا ہے۔ لہٰذا سفر میں دو رکعتیں پڑھنا رخصت نہ ہوگا۔ اور یہ بات مذہب حنفی کی مؤید ہے۔

سلہ یعنی چار رکعتیں پڑھنے میں حضرت عثمان نے تاویل سے کام لیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تاویل میں بہت سی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تاویل کے بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ یہ دونوں حضرات سفر میں قصر کرنے کو اور نہ کرنے دونوں صورتوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔

۱۲۵۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلٰوةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ اَرْبَعًا وَّفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حالت اقامت میں چار رکعت سفر میں دو رکعت اور حالت خوف میں ایک رکعت نماز فرض کی ہے[1]۔ (مسلم)

سلہ سلف کے ایک گروہ نے اس حدیث کے ظاہر ترجمہ کو لیا ہے مگر جمہور علماء نے اسے اس پر حمل کیا ہے کہ حالت میں جب مقتدی امام کے ساتھ ایک ہی رکعت ادا کرتا ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک ہی رکعت کا اعتبار کیا اور فرمادیا کہ اس حالت میں نماز ایک رکعت ہے۔ اس اختلاف کا ثمرہ اور نتیجہ وہاں ظاہر ہوگا جب نماز خوف۔ فوت ہو جائے تو ایک رکعت قضا کرے یا دو رکعت ظاہر جمہور کا قول ہے کیونکہ جب فرض ہی ایک ہی رکعت ہو تو دوسری رکعت کس لیے پڑھے گا۔ اس کا پوری تفصیل نماز خوف کے باب میں آرہی ہے۔

۱۲۵۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ قَالَا سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ وَالْوِتْرُ فِي السَّفَرِ سُنَّةٌ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ دونوں حضرات فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں دو رکعت نماز مقرر فرمائی۔ اور یہ کامل نماز ہے ناقص نہیں[1]۔ اور سفر کی حالت میں وتر سنت بن جاتے ہیں[2]۔ (ابن ماجہ)

سلہ یعنی ثواب میں ناقص اور کم نہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ سفر میں دو رکعت نماز ہی مشروع جائز ہے۔ نہ یہ کہ چار رکعتیں تھیں مگر سفر کی وجہ سے دو رکعتوں پر ہی مختصر کردی گئی۔ جیسا کہ حضرت عائشہ اس کی قائل ہیں۔ اگرچہ قرآن میں بظاہر قصر کا

لفظ اس کے لیے آیا ہے۔

۵ یعنی بحالت سفر وتر نماز اسلام و شریعت کا وہ طریقہ ہے جس پر چلنا چاہیے۔ سفر میں اسے چھوڑ نہ دینا چاہیے جس طرح نوافل چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ ورنہ وتر اگر واجب ہیں تو سنت نہیں ہو سکتے۔ اور اگر سنت ہیں تو پھر حضر و سفر دونوں میں سنت ہی ہوں گے پھر سفر کی تخصیص کس لیے ہے۔

۱۲۶۳/۱۹ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ فِىْ مِثْلِ مَا يَكُوْنُ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَفِىْ مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَعُسْفَانَ وَفِىْ مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَجُدَّةَ قَالَ مَالِكٌ وَذٰلِكَ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ (رَوَاهُ فِى الْمُوَطَّا)

حضرت مالک سے روایت ہے انہیں یہ بات پہنچی کہ بے شک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مکہ اور طائف کے درمیان فاصلے کی مقدار مسافت میں قصر نماز پڑھتے تھے اور مکہ اور عسفان جتنے فاصلے میں بھی اور مکہ اور جدہ جتنی مسافت میں بھی قصر کرتے تھے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ چار برد کی مسافت ہے۔ (موطا)

۱ اس سے مکہ اور طائف کا وہ درمیانی راستہ مراد ہے جو مختلف بستیوں میں سے گھوم کر جاتا ہے اور وادی نعمان کا راستہ جو پہاڑ میں سے جاتا ہے وہ تو بالکل قریب ہے۔

۲ عسفان عین کی پیش اور سین ساکن مکہ و مدینہ کے درمیان مکہ کے قریب ایک جگہ ہے۔

۳ جُدہ جیم کی پیش سے۔ اور عوام میں جیم کا زبر ہے مشہور ہے۔

۴ اصل میں لفظ بُرُد دو پیشوں کے ساتھ ہے۔ یعنی امام مالک نے کہا کہ یہ چار برد مسافت ہے اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔ میل اتنی مسافت کو کہتے ہیں جہاں تک نگاہ کام کرے۔ بعض نے کہا کہتے ہیں کہ ہموار زمین پر نظر ڈالے تو یہ معلوم نہ کر سکے کہ دکھائی دینے والا مرد ہے یا عورت اور بعض نے کہا کہ چھ ہزار ہاتھ مسافت کو میل کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ایک میل چار ہزار گز اور ایک گز چوبیس انگل کی چوڑائی ہیں۔ بعض نے کہا آدمی کے بارہ ہزار قدم کی مسافت کا ایک میل ہے جیسا کہ فتح الباری میں مذکور ہے۔ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ان تینوں جگہوں کی مسافت چار برد ہے مگر واقع یہ ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان مسافت باقی دونوں جگہوں سے زیادہ ہے مگر یہ کہ حدیث میں مکہ اور جدہ کی درمیانی مسافت کی طرف اشارہ ہو۔ اس کے بعد واضح ہو کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ کتاب و سنت سے مسافت سفر ثابت نہیں بلکہ مطلق سفر ثابت ہے اور بہت سے وہ سفر جن میں قصر واقع ہوئی مختلف مسافتیں رکھتے ہیں۔ بعض قریب ہیں بعض دور جیسا کہ باب میں وارد احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے علماء نے اپنے اجتہاد و استنباط کی وجہ سے آپس میں

بَابُ الْجُمُعَةِ

جمعہ کا باب

لفظ جمعہ میں مشہور جیم اور میم کی پیش ہے۔ مگر میم ساکن سے بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ اعمش کی قراءت ہے۔ فراء سے میم کی زبر اور زجاج سے اسکا کسرہ بھی مروی ہے۔ اس دن کو زمانہ قدیم میں عروبہ کہتے تھے۔ عین کی زبر سے۔ اس دن کا نام جمعہ رکھنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ تمام مخلوق کی پیدائش اور اس کی تکمیل جمعہ کے دن میں ہوئی۔ اس جہان رنگ و بو کی پیدائش کا آغاز اتوار کے روز سے ہوا تھا۔ یہ وجہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آسمانوں کو پیدا کرنے سے پہلے دنوں کی تعیین اور ان کے نام مقرر ہو چکے تھے تاہم یہ وجہ اشکال سے خالی نہیں۔ فافہم۔ بعض نے اسے جمعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اسی دن میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے اجزاء جمع ہوئے اور پھر اسی دن میں ان کی تکمیل ہوئی یا اس لیے اس دن کو جمعہ کہتے ہیں کہ اس میں بڑے بڑے کام اکٹھے ہوئے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کا پیدا ہونا، آپ کا زمین پر آنا، اور قیامت کا قائم ہونا جیسا کہ احادیث میں ہے۔ بعض نے کہا اس دن میں کعب بن لوی لوگوں کو جمع کرتا، انہیں پند و نصیحت کرتا۔ انہیں حرم بیت اللہ کی تعظیم کا حکم دیا کرتا اور حرم پاک سے نبی آخر الزماں کے تشریف لانے کی انہیں خبریں یاد کراتا تھا۔ بعض نے کہا لوگوں کو قصی جمع کیا کرتا تھا۔ بعض نے کہا اسے جمعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں لوگ نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ یہ اس کا اسلامی نام ہے [illegible] کا نام عروبہ تھا۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ عروبہ قدیم جاہلی [illegible] ہفتہ کے دوسرے ایام کا معاملہ ہے کہ قدیم دور جاہلیت میں ہفتہ کے [illegible] تھے [illegible] شیار۔ جمعہ کے دن کو دور جاہلیت میں بھی شرف وامتیاز [illegible] حاصل ہوئی اور اسے خصوصی عزتوں اور برکتوں سے خاص کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۲۶۳ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ بَیْدَ اَنَّهُمْ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِنَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم زمانہ اور پیدائش کے اعتبار سے ہم سب کے پیچھے ہیں مگر [illegible] کے روز سب سے آگے ہوں گے ماسوائے اس کے کہ

وَاُوْتِیْنٰہُ مِنْ بَعْدِھِمْ ثُمَّ ھٰذَا یَوْمُھُمُ الَّذِیْ فُرِضَ عَلَیْھِمْ یَعْنِیْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاخْتَلَفُوْا فِیْہِ فَھَدَانَا اللّٰہُ لَہٗ وَالنَّاسُ لَنَا فِیْہِ تَبَعٌ اَلْیَھُوْدُ غَدًا وَّالنَّصَارٰی بَعْدَ غَدٍ۔

مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

انہیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی[۲] اور ہمیں ان کے بعد دی گئی۔ لوگ اس میں ہمارے تابع ہیں۔ پھر یہ یعنی جمعہ کا دن ان کا دن بھی تھا جو ان پر فرض کیا گیا تھا وہ اس میں اختلاف کر بیٹھے[۳] ہمیں اللہ نے اس کی ہدایت دے دی[۴]۔ اس میں لوگ ہمارے تابع ہیں یہودی کل ہیں اور عیسائی پرسوں ہیں

(بخاری و مسلم)

وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَنَحْنُ اَوَّلُ مَنْ یَّدْخُلُ الْجَنَّۃَ بَیْدَ اَنَّھُمْ وَذَکَرَ نَحْوَہٗ اِلٰی اٰخِرِہٖ وَفِیْ اُخْرٰی لَہٗ عَنْہُ وَعَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اٰخِرِ الْحَدِیْثِ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ مِنْ اَھْلِ الدُّنْیَا وَالْاَوَّلُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الْمَقْضِیُّ لَھُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا ہم پیچھے ہیں۔ اور قیامت کے دن آگے جنت میں ہم ہی پہلے جائیں گے اس کے سوا الخ اور اس کی دوسری روایت میں انہیں سے اور حضرت حذیفہ سے ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے آخر میں یہ ہے کہ ہم دنیا والوں میں پیچھے ہیں۔ اور قیامت کے دن پہلے ہوں گے کہ ہمارا فیصلہ مخلوق سے پہلے ہوگا۔

۱؎ یعنی حشر و حساب میں شرف و بلند درجات حاصل کرنے اور جنت میں پہنچنے میں سب سے سبقت لے جائیں گے یا فضیلت جمعہ سے سرفراز ہونے میں سب سے سبقت لے گئے ہیں۔

۲؎ یا مطلب یہ ہے کہ کتاب والوں یعنی ان کے انبیاء علیہم السلام کو کتاب ہم سے پہلے دے دی گئی اور ہمیں ان کے بعد کتاب (قرآن) دی گئی یہ درحقیقت فضیلت و شرف کا موجب ہے کیونکہ بعد آنے والی کتاب پہلی کتابوں کے لیے ناسخ ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ قول مبارک نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ بھی بیان فضیلت کے لیے ہے صرف تمہید کے طور پر اس کا ذکر نہیں کیا گیا اور لفظ بَیْدَ با کی زیر یا ساکن سے بمعنی غیر آتا ہے۔ اس میں مَیْدَ میم سے بھی ایک لغت ہے۔

۳؎ واضح ہو کہ شارحین حدیث کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ خدا تعالیٰ کا یہود و نصاریٰ پر جمعہ فرض کرنے

کا کیا مطلب ہے اور اس میں ان کے اختلاف کرنے سے کیا مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن بعینہ ان پر عبادت فرض کی تھی، اور انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اس دن سب جمع ہو کر اس کی عبادت بجا لائیں۔ جیسا کہ حدیث کے ظاہر الفاظ ہیں۔ تو انہوں نے حکم الٰہی کی مخالفت کی اور حکم کی بجا آوری کے بجائے انہوں نے سرکشی کے مرتکب ہوئے جس طرح کہ سرکشی اور نافرمانی کرنا ان کی عادت تھی اور جمعہ کے بجائے یہود نے ہفتہ کا دن اپنے لیے پسند کیا اور جمعہ کے دن عبادت الٰہی بجا لانے میں تامل و ٹال مٹول کرنے لگے۔ اس وجہ سے کہ جمعہ کا دن اس جہان کے خاتمے کا دن ہے۔ نصاریٰ نے اتوار کا دن پسند کیا۔ اس لیے کہ وہ اس جہاں کے پیدا کرنے کا دن ہے۔ اکثر علماء اس پر ہیں کہ یہود و نصاریٰ کو حکم دیا گیا اور پابند کیا گیا کہ وہ اس افضل دن کو اپنے غور و فکر سے تلاش کریں اور اپنی رائے اور قوت اجتہاد سے اس کی تعیین کریں اور ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہفتے میں ایک دن معین کیا ہے جس میں تم لوگ دنیوی کام کاج سے فارغ رہ کر اس کے ذکر و فکر اور عبادت میں مصروف رہو۔ اس دن کو اپنی قوت فکر و اجتہاد سے تلاش کرو۔ اور یہ اللہ کی طرف سے ان کی آزمائش تھی کہ اس دن کو معلوم کرتے ہیں یا نہیں کرتے۔ تو یہود نے جمعہ کے بجائے ہفتہ کا دن معین کیا۔ اور کہا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا کرنے کے کام سے فارغ ہوا۔ اور خلق کائنات کا کام ختم کیا۔ اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ مشغولیت، کام کاج اور دنیوی اشغال سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہوں اور نصاریٰ نے اتوار کے دن کو معین کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے پیدا کرنے کی ابتداء اسی دن سے کی تھی۔ لہٰذا یہ دن کمالات اور نعمتوں کا مبدا ہے۔ اور یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ مخلوق کو فیض پہنچانے اور ان پر انعام کرنے کی جانب متوجہ ہوا۔ پس یہ دن تعظیم بجالانے، عبادت کرنے اور نعمتوں کی شکر گزاری کے زیادہ لائق ہے۔ مگر ان دونوں گروہوں نے اس میں خطا کی۔ اور اس مقصد کے لیے وہ دن تجویز کیے جو علم الٰہی میں ان کے لیے بطور امتحان اور یوم جمعہ افضل تھا اور یوں وہ اس عبادت میں صحیح وقت پانے سے گمراہ ہو گئے۔

۵۴ یہاں بھی دونوں وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ وجہ اول زیادہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو جمعہ کے دن عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لیے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ اور اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اس کی بجا آوری کی توفیق دی اور راستہ دکھایا۔ یہ نہیں گمراہ ہونے دیا اور انکار و سرکشی اور ٹال مٹول سے بچا لیا۔ جیسا کہ پہلی امت کی جو خیر الامم ہے، اقتداء کی ہے۔ بعض کہتے ہیں اہل مدینہ نے از خود جمعہ کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ شریف پہنچنے اور آیت جمعہ کے نزول سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ کی امامت میں پڑھتے تھے۔ اور انہوں نے کہا کہ یہود کا ایک دن ہے جس میں وہ عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ کا بھی ایک دن ہے۔ ہمیں بھی ایک دن معین کرنا چاہیے جس میں ہم لوگ جمع ہوا کریں اور عبادت الٰہی بجا لایا کریں۔ تو انہوں نے یوم عروبہ کو اس مقصد کے لیے منتخب کیا پھر قرآن پاک بھی اس کی موافقت میں نازل ہو گیا۔ یہ ایک حدیث کا مضمون ہے۔ جسے شیخ ابن حجر نے حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ

سے ذکر کیا اور اس کی وجہ تعلیل بھی ذکر کی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو عبادت کے لیے پیدا فرمایا اور آدم جمعہ کے دن پیدا ہوئے اس لیے عبادت بھی اسی دن میں بہتر اور زیادہ مناسب ہے اور ایک یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے علاوہ دوسرے دنوں میں ان تمام چیزوں کو پیدا کیا جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے اور جمعہ کے دن ذات انسان کو پیدا کیا تو نعمت وجود جو تمام باقی نعمتوں کی اصل بنیاد ہے اس کا شکر ان تمام نعمتوں سے جو انسان کی ذات سے خارج ہیں، زیادہ ضروری زیادہ مناسب ولائق ہے۔ واللہ اعلم۔

۱ یعنی یہود و نصاریٰ جمعہ کے دن میں ہمارے تابع ہیں۔

۲ یعنی یہود کا آج جمعہ سے اگلا دن ہے یعنی ہفتہ اور نصاریٰ کا اس سے اگلا دن یعنی اتوار تابع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ فضیلت اور قبولیت طاعت میں ہم سے پیچھے ہیں کہ وہ اس سے محروم رہے۔ بعض نے کہا یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جمعہ ہفتہ کے سات دنوں میں پہلا دن ہے۔ مگر لوگوں کے عرف و زبان میں اس کے خلاف مشہور ہو چکا ہے۔ اس حقیقت پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ ہفتہ کے سات دنوں کو جمعہ کہتے ہیں۔ جس طرح یہود ہفتہ کے دن کو سبت کہتے ہیں۔ امام سیوطی نے کہا کہ اگرچہ جمعہ کا دن ہفتہ اور اتوار سے پہلے ہے مگر جب بھی یہ تین دن ایک دوسرے کے پیچھے لگاتار جمع ہوں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ آگے ہے اور پیچھے۔

۳ یعنی الباقون اللاحقون یہی کہا ہے نحن الآخرون الاولون آیا ہے۔ دوسری ہے یہ الفاظ زیادہ آئے۔ ونحن اول من یدخل الجنۃ یعنی جنت میں داخل ہونے والے سب سے پہلے ہم ہوں گے۔

۴ بیدانہ … یعنی لفظ حقیقت کی رعایت ہو گئی ہے۔

۱۲۷۴ — وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ — حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَیْہِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ فِیْہِ خُلِقَ اٰدَمُ وَ فِیْہِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَ فِیْہِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے ۱ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے ۲ اسی دن میں حضرت آدم جنت میں داخل ہوئے۔ اسی میں اس سے نکالے گئے ۳ اور قیامت نہ قائم ہو گی مگر جمعہ کے دن ۴ (مسلم)

۱ یعنی جمعہ ہی وہ دن ہے جس کی عظمت تمام دنوں سے ظہور پذیر ہوا یا پہلا دن جس میں اہل زمانہ پر سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے۔ ایسا دن صفت ہے ذکر کرنے سے یہ مقصود عمومیت بیان کرنا ہے کیونکہ کوئی دن نہیں جس میں سورج طلوع نہ ہوتا ہو۔

إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ۔ — اس میں اللہ سے خیر مانگتا ہے مگر اللہ اسے عطا کر دیتا ہے۔

۱؎ یعنی حرام اور ناپسندیدہ چیز کے لیے دعا نہیں کرتا۔

۲؎ یعنی اس گھڑی میں دعا قبول ہوتی ہے۔

۳؎ لمبی نہیں۔

۴؎ یاد عا کرتا ہے اور دعا مانگنے میں ہمیشگی اور دوام کرتا ہے۔ لہٰذا یہاں صلوٰۃ سے نماز مراد ہے یا دعا۔

۱۳۰۴ وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي شَأْنِ سَاعَةِ الْجُمُعَةِ هِيَ مَا بَيْنَ أَنْ يَجْلِسَ الْإِمَامُ إِلَى أَنْ تُقْضَى الصَّلٰوةُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوبردہ بن ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے اپنے باپ کو فرماتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کی گھڑی کی شان میں فرماتے سنا۔ کہ وہ گھڑی امام کے بیٹھنے سے اس کے نماز پوری کرنے تک کے وقت میں ہے۔ (مسلم)

۱؎ یعنی منبر پر بیٹھنے سے نماز پڑھنے تک۔ اور طیبی نے بیٹھنے سے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا مراد لیا ہے یہ بھی احتمال ہے کہ باہر نکل کر منبر پر بیٹھنا مراد ہے۔

۲؎ لا جرم اس گھڑی کی تعیین میں بہت اقوال ہیں جو قریباً چالیس تک پہنچتے ہیں۔ ہم نے انہیں شرح سفر السعادۃ میں نقل کیا ہے۔ دیکھو مرقاۃ اور نووی بحر دو قول ہیں۔ ایک خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے نماز ادا کرنے تک دوسرا جمعہ کے دن کی آخری گھڑی۔ شیخ ابن الہمام نے کہا ان دو اقوال کے علاوہ جو اقوال بھی ہیں۔ وہ یا تو ان دو کی طرف رجوع کرتے ہیں یا ضعیف الاسناد ہیں یا اجتہاد سے انہیں مستنبط کیا گیا ہے اور جو لوگ ان کے قائل ہیں وہ شرح سے سند اور صحت حاصل کیے بغیر ہیں۔ اکثر علماء ان دو میں سے آخری قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ امام احمد نے کہا اکثر احادیث اسی جانب ہیں۔ ابن عبدالبر نے کہا اس باب میں ثابت ترین حدیث حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اکثر ائمہ نے اس کو ترجیح دی ہے اور اس گھڑی کو متعین تسلیم کیا گیا ہے اور ابوموسیٰ کی حدیث اگرچہ صحیح مسلم میں ہے مگر اس کے اسناد میں کلام (اعتراض) ہے اور ان حدیثوں میں سے ہے جو صحیح مسلم کی بعض احادیث میں واقع ہیں۔ جدہ ضعیف۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے کہ یہ بات تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا و علی سائر اہل بیت النبوۃ اپنی خادمہ کو مقرر کرتی تھیں کہ وہ روز جمعہ کی آخری ساعت کی انتظار کرے اور

ذٰلِكَ رَوَاهُ مَالِكٌ وَّ اَبُوْ دَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَرَوٰی اَحْمَدُ اِلٰی قَوْلِہٖ صَدَقَ كَعْبٌ۔

کہا ہاں فرمایا وہ یہی ہے۔ مالک، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور احمد نے صدق کعب تک روایت کی ہے۔

سلہ میں کوہ طور کی طرف گیا۔

سلہ۲ آپ یہود کے دانشمندوں میں سے تھے۔ تابعی تھے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دست اقدس پر ایمان لائے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں وصال فرمایا۔ اَحبار حبر کی جمع ہے معانی زبر یا زیر یعنی یہود کا دانشمند۔

سلہ۳ اور ان کی صحبت اختیار کی۔

سلہ۴ اس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہونے کا ذکر اس لیے نہ فرمایا کہ وہ ایک مشہور بات ہے۔ پھر جنت سے اترنا داخل ہونے کو لازم ہے۔

سلہ۵ یعنی اسی دن اللہ تعالٰی نے ان پر رحمت کی اور ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اسی دن کے آخری حصہ میں انہیں زمین پر اتار دیا گیا۔ یا دوسرے جمعہ کو اتارا گیا۔ موافق روایت پہلی ہے۔

سلہ۶ یہ از خود متعین ہے وفات کا دن اترنے کا دن نہ تھا اور اگر اس (آخرت) جہاں کا دن مراد ہو کہ قرآن مجید میں فرمایا۔ فَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے شمار کردہ ہزار دن کے برابر ہوتا ہے) اس دن کی طرف اشارہ ہو تو پھر ایک ہی دن میں مذکورہ شے کے ہونے کی گنجائش بھی ہے۔ اسے سمجھو۔ واللہ اعلم۔

حدیث میں لفظ مُصِیخۃ میم کی پیش صاد کی زیر یا ساکن اور نقطہ والی خا یعنی کان لگاتا اور توجہ ہوتا اور سین کے ساتھ بھی ایک روایت ہے معنیٰ دونوں کا ایک ہے۔

سلہ۸ قیامت صبح اور طلوع آفتاب کے درمیانی وقفہ میں قائم ہوگی تو ہر جن و انس کے علاوہ تمام جاندار چیز قیامت کے انتظار میں رہتی ہے کہ شاید قیامت اسی جمعہ قائم ہو جائے گویا خدا تعالٰی نے جانداروں کو الہام کر دیا ہے کہ اس دن کے اس وقت میں قیامت قائم ہوگی اور اس دن کی عظمت اور جلال کو ان کے دلوں میں ڈال دیا ہے اور یہ معنیٰ انکے باطن میں بیٹھا دیا اور پوشیدہ کرکے رکھ دیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالٰی جمعہ کے دن زمین میں بڑے بڑے عظیم کام ظاہر کرے گا جن کے سبب زمین لرزے اور گردش کرے گی اور جانور اسے محسوس کرکے بے ہوش ہو جائیں گے۔

سلہ۹ کہ انسان اور جنات اس سے غافل ہیں بے خبر ہیں اور ان پر اس کا انکشاف نہیں کیا گیا تاکہ تکلیف

دانزما کشش کا قاعدہ اور دستور دھم برہم نہ ہو جائے اور ایمان بالغیب کی حیثیت قائم رہے۔

۱۰؎ اس حدیث میں لا یصادفہا کی جگہ لا یوافقہا کی جگہ آیا ہے اور شیئاً خیراً کی جگہ آیا ہے اور مصادفت کا معنی ہے کسی چیز کو پانا۔

۱۱؎ یعنی میں نے حضرت کعب کی تردید میں کہا کہ ایسا نہیں کہ وہ گھڑی سال میں ایک بار آتی ہے۔ بلکہ یہ جمعہ کے دن آتی ہے۔

۱۲؎ جو اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ گھڑی ہر جمعہ کے دن ہوتی ہے۔

۱۳؎ وہ گھڑی ہر جمعہ کے دن آتی ہے۔

۱۴؎ حضرت عبداللہ بن سلام صحابی ہیں اور پہلے علمائے یہود میں سے تھے۔

۱۵؎ یعنی یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے یا تورات پڑھنے سے انہیں معلوم تھی۔ بظاہر پہلا احتمال ہے۔

۱۶؎ کیونکہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز پڑھنا ممنوع و مکروہ ہے۔

۱۷؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا وہ حدیث کا یہی معنی ہے کہ نماز کی انتظار میں بیٹھا ہو۔ اور یہ چیز آخر دن میں بھی ہو سکتی ہے اور اگر اس وقت کوئی دعا کرے تو قبول ہوتی ہے۔ بعض نے کہا یہاں صلوۃ سے دعا مراد ہے۔

۱۸؎ مصابیح کا قول ثم قال عبداللہ بن سلام قد علمت تا آخر ذکر نہ کیا۔

۱۲۶۱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلْتَمِسُوا السَّاعَةَ الَّتِىْ تُرْجٰى فِىْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلٰى غَيْبُوْبَةِ الشَّمْسِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس گھڑی کو تلاش کرو جس کی امید جمعہ کے دن ہوتی ہے عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک۱؎ (ترمذی)

۱؎ اس حدیث کے ظاہر سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نماز عصر آخر دن تک پڑھی جا سکتی ہے۔ لہٰذا اس بارے میں مسئلہ اس طرح ہے کہ جو دوسرے ائمہ مذہب کہتے ہیں کہ عصر کا وقت ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہونے تک ہے یعنی دن کا چوتھائی حصہ باقی رہنے تک کیونکہ دوسری حدیث میں واقع ہوا ہے کہ وہ گھڑی جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے۔ اسے خوب سمجھ لو۔

۱۲۶۲ وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ فِیْہِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْہِ قُبِضَ وَفِیْہِ النَّفْخَۃُ وَفِیْہِ الصَّعْقَۃُ فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ فِیْہِ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَیْکَ وَقَدْ اَرِمْتَ قَالَ یَقُوْلُوْنَ بَلِیْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ وَالْبَیْہَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْکَبِیْرِ۔

نے فرمایا کہ تمہارے دنوں میں افضل دن جمعہ کا دن ہے اسی میں حضرت آدم پیدا ہوئے اسی میں ان کی روح قبض کی گئی اسی دن میں صور پھونکا جائے گا اور اسی دن ہلاکت طاری ہوگی تو اس دن میں مجھ پر بکثرت درود پڑھو[۳] کہ بیشک تمہارا درود وسلام میرے اوپر پیش کیا جاتا ہے[۴] صحابہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ پر درود کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی یا راوی نے کہا کہ صحابہ نے کہا آپ تو بوسیدہ ہو چکے ہوں گے[۵] فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے اجسام طاہرہ کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی اور بیہقی دعوات کبیر میں۔

[۱] اوس ہمزہ کی زبر اور واو ساکن۔ آپ صحابی ہیں، دمشق میں سکونت پذیر رہے اور وہیں وصال فرمایا۔

[۲] حدیث میں لفظ صعقہ آیا ہے بمعنی ہلاک۔ اس میں اللہ سبحانہٗ کے قول کی جانب اشارہ ہے۔ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اور صور پھونکا جائے گا تو ہلاک ہو جائے گا ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ پس اس نفخہ کے مقابلہ میں جو مذکور ہوتا ہے وہ نفخۂ ثانیہ ہے [illegible] زندہ کرنے اور مردوں کو قبر سے اٹھانے کے لیے ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا ہُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ۔ اور دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اچانک وہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور ایک نفخہ اور ہے جو گھبراہٹ اور خوف [illegible] کے لیے ہوگا جیسا کہ فرمایا یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب پر گھبراہٹ طاری ہو جائے گی۔ اور یہ نفخہ ہلاکت کا پیش خیمہ ہوگا [illegible] بعض تین نفخوں کے قائل ہیں۔ مگر مشہور دو ہی نفخے ہیں۔ ایک ہلاکت کے لیے دوسرا زندہ کرنے کے لیے۔

[۳] یعنی چونکہ روز جمعہ نہایت بابرکت اور عظیم الشان روز ہے اس لیے اس میں مجھ پر کثرت سے درود پڑھو۔

[۴] یعنی ملائکہ سیاحین کے ذریعے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

[۵] یہ موت اور زوال ادراک سے کنایہ ہے۔

۶؎ یہ راوی کا شک ہے یعنی صحابہ کرام نے لفظ قد ارمت سے بلیت مراد لیا را کی زبر لام کی زیر یا دونا کی زبر سے) یعنی آپ قبر انور میں پرانے اور بوسیدہ ہو چکے ہوں گے۔ اَرمت کی تحقیق اور اس کے ضبط و تلفظ میں بڑا اختلاف ہے مشکوٰۃ کے اکثر تصحیح شدہ نسخوں میں اس کا تلفظ دو وجہ سے بیان کیا گیا ہے ایک اَرَمْتَ یعنی ہمزہ کی زبر را کی زبر تا ساکن اور تا مخفف کی زبر بصیغہ ماضی معلوم۔ دوسری اُرِمْتَ یعنی ہمزہ کی پیش را کی زیر اور تا کی زبر بصیغۂ مجہول۔ یعنی جب آپ بوسیدہ کر دیئے گئے ہوں گے اور لفظ بلیت سے اس کی تفسیر وجہ اول کے موافق ہے۔ مگر یہ کہ بُلِیْتَ بصیغہ مجہول تا ساکن سے ہو۔

۷؎ یہ زندگی اور حیات سے کنایہ ہے۔ جیسا کہ تیسری فصل میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صراحۃً آرہا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا بعد از موت زندہ رہنا بالکل متفق علیہ مسئلہ ہے۔ کسی کا بھی انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی حقیقی میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں۔ ان کی حیات معنوی و روحانی نہیں جیسی کہ شہداء کی زندگی ہے اور اس حدیث میں جو فرمایا اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ تو وہ اسی جانب اشارہ ہے۔ اگرچہ اس باب میں کہ درود شریف کے پیش ہونے اور حصول ادراک کے لیے حیات روحانی بھی کافی ہے لیکن مذہب وہی جو بیان کیا گیا ہے اس مسئلہ کی تحقیق بالغ اپنی کتاب تاریخ مدینہ مسمی بجذب القلوب الی دیار المحبوب میں کر دی گئی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

۱۲۸۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَوْمُ الْمَوْعُوْدُ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَالْيَوْمُ الْمَشْهُوْدُ يَوْمُ عَرَفَةَ وَالشَّاهِدُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَمَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ عَلٰى يَوْمٍ اَفْضَلَ مِنْهُ فِيْهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُّؤْمِنٌ يَدْعُوا اللّٰهَ بِخَيْرٍ اِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهٗ وَلَا يَسْتَعِيْذُ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا اَعَاذَهٗ مِنْهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا يُعْرَفُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم موعود[۱] یوم قیامت ہے اور یوم مشہود یوم عرفہ اور شاہد یوم جمعہ ہے۔ کسی دن پر جو جمعہ سے افضل ہو سورج طلوع و غروب نہیں ہوا۔ اس میں ایک گھڑی ہے بندہ مومن اسے نہیں پاتا اس حال میں کہ اس کے اندر خیر و بھلائی کی دعا کرتا ہے مگر اللہ تعالےٰ اس کی دعا قبول کر لیتا ہے اور کسی چیز سے پناہ نہیں لیتا مگر اس سے اللہ اسے پناہ دے دیتا۔

احمد، ترمذی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہم اسے نہیں جانتے مگر موسیٰ ابن عبیدہ کی حدیث

مُوْسَى بْنُ عُبَيْدَةَ وَ هُوَ يُضَعَّفُ

ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔

لے قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یوم موعود سے مراد روز قیامت ہے جس کے آنے کی حق سبحانہ وتعالےٰ نے خبر دی ہے اور جس کے آنے کے بعد مومنوں سے بہشت میں نعمتیں عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے اور یوم مشہود سے یوم عرفہ (نویں ذوالحجہ کا دن) ہے کیونکہ اس دن تمام علاقوں کے مسلمان اور ملائکہ حاضر و موجود ہوتے ہیں۔ مشہود بمعنی محضور ہے اور شاہد سے جمعہ کا دن مراد ہے کہ مخلوق اس میں حاضر ہوتی اور اس کے پاس آتی ہے تو یوم عرفہ کو مشہود اور جمعہ کو شاہد اس لیے کہا گیا کہ مخلوق عرفہ کی طرف آتی اور اس مکان میں حاضر ہوتی ہے جو اس دن سے منسوب ہے لہٰذا یوم عرفہ مشہود ہوا اور جمعہ کے دن لوگ اپنی اپنی جگہوں میں ہوتے ہیں اور جمعہ ان کے پاس آتا ہے اس لیے وہ شاہد ہوا۔ یعنی حاضر ہونے والا اور مفسرین نے لفظ شاہد کی تفسیر مخلوق سے بھی کی ہے کیونکہ مخلوق قیامت کے دن حاضر ہوگی۔ اور لفظ مشہود کی تفسیر اس چیز سے کی گئی ہے جس میں عجائبات کا مشاہدہ کیا جائے۔ یا شاہد سے پیغمبر اور مشہود سے امت خصوصًا یا عمومًا مراد ہے۔ یا یہ امت شاہد اور دوسری امتیں مشہود ہیں یا شاہد سے خالق و مخلوق مراد ہے کیونکہ خالق مخلوق کے حالات پر مطلع ہے اور مخلوق خالق کے وجود اور اس کی صفات پر شاہد گواہ ہے یا شاہد و مشہود سے عرفہ کا دن اور حاجی مراد ہیں یا روز جمعہ اور لوگ مراد ہیں یا شاہد و مشہود سے ہر دن اور اس میں رہنے والے لوگ مراد ہیں جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سب تاویلات اس لفظ کے مختلف احتمالات ہیں جن پر اس لفظ کو محمول کرنا ممکن ہے۔ اس کی اصل تفسیر وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مسند اور منسوب ہے اگر یہ نسبت صحیح ہو۔ واللہ اعلم۔

سے عُبَیدہ عین کی پیش با کی زبر سے اور وہ ضعیف ہے یعنی یہ راوی ضعیف قرار دیا گیا ہے اور اس کی طرف اور اس کی حدیث کی طرف ضعف کی نسبت کی گئی ہے۔ تاہم تحقیق یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ نسائی وغیرہ نے کہا کہ موسیٰ ضعیف ہے۔ ابن سعد نے کہا ثقہ ہے۔ مگر اس کے بعض راویوں کی وجہ سے اس کی حدیث حجت نہیں۔ اور اس کی حدیث کو ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی وفات ۱۵۲ھ ربذہ میں ہوئی۔ محدثین نے کہا ہے اس کی قبر سے کستوری و عنبر کی خوشبو مہکتی تھی۔ حالانکہ اس کے شہر ربذہ میں اس وقت وہاں مشک و عنبر کا نام بھی موجود نہ تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۲۸۴ عَنْ اَبِیْ لُبَابَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُنْذِرِ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابو لبابہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ اِنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سَيِّدُ الْاَيَّامِ وَاَعْظَمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَهُوَ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ يَوْمِ الْاَضْحٰى وَيَوْمِ الْفِطْرِ فِيْهِ خَمْسُ خِلَالٍ خَلَقَ اللّٰهُ فِيْهِ اٰدَمَ وَاَهْبَطَ اللّٰهُ فِيْهِ اٰدَمَ اِلَى الْاَرْضِ وَفِيْهِ تَوَفَّى اللّٰهُ اٰدَمَ وَفِيْهِ سَاعَةٌ لَا يَسْاَلُ الْعَبْدُ فِيْهَا شَيْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ مَا لَمْ يَسْاَلْ حَرَامًا وَفِيْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ مَا مِنْ مَّلَكٍ مُّقَرَّبٍ وَّلَا سَمَآءٍ وَّلَا اَرْضٍ وَّلَا رِيَاحٍ وَّلَا جِبَالٍ وَّلَا بَحْرٍ اِلَّا هُوَ مُشْفِقٌ مِّنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ

نے فرمایا جمعہ کا دن اللہ کے نزدیک تمام دنوں کا سردار تمام دنوں سے بڑا ہے اور وہ اللہ کے نزدیک عید فطر و عید بقر کے دنوں سے بڑا ہے۔ اس میں پانچ اوصاف ہیں۔ اللہ نے اس میں حضرت آدم کو پیدا کیا اور اللہ نے اس میں حضرت آدم کو زمین کی طرف اتارا۔ اسی میں اللہ نے حضرت آدم کو وفات دی۔ اور اس میں ایک ساعت ایسی ہے جس میں بندہ کوئی شے نہیں مانگتا مگر رب تعالیٰ اسے دے دیتا ہے۔ جب تک کہ حرام چیز نہ مانگے۔ اسی میں قیامت قائم ہوگی کوئی مقرب فرشتہ آسمان۔ زمین۔ ہوائیں۔ پہاڑ دریا ایسے نہیں جو جمعہ کے دن سے خوف نہ کرتے ہوں[3]۔

وَرَوٰى اَحْمَدُ عَنْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَخْبِرْنَا عَنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ مَاذَا فِيْهِ مِنَ الْخَيْرِ قَالَ فِيْهِ خَمْسُ خِلَالٍ وَّسَاقَ اِلٰى اٰخِرِ الْحَدِيْثِ۔

ابن ماجہ اور احمد نے سعد بن معاذ سے یوں روایت کی کہ ایک انصاری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا ہمیں جمعہ کے دن کے بارے میں خبر دیجیے۔ کہ اس میں کیا خوبیاں ہیں۔ فرمایا اس میں پانچ صفتیں ہیں۔ اور آخر حدیث تک نقل کی۔

[1] ابو لبابہ لام کی پیش۔ بائے اول مخفف ان کا نام رفاعہ ہے (راکی زیر سے) آپ مشہور صحابی ہیں ہم ان کے کچھ حالات آخر کتاب میں اہل بدر میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

[2] یہ حدیث جمعہ کی باقی دنوں پر افضلیت میں صریح ہے۔ البتہ یوم عرفہ کی تصریح نہ فرمائی۔ گویا یوم اضحیٰ کا ذکر یوم عرفہ کو متضمن ہے یا ہم یوم اضحیٰ کو یوم عرفہ سے افضل قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

[3] یعنی یہ سب چیزیں قیامت کے اچانک آجانے سے خائف رہتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوائیں

دریا، پہاڑ، زمین وآسمان سب کو قیامت کے آنے کا علم ہے اور انہیں اس کے جمعہ کے دن آنے کا علم دیا گیا ہے۔ اور سب کو علم وادراک حاصل ہے۔ ؎

خاک وآب وباد وآتش بندہ اند با من وتو مردہ با حق زندہ اند

مٹی، پانی، ہوا، آگ سب اس کے بندے ہیں۔ تیرے اور میرے حق میں مردہ مگر اللہ کے حق میں زندہ ہیں

۱۲۸۵ — ۱۰ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قِيْلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَيِّ شَيْءٍ سُمِّيَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ قَالَ لِاَنَّ فِيْهَا طُبِعَتْ طِيْنَةُ اَبِيْكَ اٰدَمَ وَفِيْهَا الصَّعْقَةُ وَالْبَعْثَةُ وَفِيْهَا الْبَطْشَةُ وَفِیْ اٰخِرِ ثَلٰثِ سَاعَاتٍ مِّنْهَا سَاعَةٌ مَنْ دَعَا اللّٰهَ فِيْهَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کس وجہ سے اس دن کا نام جمعہ رکھا گیا فرمایا اس لیے کہ اس میں تمہارے والد حضرت آدم کی مٹی جمع کی گئی[۱] اسی میں بے ہوشی اور اٹھنا ہے[۲] اسی میں پکڑ ہے[۳] اور اس کی آخری تین گھڑیوں ایسی گھڑی ہے جو اس میں اللہ سے دعا مانگے اس کی دعا قبول ہو[۴] (احمد)

[۱] یعنی اسی میں حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی تیار کی گئی۔ انسان کا ڈھانچہ بنایا گیا۔ علماء نے کہا ہے طُبِعَتْ طِیْنَۃُ آدَمَ سے انہیں درست کرنا اور انہیں ایک نئی صورت پر پیدا کرنا مراد ہے۔

[۲] الصعقۃ ہلاک ہونا اور جاندار چیزوں کا مرنا۔ البعثۃ یعنی مرنے کے بعد اٹھنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ادریس کی حدیث میں صعقہ کے ساتھ جس نفخہ کا ذکر ہوا اس سے اٹھنا اور زندہ کرنا مراد ہے۔

[۳] البطشۃ علماء نے کہا اس سے روز قیامت مراد ہے۔ جیسا کہ فرمایا یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى جس دن ہم سخت قسم کی پکڑ کریں گے الصعقۃ اور بعثۃ کے بعد بطشۃ کا ذکر تاکید کے لیے ہے۔ بطش یعنی سخت اور شدید قسم کی پکڑ اور اگر اس سے اللہ تعالٰی کی وہ پکڑ وگرفت مراد لی جائے جو بندوں کی ان کے حشر وبعث کے بعد ہوگی تو یہ بھی ٹھیک ہے بعض نے کہا اس سے بدر کے دن مشرکین کی پکڑ دھکڑ مراد ہے کہ یہ واقعہ بھی جمعہ کے روز ہوا تھا۔

[۴] تعجب کہ اس دن میں یہ سب بڑے بڑے کام جمع کر دیئے گئے ہیں ما انسب بنا پر اس کا نام جمعہ رکھا گیا۔

۱۲۸۶ — ۱۱ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ

اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهٗ مَشْهُودٌ يَشْهَدُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَإِنَّ اَحَدًا لَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ إِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلٰوتُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَآءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھو کہ یہ دن مشہور ہے یعنی اس میں فرشتے رحمت وبرکت لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ اور بے شک کوئی آدمی مجھ پر درود نہیں بھیجتا مگر اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے[1] یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو[2]۔ میں نے عرض کیا موت کے بعد بھی[3] فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاءؑ کے جسموں کو کھائے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے۔ اسے رزق دیا جاتا ہے۔[4] (ابن ماجہ)

[1] اور اس کا درود مجھ پر ہمیشہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جمعہ کے دن جو سب دنوں سے افضل و اشرف دن ہے، بطریق اولیٰ مجھ پر درود شریف پیش کیا جاتا ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ مطلب یہ ہو کہ جمعہ کے دن کامل طور پر درود شریف کا مجھ پر پیش ہونا لازم و ضروری ہے اور یہ فضیلت اسی دن کے ساتھ خاص ہو۔ واللہ اعلم۔

[2] یعنی اس وقت تک کہ میرا امتی مجھ پر درود شریف پڑھتا رہتا ہے۔ میرے اوپر پیش ہوتا رہتا ہے۔ جتنا جتنا پڑھتا جاتا ہے۔ میرے آگے پیش ہوتا رہتا ہے۔ تا آنکہ اس سے فارغ ہو جائے اور پڑھنا ترک کر دے۔

[3] یعنی میں نے بطور استفہام اور اس بات کو بعید جانتے ہوئے کہا کہ آپ کی وفات کے بعد بھی آپ پر درود پاک پیش کرتے ہیں۔

[4] یہ یا تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا تتمہ ہے۔ یا تاکید کی غرض سے حدیث بیان کرنے کے بعد خود حضرت ابوالدرداء کا قول ہے۔ تاکہ آپ کی زندگی وحیات کی حقیقت کا اثبات کیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے اور اس کی کثرت کی ترغیب دی جائے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان نہیں جو جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو فوت ہوتا ہے مگر اللہ اسے فتنہ قبر سے بچا لیتا ہے۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَلَيْسَ إِسْنَادُهٗ

احمد۔ ترمذی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اور اس کا اسناد متصل

بِمُتَّصِلٍ ۔

تشریح

سلہ یہ یا تو راوی کا شک ہے۔ یا مرت کے دو با برکت اوقات کا بیان ہے۔ دوسری صورت زیادہ ظاہر ہے

سلہ اس حدیث کے اسناد کو امام سیوطی نے جمع الجوامع میں احمد بیہقی سے اور شیرازی سے القاب میں حضرت ابن عمر سے اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت جابر سے بایں الفاظ روایت کیا کہ جو مسلمان جمعہ کے دن مرتا ہے وہ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ اور وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس پر شہیدوں کی مہر لگی ہوگی۔

۱۲۸۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَرَاَ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمُ الْاٰيَةَ وَعِنْدَهٗ يَهُوْدِيٌّ فَقَالَ لَوْ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عَلَيْنَا لَاتَّخَذْنَا عِيْدًا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنَّهَا نَزَلَتْ فِيْ يَوْمِ عِيْدَيْنِ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَيَوْمِ عَرَفَةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آیت الیوم اکملت لکم دینکم اخ پڑھی آپ کے پاس ایک یہودی تھا وہ بولا اگر یہ آیت ہم پر اترتی تو ہم اسے عید بنا لیتے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ آیت دو عیدوں کے دن میں اتری۔ یعنی جمعہ اور عرفہ کے دن میں۔ ترمذی یہ اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

سلہ یہ آیت مبارکہ عرفہ کے دن حجۃ الوداع میں نازل ہوئی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور میں تمہارے لیے تمہارا دین اسلام ہونے پر راضی ہو گیا۔

سلہ یعنی ہم لوگ اس آیت کے نزول اور اس دن کو جس میں یہ نازل ہوئی نہایت خوشی اور شکر کے طریقے کے طور پر عید بناتے۔ یعنی تعجب ہے کہ تم مسلمانوں نے اسے عید نہیں بنایا۔

سلہ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے اسے عید بنایا ہے کیونکہ یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی یعنی اس دن میں جس میں دو عیدیں جمع ہیں۔ جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن۔ کیونکہ حجۃ الوداع کا دن جمعہ کا دن تھا لہٰذا صرف ایک عید نہیں بلکہ اسے دو عیدیں قرار دیا ہے۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ دو عیدوں یعنی جمعہ اور عرفہ کو چھوڑ کر محض صرف اسے عید بنانے کی ضرورت نہیں۔ اسے سمجھ لو۔

۱۲۸۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ رَجَبٌ قَالَ اَللّٰهُمَّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ جب ماہ رجب داخل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اے اللہ ہمارے لیے رجب و

بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبٍ وَّ شَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ يَقُوْلُ لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ لَيْلَةٌ اَغَرُّ وَيَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ اَزْهَرُ۔

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ

شعبان کو بابرکت بنا اور ہمیں ماہ رمضان تک پہنچا۔ اور آپ فرماتے تھے جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن سفید اور روشن دن[1] ہے۔

(بیہقی دعوات کبیر)

[1] امام احمد رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ فرمایا شب جمعہ لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے کیونکہ شب جمعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے رحم پاک میں قرار پذیر ہوا۔ اور آپ کا ظہور دنیا و آخرت میں جن خیرات و برکات کا موجب بنا وہ حد و شمار سے باہر ہیں۔

بَابُ وُجُوْبِهَا

جمعہ کے واجب ہونے کا باب

واضح ہو کہ جمعہ کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت شدہ فریضہ محکمہ ہے۔ اس کا منکر کافر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول مبارک فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر آؤ) سے نماز جمعہ یا اس کا خطبہ مراد ہے اور خطبہ کا وجوب جمعہ کے وجوب کو مستلزم ہے جیسا کہ ملا نے کہا ہے اور تفاسیر میں یہ مذکور ہے کہ اس سے خطبہ اور نماز دونوں مراد ہیں کیونکہ ذکر اللہ کا لفظ دونوں کو شامل ہے اور دونوں پر صادق آتا ہے اور جمعہ ظہر کا خلیفہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ بھیجا تھا تو آپ کو حکم دیا تھا کہ جب آفتاب دوپہر سے ڈھل پڑے تو لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ پڑھنا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
فصل اوّل

۱۲۹۰ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُمَا قَالَا سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَلٰى

حضرت ابن عمر و ابوہریرۃ دونوں سے روایت ہے بے شک ان دونوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منبر کی لکڑیوں پر یہ فرماتے سنا

أَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَّدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ۔

کہ لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز رہیں۔ ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کر دے گا پھر وہ ضرور غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔

رَوَاهُ مُسْلِمٌ

(مسلم)

لہ یعنی اپنے منبر شریف پر۔ اس عبارت سے بظاہر تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اول، اول منبر بنانے کو وہ حضرات نہ پہچانتے تھے۔ اور ابتداء میں ان کے اندر چند لکڑیاں ترتیب سے رکھ کر بطور منبر استعمال کرنا مروج تھا یا لکڑی کی صراحت یہ بتانے کے لیے کی کہ منبر شریف لکڑی کا تھا پتھر یا اینٹ کا بنا ہوا نہ تھا۔

۲ے اور غافلوں میں شمار ہوں گے اور ان پر غافل ہونے کی گواہی دی جائے گی۔ اور ان پر غافل ہونے کا حکم جاری ہو گا اور وہ دائما حالت غفلت میں رہیں گے۔ یعنی ان دو باتوں میں سے ایک بات ضرور واقع ہو گی یا ترک جمعہ سے باز آنا۔ یا ان کے دلوں پر مہر کا لگ جانا۔ اگر باز آ جائیں گے تو مہر نہ لگے گی۔ اور اگر باز نہ آئیں گے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی جائے گی۔ اور دلوں پر مہر لگا دینا نہایت غفلت اور نصیحت و موعظت قبول کرنے کا دروازہ بند ہو جانے سے کنایہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۲۹۱ عَنْ أَبِي الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ ثَلٰثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ۔

حضرت ابو الجعد ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تین جمعے سستی سے چھوڑ دے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ وَأَحْمَدُ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ۔

ابو داؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی۔ اور مالک نے صفوان بن سلیم سے اور احمد نے ابو قتادہ سے روایت کی۔

لہ جعد جیم کی زبر عین معجمہ ساکن۔ الضمری ض کی پیش۔ میم کی زبر۔ یا ساکن۔ مشکوٰۃ کے نسخوں میں ایسا ہی ہے مگر صحیح اور درست ضمری ہے۔ یعنی ضاد کی زبر میم ساکن ضمرۃ بن بکر بن عبد مناۃ کی طرف نسبت ہے انکو شرف صحبت حاصل

ہے۔ جیسا کہ کتاب جامع الاصول میں مذکور ہے۔

ت۲ یعنی جمعہ کو معمولی، حقیر اور ہلکا جانتے ہوئے اسے ترک کردے۔ ظاہر یہ ہے کہ تہاون سے یہاں اس کی ادائیگی میں سستی اور کوشش نہ کرنا مراد ہے۔ اس کی اہانت اور اسے ہلکا جاننا مراد نہیں کیونکہ یہ بلا شبہ کفر ہے۔ یہاں اس سے یہ بھی مراد ہے کہ جمعہ کو سستی سے چھوڑنا گناہ عظیم ہے جو مہر اور زنگ اور کفر تک پہنچانے کا باعث بن سکتا ہے۔

ت۳ رزین کی روایت میں آیا کہ بری اللہ تعالیٰ منہ۔ کہ خدا تعالےٰ اس بندے سے بیزار ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے مسلسل کئی جمعے ترک کر دیے اس نے دین اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔

ت۴ سُلیم سین کی پیش سے۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔

ت۵ آپ جلیل القدر تابعی ہیں۔ اہل مدینہ سے ہیں۔ عبادت و ریاضت میں مشہور ہیں۔ اور نیک اور مقبولان الٰہی میں سے ہیں۔ جن کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگی جاتی ہے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ کثرت سجود کی وجہ سے آپکی پیشانی مبارک میں سوراخ ہو چکا تھا۔ آپ بڑے قناعت پسند تھے۔ کسی بادشاہ کا ہدیہ تحفہ قبول نہ کرتے تھے لکھتے ہیں کہ آپ نے قسم کھا رکھی تھی کہ چالیس سال تک پہلو زمین پر نہ رکھیں گے (نہ سوئیں گے) جب تیس برس گزر گئے تو آپ بیمار پڑ گئے اور حالت نزع کو پہنچ گئے۔ آپکی صاحبزادی نے عرض کیا پہلو زمین پر رکھیے۔ کہ وقت نازک ہے۔ مگر آپ نے پہلو زمین پر نہ رکھا اور بیٹھے بیٹھے جان دے دی۔ آپ کے بارے میں یہ لکھا گیا ہے کہ آپ تقدیر کے زبردست قائل تھے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۹۲ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ بِغَيْرِ عُذْرٍ فَلْيَتَصَدَّقْ بِدِيْنَارٍ فَاِنْ لَمْ يَجِدْ فَبِنِصْفِ دِيْنَارٍ ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ ۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ بغیر عذر کے ترک کیا[۱] چاہیے کہ وہ ایک دینار صدقہ کرے۔ اگر ایک دینار نہ ملے تو نصف دینار صدقہ کرے[۲]۔

(احمد۔ ابوداؤد)

(ابن ماجہ)

ت۱ یعنی ان عذروں میں سے کوئی عذر موجود نہ تھا جن سے جمعہ ساقط ہوتا ہے اس کے باوجود اس نے جمعہ ترک کیا اور نماز ظہر پر اکتفا کی تو اسے چاہیے کہ ایک دینار صدقہ کرے۔

سلہ اگر کہا جائے کہ یہ جمعہ کے فرض نہ ہونے کی علامت ہے۔ کیونکہ فرض حکم کی تلافی کفارہ سے نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جمعہ فرض ہے مگر اصل فرض نماز ظہر ہے۔ مگر ہمیں حکم ہے کہ جمعہ کے لیے معتبر شرائط کی موجودگی میں جمعہ ادا کر کے نماز ظہر اپنے ذمہ سے ساقط کریں۔ اور جمعہ کے بجائے ظہر پر کفایت کرنا حرام ہے۔ یہ صدقہ اس فعل حرام کے کفارہ کے لیے ہے اور اس کوتاہی کی تلافی کے لیے ہے۔ جو فرض کی ادائیگی میں اس سے سرزد ہوئی۔ اسے خوب سمجھ لو۔

۱۲۹۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جمعہ اس کے ذمہ ہے جس نے اذان سنی سلہ

(ابوداؤد)

سلہ یعنی اذان سننے کے وقت جمعہ کی طرف جلدی آنا واجب ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ مراد اذان اول ہے یا اذان خطبہ مختار قول اول ہے۔ بعض نے کہا قول ثانی مختار ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ دوسری اذان ہی تھی۔ اس کی تفصیل باب خطبہ و نماز میں آئے گی۔

۱۲۹۴ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ آوَاهُ اللَّيْلُ إِلٰى أَهْلِهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ إِسْنَادُهُ ضَعِيْفٌ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جمعہ اس پر واجب ہے جسے اس کی رات اس کے اہل کے پاس ٹھکانا دے سلہ ترمذی نے کہا اس کا اسناد ضعیف ہے۔

سلہ یعنی اس پر فرض ہے جو اپنے وطن میں اور اس جگہ ہو کہ جمعہ ادا کرنے کے بعد رات ہونے سے پہلے واپس اگر اپنے اہل و عیال میں رات بسر کر سکتا ہو اسے مسافت سودی کہتے ہیں۔ بخلاف شہر کی مسافت کہ اس سے وہ مسافر شمار ہوتا ہے۔ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا امام ابوحنیفہ کے صاحب اس کے قائل ہیں۔ بشرطیکہ اس کا وطن (جہاں رہائش ہے) شہر کی حدود میں ہو۔ جس میں جمعہ ادا کیا جاتا ہو۔ اور اگر اس کا وطن اس شہر کی حدود و متعلقات میں سے نہ ہو بلکہ وہ دوسرے کسی شہر سے متعلق ہو تو پھر اس پر آنا واجب نہ ہوگا۔

۱۲۹۵ وَعَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت طارق بن شہاب سلہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ ہر

وَسَلَّمَ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِىْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَّمْلُوْكٍ اَوِ امْرَاَةٍ اَوْ صَبِىٍّ اَوْ مَرِيْضٍ۔

مسلمان پر باجماعت[۲] حق[۳] فرض ہے سوائے چار شخصوں کے مملوک غلام[۴]۔ عورت[۵]۔ بچہ اور بیمار۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَفِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ رَّجُلٍ مِّنْ بَنِىْ وَائِلٍ۔

ابوداؤد اور شرح سنۃ بالفاظ مصابیح بنی وائل کے ایک شخص سے[۶] روایت کی۔

[۱] آپ قبلہ احمس سے ہیں کوفی ہیں۔ جاہلیت کا زمانہ پایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی نصیب ہوئی مگر آپ سے حدیث سننا بہت کم میسر آیا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۲۳ یا ۲۴ غزوات میں شامل ہوئے۔ آپ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے احادیث روایت کرتے ہیں ۸۲ھ یا ۸۳ھ میں انتقال فرمایا۔

[۲] یعنی نماز جمعہ کے لیے جماعت فرض ہے۔ بے جماعت جمعہ درست نہیں۔

[۳] یعنی ایک وہ غلام جو کسی کی ملک و تصرف میں ہو۔ اس علت کے باعث جمعہ اس کے ذمہ سے ساقط ہے۔

[۴] ایک تو فاقد کے حق کے لیے۔ دوسرے اجتماع جمعہ میں نامحرموں کے موجود ہونے کی وجہ سے۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں عورتیں نماز باجماعت میں آتی تھیں۔ لیکن مردوں کے ہجوم کے باعث جمعہ کی فرضیت ان سے ساقط کردی گئی۔

[۵] یعنی نابالغ بچہ کہ وہ احکام شرع کا مکلف نہیں۔

[۶] اس کے ضعف اور کمزوری کے باعث۔ اسی طرح مسافر پر بھی فرض نہیں تاکہ اس کا نقصان نہ ہو۔ اسی طرح نابینا اور لنگڑے پر بھی فرض نہیں جیساکہ احادیث میں آیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ان لوگوں پر سے جمعہ کی فرضیت کا اسقاط بطریق ترخیص سے وقوع پذیر ہوا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۳۹۰ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رَجُلًا يُّصَلِّىْ بِالنَّاسِ ثُمَّ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا جو نماز جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں کریں چاہتا ہوں کسی شخص کو حکم دوں وہ لوگوں

اُحَرِّقَ عَلٰی رِجَالٍ یَّتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُیُوْتَهُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کہ نماز پڑھا لے پھر ان لوگوں پر جو جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں ان کے گھروں میں آگ لگا دوں۔ (مسلم)

لہ اور ان کی امامت کرے۔

لہ پھر خود میں اس کام میں مشغول ہو جاؤں کہ جو لوگ جمعہ کے لیے حاضر نہیں ہوتے آگ لگا کر ان کے گھروں کو جلا دوں اس حدیث کی طرح نماز عشاء سے پیچھے رہ جانے والوں کے لیے بھی اس کے باب میں گزرا ہے۔ اور لفظ اُحَرِّقَ تشدید و تخفیف تحریق سے یا احراق سے مشتق دونوں روایتیں ہیں۔

لہ اس حدیث میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ امام کو اگر کوئی ضروری کام درپیش ہو تو کسی کو خلیفہ بنا کر خود اس کام میں مشغول ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حج کے سال اول میں جب اس کی فرضیت ہوئی ﴿کہ﴾ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائیگی حج کے لیے اپنا خلیفہ مقرر کیا۔

۱۲۹۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ بِغَيْرِ ضَرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِیْ كِتَابٍ لَّا يُمْحٰی وَلَا يُبَدَّلُ وَفِیْ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ ثَلَاثًا۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بلا ضرورت و مجبوری جمعہ ترک کر دے وہ ایسی کتاب میں منافق لکھا جاتا ہے جو نہ مٹائی جا سکتی ہے نہ اس میں تبدیلی ہو سکتی ہے اور بعض روایات میں تین دفعہ ہے۔ (شافعی)

لہ یعنی کس طرح شمار ہوتا ہے۔

لہ یعنی نفاق کا حکم اس کے لیے ہمیشہ اور دائماً ثابت و قائم ہو جاتا ہے۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کرے یا اسے معاف کرے۔

لہ یعنی مسلسل تین جمعے ترک کرنے پر۔

۱۲۹۸ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور دن قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھنا فرض ہے مگر بیمار پر، مسافر پر، عورت

مَرِيْضًا اَوْ مُسَافِرًا اَوْ اِمْرَأَةً اَوْ صَبِيًّا اَوْ مَمْلُوْكًا فَمَنِ اسْتَغْنٰى بِلَهْوٍ اَوْ تِجَارَةٍ اِسْتَغْنَى اللّٰهُ عَنْهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔

(رَوَاهُ الدَّارَ قُطْنِيُّ)

بچے پر یا غلام پر تو جو شخص کھیل کود کی وجہ سے نماز جمعہ اور عبادت مولیٰ تعالیٰ سے بے نیاز ہو گیا اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور لائق حمد و ثنا ہے۔

(دار قطنی)

۱؎ یا اسے چاہیے کہ جمعہ کے اندر نماز جمعہ اپنے اوپر لازم جانے اور اسے ترک نہ کرے۔

۲؎ کہ نہ اس پر مہربانی کرتا ہے نہ اسے بلاتا ہے۔

۳؎ یعنی خدا تعالیٰ بندوں اور ان کی طاعت سے بے نیاز ہے۔ لوگوں کی بندگی سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور وہ ان بندوں کی ثنا کرتا ہے جو اس کی بندگی کرتے اور اس کا شکر بجا لاتے ہیں۔

بَابُ التَّنْظِيْفِ وَالتَّبْكِيْرِ

صفائی و طہارت اور اول وقت میں جمعہ کو جانا

نظافت پاکیزگی۔ تنظیف پاک کرنا یعنی بدن کا پاک کرنا مراد ہے غسل سے اور لبیں کاٹنا۔ ناخن اتارنا۔ زیر ناف بال صاف کرنا۔ انگلیوں کے بال۔ نکھیرنا۔ کپڑے پاک کرنا اور خوشبو لگانا وغیرہ کہ یہ سب کام جمعہ کے روز سنت ہیں۔ اس کی تفصیل ابتداء میں کتاب میں فطرت کے بیان میں گزر چکی ہے۔ تبکیر کاف پر یا کی تقدیم سے اس کا اصل معنیٰ ہے صبح کے وقت آنا۔ کسی چیز کی طرف دوڑنا اور اس کے اول وقت میں اس کے پاس آنا۔ صبح کا وقت ہو یا کوئی اور وقت۔ یہاں اس کا معنیٰ ہے نماز جمعہ کے لیے اول وقت میں آنا۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہم لوگ اس ڈر سے کہ جمعہ کے لیے اول وقت میں پہنچنا فوت نہ ہو جائے۔ نماز جمعہ سے پہلے نہ کھانا کھاتے تھے نہ قیلولہ کرتے تھے۔ ہر چیز کے اول حصہ کو باکورہ کہتے ہیں۔ جس طرح سب سے اگنے والے پھل کو باکورہ کہتے ہیں۔ حدیث میں تبکیر کی نسبت قریب قریب ہر نماز کی طرف آئی ہے۔ لہذا تبکیر جمعہ کی حقیقت یہ ہے کہ جمعہ کے لیے اول وقت میں پہنچنے کے لیے جلدی کرنا۔ اور اس کے مختلف مراتب ہیں جیسا کہ آگے حدیث میں آئے گا۔ اور اگر جمعہ کے لیے اول دن میں آ جائے تو بہت اکمل و افضل ہے۔ جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ نے احیاء میں بعض سلف سے نقل کیا کہ وہ صبح کے وقت ہی آ جاتے تھے۔ اس لیے نہیں کہ وہ لفظ تبکیر کو صبح پر محمول کرتے تھے بلکہ وہ نماز جمعہ کے لیے آنے میں

جلدی اور مبالغہ سے کام لیتے تھے۔ اس لیے وہ صبح کو ہی آجاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں آجکل (حضرت شیخ قدس سرہ کے زمانہ میں) یہ عادت ہے کہ لوگ سویرے سویرے آتے جگہ گھیرتے مصلے بچھاتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ بیٹھتے نہیں۔ بعض علماء نے اسی لیے اس فعل پر اعتراض کیا اور کہا ہے کہ یہ لوگوں کے لیے جگہ تنگ کرنا ہے۔ ہاں اگر بیٹھ جائیں اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائیں تو بہت اچھی بات ہے۔ ورنہ صرف جگہ کا گھیر لینا جگہ تنگ کرنے کو مستلزم ہے جو ایک غیر مستحسن فعل ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۲۹۹ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهٖ اَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهٖ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَا كُتِبَ لَهٗ ثُمَّ يُنْصِتُ اِذَا تَكَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

پہلی فصل

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص جمعہ کے دن غسل کرلے[1] اور بقدر طاقت صفائی کرلے[2] اور اپنے تیل میں سے کچھ لگائے[3] یا اپنے گھر کی خوشبو مل لے[4]۔ پھر مسجد کو چلے۔ تو دو شخصوں کو الگ نہ کرے پھر جو تقدیر میں لکھی ہے وہ نماز پڑھے۔ پھر جب امام خطبہ پڑھے تو خاموش رہے [illegible] کہ اس کے وہ گناہ جو اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان ہیں [illegible] نہ بخش دیے جائیں

(بخاری)

[1] یعنی نماز جمعہ کے لیے۔

[2] بغیر اس کے کہ وسوسہ و اسراف میں مبتلا ہو۔

[3] یدّھن دال کی شد سے۔ یعنی روغن اور تیل جو اسے اپنے گھر سے بے تکلف میسر آجائے۔ دھن دال کی زبر اور ہا ساکن۔ اذّھان شد سے اپنے اوپر تیل ملنا۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ گھر تیل اور خوشبو سے خالی نہ ہونا چاہیے۔ یا یہ کہ جمعہ اور دوسری مجالس اور اچھے مجموں کیلیے تیل کا استعمال مستحسن ہے۔

[4] یعنی اگر تیل میسر نہ آئے تو گھر میں خوشبو ہو تو وہی مل لے۔ یا کلمہ او۔ واو کے معنی میں ہے یا یہ راوی کا شک ہے۔ یہاں روغن سے بھی خوشبو مراد ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روغن کردہ

خوشبو میں داخل ہے حتیٰ کہ احرام والا اسے نہیں لگا سکتا۔

ھ یعنی وہ دو آدمی جو کہ صف میں بیٹھے ہوئے ہوں اور ان کے درمیان کسی اور کے بیٹھنے کی گنجائش نہ ہو وہ انہیں دھکا دیکر ان کے درمیان گھس کر نہ بیٹھے۔ یا جدا کرنے سے مراد یہ ہے کہ اپنا قدم ان کے درمیان سے گزار سے اور ان سے آگے جائے۔ بلکہ چاہیے کہ خالی جگہ پہ بیٹھے اور جدا کرنے اور گردنوں پر قدم رکھنے کے بغیر صف اول یا اس کے نزدیک بیٹھنا میسر آ جائے تو بہتر ہے۔ در حقیقت یہ اس جانب اشارہ ہے کہ اول وقت میں ہی جمعہ کے لیے آ جانا چاہیے۔ تاکہ تفریق کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

لہ یعنی نوافل۔ بعض اسے سنت جمعہ پر محمول کرتے ہیں۔ علماء کا جمعہ سے پہلی سنتوں میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ ان کا منکر ہے اور کہتا ہے کہ جو لوگ سنت قبل جمعہ ثابت کرتے ہیں وہ ظہر کی سنتوں پر قیاس سے ثابت کرتے ہیں۔ اور سنت قیاس سے ثابت نہیں ہوتی۔ باب السنن میں اس کی جانب اشارہ گزر چکا ہے۔ ہم نے شرح سفر السعادۃ میں اسے ثابت کیا ہے۔ اور وہاں اس بارے میں ہم نے طویل کلام کیا ہے۔ اس حدیث کی عبارت بھی قدرے اس گروہ کے موقف کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ کیونکہ غالب واکثر یہ ہے کہ اس قسم کا انداز بیان نوافل کے لیے ہوتا ہے اور غیر روایت میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ باب تطوع کے اول میں حدیث بلال میں گزرا۔

کہ یعنی جب خطبہ پڑھے۔ اور لفظ ینصت یا کی پیش سے یا انصات بمعنی سکوت و خاموشی اور کان لگانے سے ہے۔ اور یا کی زبر بھی جائز ہے۔ وقت خطبہ میں خاموشی اختیار کرنا احناف اور اکثر علماء کے نزدیک ضروری ہے۔ اس کی تفصیل دوسری حدیث کی شرح میں ہم لائیں گے۔

ھ جیسا کہ دوسری احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔

۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَصَلّٰى مَا قُدِّرَ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَعَهٗ غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى وَفَضْلُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو غسل کرے پھر جمعہ کو آئے پھر جو مقدر میں ہو نماز پڑھے۔ پھر خاموش بیٹھے حتیٰ کہ امام خطبہ سے فارغ ہو جائے پھر اس کے ساتھ نماز پڑھے تو اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان اور تین دن[۱] زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (مسلم)

لے یہ زیادتی اس بنا پر ہے کہ ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے اور جمعہ سے جمعہ تک سات دن ہوئے تین دن اور بڑھائے تو دس ہو گئے۔ اور لفظ فضل پیش اور زبر دونوں طرح درست ہے۔

۱۳۰۱ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ وَمَنْ مَسَّ الْحَصَا فَقَدْ لَغَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا پھر جمعہ کے لیے آیا اور کان لگا کر سنا اور خاموشی اختیار کی تو اس کے درمیان سے اگلے جمعہ اور اس کے بعد تین دن تک کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور جس نے کنکریوں کو چھوا تو اس نے لغو کام کیا۔ (مسلم)

لے اور انہیں ہاتھ لگایا اور درست کیا۔ تو اس نے لغو فعل کیا لغو لایعنی اور باطل کلام کو کہتے ہیں۔ خطبہ کے وقت کلام کرنا ممنوع ہے۔ کنکریوں کو چھونے کو لغو میں اس بنا پر داخل کیا اس سے بھی بندہ خطبہ سننے سے غافل ہو جاتا ہے جس طرح کلام کرنا بندے کی توجہ کو خطبہ سننے سے ہٹا دیتا ہے۔ کنکریاں چھونے سے ان سے کھیلنا یا بے ضرورت انہیں زمین پر ہموار کرنا مراد ہے۔ تاکہ وہ ان پر سجدہ کرے۔ بعض نے کہا اس سے سنگریزوں کو گھمانا اور تسبیح شمار کرنا مراد ہے اور یہ خطبہ کے دوران کلام کرنے سے روکنے سے زیادہ مناسب ہے۔

۱۳۰۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلٰئِكَةُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِيْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں وہ پہلے آنے والے پھر پہلے آنے والے کو لکھتے ہیں[1] اور جمعہ کے لیے اول وقت[2] آنے والا اس شخص کی طرح ہے جو اونٹ کی قربانی بھیجنے والے کی طرح ہے پھر اس شخص کی طرح جو قربانی کے لیے گائے بھیجے پھر اس شخص کی طرح جو قربانی کے لیے دنبہ بھیجے پھر اس شخص کی طرح جو مرغی صدقہ کرے۔ پھر اس کی طرح جو انڈا صدقہ کرے پھر جب امام خطبہ کے لیے آتا ہے تو ملائکہ اپنے صحیفے لپیٹ لیتے ہیں اور ذکر سننا شروع کر دیتے ہیں۔ اور مسلم کی

ایک روایت میں فاذا جلس الامام یعنی جب امام بیٹھ جائے

۱۔ یعنی آنے والوں کو ترتیب وار لکھتے جاتے ہیں۔

۲۔ یعنی اول وقت آنے والے کا قصہ اور حال اس شخص کی طرح ہے کہ مکہ شریف قربانی کے لیے اونٹ بھیجے جو سب سے افضل قربانی ہے۔ مُہَجِّر میم کی پیش ھا کی زبر اور جیم مشدد کی زیر سے یعنی وہ آدمی جو سخت گرمی کے دن دوپہر کو یعنی اول وقت باہر نکلے۔ بَدَنہ تینوں زبروں سے وہ اونٹ جو مکہ بھیجا جائے۔ اس کی جمع بُدُن ہے۔

۳۔ یعنی پھر اس شخص کا حال جو ان کے بعد آتا ہے اس شخص کے حال کی طرح ہے جو گائے بھیجتا ہے۔ بدنہ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک اور امام شافعی رحمۃ اللہ بھی انہیں میں سے ہیں) اونٹ کا نام ہے۔ یہ حدیث اس کی مؤید ہے کیونکہ اس حدیث میں بقرہ (گائے) بدنہ کے بالمقابل ذکر ہوئی ہے۔ مگر جمہور اہل لغت اور بعض فقہا کہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل ہیں، کے نزدیک بدنہ گائے کو بھی شامل ہے۔ جوہری نے کہا بدنہ اس ناقہ یا گائے کا نام ہے جو مکہ میں ذبح کی جاتی اسے بدنہ اس لیے کہتے ہیں کہ اسے فربہ کرتے ہیں اور وہ خوب تن دار ہوتا ہے۔ تاہم یہاں حدیث میں بدنہ سے مراد اونٹ ہے۔ کیونکہ اس کے مقابلہ میں بقرہ کا ذکر الگ آیا ہے۔

۴۔ یعنی اس کے بعد آنے والے شخص کا حال اس شخص کی طرح ہے جو بکری بھیجے۔ کبش (دنبہ) کا لفظ اس لیے آیا کہ وہ بکری کی اقسام میں سب سے افضل ہے۔

۵۔ دَجاجہ (مرغی) دال کی زبر اور زیر۔ بعض دال پر پیش پڑھتے ہیں۔ مگر زبر زیادہ فصیح ہے۔

۶۔ یعنی خطبہ

۱۔ اسکی صورت یہ ہے کہ جب امام خطبہ کے لیے نکلتا ہے تو ملائکہ صحیفے لپیٹنا شروع کر دیتے ہیں اور جب امام منبر پر بیٹھ جاتا ہے تو ملائکہ لپیٹنے کے کام سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہاں سوال وجواب کے اعتبار سے کافی گفتگو ہے جو شرح میں ذکر کی گئی ہے۔

۳۔ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِکَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اَنْصِتْ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تو نے اپنے ساتھی سے جمعہ کے دن کہا۔ "خاموش ہو" اور امام خطبہ دے رہا ہو تو تو نے لغو کلام کیا۔۱ (بخاری ومسلم)

۱۔ کیونکہ تو نے خطبہ کے دوران کلام کیا۔ جو منع ہے پھر دوسرے کو خاموش رہنے کی تلقین کرنا مگر خود خاموش نہ ہونا بھی برا ہے۔ اور اس میں داخل ہے۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ (وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کے وقت کلام کرنا منع ہے اگرچہ امر معروف اور نہی منکر ہی ہو کیونکہ مقصد بیان کرنے کے لیے اشارہ کافی ہے۔ کلام کرنا عبث فعل ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کے دوران خاموشی اختیار کرنا واجب ہے۔ اس مقام میں تفصیل کلام یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک اور امام ابو حنیفہ بھی ان میں سے ہیں، خاموش رہنا واجب ہے۔ بعض کے نزدیک مستحب ہے امام شافعی ان میں سے ہیں۔ کتاب مواہب لدنیہ میں کہا کہ اس بارے میں امام شافعی کے دو قول ہیں اسی طرح امام احمد سے بھی دو قول آئے ہیں۔ اور ابن عبدالبر نے خاموشی کے وجوب پر اجماع نقل کیا۔ سوائے تھوڑے سے تابعین کے۔ ان تھوڑے سے تابعین کا قول غریب ہے۔ ابن عبدالبر کا کلام ختم ہوا۔

ترمذی نے کہا اہل علم نے خطبہ کے دوران بولنے کو مکروہ کہا ہے اور چھینک کے جواب دینے میں اختلاف ہے۔ بعض کراہت کے قائل ہیں بعض مترددہیں۔ ترمذی کا کلام ختم ہوا۔

اس بارے میں احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ امام کے خطبہ کے لیے نکلنے سے نماز شروع ہونے تک نماز اور کلام دونوں حرام ہیں اگر کوئی نماز میں ہو اور امام خطبہ شروع کر دے تو وہ دو رکعت پر نماز ختم کر دے صاحبین کے نزدیک امام کے نکلنے اور خطبہ شروع کرنے سے پہلے کلام کر لینے میں حرج نہیں۔ اسی طرح منبر سے اتر آنے اور تکبیر تحریمہ شروع ہونے سے پہلے بھی کلام کرنے میں حرج نہیں کیونکہ کراہت اس لیے ہے کہ خطبہ سننے میں فرق نہ آئے۔ اور ان دو اوقات میں سننے کی کوئی چیز نہیں۔ ترمذی ایک حدیث لائے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام کے منبر سے اترنے کے بعد کلام کر لینے کی گنجائش ہے۔ البتہ اس وقت نماز پڑھنا درست نہیں کیونکہ نماز کے لیے زیادہ وقت درکار ہوتا ہے جو شاید اس وقت میسر نہ آئے اور امام کے خطبہ شروع کرنے تک اسے ختم نہ کر سکے۔

دوران خطبہ نماز و کلام دونوں چیزوں کے حرام ہونے میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو ان دونوں کے بارے میں آئی ہے۔ پھر گفتگو بھی ایک ایسا فعل ہے کہ بعض اوقات خطبہ شروع ہو جانے کے باوجود تقاضائے طبیعت اس کا ختم کرنا میسر نہیں آتا۔ بلکہ انسان گفتگو جاری رکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اور امام مالک نے مؤطا میں روایت اِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ فَلَا صَلٰوۃَ وَلَا کَلَامَ۔ جب امام خطبہ کے لیے نکل آئے تو پھر نہ نماز جائز ہے نہ کسی قسم کی گفتگو۔ صحابہ کے اقوال بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ اور احناف کے نزدیک صحابی کا قول حجت و دلیل ہے۔ اور اس کی تقلید واجب ہے۔ علماء نے کہا کہ یہاں نماز سے نفل نماز مراد ہے۔ فوت شدہ فرض کی قضا اس وقت مکروہ نہیں۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ اگر ایک شخص دور بیٹھا ہوا ہے کہ خطبہ کی آواز اس تک نہیں پہنچتی کیا اس کے لیے بھی نماز و کلام منع ہے یا نہیں۔ مختار و پسندیدہ یہی ہے کہ اس کے لیے بھی خاموش رہنا واجب ہے۔ بعض نے کہا اس شخص کے لیے بہتر و مستحسن یہ ہے کہ ذکر و تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے مگر کھانا پینا اس کے لیے بھی حرام ہے۔ اور

چھینک اور سلام کا جواب اس کے لیے مکروہ ہے اور امام ابو یوسف سے ایک روایت کے مطابق مکروہ نہیں کیونکہ ان امور کا جواب دینا فرض ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سوائے خطبہ کے ہر وقت ان کا جواب دینا فرض ہے۔ خطبہ میں جواب دینے کی اجازت نہیں مگر درود شریف اپنے دل میں بھیجے تاکہ خطبہ سننے سے مشغول و مصروف نہ ہو درست و صواب بات یہی ہے یوں ہی چھینک کے وقت الحمد للہ کہنا اور آنکھ و ہاتھ کے اشارے سے برائی سے روکنا مکروہ نہیں یہی صحیح ہے۔ کتاب پر نگاہ ڈالنے اور قلم سے اس کی اصلاح کرنے میں امام ابو یوسف سے ایک روایت آئی ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا۔ تحیۃ المسجد کے بارے میں باب خطبہ کے آخر میں انشاء اللہ تعالیٰ گفتگو آ رہی ہے۔

۱۳۰۴ — وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقِيْمَنَّ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ يُخَالِفُ اِلٰى مَقْعَدِهٖ فَيَقْعُدُ فِيْهِ وَلٰكِنْ يَقُوْلُ افْسَحُوْا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی آدمی جمعہ کے دن اپنے بھائی کو نہ اٹھائے پھر جا کر اس کی جگہ خود بیٹھ جائے بلکہ یوں کہے بیٹھنے کی جگہوں کو کشادہ کر دو[1] (مسلم)

[1] جیسا کہ قرآن مجید میں اس کا حکم آچکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۳۰۵ — عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ وَاَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَبِسَ مِنْ اَحْسَنِ ثِيَابِهٖ وَمَسَّ مِنْ طِيْبٍ اِنْ كَانَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَلَمْ يَتَخَطَّ اَعْنَاقَ النَّاسِ ثُمَّ صَلّٰى مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ اِذَا خَرَجَ اِمَامُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ كَانَتْ كَفَّارَةً

حضرت ابو سعید و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور اپنے بہترین کپڑے پہنے اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو اسے لگائے پھر جمعہ پڑھنے آئے۔ اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے پھر جو اس کے مقدر میں ہے نماز پڑھے۔ پھر جب امام نکلے تو خاموش رہے۔ حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو جائے تو اس جمعہ اور اگلے کے درمیان کا کفارہ ہو

لِمَا بَيْنَهَا وَ بَيْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِيْ قَبْلَهَا۔ ہو جائے گا

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ) (ابوداؤد)

ؔلہ بعض طرق حدیث میں غسل الجنابۃ کا لفظ آیا ہے۔ اکثر کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا غسل کرے جو اس کے تمام ارکان، شرائط، سنتوں اور آداب کا جامع ہو یعنی نہایت کامل اور صحیح غسل جس طرح کہ غسل جنابت کیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا یہ جمعہ کے روز جماع کے مستحب ہونے سے کنایہ ہے تاکہ اس کے باطن کو تخلیہ اور نفس کو ردی خیالات سے تسکین حاصل ہو جائے اور حرام نگاہ اٹھانے کا دروازہ بند ہو جائے۔ اسی معنیٰ کی تائید کرتی ہے وہ روایت جو لفظ غسل کو شد سے پڑھنے کے بارے میں آئندہ حدیث میں آ رہی ہے۔

ؔ۲ ظاہر یہ ہے کہ اس سے وہ کپڑے مراد ہیں جو اس کے نزدیک نفیس تر، نہایت خوبصورت اور اسے بہت اچھے لگتے ہو۔ بشرطیکہ شرعاً ممنوع نہ ہوں۔ بعض نے کہا اس سے سفید کپڑے مراد ہیں کیونکہ سفید کپڑے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محبوب ترین لباس ہے۔

ؔ۳ یعنی نماز نفل و سنت۔

۱۳۰۶/۸ وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ وَ بَكَّرَ وَ ابْتَكَرَ وَ مَشٰى وَلَمْ يَرْكَبْ وَ دَنٰى مِنَ الْاِمَامِ وَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ اَجْرُ صِيَامِهَا وَ قِيَامِهَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت اوس[۱] بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے روز نہلائے[۲] اور نہائے اور اول وقت[۳] جمعہ کے لیے پہلے اور جلدی کام کرے اور پیدل آئے سواری پر نہ آئے اور امام سے قریب[۴] بیٹھے اور کان لگا کر سنے اور کوئی بیہودگی نہ کرے تو اسے ہر قدم کے عوض ایک سال کے عمل یعنی روزوں اور شب بیداریوں کا ثواب[۵] ملے گا۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی) (ابن ماجہ)

ؔلہ آپ صحابی ہیں ثقفی ہیں، شام میں رہے اور وہیں انتقال فرمایا۔ یہ جمعہ کی فضیلت اور اس کے غسل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

ؔ۲ حدیث میں لفظ غسل سین کی شد اور غیر شد دونوں طرح روایت ہے، شد کی صورت میں مبالغہ کا احتمال

ہے یعنی اچھی طرح نہاتا۔ اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اپنی عورت کو غسل پر آمادہ کرنا مراد ہو۔ جب کہ وہ سنے قبل جمعہ اس سے جماع کیا ہو۔ اور اگر شد کے بغیر ہو تو پھر اغتسل اس کی تاکید کے لیے ہوگا۔ یا غسل سے سر کو خطمی وغیرہ سے دھونا مراد ہے۔ کیونکہ عربوں کے سر پر بال بہت ہوتے ہیں جنہیں دھونے میں انہیں دقت پیش آتی ہے اور لفظ اغتسال سے سارے بدن کا دھونا مراد ہے۔

۳ بکر شد سے یعنی نماز جمعہ کے لیے اول وقت میں آئے اور خطبہ کے ابتداء میں ہی پہنچ آئے اور لفظ ابتکر یا تو اس کی تاکید ہے اور بعض نے کہا بکر کا معنیٰ ہے جمعہ کے لیے نکلنے سے پہلے کچھ صدقہ کرے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بکر کا معنیٰ ہے پہلی ساعت میں چلا گیا۔ ابتکر کا معنیٰ ہے اول وقت میں جانے والوں جیسا کام کیا یعنی نماز و ذکر میں مصروف بعض نے کہا بکر کا معنیٰ ہے دوسرے کو اول وقت جمعہ کے لیے جانے پر آمادہ کیا۔

۴ لوگوں کی گردنیں پھلانگنے کے بغیر۔

۵ یعنی کوئی لا یعنی بات نہ کی یعنی خاموشی اختیار کی۔

۶ یعنی اس عمل کا ثواب اسطرح ہے جیسے وہ صائم الدہر اور قائم اللیل ہے۔ یہ خاصیت نماز جمعہ کے ساتھ مخصوص ہے جب کہ مذکورہ شرائط سے اسے ادا کیا جائے۔ اسی طرح مسجد میں پنجگانہ نماز کے لیے آنے پر درجات بلند ہوتے، نیکیاں لکھی جاتی اور گناہ مٹائے جاتے ہیں۔ مگر جمعہ میں ہر قدم پر ایک سال کے قیام لیل اور دن کے روزوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور کتاب سفر السعادۃ میں روز جمعہ کی خصوصیات جمع کی گئی ہیں۔ ان کے ساتھ کچھ اور اضافے شرح میں ذکر کیے گئے ہیں۔ وہاں دیکھے جائیں۔

۱۳۰۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلٰى اَحَدِكُمْ اِنْ وَجَدَ اَنْ يَّتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوٰى ثَوْبَيْ مِهْنَتِهٖ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کے لیے کوئی حرج اور نقصان کی بات نہیں[1] کہ جمعہ کے دن کے لیے دو کپڑے بنائے، کام کاج کے دو کپڑوں کے علاوہ[2]۔ ابو داؤد، ابن ماجہ اور مالک نے یحییٰ بن سعید سے[3] روایت کی۔

۱ یعنی اس پر کوئی حرج و نقصان نہیں کہ تم لوگ جمعہ کے لیے دو کپڑے بنا لو اور انہیں مہیا کر لو۔

۲ حدیث میں لفظ مہنتہ آیا ہے میم کی زبر و زیر دو ہا ساکن یعنی خدمت و کام کاج، مراد وہ کپڑے ہیں جو گھر میں ہر وقت پہنے جاتے ہیں اور انہیں پہن کر گھر کی خدمت اور کاروبار کیا جاتا ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص

حاجت و ضرورت سے زائد ایسی چیز بنائے جو اس کے کمال دینی سے متعلق ہو تو وہ زہد و ترک دنیا کے منافی اور مخل نہیں ہے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی دو کپڑے تھے جو جمعہ کے لیے مخصوص تھے ، آپ انہیں صرف جمعہ کے دن زیب تن فرماتے تھے ۔

۳ یعنی یحیی بن سعید انصاری تابعی ہے ۔

۱۳۰۸/۱۰ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحْضُرُوا الذِّكْرَ وَادْنُوا مِنَ الْاِمَامِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ يَتَبَاعَدُ حَتّٰى يُؤَخَّرَ فِي الْجَنَّةِ وَاِنْ دَخَلَهَا ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت سمرۃ بن جندب[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذکر یعنی خطبہ جمعہ کے لیے حاضر ہو اور امام کے قریب پہنچو کیونکہ بے شک انسان مسلسل دور ہوتا چلا جاتا ہے ، یہاں تک کہ جنت میں درجات عالیہ سے پیچھے رہ[۲] جاتا ہے ۔ اگرچہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے ۔[۳]

(ابوداؤد)

۱ سمرہ سین کی زبر میم کی پیش جندب جیم کی پیش ، نون ساکن دال کی پیش و زبر ۔ آپ مشہور صحابی ہیں کثیر الحدیث ہیں ان سے حضرت حسن بصری ابن سیرین روایت کرتے ہیں ، ۵۹ھ میں بصرہ میں فوت ہوئے آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے حاکم تھے ۔

۲ یعنی حصول فضائل کی جگہوں اور مواقع خیرات سے پیچھے ہٹتا رہتا ہے ۔

۳ اس میں بلند مراتب کے حصول کی ترغیب اور ادنیٰ و گھٹیا کاموں سے دور رہنے کی تاکید ہے ۔

ابیات

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق	باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو
تا از کنگرہ عرش میزنند صفیر	ندانمت کہ دریں دامگاہ چہ افتادست

اپنی ہمت بلند رکھو کیونکہ خدا اور مخلوق کے نزدیک تیری ہمت کے مطابق تیرا اعتبار و مقام ہے ۔ کارکنان قضاء و قدر تجھے کنگرہ عرش سے آواز دے رہے ہیں کہ ہمت بلند رکھو ۔ میں نہیں جانتا کہ تو اس دام گر دنیا میں کس چیز پر فریفتہ ہو چکا ہے ۔

۱۳۰۹/۱۱ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَخَطّٰى رِقَابَ

حضرت معاذ بن انس جہنی سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں

النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اتَّخَذَ جِسْرًا اِلٰی جَھَنَّمَ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

کو پھلانگا اس نے دوزخ کی طرف پل بنایا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور کہا یہ حدیث غریب ہے

لہ مشکوٰۃ کے نسخوں میں ایسا ہی آیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت سہل بن معاذ بن انس الجہنی سے روایت ہے کیونکہ حضرت معاذ صحابی ہیں اور ان کے باپ بھی صحابی ہیں۔ لہٰذا معاذ عن ابیہ درست نہ ہوگا۔ لیکن سہل بن معاذ تابعی ہیں اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ محدثین نے کہا ہے کہ سہل بن معاذ لین الحدیث ہیں اور ان کی احادیث فضائل درغائب میں حسن ہیں۔

لہ اس حدیث میں جزا بالشل کا بیان ہے کہ جس طرح اس نے لوگوں کو گزرگاہ بنایا۔ لوگ بھی اسے روز قیامت گزرگاہ بنائیں گے۔ اتَّخَذَ معلوم و مجہول دونوں طرح روایت ہے۔ اگر چہ بصیغۂ معلوم کی روایت زیادہ قوی ہے۔

۱۳۱۰/۱۲ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الْحُبْوَۃِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ۔

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن اکڑوں بیٹھنے سے منع فرمایا۔ جب کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو۔ (ترمذی، ابوداؤد)

لہ حدیث میں لفظ حُبْوَۃ آیا ہے جو بیٹھنے کا ایک قسم ہے۔ یہ پشت اور پنڈلیوں کو دونوں ہاتھوں یا کپڑے سے پیٹ کی طرف کھینچ کر بیٹھنے کی شکل ہے جس کا معنی لغت میں اکڑوں بیٹھنا ہے۔ جیسا کہ عربوں کی عادت ہے اور آجکل بھی اہل حرمین میں متعارف و مشہور ہے اور لفظ حُبْوَۃ حا کی زبر اور پیش اور زبر سے پڑھا گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حرم کعبہ کے سامنے اس طرح بیٹھتے تھے لیکن نماز کے وقت اس سے منع فرمایا۔ کہ اس طرح نیند آجاتی ہے۔ اور بندہ خطبہ سننے سے رہ جاتا ہے یا اس طرح بیٹھنے سے وضو ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

۱۳۱۱/۱۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا نَعَسَ اَحَدُکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَلْیَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِہٖ ذٰلِکَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جمعہ کے روز تم میں سے کسی کو اونگھ آجائے تو وہ اس جگہ سے کسی دوسری جگہ جا بیٹھے۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ) (ترمذی)

لے تاکہ غلبہ نیند دور ہو جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۳۱۲/۱۴ عَنْ نَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ یَقُوْلُ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّقِیْمَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَّقْعَدِہٖ وَیَجْلِسُ فِیْہِ قِیْلَ لِنَافِعٍ فِی الْجُمُعَۃِ قَالَ فِی الْجُمُعَۃِ وَغَیْرِھَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت نافع[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی کسی کو اس کی جگہ سے اٹھائے اور وہاں خود بیٹھ جائے۔ حضرت نافع سے کہا گیا[2] کہ کیا جمعہ میں فرمایا جمعہ میں اور غیر جمعہ میں[3] (بخاری و مسلم)

لے آپ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

۲ے کہ یہ ممانعت صرف جمعہ کے دن ہے، جیسا کہ دوسری احادیث میں آیا ہے۔

۳ے کیونکہ اس نہی کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو ایذا نہ پہنچے اور یہ جمعہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

۱۳۱۳/۱۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحْضُرُ الْجُمُعَۃَ ثَلٰثَۃُ نَفَرٍ فَرَجُلٌ حَضَرَھَا بِلَغْوٍ فَذٰلِكَ حَظُّہٗ مِنْھَا وَرَجُلٌ حَضَرَھَا بِدُعَاءٍ فَھُوَ رَجُلٌ دَعَا اللّٰہَ اِنْ شَاءَ اَعْطَاہُ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَہٗ وَرَجُلٌ حَضَرَھَا بِاِنْصَاتٍ وَّسُکُوْتٍ وَّلَمْ یَتَخَطَّ رَقَبَۃَ مُسْلِمٍ وَّلَمْ یُؤْذِ اَحَدًا فَھِیَ کَفَّارَۃٌ اِلَی الْجُمُعَۃِ الَّتِیْ تَلِیْھَا وَزِیَادَۃِ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ وَّذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ میں تین قسم کے لوگ آتے ہیں ایک شخص بیکار باتیں لے کر آتا ہے [illegible] یہی حصہ اس کا جمعہ سے [illegible] ہوتا ہے [illegible] کرتا ہے اگر اللہ چاہتا ہے تو اسے دیتا ہے چاہے تو نہیں دیتا۔ تیسرا وہ آدمی ہے جو نماز جمعہ میں خاموشی کے ساتھ کان لگا کر سننے کے لیے حاضر ہوتا ہے اور کسی کی گردن نہیں پھلانگتا اور نہ کسی کو ایذا دیتا ہے تو اس کا جمعہ اس کیفیت سے کفارہ بن جاتا ہے

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

اس سے متصل اگلے جمعہ اور اس سے آگے تین تک کے لیے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا جس نے ایک نیکی کی اسے اس کی مثل دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ (ابوداؤد)

لے یعنی لایعنی اور باطل باتیں وغیرہ

لے یعنی اس کے حصہ میں جمعہ اور جمعہ کے ثواب سے یہ لغو فعل ہی آتا ہے۔ اور وہ اس کے کمال سے محروم رہتا ہے۔

لے یعنی وہ جمعہ میں دعا مانگنے اور درگاہ خداوندی سے اپنے مطالب و مقاصد کا سوال کرنے کے لیے آتا ہے۔

لے تو اس کا معاملہ رد و قبول کے درمیان متردد ہوتا ہے۔

ھ یعنی گردنیں پھلانگ کر اور کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر اور اسی طرح کے اور کاموں سے کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

لے جیسا کہ دوسری متعدد احادیث میں گزر چکا ہے کہ یہ نیکی اس جمعہ سے گزشتہ جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور گزشتہ جمعہ کو اس جمعہ کے متصل کہنا درست ہے اگرچہ لفظ تَلِیْہَا کا ظاہر مفہوم آئندہ آنے والے جمعہ پر صادق آتا ہے۔

ے اور دوسرے جمعہ تک اس کے بعد اگلے تین روز کے لیے بھی کفارہ بننا اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ من جاء بالحسنۃ الخ۔ واضح ہو کر فعل لغو، دعا اور کان لگا کر سننا تینوں کام خطبہ کے وقت سے تعلق رکھتے ہیں۔ خطبہ کے دوران دعا یا تو دل و باطن میں ہوگی یا زبان سے مگروہ خود کردہ یا حرام ہے۔ لھٰذا اس کی بھی غالبًا ممانعت ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ پہلا امر دِ یقینًا بدعمل ہے۔ دوسرا نیکی اور بدی میں متردد ہے۔ اور تیسرا رضائے مولیٰ کا طالب ماسوائے اللہ سے کٹا ہوا یعنی مخلوق سے بھی اور اپنے نفس سے بھی اور یقینًا درگاہ حق میں مقبول ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ خطبہ کے علاوہ دوسرے وقت میں دعا مراد ہو۔ اسے سمجھو۔

۱۳۳۳ـ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو آدمی جمعہ کے دن امام کے خطبہ پڑھنے کے درمیان بولے تو وہ اس گدھے کی طرح ہے جو

اَسۡفَارًا وَ الَّذِیۡ یَقُوۡلُ لَہٗ اَنۡصِتۡ لَیۡسَ لَہُ الۡجُمُعَۃُ۔

(رَوَاہُ اَحۡمَدُ)

نے اپنے اوپر کتابیں اٹھائی ہوئی ہوں [1] اور جو دوسرے کو یہ کہے کہ خاموش رہ تو اس کا بھی جمعہ نہیں [2]

(احمد)

[1] یہ علم بے عمل اور مشقت و محنت برداشت کرنے کے باوجود (علم سے فائدہ نہ اٹھانے سے کنایہ ہے)

[2] یعنی اسے جمعہ کا ثواب نہ ملے گا۔ کیونکہ اس نے لغو اور ممنوع کام کا ارتکاب کیا۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا۔

۱۳۱۵/۱۷ وَعَنۡ عُبَیۡدِ بۡنِ السَّبَّاقِ مُرۡسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فِیۡ جُمُعَۃٍ مِّنَ الۡجُمَعِ یَا مَعۡشَرَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ اِنَّ ھٰذَا یَوۡمٌ جَعَلَہُ اللّٰہُ عِیۡدًا فَاغۡتَسِلُوۡا وَمَنۡ کَانَ عِنۡدَہٗ طِیۡبٌ فَلَا یَضُرُّہٗ اَنۡ یَّمَسَّ مِنۡہُ وَ عَلَیۡکُمۡ بِالسِّوَاکِ۔

رَوَاہُ مَالِکٌ وَ رَوَاہُ ابۡنُ مَاجَۃَ عَنۡہُ وَھُوَ عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ مُتَّصِلًا۔

حضرت عبید بن السباق رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت [1] ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعوں میں سے ایک جمعہ میں فرمایا اے مومنوں کے گروہ یہ وہ دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عید [2] بنایا ہے تو غسل کرو۔ اور جس کے پاس خوشبو ہو تو اسے کوئی نقصان نہیں [3] کہ اسے چھوئے۔ اور تم اس دن مسواک ضرور کرو۔

اسے مالک اور ابن ماجہ نے عبید بن سباق سے مرسلاً اور ابن ماجہ نے ہی ابن عباس سے متصل [4] سند سے روایت کیا۔

[1] سباق سین کی زبر اور شد سے۔ آپ حجازی تابعین سے ہیں۔ اور یہ حدیث بطریق ارسال روایت کرتے ہیں۔

[2] کہ اسے جشن و اجتماع و سرور کا دن بنایا۔

[3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ خوشبو نقصان نہ دے گی اس لیے فرمایا کہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ خوشبو لگانا عورتوں کی عادت ہے۔ مرد کے لیے اس کا استعمال نہ چاہیے۔

[4] تو یہ وہ مرسل ہے جسے سند سے قوت حاصل ہو گئی۔ اور وہ یقیناً مقبول ہے۔

۱۳۱۶/۱۸ وَعَنِ الۡبَرَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ حَقًّا عَلَی الۡمُسۡلِمِیۡنَ اَنۡ یَّغۡتَسِلُوۡا یَوۡمَ

حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کا جمعہ کے دن غسل کرنا حق و ثابت بات ہے

الْجُمُعَۃِ وَلْیَمَسَّ اَحَدُھُمْ مِّنْ طِیْبِ اَھْلِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَالْمَاءُ طِیْبٌ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

اور چاہیے کہ اپنے اہل کی خوشبو سے ہی کچھ ل لے [۱] اور اگر خوشبو میسر نہ آسکے تو پھر پانی ہی اس کے لیے خوشبو ہے [۲]۔ اسے احمد نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

لہ یعنی اپنی بیوی سے لے کر۔ یہ اس لیے فرمایا کہ عورتیں اپنے پاس خوشبو محفوظ رکھتی ہیں۔ اور اس جانب بھی اشارہ ہے کہ اگر مرد کے پاس خوشبو نہ ہو تو عورت سے لے کہ اس کا نفع بھی آخر عورت کو ہی پہنچے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سب اہل خانہ مراد ہوں۔

لہ کہ یہ بھی صفائی اور نظافت کا ذریعہ اور بدبو کو دور کر دیتا ہے۔

بَابُ الْخُطْبَۃِ وَالصَّلٰوۃِ

خطبہ اور نماز کا باب

خطبہ خا کی پیش سے مصدر ہے۔ اس کا اطلاق اس کلام پر ہوتا ہے جس سے کسی کے ساتھ ہم کلام ہوا اور عرف شرع میں اس کلام سے عبارت ہے جو ذکر، تشہد، درود اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہو۔ خطبہ نماز جمعہ میں شرط اور فرض ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک اس کی ادنیٰ مقدار فرض اتنے الفاظ ہیں جو تسبیح و تحمید پر مشتمل ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ کہ اس آیت میں مطلق ذکر فرمایا۔ یعنی مقدار کلام میں جسے خطبہ کہا جاسکے اور مختصر کلام میں جسے خطبہ نہ کہا جائے کوئی فرق نہ کیا۔ تو ثابت ہوا کہ مطلق ذکر شرط ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبے کے نام سے جو منقول و ماثور ہے اور جسے آپ نے ہمیشہ پڑھا، اس کا پڑھنا یا واجب ہے یا سنت۔ صحت جمعہ کے لیے اس کا پڑھنا شرط نہیں کہ اس کے بغیر کوئی ذکر کفایت نہ کرے۔ البتہ صاحبین رحمہما اللہ تعالےٰ یہ کہتے ہیں کہ خطبہ کے لیے ذکر طویل ہونا شرط ہے۔ جسے خطبہ کہا جائے اور عرف میں صرف سبحان اللہ اور الحمد للہ کو خطبہ نہیں کہتے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے کہا جب تک دو خطبے نہ پڑھے جائز ہی نہیں۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعلق منقول ہے کہ جب آپ خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے الحمد للہ کہا اور زبان رک گئی آپ منبر شریف پر سے نیچے اتر آئے اور نماز ادا فرمائی۔ اس پر کسی نے اعتراض نہ کیا۔ لہٰذا اس کے جواز پر اجماع ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ

کا قصہ یہ ہے کہ جب خلیفہ مقرر ہونے کے بعد آپ اُٹھے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے تو صرف الحمد للہ کہا اور آپ کی زبان رک گئی۔ اور فرمایا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اس مقام پر تشریف فرما ہو کر بہت کچھ فرما گئے ہیں۔ تمہیں باتونی امام کی نسبت عملی قدم اٹھانے والے امام کی زیادہ ضرورت و حاجت ہے۔ اور بہت نزدیک ہے کہ تمہارے سامنے خطبوں پر خطبے پڑھے جائیں گے۔ خدا تعالیٰ تمہاری مرادیں پوری کرے۔ یہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصہ کتب حدیث و فقہ میں کہیں بھی معلوم نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فصل اوّل

۱۳۱۷/۱ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِيْنَ تَمِيْلُ الشَّمْسُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جمعہ پڑھتے تھے جب سورج ڈھل پڑتا[۱]۔ (بخاری)

[۱] یعنی زوال کے وقت۔ یہ اس وقت تھا جب کہ گرمی شدید نہ ہوتی۔ شدید گرمی کے وقت ٹھنڈے وقت پڑھتے۔ جیسا کہ حضرت انس کی دوسری حدیث میں آرہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ زوال سے پہلے نہ پڑھتے۔ امام احمد سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے زوال سے پہلے ہی جمعہ پڑھ لینے کو جائز قرار دیا ہے۔ جس طرح نماز عید۔ علماء میں کسی نے بھی ان کے ساتھ اس میں موافقت نہیں کی۔

۱۳۱۸/۲ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَا كُنَّا نَقِيْلُ وَلَا نَتَغَدّٰى اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے[۱] فرماتے ہیں ہم لوگ نہ قیلولہ کرتے اور نہ صبح کا کھانا کھاتے مگر جمعہ کے بعد[۲]۔ (بخاری و مسلم)

[۱] آپ ساعدی انصاری ہیں۔ مشہور صحابی ہیں۔ قول مشہور کے مطابق مدینہ طیبہ میں جس صحابی کا وصال سب سے آخر ہوا وہ یہی ہیں۔ چنانچہ آپ ۹۱ھ میں فوت ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت آپ پندرہ سال کے تھے۔

[۲] یہ صحابی فرماتے ہیں ہم لوگ قیلولہ نہ کرتے اور نہ چاشت کا کھانا کھاتے مگر جمعہ پڑھنے کے بعد۔ قائلہ عین دوپہر کو کہتے ہیں اور قیلولہ دوپہر کی نیند کو۔ جیسا کہ قاموس میں ہے اور زہری نے کہا قیلولہ اور مقیل دوپہر کے آرام کو کہتے ہیں۔ نیند کرے یا نہ کرے۔ سنت قیلولہ کے قائم کرنے میں بھی اسی آخری معنی کا اعتبار ہے۔ یہ حدیث کسی

حد تک امام احمد کے مذہب کی تائید کرتی ہے لیکن درحقیقت حدیث پاک کا مقصد جمعہ کا اہتمام اور اس کے لیے جلدی کرنا ہے۔ تاکہ جمعہ کے لیے اول وقت میں پہنچ جائیں۔

۱۳۱۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شدید سردی ہوتی تو جلد[1] نماز پڑھ لیتے اور جب شدید گرمی ہوتی تو ٹھنڈی کر کے پڑھتے[2]۔ یعنی جمعہ کی نماز[3] (بخاری)

[1] یعنی اول وقت میں پڑھتے۔

[2] یعنی اول وقت کے بعد پڑھتے۔

[3] گویا یہ حدیث نماز جمعہ کے لیے آئی ہے، ورنہ ظہر نماز کا بھی یہی حکم ہے۔ جیسا کہ باب اوقات نماز میں گزرا۔

۱۳۲۰ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوَّلُهُ اِذَا جَلَسَ الْاِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ وَكَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سائب[1] بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں جمعہ کی اذان اول اس وقت ہوتی تھی جب کہ امام منبر پر آکر بیٹھ جاتا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانہ میں بھی[2] جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ نے تیسری اذان مقام زوراء[3] پر دینے کا اضافہ فرمایا[4]

[1] آپ کندی یا لیثی ہیں۔ بنی امیہ یا بنی عبد شمس کے حلیف ہیں۔ حجۃ الوداع میں اپنے باپ کے ساتھ حاضر ہوئے اس وقت آپ سات سال کے تھے۔ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں قلیل الحدیث ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدینہ کے بازار کا عامل مقرر کیا تھا۔ آپ ۸۰ھ یا ۹۱ھ میں فوت ہوئے ایک قول کے مطابق آپ مدینہ منورہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں۔

[2] اسی طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں بھی۔

[3] زوراء مسجد نبوی شریف کے قریب بازار مدینہ میں ایک بلند جگہ تھی۔

۴۵ واضح ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں سنت یہ تھی کہ جب آپ خطبہ کے لیے تشریف لاتے اور منبر پر جلوہ افروز ہو جاتے تو جمعہ کی اذان کہی جاتی تھی۔ اس سے پہلے وقت داخل ہونے کے وقت کوئی اذان نہ دی جاتی تھی یہی دستور زمانہ شیخین حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما میں بھی رہا۔ اس کے بعد جب امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی کثرت و ہجوم، ان کا دور دور سے آنا اور منتشر اور کام کاج میں مصروفیت کو ملاحظہ فرمایا، اس کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں سب لوگ مسجد میں حضور کی خدمت پاک میں حاضر رہتے تھے۔ تو آپ نے بہتر جانا کہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے بھی ایک اذان کہی جائے تاکہ لوگ دوڑ کر خطبہ کے وقت حاضر ہو جایا کریں۔ فقہاء کا اختلاف ہے کہ سعی کے واجب ہونے اور بیع و شراء کے حرام ہونے میں وقت خطبہ کی اذان کا اعتبار ہے کہ اصل شرع میں وہی اذان ہے یا کہ یہ اذان اول جو بعد میں جاری کی گئی۔ مگر وقت میں کہی گئی ہو صحیح تر بات یہ ہے کہ یہی بعد والی اذان معتبر ہے۔ کیونکہ اذان سے مقصود لوگوں کو وقت کی اطلاع دینا ہوتا ہے اور وہ اس سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ کتاب ہدایہ میں ہے۔

واضح ہو کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ دوسری (بعد والی) اذان کو بعض احادیث میں اذان ثالث کہا گیا ہے۔ یہ اس کے جاری ہونے کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔ کہنے کے لحاظ سے وہ پہلی ہے۔ بعض فضلاء کرام نے عبارت میں غرابت ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اول ثانی ہے اور ثانی اول۔ بعض احادیث میں اسے تیسری اذان کہا گیا ہے جیسا کہ کتاب مشکوٰۃ کی اس حدیث میں۔ اور یہ اقامت کو تیسری اذان کہنے کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ اور اقامت کو اذان معنی لغوی (اطلاع دینا) کے لحاظ سے کہا گیا۔ اقامت کو اذان کہنے کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں دو اذانیں بن جاتی ہیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اذان اول امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شروع ہوئی۔ اور امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک لگاتار جاری رہی۔ تاہم حضرت عمر کے زمانہ میں تو یہ محض اطلاع و اعلام کے لیے تھی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اسے بھی اذان کا نام دے دیا جائے۔ بہر صورت جو کچھ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے کیا اور جاری فرمایا ہے اسے بدعت نہ کہنا چاہیے۔ بلکہ اس پر بھی سنت کا اطلاق آیا ہے۔ جیسے سنت الخلفاء اور سنت شیخین [illegible] بعض علما کے کلام میں اس پر بدعت کا اطلاق اس بنا پر ہوا ہے کہ یہ ایک نئی چیز جاری ہوئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نہ تھی۔ اسے بدعت کہنے سے اس کی قباحت اور مذمت کرنا مقصود نہیں ہے۔ اور اگر اسے بدعت قرار دیا جائے تو یہ بدعت حسنہ ہوگی۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

اس کے بعد واضح ہو کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو اذان جاری ہوئی وہ یہی تھی جس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اور وہ اذان جو سنت کے وقت اذان اول کے بعد کہی جانے لگی وہ نہ زمانہ نبوت میں تھی نہ

صحابہ کے زمانہ میں اور نہ ان کے بعد اور اکثر ممالک اسلامیہ میں اس پر عمل بھی نہیں کیا جاتا۔ معلوم نہیں اسے کس نے نکالا اور جاری کیا۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ صرف اذان اول کہی جاتے۔ اور اسی کے ساتھ سنت ادا کی جائے۔ اور اگر اطلاع و اعلام کی غرض سے لفظ الصلوٰۃ الصلوٰۃ سنتہ رسول اللہ کہہ دیں تو کافی ہے۔

۱۳۲۱ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلٰوتُهٗ قَصْدًا وَخُطْبَتُهٗ قَصْدًا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے ہوتے تھے آپ دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے[1] آپ قرآن پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت کرتے تھے[2] تو آپ کی نماز بھی اعتدال پر مبنی ہوتی۔ اور آپ کا خطبہ بھی[3] (مسلم)

[1] آپ دو خطبوں کے درمیان اتنی مقدار بیٹھتے تھے۔ کہ آپ کا ہر عضو اپنی اپنی جگہ قرار پذیر ہو جاتا تھا۔ اور بالکل صحیح روایت سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ اس میں دعا کیا کرتے تھے۔ یہ بیٹھنا سنت ہے واجب نہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ آپ خطبہ پڑھتے اور نہ بیٹھتے۔

[2] اور لوگوں کو یاد آخرت دلاتے۔ اور اس جہان کے ثواب و عذاب کے حالات بیان فرماتے۔

[3] یعنی نہ آپ کی نماز زیادہ لمبی ہوتی نہ بالکل مختصر۔ اور یہ اس کے منافی نہیں کہ خطبہ نماز سے مختصر ہو جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

۱۳۲۲ وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّةٌ مِّنْ فِقْهِهٖ فَأَطِيْلُوا الصَّلٰوةَ وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمار[1] بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مرد کا نماز دراز کرنا اور خطبہ مختصر کرنا اس کے فہم و علم کی دلیل[2] ہے۔ تو نماز دراز اور خطبہ مختصر کرو۔ اور بعض بیان البتہ جادو کی حیثیت رکھتے[3] ہیں۔ (مسلم)

[1] آپ اکابر صحابہ سے ہیں۔ آپ کے حالات کتاب کے آخر باب جامع المناقب میں بیان ہوں گے۔

[2] اصل میں لفظ مَئِنَّۃ آیا ہے۔ جس کا معنی ہے علامت و دلیل۔ بعض نے مَئِنَّۃ کی تفسیر مظنہ سے کی یعنی جائے گمان۔ اس کی تحقیق شرح میں کر دی گئی ہے۔

۳ے علامہ طیبی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے نماز کی درازی اور خطبہ کے اختصار کو اس کے علم وفہم کی دلیل وعلامت ہونے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ نماز اصل ہے اور خطبہ اس کی فرع اور فقہی تقاضا بھی ہے کہ اصل کو فرع پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اور اصل کا اہتمام زیادہ کیا جاتا ہے۔ بندہ ضعیف (شیخ عبدالحق قدس سرہ) عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ خطبہ کو مختصر کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پند ونصیحت کے لیے ایک کلمہ بھی کافی ہوتا ہے خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو جوامع الکلم کے مصدر اور عجیب وغریب حکمتوں کے مظہر ہیں۔ ع

در خانہ اگر کس ست یک حرف بس ست

گھر میں اگر کوئی موجود ہے تو پھر ایک حرف بھی کافی ہے

اور اس کا (درازی نماز اور اختصار خطبہ کا) حکم دیتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امت کو تنبیہ ہے کہ کثرت طاعت وعبادت میں سعی وکوشش کریں۔ اور اپنے نفوس کی تہذیب واصلاح میں مشغول رہیں۔ اور لوگوں کو وعظ وتذکیر میں عجب وخود ستائی اور قول کے فعل کے مطابق نہ ہونے کا بھی گمان موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی مقام کے لیے کہا جاتا ہے لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ (وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے) لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو قولاً وفعلاً اس کا ارشاد فرمایا کہ باتیں کم کرو عمل (عبادت) زیادہ کرو۔

۴ے ایک روایت میں فَاِنَّ آیا ہے۔

۵ے یہ قول اس معنی کے بہت مناسب ہے جو ہم نے بیان کیا گویا یہ خطبہ مختصر پڑھنے کی دلیل ہے یعنی چاہیے کہ خطبہ کے الفاظ تھوڑے ہوں مگر اس کے معانی بہت زیادہ ہوں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے خیر الکلام ما قل ودل اچھا کلام وہ ہے جس کے الفاظ تھوڑے اور معانی زیادہ ہوں۔ اور چاہیے کہ خطبہ زیادہ لمبا نہ کرے تاکہ بے فائدہ معانی کا وہم نہ پڑنے لگے جو کہ مذموم ہے۔ پھر یہ قول کہ (کچھ بیان جادو کی حیثیت رکھتے ہیں) بیان وخطاب کی مدح کو بھی متضمن اور مفید مذمت بھی ہے۔ کیونکہ دلوں کو کسی جانب مائل کرنے میں بیان کے اندر زبردست تاثیر پائی جاتی ہے جس طرح جادو میں تاثیر ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص بیان خطاب حق کے لیے صرف کرتا ہے تو یہ اچھی بات ہے اور اگر باطل کے لیے استعمال کرتا ہے تو قابل مذمت ہوگا۔ لفظ بیان کا معنی ہے۔ واضح اور کھلی گفتگو کرنا۔ اس بارے میں تفصیلی کلام انشاء اللہ تعالےٰ بیان وشعر کے باب میں آئے گا۔

۱۳۲۳ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهٗ وَاشْتَدَّ غَضَبُهٗ حَتّٰى كَاَنَّهٗ مُنْذِرُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔ آپ کی آواز مبارک بلند ہو جاتی اور آپ کا غصہ سخت ہو جاتا۔ گویا کہ آپ

حَتّٰى يَقُوْلَ صَبَّحَكُمْ وَ مَسَّاكُمْ وَ يَقُوْلُ بُعِثْتُ اَنَا وَ السَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَ يَقْرُنُ بَيْنَ السَّبَّابَةِ وَ الْوُسْطٰى - (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں۔ اور فرماتے کہ وہ لشکر صبح کو تم پر آپہنچے گا یا شام کو ہے اور فرماتے کہ اور قیامت ان دو کی طرح بھیجے گئے ہیں۔ اپنے کلمے اور بیچ کی انگلی کو ملاتے تھے (مسلم)

۱؎ کیونکہ اس وقت آپ پر عظمت و جلال کے انوار کی تجلیات اور ابلاغ و انذار کی روشنیوں کی چمک تجلی ریز ہو رہی تھی۔

۲؎ خطبہ ارشاد فرماتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ ہوتی تھی کہ گویا آپ کسی قوم پر دشمن کے لشکر کے حملہ آور ہونے کی خبر دے رہے ہیں۔ اور اس کے ان پر آپڑنے سے ڈرا رہے ہیں۔

۳؎ یعنی قریب ہے کہ وہ لشکر صبح کے وقت یا شام کے وقت تم پر حملہ آور ہو جائے گا۔ اور لوٹ مار کریگا اور تمہارے آرام و سکون کو تم سے دور کر دے گا۔

۴؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت قریب آجانے کا خوف دلانے کے ارادے سے فرماتے تھے۔

۵؎ یعنی میرا قرب قیامت کے ساتھ اس طرح نزدیک کا تعلق ہے۔ جس طرح میری یہ دو انگلیاں بالکل ساتھ ساتھ ہیں۔

۶؎ یعنی آپ بطرح تشبیہ اپنی دونوں انگلیوں کو ملاتے تھے۔ یعنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو۔ لفظ سبابہ کا معنی کتاب الصلوۃ کے باب التشہد میں گزر چکا ہے۔ پھر اس کی تاویل و معنی میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے کہا کہ انگشت سبابہ کو درمیانی انگلی سے ملانے سے اس جانب اشارہ ہے کہ آپ کی بعثت قرب قیامت کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ بعض نے کہا مراد یہ ہے کہ میرے اور قیامت کے درمیان اتنی ہی دوری اور فاصلہ ہے جتنا کہ ان دو انگلیوں کے درمیان۔ یعنی درمیانی انگلی بالکل تھوڑی سی انگشت شہادت سے دور ہے۔ اور سبابہ اس سے تھوڑی سی پیچھے ہے۔ اسی طرح میں بھی قیامت سے تھوڑا سا پہلے آیا ہوں۔ اور قیامت میرے پیچھے پیچھے آنے والی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لفظ یقرن کے معنی اول کی جانب رخ رکھتا ہے۔ کیونکہ انگشت سبابہ اور وسطی میں بہرحال فاصلہ موجود ہے۔ دونوں کو ملائیں یا نہ ملائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کو ملانے سے ان کے درمیان کا فاصلہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ کھلا رکھنے سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسے سمجھو۔

۱۳۲۳/۸ وَ عَنْ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ قَالَ حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرماتے ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر یہ آیت پڑھ رہے تھے وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ۔ دوزخی آواز دیں گے اے مالک چاہیے کہ تیرا رب ہمارا فیصلہ ہی کر دے۔[۲] (بخاری و مسلم)

[۱] یعنی بن امیہ، اُمیہ ہمزہ کی پیش، میم کی زبر یا کی تشدید۔ آپ کو یعلی بن امیہ (میم کی پیش نون ساکن اور یا مخفف) بھی کہتے ہیں۔ آپ قریش کے حلیف ہیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے حنین، طائف اور تبوک سب غزوات میں حاضر ہوئے۔ آپ حضرت عمر کی طرف سے علاقہ نجران کے عامل تھے۔ آپ کا شمار اہل حجاز میں ہوتا ہے۔

[۲] یعنی دوزخی فریاد کریں گے اور آوازیں دیں گے کہ اے مالک (داروغہ دوزخ کا نام ہے) تو کہہ کہ تیرا رب ہم کو ہمیں مار دینے کا حکم جاری کر دے یعنی اپنے پروردگار سے عرض کر کہ ہمیں موت دے دے تاکہ ہم عذاب سے خلاصی پا جائیں۔ قرآن حکیم میں آیا ہے کہ مالک انہیں جواب دے گا۔ اِنَّكُمْ مَاكِثُوْنَ۔ تم ہمیشہ یہیں رہو گے تمہاری یہ آرزو باطل ہے۔ اب ہمیشہ تمہیں اس آگ میں ہی رہنا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ڈرانے کے لیے یہ آیت پاک تلاوت کرتے تھے۔

۱۳۲۵ وَعَنْ أُمِّ هِشَامٍ بِنْتِ حَارِثَةَ ابْنِ نُعْمَانَ قَالَتْ مَا أَخَذْتُ قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ إِلَّا عَنْ لِسَانِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَؤُهَا كُلَّ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ إِذَا خَطَبَ النَّاسَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت[۱] ام ہشام بنت حارثہ بن النعمان رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ میں نے سورہ ق والقرآن المجید نہیں سیکھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے آپ یہ اسے ہر جمعہ کو منبر شریف پر پڑھتے تھے جب کہ آپ لوگوں کو خطبہ ارشاد فرماتے تھے[۲] (مسلم)

[۱] آپ انصاری صحابیہ ہیں رضی اللہ عنہا۔

[۲] ظاہر یہ ہے کہ ہر جمعہ کو پڑھنے سے چند جمعہ پڑھنا مراد ہے یعنی جمعوں میں یا یہ عرصہ مختصر تک ہی محدود تھی۔ نہ کہ ہمیشہ ساری عمر خطبہ میں یہی سورت پڑھتے تھے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سورت کا اول حصہ پڑھنا مراد ہے۔ کیونکہ آپ ساری سورت خطبہ جمعہ میں نہ پڑھتے تھے۔ اس طرح حضرت ام ہشام نے بھی اس کا اول حصہ یاد کیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۱۳۴۲/۱۰ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ قَدْ اَرْخٰى طَرَفَيْهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمرو بن حریث[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس وقت آپ سیاہ رنگ کا عمامہ شریف پہنے ہوئے تھے۔ اور اس کی دونوں طرفیں دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا رکھی تھیں[2] اور یہ جمعہ کا دن تھا۔ (مسلم)

[1] حضرت عمرو بن حریث۔ حریث حا کی پیش را کی زبر۔ آپ قرشی صحابی ہیں۔ چھوٹی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ سے حدیث پاک سنی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے سر پر پھیرا۔ اور ان کے حق میں دعائے برکت فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت یہ صحابی بارہ سال کے تھے۔

[2] اس مسئلہ کی تحقیق انشاء اللہ تعالیٰ باب اللباس میں آئے گی۔ اور لفظ کتفیہ مسلم کے تمام نسخوں میں تثنیہ کا صیغہ ہے۔ اور حمیدی کی کتاب جمع بین الصحیحین میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور کتفہ مفرد کلمہ کی صورت میں بھی آیا ہے۔ مگر اول یعنی تثنیہ روایۃً اور درایۃً زیادہ ظاہر ہے۔

۱۳۴۳/۱۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو دو رکعتیں پڑھ لے۔ اور چاہیے کہ ہلکی پڑھے[1] (مسلم)

[1] شافعی حضرات اسے تحیۃ المسجد پر محمول کرتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک واجب ہے۔ اگرچہ خطبہ پڑھا جا رہا ہو۔ امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہ حضرات ان کے وجوب کی تاکید پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ خطبہ کے دوران بھی ان کے پڑھنے کا حکم دیا۔ حنفیہ کے نزدیک جب کہ غیر خطبہ کے وقت واجب نہیں ہیں تو خطبہ کے وقت بطریق اولیٰ واجب نہ ہوں گی یہی امام مالک اور سفیان ثوری کا مذہب ہے۔ اور جمہور صحابہ و تابعین بھی اسی پر ہیں۔ جیسا کہ علامہ نووی نے کہا واجب قرار نہ دینے والے حضرات اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ خطبہ سے ارادہ خطبہ مراد ہے۔ یعنی جب کہ ابھی امام خطبہ شروع کرنے کا ارادہ کر رہا ہو۔ نہ کہ اس نے بالفعل خطبہ شروع

کر دیا ہو۔ یہ تاویل احادیث صحیحہ کے قرینہ سے کی جاتی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خطبہ کے دوران نماز پڑھنا حرام ہے۔ اور صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے آیا ہے کہ ایک شخص مسجد میں آیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا اے فلاں کیا تو نے نماز پڑھی ہے اس نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا دو رکعتیں ہلکی پڑھ لے۔ اس کا جواب یہ حضرات یہ دیتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ ابھی خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت نہ ہوئی تھی۔ یا یہ بات اس آنے والے مرد کے ساتھ خاص تھی۔ بعض نے کہا کہ یہ واقعہ آپ کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے ہوا۔ بعض نے یہ کہا یہ خطبۂ جمعہ نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا۔ اس حدیث کا دوسری احادیث کے ساتھ تعارض لازم نہیں آتا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا ہو، پھر خطبہ بند کر دیا ہو۔ اور حقیقت واقعہ بھی یہی ہے۔ جیسا کہ دارقطنی نے اپنے سنن میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھ لے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دینا بند کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ آدمی نماز سے فارغ ہوا۔ یہاں کافی گفتگو ہے۔ جسے ہم نے شرح میں ذکر کیا ہے۔ اس کی مکمل تفصیل فتح الباری میں ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔

۱۳۲۸/۱۲ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَکَ رَکْعَۃً مِّنَ الصَّلٰوۃِ مَعَ الْاِمَامِ فَقَدْ اَدْرَکَ الصَّلٰوۃَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پا لی اس نے نماز پا لی۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یہ حکم تمام نمازوں کے لیے عام ہے۔ نماز جمعہ کے ساتھ خاص نہیں لیکن انہوں نے اس حدیث کے قرینہ کی بنا پر جو باب کے آخر میں آ رہی ہے۔ اسے نماز جمعہ کے ساتھ خاص کر دیا

۲؎ ہدایہ میں ہے کہ جس نے امام کو نماز جمعہ میں پایا تو جتنی نماز امام کے ساتھ مل گئی اس کے ساتھ پڑھے۔ بقایا اس پر بنا کر کے پڑھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَا اَدْرَکْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَکُمْ فَاقْضُوْا۔ تمہیں امام کے ساتھ جس قدر نماز ملے اسے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اسے قضا کر لو اور اگر کسی نے امام کو تشہد میں پایا یا سجدۂ سہو میں تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر جمعہ کی بنا کرے اور امام محمد نے فرمایا اگر اس نے امام کو دوسری رکعت کے اکثر حصہ میں پایا تو اس پر جمعہ کی بنا کرے اور اگر دوسری رکعت کا کم حصہ امام کے ساتھ ملا تو اس پر ظہر کی بنا کرے۔ ہدایہ کا کلام ختم ہوا۔ دوسری رکعت کا اکثر حصہ پانے سے مراد یہ ہے کہ امام کو رکوع میں پائے نہ کہ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا کہ شیخین کی دلیل

حدیث مذکور کا اطلاق ہے اور یہ روایت جو بیان کی جاتی ہے کہ جس نے جمعہ کی ایک رکعت پائی وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت کا اضافہ کرے۔ ورنہ چار رکعت ظہر ادا کرے تو یہ روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۳۲۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ كَانَ يَجْلِسُ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰى يَفْرُغَ أُرَاهُ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ ثُمَّ يَجْلِسُ وَلَا يَتَكَلَّمُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیتے تھے جب منبر پر چڑھتے تو بیٹھ جاتے یہاں تک کہ فارغ ہوتا میرا گمان[۱] ہے کہ فارغ ہو نے سے موذن کا فارغ ہونا مراد ہے۔ پھر آپ کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے۔ پھر بیٹھ جاتے اور کوئی کلام نہ کرتے[۲]۔ پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ پڑھتے (ابوداؤد)

[۱] یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے راوی کا شک ہے یعنی میرا گمان ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا۔ اور بسبب راوی کا یہ قول پورے طور پر یاد نہ رہا اس بنا پر یوں کہا کہ میرا گمان ہے۔

[۲] یعنی دعا وغیرہ نہ کرتے بلکہ بالکل خاموش رہتے۔

۱۳۳۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَوٰى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوْهِنَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مُحَمَّدِ ابْنِ الْفَضْلِ وَهُوَ ضَعِيْفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيْثِ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر ٹھیک ہو کر بیٹھ جاتے تو ہم لوگ اپنے چہرے آپ کی طرف کر لیتے[۱]۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا ہم اس حدیث کو نہیں پہچانتے مگر محمد بن الفضل کی حدیث سے اور وہ ضعیف ہے۔ اس کا حافظہ کمزور تھا۔

[۱] سنت یہ ہے کہ لوگ امام کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں۔ اور کان لگا کر خطبہ سنیں۔ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ امام خطبہ پشت قبلہ کی طرف کر کے پڑھے گا۔ اور اگر یہی معنی بیان کرنا مقصود ہو تو بھی درست ہے لیکن جو مطلب ہم

پہلے بیان کیا ہے وہ بھی صحیح ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۱۳۳۱ / ۱۵ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا فَمَنْ نَبَّاكَ اَنَّهٗ كَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ كَذَبَ فَقَدْ وَاللّٰهِ صَلَّيْتُ مَعَهٗ اَكْثَرَ مِنْ اَلْفَيْ صَلٰوةٍ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر[1] بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ پڑھتے۔ تو جو تجھے یہ خبر دے کہ آپ بیٹھ کر خطبہ پڑھتے تھے اس نے جھوٹ بولا۔ اللہ کی قسم بے شک میں نے آپ کے ساتھ دو ہزار[2] سے زیادہ نمازیں پڑھی ہیں (مسلم)

[1] حضرت جابر اور ان کے باپ سمرہ دونوں صحابی ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہمشیر زادہ ہیں۔ ان کی والدہ مالدہ بنت ابی وقاص ہے۔ حضرت جابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے باپ اور حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

[2] اس عبارت سے فوراً جو بات ذہن میں آتی ہے یہ ہے کہ نماز سے نماز جمعہ مراد ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری زندگی میں پانسو سے قریب جمعے پڑھے ہیں کیونکہ آپ نے پہلا جمعہ مدینہ منورہ میں آنے کے بعد پڑھا ہے اور مدینہ پاک میں آپ کے قیام کی مدت دس سال ہے۔ لہٰذا اس سے پنجگانہ نماز مراد ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اس سے مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ صحبت و قرب بیان کرنا ہے۔

۱۳۳۲ / ۱۶ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ اَنَّهٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ اُمِّ الْحَكَمِ يَخْطُبُ قَاعِدًا فَقَالَ انْظُرُوْا اِلٰى هٰذَا الْخَبِيْثِ يَخْطُبُ قَاعِدًا وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا نِ انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا۔

حضرت کعب[1] بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور عبدالرحمٰن بن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا اس خبیث کی طرف دیکھو کہ بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہے حالانکہ رب تعالے نے فرمایا ہے کہ جب وہ تجارت اور کھیل کود کو دیکھتے ہیں تو ادھر دوڑ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں[2]

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

لے حضرت کعب بن عجرہ (عین کی پیش اور جیم ساکن) آپ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ انصار کے حلیف ہیں۔ اصحاب شجرہ بیعت الرضوان میں سے ہیں منقول ہے کہ آپ نے ایک بت رکھا ہوا تھا۔ جس کی وہ پوجا کیا کرتے تھے۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ ان کے بڑے دوست تھے ایک دن ان کے گھر اندر تشریف لے آئے۔ اور بت کو توڑ دیا تو وہ بڑے غصے میں آ گئے اور قریب تھا کہ حضرت عبادہ کو گالی دے دیتے مگر پھر اچانک سوچ میں پڑ گئے اور اپنے جی میں کہنے لگے۔ اگر یہ بت فائدہ پہنچا سکتا اور کچھ بھی قدرت و طاقت رکھتا تو اپنے آپ کو ٹوٹنے سے بچا لیتا۔ تو بت پرستی سے بیزار ہو کر مسلمان ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ۔

ٹ یہ شخص بنی امیہ اور ان کے پیروکاروں میں سے ہیں۔

سے یہاں قصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اچانک شام سے ایک قافلہ آ گیا۔ قحط کے دن تھے صحابہ کرام میں سے بارہ آدمیوں کے قریب بے طاقت ہو گئے اور قافلہ دیکھنے اٹھ کر باہر آ گئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ اور مالک و احمد کے نزدیک خطبے میں قیام سنت ہے۔ امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام مالک کے نزدیک واجب ہے۔ باقی آئمہ کے نزدیک خطبہ میں قیام شرط ہے۔ مگر اس کے لیے جو قدرت نہ رکھتا ہو جیسا کہ نماز میں قیام شرط ہے۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے فتح الباری میں کہا سب سے پہلے جس شخص نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا ہے وہ حضرت امیر معاویہ ہیں۔ انہوں نے بھی اس وقت ایسا کیا جب کہ ان کا شکم بھاری ہو گیا تھا۔ اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تکلیف و مشقت کے باوجود خطبہ کھڑے ہو کر پڑھتے۔ جب بالکل بے طاقت ہو جاتے بیٹھ جاتے اور خاموش ہو جاتے۔ پھر اٹھتے اور کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلا خطبہ بیٹھ کر پڑھتے اور دوسرا کھڑے ہو کر وہ ایسا ضرورت اور مجبوری کے تحت کرتے۔ لہٰذا ان کا فعل اس شخص کے لیے دلیل نہیں بن سکتا جو بیٹھ کر خطبہ پڑھنے کو جائز قرار دے۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر نے ذکر کیا ہے۔

سکلہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ حرام یا مکروہ کا ارتکاب کرنے والے پر شدت اور سختی کرنا جائز ہے۔ کیونکہ بلا ضرورت اس چیز کے خلاف کام کرنا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو اس کے خبث باطن کی علامت ہے۔

۱۳۳۳ وَعَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُؤَيْبَةَ اَنَّهُ رَاٰى بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ عَلَى الْمِنْبَرِ

حضرت عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بشر بن مروان کو منبر پر ہاتھ

رَافِعًا يَدَيْهِ فَقَالَ قَبَّحَ اللهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزِيْدُ عَلَى أَنْ يَقُوْلَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

بلند کرتے دیکھا تو فرمایا اللہ تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کو قبیح کرے۔ البتہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ انگلی سے اشارہ کرنے سے بڑھ کر کچھ نہ کرتے۔ پھر حضرت عمارہ نے اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کیا۔[۳] (مسلم)

[۱] عمارۃ (عین کی پیش میم مخفف) رویبہ (را کی پیش واو پر زبر۔ یا ساکن) حضرت عمارہ صحابہ میں سے ہیں۔
[۲] جس طرح بعض جاہل واعظوں اور خطیبوں کا طریقہ ہے۔
[۳] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کی صورت دکھانے کے لیے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انگشت شہادت سے ایک اشارہ کرتے۔ گویا آپ لوگوں سے خطاب فرماتے اور انہیں تنبیہ کرتے کہ آپ جو کچھ ذکر رہے ہیں لوگ اسے غور سے اور کان لگا کر سنیں۔

۱۳۳۴/۱۸ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا اسْتَوٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ اجْلِسُوْا فَسَمِعَ ذٰلِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَجَلَسَ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ فَرَاٰهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَعَالَ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر ٹھیک ہو کر بیٹھ جاتے فرماتے کہ بیٹھ جاؤ[۱] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ کا یہ حکم سنا جب کہ وہ ابھی مسجد کے دروازے پہنچے تھے تو وہیں بیٹھ گئے[۲] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ ابن مسعود آگے آجاؤ[۳] (ابوداؤد)

[۱] گویا لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اسے بیٹھو۔
[۲] یعنی جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود مسجد کے دروازے پر کھڑے تھے شارع علیہ السلام کا حکم سن کر اس کی جلد بجاآوری کے لیے وہیں بیٹھ گئے۔
[۳] یہ آپ نے ان کو غایت شفقت و رحمت کے طور پر فرمایا۔ کیونکہ انہوں نے فوراً حکم کی بجاآوری کی تھی۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ جو کوئی تعمیل حکم کرتا ہے وہ کرم و عنایت کا مرکز بن جاتا ہے اور محبوب کا محبوب اور اس کا مطلوب بن جاتا ہے۔ بیت

ہر کہ او در عشق صادق آمدہ است ۔ بر سرش معشوق عاشق آمدہ است

جو کوئی عشق میں صادق ہوتا ہے۔ معشوق بھی اس کے سر پر عاشق بن کر آتا ہے۔

اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ منبر پر جانے کے بعد کلام کرنا جائز ہے یا یہ آپ نے خطبہ شروع کرنے سے پہلے فرمایا یا آپ نے بیٹھنے کا حکم اشارہ سے کیا راوی نے اسے قول سے تعبیر کر دیا۔ ابن الہمام کی شرح میں ہے خطیب کے لیے حالت خطبہ میں کلام کرنا مکروہ ہے مگر امر بالمعروف کے لیے ۔ جیسا کہ وضو میں حضرت عمر کا حضرت عثمان سے قصہ مذکور ہے۔ وہ مشہور و معروف قصہ ہے اور باب الغسل میں ذکر ہو چکا ہے۔ اور سفر السعادۃ میں کہا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے تو پہلے لوگوں کو سلام کہتے پھر جب منبر پر بیٹھتے تو دوبارہ سلام کہتے۔

۱۳۳۵ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً فَلْيُصَلِّ إِلَيْهَا أُخْرَى وَمَنْ فَاتَتْهُ الرَّكْعَتَانِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا أَوْ قَالَ الظُّهْرَ ۔ (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی۔ وہ اس کے ساتھ دوسری ملائے اور جس کی دونوں رکعتیں فوت ہو جائیں تو وہ چار رکعت پڑھے۔ یا فرمایا[1] ظہر پڑھے[2] (دار قطنی)

[1] یعنی یا آپ نے اربعاً کے بجائے فلیصل الظہر کا لفظ فرمایا یعنی چار رکعت ظہر پڑھے۔
[2] فصل اول میں بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس مسئلہ میں گفتگو گزر چکی ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْخَوْفِ

نماز خوف کا باب

نماز خوف کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ حنفیہ سے ایک روایت کے مطابق جو ابو یوسف اور حسن بن زیاد سے مروی ہے اور شافعیہ سے مزنی کی روایت کے مطابق نماز خوف زمانہ نبوت کے ساتھ خاص تھی کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی فضیلت کا بڑا ارادہ رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کی مشروعیت باقی نہ رہی۔ مگر جمہور کے نزدیک مختار یہ ہے کہ زمانہ نبوت کے بعد بھی اس کا جواز باقی ہے اور حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس کے بعد بعض صحابہ جیسے حضرت علی مرتضیٰ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہم اجمعین کا اسے پڑھنا جمہور علماء کی دلیل ہے پھر بعض نے کہا ہے کہ صفت مذکورہ پر نماز خوف ادا کرنا اس وقت لازم ہے جب کہ قوم ایک امام کے پیچھے پڑھنے کا تنازع کرے اور اگر جھگڑا نہ کریں تو ایک امام ایک گروہ کے ساتھ پوری نماز پڑھے اور دوسرا گروہ دوسرے امام کی اقتدا میں پوری نماز پڑھے۔ بعض آئمہ (جیسے امام مالک) کے نزدیک نماز خوف حالت سفر کے ساتھ خاص ہے۔ احناف کے نزدیک سفر و حضر دونوں حالتوں میں جائز ہے۔ اور اختلاف زمان و مکان کے مطابق نماز خوف متعدد طریقوں پر بروایت دشمن سے پرہیز اور بچاؤ کے لیے جس طرح کی مصلحت امام دیکھے اس طرح پڑھے۔ اور ہر امام نے ایک طریقہ اختیار کیا ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو اختیار کیا ہے۔ جو کتب صحاح ستہ میں موجود ثابت ہے۔ شمنی نے کہا کہ نماز خوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چار جگہوں میں منقول ہے۔ ذات الرقاع میں۔ بطن نخل میں۔ مقام عسفان میں۔ اور بمقام ذی قرد میں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز خوف صرف حالت سفر میں پڑھی گئی ہے۔ فقہاء کرام کا حضر میں یہ نماز پڑھنا سفر پر قیاس کرنے سے ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۳۳۶/۱ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ لَنَا فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَّعَهٗ وَ اَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ وَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ مَّعَهٗ وَ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوْا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِىْ لَمْ تُصَلِّ فَجَاءُوْا

پہلی فصل

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی جانب غزوہ کیا ہم لوگ دشمن کے مقابل کھڑے ہوئے۔ اور ان کے سامنے صفیں بنائیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھانے کھڑے ہوئے۔ ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو گئی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل کھڑی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقتدیوں کے ساتھ رکوع کیا اور دو سجدے کئے پھر یہ لوگ اس جماعت کی جگہ چلے گئے جس نے نماز نہ پڑھی تھی تو وہ ادھر آگئے۔ رسول اللہ

فَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهٖ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَرَوٰى نَافِعٌ نَحْوَهٗ وَزَادَ فَاِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ اَشَدُّ مِنْ ذٰلِكَ صَلَّوْا رِجَالًا قِيَامًا عَلٰى اَقْدَامِهِمْ اَوْ رُكْبَانًا مُّسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ اَوْ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِيْهَا قَالَ نَافِعٌ لَا اُرٰى ابْنَ عُمَرَ ذَكَرَ ذٰلِكَ اِلَّا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک رکعت پڑھا دی۔ اور دو سجدے کر لیے پھر آپ نے سلام پھیر دیا پھر ان میں سے ہر ایک کھڑا ہوا اور اپنی اپنی ایک رکعت پڑھ لی اور دو سجدے کر لیے[۳]۔ حضرت نافع نے یوں ہی روایت کی۔ مگر اتنا زیادہ کیا کہ اگر خوف اس سے بھی زیادہ ہو تو پیدل اپنے قدموں پر کھڑے کھڑے یا سواری پر نماز پڑھ لیں۔ ان کا قبلہ کی جانب منہ ہو۔ یا نہ ہو۔ نافع کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ حضرت ابن عمر نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی روایت کی ہے

(بخاری)

[۱] حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم فقہائے مدینہ سادات و علماتابعین و ثقات میں سے ہوئے ہیں۔ امام مالک نے ان کے بارے میں کہا کہ سالم کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کوئی بھی فضل و علم اور زہد و نفس کشی میں پہلے لوگوں کے مشابہ نہ تھا۔ سلیمان بن عبدالملک نے آپ کو کعبہ میں دیکھا تو کہا آپ جو حاجت چاہیں مجھ سے مانگیں۔ فرمایا میں خانۂ خدا میں خدا کے سوا کسی اور سے ہرگز کچھ طلب نہ کروں گا۔ حضرت سالم بن عبداللہ حجاج بن یوسف کو بہت سخت سست کہا کرتے تھے۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سالم کی ماں پر رحمت نازل کرے جس نے اپنے بیٹے کا نام سالم رکھا۔

[۲] نجد لغت میں بلند جگہ کو کہتے ہیں یہاں اس علاقے کا نام ہے جس کا بلند حصہ تہامہ اور یمن تک پھیلا ہوا ہے اور اس کا نشیبی علاقہ عراق و شام تک جاملتا ہے۔ نجد دراصل بلند جگہ اور روشن و بلند راستہ کو کہتے ہیں۔ علاقہ نجد بھی بلندی پر واقع ہے۔ اس حدیث میں نجد عراق مراد ہے نجد یمن مراد نہیں۔

[۳] یعنی ایک رکعت ادا کی۔

[۴] یعنی ایک رکعت ادا کی یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ کہ ہر گروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھی اور دوسری رکعت ہر ایک گروہ نے الگ الگ پڑھی۔ یہی حضرت امام ابوحنیفہ

رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ مذہب نصّ قرآن کے زیادہ موافق ہے۔ انتہٰی۔ غور کرو۔ واضح ہو کہ دونوں گروہوں کے لیے ایسی کوئی صورت نہیں کہ دونوں اکٹھے باقی ایک رکعت پڑھ لیں کیونکہ ایسا کرنے سے جنگ کا نظام برباد اور اس کی ضرورت ومصلحت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ پھر اس حدیث سے یہ معلوم نہ ہوا کہ بقیہ رکعت کونسا گروہ پہلے ادا کرے۔ اشہب نے کہا جو امام مالک کے ساتھی ہیں کہ دوسرا گروہ پہلے پڑھے کہ اس طرح کرنے سے کثرت مخالفت سے محفوظ رہے گا۔ آئندہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا پہلا گروہ پہلے پڑھے۔ جیسا کہ بعض شروح میں مذکور ہے۔ یہ سالم کی ابن عمر سے روایت ہے۔

۵۵ اور نافع نے ابن عمر سے ایسی ہی روایت کی۔

۵٦ یعنی دشمن کا خوف اس قدر زیادہ ہو کہ مذکورہ طریقہ پر جماعت سے نماز پڑھنا دشوار ہو۔

۵۷ یعنی اگر پیادہ پڑھنا دشوار ہو تو سواری پر ہی پڑھیں اور قبلہ رخ ہو کر پڑھیں اگر قبلہ رو ہونا بس میں ہو۔ اور بس میں نہ ہو تو جیسے ممکن ہو پڑھیں اور نماز ترک نہ کریں۔ بیت

بر دل افتم از خود بہ پراگندگی	تراختم بروں با تو از بندگی
لنگ و لوک و خفتہ شکل و بے ادب	سوئے او می خیز و او را می طلب

ترجمہ:۔ میں اپنی پراگندہ خیالی کے باعث اپنے آپ کو ادنیٰ تصور کرتا ہوں اور تیری بندگی سے تو مجھے تواضع اور انکساری ہی نصیب ہوگی۔

لنگڑا لولا اور مودب نہ ہونے کے باوجود تجھے اس کی جانب اٹھنا اور اسے ہی طلب کرنا چاہیے۔

۵۸ یعنی یہ شقیں اور یہ تفصیلات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی کہہ کر بیان کی ہوں گی۔

۱۳۳۷ / ۲ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَمَّنْ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلٰوةَ الْخَوْفِ اَنَّ طَآئِفَةً صَفَّتْ مَعَهٗ وَطَآئِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ فَصَلّٰى بِالَّتِيْ مَعَهٗ رَكْعَةً ثُمَّ ثَبَتَ قَآئِمًا

حضرت یزید بن رومان سے روایت ہے وہ صالح بن خوات سے وہ ان سے روایت کرتے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع کے دن خوف کی نماز پڑھی کہ ایک گروہ آپ کے ساتھ صف آرا ہوا۔ اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابلہ میں کھڑا رہا۔ آپ نے اپنے ساتھ والے گروہ کو ایک رکعت پڑھائی۔ پھر یونہی کھڑے رہے۔ انہوں نے

وَ اَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ انْصَرَفُوْا فَصَفُّوْا وِجَاهَ الْعَدُوِّ وَ جَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰى فَصَلّٰى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِىْ بَقِيَتْ مِنْ صَلٰوتِهٖ ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا وَ اَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ اَخْرَجَ الْبُخَارِىُّ بِطَرِيْقٍ اٰخَرَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ صَالِحِ ابْنِ خَوَّاتٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِىْ حَثْمَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ۔

اپنی نماز پوری کر لی۔ اور دشمن کے مقابل صف بستہ ہو گئے۔ پھر دوسرا گروہ آیا۔ آپ نے انہیں دو رکعت پڑھائی۔ جو آپ کی نماز سے باقی تھی۔ پھر یوں ہی بیٹھے رہے اور ان مجاہدوں نے اپنی نماز پوری کر لی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے ساتھ سلام پھیرا۔ (مسلم بخاری)

اور بخاری نے دوسری اسناد سے قاسم سے انھوں نے صالح بن خوات سے انہوں نے سہل بن حثمہ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔

لہ رُومان را کی پیش واو ساکن۔ آپ تابعی ہیں کثیر الحدیث اور ثقہ ہیں۔

۲ہ صالح بن خوات۔ خا کی زبر واو مشدد آخریں تا۔ آپ بھی تابعی ثقہ اور عزیز الحدیث ہیں۔ یعنی احادیث کم روایت کرتے ہیں۔ حضرت خوات جلیل القدر صحابی ہیں ان کا غزوہ جس میں شریک ہوئے، غزوہ اُحد ہے

۳ہ ذات الرقاع را کی زیر سے۔ اس غزوہ کا نام ہے جو ۵ھ ہجری میں ہوا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفار سے مٹ بھیڑ ہو گئی۔ اور آپ نے اس میں نماز خوف ادا کی مگر کفار سے جنگ کی نوبت نہ آئی اور آپ واپس تشریف لے گئے۔ اسے ذات الرقاع اس لیے کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام پا برہنہ تھے۔ ان کے پاؤں سوج کر زخمی ہو گئے۔ ناخن اتر گئے تو انہوں نے اپنے پاؤں کپڑے کے ٹکڑوں سے باندھے۔ مشہور وجہ یہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس جگہ ایک پہاڑ تھا جس کے کچھ ٹکڑے سرخ کچھ سفید اور کچھ سیاہ رنگ کے تھے۔ اور کچھ زرد رنگ کے۔ وہ پہاڑ ایسا رنگ برنگ نظر آتا تھا کہ گویا اس پر مختلف رنگ کے ٹکڑے سی دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز خوف کا بیان فرماتے ہیں۔

۴ہ حدیث پاک میں یہاں لفظ وجاہ آیا ہے واو کی پیش اور زیر سے ایک روایت میں تجاہ العدو کا لفظ آیا ہے۔

۵ہ سہل سین کی زیر ہا ساکن۔ ابی حا کی زبر ثا ساکن۔ آپ کمسن صحابی ہیں۔ ہجرت کے تیسرے سال پیدا ہوئے۔ یزید بن رومان کی روایت میں جو عمن صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ آیا ہے اس سے یہی مراد ہیں۔ بعض نے کہا اس سے انہوں نے اپنا باپ خوات مراد لیا ہے اور وہ صحابی ہے۔

۵۵ یہ نماز خوف کے طریقوں میں سے دوسرا طریقہ ہے۔ اس طریقہ میں ہر گروہ نے ایک ایک رکعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی، اور دوسری رکعت اکیلے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے وقت وہ نہ پڑھی بلکہ آپ کی نماز پوری کر لینے کے بعد اسی طریقہ کو امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا ہے۔

۱۳۳۸/۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِذَاتِ الرِّقَاعِ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا عَلٰى شَجَرَةٍ ظَلِيْلَةٍ تَرَكْنَاهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَسَيْفُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَلَّقٌ بِشَجَرَةٍ فَاَخَذَ بِسَيْفِ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرَطَهٗ فَقَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَخَافُنِيْ قَالَ لَا قَالَ فَمَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ قَالَ اللّٰهُ يَمْنَعُنِيْ مِنْكَ قَالَ فَتَهَدَّدَهٗ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَمَدَ السَّيْفَ وَعَلَّقَهٗ قَالَ فَنُوْدِيَ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى بِطَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَاَخَّرُوْا وَصَلّٰى بِالطَّائِفَةِ الْاُخْرٰى رَكْعَتَيْنِ قَالَ فَكَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعُ رَكَعَاتٍ وَّلِلْقَوْمِ رَكْعَتَانِ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ جب ہم ذات الرقاع میں پہنچے فرماتے ہیں کہ ہم جب کبھی کسی سایہ دار درخت پر پہنچتے تھے تو وہ درخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ کفار کا ایک شخص آیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار درخت کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار لے کر سونت لی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا۔ کیا آپ مجھ سے ڈرتے ہیں۔ فرمایا نہیں وہ بولا مجھ سے آپ کو کون بچائے گا۔ فرمایا مجھے تجھ سے اللہ بچائے گا۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اسے دھمکایا۔ تو اس نے تلوار میان میں کر کے لٹکا دی۔ فرماتے ہیں پھر نماز کی اذان ہوئی تو آپ نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں پھر وہ پیچھے ہٹ گیا اور دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھا دیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعتیں ہوئیں۔ اور قوم کی دو دو رکعتیں ۵۶

(بخاری و مسلم) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

۱؎ یعنی خوب سایہ دار درخت۔

۲؎ تاکہ آپ اس کے نیچے آرام فرمائیں۔ اور دھوپ سے بچیں۔

۳؎ یعنی اس درخت کے ساتھ۔

۴؎ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعتیں کیوں پڑھیں۔ دو کیوں نہ پڑھیں۔ اس کے جواب میں بعض نے کہا قصر رخصت ہے۔ جیسا کہ بعض آئمہ کا مذہب ہے۔ اس لیے آپ نے چار رکعت پڑھیں۔ مگر یہ حال اس کے خلاف ہے جو بعض محققین نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں کبھی بھی چار رکعت نہیں پڑھیں۔ واللہ اعلم۔ بعض نے کہا یہ نماز خوف کے خصائص میں سے ہے۔ تاکہ ہر گروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں پوری نماز پڑھے۔ اور شاید صرف اس موقعہ پر صحابہ میں نزاع واقع ہوئی ہو۔ کسی اور موقعہ میں نزاع واقع نہ ہوئی ہو۔ بعض نے کہا یہ تکرار نماز ہے۔ جیسا کہ شافعی حضرات تکرار نماز کے قائل ہیں۔ اور ان کے نزدیک فرض والے کی اقتداء نفل والے کے پیچھے جائز ہے۔ بعض نے کہا یہ نماز اس حالت میں سفر میں نہ تھی۔ بلکہ حضر میں تھی۔ اور قوم کا دو رکعت پر کفایت کرنا خوف کے تحت ضرورت کے خصائص میں سے ہے۔ اور ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات ہر گروہ کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھتے۔ اور قوم صرف اسی ایک رکعت پر کفایت کرتی دوسری نہ پڑھتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خوف کی حالت وہ خصوصیات رکھتی ہے جو غیر حالت خوف میں نہیں پائی جاتیں واللہ اعلم۔

۱۳۳۲ وَعَنْهُ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْخَوْفِ فَصَفَفْنَا خَلْفَهٗ صَفَّيْنِ وَالْعَدُوُّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَكَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَبَّرْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ وَرَفَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُوْدِ وَ

حضرت جابر سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف پڑھائی ہم نے حضور کے پیچھے دو صفیں بنائیں جب کہ دشمن ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی اور ہم سب نے تکبیر کہی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا اور ہم سب نے رکوع کیا۔ پھر حضور نے رکوع سے سر مبارک اٹھایا اور ہم سب نے اٹھایا۔ پھر آپ اور وہ صف جو آپ سے متصل تھی سجدہ میں گئے

الصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِي نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُودَ وَقَامَ الصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُودِ ثُمَّ قَامُوا ثُمَّ تَقَدَّمَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ وَتَأَخَّرَ الْمُتَقَدِّمُ ثُمَّ رَكَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكَعْنَا جَمِيعًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَرَفَعْنَا جَمِيعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُودِ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ الَّذِي كَانَ مُؤَخَّرًا فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِي نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُودَ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُودِ فَسَجَدُوا ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلَّمْنَا جَمِيعًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور پچھلی صف دشمن کے مقابلہ میں کھڑی رہی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ پورا کر لیا اور آپ سے متصل صف بھی کھڑی ہو گئی۔ تو پچھلی صف سجدہ میں گر گئی۔ پھر یہ لوگ کھڑے ہوئے پھر پچھلی صف آگے ہو گئی اور اگلی صف پیچھے چلی گئی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم سب نے رکوع کیا۔ پھر حضور نے اور ہم سب نے رکوع سے سر اٹھایا پھر حضور اور وہ صف جو آپ سے متصل تھی اور جو رکعت اولیٰ میں پچھلی صف تھی، سجدہ میں گئے۔ اور پچھلی صف دشمن کے مقابل کھڑی رہی پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ سے متصل صف نے سجدہ پورا کیا تو پچھلی صف سجدہ میں چلی گئی مستعد شخصوں نے سجدہ کیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم سب نے اکٹھا سلام پھیرا۔[۳]

۱؎ اس قید کا فائدہ آگے معلوم ہوگا۔

۲؎ یہاں تک کہ اس مقام میں ہم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپس میں موافق تھے۔

۳؎ یہ نماز خوف کا ایک دوسرا طریقہ ہے جو زمانہ اور مصلحت کے اختلاف پر مبنی ہے۔ یعنی دشمن کی حراست و نگہداشت کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ نے ایسا کیا اور جب کہ یہاں دشمن جانب قبلہ میں تھا تو سب حضرات جانب قبلہ کو رخ کر کے کھڑے ہوئے اور سب نے رکوع اکٹھے کیا مگر سجدہ کے وقت ایک گروہ سجدہ

میں گیا اور دوسرا گھڑا رہا، جیسا کہ بیان ہوا اور جب کہ دشمن جانب قبلہ کے علاوہ کسی دوسری جانب نہ تھا اس بنا پر ایک گروہ کو ان کی طرف بھیجنے کی ضرورت نہ تھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۳۵۵ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ صَلٰوةَ الظُّهْرِ فِی الْخَوْفِ بِبَطْنِ نَخْلٍ فَصَلّٰی بِطَائِفَةٍ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ جَاءَ طَائِفَةٌ اُخْرٰی فَصَلّٰی بِهِمْ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بطن نخل[۱] میں ظہر کی نماز خوف پڑھا رہے تھے۔ آپ نے ایک گروہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں۔ اور سلام پھیر دیا پھر دوسرا گروہ آیا اس کے ساتھ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیرا[۲] (شرح سنہ)

[۱] بطن نخل مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ ہے۔

[۲] اس صورت میں آپ نے دونوں گروہوں کے ساتھ جدا جدا سلام پھیرا۔ یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعتیں ہوئیں۔ اور قوم کی دو دو رکعتیں جیسا کہ حضرت جابر کی گذشتہ حدیث میں گزرا مگر وہاں یہ وضاحت نہ تھی کہ ایک سلام پھیرا یا دو۔ جیسا کہ مؤلف نے یہاں نقل کیا ہے۔ اور شرح سفر السعادۃ میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد میں اتنی دیر توقف فرمایا کہ دوسرے گروہ کے ساتھ مل کر سب نے اکٹھے سلام پھیرا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۳۵۶ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ بَیْنَ ضَجْنَانَ وَ عُسْفَانَ فَقَالَ الْمُشْرِکُوْنَ لِهٰؤُلَاءِ صَلٰوةٌ هِیَ اَحَبُّ اِلَیْهِمْ مِنْ اٰبَائِهِمْ وَ اَبْنَائِهِمْ وَهِیَ الْعَصْرُ فَاَجْمِعُوْا اَمْرَکُمْ فَتَمِیْلُوْا عَلَیْهِمْ مَیْلَةً وَّاحِدَةً وَاِنَّ جِبْرِیْلَ اَتَی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضجنان[۱] و عسفان کے درمیان اترے۔ تو مشرکین بولے کہ ان کی ایک نماز ہے جو انہیں اپنے باپ بیٹوں[۲] سے زیادہ پیاری ہے۔ یعنی عصر تو اپنی طاقت جمع کر لو[۳] اور ان پر ایک دم ٹوٹ پڑو۔ اور حضرت جبریل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو[۴]ئے

اَلنَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَہٗ اَنْ یَّقْسِمَ اَصْحَابَہٗ شَطْرَیْنِ فَیُصَلِّیَ بِھِمْ وَتَقُوْمُ طَآئِفَۃٌ اُخْرٰی وَرَآءَھُمْ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَھُمْ وَاَسْلِحَتَھُمْ فَتَکُوْنُ لَھُمْ رَکْعَۃٌ وَّلِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَکْعَتَانِ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَآئِیُّ)

اور عرض کیا کہ اپنے صحابہ کو دو گروہوں میں بانٹ دیں اور انہیں اس طرح نماز پڑھائیں کہ دوسرا گروہ ان کے پیچھے رہے اور اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار لیے رہیں۔ ان سب کی ایک ایک رکعت ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو رکعتیں۔[9]

(ترمذی۔ نسائی)

[1] ضَجنان ضاد کی زبر جیم ساکن آخر میں دو نون، مکہ معظمہ کے قریب ایک جگہ یا پہاڑ کا نام ہے۔

[2] عُسفان عین پر پیش سین ساکن، مکہ شریف سے دو منزل کے فاصلہ پر ایک مشہور جگہ کا نام ہے۔

[3] اور ایک روایت میں من ابناءہم واموالہم آیا ہے۔ یعنی مال و اولاد سب سے زیادہ پیاری وہ نماز ہے۔

[4] حدیث میں لفظ فاَجمعوا ہے ہمزہ کی زبر جیم ساکن میم کی زیر۔

[5] اصل میں لفظ امر ہے امر بمعنی ارادہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ متفق ہو جاؤ اور یکبارگی ان پر ٹوٹ پڑو اور ان کو ہلاک کر دو، مشرکوں نے آپس میں یہ بات طے کرلی۔

[6] اور آپ کو مشرکین کا شر و فتنہ دفع کرنے کی تدبیر سکھائی کہ اپنے صحابہ کو دو گروہوں میں تقسیم کریں۔

[7] یعنی ان کے آگے یا پیچھے اور لفظ دون پیچھے اور آگے دونوں معنوں کے لیے آتا ہے۔

[8] حِذر حا کی زیر ذال ساکن، پرہیز کرنا۔ سِلاح سین کی زیر، بمعنی سامان جنگ ہے۔

[9] قوم کی نماز کے ایک رکعت ہونے کا مطلب ہے، امام کے ساتھ ایک رکعت، دوسری رکعت وہ اکیلے پڑھیں گے۔ بعض علماء ظاہر پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ نماز خوف کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ گزرا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ صَلٰوۃِ الْعِیْدَیْنِ

نمازِ عیدین کا باب

علماء فرماتے ہیں کہ عید کو اس لیے عید کہتے ہیں کہ یہ ہر سال اپنے اوقات میں لوٹتی اور کرر آتی ہے۔ اور یہ

معنی چونکہ اور بہت سے موقعوں میں بھی پایا جاتا ہے جو لوٹ لوٹ کر اور کرر آتے ہیں اس لیے بعض نے ایک اور قید کا اضافہ کیا یعنی جو فرحت و سرور کے ساتھ لوٹے اور عود کرے۔ عید فطر میں تو فرحت و سرور اس پر ہے کہ اللہ تعالٰے نے پورے روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ اللہ تعالٰے کی بہت بڑی نعمت ہے جس کا شکر بجا لانا چاہیے اور عید اضحیٰ حج کی نعمت تمام ہونے کے شکرانے کے طور پر مقرر کی گئی ہے۔ حج میں بندہ عرفات پہنچتا ہے جو تمام ارکان میں عمدہ رکن ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ الحج عرفۃ یعنی حج تو صرف عرفہ کا نام ہے اور جمعہ ہر ہفتہ کی عید ہے اور ہفتہ کی نمازوں کی نعمت کا شکرانہ ہے۔ تو شریعت پاک میں ہر طاعت پر شکر نعمت کے لیے اس کی جنس سے عید مقرر کر دی۔ تاکہ مزید نعمت کا موجب بنے۔ جیسا کہ فرمایا لئن شکرتم لازیدنکم الایہ۔ تم لوگ اگر نعمتوں کا شکر بجا لاؤ گے تو تمہارے لیے مزید نعمتیں عطا کروں گا۔ لیکن زکوٰۃ کا چونکہ کوئی وقت معین نہیں نہ اس کے لیے کوئی اجتماع منعقد ہوتا ہے اس لیے اس کی تمام ادائیگی کے موقعہ پر اس کے مناسب کوئی شکر نہ تھا۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ بعض نے کہا اسے عید اس کی دوبارہ آمد کی نیک فالی کے لیے کہتے ہیں جس طرح قافلہ کو روانگی کے وقت ہی قافلہ کہہ دیتے ہیں۔ اور یہ لفظ قافلہ تفول سے نکلا ہے بمعنیٰ واپس آنا۔ یعنی خدا کرے یہ قافلہ واپس لوٹ کر آئے۔

پھر عیدین کی نماز امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے ایک قول کے مطابق فرض ہے۔ جس طرح جمعہ فرض ہے۔ اور ایک قول کے مطابق واجب ہے اور اسے سنت جو کہا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ثبوت سنت (حدیث) سے ہے کتاب اللہ سے نہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے صاحبین کے نزدیک عید سنت ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک نفل۔ اور شوافع نے اسے افضل النوافل قرار دیا ہے۔ اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق سنت ہے۔ امام مالک سے مروی ہے کہ عید سنت واجبہ ہے۔ ممکن ہے کہ وجوب سنت کی تاکید کے لیے ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وجوب سے مراد وہی ہو جو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے کہا ہے۔ اور امام احمد کے نزدیک فرض ہے۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ عید فرض کفایہ ہے۔ جیسے نماز جنازہ اور جہاد اور امام ابو حنیفہ سے بھی ایک روایت ہے کہ عید فرض کفایہ ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فصل اول

۱۳۳۶ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ یَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَ الْاَضْحٰی اِلَی الْمُصَلّٰی فَاَوَّلُ شَیْءٍ یَبْدَأُ بِهٖ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فطر اور اضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف نکلا کرتے تھے تو سب سے پہلی چیز جس سے آپ ابتدا کرتے تھے

الصَّلٰوۃُ ثُمَّ یَنْصَرِفُ فَیَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰی صُفُوْفِھِمْ فَیَعِظُھُمْ وَیُوْصِیْھِمْ وَیَاْمُرُھُمْ وَاِنْ کَانَ یُرِیْدُ اَنْ یَّقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهٗ اَوْ یَاْمُرَ بِشَیْءٍ اَمَرَ بِهٖ ثُمَّ یَنْصَرِفُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

نماز تھی[۲] پھر آپ لوٹتے اور لوگوں کے روبرو ہو کر کھڑے ہوتے۔[۳] اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے تھے تو آپ انہیں نصیحت فرماتے، وصیت کرتے اور انہیں حکم دیتے تھے۔[۴] اور اگر آپ نے کوئی لشکر روانہ کرنا ہوتا تو اسے روانہ کرتے۔ یا کسی چیز کا حکم دینا ہوتا تو اس کا حکم دیتے۔[۵] پھر واپس لوٹ آتے تھے۔[۶] (بخاری و مسلم)

ل۱ مصلی یعنی عیدگاہ اور یہ مدینہ پاک میں شہر سے باہر ایک مشہور جگہ ہے جہاں نماز عید پڑھتے ہیں اب اس کے اردگرد چار دیواری بنا دی گئی ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ حجرہ شریف سے اس جگہ تک ایک ہزار قدم کا فاصلہ اور مسافت ہے۔ اور آج کل لوگ نماز عید مسجد شریف میں ہی پڑھتے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات کی تالیف کے زمانہ میں)

ل۲ یعنی نماز عید خطبہ عید سے پہلے ادا فرماتے۔

ل۳ بغیر اس کے کہ منبر پر تشریف فرما ہوتے کیونکہ آپ کے زمانہ اقدس میں عیدگاہ میں منبر نہ تھا۔

ل۴ یہ تینوں معانی ایک دوسرے کے نزدیک ہیں غالباً تینوں کا ذکر تاکید و تقریر کے طور پر کیا گیا ہے علامہ طیبی نے کہا تعظیم کا معنی ہے آپ انہیں وعظ فرماتے اور ڈراتے تھے۔ یوصیھم کا معنی ہے خیر کے حق میں لوگوں کو خیر خواہی اور ہمدردی کی تلقین کرتے اور یامرھم کا معنی ہے کہ انہیں حلال کا حکم دیتے اور حرام سے منع کرتے۔

ل۵ یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے جو لشکر بھیجنے وغیرہ ہر کام کو شامل ہے۔

ل۶ یعنی وعظ و نصیحت وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنے گھر تشریف لے آتے۔

۱۳۴۳ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْعِیْدَیْنِ غَیْرَ مَرَّۃٍ وَلَا مَرَّتَیْنِ بِغَیْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَۃٍ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بار نہیں دو بار نہیں بلکہ زیادہ مرتبہ نماز عید پڑھی ہے وہ بغیر اذان و اقامت کے ہوتی تھی[۱] (مسلم)

ل۱ یعنی نماز عید کے لیے اذان و اقامت نہ ہوتی تھی جس طرح پنجگانہ نماز کے لیے ہوتی ہے اور ایک

روایت میں یہ الفاظ زیادہ آتے ہیں کہ الصلوٰۃ جامعۃ بھی نہیں کہا جاتا تھا۔

۱۳۴۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَيْنِ
قَبْلَ الْخُطْبَةِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور
حضرت[1] ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما عیدین کی نماز خطبہ
سے پہلے پڑھتے تھے۔
(بخاری و مسلم)

[1] حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی تخصیص سنت کی تاکید کے لیے ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ۔ میرے بعد دو شخصوں کی اقتدا اور اتباع کرنا ابوبکر اور عمر کی۔ رضی اللہ عنہما۔ کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس میں کچھ تبدیلی کی تھی۔ وہ یہ کہ آپ عید کی نماز سے پہلے خطبہ پڑھتے۔ آپ نے یہ تبدیلی لوگوں کی کثرت کی بنا پر کی تاکہ سب لوگ نماز میں شامل ہو سکیں۔ اور اس تک پہنچ سکیں۔ اس بارے میں مزید گفتگو آگے آرہی ہے۔

۱۳۴۳ وَسُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَشَهِدْتَ
مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ الْعِيْدَ قَالَ نَعَمْ خَرَجَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى
ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ يَذْكُرْ اَذَانًا وَّلَا اِقَامَةً
ثُمَّ اَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ
وَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَرَاَيْتُهُنَّ يَهْوِيْنَ
اِلٰى اٰذَانِهِنَّ وَحُلُوْقِهِنَّ يَدْفَعْنَ اِلٰى
بِلَالٍ ثُمَّ ارْتَفَعَ هُوَ وَبِلَالٌ اِلٰى
بَيْتِهٖ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا
کہ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز
عید میں حاضر ہوئے ہیں۔ فرمایا ہاں۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید کے لیے باہر تشریف لے
گئے۔ تو نماز پڑھی پھر خطبہ دیا اور ابن عباس نے
اذان و اقامت کا ذکر نہ کیا۔ پھر آپ عورتوں کے
پاس آئے اور انہیں وعظ و نصیحت کی[1] اور
انہیں صدقہ کا حکم دیا تو میں نے انہیں دیکھ کر
وہ اپنے کانوں اور گلوں کی طرف ہاتھ دراز کر رہی
تھیں۔ اور حضرت بلال کی طرف ڈال رہی تھیں۔
پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بلال شتابی
شتابی واپس گھر تشریف لے گئے۔
(بخاری و مسلم)

[1] اور انہیں احکام دین، حالات آخرت اور ثواب و عقاب سے آگاہ کیا۔

ــــ تاکہ ان کے کانوں اور گلوں میں جو زیور رہے اس میں سے حضرت بلال کو دیں۔ اور حدیث میں لفظ قُرطین یا کی پیش اور زبر دونوں طرح مروی ہے۔

ــــ حدیث میں لفظ ارتفع آیا ہے۔ لغت کی کتاب صراح میں ہے رفع بمعنی بیل کا چلنے میں شتابی اور مبالغہ کرنا۔

۱۳۴۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی یَوْمَ الْفِطْرِ رَکْعَتَیْنِ لَمْ یُصَلِّ قَبْلَھُمَا وَلَا بَعْدَھُمَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید فطر کے دن دو رکعتیں پڑھیں۔ ان کے پہلے اور بعد کوئی نماز نہیں پڑھی۔ [1]

(بخاری و مسلم)

[1] یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نماز عید کے پہلے اور بعد کوئی نماز نہیں۔ ترمذی نے کہا اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہم سے بھی ایک حدیث آئی ہے اور حضرت ابن عباس کی حدیث حسن صحیح ہے۔ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ میں سے بعض اہل علم کا عمل اسی پر ہے اور بعض اہل علم نے نماز عید کے بعد نماز پڑھنے کو جائز کہا ہے اور اس سے پہلے بھی جائز کہا ہے [illegible] پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ترمذی کا کلام ختم ہوا۔ زہری نے کہا میں نے اپنے علماء میں سے کسی سے نہیں سنا کہ ان [illegible] کے سلف میں سے کسی کے بارے میں یہ ذکر کیا ہو کہ اس نے نماز عید سے پہلے یا بعد [illegible] کہا کہ نماز عید پڑھنے سے پہلے عیدگاہ میں کوئی نفل نہ پڑھے۔ کیونکہ [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھی تو بعض نے کہا صرف عیدگاہ میں [illegible] اور بعض نے کہا عیدگاہ اور غیر عیدگاہ ہر جگہ میں مکروہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھی۔ [illegible] اگر اس نے عیدگاہ کی طرف جانے سے پہلے نماز اشراق اور نماز چاشت [illegible] کہ کوفی کہتے ہیں کہ نماز عید کے بعد پڑھ لے۔ اس سے پہلے نہ پڑھے [illegible] اور مدنی علماء فرماتے ہیں کہ نہ پہلے پڑھے نہ بعد۔ قول اول کے قائل ہیں اوزاعی، ثوری اور حنفیہ اور قول ثانی کے [illegible] ہیں حسن بصری اور ایک جماعت۔ اور تیسرے قول کے قائل ہیں۔ زہری، ابن جریج [illegible] احمد اور شافعی اور علماء کی ایک جماعت نے کہا کہ نماز عید سے پہلے یا بعد نفل پڑھنے کی کوئی کراہت نہیں۔ اس کے بعد اختلاف ہے کہ اگر نماز عید رہ جائے تو اس کی قضا جائز ہے یا نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ اگر امام کے ساتھ فوت ہو چکی ہو تو قضا نہ کرے۔ کیونکہ نماز اس صفت پر سے عبادت قرار نہیں دیا گیا مگر شرائط مخصوصہ کے ساتھ اور وہ شرائط منفرد میں پوری نہیں ہوتیں۔ کذا فی الہدایہ

اور بعض شروح میں مذکور ہے کہ اگر چاہے کہ دو رکعت یا چار رکعت نماز چاشت کی طرح پڑھے جس طرح دوسرے دنوں میں پڑھی جاتی ہیں اور محیط اور قاضی خان سے نقل کیا جو شخص عیدگاہ آیا اور امام کے ساتھ نماز نہ پائی تو اسے اختیار ہے اگر چاہے واپس گھر چلا جائے اور کوئی نماز نہ پڑھے۔ اور اگر چاہے تو پڑھے اور پھر واپس گھر جائے۔ افضل یہ ہے کہ چار رکعت پڑھے۔ تاکہ اسے نماز چاشت حاصل ہو جائے۔ امام احمد کا مذہب بھی ایسا ہی ہے۔

وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيْدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ قَالَتِ امْرَأَةٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ام عطیہ[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم حیض والی[2] اور پردہ نشین عورتوں کو دونوں عیدوں کے دن باہر نکالیں۔ تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعائیں حاضر شامل ہوں۔ اور حیض والیاں اپنی جائے نماز سے الگ بیٹھیں ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں ایسی عورتیں بھی ہیں جن کے پاس چادر نہیں۔ فرمایا چادر والی عورت اپنی چادر اسے بھی پہنا دے[3] (بخاری و مسلم)

[1] حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بلند مرتبہ صحابیات اور عقلمند عورتوں میں سے تھیں۔ غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتی تھیں اور بیماروں کی تیمارداری اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔

[2] حیض حا کی پیش یا ضمہ کی زبر ہے یہ حائض کی جمع۔ خدور خدر بکسر خا کی جمع ہے یعنی وہ پردہ جو گھر میں [illegible] ڈالا جاتا ہے۔ عبارت کا مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عورتوں کو باہر نکلنے کا حکم دیا۔

جلباب جیم کی زیر سے بمعنی چادر۔

[3] یعنی یہ سنت جس کے پاس چند چادریں ہوں وہ اس عورت کو ایک چادر عاریۃً دے دے جس کے پاس چادر نہ ہو یا یہ کہ اپنی چادر کا ایک کنارہ اس پر بھی ڈال دے اور دونوں ایک چادر پہن کر بیٹھ جائیں۔ اور وہ عورت جس کے پاس چادر نہ ہو اگر وہ کسی سے مانگے یا عاریۃً حاصل کرے تو یہ بھی جائز و روا ہے۔ کہ یہ ایک نیک کام کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے

اسلام آنے سے ان کی یہ دشمنی ختم ہو کر آپس میں دوستی کے ساتھ تبدیل ہو گئی۔ آیۂ کریمہ یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ الخ۔ اے ایمان والو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم میں الفت ڈال دی اسی جانب اشارہ کرتی ہے۔ تو یہ لڑکیاں وہ اشعار پڑھ رہی تھیں۔ یہ سب اشعار جنگ و شجاعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اور ایسے اشعار کا ذکر دینی امور میں معاونت کرتا اور اس سے اہل ایمان کو کفار کے ساتھ جہاد و قتال کی رغبت حاصل ہوتی ہے۔ ان اشعار میں فواحش و منکرات کا ذکر نہ تھا جو حرام ہے اور حاشا و کلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فواحش و منکرات پر مشتمل اشعار کو روا رکھیں۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ لیستا بمغنیتین یعنی وہ دو لڑکیاں مغنیہ نہ تھیں۔ کہ ان کا پیشہ گانا بجانا ہو اور وہ گانے کو اچھا جانتی ہوں۔ اور اس پیشہ میں مشہور و معروف ہوں۔ اور گانے کے ذریعے لوگوں کو فواحش اور نفسانی خواہشات کا شوق دلاتی ہوں۔ جو فتنہ و فساد و معصیت کا داعی بنتا ہے۔ بلکہ وہ کسی اہل خانہ کی چھوٹی چھوٹی بچیاں تھیں اور اس طرح کی بچیاں تھیں جس طرح لوگوں کے گھروں میں ہوتی ہیں۔

سکہ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلو بدلا اور اپنا چہرہ مبارک پھیرا۔

شہ یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گانے اور دف بجانے کے فعل سے ان لڑکیوں کو منع کیا اور انہیں جھڑکا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک شیطانی ساز بجا رہی ہو۔ مزمار ایک آلہ ہے جسے گویے لوگ بجاتے ہیں۔ جیسے بانسری، ہارمونیا اور دف وغیرہ۔ حضرت صدیق اکبر نے اس آلے کی نسبت شیطان کی طرف اس بنا پر کی کہ یہ آلہ دلوں کو لہو و لعب میں مشغول کرتا اور یاد الہٰی سے دور کرتا ہے۔

لکہ کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کی ضیافت و مہمانی کے دن ہیں۔ ان میں فرحت و سرور کا اظہار اگرچہ دف بجانے اور گانے کی شکل میں ہو، جائز و مباح ہے

لکہ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دھیان ادھر سے ہٹ گیا تو حضرت عائشہ نے ان لڑکیوں کو اشارہ کیا اور وہ باہر چلی گئیں۔ واضح ہو کہ یہ ہے وہ حدیث جسے اہل سماع گانے اور ایسے آلات کے ساتھ سننے کی اباحت کے لیے دلیل بناتے ہیں۔ نظر انصاف سے اور تعصب و ہٹ دھرمی کے بغیر اس حدیث سے فوری طور پر جو چیز سامنے آتی ہے یہ ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے گانے اور دف بجانے پر انکار کیا اور اس سے منع کیا اور جھڑکا۔ ایسا اس لیے کیا کہ آپ کے نزدیک گانے بجانے کی حرمت و کراہت ایک امر مقرر اور ثابت شدہ بات تھی۔ اور حضرت صدیق نے یہ بھی گمان کیا کہ نیند یا عدم توجہ کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو اس کا علم نہ ہوا۔ یا آپ نے منع کرنا چاہا ہوگا مگر آپ کو فرصت نہ ملی ہوگی۔ حضرت صدیق اکبر کو یہ علم نہ ہو سکا کہ آپ نے اس کی اجازت دی ہے اور ایسے دن میں اتنا کچھ کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی لیے کہ آپ نے فرمایا فانہا ایام عید۔ یہ عید کے دن ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس فرق و تفصیل کا علم نہ تھا۔ تو یہ حدیث عید وغیرہ مباح موقعوں پر اتنی مقدار کو مباح قرار دیتی ہے۔ فرحت و سرور کے لیے۔ اور اس میں شک نہیں ایسا فعل مخصوص وقت اور مخصوص شکل و ہدایت میں مباح ثابت ہوتا ہے۔ مطلق بلا قید اس کی اباحت حدیث مذکورہ سے ثابت نہیں ہوتی الا یہ کہ اس پر قیاس کیا جائے اور یہ قیاس فرع میں ممانعت وارد نہ ہونے کی شکل میں جائز و درست ہے۔ اور یہی (قیاس سے ثابت کردہ مقامات) محل نزاع ہیں۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ اس کی علی الاطلاق حرمت پر کوئی نص قطعی وارد نہیں ہے۔ جس طرح زنا اور شراب نوشی کی حرمت میں نص قطعی آچکی ہے۔ بعض متاخرین محدثین نے کہا ہے کہ گانے کی حرمت میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ نہ اس کی حرمت پر اور نہ اس کی اباحت پر کوئی نص قطعی موجود ہے۔ اور اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ مگر اس کے باوجود اس امر میں بھی کوئی شک نہیں کہ گانے اور سماع کو ہمیشہ کے لیے عادت بنا لینا طریقہ اتباع کے خلاف ہے۔ تمام فقہاء نے اس باب میں بڑی شدت اور بڑے تعصب سے کام لیا ہے۔ مگر ان کا مقصود اس شدت سے یہ ہے کہ تھوڑی سی گنجائش بھی ختم کی جائے اور اس کا راستہ بالکل بند کر دیا جائے۔ اور صحیح حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ واللہ اعلم۔

١٣٤٩ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْدُوْا يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَاْكُلَ تَمَرَاتٍ وَيَاْكُلُهُنَّ وِتْرًا

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے [illegible]

ف اور حاکم کی روایت میں جو عقبہ بن حمید سے مروی ہے آیا ہے کہ آپ تین یا پانچ یا سات کھجوریں یا اس سے زیادہ کھاتے تھے اور عدد وتر کو تمام کاموں میں پسند فرماتے تھے۔ اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ اللہ تعالیٰ طاق ہے طاق عدد کو پسند کرتا ہے اور کھجوریں تناول فرمانا اس لیے اختیار کیں کہ اس وقت وہی موجود تھیں۔ بعض نے کہا کہ کھجوریں تناول فرمانے کے انتخاب میں یہ حکمت ہے کہ وہ میٹھی ہوتی ہیں اور مٹھاس قوت بینائی کے لیے فائدہ مند ہے اور روزہ بصارت کو کمزور کرتا ہے۔ اور اس بنا پر بھی کہ مٹھاس مزاج ایمان کے موافق ہے۔ علماء نے کہا ہے جو آدمی خواب میں میٹھی چیز کھاتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اسے

علاوہ بعد ایمان نصیب ہوگی۔ اور حلاوت و مٹھاس دل کو نرم کرتا ہے۔ اسی وجہ سے میٹھی چیز کے ساتھ روزہ افطار کرنا افضل ہے۔

۱۳۴۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب عید کا دن ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راستہ بدل کر آتے جاتے تھے[1]۔

(بخاری)

[1] واضح ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس (راستہ بدلنے) حکمت کے بیان میں بہت سے اقوال ہیں بعض نے کہا کہ دو مختلف راستوں پر آنے جانے میں حکمت یہ تھی کہ مختلف جگہوں اور متعدد مواضع میں رہنے والے جنات وانسان وغیرہ آپ کے حق میں گواہی دیں۔ بعض نے کہا کہ اس میں شعائر اسلام کے اظہار کی حکمت ہے۔ اور وہ اس طرح کہ دونوں راستوں میں ذکر خدا اور اشاعت اسلام ہوگی۔ یا اس میں یہ حکمت ہے کہ کفار کو غم وغصہ لاحق ہو اور شوکت اسلام اور دین کے نشانات بلند کرتے اور اہل اسلام کی کثرت وعزت سے کفار خائف و ہراساں ہوں۔ یا یہ حکمت ہے کہ دونوں راستوں کے مسلمانوں کو شامل کرنا مقصود تھا اور ان سب کے لیے حصول برکت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کے دیدار کی سعادت اور مسائل دعلم سیکھنے کا موقعہ ملے۔ اور آپ انہیں ٹھیک باتیں بتائیں انہیں صدقہ سے نوازیں راہ رواں پر سلام کہیں۔ بعض نے کہا کہ آپ اس لیے راستہ بدلتے تھے تاکہ ہجوم کم ہو اور آپ آسانی سے آجا سکیں۔ بعض نے کہا کہ آپ جاتے وقت دور کا راستہ اختیار کرتے۔ اور آتے وقت نزدیک کا راستہ۔ اس اراده سے کہ جاتے میں زیادہ قدم اٹھائیں اور ثواب زیادہ ملے۔ مگر اس توجیہ میں اعتراض ہے کیونکہ جس طرح جاتے وقت قدم لکھے جاتے ہیں آتے وقت بھی فرشتے قدم لکھتا اور ان پر ثواب لکھتا ہے جس طرح حج بیت اللہ کو پہنچنے تک ہر ہر قدم پر ثواب لکھا جاتا ہے۔ اور علما نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ یہ حج کے ساتھ خاص نہیں۔ اور لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ آپ دین کے دشمنوں کے شر سے بچنے کے لیے راستہ بدلتے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ آپ کی تاک میں ہوتے تھے۔ مگر پوشیدہ نہ رہے کہ اگر یہ بات ہوتی تو آپ ہمیشہ ایسا اختیار فرماتے کیونکہ اس صورت میں آپ کے دشمن دونوں راستوں میں سے کسی راستے میں ضرور آپ کی تاک میں بیٹھتے کیونکہ ان کو آپ کی عادت شریف کا علم ہو چکا ہوتا کہ آپ ایک راستے سے جائیں گے اور دوسرے راستے سے واپس آئیں گے۔ حق یہ ہے کہ یہ سب احتمالات ہیں۔ ہر ایک نے اپنے فہم و سمجھ کے مطابق اس کا استنباط کیا۔ اور اللہ سبحانہ اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار اور مصالح افعال کو بہتر جانتا ہے انسانی عقل ان کے ادراک اور ان کے احاطہ سے قاصر و عاجز ہے۔

۱۳۵۱ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِہٖ فِیْ یَوْمِنَا ھٰذَا اَنْ نُّصَلِّیَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ نُّصَلِّیَ فَاِنَّمَا ھُوَ شَاۃُ لَحْمٍ عَجَّلَہٗ لِاَھْلِہٖ لَیْسَ مِنَ النُّسُکِ فِیْ شَیْءٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عید بقر کے دن خطبہ دیا تو فرمایا سب سے پہلا کام جس کے ساتھ آج ہم ابتداء کریں یہ ہے کہ پہلے نماز عید پڑھیں پھر واپس جاکر قربانی کریں۔ تو جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت پالی اور جس نے ہمارے عید پڑھنے سے پہلے قربانی کرلی۔ تو سوائے اس کے نہیں کہ وہ گوشت کیلئے ایک بکری ہے جو اس نے اپنے اہل کیلئے جلدی تیار کرلی۔ اس میں قربانی کا بالکل کوئی مفہوم نہیں۔ (بخاری و مسلم)

لہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔

لہ حدیث میں لفظ نُسک آیا ہے۔ نون کی پیش اور سین ساکن بمعنی عبادت کرنا ناسک یعنی عابد نسیکہ بمعنی قربانی۔ نسک دو پیشوں سے اور سین کی زبر اور زیر سے بمعنی قربانی کی جگہ۔

۱۳۵۲ وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الْبَجَلِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوۃِ فَلْیَذْبَحْ مَکَانَھَا وَمَنْ لَّمْ یَذْبَحْ حَتّٰی صَلَّیْنَا فَلْیَذْبَحْ عَلَی اسْمِ اللّٰہِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز سے پہلے ذبح کرلیا تو وہ اس کی جگہ دوسرا ذبح کرے اور جس نے ذبح نہ کیا یہاں تک کہ ہم نے نماز عید پڑھی تو وہ اللہ کے نام پر ذبح کرے۔

[illegible]

لہ بجلی با و جیم کی زبر اسکیں جندب بن سفیان بجلی کہتے ہیں۔ یہ جد کی طرف نسبت ہے۔ ان سے حضرت حسن بصری اور حضرت ابن سیرین روایت کرتے ہیں۔

لہ یعنی اس کا ذبح کرنا درست اور عبادت میں شمار ہے۔

۱۳۵۳ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ

حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے

ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَاِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهٗ وَاَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نماز سے پہلے جانور ذبح کیا تو اس نے اپنی ذات کے لیے ذبح کیا[1] اور جس نے نماز کے بعد ذبح کیا تو اس نے اپنی عبادت مکمل کرلی اور اس نے مسلمانوں کے طریقے اور سنت کو پا لیا۔

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی یہ وہ گوشت ہے جو اس نے اپنے لیے حاصل کیا۔ یہ خدا کے لیے نہیں۔ اور نہ یہ عبادت میں داخل ہے۔

۱۳۵۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں گائے بکری ذبح کرتے اور اونٹ کا نحر کرتے تھے[1]

(بخاری)

[1] ذبح تو گائے اور بکری کی جاتی ہے۔ ذبح کا طریقہ اور صورت سب کو معلوم ہے۔ اور نحر اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کیا جائے پھر اس کے دونوں اگلے پاؤں کے درمیان گردن کے نیچے نیزہ چلایا جائے۔ تاکہ خون بہ نکلے۔ اور وہ زمین پر گر پڑے۔ اونٹ میں بھی ذبح جائز ہے۔ مگر اس کے لیے نحر افضل ہے۔ اور ذبح کا اطلاق نحر پر بھی آیا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں واقع ہوا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِىْ

دوسری فصل

۱۳۵۵ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ قَالُوْا كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِى الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے[1] اس وقت اہل مدینہ کے دو دن تھے جن میں وہ کھیلتے کودتے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ کیا دن ہیں[2] انہوں نے کہا ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں ان دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے[3] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے بدلے دو اچھے دن عطا کر دیے ہیں

رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ — یہاں تمہیں اُن کے عوض عید فطر کا دن اور عید اضحیٰ کا دن (ابو داؤد)

سلہ اور مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے یہاں آئے۔ یہ واضح نہیں ہو سکا کہ یہ دو دن کون سے دو دن تھے، بعض نے کہا کہ ایک نوروز کا اور دوسرا مہرجان کا دن تھا۔ مگر یہ قول بعید قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ دن ایرانیوں کی عادات اور ان کے خصائص میں سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

سلہ جن میں تم لوگ اہتمام سے کھیل کود میں مشغول ہوتے ہو۔

سلہ یعنی ہمیں اس کا علم نہیں، ہم نہیں جانتے یہ کیا دن ہیں اور کس نے لہو و لعب کے لیے انہیں مختص کیا۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہم اور ہمارے باپ دادا ان دو دنوں کو لہو و لعب میں گزارتے ہیں، اور زمانہ جاہلیت سے ایسا کرتے آ رہے ہیں۔ اس عبارت میں انہوں نے عذر بیان کیا اور اس جانب اشارہ کیا یہ دور جاہلیت کے افعال میں سے ہیں۔ ان میں عبادت کا مفہوم اور سنجیدگی نہیں پائی جاتی۔ اگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں منع کر دیں تو ہم انہیں ترک کر دیں گے۔ جس طرح دور جاہلیت کے دیگر امور ہم نے ترک کر دیے ہیں۔

سلہ یعنی خدا تعالیٰ نے تمہیں اُن دو دنوں کے بدلے جو تم نے جاہلیت میں مقرر کر رکھے تھے، دو بہتر دن تمہیں عطا کر دیے ہیں۔ وہ دو دن کون سے ہیں۔ ایک عید قربان کا دن دوسرا عید فطر کا دن۔ اس [illegible] آپ یہ فرماتے ہیں۔ کہ مومن کی عید حقیقی اور اس کے لیے فرحت و سرور خدا تعالیٰ کی عبادت و بندگی [illegible] اس حدیث میں بڑے لطیف انداز میں لہو و لعب سے روکا گیا ہے۔ اور ایسے دو دن [illegible] ان کے لیے جائز اور مقرر فرمائے جو فحش اور دین و سنت کے خلاف طریقہ سے پاک ہیں۔ اس میں [illegible] مشرکین کی عیدوں [illegible] تہواروں کی تعظیم اور ان سے مسرور ہونے اور ان کے ایسے ایام میں ان کے پاس جانے اور ان کے پروگراموں میں شرکت کرنے سے بھی روکا ہے۔ یہاں تک کہ بعض علما نے مبالغے [illegible] کے طور پر اور کفر و کفار سے متعلق رسومات و لغویات کا دروازہ بند کرنے [illegible] مسلمانوں کو [illegible] دور رکھنے کے لیے اسے کفر کہہ دیا ہے۔ کذا فی فتح الباری۔ اسے سمجھ لو۔

۱۳۵۶/۱۵ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید فطر کے دن عید کو نکلتے جب تک کہ کچھ کھا نہ لیتے اور عید اضحیٰ کے دن کوئی چیز تناول نہ فرماتے جب تک کہ عید کی نماز نہ پڑھ لیتے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

لے حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ان کے حالات متعدد جگہ بیان ہو چکے ہیں۔
۲ے یعنی نماز عید فطر کے لیے نہ تشریف لے جاتے جب تک کہ آپ کچھ تناول نہ فرما لیتے۔
۳ے علماء نے فرمایا ہے کہ عید فطر کے دن نماز سے پہلے کچھ کھانے میں حکمت یہ ہے کہ جب کھانے پینے کی اجازت روزوں کے اختتام پر ملی تو آپ نے اللہ تعالٰے کے حکم کی بجا آوری میں جلدی کرنے کی غرض سے ایسا کیا اگر اللہ تعالٰے کے حکم کی بجا آوری آپ کا مقصد نہ ہوتا تو آپ سیر ہو کر کھا پی لیتے۔ مگر اس کے برعکس آپ چند کھجور ردں پر اکتفا فرماتے۔ لہذا آپ کا یہ تناول فرمانا محض حکم الہٰی کی بجا آوری کے لیے ہوتا تھا۔ بعض نے کہا کہ آپ دونوں عیدوں کے دن ان کا صدقہ ادا کرنے کے بعد کھاتے پیتے تھے۔ اور چونکہ عید فطر کا صدقہ نماز کو جانے سے پہلے ادا کیا جاتا ہے اس لیے عید فطر کے دن آپ نماز سے پہلے کچھ کھا لیتے۔ اور عید اضحٰی کے دن کا صدقہ (قربانی) نماز کے بعد ہوتا ہے۔ اس لیے آپ پہلے نماز عید ادا فرماتے۔ اس کے بعد قربانی کا صدقہ پیش کرتے اور کھاتے۔

١٣٥٧/١٦ وَعَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي الْعِيدَيْنِ فِي الْأُولَى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَفِي الْآخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ ـ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ

حضرت کثیر بن عبداللہ اپنے باپ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قراءت شروع کرنے سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ) (دارمی)

١٣٥٨/١٧ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ مُرْسَلًا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَبَّرُوا فِي الْعِيدَيْنِ وَالْاِسْتِسْقَاءِ سَبْعًا وَخَمْسًا وَصَلَّوْا قَبْلَ الْخُطْبَةِ وَجَهَرُوا بِالْقِرَاءَةِ ـ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ

حضرت جعفر لے بن محمد سے مرسلاً روایت ہے کہ بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے عیدین اور نماز استسقاء میں سات اور پانچ تکبیریں کہیں اور خطبہ سے پہلے نماز پڑھی۔ اور قرارت بلند آواز سے کی۔ اسے امام شافعی نے روایت کیا۔

لے یعنی حضرت امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے بطریق ارسال مروی ہے۔

١٣٥٩/١٨ وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ

حضرت سعید لے بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت

سَأَلْتُ أَبَا مُوْسٰى وَحُذَيْفَةَ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الْأَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ أَبُوْ مُوْسٰى كَانَ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا تَكْبِيْرَهٗ عَلَى الْجَنَائِزِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ صَدَقَ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗد)

روایت ہے فرماتے ہیں میں نے ابوموسیٰ اور حذیفہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید اضحیٰ اور عید فطر میں کتنی تکبیریں کہتے تھے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا چار تکبیریں جنازے کی چار تکبیروں کی طرح۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابوموسیٰ نے سچ کہا۔

(ابوداؤد)

سلہ حضرت سعید بن العاص اموی ہیں۔ اشراف قریش میں سے ہیں۔ آپ سخاوت وفصاحت کے جامع اور ان جلیل القدر حضرات میں سے ہیں جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے مصحف شریف کی کتابت کی۔ علماء نے کہا ہے کہ آپ لب ولہجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے بڑھ کر مشابہ تھے۔ عکۃ العسل ان کا لقب ہے۔ ہجرت کے سال پیدا ہوئے۔ بعض نے کہا ہجرت کے بعد اور بدر سے پہلے پیدا ہوئے۔

سلہ۲ یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما۔

سلہ۳ واضح ہو کہ احادیث میں تکبیرات عیدین مختلف آئی ہیں۔ اور اس بارے میں ائمہ کے اقوال مختلف ہیں تین ائمہ (امام مالک امام شافعی، امام محمد) کے نزدیک پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ ہیں۔ لیکن امام مالک و امام احمد کے نزدیک ان سات میں تکبیر تحریمہ بھی شامل ہے۔ مگر دوسری رکعت کی پانچ تکبیروں میں تکبیر قیام شامل نہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان سات اور پانچ تکبیروں میں تکبیر تحریمہ اور تکبیر قیام شامل نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک پہلی اور دوسری دونوں رکعتوں میں تکبیر تحریمہ اور تکبیر قیام کے علاوہ تین تین تکبیریں ہیں۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے اور جسے امام شافعی رحمۃ اللہ نے اختیار کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ ان دونوں حضرات کی احادیث کے اسناد ان کی تصحیح، تحسین انہیں قوی یا ضعیف کہنے میں بڑا کلام کیا گیا ہے۔ جس کا کچھ حصہ شرح میں مذکور ہے۔ مشائخ حنفیہ فرماتے ہیں اس بارے میں جب کہ احادیث مختلف آئی ہیں تو کم مقدار والی احادیث کو لیں گے۔ کیونکہ دوران قیام تکبیر کہنا اور ہاتھ بلند کرنا خلاف معہود و دستور ہے۔ لہٰذا اقل مقدار کا اختیار کرنا اولیٰ ہوگا۔ کذا فی الھدایۃ۔

بعد ازاں واضح ہو کہ بلاد اسلام میں متعارف و عام مذہب حضرت ابن عباس کا مذہب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اسلامی حکومت خاندان بنی عباس کی طرف منتقل ہوئی تو عباسی حکومت کے حکام و والیوں نے تمام بلاد اسلامیہ کی طرف لکھا کہ ہمارے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مذہب پر عمل کریں۔ اور اس امر کا پابند

کر دیا کہ صرف حضرت ابن عباس کے مذہب پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ اس کے بعد تمام بلاد میں ان کا مذہب قائم اور جاری ہو گیا۔ البتہ ماسے شہر حضرت ومیٰ (اللہ اسے آباد رکھے اور اس کے باشندگان کو آفات سے محفوظ رکھے) کے لوگ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذہب پر ہیں۔ مگر اس کے اطراف واکناف اور باقی بلاد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳۶۰ وَعَنِ الْبَرَاءِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُوْوِلَ يَوْمَ الْعِيْدِ قَوْسًا فَخَطَبَ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عید کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں ایک کمان دی گئی۔ آپ نے اس پر تکیہ لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ (ابوداؤد)

لہ بعض کتب فقہ میں مذکور ہے کہ کمان یا عصا پر تکیہ لگانا مکروہ ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں۔ کیونکہ اس کے جواز میں سنت وارد ہو چکی ہے۔ اور روضۃ العلماء سے نقل کیا گیا ہے کہ ہر شہر وعلاقہ جو فتح ہوا قہر وغلبہ اور جنگ سے وہاں خطبہ میں ہتھیاروں پر تکیہ لگایا جائے۔ اور جو علاقے اس کے بغیر فتح ہوئے ان میں خطبہ کے دوران عصا پر تکیہ لگایا جائے۔ اسی وجہ سے شافعی حضرات مکہ معظمہ میں تلوار پر تکیہ لگاتے ہیں کیونکہ مکہ معظمہ جنگ سے فتح ہوا۔ اور حنفیہ کے نزدیک عصا پر تکیہ لگایا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ جنگ کے بغیر فتح ہوا۔ اور مدینہ طیبہ میں بالاتفاق خطبہ کے دوران ہتھیاروں پر تکیہ نہ لگایا جائے گا کہ وہ جنگ سے فتح نہ ہوا۔

۱۳۶۱ وَعَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَطَبَ يَعْتَمِدُ عَلٰى عَنَزَتِهٖ اِعْتِمَادًا۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو ایک چھوٹے نیزے پر تکیہ لگاتے۔ اسے امام شافعی نے روایت کیا۔

لہ آپ اکابر تابعین میں سے ہیں۔

۲ے حدیث میں لفظ عَنَزَہ (عین کی زبر اور نون وزا) آیا ہے۔ چھوٹا نیزہ۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا۔ خادم اسے اٹھا کر آپ کے ساتھ چلتے تھے اور نماز میں آپ اسے بطور سترہ (آڑ) استعمال کرتے تھے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

۱۳۶۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ شَهِدْتُ الصَّلٰوةَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَبَدَاَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں عید کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے پہلے نماز عید

الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَامَ مُتَّكِئًا عَلٰى بِلَالٍ فَحَمِدَ اللهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ وَحَثَّهُمْ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَمَضٰى اِلَى النِّسَاۤءِ وَمَعَهٗ بِلَالٌ فَاَمَرَهُنَّ بِتَقْوَى اللهِ وَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ
(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

پڑھی پھر خطبہ ارشاد فرمایا بغیر اذان و اقامت کے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت بلال پر تکیہ لگا کر کھڑے ہوئے۔ آپ نے اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کی اور لوگوں کو وعظ فرمایا اور ثواب و عذاب انہیں یاد دلایا اور انہیں طاعت خداوندی کی ترغیب دی اور آپ حضرت بلال کے ساتھ عورتوں کی طرف تشریف لے گئے[1] انہیں خدا خوفی کا حکم دیا۔ اور وعظ و نصیحت فرمائی۔ (نسائی)

[1] جو کہ ایک کونے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

[1363/22] وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ فِيْ طَرِيْقٍ رَجَعَ فِيْ غَيْرِهٖ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن جب ایک راستے سے جاتے تو دوسرے راستے سے واپس تشریف لاتے[1]۔ (ترمذی۔ دارمی)

[1] اس کے اسرار اور اس کی حکمتیں اس باب کی فصل اول میں گزر چکی ہیں۔

[1364/23] وَعَنْهُ اَنَّهٗ اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَصَلّٰى بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِيْدِ فِي الْمَسْجِدِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ، ابْنُ مَاجَه)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عید کے دن بارش ہو رہی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز عید مسجد میں پڑھائی[1]۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ مسجد میں نماز عید پڑھنے سے باہر کھلے میدان میں پڑھنا افضل ہے مگر اہل مدینہ طیبہ کی عادت اور مکہ معظمہ میں بھی یہ ہے کہ نماز عید مسجد نبوی شریف اور حرم کعبہ میں پڑھی جاتی ہے۔

وَعَنْ اَبِي الْحُوَيْرِثِ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَّهُوَ بِنَجْرَانَ عَجِّلِ

حضرت ابوالحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کی طرف لکھا اور وہ نجران میں تھے کہ جلدی

الْاَضْحٰى وَ اَخِّرِ الْفِطْرَ وَ ذَكِّرِ النَّاسَ ۔

جلدی پڑھو اور عید الفطر دیر سے اور لوگوں کو نصیحت کرو۔

(رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)

(شافعی)

۱؎ حُوَیرِث حا کی پیش، واو کی زبر یا ساکن۔ را کی زیر۔ آخر میں ثا۔ حضرت ابو الحویرث تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ (حزم کی زبر زا ساکن) آپ انصاری صحابی ہیں۔ غزوہ خندق پہلا غزوہ ہے جس میں آپ شامل ہوئے۔ آپ کی عمر شریف اس وقت پندرہ سال تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نجران کا عامل مقرر فرمایا۔ (نجران: نون کی زبر جیم ساکن۔ علاقہ یمن میں ایک شہر ہے) آپ وہاں سترہ سال رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط مبارک لکھ کر ان کے سپرد کیا جس میں فرائض وسنن اور دیتوں کا ذکر تھا اور اس میں یہ بھی لکھا جو اس حدیث میں ہے کہ عید بقر جلد پڑھنا وغیرہ۔

۳؎ علماء نے کہا ہے عید بقر جلدی اور عید فطر دیر سے پڑھتے ہیں شاید حکمت یہ ہے کہ جب صدقہ فطر ادا کر دیا گیا اور کچھ کھا پی بھی لیا تو اب کوئی ایسی ضرورت مہم باقی نہ رہی جو کثرت اجتماع کا موجب بن سکے۔ یا یہ کہ وہ کمزوری اور سستی جو رمضان کے روزے رکھنے کی وجہ سے لاحق ہو گئی تھی وہ نماز عید کے لیے جلدی چلنے کو مانع اور رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔ بخلاف عید الاضحی کے کہ اس میں نماز کے بعد صدقہ (قربانی) کیا جاتا اور کھایا پیا جاتا ہے لہٰذا اس میں جلدی کرنے کا حکم ہے۔

۱۳۶۴ وَعَنْ اَبِيْ عُمَيْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَةٍ لَّهٗ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَكْبًا جَاءُوْا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّهُمْ رَاَوُا الْهِلَالَ بِالْاَمْسِ فَاَمَرَهُمْ اَنْ يُّفْطِرُوْا وَاِذَا اَصْبَحُوْا اَنْ يَّغْدُوْا اِلٰى مُصَلَّاهُمْ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ابو عمیر بن انس سے وہ اپنے چچاؤں سے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں، روایت کرتے ہیں کہ ایک قافلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ انھوں نے گواہی دی کہ انھوں نے کل چاند دیکھ لیا ہے۔ اس پر آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ افطار کریں اور کل صبح نماز عید کو جائیں ۱؎

(ابو داؤد، نسائی)

۱؎ کیونکہ یہ لوگ زوال کے بعد پہنچے تھے۔ نماز عید کا وقت گزر چکا تھا۔ ابن ماجہ اور دار قطنی کی روایت میں صراحۃً آیا ہے کہ یہ سوار دن کے آخری حصہ میں آئے تھے۔ دار قطنی کی حدیث کا لفظ اس طرح ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم پر ہلال شوال پوشیدہ رہا۔ (ہمیں دکھائی نہ دیا) چنانچہ لوگ روزے سے اٹھے۔ اسی دن کے آخری حصہ میں چند سوار مدینہ آئے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گواہی دی کہ ہم نے

رات کو عید کا چاند دیکھ لیا ہے۔ ایک روایت میں بعد زوالِ آفتاب کا لفظ آیا ہے۔ احناف کا مذہب یہی ہے جیسا کہ ہدایہ میں کہا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۳۶۷/۲۵ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَا لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمَ الْاَضْحٰى ثُمَّ سَاَلْتُهٗ يَعْنِيْ عَطَاءً بَعْدَ حِيْنٍ عَنْ ذٰلِكَ فَاَخْبَرَنِيْ قَالَ اَخْبَرَنِيْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنْ لَّا اَذَانَ لِلصَّلٰوةِ يَوْمَ الْفِطْرِ حِيْنَ يَخْرُجُ الْاِمَامُ وَلَا بَعْدَ مَا يَخْرُجُ وَلَا اِقَامَةَ وَلَا نِدَاءَ وَلَا شَيْءَ لَا نِدَاءَ يَوْمَئِذٍ وَّلَا اِقَامَةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن جریج[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ مجھے عطا نے حضرت ابن عباس اور حضرت جابر بن عبداللہ سے خبر دی ان دونوں نے فرمایا کہ عید بقر اور عید فطر کے دن اذان نہ کہی جاتی تھی پھر کچھ عرصہ بعد میں نے عطا سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے جابر بن عبداللہ نے خبر دی کہ عید فطر[2] کے دن امام کے نکلنے کے بعد نہ تو نماز کی اذان ہے نہ تکبیر نہ عام اعلان اور کچھ بھی نہیں یعنی اس دن نہ ندا ہے نہ تکبیر (مسلم)

[1] جُریج جیم کی پیش۔ را کی زبر یا ساکن۔ ایک روایت میں جریج جیم اور را کے زبر اور جیم کی زیر یا پیش کی تصریح نہیں۔ ابن جریج کا نام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہے آپ کی قریشی نسب میں آزاد کردہ غلام ہیں بااصل میں آپ رومی ہیں۔ مشہور ائمہ دین سے ہیں اعلام میں شمار ہوتے ہیں ایک قول کے مطابق آپ پہلے شخص ہیں جس نے اسلام میں تصنیف و تالیف کا کام کیا علماء نے کہا ہے کہ آپ امام مالک سے زیادہ ثابت اور زیادہ قوی ہیں ان سے ثوری وغیرہ نے روایت کی ہے۔ کہا گیا ہے کہ آپ متعہ کو جائز رکھتے تھے اور متعہ کرتے تھے۔ آپ ۱۵۰ھ میں مکہ معظمہ میں فوت ہوئے ان کا باپ عبدالعزیز مشہور تابعی ہے مگر جریج اپنے باپ سے زیادہ ثقہ اور زیادہ قابل اعتماد ہیں۔

[2] اس بار عطا نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی تخصیص کی اور صرف نماز عید فطر کا ذکر کیا۔ اور کچھ چیزیں

اور بیان کیں اور کہا الخ۔

۳ے یعنی خطبہ کے لیے۔

۴ے جیسا کہ کہتے ہیں الصلوٰۃ الصلوٰۃ ۔ وغیرہ یہ نفی مطلق کی تاکید کے لیے ہے۔ پھر تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اس دن میں نہ ندا تھی نہ اقامت۔

۱۳۴۴ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَخْرُجُ یَوْمَ الْاَضْحٰی وَیَوْمَ الْفِطْرِ فَیَبْدَأُ بِالصَّلٰوۃِ فَاِذَا صَلّٰی صَلٰوتَہٗ قَامَ فَاَقْبَلَ عَلَی النَّاسِ وَھُمْ جُلُوْسٌ فِیْ مُصَلَّاھُمْ فَاِنْ کَانَتْ لَہٗ حَاجَۃٌ بِبَعْثٍ ذَکَرَہٗ لِلنَّاسِ اَوْ کَانَتْ لَہٗ حَاجَۃٌ بِغَیْرِ ذٰلِکَ اَمَرَھُمْ بِھَا وَکَانَ یَقُوْلُ تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا وَکَانَ اَکْثَرُ مَنْ یَّتَصَدَّقُ النِّسَآءُ ثُمَّ یَنْصَرِفُ فَلَمْ یَزَلْ کَذٰلِکَ حَتّٰی کَانَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَکَمِ فَخَرَجْتُ مُخَاصِرًا مَرْوَانَ حَتّٰی اَتَیْنَا الْمُصَلّٰی فَاِذَا کَثِیْرُ بْنُ الصَّلْتِ قَدْ بَنٰی مِنْبَرًا مِنْ طِیْنٍ وَّلَبِنٍ فَاِذَا مَرْوَانُ یُنَازِعُنِیْ یَدَہٗ کَاَنَّہٗ یَجُرُّنِیْ نَحْوَ الْمِنْبَرِ وَاَنَا اَجُرُّہٗ نَحْوَ الصَّلٰوۃِ فَلَمَّا رَاَیْتُ ذٰلِکَ مِنْہُ قُلْتُ اَیْنَ الْاِبْتِدَاءُ بِالصَّلٰوۃِ فَقَالَ لَا یَا اَبَا سَعِیْدٍ قَدْ تُرِکَ مَا تَعْلَمُ قُلْتُ کَلَّا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اضحیٰ اور فطر کے دن نکلتے تھے۔ اور نماز سے ابتدا کرتے تھے جب نماز پڑھ لیتے تو کھڑے ہو جاتے اور لوگوں کی طرف رخ کرتے جب کہ لوگ اپنی اپنی جائے نماز پر بیٹھے ہوتے تھے پھر اگر آپ کو کسی لشکر کے روانہ کرنے کی حاجت ہوتی تو لوگوں کے سامنے اس کا ذکر فرماتے یا آپ کو کوئی اور حاجت ومزورت درپیش ہوتی تو لوگوں کو اس کا حکم دیتے اور فرماتے صدقہ کرو صدقہ کرو۔ صدقہ کرو[1] تو زیادہ صدقہ کرنے والی عورتیں ہوتی تھیں[2] پھر آپ اپنے گھر کی طرف لوٹ آتے۔ پھر یہ دستور (پہلے نماز پھر خطبہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر خلفاء راشدین کے بعد تک جاری رہا۔ تا آنکہ مروان[3] بن الحکم کا زمانہ آگیا پھر میں مروان کے ساتھ اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالتے ہوئے باہر نکلا۔ یہاں تک کہ ہم عیدگاہ تک پہنچ گئے۔ تو اچانک ہماری نگاہ پڑی کہ کثیر بن الصلت نے عیدگاہ میں اینٹ گارے کا منبر بنایا ہوا تھا اور مروان مجھ سے اپنا ہاتھ کھینچنے لگا۔ گویا وہ مجھے منبر کی طرف کھینچ رہا تھا[4] اور میں اسے نماز کی طرف کھینچتا تھا[5]

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَأْتُوْنَ بِخَیْرٍ مِّمَّا اَعْلَمُ ثَلٰثَ مِرَارٍ ثُمَّ انْصَرَفَ۔
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

جب میں نے انکی یہ حرکت دیکھی تو میں بولا کہ نماز سے ابتدا کرنا کہاں گیا وہ بولا نہیں اے ابو سعید جو تمہارے علم میں ہے وہ بات اب چھوڑ دی گئی ہے۔[8] میں نے کہا ہرگز نہیں۔ اسکی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جو چیز میرے علم میں ہے تم اس سے بہتر کوئی چیز نہیں لا سکتے۔[9] یہ بات آپ نے تین بار فرمائی[10] پھر آپ واپس لوٹ گئے۔[11] (مسلم)

❊ ❊ ❊ ❊

ـــــــــــــــــــ

۱ے یعنی تین بار

۲ے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور آپ کی تاکید کا اثر قبول کرتے ہوئے عورتیں زیادہ صدقہ کرتی تھیں۔

۳ے جو حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا۔

۴ے حدیث میں لفظ مخاصرۃ بجا آیا ہے۔ یعنی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنا خاصرہ بمعنی (پہلو) سے بنا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں ایک کا ہاتھ دوسرے کے پہلو پر ہوتا ہے۔

۵ے یعنی کثیر بن الصلت کندی نے گارے اور کچی اینٹوں کا منبر تیار کیا ہوا تھا اور خود اس کا اپنا مکان بھی وہیں تھا۔ لبن لام کی زبر با کی زیر۔ بر وزن کتف۔ لبن بر وزن ابل بھی آیا ہے۔ یہ شخص (کثیر بن الصلت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہو چکا تھا اور اس کا نام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی کثیر رکھا تھا۔ اس کا نام پہلے قلیل رکھا گیا تھا۔ صاحب جامع الاصول نے اسے صحابہ میں ذکر کیا۔ اور شعبی نے کاشف میں کہا قیل لہ صحبۃ کہا گیا ہے کہ اسے صحبت نبوی کا شرف حاصل تھا۔ بعض نے کہا یہ تابعی ہے۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس کا نام کثیر رکھا تھا۔ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ سب سے پہلے عیدگاہ میں جس شخص نے منبر بنایا وہ مروان تھا اور امام مالک کی تصنیفات سے نقل کیا گیا ہے کہ عیدگاہ میں منبر پر جس شخص نے پہلا خطبہ دیا وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ذات پاک ہے۔

۶ے تاکہ خطبہ نماز سے پہلے پڑھا جائے۔

۷ے تاکہ نماز خطبہ سے پہلے پڑھی جائے۔ جیسا کہ سنت طریقہ ہے۔

۸ے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا فعل تھا۔

۹ے یعنی اے ابو سعید مجھ سے اس بارے میں نزاع اور جھگڑا نہ کر۔

ؔ۱۰ نماز عید پہلے پڑھنے کے فعل میں مصلحت یہ ہے کہ اگر نماز پہلے پڑھی جائے تو لوگ خطبہ سنے بغیر اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ خطبہ سننے کی احتیاط نہیں کرتے۔

ؔ۱۱ اور جماعت میں شریک نہ ہوئے۔ جیسا کہ طیبی نے کہا۔ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ آپ منبر کی جانب سے پھر گئے اور نماز کی جانب متوجہ ہو گئے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ معنی یہ ہو کہ مردان منبر کی طرف گیا تاکہ خطبہ پڑھے اور اس نے حضرت ابو سعید کی بات نہ سنی کہ پہلے نماز ہو گی پھر خطبہ۔ یہ معنیٰ عبارت کے لحاظ سے بہت ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

واضح ہو کہ نماز عید فطر خطبہ سے پہلے ادا کرنا سنت ہے اور کتب فقہ و احادیث کے مؤلفین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے پہلے نماز ادا کرتے تھے آپ کے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا عمل مبارک بھی یہی تھا۔ ترمذی نے کہا کہ صحابہ وغیرہم اہلِ علم کا عمل بھی اسی پر تھا۔ علماء نے کہا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے خطبہ عید نماز سے پہلے پڑھا وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ بھی ایک مدت کے بعد خود آپ نے اپنے سابق دستور کے خلاف کیا۔ جب کہ آپ نے دیکھا کہ لوگ نماز کے لیے نہیں پہنچتے۔ جیسا کہ ابن المنذر نے صحیح اسناد سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ سے روایت کیا۔ یہ وہ علت و وجہ نہیں جس علت و وجہ کا ارادہ مروان نے کیا تھا۔ کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایسا کرنے میں مصلحت یہ تھی کہ لوگ نماز عید کی جماعت میں شامل ہوں۔ اور مروان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ خطبہ سنیں۔ کیونکہ لوگوں نے مروان کے زمانہ میں خطبہ سننا اس وجہ سے ترک کر دیا تھا کہ خطبہ میں ان حضرات کو گالیاں دی جاتی تھیں جو گالیوں کے مستحق نہ تھے اور بعض لوگوں کی مدح و ثنا میں مبالغہ کیا جاتا تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کبھی کبھار اس مصلحت کے پیش نظر ایسا کیا ہو جسے آپ درست جانتے تھے۔ اس کے برعکس مروان نے غرض فاسد کے تحت ہمیشہ کے لیے اس کا دستور بنا لیا تھا۔ بعض نے کہا اس میں سب سے پہلے جس نے تغیر و تبدیل کیا حضرت معاویہ تھے۔ اور مروان نے مدینہ میں اور زیادہ تر ان عمال و حکام نے جو بصرہ میں تھے۔ اس بارے میں ان حضرت معاویہ کی متابعت و فرمانبرداری اختیار کرلی۔ واللہ اعلم۔ شیخ کا کلام ختم ہوا۔ اس روایت کے ثبوت کی صورت میں مروان کا قول قد ترک ما ترکت پر محمول ہو گا۔ یعنی اس میں تبدیلی کا موجد میں نہیں بلکہ لوگ پہلے سے چھوڑ چکے ہیں۔ اس لیے مجھے بھی ایسا کرنا پڑا۔ اسے سمجھ لو۔

بَابُ فِی الْاُضْحِیَۃِ

قربانی کا باب

اُضحیہ ہمزہ کی پیش اور زیر ۔ یا مشدد و مخفف ۔ اس کی جمع اضاحی (یا کی تشدید یا تخفیف سے) اس چیز کا نام ہے جو وقت مخصوص میں تقرب کے طور پر ذبح کی جاتی ہے جیسا اونٹ اور گائے وغیرہ ۔ اور اسے قربانی کہتے ہیں ۔ تضحیہ کا معنیٰ ہے ذبح کرنا اور قربانی کرنا ۔ یوم نحر کو یوم الاضحیٰ اسی بنا پر کہتے ہیں ۔ یا یہ لفظ ضحوٰی سے بنا ہے ۔ یعنی دن کا بلند ہونا ۔ بلکہ اس کا اصل یہی ہے ۔ اضحیہ بھی اسی نسبت سے ہے ۔ کہ وہ تضحیہ (قربانی کرنے) کا اول وقت ہے ۔

واضح ہو کہ قربانی امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کے نزدیک ہر آزاد مسلم مقیم مالدار پر واجب ہے ۔ امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسف کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے ۔ امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور و مختار مذہب یہی ہے ۔ ایک روایت کے مطابق ان کے نزدیک غنی پر واجب اور فقیر پر سنت ہے ۔ ابن الودید کے رسالہ میں جو امام مالک کے مذہب میں لکھا گیا ہے کہا قربانی ہر اس شخص پر جو استطاعت رکھتا ہو سنت واجبہ ہے اور سنت سے مراد وہ راستہ ہے جس پر دین میں چلا جاتا ہے یا سنت واجبہ سے وجوب تاکیدی مراد ہے یعنی حنفی مسلک کے زیادہ نزدیک ہے ۔ ان کے وجوب کی دلیل وہ حدیث ہے جسے ترمذی ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ مخنف (میم کی پیش حا مہملہ کی زبر یا مشدد آخر میں قاف) ابن سلیم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم لوگ عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ہم نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ ہر سال ہر گھر والوں پر قربانی ہے یہ وجوب کا صیغہ ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جسے مالی کشادگی حاصل ہو لیکن وہ قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے ۔ اس قسم کی وعید ترک واجب پر لاحق ہوتی ہے ۔ کذا فی الہدایہ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۳۶۹ — عَنْ اَنَسٍ قَالَ ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِکَبْشَیْنِ اَمْلَحَیْنِ اَقْرَنَیْنِ ذَبَحَھُمَا بِیَدِہٖ وَسَمّٰی وَکَبَّرَ قَالَ رَاَیْتُہٗ وَاضِعًا قَدَمَہٗ عَلٰی صِفَاحِھِمَا وَیَقُوْلُ ۔

پہلی فصل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چت کبرے سینگ والے بکروں کی قربانی کی ۔ انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا بسم اللہ اور تکبیر کہی ۔ حضرت انس فرماتے ہیں میں نے آپ کو ان بکروں کی گردنوں

بِسْمِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پر آپ کا قدم رکھے دیکھا ۔ آپ پڑھ رہے تھے بسم اللہ واللہ اکبر ۔ (بخاری و مسلم)

لہ کبش کاف کی زبر با ساکن بکرا ۔ املحین ، تثنیہ املح ، یعنی کچھ سیاہ کچھ سفید ۔ بعض نے کہا املح وہ بکرا ہے جو سفید زیادہ اور سیاہ کم ہو ۔ ملحہ میم کی پیش لام ساکن وہ رنگ جس کی سفیدی سیاہی سے مخلوط ہو ۔ اقرنین تثنیہ اقرن معنی سینگ والا یعنی لمبے سینگ والا بکرا ۔ ورنہ ہر بکرا سینگ دار ہوتا ہے ۔ یا اقرنین کا معنی ہے صحیح وسالم سینگوں والا ۔

سلہ یعنی ذبح کے وقت جیسا کہ ذبح کے وقت ضروری ہے ۔

سلہ یا اس کے منہ پر ۔ صفاح صاد کی زیر سے جمع صفحہ صاد کی زیر اور فا ساکن بمعنی پہلو و جانب اور چہرہ اور چہرے کی کشادگی ۔

۱۳۴۰ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ يَطَأُ فِيْ سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِيْ سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ فَاُتِيَ بِهٖ قَالَ يَا عَائِشَةُ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلَتْ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْكَبْشَ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ ذَبَحَهٗ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُّحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا بکرا لانے کا حکم دیا جو سینگ والا ہو اس کے پاؤں سیاہ ہوں سیاہی میں ستا ہو[۱] سیاہی میں دیکھتا ہو[۲] ایسا بکرا لایا گیا تاکہ آپ اسے ذبح کریں ۔ آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا چھری لے کر آؤ[۳] پھر آپ نے فرمایا اسے پتھر سے تیز کرو[۴] تو میں نے ایسا ہی کیا ۔ پھر آپ نے اسے پکڑا اور بکرے کو بھی پکڑا اور اسے لٹایا پھر اسے ذبح کیا[۵] پھر فرمایا اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اے اللہ قبول کر محمد اور آل محمد اور امت محمد کی طرف[۶] سے (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر اس سے لوگوں کو چاشت کا کھانا کھلایا[۷] (مسلم)

سلہ یعنی اس کا سینہ اور شکم سیاہ ہو ۔ بروک بمعنی سونا اور زمین پر سینہ رکھنا ۔ اصل میں یہ لفظ اونٹ کے بیٹنے آتا ہے ۔

سلہ یعنی اس کی آنکھیں سیاہ ہوں ۔ جیسا کہ طیبی نے کہا بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ اس کی آنکھوں کے

اردگرد کی جگہ سیاہ ہو۔

۳ مُدیہ میم کی تینوں حرکتوں کے ساتھ۔

۴ حدیث میں لفظ شحذ آیا ہے شین، حا مہملہ اور ذال بمعنی چھری وغیرہ تیز کرنا۔ الشحذ بمعنی سان۔

۵ ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔

۶ ان الفاظ سے بعض حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ قربانی فقراء پر بھی واجب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فقراء و اغنیاء سب امت کی طرف سے قربانی کی۔ مگر یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ ان الفاظ سے ثواب میں شرکت مراد ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت پر فضل و کرم ہے کہ آپ اپنی عبادت کے ثواب میں اپنی امت کو بھی شریک کرتے تھے۔ اللہ تعالے آپ کو ہماری طرف سے اس سے بڑھ چڑھ کر جزاء دے جو اس نے ہر نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی۔

۷ تضحیہ جس طرح ذبح کے معنیٰ میں آتا ہے۔ چاشت کے وقت کھانا کھلانے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ یہاں اس معنیٰ میں ہے۔

۱۳۷۱/۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يَّعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِّنَ الضَّاْنِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسنہ کے سوا جانور ذبح نہ کرو مگر جب کہ تم پر اس کا ملنا دشوار ہو تو بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ ذبح کرو۔ (مسلم)

۱ حدیث میں مُسِنَّۃً (میم کی پیش سین کی زیر نون مشدد) آیا ہے۔

۲ حدیث کے عربی الفاظ میں اس کے لیے لفظ جذعۃ آیا ہے (جیم و ذال کی زبر)

۳ واضح ہو کہ اس حدیث کی شرح میں بڑی تفصیل ہے۔ ہم یہاں حنفی فقہ کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ اور شرح عربی میں ہم نے مذاہب اربعہ کے مطابق مکمل بیان کیا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ قربانی جائز نہیں مگر اونٹ گائے اور بکری سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے ان تین اصناف ذبیحہ کے علاوہ اور کوئی جنس مروی نہیں ہے۔ پھر بکری کی دو قسمیں ہیں۔ ایک معز جسے اردو میں بکری کہتے ہیں دوسری ضان جسے اردو میں بھیڑ کہا جاتا ہے اور لفظ جاموس سین مہملہ کے ساتھ لفظ گاؤمیش سے عربی بنایا گیا ہے۔ یہ بھی گائے کی ہی ایک قسم ہے ان سب اقسام کا ذبح ثنی کے ساتھ یعنی دو دندا جانور جائز ہے۔ اس حدیث میں واقع لفظ مسنہ سے یہی مراد ہے۔

اونٹ پورے پانچ سال کا چھٹے سال میں جب قدم رکھتا ہے تو دوندا ہوتا ہے۔ علماء مصر میں کہا دوندا اونٹ وہ ہے جو چار سال کا ہو چکا ہو۔ گائے دو سال کی دوندی ہوتی ہے اور بکری خواہ ضان ہو خواہ معز۔ ایک سال کی۔ ہدایہ میں ایسا ہی ہے۔ امام احمد کا مذہب بھی احناف کے مذہب کے موافق ہے ملسے ثُنَّیۃ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جانور مذکورہ عمر کو پہنچ کر اگلے دو دانت جنہیں ثنایا کہتے ہیں، گرا دیتے ہیں۔ لفظ ثُنَّیۃ ثن سے ہے یعنی دانت۔ یا یعنی سال تو ان تمام اقسام میں اس عمر کا ہونا شرط ہے۔ مگر بھیڑ سے کہ اس کا جذعہ بھی درست ہے۔ ہدایہ میں کہا فقہا کے مذہب میں بھیڑ کا بچہ (جذعہ) وہ ہوتا ہے جو پورے چھ ماہ کا ہو چکا ہو۔ زعفرانی نے کہا جو سات ماہ کا ہو چکا ہو۔ مگر اتنی عمر کے بچے کی قربانی اس وقت جائز ہے جب کہ وہ اتنا عظیم الجسم اور موٹا تازہ ہو کہ اگر سال کی عمر والوں میں ملایا جائے تو دور سے دیکھنے میں پتہ نہ چل سکے کہ ان میں چھ ماہ کا بچہ کونسا ہے۔ اور اگر چھوٹا اور حقیر دکھائی دے تو پھر جائز نہیں مگر پورے سال کا اور بکری کا چھ ماہ کا بچہ جائز نہیں۔

۱۳۶۲ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلٰى صَحَابَتِهٖ ضَحَايَا فَبَقِيَ عَتُوْدٌ فَذَكَرَهٗ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِّ بِهٖ اَنْتَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَصَابَنِيْ جَذَعٌ قَالَ ضَحِّ بِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بہت سی بکریاں دیں کہ وہ انہیں آپ کے صحابہ میں قربانی کے لیے تقسیم کریں۔ تقسیم کے بعد ایک بکری باقی بچ گئی۔ حضرت عقبہ نے اسکا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے فرمایا اس کی قربانی تم کر لو۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے ایک بچہ ملا ہے۔ فرمایا تم اس کی قربانی کر لو۔ (بخاری ومسلم)

[illegible]

۱؎ یہاں حدیث کے عربی الفاظ میں لفظ عتود آیا ہے (عین کی زبر اس کے بعد تا) بکری کا ایک سالہ بچہ۔ بعض نے کہا عتود وہ ہے جس پر سال کا زیادہ حصہ گزر چکا ہو۔ علماء مصر نے کہا عتود بکری کے بچے کو کہتے ہیں جس طرح جذع بھیڑ کے بچے کو کہتے ہیں جس پر سال کا اکثر حصہ گزر چکا ہوتا ہے۔

۲؎ اور عرض کیا تمام بکریاں تقسیم ہو گئیں صرف بکری کا ایک بچہ باقی رہ گیا ہے۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔

۳؎ واضح ہو کہ عتود اگر بکری کے ایک سال کے بچے کا نام ہے۔ تو پھر یہ قربانی کے لیے بلا شک و شبہ

بالکل ٹھیک ہے۔ اور اگر سال سے کم عمر والے کا نام ہے تو پھر یہ اجازت و کفایت حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص تھی۔ جیسا کہ ابو بردہ کی حدیث میں جَذَعٌ مُعْزٍ (بکری کا چھ ماہ کا بچہ) آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے تو ذبح کر لے۔ اور اس کی قربانی کا جواز صرف تیرے لیے ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق حاصل ہے کہ بعض احکام اشخاص کے لیے خاص کر دیں۔ کیونکہ جملہ احکام قول صحیح کے مطابق آپ کے سپرد کر دیے گئے ہیں۔

۱۳۴۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلَّى۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں گائے بکری ذبح کرتے اور وہیں اونٹ کا نحر کرتے[1] (بخاری[2])

[1] گزشتہ بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ نحر اونٹ کے ساتھ خاص ہے اور ذبح عام ہے اور اونٹ کا نحر کرنا اس کے ذبح کرنے سے افضل ہے۔

[2] یہ حدیث صلوٰۃ العیدین کی فصل اول میں حضرت ابن عمر سے بروایت بخاری گزر چکی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث کا ذکر یہاں چاہیے تھا نہ کہ وہاں۔

۱۳۴۴ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَاللَّفْظُ لَهٗ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گائے سات آدمیوں کی طرف سے اور اونٹ بھی سات افراد کی طرف سے جائز ہے۔ مسلم، ابو داؤد۔ اور یہ ابو داؤد کے الفاظ ہیں[1]

[1] یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ جب حدیث کے یہ الفاظ ابو داؤد کے ہیں تو پھر اسے فصل دوم میں ذکر کرنا چاہیے تھا۔

۱۳۴۵ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَاَرَادَ بَعْضُكُمْ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَمَسَّ مِنْ شَعْرِهٖ وَبَشَرِهٖ شَيْئًا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ذوالحجہ کا عشرہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کسی نے قربانی کرنے کا ارادہ کر لیا ہو تو وہ اپنے بالوں اور بدن کے چمڑے کو بالکل نہ چھوئے

يَأْخُذَنَّ شَعْرًا وَلَا يَقْلِمَنَّ ظُفُرًا وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ رَّأٰى هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَاَرَادَ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَأْخُذْ مِنْ شَعْرِهٖ وَلَا مِنْ اَظْفَارِهٖ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور ایک روایت میں ہے تو وہ بال نہ لے اور ناخن نہ تراشے[۱] ۔ ایک روایت میں ہے جس نے ذوالحجہ کا ہلال دیکھا اور قربانی کا ارادہ کیا تو وہ اپنے بالوں اور ناخنوں میں سے کچھ نہ لے[۲]

(مسلم)

[۱] حدیث میں اس کے لیے عربی لفظ فلا یقلمن آیا ہے لام کی شد اور بغیر شد کے دونوں طرح روایت ہے اور یہ تقلیم یا قلم سے مشتق ہے۔ اور معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔

[۲] اگر تم یہ سوال کرو کہ بال کاٹنا اور ناخن تراشنا تو سمجھ میں آتا ہے۔ مگر بشرہ یعنی جسم کی کھال کاٹنا جو کہ بالوں کے نیچے ہوتی ہے اس کا کیا معنی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بدن کی کھال کاٹنا بھی متصور و ممکن ہے کسی عذر کی بنا پر یا بغیر عذر کے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی منع فرماتے ہیں۔ حضرت شیخ شرح میں فرماتے ہیں۔ کہ ائمہ کرام نے اس مفہوم کی تصریح کی ہے اور فرماتے ہیں شارح علیہ الرحمۃ اس معنی سے مطلع نہ ہو سکے۔ اس لیے انھوں نے کہا کہ بشرہ سے یہاں ایک دوسری روایت کے قرینہ کی بنا پر ناخن مراد ہیں۔ علماء نے کہا ہے کہ بال کاٹنے اور ناخن تراشنے سے ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ حجاج بیت اللہ شریف سے مشابہت پیدا ہو۔ جو کہ حالت احرام میں ہوتے ہیں۔ یہ مشابہت تشریف کی طرح ہے جو بعض کے نزدیک مستحب ہے۔ یا یہ حکمت ہے کہ جسم کے ہر جزو حتیٰ کہ بالوں اور ناخنوں تک کی قربانی واقع ہو۔ اسی لیے منیٰ میں قربانی کے دن پہلے قربانی ہوتی ہے پھر سر منڈایا جاتا ہے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اگر حجاج کرام سے تشبیہ مقصود ہوتا تو یہ حکم تمام ممنوعات احرام کو شامل اور عام ہوتا کہ سلا کپڑا اور خوشبو لگانا وغیرہ بھی ذوالحجہ کے عشرہ میں ممنوع ہوتا۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ ممانعت حرام کے درجہ میں ہے یا کراہت تنزیہ ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک درجہ حرام میں اور دوسری جماعت کے نزدیک کراہت تنزیہہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جامع الاصول میں مسلم کی ایک حدیث حضرت عمرو بن مسلم بن عمار لیثی رضی اللہ عنہ سے نقل کی کہا انھوں نے کہ فرمایا کہ ہم عید قربان کے دن کے قریب ایک حمام میں گئے۔ اہل حمام میں سے کچھ لوگوں نے زیر ناف صاف کرنے کا کام یعنی بالوں کو صاف کیا۔ بعض نے کہا کہ ان ایام میں علما اس سے منع کرتے ہیں۔ اس کے بعد جب میری ملاقات سعید بن المسیب سے ہوئی تو میں نے اس کا ذکر ان سے کیا۔ انھوں نے فرمایا اے میرے برادر زادہ یہ ایک حدیث ہے جسے لوگوں نے فراموش کر دیا ہے۔ اور اس پر عمل کرنا ترک کر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ ذی الحجہ کا چاند دیکھو تو

الحدیث الی آخرہ۔

۱۳۷۶
۸
وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَيَّامٍ نِ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشْرِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا الْجِهَادُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَا الْجِهَادُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَىْءٍ ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسے کوئی ایام نہیں جن میں نیکیاں رب تعالےٰ کو ان دس[1] دنوں سے زیادہ پیاری ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ کی راہ میں جہاد بھی ان سے زیادہ پیارا نہیں[2]۔ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد بھی ان سے پیارا نہیں[3] سوائے اس کے جو اپنی جان اور مال لے کر نکلا اور کچھ واپس نہ لایا[4]

(بخاری)

[1] یعنی ذوالحجہ کے پہلے دس دن۔
[2] جو ان دس ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں کفار کے ساتھ کیا جائے۔
[3] یعنی ان ایام میں تھوڑا اور آسان کام بھی اللہ کے نزدیک جہاد سے افضل ہے۔
[4] کہ اگر وہ اس حد تک پہنچ جائے تو یہ ایک دوسری چیز ہے۔ اور یہ شہادت کی فضیلت ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِىْ

دوسری فصل

۱۳۷۷
۹
عَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ اَقْرَنَيْنِ اَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْئَيْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن [illegible] والے بکرے [illegible] کے ذبح کئے جب انہیں قبلہ رو لٹایا تو فرمایا میں نے اپنا منہ اس کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمان و زمین پیدا کیے میں دین ابراہیمی پر ہوں جو ہر دین سے الگ تھے مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ بے شک میری نماز میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّ أُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ وَأَبِيْ دَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيِّ ذَبَحَ بِيَدِهٖ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِيْ۔

اللہ رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی کا حکم ملا اور میں فرمانبرداروں میں سے پہلا ہوں[۶] الٰہی یہ تجھ سے ہے تیرے لیے ہے محمد اور اس کی امت کی طرف سے بسم اللہ اللہ اکبر پھر ذبح فرمایا۔ احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی اور احمد، ابو داؤد و ترمذی کی دوسری روایت میں ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا اور کہا بسم اللہ اللہ اکبر[۷] الٰہی یہ میری طرف سے اور میرے اس امتی کی طرف سے ہے جو قربانی نہ کر سکے۔

[۱] اصل میں لفظ موجوئین ہے۔ وہ دو بکرے جن کے خصیتین کی رگیں بے کار کر دی گئی ہوں۔ یعنی خصی۔ اگرچہ لغت میں خصا کا معنیٰ ہے خصیتین کو کھینچ لینا مگر یہاں یہی معنیٰ ہے جو بیان کیا گیا ہے۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ خصی کرنا جانور کے لیے نقصان ہے کہ اس کے بعض اجزا کم کر دیے گئے اور جس طرح کہ کان اور سینگ کٹا قربانی کے لیے درست نہیں خصی جانور جو کہ ناقص ہے کس طرح درست ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ خصی ہونا صورت و ظاہر کے اعتبار سے نقصان ہے مگر معنیٰ کے لحاظ سے کمال ہے۔ کیونکہ خصی جانور کا گوشت بہت عمدہ اور بہت لذیذ ہوتا ہے اور اس کی قیمت زیادہ اور گراں ہوتی ہے۔

[۲] اور قربانی کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین و مذہب ہے۔

[۳] جو عبادت اور ذبح کرنے میں غیر خدا کو خدا کا شریک کرتے اور بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔

[۴] یعنی میری نماز اور میری تمام عبادتیں اللہ کے لیے ہیں۔ اور لفظ نسک کا اطلاق و استعمال زیادہ تر اس مخصوص عبادت (قربانی) کے لیے ہوتا ہے۔

[۵] یعنی مجھے توحید اور ترک شرک کا حکم دیا گیا ہے۔

[۶] یعنی میں اسلام لانے والوں اور اس کی قضا و قدر کو تسلیم کرنے والوں میں سے ہوں۔ کبھی آپ اس لفظ کے بجائے وانا اول المسلمین فرماتے۔ یعنی میں اس امت میں پہلا مسلمان ہوں کیونکہ ہر نبی اپنی امت میں سب سے پہلا مسلمان ہوتا ہے۔ بلکہ میں ذات و رتبہ کے لحاظ سے تمام لوگوں میں سب سے پہلا مسلمان ہوں یہ دعا کتاب الصلوٰۃ باب ما یقول بعد التکبیر میں گزر چکی ہے۔

ے۔ یعنی یہ قربانی تیری عطا اور تیرا فضل ہے۔

۸۔ یعنی تیرے ثواب اور تیری رضا کے لیے کر رہا ہوں۔

۹۔ کہ ذبح کے لیے یہی دو لفظ کافی ہیں۔ زیادہ الفاظ فضیلت کے لیے ہوتے ہیں۔

۱۰۔ آپ نے یہاں اپنی آل کا ذکر نہ فرمایا کیونکہ آل بھی امت میں داخل ہے اور اس روایت میں لفظ بیدہ زیادہ آیا ہے اور اس روایت میں یہ الفاظ زیادہ آئے بسم اللہ اللہ اکبر اللھم ھذا عنی وعمن لم یضح من امتی۔ یعنی یہ میری اور میرے اس امتی کی طرف سے ہے جو قربانی نہیں کر سکتا۔

۱۳۶۹/۱۰ وَعَنْ حَنَشٍ قَالَ رَاَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّيْ بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهٗ مَا هٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِيْ اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ فَاَنَا اُضَحِّيْ عَنْهُ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ۔

حضرت حنش[۱] سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو بکرے ذبح کرتے دیکھا تو میں نے ان سے عرض کیا یہ کیا ہے[۲]۔ آپ نے فرمایا بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کروں تو میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں[۳] ابوداؤد اور ترمذی نے اسی کی مثل روایت کی۔

۱۔ حضرت حنش حا مہملہ و ضمہ اور نون کی زبر آخر میں شین معجمہ آپ کوفی تابعی ہیں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی احادیث میں کلام ہے ابوداؤد کہتے ہیں کہ ثقہ ہے۔

۲۔ کہ آپ دو بکرے ذبح کر رہے ہیں جب کہ ایک بکرا بھی کافی ہے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت تھی کہ میری طرف سے ایک بار قربانی کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف سے ایک بار قربانی کی سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو پورا کیا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی کہ میری طرف سے ہمیشہ قربانی کیا کرنا۔ اس بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے۔ حدیث کے ظاہر الفاظ اسی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے۔ بعض [illegible] جائز قرار نہیں دیتے تھے۔ حضرت [illegible] سے منقول ہے کہ میرے نزدیک محبوب تر یہ ہے کہ اس کی طرف سے قربانی کی جگہ صدقہ کرے۔ [illegible] اگر میت کی طرف سے قربانی کرے تو پھر اس میں سے خود کچھ نہ کھائے۔ بلکہ اس قربانی کا سارا گوشت صدقہ کر دے۔

۱۳۷۰/۱۱ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ

نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَ الْاُذُنَ وَ اَنْ لَا نُضَحِّيَ بِمُقَابَلَةٍ وَّ لَا مُدَابَرَةٍ وَّ لَا شَرْقَآءَ وَ لَا خَرْقَآءَ ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاؤدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ الدَّارِمِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ انْتَهَتْ رِوَايَتُهٗ اِلٰى قَوْلِهٖ وَ الْاُذُنَ ۔

ہم لوگ قربانی کے جانور کی آنکھیں اور کان اچھی طرح دیکھ لیں[1]۔ اور ایسا جانور قربانی نہ کریں جس کے کان کا اوپر کا حصہ کٹا ہوا ہو اور نہ اس کی جس کی کان کا نیچے والا حصہ کٹا ہوا اور نہ اس کی جس کے کان میں بڑا شگاف ہو، اور نہ وہ جس کا کان پھٹا ہوا ہو۔ ترمذی۔ ابوداؤد نسائی ودارمی وابن ماجہ۔ ابن ماجہ کی روایت والاذن پر ختم ہو جاتی ہے اور وان لانضحی سے لے کر آخر حدیث تک کے الفاظ اس میں نہیں ہیں۔

[1] کہ ان میں کوئی ایسا نقص و عیب نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی قربانی جائز نہ ہو۔

[2] حدیث میں لفظ مقابلہ ہے با کی زبر سے۔ اسی طرح لفظ مدابرۃ کی با پر زبر ہے۔ اور لفظ شرقاء حمراء کے وزن پر ہے۔

۱۳۸۱/۱۲ وَ عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَنْ نُّضَحِّيَ بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَ الْاُذُنِ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ہم ایسے جانور کی قربانی کریں جس کے سینگ ٹوٹ چکے ہوں اور جس کے کان بھی کٹے ہوئے ہوں[1]۔

(ابن ماجہ)

[1] عربی لفظ اعضب آیا ہے یعنی۔۔۔ (عین اور ضاد معجمہ کی زبر) سینگ کا ٹوٹا ہوا ہونا۔ عضباء وہ بکری جس کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں۔ اس لفظ کا اکثر استعمال سینگ ٹوٹنے میں آتا ہے۔ کبھی کان کے لیے بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ مراد کان کٹنا ہے۔ (مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی)

۱۳۸۲/۱۳ وَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ سُئِلَ مَاذَا يُتَّقٰى مِنَ الضَّحَايَا فَاَشَارَ بِيَدِهٖ فَقَالَ اَرْبَعًا اَلْعَرْجَآءُ اَلْبَيِّنُ ظَلْعُهَا وَ الْعَوْرَآءُ الْبَيِّنُ

حضرت البراء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کس قسم کے جانور قربانی نہ کیے جائیں۔ تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا چار جانور۔ لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر و نمایاں

عَوَرُهَا وَ الْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا وَ الْعَجْفَاءُ الَّتِيْ لَا تُنْقِيْ رَوَاهُ مَالِكٌ وَ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ۔

ہوا کانا جس کا کانا پن واضح اور نمایاں ہو۔ بیمار جس کی بیماری نمایاں طور پر محسوس ہو رہی ہو۔ نہایت دبلا جس کی ہڈیوں میں مغز باقی نہ رہا ہو۔

لہ یعنی جس کا کانا پن کل یا اکثر طور پر ظاہر و نمایاں ہو۔

۲ہ کہ اس کی صحت کی امید نہ ہو۔

۳ہ حدیث میں لفظ تنقی آیا ہے۔ تا کی پیش نون ساکن۔ قاف کی زیر۔

۱۳۸۳/۱۴ وَ عَنْ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يُضَحِّيْ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ فَحِيْلٍ يَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ وَ يَاْكُلُ فِيْ سَوَادٍ وَ يَمْشِيْ فِيْ سَوَادٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سینگ دار، قوی ہیکل نر بکرے کی قربانی کرتے تھے جو سیاہی میں دیکھے سیاہی میں کھائے اور سیاہی میں چلے۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی) (ابن ماجہ)

لہ یہ حدیث کے لفظ فحیل (بروزن کریم) کا ترجمہ ہے۔ یہاں اس کا یہی معنیٰ ہے۔ اس کا اصل معنی نر طاقتور اور مادہ پر کودنے والا بکرا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ قربانی کے لیے بہتر وہ نر بکرا ہے جو مادہ پہ بار بار کود کر چڑھتا ہو۔ مراد طاقتور اور بڑا ہے۔

۲ہ یعنی سیاہ چشم۔ سیاہی میں کھائے یعنی جس کے منہ کا رنگ کالا ہو۔ سیاہی میں چلے یعنی سیاہ قدم

۱۳۸۴/۱۵ وَ عَنْ مُجَاشِعٍ مِنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اِنَّ الْجَذَعَ يُوَفِّيْ مِمَّا يُوَفِّيْ مِنْهُ الثَّنِيُّ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت مجاشع سے جو بنی سلیم سے ہیں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ بھیڑ کا شش ماہہ بچہ اس میں کفایت کرتا ہے جس میں بکری کا ایک سالہ بچہ کافی ہو۔ (ابوداؤد۔ نسائی) (ابن ماجہ)

لہ مُجاشع میم کی پیش جیم کی زبر اور شین معجمہ کی زیر۔ بنی سلیم سین کی پیش۔ لام کی زبر۔ حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ صحابی ہیں قبیلہ بنی سُلیم سے ہیں۔ اور مہاجرین میں سے ہیں۔ جَذع جیم اور ذال کی زبر جذع سے یہاں بھیڑ کا بچہ مراد ہے۔ جیسا کہ باب کے اول میں گزرا۔ اور اگر جذع کی تفسیر اس سے کریں جو پورے سال کا ہو چکا ہو تو پھر بکری کا ایک سالہ بچہ بھی درست ہے۔ کیونکہ ثَنی بکری کے ایک سالہ بچہ کو کہتے ہیں۔ اور لفظ یُوَفّی (فا مشدد) توفیہ مصدر سے ہے۔

۱۳۸۹ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ نِعْمَتِ الْاُضْحِیَۃُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّاْنِ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بھیڑ کا چھ ماہہ بچہ قربانی کے لیے کتنا اچھا لہ ہے۔

(ترمذی)

لہ یعنی بھیڑ کا چھ ماہہ بچہ قربانی کے لیے جائز ہے مگر بکری کا چھ ماہہ بچہ جائز نہیں۔

۱۳۹۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَحَضَرَ الْاَضْحٰی فَاشْتَرَکْنَا فِی الْبَقَرِ سَبْعَۃٌ وَفِی الْبَعِیْرِ عَشَرَۃٌ۔

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ عیدالاضحیٰ آگئی تو ہم گائے پر سات حصہ دار شریک ہوئے۔ اور اونٹ میں دس لہ۔

ترمذی، ابن ماجہ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ۲

لہ اونٹ میں دس حصہ داروں کا اشتراک بعض علماء کے نزدیک جائز ہے۔ مگر جمہور اس پر ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اور گائے و اونٹ کا ایک ہی حکم ہے۔

۲ ترمذی میں ایک حدیث یہ بھی مروی ہے کہ ایک بکری سب گھر والوں کی طرف سے کفایت کرتی ہے مگر اس کا حکم بھی وہی ہے جو بیان کیا گیا کہ یہ بھی منسوخ ہے۔

۱۳۹۱ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا وَ اَشْعَارِهَا وَ اَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ

ابن آدم کا کوئی عمل یوم نحر کے دن کے عمل (خون بہانے) سے محبوب تر نہیں۔ بیشک وہ (قربانی کا جانور) قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا[1]۔ اور بے شک خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کے مقام کو پہنچ جاتا ہے۔ تو اپنے آپ کو اس کے ساتھ خوش کر دو[2]۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

[1] ظلف اس کھر کو کہتے ہیں جو درمیان سے چرا ہوا ہو۔ جیسے گائے اور بکری وغیرہ کا کھر یعنی یہ سب چیزیں قیامت کے دن میزان میں رکھی جائیں گی۔ اور ان کے ساتھ میزان کو بھاری کیا جائے گا۔

[2] یا معنی یہ ہے کہ تمہیں قربانی کے اس عمل سے خوش ہونا چاہیے۔ حدیث کا لفظ طِيْبُوْا تطییب تشدید یا طیب غیر شدے مشتق ہے اور دونوں طرح مروی ہے۔ اول معنی اول روایت کے مطابق اور دوسرا معنی دوسری روایت کے مطابق۔

۱۳۶۸/۱۹ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَيَّامٍ اَحَبَّ اِلَى اللهِ اَنْ يُتَعَبَّدَ لَهٗ فِيْهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنوں میں سے کوئی دن اللہ کے نزدیک اس کی عبادت کے لیے ذوالحجہ کے دس دنوں سے محبوب تر نہیں[1]۔ ان دس دنوں میں سے ایک دن کا روزہ سال کے روزوں کے برابر ہے۔ اور ان کی ایک رات کا قیام (عبادت اہل) لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ اور ترمذی نے کہا اس کی اسناد ضعیف ہے۔)

[1] یعنی ان دس دنوں میں عبادت کرنا باقی تمام دنوں کی عبادت سے افضل ہے۔ جو بھی عبادت کا عمل ہو خصوصاً قربانی کا عمل کہ دیگر تمام اعمال سے فاضل تر اور محبوب تر ہے۔

[2] علماء کا عشرہ ذی الحجہ اور عشرۂ رمضان کی افضلیت میں اختلاف ہے۔ مختار و پسندیدہ قول یہ ہے

کہ ذوالحجہ کے دس دن رمضان کے دس دنوں سے افضل ہیں۔ کہ ان میں عرفہ کا دن ہے۔ مگر رمضان کی دس راتیں عشرہ ذوالحجہ کی دس راتوں سے افضل ہیں۔ کہ ان میں شب قدر ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۴۶/۲۰ — عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ الْاَضْحٰى يَوْمَ النَّحْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَعْدُ اَنْ صَلّٰى وَفَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ يَرٰى لَحْمَ اَضَاحِيَّ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ فَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ وَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ اَوْ نُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ اُخْرٰى مَكَانَهَا وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللّٰهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جندبؓ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں روز اضحیٰ کے دن کہ نحر و قربانی کا دن ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوا۔ تو آپ واپس نہ لوٹے نماز ادا کرنے اور اس سے فارغ ہونے اور سلام پھیرنے سے کہ آپ کیا دیکھتے ہیں کہ قربانیوں کے گوشت ہیں جو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ذبح کی گئی تھیں آپ نے فرمایا جس نے اپنی نماز یا ہماری نماز پڑھنے سے پہلے ذبح کی ہیں۔ تو وہ ان کی جگہ دوسری ذبح کرے اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت جندب نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر کے دن نماز عید پڑھی۔ پھر خطبہ دیا پھر قربانی کا جانور ذبح کیا۔ اور فرمایا جس نے اپنی نماز پڑھنے یا ہماری نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کر لی۔ تو وہ اس کی جگہ دوسری ذبح کرے اور جس نے نماز عید سے پہلے ذبح نہ کیا تو وہ اللہ کے نام پر ذبح کرے۔[1]

(بخاری ومسلم)

[1] یعنی حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے اور انہیں جندب بن سفیان بھی کہتے ہیں۔ دادا کی طرف نسبت کی بنا پر۔ انہیں بجلی، علقمی اور سلمی بھی کہا جاتا ہے۔ پہلے کوفہ میں رہے پھر بصرہ چلے گئے۔ وہاں سے مکہ معظمہ بھی آئے اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے فتنہ کے چار سال بعد اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔ ان سے حضرت حسن بصری اور حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہما روایت

کرتے ہیں۔

۲؎ یہ راوی کا شک ہے کہ یصلی یا کے ساتھ ہے بصیغہ مجہول یا معلوم یا نصلی بصیغہ جمع متکلم ہے۔

۳؎ یعنی اس وقت اس کا ذبح کرنا درست اور ٹھیک ہے۔

۱۳۹۰/۲۱ وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ الْاَضْحٰی یَوْمَانِ بَعْدَ یَوْمِ الْاَضْحٰی۔ رَوَاہُ مَالِکٌ وَقَالَ بَلَغَنِیْ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ مِثْلُہٗ۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عید کے دن کے بعد کے دو دن بھی قربانی کے دن[1] ہیں۔ اسے مالک نے روایت کیا اور کہا مجھے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل حدیث پہنچی ہے۔

۱؎ اضحیٰ اضحاۃ کی جمع ہے کہ یہ اضحیہ کی ایک لغت ہے۔ حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ قربانی تین دن جائز ہے ایک عید کا دن دوسرا گیارہ ذوالحجہ کا دن تیسرا بارہ ذوالحجہ کا دن ہے۔ یہ احناف کا مذہب ہے اور یہی امام مالک و امام احمد کا مذہب ہے۔ امام شافعی کے نزدیک عید کے دن کے بعد تین دن اور ہیں۔ ہدایہ میں کہا ہے کہ احناف کی دلیل وہ ہے جو حضرت عمر حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ کہ ان حضرات نے فرمایا ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں۔ سب سے افضل پہلا دن ہے۔ بلا شبہ انہوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو گی کیونکہ کسی چیز کی تعداد و مقدار میں رائے اور اجتہاد کا دخل نہیں ہو سکتا اور اگر اخبار و احادیث میں تعارض اور تخالف پایا جاتا ہو تو اس صورت میں احناف رحمہم اللہ تعالیٰ احتیاط کے پیش نظر کم مقدار والی روایات کو لیتے ہیں۔

۱۳۹۱/۲۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِیْنَۃِ عَشَرَ سِنِیْنَ یُضَحِّیْ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال قیام پذیر رہے اس عرصہ میں مسلسل قربانی کرتے رہے[1] (ترمذی)

۱؎ ارباب سیر نے ذکر کیا ہے کہ قربانی سنہ ۲ھ میں شروع ہوئی۔

۱۳۹۲/۲۳ وَعَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا ھٰذِہٖ

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ قربانیاں

الْاَضَاحِیُّ قَالَ سُنَّةُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِیْهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوْا فَالصُّوْفُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِّنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ہمارے لیے ان میں کیا اجر و ثواب ہے فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے (بال کا تعلق گائے بکری سے ہے) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پشم میں کیا ثواب ہے۔ (جو بھیڑ اور اونٹ پر ہوتی ہے) فرمایا پشم کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے۔

(احمد۔ ابن ماجہ)

سلہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔

سلہ ان کی اصل کیا ہے۔

سلہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پشم کے لیے بھی شعر (بال کا استعمال آتا ہے)

بَابُ الْعَتِیْرَةِ

عتیرہ کا باب

عتیرہ عتر بکسر عین سے مشتق ہے۔ عتیرہ بروزن ذبیحہ زمانہ جاہلیت کی قربانی ہے جو وہ ماہ رجب میں بتوں کے لیے کرتے تھے۔ ابتداء اسلام میں مسلمان بھی کرتے تھے۔ اس کے بعد منسوخ ہو گیا۔ توریشتی نے کہا بہت سے علماء نے عتیرہ کو مکروہ قرار دیا ہے اور بعض نے اس کے جواز کی ہی نفی کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ کی اس حدیث کی بنا پر جو آ رہی ہے۔ بعض علماء اب بھی مباح جانتے ہیں۔ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ تعالٰی ماہ رجب میں عتیرہ ذبح کیا کرتے تھے۔ جو علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نہی جاہلیت کے فعل کے ساتھ خاص ہے جو وہ بتوں کے لیے کرتے تھے۔ مسلمان خدا کے لیے ذبح کرتے ہیں۔ ان کے لیے کوئی قباحت نہیں۔ ان کے موقف کی تائید حضرت نبیشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کرتی ہے۔ جسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں ماہ رجب میں عتیرہ کیا کرتے تھے۔ اب آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا تم خدا کے لیے ہر ماہ میں کر سکتے ہو۔ حدیث کا مضمون ختم ہوا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فصل اوّل

۱۳۹۳
۱

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا فَرَعَ وَ لَا عَتِيْرَةَ قَالَ وَ الْفَرَعُ اَوَّلُ نِتَاجٍ كَانَ يُنْتَجُ لَهُمْ كَانُوْا يَذْبَحُوْنَهُ لِطَوَاغِيْتِهِمْ وَ الْعَتِيْرَةُ فِيْ رَجَبٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا کوئی فرع[1] نہیں کوئی عتیرہ نہیں۔ راوی کہتا ہے فرع وہ بچہ ہوتا تھا جو ان کے لیے اونٹنی یا بکری پہلے جنتی تھی، وہ اس بچے کو اپنے بتوں کے لیے ذبح کرتے تھے اور عتیرہ وہ ہے جسے ماہ رجب میں ذبح کرتے تھے[2] (بخاری و مسلم)

[1] فرع فا کی زبر سے

[2] یہ حدیث عتیرہ کی نفی اور اس کی حرمت کی دلیل ہے

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۳۹۴
۲

عَنْ مِخْنَفِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ كُنَّا وُقُوْفًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَةَ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ عَلٰى كُلِّ اَهْلِ بَيْتٍ فِيْ كُلِّ عَامٍ اُضْحِيَةً وَعَتِيْرَةً هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْعَتِيْرَةُ هِيَ الَّتِيْ تُسَمُّوْنَهَا الرَّجَبِيَّةَ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ ضَعِيْفُ الْاِسْنَادِ وَقَالَ اَبُوْدَاؤُدَ وَالْعَتِيْرَةُ مَنْسُوْخَةٌ۔

حضرت مخنف[1] بن سُلیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ عرفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے تھے میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا اے لوگو ہر گھر والے پر ہر سال قربانی اور عتیرہ ہے۔ جانتے ہو عتیرہ کیا ہے یہ وہ ہے جسے تم رجبیہ کہتے ہو
[illegible]

ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب اور ضعیف الاسناد ہے۔ ابوداؤد نے کہا عتیرہ منسوخ ہو چکا ہے۔

لہ مخنف میم کا زیر خا ساکن۔ بعد میں نون وخا شکیم سین کی پیش، لام کی زبر۔ آپ صحابی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اصفہان کا والی مقرر کیا تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قربانی اور عتیرہ کے بارے میں حدیث روایت کی ہے۔

۲ے کیونکہ وہ ماہ رجب میں ذبح کیا جاتا ہے۔

۳ے تورپشتی نے کہا کہ عتیرہ کے منسوخ ہونے میں علماء نے کلام کیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع کے دن تھا۔ اور یہ صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف دو تین ماہ پہلے نہی کو ثابت کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۳۹۵ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ بِيَوْمِ الْاَضْحٰى عِيْدًا جَعَلَهُ اللّٰهُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ قَالَ لَهٗ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ لَّمْ اَجِدْ اِلَّا مَنِيْحَةً اُنْثٰى اَفَاُضَحِّيْ بِهَا قَالَ لَا وَلٰكِنْ خُذْ مِنْ شَعْرِكَ وَاَظْفَارِكَ وَتَقُصُّ شَارِبَكَ وَتَحْلِقُ عَانَتَكَ فَذٰلِكَ تَمَامُ اُضْحِيَّتِكَ عِنْدَ اللّٰهِ

رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ

تیسری فصل

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے اضحی کے دن (جسے اللہ نے اس امت کے لیے عید بنایا ہے۔) حکم دیا گیا ہے۔ ایک آدمی نے آپ سے عرض کیا مجھے بتائیں کہ اگر میں دودھ دینے والی ناقہ یا بکری کے سوا کچھ نہ پاؤں۔ کیا میں اس کی قربانی کروں۔ فرمایا۔ نہ بلکہ اپنے بال لے اور اپنے ناخن تراش اور اپنی لبیں کچھ پست کر۔ اور اپنے بال زیر ناف صاف کر لے یہ اللہ کے نزدیک تیری پوری قربانی ہوگی۔ (ابوداؤد ونسائی)

لہ اصل حدیث میں یہاں لفظ منیحہ آیا ہے۔ حائے مہملہ کے ساتھ بروزن کریمہ۔ منح سے مشتق یعنی عطا عربوں کی عادت تھی کہ دودھ دینے والی اونٹنی یا بکری فقراء ومساکین کو دے دیا کرتے تھے تاکہ وہ اس کے دودھ بالوں اور بچے سے فائدہ حاصل کرتے رہیں اور جب تک کہ ان کو اس کی ضرورت ہو اس سے نفع اندوز ہوتے رہیں ضرورت پوری ہونے پر وہ انہیں واپس کر دیتے تھے۔ یہاں منیحہ کے ساتھ انثی کی قید لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکر بھی منیحہ کہتے ہیں۔ اور اس کی تا حماتہ کی تا کی طرح ہے۔ کہ اس کا اطلاق نر کے لیے بھی

ہوتا ہے یا انثیٰ کا لفظ تاکید کے لیے قید اتفاقی کے طور پر لایا گیا ہے۔ یعنی کہ دودھ دینے والی اونٹنی کا نفع زیادہ ہے تو یہ صحابی عرض کرتے ہیں کہ اگر میرے پاس منیحہ کے علاوہ قربانی کے لیے اور کوئی جانور نہ ہو تو کیا میں اس کی قربانی کر دوں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا اسے ذبح نہ کرو۔

۲ ۵ یہ تمام افعال تیری طرف سے قربانی متصور ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر و ثواب میں قربانی کا درجہ رکھیں گے۔

بَابُ صَلٰوۃِ الْخُسُوْفِ

نماز خسوف کا باب

لغت کے اعتبار سے مشہور یہ ہے کہ خسوف کا استعمال چاند کے لیے اور کسوف کا استعمال سورج کے لیے ہوتا ہے۔ حدیث کے راویوں میں سے بعض نے دونوں کے لیے کاف (کسوف) سے روایت کیا ہے بعض نے دونوں کے لیے خسوف کا لفظ روایت کیا ہے اور ایک جماعت نے چاند کے لیے خاء اور سورج کے لیے کاف سے روایت کیا ہے جو احادیث باب میں مذکور ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی خبر دیتی ہیں سب کسوف شمس کے لیے ہیں سوائے دوسری حدیث کہ اس میں احتمال ہے شیخ نے اپنی شرح میں اسے خسوف قمر پر محمول کیا۔ اور سوائے اس بات کے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں واقع ہوا کہ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آیَتَانِ مِنْ آیَاتِ اللّٰہِ فَاِذَا رَأَیْتُمْ ذٰلِکَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ بے شک سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ جب تم انہیں دیکھو تو اللہ کا ذکر کرو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس طرح آیا ہے فَادْعُوا اللّٰہَ وَکَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا۔ یعنی جب تم یہ دو نشانیاں دیکھو تو اللہ کے حضور دعا کرو۔ اللہ کی بڑائی بیان کرو۔ نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔ کہ ان دو احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے نماز کسوف پڑھی یا دعا وغیرہ کی۔ اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث دار قطنی سے نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج اور چاند کے گرہن کے وقت آٹھ رکعتیں چار سجدوں سے ادا کرتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایک حدیث لائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورج و چاند کے گرہن کے وقت چار رکعتیں چار سجدوں کے ساتھ ادا کرتے۔ لیکن ان دونوں احادیث کے اسناد میں کلام ہے۔ واللہ اعلم۔

واضح ہو کہ احناف کے نزدیک سورج گرہن میں دو رکعت نفل با جماعت پڑھی جاتی ہیں۔ ہر رکعت میں ایک رکوع ہے جیسا کہ عادۃً نمازوں میں ہوتا ہے۔ بغیر خطبہ کے۔ اور چاند گرہن میں جماعت نہیں۔ بلکہ ہر شخص اکیلا اکیلا پڑھے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالےٰ کے نزدیک سورج گرہن اور چاند گرہن دونوں میں جماعت اور خطبہ ہے اور حضرت ابن عباس کی حدیث کے مطابق ہر رکعت میں دو رکوع ہیں۔ اسی طرح امام احمد کے نزدیک ان کے مشہور مذہب کے مطابق اور ان کے اکثر اصحاب کے نزدیک اکیلے اکیلے اور ہر رکعت میں ایک رکوع اور بغیر خطبہ کے بھی جائز ہے۔ احناف کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ کہ وہ احناف کے مذہب کو واضح طور پر ثابت کرتی ہے اور یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ عورتوں اور بچوں کی نسبت ان مردوں پر حقیقت حال زیادہ واضح ہوتی ہے۔ جو صف اول میں کھڑے ہوتے ہیں۔ کیونکہ عورتوں اور بچوں کو بالکل پچھلی صفوں میں کھڑا کیا جاتا ہے اس لیے مردوں کی روایت زیادہ راجح ہو گی کذا فی الھدایۃ۔ اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالےٰ ایسی صحیح اور حسن احادیث لائے ہیں جو حنفیہ کے مذہب کو ثابت کرتی ہیں۔ اور ان احادیث پر محدثین نے اعتراضات کیے ہیں۔ جن میں ایک رکعت میں ایک سے زیادہ رکوعوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ راویوں کا ان احادیث میں اضطراب ہے کہ بعض نے ایک رکعت میں دو رکوع کی روایت کی۔ بعض نے تین رکوع۔ بعض نے چار اور بعض نے پانچ۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہ نماز بھی مشہور طریقہ کے مطابق پڑھی جائے۔ پھر یہ طریقہ اس مطلق روایت کی مثل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَاِذَا کَانَ ذٰلِکَ فَصَلُّوْا۔ کہ جب گرہن کا وقت ہو تو نماز پڑھو۔ اور اسی شدید اضطراب کے پیش نظر احناف کے بعض مشائخ نے فرمایا کہ پچھلی صفوں والوں کو یہ اشتباہ زیادہ ہجوم کی وجہ لاحق ہوا اور ظاہر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں گرہن کا واقعہ صرف ایک دفعہ واقع ہوا اور کسی راوی نے بھی ایک سے زیادہ بار اس واقعہ کے پیش آنے کو روایت نہیں کیا۔ کیونکہ دس سال کے عرصہ میں متعدد بار گرہن کا واقعہ ہونا بعید اور خلاف عادت ہے۔ لیکن صاحب ہدایہ کا قول کہ مردوں پر حقیقت حال زیادہ واضح ہو سکتی ہے اس وقت مکمل دلیل بن سکتا ہے جب کہ حضرت عائشہ کے علاوہ مردوں میں سے کسی نے حضرت عائشہ کے ساتھ موافقت نہ کی ہو۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۳۹۸ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ الشَّمْسَ خَسَفَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا۔ تو آپ نے ایک

فَبَعَثَ مُنَادِيًا اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِىْ رَكْعَتَيْنِ وَاَرْبَعَ سَجَدَاتٍ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا رَكَعْتُ رُكُوْعًا قَطُّ وَلَا سَجَدْتُ سُجُوْدًا قَطُّ كَانَ اَطْوَلَ مِنْهُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

منادی کو بھیجا کہ لوگوں میں ان الفاظ کے ساتھ ندا کرے الصلوٰۃ جامعۃ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور چار رکوعوں سے دو رکعتیں پڑھیں[2] اور چار سجدے کیے[3]۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کبھی بھی اس نماز سے زیادہ لمبا رکوع اور سجدہ نہیں کیا[4]۔ (بخاری ومسلم)

[1] یعنی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں۔

[2] جیسا کہ اس کی صورت آگے آرہی ہے یہ مشہور طریقہ (ہر رکعت میں ایک رکوع) کے خلاف ہے۔

[3] جیسا کہ معہود ومشہور ہے۔

[4] کہ یہ باقی تمام نمازوں سے دراز تھا۔

۱۳۹۴ وَعَنْهَا قَالَتْ جَهَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ صَلٰوةِ الْخُسُوْفِ بِقِرَاءَتِهٖ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند گرہن کی نماز میں بلند آواز سے قراءت کی[1]۔ (بخاری ومسلم)

[1] جیسا کہ شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی شرح میں فرمایا۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند گرہن کی نماز کی روایت ثابت ہے۔ ورنہ خسوف کا لفظ سورج کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہو چکا۔

۱۳۹۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهٗ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا نَحْوًا مِّنْ قِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی[1] آپ نے بڑا دراز قیام کیا سورہ بقر کی قراءت کے بقدر[2] پھر دراز رکوع کیا[3] پھر اٹھے تو بہت دراز قیام کیا جو پہلے قیام سے کچھ کم تھا پھر دراز رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر اٹھے۔ پھر سجدہ کیا[4] پھر قیام

وَهُوَ دُوْنَ قِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَقَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيٰوتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِيْ مَقَامِكَ هٰذَا ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ إِنِّيْ رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْدًا وَلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا وَرَأَيْتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ أَفْظَعَ وَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ قَالُوْا بِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُفْرِهِنَّ قِيْلَ يَكْفُرْنَ

کیا تو بہت دراز قیام فرمایا۔ جو پہلے قیام سے کم تھا۔ پھر دراز رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر سر اٹھایا تو دراز قیام کیا۔ پھر دراز رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر سر اٹھایا پھر سجدہ کیا۔ پھر فارغ ہوئے۔ جب کہ سورج صاف ہو چکا تھا پھر فرمایا کہ سورج و چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں نہ تو کسی کی موت کی وجہ سے گہنتے ہیں۔ نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے۔ جب تم یہ دیکھو تو اللہ کا ذکر کرو۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنی اس جگہ میں کچھ لیا پھر دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹے۔ فرمایا میں نے جنت ملاحظہ کی تو اس سے خوشہ لینا چاہا اگر لے لیتا تو تم رہتی دنیا تک کھاتے رہتے اور میں نے آگ دیکھی تو آج کی طرح گھبراہٹ والا منظر کبھی نہ دیکھا۔ میں نے دوزخ میں عورتوں کی تعداد زیادہ دیکھی۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیوں۔ فرمایا ان کے کفر کی وجہ سے۔ عرض کیا گیا کیا وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں۔ فرمایا خاوند کی ناشکری اور احسان فراموشی کرتی ہیں۔ اگر تم ان سے زمانہ بھر تک نیکی کرو۔ پھر تمہاری طرف سے کچھ ذرا سی بات دیکھ لیں تو کہتی ہیں کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہ دیکھی۔

بِاللّٰہِ قَالَ یَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ وَ یَکْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰی اِحْدٰىھُنَّ الدَّھْرَ ثُمَّ رَاَتْ مِنْكَ شَیْئًا قَالَتْ مَا رَاَیْتُ مِنْكَ خَیْرًا قَطُّ ۔

مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

(بخاری و مسلم)

لہ ایسی ہی روایت بخاری کی ہے۔ مسلم کی روایت میں انکسف آیا ہے۔ اور شرح سنہ میں خسفت کا لفظ آیا ہے۔ آپ نے اس موقعہ پر لوگوں کی امامت کی اور لوگوں نے آپ کی اقتدا کی۔

۲ یعنی وقت کی اتنی مقدار صرف کی جس میں سورہ بقرہ پڑھ سکتے ہیں۔ اس سے یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے سورہ بقرہ پڑھی تھی۔ واللہ اعلم۔

۳ بعض روایات میں آیا ہے کہ قیام کی طرح رکوع فرمایا۔

۴ دون قریب کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دوسری رکعت میں آپ نے قرات کی یا تسبیح پڑھی بظاہر دوسرا احتمال ہے۔ واللہ اعلم۔

۵ جیسا کہ معروف طریقہ ہے کہ دو سجدے کیے دونوں کے درمیان بیٹھے۔ یہاں طویل کا ذکر نہ کیا۔

۶ یعنی تشہد اور سلام کے بعد اور ظہور کی وجہ سے ان کا ذکر نہ کیا۔

۷ یعنی سورج نمایاں، صاف اور روشن ہو گیا۔

۸ جو اپنے وجود اور گرہن کے ساتھ متاثر ہونے سے باری تعالیٰ کی قدرت و عظمت کے کمال پر دلالت کرتے اور اہل عقل و دانش کے لیے موجب عبرت بنتے ہیں کہ ایک گھڑی میں باوجود نورانیت و تمازت کے تاریک اور ماند پڑ جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اللہ اس پر بھی قادر ہے معاذ اللہ کہ لوگوں سے ایمان کی روشنی لے لے۔ اور انہیں بے نور اور تاریک کر دے۔

۹ یہ اہل جاہلیت کے اعتقاد کی تردید ہے۔ کہ چاند یا سورج گرہن کسی حادثہ عظیم مثلاً کسی بڑے آدمی کے مرنے یا نقصان عام کے ظہور پذیر ہونے پر ہوتا ہے۔ اتفاقاً اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال بھی ہوا تھا۔ اور لوگ کہتے تھے کہ شاید گرہن کا سبب ان کی موت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت کے اعتقاد کے مطابق کسی بڑے آدمی کی موت پر گرہن ہوتا تھا۔ لہذا یہاں زندگی کا ذکر موت کی مناسبت کے طور پر کر دیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

سنلہ یا آپ نے اسی جگہ جہاں آپ کھڑے تھے کسی چیز کے پکڑنے کا ارادہ فرمایا یا اس جگہ جہاں آپ نے ہمیں پند و نصیحت کی کیونکہ آپ نے نماز کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے

سلله لغت کی کتاب صراح میں ہے منقود بمعنیٰ خوشہ انگور۔ ظاہر مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک لو اخذتہ الخ کے قرینہ کی بنا پر معنیٰ یہ ہوگا کہ میں نے پکڑنے کا ارادہ کیا۔

سلله معنیٰ یہ ہے کہ میں نے اپنے لیے تو اس میں سے لیا اور ساگر میں تمہارے لیے اسے لیتا تو تمہیں بھی دیتا کہ ہمیشہ تم اس سے کھاتے رہتے۔ اس طرح کہاں سے جو دانہ تم کھا لیتے وہاں فوراً دوسرا دانہ لگ جاتا جیسا کہ بہشت کے میووں کی خاصیت ہے۔ اور کھانے اور پھل اور تیل کا بڑھ جانا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے وقوع پذیر ہوا۔

۱۳۹۹ وَعَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَتْ ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ وَلَا لِحَيٰوتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْيَرَ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَّزْنِيَ عَبْدُهٗ اَوْ تَزْنِيَ اَمَتُهٗ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مثل اور حضرت ام المومنین نے فرمایا کہ پھر سجدہ کیا تو دراز سجدہ کیا پھر فارغ ہوئے جب کہ آفتاب کھل چکا تھا پھر لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں کسی کی موت اور زندگی کی وجہ سے انہیں گرہن نہیں لگتا۔ جب تم یہ دیکھو تو اللہ سے دعا کرو، تکبیریں کہو، نماز پڑھو اور خیرات کرو۔ پھر فرمایا اے محمد مصطفیٰ کی امت رب کی قسم اللہ سے زیادہ کوئی اس پر غیرت مند نہیں کہ اس کا غلام یا لونڈی زنا کرے۔ اے محمد مصطفیٰ کی امت رب کی قسم اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ ۔

(مسلم بخاری)

۱ے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن عباس کی حدیث سے یہ الفاظ زیادہ روایت کیے کہ آپ نے دراز سجدہ کیا۔ اور آپ نے خطبہ دعا تکبیر، نماز اور صدقہ کا مضمون زیادہ کیا۔ اور آگے آنے والا مضمون بھی زیادہ بیان کیا۔

۲ے غیرت کا معنیٰ ہے کسی شخص کا اس بات کو ناپسند جاننا کہ کوئی دوسرا کسی ایسی چیز میں اس کے ساتھ شریک ہو جائے جو اس کا حق ہو۔ اور خدا تعالےٰ کے غیرت فرمانے سے مراد اللہ تعالےٰ کا اپنے امر ونہی میں مخالفت کو ناپسند جاننا ہے اور خدا تعالےٰ کی غیرت تمام نافرمانیوں میں ہوتی ہے۔ زنا کا ذکر تمثیل کے طور پر ہے اور اس کی تخصیص اس بنا پر ہے کہ اس میں زیادہ غیرت پائی جاتی ہے۔

۳ے یعنی آخرت اور قیامت کے حالات اور خدا تعالےٰ کی صفات جلالیہ اور اس کے احکام قہریہ جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ

۱۴۰۰ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَزِعًا یَخْشٰی اَنْ تَکُوْنَ السَّاعَۃُ فَاَتَی الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی بِاَطْوَلِ قِیَامٍ وَّرُکُوْعٍ وَّسُجُوْدٍ مَا رَاَیْتُہٗ قَطُّ یَفْعَلُہٗ وَقَالَ ھٰذِہِ الْاٰیَاتُ الَّتِیْ یُرْسِلُ اللّٰہُ لَا تَکُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیٰوتِہٖ وَلٰکِنْ یُّخَوِّفُ اللّٰہُ بِھَا عِبَادَہٗ فَاِذَا رَاَیْتُمْ شَیْئًا مِّنْ ذٰلِکَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِکْرِہٖ وَدُعَائِہٖ وَاسْتِغْفَارِہٖ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں سورج گرہن ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر کھڑے ہوئے۔ آپ اس طرح ڈرے اور گھبرائے گویا کہ قیامت آگئی۱ے۔ آپ مسجد میں تشریف لائے اور اتنے لمبے قیام، رکوع اور سجدہ سے نماز پڑھی کہ میں نے اس کی مثل کبھی نہ دیکھا تھا اور فرمایا یہ نشانیاں ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ بھیجتا ہے وہ کسی کی موت اور زندگی کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان کے ساتھ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تو جب تم ان میں سے کوئی چیز دیکھو تو اللہ تعالےٰ کے ذکر اس کے حضور اور گناہوں کی معافی سے پناہ لو۔ (بخاری و مسلم)

۱ے یہ راوی کی تخیل و تمثیل ہے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا کہ جب تک آپ لوگوں میں تشریف فرما ہیں۔ قیامت قائم نہ ہوگی۔ نیز وہ وعدے جو حق سبحانہ نے آپ کا ساتھ کیے ہوئے ہیں، ابھی تک پورے نہیں ہوئے۔

۲؎ کہ وہ اپنی قدرت سے حالت کے بدلنے، نعمت چھین لینے، عذاب نازل کرنے اور مصیبت وبلا مسلط کرنے پر (اعاذنا اللہ) قادر ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے

۳؎ لغت کی کتاب صراح میں ہے تفزع۔ فا دنسا کی زیر سے۔ ڈرنا اور پناہ ڈھونڈنا۔

۱۴۹۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِىْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ سِتَّ رَكَعَاتٍ بِاَرْبَعِ سَجَدَاتٍ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا جس دن حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے۔ تو آپ نے لوگوں کے ساتھ چھ رکوع چار سجدوں سے پڑھے۔[۲] (مسلم)

۱؎ آپ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم اطہر سے تھے۔ اور مدینہ منورہ میں ۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ اور دس ہجری میں شیر خوارگی کے عالم میں انتقال فرما گئے۔ لوگوں نے کہا یہ سورج گرہن انکی موت کی وجہ سے ہوا ہے۔

۲؎ یعنی ہر رکعت میں تین رکوع کیے۔ مگر دو رکعتوں میں سجدے چار ہی کیے۔ جیسا کہ مشہور اور معروف طریقہ نماز ہے۔

۳؎ اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ عاشورہ، یا دسویں ربیع الاول شریف کے دن فوت ہوئے۔ اس میں نجومیوں کے قول کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ گرہن نہیں ہوتا مگر مہینے کے آخری تین دنوں میں۔ اگرچہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور عاشورہ یا دس ربیع الاول کے دن گرہن خلاف عادت تھا۔ اور اگر نجومی لوگ یہ کہیں کہ مذکورہ تین دنوں کے علاوہ گرہن ہوتا ہی نہیں تو ان کا یہ قول بالکل باطل ہے۔ کیونکہ ان اللہ علی کل شئی قدیر۔ بے شک اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے۔

۱۴۹۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ فِىْ اَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَعَنْ عَلِيٍّ مِثْلُ ذٰلِكَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ جب سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکوع چار سجدوں کے ساتھ کیے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل روایت ہے۔[۲]

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

سلہ یعنی دو رکعتیں پڑھیں ہر رکعت میں چار رکوع کیے۔

سلہ یعنی ان سے بھی ایسی ہی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح یہ نماز پڑھی۔ یا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گرہن کے وقت اسی طرح نماز گرہن پڑھتے تھے۔

۱۴۰۳ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنْتُ اَرْتَمِيْ بِاَسْهُمٍ لِّيْ بِالْمَدِيْنَةِ فِيْ حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ كَسَفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهَا فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَاَنْظُرَنَّ اِلٰى مَا حَدَثَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ وَهُوَ قَائِمٌ فِي الصَّلٰوةِ رَافِعٌ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يُسَبِّحُ وَيُهَلِّلُ وَيُكَبِّرُ وَيَحْمَدُ وَيَدْعُوْا حَتّٰى حُسِرَ عَنْهَا فَلَمَّا حُسِرَ عَنْهَا قَرَءَ سُوْرَتَيْنِ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِيْ صَحِيْحِهٖ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وَفِيْ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں مدینہ میں تیراندازی کیا کرتا تھا کہ سورج گرہن ہوا میں نے تیر پھینک دیے اور کہا کہ رب کی قسم میں دیکھوں گا کہ سورج گرہن کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا واقعہ پیش آیا ہے[2]۔ فرماتے ہیں۔ میں حضور اقدس کی خدمت میں آیا حضور نماز میں ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے اور آپ تسبیح تہلیل تکبیر۔ اور حمد کر رہے تھے اور دعا مانگ رہے تھے۔ یہاں تک کہ سورج سے گرہن کھل گیا جب گرہن کھل گیا تو آپ نے دو سورتیں پڑھیں اور دو رکعت نماز ادا کی[3]

مسلم نے اپنی صحیح میں عبدالرحمٰن بن سمرہ سے روایت کیا۔ اسی طرح شرح سنہ میں انہی سے اور مصابیح کے نسخوں میں حضرت جابر بن سمرہ سے[4]۔

سلہ آپ عبد شمس بن عبد مناف کی اولاد سے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو سعید عبشمی ہے۔ عبد شمس کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔ ان کا پہلا نام عبدالکعبۃ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ آپ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ آپ طلقاء مکہ میں سے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے آپ نے

سبحان اور کامل فتح کیا۔

۲ھ اور آپ اس وقت کس حال میں ہیں۔

۳ھ جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے بیان کیا ہے اس کی صورت یہ تھی کہ آپ نے نماز کی نیت باندھی اور پہلی رکعت کا قیام لمبا اور دراز کیا۔ کہ اس میں تسبیح و تہلیل تکبیر و دعا کی یہاں تک کہ گرہن ختم ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے قرآن پاک پڑھا اور رکوع و سجدہ کیا اس کے بعد دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے۔ اس میں بھی قرآن پاک پڑھا۔ رکوع اور سجدہ کیا۔ تشہد پڑھا اور سلام پھیرا۔ اسے سمجھو۔

۴ھ اگرچہ صاحب مصابیح صحابی کا ذکر کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ مگر یہاں آپ نے حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا۔ اور مولف رحمۃ اللہ (صاحب مشکوٰۃ) یہ حدیث عبدالرحمٰن بن سمرہ سے لائے اور اس کی تائید مسلم اور شرح سنۃ کی روایت سے کی کہ وہ بھی صاحب مصابیح سے ہے۔ پھر اپنی تائید و تاکید کے لیے رواہ مسلم فی صحیحہ کا لفظ بھی کہا۔ ورنہ فی صحیحہ کے ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

۱۴۹۳۔ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ لَقَدْ اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْعَتَاقَۃِ فِیْ کُسُوْفِ الشَّمْسِ۔

رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ البتہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

(بخاری)

لہ حدیث میں لفظ عتاقہ عین کی زبر سے آیا ہے بمعنی اعتاق (آزاد کرنا)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۱۴۹۴۔ عَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ کُسُوْفٍ لَا نَسْمَعُ لَہٗ صَوْتًا۔

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ۔

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سورج گرہن کی نماز اس طرح پڑھائی کہ ہم آپ کی آواز نہ سنتے تھے لہ

(ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)
(ابن ماجہ)

لہ یعنی آپ نے پست آواز سے قرأت فرمائی۔ شیخ ابن حجر نے اپنی شرح میں کہا کہ شافعیہ کا مذہب سورج گرہن کی نماز میں اخفاء قرأت ہے۔ کیونکہ یہ دن کی نماز ہے۔ شیخ کا کلام ختم ہوا۔ اسی بنا پر شیخ موصوف نے حضرت عائشہ کی حدیث میں جو اس باب کی دوسری حدیث ہے۔ گرہن کو چاند گرہن پر محمول کیا جس میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خسوف میں جہری قرأت کی۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ آپ کے صاحبین کے نزدیک جہری قرأت ہے۔ اور امام محمد سے ایک روایت کے مطابق ان کا قول بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے قول کی طرح ہے کیونکہ یہ نماز نوافل کی شکل میں ادا کی جاتی ہے۔ جیسا کہ گزرا۔

۱۴۰۴ وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ قِيلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَاتَتْ فُلَانَةُ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَّ سَاجِدًا فَقِيلَ لَهُ تَسْجُدُ فِي هٰذِهِ السَّاعَةِ فَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمْ آيَةً فَاسْجُدُوا وَأَيُّ آيَةٍ أَعْظَمُ مِنْ ذَهَابِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ مطہرہ فوت ہو گئی ہیں۔ حضرت ابن عباس یہ سنتے ہی سجدے میں گر گئے۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ اس گھڑی میں سجدہ میں گر گئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس وقت تم لوگ کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کرو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے دنیا سے چلے جانے سے بڑھ کر کونسا نشان ہو سکتا ہے۔

(ابو داؤد، ترمذی)

لہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ فقہائے مکہ اور تابعین میں سے ہیں شعبی نے کہا میں نے ان سے بڑھ کر کتاب اللہ کا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ ان کا حسب نسب بربر سے ہے۔

ٹہ اس سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔

ٹہ یعنی سجدے کا کوئی سبب اور موجب موجود نہیں ہے۔ اور بے وجہ سجدہ کرنا ممنوع ہے۔ جیسا کہ شرح الشیخ میں مذکور ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نماز کے لیے مکروہ وقت تھا۔ اعتراض کرنے والوں نے سجدہ کو بھی نماز پر قیاس کیا ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سجدہ سے نماز مراد ہو۔ جیسا کہ بعض علماء شکر کے دو سجدوں کی نماز سے تاویل کرتے ہیں۔ اسے سمجھو۔

ٹہ یعنی بلاؤں اور مصیبتوں کے نزول کا نشان۔ جن کے ساتھ اللہ تعالٰے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ تو نیاز مندی۔ گناہوں کی معافی اور اس سے حصول مدد کے لیے اللہ کے حضور سجدے میں گر جاؤ۔

۵ یعنی ازواج مطہرات کا اس دنیا سے رحلت کر جانا بہت بڑا نشان عبرت وخوف ہے کیونکہ امہات المومنین ازواج مطہرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف وفضل حاصل تھا نیز انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت اور آپ سے ربط واختلاط کا وہ خاص شرف وکمال حاصل تھا جو صحابہ میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ تو ان کے رحلت کرنے سے برکت اور خیر کثیر بھی اس دنیا سے چلی جاتی ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ ان کے چلے جانے پر وہ علم بھی چلا جاتا ہے جو صرف انہیں ہی حاصل تھا۔ یعنی وہ علم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نجی اور گھر کے اندرونی حالات سے متعلق تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۴۰۰ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِهِمْ فَقَرَأَ بِسُوْرَةٍ مِّنَ الطُّوَلِ وَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَّسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ الثَّانِيَةَ فَقَرَأَ سُوْرَةً مِّنَ الطُّوَلِ وَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَّسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ كَمَا هُوَ مُسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةِ يَدْعُوْا حَتّٰى انْجَلٰى كُسُوْفُهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا۔ تو آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور لمبی سورتوں میں سے ایک سورت پڑھی۔ اور آپ نے پانچ رکوع اور دو سجدے کیے پھر آپ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے اس میں بھی لمبی سورتوں میں سے ایک سورت پڑھی۔ پھر آپ نے پانچ رکوع اور دو سجدے کیے۔ پھر آپ نماز کی حالت پر قبلہ رو بیٹھ کر دعا میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ سورج کا گرہن زائل ہو گیا۔

(ابوداؤد)

لہ حدیث میں لفظ طُوَل آیا ہے طا کی پیش واو کی زبر۔ طولیٰ کی جمع۔ بروزن طوبیٰ الطول کی مونث جیسا کہ قاموس میں ہے بعض نسخوں میں طِوَل طا کی زیر سے آیا ہے۔ اس کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔

۱۴۰۱ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ وَيَسْأَلُ عَنْهَا حَتّٰى

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آپ نے دو دو رکعت نماز پڑھنا شروع کی۔ آپ اس دوران اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے یہاں تک کہ گرہن دور ہو گیا۔

انْجَلَتِ الشَّمْسُ ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى حِيْنَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ مِثْلَ صَلٰوتِنَا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ وَلَهٗ اُخْرٰى اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا مُسْتَعْجِلًا اِلَى الْمَسْجِدِ فَقَدِ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى حَتّٰى انْجَلَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ اِلَّا لِمَوْتِ عَظِيْمٍ مِّنْ عُظَمَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ وَاِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيٰوتِهٖ وَلٰكِنَّهُمَا خَلِيْقَتَانِ مِنْ خَلْقِهٖ يُحْدِثُ اللّٰهُ فِيْ خَلْقِهٖ مَا شَاءَ فَاَيُّهُمَا انْخَسَفَ فَصَلُّوْا حَتّٰى يَنْجَلِيَ اَوْ يُحْدِثَ اللّٰهُ اَمْرًا

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور نسائی کی روایت[1] میں ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن جلدی جلدی مسجد میں تشریف لائے۔ جب کہ سورج گرہن ہو چکا تھا تو آپ نے نماز پڑھی یہاں تک کہ سورج کھل گیا[2] پھر آپ نے فرمایا بے شک جاہلیت کے لوگ کہتے ہیں۔ کہ سورج اور چاند گرہن زدہ نہیں ہوتے مگر اہل زمین کے عظیم آدمیوں میں سے کسی عظیم آدمی کے مرنے پر۔ اور بے شک واقعہ یہ ہے کہ سورج اور چاند کسی کی موت اور اس کی زندگی سے گہنے نہیں جاتے بلکہ یہ دونوں اللہ کی مخلوق میں سے مخلوق ہیں۔ اللہ تعالٰے اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے سامنے لاتا ہے۔ تو ان دونوں میں سے جو بھی گرہن کی زد میں آئے تو نماز پڑھو۔ یہاں تک کہ وہ کھل جائے۔ یا اللہ تعالٰے کوئی اور چیز ظاہر کر دے[3]

(نسائی)

[1] یہ حنفیہ کی دلیل ہے۔ اس قسم کی بہت احادیث ہیں جنہیں شیخ ابن الہمام نے ذکر کیا ہے۔
[2] اس حدیث میں مطلق نماز کا ذکر ہے۔ بغیر دوسری خصوصیات (لمبا رکوع اور اس کا تکرار) کے۔
[3] یعنی عذاب یا قیامت برپا کر دے۔

بَابٌ فِیْ سُجُوْدِ الشُّكْرِ

سجدہ شکر کا باب

وَ هٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الْاَوَّلِ وَ الثَّالِثِ۔ یہ باب فصل اول اور فصل ثالث سے خالی ہے

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نماز کے باہر صرف سجدہ کرنا جائز اور مسنون اور قرب الٰہی کا موجب ہے یا نہیں بعض نے کہا یہ سجدہ بدعت و حرام ہے۔ شرع شریف میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور اسی پر اس کی بھی بنا کرتے ہیں جو لوگ وتروں کے بعد دو سجدے کرتے ہیں بعض کے نزدیک یہ سجدہ کراہت کے ساتھ جائز و مشروع ہے۔ تفصیل کلام یہ ہے کہ نماز سے باہر سجدہ چند قسم پر ہے۔ ایک سجدہ سہو یہ نماز کے سجدہ کے حکم میں ہے۔ دوسرا سجدۂ تلاوت ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں تیسرا بعد نماز سجدہ مناجات۔ اکثر علماء کا ظاہر کلام اس میں یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ چوتھا حصول نعمت اور دفع مصیبت پر سجدہ شکر۔ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سنت ہے۔ امام محمد کا قول بھی یہی ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث اور آثار وارد ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک یہ سجدہ مکروہ ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی نعمتیں بے حد بے شمار ہیں۔ بندہ ان کے شکر کی ادائیگی سے عاجز ہے۔ اس لیے اس سجدے کا بطور سنت و استحباب بندے کو مکلف کرنا تکلیف مالا یطاق تک پہنچانے کے مترادف ہے۔ لیکن وہ حضرات جو اس کے جواز کے قائل ہیں، کہتے ہیں کہ نعمتوں سے نئی نئی حاصل ہونے والی نعمتیں مراد ہیں جو وقتاً فوقتاً انسان کو حاصل ہوتی ہیں۔ نہ کہ وہ نعمتیں جو دائماً اور ہمیشہ کے لیے انسان کو حاصل ہیں جیسے بندے کا وجود اور اس کے توابع اور لوازمات۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب آپ کو ابوجہل لعین کے قتل کی اطلاع ملی تو آپ سجدہ میں گر گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسیلمہ کذاب کے قتل پر سجدہ شکر بجا لائے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خارجی کے قتل پر سجدہ شکر کیا۔ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو جب غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے کی غلطی پر توبہ قبول ہونے کی بشارت ملی تو آپ سجدہ میں گر گئے۔ ان کا قصہ بہترین قصوں میں سے ہے شرح سفر السعادۃ میں ہم نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہاں سجدے کی ایک اور قسم بھی ہے جسے سجدۂ تحیت کہتے ہیں۔ بعض فقہی روایات کے مطابق اس سجدے کی رخصت و اجازت ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیُ

دوسری فصل

۱۴۰۹۔ عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَآءَہٗ اَمْرٌ سُرُوْرًا اَوْ یُسَرُّ بِہٖ خَرَّ سَاجِدًا شَاکِرًا لِلّٰہِ تَعَالٰی۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ)

حضرت ابوبکرۃ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کوئی ایسی چیز آتی جو آپ کے لیے خوشی اور مسرت کا موجب بنتی یا جس[۲] سے آپ کو مسرور اور خوش کیا جاتا تو اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کے لیے اس کے آگے سجدہ میں گر جاتے۔ اسے ترمذی ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[۱] ابوبکرۃ آخر میں تا۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ آپ ان کے حالات اور ان کے اس نام کی وجہ تسمیہ دوسرے مقامات میں لکھ دی گئی ہے۔

[۲] یہ راوی کا شک ہے کہ حدیث میں سُرُوْرًا آیا ہے یا یُسَرُّ بصیغہ مضارع مجہول

۱۴۱۰۔ وَعَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَجُلًا مِنَ النُّغَاشِیِّیْنَ فَخَرَّ سَاجِدًا۔

(رَوَاہُ الدَّارَقُطْنِیُّ مُرْسَلًا وَفِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ لَفْظُ الْمَصَابِیْحِ)

حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقص الخلقت انسانوں میں سے ایک انسان دیکھا تو آپ سجدہ میں گر گئے۔ اسے دارقطنی نے مرسلاً روایت کیا اور شرح سنۃ میں یہ حدیث مصابیح کے الفاظ سے مروی ہے۔

[۱] حدیث میں لفظ نغاشیین ہے۔ نغاش و نغاشی نون کی پیش بغیر نقطے والا غنیف جمل کا معنی ضعیف الحرکۃ اور ناقص الخلقۃ انسان۔ اگر یہ لفظ یا کے بغیر ہے تو پھر نغاشین میں یا اور نون جمع کے ہیں اور اگر یا کے ساتھ نغاشی ہے تو پھر وہ یا حذف کر دی گئی ہے۔ بعض نسخوں میں نغاشیین غین اور پہلی یا کی تشدید کے ساتھ ہے جس سے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ یہ ہے کہ غین پر شد نہیں غین کے بعد یا کے ساتھ یا بغیر یا کے۔ یہ بات مشہور ہے کہ جب کسی مصیبت یا مرض میں مبتلا انسان کو دیکھے تو خدا تعالیٰ سے عافیت مانگے اور یہ دعا پڑھے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ۔ سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے عافیت بخشی اس سے جس میں تجھے مبتلا کیا۔ مگر جب کسی کو ظاہری بیماری یا بدصورتی میں مبتلا دیکھے تو یہ دعا آہستہ پڑھے کہ وہ نہ سن سکے تاکہ

وہ شکستہ دل نہ ہو۔ اور اگر کسی فاسق وفاجر کو دیکھے تو یہ دعا بلند آواز سے پڑھے تاکہ وہ سنے اور توبہ کرے اور فسق و فجور سے باز آئے۔

ٹ یعنی یہ حدیث کہ مصابیح کے لفظ سے مذکور ہے۔ شرح سنۃ میں روایت کی اور الفاظ کی مغائرت جو مذکور ہوئی، وہ موجود ہے۔

۱۴۱۱ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ نُرِيْدُ الْمَدِيْنَةَ فَلَمَّا كُنَّا قَرِيْبًا مِنْ عَزْوَرَآءَ نَزَلَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَدَعَا اللّٰهَ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَكَثَ طَوِيْلًا ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَكَثَ طَوِيْلًا ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا قَالَ اِنِّیْ سَاَلْتُ رَبِّیْ وَشَفَعْتُ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ ثُلُثَ اُمَّتِیْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ شُكْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِیْ فَسَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ ثُلُثَ اُمَّتِیْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ شُكْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِیْ فَسَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِی الثُّلُثَ الْاٰخِرَ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت سعد بن ابووقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظمہ سے چلے۔ اور مدینہ پاک جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ جب ہم لوگ عزوزراء ٹ کے قریب پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُتر پڑے پھر آپ نے ہاتھ مبارک اٹھائے۔ ایک گھڑی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ پھر سجدے میں گر پڑے۔ اس میں بہت دیر ٹھہرے۔ پھر اُٹھے تو ایک گھڑی اپنے دست مبارک اٹھائے رہے۔ پھر سجدے میں گرے۔ اس میں بہت دیر ٹھہرے۔ پھر اٹھے۔ ایک گھڑی اپنے ہاتھ اٹھائے پھر سجدہ میں گرے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے سوال کیا ٹ اور شفاعت چاہی تو رب تعالیٰ نے مجھے تہائی امت عطا کر دی۔ میں رب کا شکر کرتے ہوئے سجدے میں گر گیا۔ پھر میں نے اپنا سر اٹھایا۔ اپنے رب سے اپنی امت کا سوال کیا اس نے مجھے تہائی امت عطا کر دی میں رب تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے سجدے میں گر گیا۔ پھر میں نے اپنا سر اٹھایا۔ اپنے رب سے اپنی امت کا سوال کیا تو اس نے مجھے آخری تہائی بھی دے دی۔ تو میں رب تعالیٰ کا شکر کرتا ہوا سجدے میں گر گیا ٹ احمد۔ ابوداؤد۔

سلہ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔
سلہ عُزور (عین مہملہ کی زبر یعنی زا ساکن واؤ اور زا ثانی کی زبر آخر میں الف ممدودہ یا مقصورہ) یہ کہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ یعنی یہاں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ مبارک سے نیچے اترے۔
سلہ ظاہر یہ ہے کہ صحابہ کرام نے دریافت کیا ہوگا کہ کام آپ نے کس لیے کیا ہے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دریافت کرنے سے پہلے ہی فرمایا۔
سلہ اور اپنی امت کی بخشش طلب کی۔
سلہ الآخر۔ یہ لفظ خا کی زبر اور زیر دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔
سلہ تو تین بار سجدہ کرنے اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کی وجہ یہ تھی۔ ؎

چہ غم دیوارِ امت را کہ باشد چوں تو پشتیبان
چہ باک از موج بحر آنرا کہ باشد نوح کشتیبان

ترجمہ۔ دیوار امت کو کیا غم و فکر ہے (کوئی غم نہیں) جب کہ یار سول اللہ آپ کے ایسا پشتیبان ہیں۔ سمندر کی موجوں سے اسے کیا خطرہ ہے جب کہ حضرت نوح علیہ السلام اس کے کشتیبان (ناخدا) ہوں۔
یہاں ایک اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ کبیرہ گناہوں پر سزا کے بارے میں بہت سی آیات و احادیث وارد ہیں کہ کبائر کی بنا پر عاصیوں کو عذاب ہوگا۔ اور یہ عذاب ان واقع ہو کر رہے گا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس دعا اور شفاعت اور اعطاء سے خسف و مسخ (زمین میں دھنسنا شکلوں کا بگڑنا) وغیرہ مراد ہے۔ جس میں پہلی امتیں مبتلا ہوئیں۔ عذاب آخرت مراد نہیں۔ بعض نے کہا ہمیشہ کے لیے عذاب آخرت میں مبتلا نہ رہیں گے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا اثر انہیں پہنچے گا اور وہ آتش دوزخ سے باہر نکل آئیں گے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْاِسْتِسْقَاءِ

استسقاء کا بیان

لغت میں استسقاء کا معنی ہے پانی مانگنا۔ شرع شریف میں معنی ہے کیفیت مخصوصہ کے ساتھ خشک سالی میں بارش کے لیے نماز یا دعا اور سوال کرنا۔ اکثر ائمہ کے نزدیک استسقاء میں نماز سنت ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک استسقاء اس دعا و استغفار سوال اور تضرع و نیاز مندی کا نام ہے۔ جو جناب اللہ تعالٰی کی جناب کریم رزاق و وہاب سے بارش

کے یئے کی جاتے کہ نص قرآن کے مطابق استغفار نزول بارش کا سبب ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ استسقاء کے بارے میں اکثر احادیث جو آئی ہیں ان میں نماز کا ذکر نہیں ہے مگر صرف ایک جگہ ہیں۔ وہ بھی اپنی تمام خصوصیت کے ساتھ درجہ صحت کو نہیں پہنچی۔ اور یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارش طلب کی اور اس میں دعا اور استغفار پر کفایت کی۔ نماز استسقاء نہ پڑھی۔ اگر اس کے یئے نماز مسنون ہوتی تو آپ نماز ترک نہ کرتے۔ بارش کی عام ضرورت اور زمانہ نبوت کے قریب ہونے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس نماز کا علم نہ ہونا بعید بات ہے۔ اور علم ہونے تک باوجود حضرت عمر کا نماز نہ پڑھنا اس سے بھی بعید تر ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارش کے یئے مجمع صحابہ کے درمیان دعا کی۔ صحابہ کرام کا ان کو نماز نہ پڑھنے پر تنبیہ نہ کرنا کوئی گنجائش نہیں رکھتا۔ علماء کرام نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اس قول لَا صَلٰوۃَ فِی الْاِسْتِسْقَاءِ۔ (استسقاء میں نماز نہیں) کی یہ تاویل کی ہے کہ اس میں جماعت خطبہ اور نماز والی دوسری خصوصیات سنت اور شرط نہیں۔ چنانچہ اگر کوئی اس کے یئے اکیلے نماز پڑھے دعا کرے۔ سوال اور تضرع وزاری کرے استغفار کرے تو بہتر ہے اور استسقاء کے باب میں مروی احادیث اضطراب سے خالی نہیں ہیں اور بعض سے طرق اسناد جن میں خصوصیات اور کیفیات مذکور ہیں۔ ضعف سے خالی نہیں ہیں۔ لہٰذا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالےٰ نے اس بارے میں خلاصہ اور مقصود اعلیٰ کو لیا ہے۔ (یقینی چیز کو اختیار کرتے ہوئے) اور امام ابو یوسف اور امام محمد اس باب میں دوسرے ائمہ کے موافق ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ امام محمد امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہیں۔ اس دور میں حنفیہ کا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ثابت ہو چکا ہے۔ اور اس بنا پر بھی کہ نماز استسقاء کی خصوصیت حضور علیہ السلام کے ساتھ نہ تھی۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۴۱۲ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ اِلَى الْمُصَلّٰى يَسْتَسْقِيْ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيْهِمَا بِالْقِرَاءَةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُوْ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ

پہلی فصل

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ باہر عیدگاہ میں استسقاء کے یئے تشریف لائے اور ان کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں۔ دونوں رکعتوں میں بلند آواز سے قرأت کی۔ اور قبلہ رو ہو کر دعا کی اور اپنے دونوں ہاتھ مبارک خوب بلند کیے اور قبلہ رو حالت میں اپنی چادر مبارک

الْقِبْلَةَ۔ مبارک پھیری۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

لے یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر انصاری رضی اللہ عنہ آپ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ ان کے ماں باپ اور بھائی بھی صحابی ہیں۔

۲ے جیسا کہ دوسری آئندہ احادیث میں آ رہا ہے۔

۳ے یعنی جو چادر آپ نے اس وقت پہن رکھی تھی۔ آپ نے یہ چادر اس طرح پھیری کہ اس کی دائیں جانب کو بائیں جانب کیا اور بائیں جانب کو دائیں جانب اس کے باہر کو اندر اور اندر کو باہر کیا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ بندہ اپنے دائیں ہاتھ سے چادر کی بائیں جانب کے نیچے والے کنارے اور بائیں ہاتھ سے چادر کے دائیں جانب والے نیچے کے کنارے کو پکڑ کر اپنے دونوں ہاتھ پشت کے پیچھے ہی گھمائے۔ یہاں تک کہ اس نے دائیں ہاتھ سے چادر کا جو کنارہ پکڑا تھا وہ دائیں کندھے کے اوپر آ جائے اور جو کنارہ بائیں ہاتھ سے پکڑا تھا اسے بائیں کندھے کے اوپر سے آئے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ تغیر و تبدیل بارش کی بندش اور تنگی کی حالت کو فراخی و کشادگی کی حالت سے بدلنے کے لیے نیک نامی کے ارادے سے کیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اللہ تعالٰی کے حکم کے مطابق کیا تاکہ بارش کی بندش کی حالت تبدیل ہو جائے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحول حالی کی حالت کی تبدیلی کے ارادے سے اپنے اجتہاد کے تحت ایسا کیا۔ صرف نیک نامی کے لیے ایسا نہ کیا۔ کیونکہ نیک نامی میں قصد و اختیار کا دخل نہیں ہوتا کیونکہ نیک نامی اس کا نام ہے کہ خارج میں اتفاق سے کوئی چیز نظر آئے تو اس سے اچھی والے دل میں قائم کی جائے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں نیک نامی سے قائل کی مراد یہی معنی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل کیا تاکہ ظاہر باطن تغیر حال پر دلالت کرے اور اس کی علامت بنے۔ یا یہ کہ تفاؤل کے لیے بے اختیاری کی قید غیر مسلم ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۴۱۳/۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِّنْ دُعَائِهٖ اِلَّا فِي الْاِسْتِسْقَاءِ فَاِنَّهٗ يَرْفَعُ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ اِبْطَيْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی دعا میں اپنے دست مبارک نہ اٹھاتے مگر استسقاء میں کیونکہ اس میں آپ ہاتھ اتنے بلند کرتے کہ آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی نظر آتی لے

(بخاری و مسلم)

لے یعنی استسقاء کی دعا میں آپ بہت زیادہ ہاتھ بلند کرتے۔ یہاں تک کہ سینہ سے بھی بلند کر لیتے۔

۲ے یا تو اس وجہ سے آپ کی بغل مبارک کی سفیدی نظر آتی تھی کہ بغلوں پر کپڑا نہ ہوتا تھا۔ یا آپ چادر مبارک اوڑھے

ہوتے تھے جہاں جگہ کرتہ چھپاتی تھی یا بغلوں کی سفیدی کی جگہ دیکھنا مراد ہے۔ جبکہ بدن شریف پر پیراہن موجود ہوتا تھا۔ ابط ہمزہ کی زیر اور با ساکن یا ۔۔۔ کے نیچے بگاڑ یعنی کندھوں کا نیچے کا حصہ علماء نے کہا ہے کہ واقعہ جس قدر مشکل تر اور قوی تر ہو۔ ہاتھ اتنے ہی بلند و بالا تر ہونے چاہئیں۔

۱۴۱۴ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَسْقٰى فَاَشَارَ بِظَهْرِ كَفَّيْهِ اِلَى السَّمَآءِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش مانگی تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کی پشت سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔[1] (مسلم)

[1] برعکس اس کے جو مشہور و متعارف ہے کہ دعا کے وقت ہاتھوں کی ہتھیلیاں آسمان کی طرف کی جاتی ہیں۔ علماء نے کہا ہے جب کہ دعا ایسی چیز کی طلب و سوال کے لیے ہو جو نعمتوں کی جنس سے ہو تو مستحب ہے کہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوں اور جب کہ فتنہ و بلا دفع کرنے اور اس سے رد کرنے کے لیے ہو تو ہاتھوں کی پشتیں آسمان کی جانب کی جائیں۔ تاکہ فتنہ و بلا و مصیبت کی آگ بجھے اور حادثہ کا غلبہ اور اس کی قوت پست اور فرد ہو طیبی رحمۃ اللہ نے کہا یہ بھی چادر کے بدلنے کی طرح حال میں تغیر و تبدل کی نیک فالی کے لیے ہے۔ اور مطلوب و مقصود کی طرف اشارہ ہے کہ بادلوں کے پیٹ زمین کی جانب ہو جائیں۔ اور اس چیز (پانی) کو نیچے گرا دیں۔ جو ان میں ہے واللہ اعلم۔

۱۴۱۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَاَى الْمَطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب استسقاء کے بعد بارش کو دیکھتے تو فرماتے یا اللہ خوب برسنے والی اور نفع مند بارش برسا۔[1] (بخاری)

[1] حدیث میں لفظ صیب آیا ہے صاد کی زیر اور یا مشدد۔ بعض نے یا کے بجائے با سے صبًا روایت کیا یعنی بہانا۔

۱۴۱۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اَصَابَنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَطَرٌ قَالَ فَحَسَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ بارش برسنا شروع ہو گئی حضرت انس فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدن مبارک سے کپڑا ہٹا لیا[1]

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَهٗ حَتّٰى اَصَابَهٗ مِنَ الْمَطَرِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا قَالَ لِاَنَّهٗ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِرَبِّهٖ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

یہاں تک کہ آپ کے جسم اقدس پر بارش پڑی۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ فرمایا اس لیے کہ یہ ابھی ابھی اپنے رب کے پاس سے آرہا ہے۔

(مسلم)

۱؎ حدیث میں لفظ حَسَرَ آیا ہے جو حَسْرٌ (حا کی زبر سین ساکن) سے نکلا ہے بمعنی بدن کے بعض حصہ سے کپڑا ہٹانا اور دور کرنا۔

۲؎ شاید کپڑا اٹھانے اور بارش کا پانی بدن پر گرانے میں کوئی حکمت ہے۔

۳؎ اور یہ ابھی ابھی عالم قدس سے آرہا ہے۔ اور اس کی طہارت و پاکیزگی اس عالم کثیف کی اجزاء سے آلودہ نہیں ہوئی۔ بیت

اے نفس خرم بادصبا از بریار آمدہ رحبا

اے بادصبا تو خوش رہ کہ تو ابھی ابھی یار کی آغوش کو چھو کر آرہی ہے۔ تجھے مرحبا

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسے پسند کرنے اور اس سے خوش ہونے میں یہی حکمت تھی کہ یہ درگاہِ عزت جل جلالہ سے ابھی ابھی نیچے اتر رہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۴۱۷؁ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمُصَلّٰى فَاسْتَسْقٰى وَحَوَّلَ رِدَاءَهٗ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَجَعَلَ عِطَافَهُ الْاَيْمَنَ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْسَرِ وَجَعَلَ عِطَافَهُ الْاَيْسَرَ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ دَعَا اللّٰهَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کی طرف نکلے تو آپ نے بارش مانگی اور قبلہ رو ہو کر اپنی چادر مبارک کو پھیرا وہ اس طرح کہ اپنی چادر مبارک کو جانب راست سے پھیر کر اپنے بائیں کندھے پر ڈالا اور چادر کے بائیں حصے کو پھیر کر دائیں کندھے پر ڈالا۔ پھر اللہ تعالےٰ سے دعا کی۔

(ابوداؤد)

لہ حدیث میں لفظ عطاف (عین کی زیر) آیا ہے جس کا معنی ہے چادر یہاں چادر کا کنارہ مراد ہے۔

۱۴۱۸ وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ اسْتَسْقٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ خَمِيْصَةٌ لَّهٗ سَوْدَآءُ فَاَرَادَ اَنْ يَّاْخُذَ اَسْفَلَهَا فَيَجْعَلَهٗ اَعْلَاهَا فَلَمَّا ثَقُلَتْ قَلَبَهَا عَلٰى عَاتِقَيْهِ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش مانگی۔ اس وقت آپ کے اوپر سیاہ رنگ کا کمبل تھا تو آپ نے اس کے نیچے کے حصے کو پکڑنے کا ارادہ فرمایا تاکہ اسے بلند کریں۔ جب آپ کو وہ بھاری محسوس ہوا تو آپ نے اسے کندھوں پر ہی بدل لیا۔

(احمد و ابوداؤد)

لہ حدیث میں لفظ خمیصہ آیا ہے۔ خاکی زبر میم کی زیر۔ پشم وغیرہ کا بنایا چوڑا کمبل جس کے دونوں طرف نقش ونگار ہو۔ بعض نے کہا خمیصہ ریشم و پشم کے کپڑے کو کہتے ہیں۔

۲ہ جیسا کہ چادر اٹھانے کا معروف طریقہ ہے۔

۳ہ یہاں عربی لفظ قلبھا لام کی شد یا بغیر شد دونوں طرح روایت ہے۔

۱۴۱۹ وَعَنْ عُمَيْرٍ مَوْلٰى اٰبِى اللَّحْمِ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْقِىْ عِنْدَ اَحْجَارِ الزَّيْتِ قَرِيْبًا مِّنَ الزَّوْرَآءِ قَآئِمًا يَدْعُوْ يَسْتَسْقِىْ رَافِعًا يَدَيْهِ قِبَلَ وَجْهِهٖ لَا يُجَاوِزُ بِهِمَا رَاْسَهٗ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ)

حضرت عمیر مولی ابی اللحم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام احجار الزیت میں زوراء کے نزدیک اللہ سے بارش مانگتے دیکھا۔ آپ بحالت قیام بارش کی دعا مانگ رہے تھے آپ نے اپنے چہرہ انور تک اپنے ہاتھ بلند کر رکھے تھے۔ انہیں سر سے اونچا نہ کرتے تھے۔

(ابوداؤد) ترمذی اور نسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

لہ ابی اللحم قدماء صحابہ میں سے ایک مرد ہیں۔ جنگ بدر میں حاضر تھے۔ حنین کے دن شہید ہوئے۔ گوشت کھانے سے انکار کی وجہ سے ان کا نام ابی اللحم پڑ گیا۔ بعض نے کہا کہ یہ بزرگ زمانہ جاہلیت میں بتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت نہ کھاتے تھے اس لیے ان کا یہ نام پڑ گیا۔ عمیر (عین کی پیش لام کی زبر) ان کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ یہ بھی صحابی ہیں۔ دونوں حضرات فتح خیبر میں موجود تھے۔ یہ عمیر مولی ابی اللحم اس حدیث کی

روایت کرتے ہیں۔

۵۲ احجار الزیت اس جگہ کا نام احجار الزیت اس وجہ سے پڑ گیا کہ وہاں ایسے سیاہ رنگ کے پتھر ہیں گویا ان پر روغن زیتون مل دیا گیا ہے۔

۵۳ زوراء (زائ زبر اور واو ساکن) مدینہ منورہ کے بازار میں ایک جگہ کا نام ہے۔ ان مواضع کا ذکر اذانِ جمعہ کے بیان میں گزر چکا ہے۔

۵۴ جیساکہ دعا میں عام متعارف اور مشہور ہے۔ اور کبھی آپ ہاتھ بلند کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہوئے سر سے بھی بلند کر لیتے تھے۔ جیساکہ پیچھے گزرا۔ اور اگر مراد یہ ہو کہ آپ نے سر تک ہاتھ بلند کیے سر سے اونچے نہ کیے تو اس میں بھی کسی قدر مبالغہ موجود ہے۔ کیونکہ دعا میں عام دستور یہ ہے کہ ہاتھ سینہ یا کندھے تک بلند کیے جاتے ہیں۔

۱۴۲۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْنِیْ فِی الْاِسْتِسْقَاءِ مُتَبَذِّلًا مُتَوَاضِعًا مُتَخَشِّعًا مُتَضَرِّعًا۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ یعنی طلب بارش کے لیے۔ اس وقت آپ کے پاس میں کوئی زیب و زینت نہ تھی۔ آپ پر اس وقت تواضع انکساری و عاجزی طاری تھی۔ اور آپ گریہ وزاری کر رہے تھے۔
(ترمذی، ابوداؤد، نسائی و ابن ماجہ)

۱ چونکہ آپ کا باہر تشریف لانا حدیث میں مطلق تھا اس لیے راوی نے اس کی تفسیر کی کہ آپ استسقاء کیلئے باہر تشریف لائے۔

۲ حدیث میں متبذلا کا لفظ آیا ہے کہ آپ نے لباس میں زینت و آرائش کو ترک کر رکھا تھا اور معمولی بذلہ (باکی زیر سے) ان کپڑوں کو کہتے ہیں جو گھر کے کام کاج کے دنوں میں پہنے جاتے ہیں ان کے لیے زیب و زینت درکار نہیں ہوتی۔ ان کپڑوں کو عربی میں ثوب مہنہ (میم کی زبر و زیر) بھی کہتے ہیں۔ جیساکہ باب الجمعہ میں گزرا کہ کپڑوں میں یہ سادگی اور عام نوعیت آپ نے تواضع، اظہار غربت و مسکنت کے لیے اختیار کر رکھی تھی۔ جیساکہ فرمایا علاکا نام

۳ یاد رہے کہ تواضع اور تخشع دونوں لفظ قریب المعنیٰ ہیں۔ یہاں تواضع کو ظاہر حالت پر اور تخشع کو باطنی حالت پر محمول کرنا چاہیے۔

۱۴۲۱ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ

حضرت عمرو بن شعیب سے وہ اپنے باپ اور دادا

عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ² قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَسْقٰى قَالَ اَللّٰهُمَّ اَسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش طلب کرتے تو یوں کہتے اے اللہ اپنے بندوں اور چارپایوں کو پانی عطا فرما۔ اور اپنی رحمت بکھیر دے[1] اور اپنی مردہ زمین[2] کو زندگی عطا کر۔

(مالک، ابوداؤد)

[1] اور نباتات کو تر و تازہ کر۔ کھیتوں کو اگا اور جانوروں کے لیے روزی پیدا فرما۔

[2] لفظ بلد شہر اور زمین کے معنی میں آتا ہے۔

۱۴۲۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوَاكِئُ[1] فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا[2] مَرِيْئًا مَرِيْعًا[3] نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ قَالَ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ[4]۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھائے ہوئے یہ دعا پڑھ رہے تھے۔ اے اللہ ہمیں ایسی بارش عطا فرما جو سیراب کرنے والی نجات دینے والی ہو۔ نقصان دہ نہ ہو۔ زمین سے فصل اگانے والی ہو۔ نفع مند ہو نقصان پہنچانے والی نہ ہو۔ جلد آنے والی ہو دیر سے نہ آنے والی ہو۔ راوی کہتا ہے کہ (اس دعا کے ساتھ ہی) بارش نے لوگوں کو آ لیا۔

(ابوداؤد)

[1] حدیث میں لفظ یواکی، ہمزہ سے آیا ہے۔ یعنی آپ نے ہاتھ مبارک بلند اور دراز کیے یہ توکّا بر عصا سے ماخوذ ہے یعنی لاٹھی پر ٹیک لگانا

[2] حدیث میں لفظ مغیث آیا ہے حقیقت میں تو مغیث (فریاد رس و نجات دہندہ) اللہ تعالیٰ ہے۔ بارش کو اس لیے مغیث فرمایا کہ یہ فریاد رسی اور نجات کا ذریعہ اور سبب ہے۔

[3] حدیث میں لفظ مریا (میم کی زبر را مکسورہ کی زیر) یعنی گوارا اور غیر نقصان دہ۔ مریعا (میم کی زبر) معنی ہے۔ زمین سے فصل اگانے والی۔ اور رسال میں فراخی و کشادگی اور رزق لانے والی۔

[4] اصل میں لفظ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ آیا ہے۔ طَبق (حرکتوں کے ساتھ) عام اور ہر طرف برسنے والی بارش کو کہتے ہیں۔ اور سماء سے بادل مراد ہیں اور اُطْبِقَتْ بلفظ مجہول بھی آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۴۲۳/۱۲ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ شَكَا النَّاسُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُحُوْطَ الْمَطَرِ فَاَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهٗ فِي الْمُصَلّٰى وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ اِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِيْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ اِبَّانِ زَمَانِهٖ عَنْكُمْ وَقَدْ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَدْعُوْهُ وَوَعَدَكُمْ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ لَكُمْ ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاۗءُ اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَّبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَتْرُكِ الرَّفْعَ حَتّٰى بَدَا بَيَاضُ اِبْطَيْهِ ثُمَّ حَوَّلَ

تیسری فصل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بارش کے بند ہو جانے کی شکایت کی۔ آپ نے منبر رکھنے کا حکم دیا۔ تو آپ کے لیے عیدگاہ میں منبر رکھ دیا گیا اور آپ نے لوگوں کو اطلاع دی کہ فلاں دن گھروں سے باہر نکل کر آئیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت باہر تشریف لائے جب کہ سورج نکلنا شروع ہو گیا تھا آپ منبر شریف پر تشریف فرما ہوئے تکبیر کہی اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا تم نے اپنے گھروں اور زمینوں کے قحط زدہ ہونے اور بارش کے اپنے مناسب وقت سے مؤخر کرنے کی شکایت کی ہے اور بے شک اللہ تعالےٰ نے تمہیں دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور تم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہاری دعا قبول کرے گا پھر آپ نے کہا سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں جو رحمٰن و رحیم ہے۔ جزا کے دن کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ کرتا ہے جو اس کا ارادہ ہوتا ہے۔ اے اللہ تو ہی اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ تو بے نیاز ہے ہم فقیر اور محتاج ہیں ہم پر بارش نازل فرما اور جو تو نازل کرے اسے ہمارے لیے توانائی اور مدت دراز تک اپنے مطالب تک پہنچنے کا سبب

إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَقَلَّبَ أَوْحَوَّلَ رِدَاءَهُ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ فَأَنْشَأَ اللهُ سَحَابَةً فَرَعَدَتْ وَبَرَقَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ بِإِذْنِ اللهِ فَلَمْ يَأْتِ مَسْجِدَهُ حَتَّى سَالَتِ السُّيُولُ فَلَمَّا رَأَى سُرْعَتَهُمْ إِلَى الْكِنِّ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنِّي عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ)

دیں (پھیر دیا)۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے اور انہیں اٹھانا ترک نہ کیا[۶] یہانتک کہ آپکی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو گئی۔ پھر لوگوں کیطرف اپنی پشت کی اور اپنی چادر پلٹی[۷]۔ اس وقت بھی آپ نے ہاتھ اٹھا رکھے تھے پھر لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے، منبر سے اترے اور دو رکعتیں پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے ایک بادل پیدا کر دیا جو اللہ کے حکم سے گرجا، چمکا پھر[۸] برسا۔ آپ مسجد تک نہ آنے پائے تھے کہ ندی نالے بہہ پڑے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو پناہ گاہ[۹] کی طرف دوڑتے دیکھا تو ہنس پڑے یہانتک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

(ابوداؤد)

[۱] جو کہ مدینہ منورہ سے باہر ہے۔

[۲] یعنی کنارہ آفتاب نے نمودار ہونا شروع کر دیا۔ حدیث میں لفظ بَدَا الف و ہمزہ دونوں طرح مروی ہے۔ الف والی روایت زیادہ ظاہر ہے۔

[۳] حدیث میں واقع لفظ ھیاد و ادی کی جمع ہے بمعنی سرائے۔

[۴] حدیث پاک میں لفظ اِبّان آیا ہے (ہمزہ کی زیر با مشدد) اس کا معنیٰ ہے ہر چیز کے لیے مناسب اور معین وقت۔

[۵] یعنی تاکہ ہم کامل اور پورے طور پر اپنے مطالب و مقاصد تک پہنچ جائیں۔ اور ہمیں اس سے پورا فائدہ حاصل ہو جائے۔ بَلَاغ (با کی زبر) وہ چیز جس کے ذریعے انسان اپنے مطلوب و مقصود تک پہنچتا ہے۔

[۶] یعنی آپ مسلسل ہاتھ بلند کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو گئی۔

[۷] حدیث میں لفظ قَلَّبَ اور حَوَّلَ آیا ہے یہ راوی کا شک ہے کہ قلب کا لفظ فرمایا یا حَوَّلَ کا۔ معنی دونوں کا ایک ہے

[۸] حدیث لفظ بَرَقَتْ را کی زبر اور زیر دونوں طرح مروی ہے

۹ حدیث کا لفظ سیول سیل سے بنا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے پانی یا خون وغیرہ کا بہنا۔

۱۰ حدیث میں لفظ کِن (کاف کی زیر اور نون مشدد) یعنی زیر جامہ کپڑا اور وہ مکانات اور سکونت گاہیں جن سے گرمی و سردی سے بچتے ہیں۔ نَوَاجِذُ ناجذہ کی جمع۔ پچھلے دانت۔ یہ ان چار دانتوں کا نام ہے جو سب دانتوں سے پیچھے ہوتے ہیں جنہیں عقل و سمجھ کی ڈاڑھیں کہتے ہیں کہ یہ بلوغت اور کمال عقل کے وقت اگتی ہیں۔ ہنسی کے وقت ان دانتوں کا نمایاں ہونا بہت بعید بات ہے۔ اسی لیے اسے علماء نے مبالغہ پر محمول کیا ہے۔ بعض نے اس سے مطلق دانت مراد لیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نواجذ کا اطلاق انیاب پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی ڈاڑھوں سے اگلے دانت۔ واللہ اعلم۔

۱۱ جب کہ آپ نے بطریق معجزہ اس دعا کا اثر دیکھا۔

۱۴۲۴/۱۳ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ كَانَ اِذَا قُحِطُوْا اسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے توسل سے بارش مانگتے اور یوں کہتے اے اللہ ہم لوگ تیرے حضور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑتے تھے تو تو ہم پر بارش برسایا کرتا تھا۔[۱] اب ہم تیرے حضور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں۔ تو ہم پر بارش نازل فرما۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ [illegible]

۱ حدیث میں یہاں لفظ فَتَسْقِیْنَا آیا ہے جو تا کی پیش اور قاف پر [illegible] سقی اور اسقی دونوں لغات آتی ہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ کی موجودگی میں آپ کے ساتھ ہوتے تھے، حضرت عباس کو وسیلہ بناتے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے خداوندا اس قوم نے تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے میرا وسیلہ پکڑا ہے۔ خداوندا ان میں مجھے [illegible] اور مجھے ان کے سامنے شرمندہ نہ کرنا۔ تو بارش برسنا شروع ہو جاتی۔

۱۴۲۵/۱۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ خَرَجَ نَبِيٌّ مِّنَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نبیوں میں سے ایک نبی لوگوں

الْأَنْبِيَاءِ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِيْ فَإِذَا هُوَ بِنَمْلَةٍ رَافِعَةٍ بَعْضَ قَوَائِمِهَا إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ ارْجِعُوْا فَقَدِ اسْتُجِيْبَ لَكُمْ مِنْ أَجْلِ هٰذِهِ النَّمْلَةِ۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ

کے ساتھ استسقاء کے لیے نکلا تو دیکھا کہ ایک چیونٹی اپنے کچھ پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہے۔ فرمایا واپس لوٹ جاؤ تمہاری دعا اس چیونٹی کی وجہ سے قبول کرلی گئی ہے۔ (دارقطنی)

لے علماء نے کہا ہے کہ اس سے حضرت سلیمان پیغمبر مراد ہیں۔ علیہ السلام

ے کچھ پاؤں سے ظاہرًا اس کے اگلے پاؤں مراد ہیں جو اس کے ہاتھوں کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

بَابٌ فِي الرِّيَاحِ

ہواؤں کا باب

بعض نسخوں میں ترجمہ باب کی قید کے بغیر صرف لفظ باب آیا ہے۔ جیسا کہ مؤلف رحمۃ اللہ کی گزشتہ باب کے ملحقات اور متممات میں عادت ہے۔ بعض نسخوں میں باب الریح آیا ہے۔ یعنی باب ہوا کے بیان میں جو طبعی جنس۔ بعض نسخوں میں باب الریاح یعنی ہواؤں کا باب آیا ہے اور بعض نسخوں میں باب الریاح والسحب آیا ہے یعنی ہواؤں اور بادلوں کا باب۔

اَلْفَصْلُ الْأَوَّلُ

پہلی فصل

۱۴۷۶ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مدد باد صبا سے کی گئی ہے اور قوم عاد دبور سے ہلاک کی گئی لے (بخاری و مسلم)

لے دبور دال کی زبر۔ صبا وہ ہوا ہے کہ جب تو قبلہ رخ ہو تو تیری پشت کی طرف سے چلے صبا کے مقابل ہوا کو دبور کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر جب کوئی شخص مطلع آفتاب کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو تو جو ہوا اس کے چہرے کے مقابل جانب سے آرہی ہو اسے باد صبا اور جو پشت کی جانب سے آرہی ہو اسے دبور کہتے ہیں اور اس حالت میں جو دائیں

جانب سے آرہی ہو ساسے باد جنوب اور جو بائیں ہاتھ کی جانب سے آرہی ہواسے باد شمال کہتے ہیں۔ مشہور یہی ہے۔ قاموس میں کہا باد صبا وہ ہے جو مطلع ثریا یا بنات النعش کی طرف سے آئے۔ اور دبور صبا کے مقابل ہوا۔ ان دونوں تفسیروں میں فرق ہے۔ کیونکہ پہلی تفسیر مکمل طور پر مشرق و مغرب کو شامل ہے۔ دوسری تفسیر اس کی ایک طرف کو شامل ہے باد صبا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد خندق کے دن ہوئی جسے غزوہ احزاب کہتے ہیں۔ جیسا کہ کتب سیر میں مذکور ہے قرآن مجید بھی اس کا ناطق ہے اور باد صرصر سے قوم عاد کی ہلاکت کا قصہ مشہور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے یا تو باد صبا کی دبور پر ترجیح و فضیلت ظاہر کرنا مراد ہے۔ یا یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ہوا امر الٰہی کے تابع ہے کبھی ایک قوم کی امداد کے لیے چلتی ہے۔ اور کبھی کسی گروہ کو ہلاک کرنے کے لیے۔

۱۴۲۸/۲ وَعَنْ عَائِشَةَ رضی قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَاحِكًا حَتّٰى اَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ اِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ فَكَانَ اِذَا رَاٰى غَيْمًا اَوْ رِيْحًا عُرِفَ فِىْ وَجْهِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اس حد تک ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کے جبڑے دیکھ لیتی[۱] آپ تو صرف تبسم فرمایا کرتے تھے[۲] جب آپ بادل یا ہوا دیکھتے تو فکر مند ہو جاتے جس کا اثر آپ کے چہرے سے محسوس ہوتا تھا[۳]

(بخاری و مسلم)

[۱] حدیث میں لفظ لہوات آیا ہے۔ لام کی زبر اور ہا۔ لہاۃ کی جمع بمعنی وہ جھوٹا سا گوشت جو منہ کے آخر میں ہوتا ہے۔ بعض نے کہا لہاۃ وہ گوشت ہے جو زبان کی جڑ سے حلق کے آخر تک ہوتا ہے۔ بعض نے کہا لہاۃ منہ کی گہرائی کو کہتے ہیں۔ صراح میں کہا لہاۃ کا معنیٰ تالو ہے۔

[۲] قاموس میں کہا تبسم معمولی قسم کے ہنسنے کو کہتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ ہونٹوں کی سفیدی ظاہر کرنے کا نام تبسم ہے صراح میں کہا دانت پیٹھے کرنے کا نام تبسم ہے۔

[۳] اس اندیشے کے تحت کہ لوگوں کو کوئی مصیبت اور نقصان نہ پہنچے مقصد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ جلال حق کے شہود سے خائف اور غمناک رہتے تھے۔ کسی وقت بھی بے غم اور فارغ نہ ہوتے تھے جب بادوں کو دیکھتے تو زیادہ غمناک اور زیادہ فکر مند ہوتے۔

۱۴۲۵/۲ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَصَفَتِ الرِّيْحُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْاَلُكَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ جب تیز آندھی چلتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے۔ اے اللہ میں تجھ سے اس ہوا کی

خَیْرَهَا وَخَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِیْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاِذَا تَخَیَّلَتِ السَّمَآءُ تَغَیَّرَ لَوْنُهٗ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَاَقْبَلَ وَاَدْبَرَ فَاِذَا مَطَرَتْ سُرِّیَ عَنْهُ فَعَرَفَتْ ذٰلِكَ عَائِشَةُ فَسَاَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهٗ یَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا وَفِیْ رِوَایَةٍ وَیَقُوْلُ اِذَا رَاَی الْمَطَرَ رَحْمَةً . (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

خیر مانگتا ہوں اور جو کچھ اس میں اس کی خیر طلب کرتا ہوں اور جس کیلیے تو نے اس کو بھیجا ہے اس کی خیر مانگتا ہوں[۱]۔ اور میں تیرے پاس اسکے شر سے پناہ لیتا ہوں۔ اور جو کچھ اس میں ہے اس سے پناہ لیتا ہوں اور جس کیلیے تو نے اسے بھیجا[۲] اس کے شر سے پناہ لیتا ہوں اور جب آسمان پر بادل[۳] نمودار ہوتا تو آپ کا رنگ بدل جاتا اور آپ باہر نکلتے اور اندر جاتے۔ آگے ہوتے اور پیچھے ہوتے جب بادل برس جاتا اور خیر و عافیت سے گزر جاتا تو آپ کے چہرے سے خوف زائل ہو جاتا[۴] حضرت عائشہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوف کی اس کیفیت کو محسوس کیا[۵] تو اس کی وجہ دریافت کی فرمایا اے عائشہ شاید اس طرح نہ ہو جس طرح قوم عاد نے کہا تھا[۶]۔ اور ایک روایت ہے کہ آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب آپ بارش کو دیکھتے تو فرماتے خداوندا اس بارش کو رحمت[۷] بنا۔ (بخاری و مسلم)

[۱] یعنی میں اس کے اچھے آثار و منافع کی تجھ سے درخواست کرتا ہوں۔

[۲] حدیث میں لفظ اُرسِلَتْ بصیغہ ماضی مجہول ہے۔ بصیغہ مخاطب معلوم بھی ایک روایت ہے۔

[۳] حدیث میں لفظ تخیلت آیا ہے۔ عربی زبان میں مخیلہ بارش والے بادل کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں بارش کے برسنے کا خیال و گمان ہوتا ہے۔

[۴] اصل میں لفظ سُرِّیَ بلفظ مجہول آیا ہے جس کا معنیٰ ہے کہ آپ سے خوف دور و دور کر دیا جاتا۔ یہ لفظ را مخفف اور مشدد دونوں طرح روایت ہے۔ تشدید کی صورت میں مبالغہ کے لیے ہوگا۔ یعنی آپ سے مکمل طور پر خوف دور ہو جاتا۔

[۵] یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ ابر و باران دیکھنے کے وقت آپ کی حالت بدل جاتی ہے۔ اور جب وہ بخیر و خوبی گزر جاتا ہے تو آپ خوشحال ہو جاتے ہیں۔ آپ نے حضور سے اس کی وجہ دریافت کی۔

[۶] اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ یہ ابر و باد اس کی مثل نہ ہو جو قوم عاد کے ایک گروہ نے کہا تھا جس کے حال کا ذکر خدا تعالےٰ نے اس آیت میں کیا ہے۔ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ

اَوْدِیَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا۔ تو جب بھی قوم ہود جس کا نام عاد تھا بادل کو دیکھتی جو کنارہ آسمان پر نمودار ہوتا تو کہتے یہ وہ بادل ہے جو ہمارے لیے بارش برسانے والا ہے۔ اس آیت کا آخر یہ ہے۔ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ یہ بارش برسانے والا بادل نہیں۔ بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کی طلب میں تم جلدی کر رہے تھے۔ اس میں دردناک عذاب ہے۔

ے اس معنیٰ کے مطابق حدیث میں واقع لفظ رحمۃ پر زبر ہوگی۔ یا معنیٰ یہ ہے جب آپ بادل کو دیکھتے تو ڈر جاتے اور جب اس کے بعد اس سے بارش برستی تو فرماتے کہ یہ خدا تعالےٰ کی طرف سے رحمت ہے۔ اس معنیٰ کی رو سے لفظ رحمۃ پر پیش ہوگی۔

۱۴۳۰/۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ ثُمَّ قَرَءَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ الْاٰيَةَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غیب کی چابیاں پانچ چیزیں ہیں[1] پھر آپ نے یہ آیت پڑھی[2] اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ بے شک اللہ ہی کے پاس ہے علم قیامت۔ اور وہ بارش اتارتا ہے۔ الآیۃ۔ (بخاری)

ے ۱ غیب کے خزانے پانچ چیزیں ہیں۔ خدا کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ علماء فرماتے ہیں۔ لفظ مفاتح مفتح (میم کی زبر) کی جمع ہے بمعنیٰ مخزن۔ مفاتیح بھی ایک روایت ہے مفتاح کی جمع بمعنیٰ چابی یعنی وہ علوم جن کے ساتھ غیبی علوم کی جانب چلا جا سکتا ہے۔ طیبی نے کہا مفاتح و مفاتیح دونوں مفتح اور مفتاح کی جمع ہیں۔

ے ۲ یعنی پھر آپ نے ان پانچ علوم کے بیان کے پہلے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ اِلٰی آخرها۔

۱۴۳۱/۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَتِ السَّنَةُ بِاَنْ لَّا تُمْطَرُوْا وَلٰكِنِ السَّنَةُ اَنْ تُمْطَرُوْا وَتُمْطَرُوْا وَلَا تُنْبِتُ الْاَرْضُ شَيْئًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قحط سالی اس کا نام نہیں کہ بارش نہ ہو بلکہ قحط سالی یہ ہے کہ تم پر بارش خوب ہو مگر زمین کچھ نہ اگائے[1] (مسلم)

ے ۱ یعنی یہ گمان نہ کرو کہ رزق، برکت اور زمین سے فصلیں اگنا بارش کی وجہ سے ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ حق تعالیٰ

اور اس کی قدرت سے بعید ممکن ہے کہ بارش ہو مگر زمین سے کچھ نہ اُگے اور قحط چھا جائے۔ ؎

نہ بارد ہوا تا نگوئی ببار زمین ناور د تا نہ گوئی بیار

ہوا بارش نہیں برسا سکتی جب تک کہ تو اسے برسانے کی اجازت نہ دے اور زمین اس وقت تک کچھ نہیں اُگا تی جب تک کہ تو اسے اُگانے کا حکم نہ دے۔

سنۃ بمعنی سال۔ پھر اس کا غالب استعمال قحط سالی کے لیے ہونے لگا۔ اس حدیث میں یہی معنیٰ مراد ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۱۴۳۲ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الرِّيْحُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ تَاْتِيْ بِالرَّحْمَةِ وَبِالْعَذَابِ فَلَا تَسُبُّوْهَا وَسَلُوا اللّٰهَ مِنْ خَيْرِهَا وَعُوْذُوْا بِهٖ مِنْ شَرِّهَا رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَاَبُوْ دَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہوا رحمت الٰہی میں سے ہے[1] کبھی یہ رحمت لاتی ہے اور کبھی عذاب۔ تو اسے گالی نہ دو[2] اور اللہ سے اس کی بھلائی مانگو۔ اور اس کے شر سے خدا کے پاس پناہ لو[3]

(شافعی، ابوداؤد)

(ابن ماجہ اور بیہقی اور دعوات کبیر میں)

[1] یعنی غالب اور اکثر یہ ہوا بعض عطا الٰہی سے کر آتی ہے اور کفار پر عذاب بھی۔ ایمان والوں کے لیے خدا کی رحمت ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ ہوا ایک قوم کے لیے رحمت ہوتی ہے۔ اور دوسری قوم کے لیے عذاب۔ اس حدیث کے الفاظ میں حذف و اختصار ہے یعنی من روح اللہ و من عذابہ۔ جیسا کہ فرمایا تاتی بالرحمۃ و بالعذاب۔

[2] یعنی جب کہ ہوا اللہ کی قدرت اور اس کے ارادے کے تحت چلتی ہے تو اسے گالی نہ دو۔

[3] یعنی بندے کو چاہیے کہ قضاء و قدر الٰہی پر راضی رہے۔ اگرچہ وہ قضاء و قدر اس کے لیے بظاہر بری اور تکلیف کا باعث ہی ہو لیکن بندہ اللہ تعالیٰ سے نیکی مانگتا رہے۔ آگے حاکم مختار تو اللہ تعالیٰ ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسا چاہتا ہے ویسا ہے۔

۱۴۳۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا لَعَنَ الرِّيْحَ عِنْدَ النَّبِيِّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَلْعَنُوا الرِّيحَ فَإِنَّهَا مَامُورَةٌ وَإِنَّهُ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِأَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)

ہوا کو گالی دی تو آپ نے فرمایا ہوا پر لعنت نہ کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلتی ہے (لہٰذا اس پر لعنت کرنا جائز نہیں) اور واقعہ یہ ہے جس نے کسی چیز پر لعنت کی جو لعنت کا مستحق نہ ہو تو وہ لعنت اسی پر لوٹ کر آتی ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

لہ یعنی جس نے ہوا پر لعنت کی، اس سے نفرت کا اظہار کیا۔ اسے بُرا کہا اور گالی دی۔ اور اس سے کراہت و بیزاری کی۔

۱۴۲۴ وَعَنْ أُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ فَإِذَا رَأَيْتُمْ مَا تَكْرَهُونَ فَقُولُوا اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيحِ وَخَيْرِ مَا فِيهَا وَخَيْرِ مَا أُمِرَتْ بِهِ وَنَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُمِرَتْ بِهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا کو گالی نہ دو جب تم ایسی چیز دیکھو جسے تم ناپسند کرتے ہو تو یوں کہو۔ اے اللہ ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی مانگتے ہیں۔ اور اس کی بھلائی مانگتے ہیں جو اس میں ہے اور اس کی خیر و بھلائی طلب مانگتے ہیں جس کے لیے اسے حکم دیا گیا ہے اور ہم تیرے پاس اس ہوا کے شر سے پناہ مانگتے ہیں اور اس کے شر سے بھی جو اس میں ہے اور اس کے شر سے جس کے لیے اسے بھیجا گیا ہے (ترمذی)

۱۴۲۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا هَبَّتْ رِيحٌ قَطُّ إِلَّا جَثَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَلَا تَجْعَلْهَا رِيحًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِي كِتَابِ اللهِ تَعَالٰى

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کبھی ہوا نہ چلتی مگر یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو زانو ہو کر بیٹھ جاتے اور یہ دعا کرتے رب! اسے ہمارے لیے رحمت بنا، عذاب نہ بنا۔ اے اللہ اسے ہوا بنا اور رحمت بنا۔ عذاب کی آندھی نہ بنا۔ حضرت ابن عباس نے کہا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے۔ اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا۔ یعنی ہم نے ان پر تند آندھی بھیجی

اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا وَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ وَ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ وَ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ. (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

وَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ۔ یعنی ہم نے ان پر بانجھ ہوا مسلط کی۔ جو درختوں کو پھل دار نہ ہونے دیتی تھی۔ وَاَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ اور ہم ایسی ہوائیں بھیجتے ہیں جو درختوں کو پھلدار کردیتی ہیں۔ وَاَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ۔ خدائی نشانات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ہواؤں کو بارش کی بشارت دینے والی بنا کر بھیجتا ہے۔ (امام شافعی بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کیا۔)

لمعات: واضح ہو کہ مشہور یہ ہے کہ ریح بصیغہ مفرد عذاب میں استعمال ہوتی ہے جس طرح کہ پہلی روایت میں آیا۔ اور لفظ ریاح ملفوظ جمع رحمت کی ہوا کے لیے ہے۔ یہ دعا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسی پر مبنی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو جو مذکور ہوا۔ اس کی تائید میں پیش کیا گیا ہے۔ خطابی نے اس کی توجیہ میں کہا کہ ہوائیں جب زیادہ تعداد میں ہوتی ہیں۔ تو وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں جن سے خوب بارشیں ہوتی ہیں۔ اور جب ایک بار ہی چلتی ہے تو وہ بانجھ ہوتی ہے۔ عربوں کا اعتقاد ایسا ہی ہے۔ مگر ابو جعفر طحاوی نے اس کا انکار کیا ہے اور اپنی تائید میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول پیش کیا وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ ان کی کشتیوں کو طیب و خوش گوار ہوا چلاتی ہے۔ اور اسے بھی تائید میں پیش کیا جو بعض احادیث میں بصیغہ مفرد (ریح) خیر و شر دونوں کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث میں گزرا۔ الرِّيْحُ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ تَاْتِيْ بِالرَّحْمَةِ وَالْعَذَابِ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيْحِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا۔ اسی طرح حضرت عائشہ کی حدیث جو مذکور ہوئی۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث جو حضرت ابن عباس سے مذکور ہوئی، ضعیف ہے۔ صحیح احادیث کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا کہ اکثر و بیشتر یہ ہے کہ جب ریح و ریاح مطلق بلا قید واقع ہو تو اس کا یہی حکم ہے۔ بخلاف جب کہ کسی وصف کے ساتھ مقید ہو کر آئے۔ یہاں کافی گفتگو کی گئی ہے جو شرح میں مذکور ہے۔

۱۴۳۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَبْصَرَ نَاشِئًا مِنَ السَّمَاءِ تَعْنِي السَّحَابَ تَرَكَ عَمَلَهُ وَاسْتَقْبَلَهُ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمان میں بادل دیکھتے تو کام کاج چھوڑ کر دیتے۔ اور اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور یہ دعا پڑھتے۔ اے اللہ میں تیرے پاس اس چیز کے شر سے پناہ لیتا ہوں۔ جو اس میں ہے پھر اگر اللہ تعالیٰ

شَرِّ مَا فِيْهِ فَإِنْ كَشَفَهُ حَمِدَ اللهَ وَإِنْ مَطَرَتْ قَالَ اللّٰهُمَّ سَقْيًا نَافِعًا.

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالشَّافِعِيُّ وَاللَّفْظُ لَهٗ)

اگر بادل کو اٹھا لیتا تو آپ اس کی حمد و ثنا کرتے اور اگر اس سے بارش ہوتی تو یوں دعا کرتے۔ خدا وند ہمیں سود مند بارش عطا فرما۔

ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ شافعی اور الفاظ شافعی کی روایت کے ہیں۔

لہ حدیث میں لفظ ناشی آیا ہے۔ یعنی بادل۔ اسے ناشی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ آسمان و زمین کے درمیان ظاہر ہوتا ہے۔ صراح میں کہا ناشی بادل کا وہ حصہ ہے جو سب سے پہلے نمودار ہو۔

۲ حدیث میں لفظ سُقْيًا آیا ہے۔ (سین کی زبر قاف ساکن آخر میں نون تنوین) یعنی پانی پلانا۔ سقیا سین کی پیش اور بے تنوین بھی ایک روایت ہے اور وہ استسقاء کا نام ہے۔ یعنی پانی پینا۔

۱۴۳۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَمِعَ صَوْتَ الرَّعْدِ وَالصَّوَاعِقِ قَالَ اللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب گرج اور بجلیوں کی آواز سنتے تو کہتے۔ اے اللہ ہمیں اپنے غضب سے قتل نہ کرنا۔ اور ہمیں اپنے عذاب سے ہلاک نہ کرنا اور اس سے پہلے عافیت و سلامتی عطا فرما۔

(ترمذی۔ احمد)

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۴۳۷ / ۱۲ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهٗ كَانَ إِذَا سَمِعَ الرَّعْدَ تَرَكَ الْحَدِيْثَ وَقَالَ سُبْحَانَ الَّذِيْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ.

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بے شک جب آپ گرج کی آواز سنتے تو بات چیت ترک کر دیتے اور کہتے سُبْحَانَ الَّذِيْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ۔ پاک ہے وہ ذات جس کی

پاکی یاد کرتا ہے۔ رعد اللہ کی حمد و ثنا کی صورت میں ہے اور فرشتے اس سے ڈر کر۔ (مالک)

(رواہ مالک)

لہ رعد کا معنیٰ اگر آواز ہے تو پھر تسبیح کی اس کی طرف نسبت مجازی ہوگی۔ کیونکہ جب اس کے ساتھ تسبیح کی گئی تو گویا خود اس آواز نے تسبیح کی۔ اور اگر رعد فرشتہ کا نام ہے۔ تو پھر یہ نسبت حقیقی ہے۔ واللہ اعلم۔

كِتَابُ الْجَنَائِزِ

جنائز کی کتاب

جنائز جنازہ (جیم کی زبر و زیر) کی جمع ہے۔ وہ تختہ جس پر مردہ کو رکھتے ہیں۔ جس تختہ پر مردہ نہ ہو اسے نعش و سریر کہتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب صراح میں ہے۔ نہایہ میں کہا۔ جنازہ جیم کی زبر و زیر سے بمعنیٰ وہ میت جو تختہ پر پڑی ہو بعض کہتے ہیں۔ زیر سے بمعنیٰ تختہ اور زبر سے بمعنیٰ میت۔ اس کے برعکس بھی کہا گیا ہے۔ یہ جنز بمعنیٰ ستر سے مشتق ہے

بَابُ عِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَثَوَابِ الْمَرَضِ

مریض کی بیمار پرسی اور مرض کا ثواب

عیادت و عیاد عین کی زیر سے۔ بیمار پرسی کرنا عیادۃ عین کی پیش سے بھی آیا ہے۔ عود سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا اور رجوع کرنا۔ بیمار پرسی کرنے والا بیمار کی طرف گاہ بگاہ آتا اور رجوع کرتا ہے اس لیے یہ لفظ اس معنیٰ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ لفظ عود بھی عیادت کے لیے آتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۴۳۸/۱ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ وَفُكُّوا الْعَانِيَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ بیمار کی بیمار پرسی کرو اور بے گناہ قیدی کو نجات دلاؤ۔

(بخاری)

۱؎ بھوکے کو کھانا کھلانا مستحب ہے۔ اگر وہ حدِ اضطرار تک نہ پہنچا ہو۔ اور اگر حدِ اضطرار تک پہنچ چکا ہو تو پھر اسے کھانا کھلانا فرض ہے۔ اور فرض کفایہ ہے اگر دونوں میں سے کوئی صورت متعین نہ ہو۔ اور اگر اضطرار کی صورت متعین ہو تو پھر کھانا کھلانا فرض عین ہو جاتا ہے۔

۲؎ بیمار کی بیمار پرسی بھی سنت ہے۔ اگر کسی عادی بیماری کا مبتلا ہو۔ اور اگر عادی بیماری میں مبتلا نہ ہو بلکہ اچانک کوئی غیر عادی بیماری لاحق ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی واجب ہے۔ لفظ عُوْدُوا (عین کی پیش اور واو ساکن)

۳؎ یا حاکم وقت نے جس کے سر بہا کے فدیہ کا حکم دیا ہے۔ لفظ فُکُّوا فا کی پیش کاف مشدد فک سے مشتق ہے بمعنی دو چیزوں کو ایک دوسرے سے الگ اور جدا کرنا۔

۱۴۳۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِیَادَةُ الْمَرِیْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِیْتُ الْعَاطِسِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں سلام کا جواب دینا۱؎ مریض کی بیمار پرسی۲؎۔ جنازوں کے ساتھ جانا۳؎، دعوت قبول کرنا۴؎ اور چھینک والے کی چھینک کا جواب دینا۵؎ (بخاری ومسلم)

۱؎ کیونکہ سلام کا جواب بھی حقوق اسلام میں سے ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ جواب سلام کے ذکر کی تخصیص اس بنا پر کی کہ یہ فرض کفایہ ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیمار پرسی اسلام کا حق ہے۔ بیمار سے صحبت و مجلس کا حق نہیں۔ بعض کتابوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حق صحبت ہے اس کا یہ ہے کہ جامع الاصول میں باب العیادہ کو حقِ صحبت میں بیان کیا گیا۔ امام حجۃ الاسلام (غزالی) رحمہ اللہ نے اسے حقوق اسلام میں شامل کیا۔ قول اول درست نہیں یعنی سلام کے جواب کو حق صحبت قرار دینا کیونکہ عہد نبوی میں صحابہ کرام علیہم الرضوان سب کے ساتھی اور ہم مجلس تھے۔

۳؎ جنازے کے پیچھے ساتھ ساتھ چلنا اور نماز جنازہ پڑھنا بھی اس میں داخل اور فرض کفایہ ہے۔ اس کے پیچھے اور ساتھ ساتھ چلنے کا ذکر اہتمام اور اظہار اہمیت کے لیے ہے۔ اور اس جانب اشارہ کے لیے ہے کہ نماز جنازہ کے بعد وہاں کچھ دیر کے لیے رکے اور گنجائش کی حد تک اس کے ساتھ رہے۔ میت کو دفن کرنے تک وہاں رکنا افضل ہے۔

۴؎ یعنی دعوت طعام قبول کرنا اگر وہاں کوئی بدعت کمین کو اور خلاف شرع بات نہ ہو۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے

زیادہ وہ کھانا جو مفاخرت اپنے آپ کو اونچا دکھانے اور نام وری کے لیے بنایا گیا ہو سو اس کی دعوت قبول کرنا بھی منع ہے سلف صالحین ایسی دعوت میں شمولیت کو مکروہ جانتے تھے۔

۵۵ مسلمان پر مسلمان کا پانچواں حق چھینک مارنے والے کے لیے یرحمک اللہ کے لفظ سے دعا کرنا ہے۔ بشرطیکہ چھینک والے نے الحمد للہ کہا ہو۔ لفظ تشمیت شین سے یا سین سے۔ اولی لغت (شین سے) زیادہ فصیح ہے۔ یہ لفظ اس سے مشتق ہے جس سے لفظ شوامت (چارپائے کے پاؤں) مشتق ہے۔ گویا یہ چھینک والے کے لیے اس کے خیر و نیکی پر ثابت قدم رہنے اور اس کی صحت کے لیے دعا ہوتی ہے۔ یا یہ لفظ شماتت سے نکلا ہے یعنی دشمن کے مصیبت و بلا میں مبتلا ہونے پر خوش ہونا۔ گویا یہ لفظ یرحمک اللہ چھینک والے کے دعا ہے کہ وہ شماتت اعداء سے بچا ہے۔ اور اگر یہ سین سے (تسمیت) ہے تو پھر سمت سے نکلا ہے۔ بمعنی نیک سیرت یعنی اللہ تجھے نیک کرے چھینک والے کے پاس اگر ایک آدمی موجود ہو تو اس کے لیے جواب دینا سنت عین ہے۔ اور اگر زیادہ آدمی موجود ہوں تو پھر سنت کفایہ ہے۔ اس بارے میں مزید کلام کتاب الآداب کے باب عطاس و تثاؤب میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

۱۴۳۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِيْلَ مَا هُنَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَاِذَا دَعَاكَ فَاَجِبْهُ وَاِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ وَاِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ وَاِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَاِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ وہ چھ حق کونسے ہیں۔ فرمایا جب تو مسلمان سے ملے تو اس کو سلام کہہ[۱]۔ جب وہ تجھے دعوت طعام دے تو اس کی دعوت قبول کر۔ جب تجھ سے نصیحت طلب کرے تو اسے نصیحت کر[۲]۔ جب وہ چھینک مارے اور الحمد للہ پڑھے تو تو اس کا جواب دے (یرحمک اللہ کے ساتھ) جب وہ بیمار پڑے تو اس کی بیمار پرسی کر۔ اور جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔ (مسلم)

۱ے اور جواب سلام کے لیے سلام لازم ہے۔ پہلی حدیث میں جواب سلام کا ذکر فرمایا۔ یہاں سلام کے ذکر پر کفایت کی۔

۲ے لغت میں نصیحت کا معنیٰ خلوص ہے۔ عسل ناصح وہ شہد جو موم کی ملاوٹ سے پاک ہو۔ یعنی بالکل خالص

یہاں خیرخواہی اور مسلمانوں کی حق گزاری مراد ہے۔ یہ عام حالات میں سنت ہے اور جب کوئی نصیحت کی بات سننے کی خواہش ظاہر کرے تو پھر اسے نصیحت کرنا واجب ضروری ہے۔

۳؎ یعنی نماز جنازہ پڑھ کر جنازے کے ساتھ جا۔ اس حدیث میں پانچ حقوق کے علاوہ چھٹی چیز نصیحت کا ذکر بھی کیا اور صرف ان چھ میں ہی حصر مراد نہیں۔ مسلمانوں کے ایک دوسرے پر بہت سے حقوق ہیں۔ آپ نے ہر مقام پر اس کے مناسب حق کا بیان فرما دیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حقوق مسلمانی کے بارے میں تدریجا وحی کا نزول ہوتا ہو اور آپ اس کے مطابق بیان کرتے ہوں۔

۱۴۲ وَعَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ اَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ اَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَرَدِّ السَّلَامِ وَاِجَابَةِ الدَّاعِيْ وَاِبْرَارِ الْمُقْسِمِ وَنَصْرِ الْمَظْلُوْمِ وَنَهَانَا عَنْ خَاتِمِ الذَّهَبِ وَعَنِ الْحَرِيْرِ وَالْاِسْتَبْرَقِ وَالدِّيْبَاجِ وَالْمِيْثَرَةِ الْحَمْرَاءِ وَالْقَسِّيِّ وَاٰنِيَةِ الْفِضَّةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَعَنِ الشُّرْبِ فِي الْفِضَّةِ فَاِنَّهُ مَنْ شَرِبَ فِيْهَا فِي الدُّنْيَا لَمْ يَشْرَبْ فِيْهَا فِي الْاٰخِرَةِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع فرمایا ہمیں بیمار کی بیمار پرسی، جنازوں کے ساتھ جاتے۔ چھینک والے کی چھینک کا جواب دینے، سلام کا جواب دینے دعوت طعام والے کی دعوت قبول کرنے[1]۔ اور قسم اٹھانے والے کی قسم درست کرنے[2] اور مظلوم انسان کی مدد کرنے[3] کا حکم دیا اور ہمیں سونے کی انگوٹھی پہننے، ریشم پہننے، استبرق دو دیباج (خاص قسم کے ریشمی کپڑے) اور سرخ رنگ کے میثرہ[4] قسی[5] پہننے اور چاندی کے برتن استعمال کرنے سے منع فرمایا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ چاندی میں پینے سے منع فرمایا۔ کہ جو دنیا میں اس میں پیئے گا آخرت میں اس میں نہ پی سکے گا[6]

(بخاری ومسلم)

۱؎ ان پانچ الفاظ کے معانی گزشتہ بیان سے معلوم ہو چکے ہیں۔

۲؎ حدیث میں لفظ ابرار المقسم ہے۔ یعنی ہمیں قسم کھانے والے کی قسم درست کرنے کا حکم دیا۔ مقسم (میم کی پیش قاف ساکن۔ سین مخفف کی زیر) ابرار القسم (قاف وسین کی زبر سا تھ) بھی ایک روایت ہے معنی قسم۔ یعنی اگر ایک مسلمان تیرے فعل کی قسم کھائے کہ تجھے قسم ہے کہ یہ کام ضرور کر۔ تو چاہیئے کہ تو اس کا وہ کام کرے۔ تا کہ اس کی

قسم درست ہو جائے اور اس کی قسم نہ ٹوٹے۔ یا اگر کوئی آدمی اپنے نفس پر قسم کھائے کہ خدا کی قسم میں یہ کام ضرور کروں گا تو تجھے چاہیے کہ اس کام کے پورا ہونے میں ضرور کوشش کرے اور اس کے اسباب مہیا ہونے کے اسباب میں اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کرے۔ بعض نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے کو قسم دے کر کہے یہ کام ضرور کر۔ تو تیرے لیے اس کام کا کرنا مستحب ہے تاکہ خدا تعالیٰ کے اسم مبارک کی تعظیم برقرار رہے۔ اگر یہ لازم و ضروری نہیں۔ پہلی دو صورتوں میں اس کی قسم کی درستی اس لیے بھی چاہیے کہ قسم توڑنا گناہ و معصیت ہے اور مسلمان کو معصیت و گناہ سے نکالنا بہت بہتر ہے۔

ؔ۳ وہ انسان چاہے کافر ہو چاہے ذمی۔ (اسلامی حکومت کے قلمرو میں رہنے والا غیر مسلم) چاہے مستامن (چند روز کے لیے دار الاسلام میں آنے والا غیر مسلم) ہو۔

ؔ۴ صراح میں ہے استبرق باریک ریشم کو کہتے ہیں۔ دیباج معرب دیبا۔ یہ سب ریشمی کپڑے کی مختلف قسمیں ہیں۔

ؔ۵ حدیث میں لفظ المیثرۃ الحمراء آیا ہے۔ میم کی زیر ثا کی زبر چھوٹا سا زین کی گدی جس میں روئی بھری ہوتی ہے۔ اور اسے زین پر ڈال کر اس پر بیٹھتے ہیں۔ اسے نمدہ زین بھی کہتے ہیں یہ عجمیوں کی عادت ہے کہ تکبر و رعونت کے طور پر ریشم و دیباج وغیرہ کا بناتے ہیں حمرا کا لفظ اس تکبر و رعونت کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اگر سرخ نہ ہو تو حرام نہیں۔ اور اگر رعونت و تکبر کے ارادہ سے نہیں بلکہ کمزوری یا کسی عارضہ کے سبب سے استعمال کیا جائے تب بھی حرام نہیں۔

ؔ۶ یعنی آپ نے قسی (قاف کی زبر سین مہملہ کی شد) سے بھی منع فرمایا ایک کپڑا ہے جو قس نامی مصر میں واقع ایک بستی کی طرف منسوب ہے۔ یہ ریشم ملا ہوا ایک کپڑا ہے یعنی بعض کہتے ہیں قزی ہے جو قز کی طرف منسوب ہے یعنی ابریشم۔ زا کو سین سے بدل دیا۔ ان کپڑوں کی تفصیلات و احکام کتاب اللباس میں آ رہے ہیں۔

ؔ۷ چاندی کے برتنوں میں کھانے کا بھی یہی حکم ہے۔

ؔ۸ بلکہ ہمیشہ کے لیے یا ایک مدت دراز تک اس گناہ پر بطور سزا اس سے محروم کر دیا جائے گا سونے کے برتن کا بھی یہی حکم ہے۔ چاندی کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ عام عادت چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ہے یا جب کہ چاندی کے برتن جو قیمت میں سونے سے ادنیٰ ہیں ان میں کھانا پینا منع ہے۔ تو سونے کے برتنوں میں کھانا پینا بطریق اولیٰ منع ہوگا۔ ان گزشتہ چیزوں کے استعمال کی ممانعت مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ مگر برتن کہ وہ مطلقاً مردوں عورتوں دونوں کے لیے منع ہیں۔

۱۴۳۲ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِيْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو جنت کے باغ[1] میں رہتا ہے۔ جب تک کہ واپس نہ لوٹ آئے
(مسلم)

[1] حدیث میں لفظ خرفہ (خا کی پیش را ساکن) آیا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے چنا ہوا میوہ۔ مخرف و مخرفہ میم کی زبر را کی زیر یا زبر بمعنی باغ۔ کبھی لفظ خرفہ کا معنی بھی باغ کر دیتے ہیں۔ کبھی کھجوروں کے درمیان واقع راستہ اور گلی کو بھی خرفہ کہتے ہیں۔ طیبی نے کہا یہاں یہی معنیٰ مناسب ہے۔ دوسری روایت کی دلیل کے پیش نظر۔ کہ فرمایا من مخارف الجنۃ۔ یعنی وہ بہشت کے باغ کے راستہ میں ہوتا ہے۔ جو اسے جنت میں لے جاتا ہے۔ اسے سمجھو۔

۱۴۳۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِيْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِيْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَّنِيْ عِنْدَهٗ يَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِيْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اُطْعِمُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِيْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ اَطْعَمْتَهٗ لَوَجَدْتَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ اے انسان میں بیمار ہوا تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ بندہ کہے گا اے میرے رب تیری بیمار پرسی کیسے کرتا کہ تو تو رب العالمین ہے۔ رب فرمائے گا تجھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو نے اس کی بیمار پرسی نہ کی۔ تجھے خبر نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس ہی پاتا۔ اے بندے میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے نہ کھلایا بندہ عرض کرے گا الٰہی میں تجھے کیسے کھلاتا۔ تو تو رب جہانوں کا رب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھے پتہ نہیں کہ تجھ سے میرے فلاں بندے نے کھانا مانگا۔ تو نے اسے نہ کھلایا۔ تجھے علم نہیں کہ اگر تو اسے کھلاتا تو اسے میرے پاس ہی پاتا

ذٰلِكَ عِنْدِيْ يَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِيْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَسْقِيْكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اسْتَسْقَاكَ عَبْدِيْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهٖ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهٗ وَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِيْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اے بندے میں نے تجھ سے پانی مانگا۔ مگر تو نے مجھے نہ پلایا۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب میں تجھے کیسے پلاتا۔ جب کہ تو سب جہانوں کا رب ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا۔ تو نے اسے نہ پلایا۔ اگر تو اسے پلاتا تو آج اسے میرے پاس پاتا۔ [۶]

(مسلم)

[۱] کہ تو ہر بیماری سے پاک و منزہ ہے۔

[۲] یعنی میری رحمت و خوشنودی تجھے اس کے پاس مل جاتی۔

[۳] اور تو بھوک اور کھانے سے پاک و منزہ ہے۔

[۴] یعنی اس کھانے کا ثواب اور اس کی جزا تجھے میرے پاس سے ملتی۔

[۵] اور تو تشنگی اور پانی کی محتاجی سے پاک و منزہ ہے۔

[۶] بعض نسخوں میں دوسرے مضمون کی طرح اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ آیا ہے۔ بعض نسخوں کی یہ عبارت اگر یہاں نہ مانی جائے تو پھر اَمَا اَنَّكَ میں حرف اَمَا تنبیہ کے لیے ہے۔ واضح ہو کہ عیادت مریض میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا اگر تو بیمار پرسی کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا اور کھانے اور پانی کے بیان میں فرمایا کہ میری جزا اور ثواب اس کے ہاں پاتا۔ اس عبارت کے اسلوب میں کھلانے پلانے کی نسبت بیمار پرسی کو زیادہ فضیلت دی گئی ہے۔ جیساکہ پوشیدہ نہیں۔

عارف رومی قدس سرہٗ نے یہ مضمون اس طرح ادا کیا ہے۔ مثنوی:

۱۔ مشرقت کردم بنور ایزدی	من حقم رنجور گشتم نامدی!
۔ گفت سبحانا کہ پاکی از زیاں	ایں چہ رمز ست ایں بکن یارب بیاں
۳۔ باز فرمودش کہ من رنجوریم	چوں نپرسیدی تو از روئے کرم
۴۔ گفت یارب نیست نقصانے ترا	عقل گم شد ایں گرہ را برکشا
۵۔ گفت مارا بندہ خاص گزیں	گشت رنجور و منم نیکو ببیں
۶۔ ہست رنجوریش رنجوری من	ہست معذوریش معذوری من

۸۔ ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا گو نشیند در حضور اولیاء

ترجمہ اشعار مثنوی۔

۱۔ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکوہ کیا۔ کہ اے وہ موسیٰ جس کے گریبان سے نور حق طلوع ہوا۔

۲۔ میں نے تجھے اپنے نور ایزدی سے مرکز انوار بنایا۔ میں حق تعالیٰ ہوں گر رنجور و بیمار ہوں تو میری مزاج پرسی کے لیے نہیں آیا۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے سبحان و پاک ذات تو تو ہر قسم کے نقصان و عیب سے پاک و منزہ ہے۔ یہ کیا رمز و اشارہ ہے یارب اس بات کی حقیقت بیان کر۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے پھر ان سے فرمایا کہ میں رنجور و بیمار ہوں۔ اے موسیٰ تو نے از راہ کرم میری مزاج پرسی کیوں نہیں کی۔

۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تیری ذات اقدس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ تیری اس بات سے میری عقل گم ہو گئی۔ بر راہ مہربانی اس گرہ کو کھول دے۔

۶۔ فرمایا ہمارے ایک خاص بندے کو دیکھو جو رنجور و بیمار ہے۔ اس کے بیمار ہونے پر میں کیسے صحت مند رہ سکتا ہوں۔

۷۔ اس کا بیمار ہونا میرا بیمار ہونا۔ اس کا معذور ہونا میرا معذور ہونا ہے۔

۸۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی ہمنشینی چاہتا ہے اسے کہو کہ اس کے اولیا کی حاضری میں بیٹھے۔

۱۴۴۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى اَعْرَابِيٍّ يَعُوْدُهٗ وَكَانَ اِذَا دَخَلَ عَلٰى مَرِيْضٍ يَعُوْدُهٗ قَالَ لَا بَاْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ كَلَّا بَلْ حُمّٰى تَفُوْرُ عَلٰى شَيْخٍ كَبِيْرٍ تُزِيْرُهُ الْقُبُوْرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَعَمْ اِذَنْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بدوی کے پاس بیمار پرسی کو تشریف لے گئے اور جب بھی آپ کسی بیمار کی عیادت کرتے تو کہتے تمہے کوئی ڈر نہیں خدا کے چاہا یہ تو صفائی ہے۔ چنانچہ اس سے بھی فرمایا کہ کوئی ڈر نہیں انشاء اللہ صفائی ہے۔ وہ بولا ہرگز نہیں۔ یہ تو بہت بوڑھے پر بخار جوش مار رہا ہے[1] اسے قبروں کی زیارت کرا کے رہیگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایسا ہی سہی[2]۔ (بخاری)

[1] یعنی غم نہ کرا ور پریشانی نہ ہو۔ اس سے جو تو بخاری کا درد اور تکلیف محسوس کر رہا ہے۔ کیونکہ یہ

۱۴۲۹ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ إِذَا اشْتَكَى الْإِنْسَانُ الشَّيْءَ مِنْهُ أَوْ كَانَتْ بِهِ قَرْحَةٌ أَوْ جُرْحٌ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِصْبَعِهِ بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيقَةِ بَعْضِنَا لِيُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب کسی انسان کو جسم میں کوئی درد یا تکلیف ہوتی[1] یا اسے کوئی پھوڑا یا زخم ہوتا[2] تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ اپنی انگلی مبارک[3] رکھ کر یہ پڑھتے۔ بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيقَةِ بَعْضِنَا يُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا۔[4] (بخاری ومسلم)

۱ یا اس کے عضو وجزو کو درد و بیماری لاحق ہو جاتی۔

۲ یعنی زخم یا کوئی تکلیف جیسا کہ صراح میں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قَرْح (قاف کی زبر راساکن) وہ چیز جو کسی عضو پر نمودار ہو جیسے پھوڑا وغیرہ۔ اور جُرْح تلوار وغیرہ کا زخم۔ قرحہ قاف کی پیش اور زبر دونوں طرح آتا ہے

۳ حضرت عائشہ نے یہ بھی فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی مبارک پر اپنا لعاب دہن لگا کر خاک پر رکھتے پھر اس خاک آلودہ انگلی کو درد و زخم کی جگہ پر رکھ کر ملتے اور فرماتے اللہ کے نام سے ہماری زمین کی مٹی ہمارے بعض کے لعاب دہن ملانے سے ہمارے بیمار کو ہمارے رب تعالےٰ کے اذن سے شفا و تندرستی دیتی ہے۔ یعنی اللہ کے حکم و اجازت سے بیمار کو شفا ملتی ہے۔ یہ پھوڑوں اور زخموں کے علاج کے اسرار میں سے ایک ستر ہے۔ جسے عقول و افہام نہیں سمجھ سکتے۔ تعویذات و عملیات میں ایسے عجیب و غریب اثرات ہوتے ہیں۔ جن کے اثر لوگوں کو معلوم نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں ایسے مشکل و پیچیدہ اسرار ہیں جن کو صرف آپ ہی جانتے ہیں۔ ہمارے عقول و افہام ان کے ادراک کی راہ پانے سے قاصر و عاجز ہیں۔ فلسفہ اور طبیعات کے تنگ و تاریک راستوں میں پھنسے ہوئے لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے حقائق طلب کریں۔ اس کے لیے یہ لوگ ہاتھ پاؤں مارتے ہیں مگر انہیں کوئی راستہ نہیں ملتا۔ اس مقام میں ان لوگوں نے جو کچھ کہا ان میں سے ایک لاطائل باتیں ہیں۔ جو فلسفہ کی اس بند گلی میں گرفتار ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مباحث طبیہ اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ مٹی کو کسی چیز کے پاک اور اس کے مزاج کو تبدیل کرنے میں بڑا دخل اور بڑی تاثیر ہے۔ اسی طرح مزاج اصل کی حفاظت کرنے میں اپنے وطن کی مٹی بھی بڑا اثر رکھتی ہے۔ اور کہتے ہیں مسافر کو چاہیے کہ اپنے وطن کی کچھ مٹی اپنے ساتھ اٹھا لے اور اس کا کچھ حصہ پانی کے برتن میں ڈال دے۔ پھر سفر میں اس میں سے منہ میں ڈالتا رہے۔ تاکہ تبدیلی مزاج محفوظ رہے۔

۴ تورپشتی نے کہا اس حدیث کی تاویل دعویٰ میں جو کچھ جلد نسخ میں آتا ہے ہے جو کہ تمت طوبیٰ سے نظرت آدم

اور ریقہ بعض سے نطفہ انسانی کی طرف اشارہ ہے جس سے آدمی پیدا ہوتا ہے۔ تو گویا وہ زبان حال وقال سے تضرع اور زاری کرتا ہے کہ اسے پروردگار تو ہی ہے جس نے اصل اول کو بغیر کسی پہلے سے موجود نمونہ کے خاک سے اولاد انسان کو حقیر و خوار پانی سے پیدا کیا۔ تیرے لیے اسے شفا عطا کرنا بالکل آسان ہے جس کی اصل حقیقت یہ ہے۔ توربشتی کا کلام ختم ہوا۔

بعض شارحین نے کہا ارض سے ارض مدینہ مراد ہے جس کی شفائے مریض میں خاصیت ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اور بعض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریم مراد ہے۔ یہ وجہ اخیر کسی حد تک درست ہے اور حقیقت کے قریب ہے مگر اصل اور ٹھیک بات وہی ہے جو کہ ابتدا میں کہی گئی ہے۔

۱۴۴۷ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجَعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ كُنْتُ أَنْفُثُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِيْ كَانَ يَنْفُثُ وَأَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَتْ كَانَ إِذَا مَرِضَ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ نَفَثَ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوتے تو معوذات[1] سے اپنے اوپر دم کرتے اور اپنے جسم پر ہاتھ مبارک پھیرتے پھر جب آپ اس بیماری میں پڑے جس میں آپ نے رحلت فرمائی تو اس میں میں ان معوذات سے آپ کو دم کرتی جن سے آپ دم کیا کرتے تھے اور میں آپ کے جسم اقدس پر حضور کے ہاتھ پھیرتی[2] (بخاری و مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے فرماتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور مبارک تھا کہ جب آپ کے اہل بیت میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ معوذات سے اس پر دم کرتے تھے۔

[1] معوذات واو مشدد کی زیر۔ اس سے قرآن کی آخری دو سورتیں مراد ہیں اور قل ہو اللہ احد اور قل یا ایہا الکافرون بھی معوذات میں داخل ہیں۔ یا وہ آیات مراد ہیں جو تعوذ و تفویض کے معنی کو متضمن ہیں۔ اور آپ یہاں پر اپنے ہاتھ سے بیماری کو دور کرتے۔ یعنی جسم اقدس پر جہاں تک ہاتھ پہنچتا۔ پھیر لیتے تھے۔

[2] یعنی آپ کے ہاتھ مبارک پکڑتی ان پر دم کرتی۔ پھر آپ کے دونوں ہاتھ مبارک آپ کے جسم اطہر پر پھیرتی تھی۔

۱۴۴۸ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ

حضرت عثمان[1] بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

أَنَّهُ شَكَى إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا يَجِدُهُ فِيْ جَسَدِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِيْ يَأْلَمُ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ ثَلٰثًا وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ قَالَ فَفَعَلْتُ فَأَذْهَبَ اللّٰهُ مَا كَانَ بِيْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

بے شک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درد کی شکایت کی جو ان کے جسم میں ہو رہا تھا تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا ہاتھ اس جگہ پر رکھو جہاں تیرے جسم کو درد ہے اور کہہ بسم اللہ تین بار اور سات بار یہ الفاظ کہو اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ۔ میں اللہ تعالیٰ کے غلبے و بزرگی اور اس کی توانائی کے پاس پناہ لیتا ہوں اس چیز کی بدی سے جسے میں پاتا اور جس کے زیادہ ہونے اور آئندہ جسم کے دوسرے حصوں میں سرایت کرنے سے ڈرتا ہوں۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں میں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ مجھ سے وہ درد و تکلیف لے گیا۔ (مسلم)

۞ ۞

لہ آپ صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طائف کا عامل مقرر کیا تھا۔ ان سے حضرت حسن بصری۔ ابن المسیب وغیرہم احادیث روایت کرتے ہیں۔

۱۴۲۹ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ جِبْرَئِيْلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اشْتَكَيْتَ فَقَالَ نَعَمْ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک حضرت جبرئیل حضور علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہا یا محمد آپ بیمار ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں! جبرئیل نے کہا (بطریق علاج) یہ دعا پڑھی بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ۔ میں اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں ہر رنج و غم سے ہر ذات کی بدی سے یا حاسد آنکھ سے۔ اللہ آپ کو تندرستی عطا کرے۔ میں اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں۔ (مسلم)

۞ ۞

لہ کلمہ او بمعنی واو ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ راوی کا شک ہو۔

۱۳۵۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ وَيَقُولُ إِنَّ أَبَاكُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا إِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) وَفِي أَكْثَرِ نُسَخِ الْمَصَابِيحِ بِهِمَا عَلَى لَفْظِ التَّثْنِيَةِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی پناہ میں دیا کرتے تھے حسن و حسین (اور تمام اہل بیت محبت کرانے والوں) کو (اور فرماتے) میں تمہارے لیے پناہ پکڑتا ہوں خدا کے کلمات سے جو تمام و کمل ہیں ہر شیطان سے اور ہر زہریلے جانور سے اور ہر چشم بد سے اور آپ فرماتے تھے کہ تمہارے باپ (حضرت ابراہیم) ان کلمات کے ساتھ حضرت اسماعیل و حضرت اسحاق کیلئے تعویذ کیا کرتے تھے (بخاری)

۱؎ اور اللہ عزوجل کے دامن پناہ میں آنے سے کسی قسم کے نقصان کو کوئی راستہ نہیں مل سکتا۔ کلمات سے یا تو اس کی معلومات مراد ہیں۔ یا اس عزاسمہ کے اسماء حسنی یا آسمان سے نازل شدہ کتابیں۔

۲؎ شیطان ہر متمرد و سرکش کو کہتے ہیں جو جن و انس یا حیوان میں سے ہو[illegible]

۳؎ ہامۃ۔ زہریلا جانور۔ جیسے سانپ اور جس کا زہر ہلاکت اور موت کا سبب [illegible] جیسے بچھو۔ بھڑ اور کبھی اس چارپائے کو بھی ہامہ کہتے ہیں جو زمین پر [illegible] اور کیڑوں کوڑوں کو حشرات الارض اور ہوام کہتے ہیں۔

۴؎ لامۃ لمم سے بنا ہے۔ وہ چیز جو انسان پر نازل ہو اور [illegible] بگڑنا اور خراب ہونا۔ اسی طرح جادو اور حسد یعنی ہر چشم بد سے جو [illegible]

۵؎ یعنی دونوں اماموں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے کہ حضرت ابراہیم [illegible] جن سے آپ حضرت اسماعیل و حضرت اسحاق کو تعویذ کیا کرتے تھے۔

۶؎ بخاری میں لفظ کان یعوذ بہا ضمیر مفرد سے آیا ہے اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں [illegible] جو لفظ من کے مدخول دو کلموں کی طرف لوٹتی ہے یا دو جملوں کی جانب جو [illegible] نے کہا ہے کہ یہ تعریض قسم ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳۵۱ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّصِبْ مِنْهُ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

جس کے لیے نیکی کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے کسی تکلیف و مصیبت میں ڈالتا ہے[1] (بخاری)

[1] یعنی اس کی ذات، اولاد اور مال پر کوئی تکلیف و مصیبت آتی ہے۔ تاکہ وہ اس کے لیے اجر و ثواب، گناہوں کے کفارے اور بلندی درجات کا ذریعہ بنتی ہے یعنی مصیبت ہمیشہ خدا کے قہر و غضب کی بنا پر نہیں ہوتی۔ بلکہ کبھی اس کے لطف و مہربانی کی بنا پر بھی ہوتی ہے جب کہ بندہ اس پر صبر کرے اور قضا الٰہی پر راضی ہو۔ اور اگر جزع فزع بے صبری شکوہ وغیرہ کرے تو اس کے قہر کی علامت ہے۔

مصیبت اس ناپسندیدہ چیز کو کہتے ہیں جو آدمی کی طبیعت کو ناخوش کرے اور رنج و الم میں ڈالے۔ حدیث میں وارد لفظ یُصِب یا کی پیش اور صاد کی زیر و زبر بصیغہ مجہول و معلوم دونوں سماعی ہیں جیسا کہ ترجمہ میں دونوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۱۴۵۷/۱۵ وَعَنْهُ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا يُصِيْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَّصَبٍ وَّلَا وَصَبٍ وَّلَا هَمٍّ وَّلَا حُزْنٍ وَّلَا أَذًى وَّلَا غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا إِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نہیں پہنچتا کسی مسلمان کو کوئی رنج و الم[1]۔ نہ کوئی بیماری[2] و صدمہ۔ اور نہ کوئی فکر و غم[3] نہ کوئی تکلیف و اذا[4] اور نہ کوئی پریشانی۔ حتی کہ کانٹا جو اسے چبھتا ہے[5] مگر اللہ تعالیٰ اس کے عوض بندے کے گناہ مٹا دیتا ہے (بخاری و مسلم)

[1] نصب تھکاوٹ و کوفت اور مشقت و ناتوانی۔

[2] بعض نے کہا وصب دائمی بیماری کو کہتے ہیں۔

[3] غم یعنی اندوہ اور بدن کو پگھلا دینے والا صدمہ۔

[4] حزن جو سرور اور خوشی کو ختم کر دیتا ہے۔

[5] ان الفاظ کے اکثر معانی ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ جیسا کہ کتب لغت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہم اور غم کے درمیان یہ فرق ہے کہ ہم آئندہ آنے والے کام سے متعلق ہوتا ہے۔ جیسے کوئی کام اسے درپیش ہو۔ مگر اس کی انجام دہی کے علاوہ سے متفکر ہو اور غم گزشتہ زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جیسے کوئی ناپسندیدہ اور ناخوش حادثہ جو دل پر آپڑا ہو اور اس کی وجہ سے دل پہ تاریکی اور ہے دردی بیٹھ گئی اور چھا گئی ہو۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں کو جو غم و محنت اور آزار پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ کانٹا جو چبھ جاتا ہے۔

۵؎ کہ ان مذکورہ مصائب سے مسلمانوں کے صغیرہ گناہ مٹ جاتے ہیں۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

۱۴۵۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ[۱۶] قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُوْعَكُ فَمَسَسْتُهٗ بِيَدِيْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تُوْعَكُ وَعْكًا شَدِيْدًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجَلْ اِنِّيْ اُوْعَكُ كَمَا يُوْعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ قَالَ فَقُلْتُ ذٰلِكَ لِاَنَّ لَكَ اَجْرَيْنِ فَقَالَ اَجَلْ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيْبُهٗ اَذًى مِّنْ مَّرَضٍ فَمَا سِوَاهُ اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ بِهٖ سَيِّئَاتِهٖ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچا۔ اس وقت آپ کو شدید بخار تھا[۱]۔ میں نے اپنا ہاتھ حضور کے جسد اطہر پر پھیرا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو تو شدید بخار ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں مجھے ایسا شدید بخار ہے جیسا کہ تمہارے دو آدمیوں کو ہوتا ہے یعنی دو آدمیوں جتنا مجھ اکیلے کو بخار ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یہ اس لیے کہ آپ کو اجر و ثواب بھی دگنا ملتا ہے۔ فرمایا ہاں[۲]۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی مسلمان جسے کوئی بیماری وغیرہ لاحق ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کے بدلے گناہوں کو گراتا ہے جس طرح درخت پتے گراتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ حدیث میں لفظ وعک آیا ہے یعنی حرارت، بخار اور اس کی تیزی۔

۲؎ یعنی اس وجہ سے مجھے اس قدر تیز بخار ہے۔

۱۴۵۴ وَعَنْ عَائِشَةَ[۱۷] قَالَتْ مَا رَأَيْتُ اَحَدًا اَلْوَجَعُ عَلَيْهِ اَشَدُّ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو شدید درد و تکلیف کی حالت میں نہیں دیکھا[۱]۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ اس کی وجہ آپ کے جوہر ذات کی صفائی اور قوت حواس ہے۔ اس میں آپ کے درجات بلند ہوتے تھے اور آپ کو کئی گنا اجر و ثواب ملتا تھا اور اس میں اور بھی بہت سی حکمتیں مضمر ہیں۔ جن کو سوائے علام الغیوب ذات کے اور کوئی نہیں جانتا۔

۱۴۵۵ وَعَنْهَا قَالَتْ مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ حَاقِنَتِي وَذَاقِنَتِي فَلَا أَكْرَهُ شِدَّةَ الْمَوْتِ لِأَحَدٍ أَبَدًا بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے اور گلے کے درمیان وفات پائی[1]۔ تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کی موت کی شدت[2] وسختی کو برا نہیں جانتی۔ (بخاری)

[1] یعنی اس وقت آپ کا سر مبارک میرے سینے پر تھا۔ حاقنہ سینے کا گردن اور کندھے کے درمیان کا حصہ۔ ذاقنہ ٹھوڑی کے نیچے رگ حلقوم کا کنارہ۔ یعنی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے جسم کے اس حصہ سے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے میں آپ کی موت کی شدت سے واقف وآگاہ ہوں۔

[2] واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی شدت آپ کے بلند مقام کے مناسب تھی۔ عام ذہن یہ خیال رکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کے وقت بالکل تکلیف نہ ہوئی۔ آپ کی غایت شدت کی یہ حالت تھی کہ آپ بخار کی حرارت سے تپ رہے تھے اور چہرہ اقدس پر پانی کے چھینٹے مارتے تھے۔ اور فرماتے تھے اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ۔ موت کے وقت بڑی بے ہوشی طاری ہوتی ہے۔ جیسا کہ فصل ثانی میں آ رہا ہے۔

۱۴۵۶ وَعَنْ كَعْبِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ تُفَيِّئُهَا الرِّيْحُ تَصْرَعُهَا مَرَّةً وَتَعْدِلُهَا أُخْرٰى حَتّٰى يَأْتِيَهُ أَجَلُهُ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الْأَرْزَةِ الْمُجْذِيَةِ الَّتِيْ لَا يُصِيْبُهَا شَيْءٌ حَتّٰى يَكُوْنَ انْجِعَافُهَا مَرَّةً وَّاحِدَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کا قصہ اور حال کھیتی کی اس نرم شاخ کے قصہ اور حال کی طرح ہے جسے ہوائیں ادھر ادھر جھکاتی ہوں کبھی اسے گرا دیتی ہوں اور کبھی سیدھا کھڑا کر دیتی ہوں[1] یہاں تک کہ اسے موت آجاتی ہے[2]۔ اور منافق کا حال وقصہ صنوبر کے درخت کی طرح ہے[3] جسے کوئی ہوا اور اذیت نہیں پہنچتی۔ یہاں تک کہ اس کی زندگی کا درخت یکبارگی زمین پر آکر گرتا ہے[4]۔ (بخاری ومسلم)

[1] ایسی ہی حالت وکیفیت مسلمان کی ہے کہ کبھی تو اسے حادثہ ضعف وبیماری گرا دیتا اور ضعیف وناتواں کر دیتا ہے اور کبھی اسے صحت وتندرستی قائم ودرست کر دیتی ہے۔

۲؎ اور اس کی دنیوی زندگی کا کام ختم کر دیتی ہے۔

۳؎ جو بظاہر مضبوط ثابت اور قائم و پائدار دکھائی دیتا ہے کہ ہوائیں اور حادثات اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ارزہ (ہمزہ کی زیر را ساکن اس کے بعد زا۔ ابو عبیدہ سے ایسی ہی روایت ہے۔ مگر انہوں نے کہا کہ یہ لفظ ارزہ الف کی مد را کی زیر سے ہے۔ را کی زبر بھی ایک روایت ہے۔ یعنی وہ درخت جس کی جڑیں زمین میں ثابت و پائدار ہوں۔ مجذیہ میم کی پیش جیم ساکن ذال کی زیر جذیہ سے مشتق ہے۔ درخت کی جڑ کو کہتے ہیں۔

۴؎ اسی طرح منافق بھی ہمیشہ تندرست و توانا رہتا ہے اسے ضعف و بیماری کم ہی لاحق ہوتی ہے یہاں تک کہ اچانک موت کے حملے سے گر پڑتا ہے اور مر جاتا ہے۔

۱۴۵۶ [۲۰] وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الزَّرْعِ لَا تَزَالُ الرِّيحُ تُمِيلُهُ وَلَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ يُصِيبُهُ الْبَلَاءُ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ شَجَرَةِ الْأَرْزَةِ لَا تَهْتَزُّ حَتّٰى تُسْتَحْصَدَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی مثال کھیتی کی طرح ہے جسے ہوا ادھر ادھر جھکاتی رہتی ہے اسی طرح مومن کو ہمیشہ بلائیں اور مصیبتیں پہنچتی رہتی ہیں اور منافق کی مثال صنوبر اور مضبوط درخت کی طرح ہے کہ ہوا سے ہلائی نہیں جاتی یہاں تک کہ اسے اکھیڑ کر ختم کر دیا جائے۔

(بخاری و مسلم)

۱۴۵۷ [۲۱] وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أُمِّ السَّائِبِ فَقَالَ مَا لَكِ تُزَفْزِفِيْنَ قَالَتِ الْحُمّٰى لَا بَارَكَ اللّٰهُ فِيهَا فَقَالَ لَا تَسُبِّي الْحُمّٰى فَإِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ كَمَا يُذْهِبُ الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام السائب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے فرمایا تمہیں کیا ہوا کہ تم کانپ رہی ہو بولیں بخار ہے اللہ اس میں برکت نہ دے فرمایا بخار کو برا نہ کہو کیونکہ یہ انسانوں کے گناہ اس طرح دور کر دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔

(مسلم)

۱؎ حضرت ام السائب رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیماری کی اطلاع پا کر عیادت کے لیے ان کے گھر تشریف لاتے تھے۔

احادیث میں وبا اور موت عام کے لفظ سے مذکور ہے اور اگر لفظ طاعون ہی واقع ہوا ہو تو اس سے یہی وبا کا معنی اور وبائے عام مراد ہے۔ اس شخص نے غلط سمجھا جس نے طاعون کو صرف اصطلاحی معنی پر محمول کیا اور طاعون کے علاوہ دوسری وبائی امراض میں بھاگ جانے کو مباح قرار دیا۔ اور اگر فرضاً یہ مخصوص مرض ہی مراد ہو تو بھی یہ مخصوص مرض وبائے عام کا ایک فرد ہوگا۔ اور یہ قائل اس حدیث کا کیا جواب دے گا جس میں وبائے عام کا لفظ واقع ہوا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت و سلامتی مانگتے ہیں۔

۱۴۲۶/۲۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلشُّهَدَآءُ خَمْسَةٌ اَلْمَطْعُوْنُ وَالْمَبْطُوْنُ وَالْغَرِيْقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيْدُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید پانچ قسم کے ہیں۔ طاعون سے مرنے والا[1]، ہیضہ و استسقاء سے مرنے والا[2]، ڈوب کر مرنے والا[3]، مکان وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والا[4] اور شہید فی سبیل اللہ[5]
(بخاری و مسلم)

[1] یعنی وہ جو طاعون کی بیماری سے مرا اور اس بیماری پر صبر و برداشت میں جان دے دی۔

[2] وہ مراد جو دست و اسہال، استسقاء اور پیٹ پھول جانے کی بیماری سے مرا۔ بعض نے اس سے پیٹ کی مطلق بیماری جیسے درد پیٹ میں مروڑ وغیرہ مراد لی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو [illegible] ورع و تقویٰ کی بنا پر حرام و شبہ کی چیز کھانے سے پرہیز کیا اور وہ اسی ورع و تقویٰ کی حالت میں اس دنیا سے چلا گیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے وہ شخص مراد ہو جو بھوک و پیاس کی حالت میں [illegible] اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دے۔ واللہ اعلم۔

[3] یعنی کشتی وغیرہ کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے پانی میں ڈوب کر ہلاک ہونے والا مگر شرط یہ ہے کہ [illegible] نفس کی بنا پر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالا ہو۔

[4] صاحب الہدم۔ یعنی وہ شخص جس کے اوپر دیوار یا مکان گر پڑا اور وہ دب کر مر گیا [illegible] ہدم (ھا کی زبر دال ساکن) عمارت کو ویران کرنا اور اسے گرانا [illegible] دب کر مرنے والا انسان۔

[5] پانچواں وہ شخص جو راہ خدا میں دشمنان دین سے جنگ کرتے ہوئے مارا گیا، یہ اصل شہید حقیقی ہے اور جو شخص جنگ کے علاوہ کسی اور جگہ ظلماً مارا گیا وہ بھی اسی میں داخل ہے [illegible] اور ثواب میں ان کے ساتھ شریک ہیں اس لیے ان پر لفظ شہید کا اطلاق آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: الشہید فی سبیل اللہ، قتیل فی سبیل اللہ وغیرہ نہیں آیا [illegible]

وہ شخص جو شہید کے حکم میں ہے شہر و حفاظت میں ہے [illegible]

[illegible] وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الطَّاعُوْنِ فَأَخْبَرَنِيْ أَنَّهُ عَذَابٌ يَبْعَثُهُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ وَأَنَّ اللّٰهَ جَعَلَهُ رَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ لَيْسَ مِنْ أَحَدٍ يَقَعُ الطَّاعُوْنُ فَيَمْكُثُ فِيْ بَلَدِهٖ صَابِرًا مُّحْتَسِبًا يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يُصِيْبُهُ إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ شَهِيْدٍ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کی حقیقت اور اس کے حکم کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے مجھے خبر دی کہ یہ پہلی امتوں اور نہ ماننے والے لوگوں کے لیے عذاب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق جس پر چاہتا ہے اسے مسلط کرتا ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ نے اسے مومنوں کے لیے رحمت بنایا ہے۔ نہیں ہے کوئی ایسا جس پر طاعون واقع ہو اور وہ اپنے شہر میں صبر اور ثواب کی نیت سے ٹھہرا رہے[1] اور اس امر پر یقین رکھے کہ اسے وہی چیز پہنچ سکتی ہے جو اللہ نے اس کے لیے لکھ دی ہے۔ مگر اسے شہید جیسا ثواب ملے گا۔ (بخاری)

[1] اور وہاں سے نہ بھاگے بلکہ تسلیم و رضا سے اپنی جان خدا کے حوالے کر دے۔

[illegible] وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّاعُوْنُ رِجْزٌ أُرْسِلَ عَلٰى طَائِفَةٍ مِّنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ أَوْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَّأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون ایک عذاب[1] ہے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر یا اُن لوگوں پر مسلط کیا جو تم سے پہلے تھے۔ جب تم کسی زمین میں طاعون کے بارے میں سنو تو وہاں نہ جاؤ[2] اور جب ایسی زمین میں طاعون کی وبا پھیل جائے جہاں تم رہتے ہو تو اس بیماری سے بھاگنے کے لیے وہاں سے نہ نکلو۔ (بخاری و مسلم)

[1] رجز راء کی زیر جیم ساکن آخر میں زا بمعنی عذاب کبھی زا کو سین سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے رجس جس معنی اس کا بھی عذاب ہے۔

۵ے یہ راوی کا شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کی طائفہ فرمایا یا من کان قبلکم کا لفظ (فرمایا)۔

۶ے یعنی جب تم کسی زمین یا شہر میں جو تمہارے شہر کے علاوہ ہو طاعون پھیلنے کی خبر سنو، تو اس علاقہ اور شہر میں نہ جاؤ اور اس جگہ میں داخل نہ ہو۔ اور لفظ تَقْدَمُوا (تا کی زبر قاف ساکن دال کی زبر) قدوم سے نکلا ہے۔ بعض روایات میں فَلَا تُقْدِمُوا (تا کی زبر دال کی زیر) بمعنی اقدام (آگے بڑھنا) ہے یعنی ان وبائی امراض کے علاقہ میں آنے کا اقدام نہ کرو تاکہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے کا سبب نہ بنو۔

۷ے اس بارے میں ضابطہ اور دستور یہی ہے کہ جہاں وبائی مرض پھیلا ہوا ہو وہاں انسان نہ جائے۔ اور اگر اپنے شہر و علاقہ میں پھیل جائے تو وہاں سے دوسری جگہ نہ بھاگے اور نہ نکلے۔ اگرچہ بعض جگہوں سے بھاگنے کی اجازت ہے جیسے وہ گھر جو زلزلہ کی زد میں آجائے۔ یا جس مکان میں آگ لگ جائے یا وہ دیوار جو گر رہی ہو۔ کہ وہاں رہنے سے ہلاکت کا ظن غالب ہو۔ مگر طاعون میں صبر کرنے کا ہی حکم ہے۔ وہاں سے بھاگنے کی اجازت نہیں۔ طاعون کا مذکورہ امور و عوارض پر قیاس درست نہیں۔ کیونکہ وہ اسباب عادیہ میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہی اسباب میں بہرصورت ان سے بھاگنے کی اجازت نہیں۔ اور کسی بھی اس جگہ کو چھوڑنے کی رخصت نہیں۔ وارد نہیں ہوئی۔ لہٰذا اگر کوئی شخص وہاں سے راہ فرار اختیار کرے گا تو وہ عاصی، گناہِ کبیرہ کا مرتکب تصور ہوگا۔ ہم اللہ سے عافیت و سلامتی مانگتے ہیں۔

۱۴۶۴/۲۷ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى اِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِي بِحَبِيبَتَيْهِ ثُمَّ صَبَرَ عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ يُرِيدُ عَيْنَيْهِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میں اپنے بندے کو اس کی دو محبوب چیزوں (آنکھوں) کے بارے میں آزمائش میں مبتلا کروں پھر وہ صبر کرے تو ان کے عوض اسے جنت عطا کروں گا۔ محبوب چیزوں سے مراد اس کی دو آنکھیں ہیں۔ (بخاری)

۱ے یعنی اس کی دونوں آنکھیں بے نور ہو جائیں، اندھا کر دوں پھر وہ اس ابتلا میں صبر و ہمت سے کام لے۔ اور ظاہر باطن میں کوئی غلط خیال دل میں نہ آنے دے۔ اور اس بات پر یقین رکھے کہ اس کو اس میں مبتلا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب و غصہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ان ناپسندیدہ افعال و اعمال سے تحفظ کے لیے ہے۔ جن میں انسان آنکھ کی وجہ سے گرفتار ہوتا ہے اور گناہوں کی معافی اور بلندی درجات کے لیے ہے۔ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ جو آخر عمر شریف میں نابینا ہو گئے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ جو خلوت مجھے اب نصیب

ہوگئی ہے یہاں تک کہ قریب نہیں پہنچا۔

۲؎ اگر یہ کلام مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تو اس صورت میں یرید کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹتی ہے جل جلالہ اور اگر یہ راوی کا کلام ہے تو پھر یہ ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَعُوْدُ مُسْلِمًا غُدْوَةً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰی یُمْسِیَ وَاِنْ عَادَهٗ عَشِیَّةً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰی یُصْبِحَ وَكَانَ لَهٗ خَرِیْفٌ فِی الْجَنَّةِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کوئی مسلمان مسلمان کی صبح کے وقت عیادت نہیں کرتا مگر اس کے لیے ستر ہزار فرشتہ شام ہونے تک دعا کرتا رہتا ہے اور شام کو بیمار پرسی نہیں کرتا مگر صبح ہونے تک اس کے لیے ستر ہزار فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں۔ اور اسے بہشت میں چنے ہوئے میوے دیے جائیں گے۔

(ترمذی، ابوداؤد)

۱؎ صبح سے یہاں قبل دوپہر مراد ہے۔ غُدوۃ (غین کی پیش) صبح۔ غدوہ صبح کے وقت چلنا اور سفر کرنا۔

۲؎ یہاں شام سے بعد دوپہر کا وقت مراد ہے۔

۳؎ حدیث میں واقع لفظ خریف مخروف کے معنی میں ہے۔ یعنی چنے ہوئے عمدہ میوے۔

وَعَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ عَادَنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَجَعٍ كَانَ بِعَیْنِیْ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے کہ مجھے آشوب چشم کی تکلیف تھی ۱؎

(احمد، ابوداؤد)

۱؎ یعنی حضرت زید بن ارقم انصاری رضی اللہ عنہ آپ مشاہیر و اکابر میں سے ہیں سترہ غزوات میں شریک ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نہایت خصوصی دوستوں میں سے ہیں۔ ان کی تصدیق میں سورۃ منافقون کی آیت نازل ہوئی اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ۔ آپ فرماتے ہیں میری دونوں آنکھوں کو درد تھا ایک روایت میں بعینی کا لفظ مفرد آیا ہے۔ یعنی میری ایک آنکھ کو درد تھا۔

۲ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ درد چشم کی عیادت کے لیے جانا سنت ہے۔ اور جس شخص نے کہا ہے کہ آشوب چشم میں عیادت نہیں۔ اس کا یہ قول بالکل مردود ہے۔ اس حدیث کا اسناد صحیح ہے اور وہ جو بیہقی اور طبرانی نے روایت کیا کہ تین چیزوں میں عیادت نہیں۔ ایک پھوڑا دوسری آنکھ تیسری ڈاڑھ تو صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ابن کثیر پر موقوف ہے۔ جیسا کہ بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۴۶۷/۳۰ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَعَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ مُحْتَسِبًا بُوْعِدَ مِنْ جَهَنَّمَ مَسِيْرَةَ سِتِّيْنَ خَرِيْفًا. (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا۔ پھر محض رضائے الٰہی کے لیے اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پرسی کو گیا تو اسے دوزخ سے ساٹھ سال کے فاصلے تک دور کر دیا گیا۔ (ابوداؤد)

ل اور اقامت سنت کے لیے۔

۲ خریف سال کو کہتے ہیں۔ خود حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خریف کی تفسیر سال سے نقل حدیث میں آچکی ہے۔ کیونکہ حضرت انس سے پوچھا گیا کہ اے ابو حمزہ خریف کیا ہے۔ فرمایا خریف سال کو کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب اپنی ابتدائے تاریخ سے سال کی ابتدا خریف سے کرتے چلے آئے ہیں کیونکہ کھجوروں کے کاٹنے اور انگوروں کے اتارنے اور سال کے غلے تیار ہونے کا عام موسم خریف میں ہوتا ہے۔

۱۴۶۸/۳۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُوْدُ مَرِيْضًا فَيَقُوْلُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ اِلَّا شُفِيَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ حَضَرَ اَجَلُهُ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] مسلمان [illegible] أسأل اللہ العظیم رب العرش العظیم أن یشفیک [illegible] عظیم سے جو عرش عظیم کا رب ہے دعا کرتا ہے کہ وہ تجھے شفا عطا کرے گا اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمادے گا مگر یہ کہ اس کی موت کا وقت آچکا ہو۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ل عدد کی اکثر و بیشتر تکرار تین بار تک ہے مگر بعض دعاؤں میں سات کا عدد بھی آیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مقام میں سات اعضا سے دفع مرض و بلا کے لیے سات کے عدد کی تخصیص آئی ہو۔ واللہ اعلم۔

ـــه [illegible] ہر جگہ ہو مگر اس کا کوئی علاج نہیں۔

[illegible]/۲۳ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ مِنَ الْحُمّٰى وَمِنَ الْاَوْجَاعِ كُلِّهَا اَنْ يَقُوْلُوْا بِسْمِ اللهِ الْكَبِيْرِ اَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا يُعْرَفُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ اِبْرَاهِيْمَ ابْنِ اِسْمٰعِيْلَ وَهُوَ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بخار اور تمام دردوں کے علاج کے لیے ان کلمات کے پڑھنے کی تعلیم دیا کرتے تھے اَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ۔ اللہ العظیم کے پاس پناہ لیتا ہوں ہر خون بہانے والی رگ[1] کے شر سے اور آگ کی تپش کے شر سے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے اس کی معرفت و پہچان نہیں مگر ابراہیم بن اسماعیل کی حدیث سے اور وہ حدیث میں ضعیف ہے۔

ـــله یا اللہ سے پر شدہ ہر رگ کے شر سے۔

[illegible]/۲۴ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ اشْتَكٰى مِنْكُمْ شَيْئًا اَوِ اشْتَكَاهُ اَخٌ لَّهُ فَلْيَقُلْ رَبُّنَا اللهُ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ تَقَدَّسَ اسْمُكَ اَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْاَرْضِ اغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَايَانَا اَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِيْنَ اَنْزِلْ رَحْمَةً مِّنْ رَحْمَتِكَ وَشِفَاءً مِّنْ شِفَائِكَ عَلٰى هٰذَا الْوَجَعِ فَيَبْرَاُ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تم میں سے جسے کوئی درد و بیماری لاحق ہو یا اس کا کوئی بھائی اس کے سامنے درد و مرض کی شکایت کرے تو چاہیے کہ وہ یہ دعا پڑھے (ترجمہ) ہمارا رب وہ ہے جو آسمانوں میں[1] ہے تیرا نام پاک و مقدس[2] ہے تیرا حکم آسمان و زمین میں جاری و نافذ ہے[3] جس طرح تیری رحمت آسمان میں ہے۔ تو اپنی رحمت زمین میں بھی پھیلا دے۔ ہمارے گناہ بخش دے[4] اور ہماری خطائیں بھی بخش دے تو طیب و پاک لوگوں کا رب[5] ہے۔ اپنی رحمت میں سے رحمت نازل کر اور اپنی شفا میں سے شفا عطا فرما اس درد و بیماری پر تو وہ درد و بیماری دور ہو جائے گی۔ (ابو داؤد)

۱ اس عبارت سے مقصود زمین کے باطل خداؤں سے اظہار بیزاری و نفرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے ایمان کی طرح ایمان لانے کا حکم جاری کیا اور یہ دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں اس کی تاویل و معنی وہی ہے جو حق سبحانہ و تعالیٰ کے اس قول مبارک کا ہے: وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ وہی ہے اللہ آسمانوں اور زمین میں۔ اور اس کے اس قول میں وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ اور وہ وہی ہے جو آسمان میں اللہ ہے اور زمین میں اللہ ہے۔ جیسا کہ مفسرین نے کہا ہے۔

۲ یعنی نقص و عیب اور غیر مؤثر ہونے سے پاک و منزہ ہے۔

۳ کہ تو ہی آسمان و زمین کی کائنات کی تدبیر کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا اَوْحٰى فِي كُلِّ سَمَاءٍ اَمْرَهَا۔ اس نے ہر آسمان کو اس کے کام کا حکم دیا ہے۔ اور يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ۔ اللہ کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے۔

۴ اور اہل آسمان کو عام و شامل ہے کہ سب تیری رحمت کا محل و مقام ہیں۔ بخلاف زمین اور اہل زمین کے کہ اللہ کی رحمت ان میں سے بعض (مومنوں) کے ساتھ خاص ہے نہ کہ کافروں کے لیے۔ اگرچہ رحمت عام بوجود اور اس کے لوازمات کا افاضہ اللہ تعالیٰ کے قول مبارک وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ میری رحمت ہر شے کو شامل و عام ہے سب اہل زمین کو شامل اور عام ہے۔

۵ اصل میں لفظ حُوب (حا کی پیش و زبر) ہے بمعنی گناہ۔ بعض نے کہا ہے کہ پیش تو اہل حجاز کی لغت ہے اور زبر بنی تمیم کی لغت ہے۔ یہ لفظ گناہ کے علاوہ ظلم، وحشت، مشقت، درد، مسکینی اور ہلاکت کے معنی میں بھی آیا ہے۔ واضح ہو کہ یہ تمام معانی بندے کے الانس سے تعلق رکھتے اور گناہ اور ہلاکت کے اسباب کا موجب ہیں۔

۶ خطا وہ گناہ ہیں جو بندہ سے بطریق خطا صادر ہو جاتے ہیں۔ کبھی مطلق گناہ پر خطا کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

۷ یہ گناہوں کی طلب مغفرت کی علت و تدبیر ہے۔ یعنی جب بندے گناہوں سے پاک ہو جائیں اور تیری تربیت و رحمت خاص کے قابل بن جائیں۔

۱۴۵۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَ الرَّجُلُ يَعُوْدُ مَرِيْضًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ يَنْكَأُ لَكَ عَدُوًّا اَوْ يَمْشِيْ لَكَ اِلٰى جَنَازَةٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص بیمار کی عیادت کو آئے تو اسے کہنا چاہیے اے اللہ اپنے بندے کو شفا عطا فرما تاکہ تیرے دشمن کو تیرے لیے ہلاک و زخمی کرے۔ اور تیری خوشنودی کے لیے کسی جنازہ کے ساتھ چلے۔ (ابو داؤد)

ے یعنی تاکہ تیرے بیسجھے تیرے دین کی تقویت اور تیرا کلمہ بلند کرنے کے لیے تیرے دشمنوں کو ہلاک و زخمی کرے نکایت کا لفظ زخمی کرنے اور بہت قتل و غارت کرنے کے معنی میں آتا ہے اور اذیت اور درد پہنچانے کے لیے بھی آتا ہے ہمزہ اور بغیر ہمزہ کے ساتھ زخم کے اوپر سے چھڑا اکھاڑنے اور زخم پر زخم لگانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

ے اور تیرے دین کے حق کی ادائیگی کے لیے جنازے کے ساتھ چلے۔ بندے کے باقی تمام افعال میں سے دشمن کو زخمی کرنے اور جنازہ کے ساتھ چلنے کی تخصیص اس مناسبت کی بنا پر کی کہ جب وہ بیمار اور لب موت تھا تو اس کے بعد اس چیز کا ذکر کیا جو موت سے متعلق ہے۔ یعنی دشمنان دین کو ہلاک کرنا اور مردوں کے لیے دعا اور ان کی امداد کرنا طیبی نے بیان کیا کہ دشمن کو ہلاک کرنے اور جنازہ کے ساتھ چلنے کو اس لیے جمع کیا کہ اول میں دشمنان خدا پر عذاب نازل کرنا اور دوسرے میں دوستان خدا کے لیے رحمت حاصل کرنا ہے۔

۱۴۷۷ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أُمَيَّةَ أَنَّهَا سَأَلَتْ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ إِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللهُ وَعَنْ قَوْلِهِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ فَقَالَتْ مَا سَأَلَنِي عَنْهَا أَحَدٌ مُنْذُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هٰذِهِ مُعَاتَبَةُ اللهِ الْعَبْدَ بِمَا يُصِيبُهُ مِنَ الْحُمّٰى وَالنَّكْبَةِ حَتَّى الْبِضَاعَةِ يَضَعُهَا فِي يَدِ قَمِيصِهِ فَيَفْقِدُهَا فَيَفْزَعُ لَهَا حَتَّى أَنَّ الْعَبْدَ لَيَخْرُجُ مِنْ ذُنُوبِهِ كَمَا يَخْرُجُ التِّبْرُ الْأَحْمَرُ مِنَ الْكِيرِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت علی بن زید[1] سے وہ امیہ[2] سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ عزوجل کے اس قول مبارک کے بارے میں دریافت کیا کہ خواہ تم اپنے دل کی باتیں ظاہر کر دیا چھپائے رکھو۔ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا اور اس کے اس قول کے بارے میں کہ جو کوئی گناہ کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ جب سے میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ مجھ سے کسی نے یہ سوال نہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر عتاب ہے کہ جو اسے بخار یا مصیبت پہنچتی ہے یہاں تک کہ جو مال اپنی قمیص کی آستین میں رکھے پھر اسے گم پائے تو اس سے گھبرا جائے۔ یہاں تک کہ بندہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے۔ جیسے پیلا سونا بھٹی سے۔ (ترمذی)

ے یعنی علی بن زید بن عبد الرحمٰن بن جدعان قرشی تیمی بصری جو تابعین بصرہ میں سے ہیں۔

ے امیہ ہمزہ کی پیش یا کی شد آپ تابعیہ ہیں حضرت عائشہ سے روایت کرتی ہیں۔

۵۳ ان دو آیات کا معنی دریافت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ بندوں سے ان باتوں کا بھی حساب ہوگا جو وہ اپنے دلوں میں چھپا کر رکھتے ہیں۔ جیسے گناہوں کے خطرات اور برے ارادے۔ دوسری آیت اس امر کو واضح کرتی ہے کہ بندوں کو ان کے ہر کم یا زیادہ بُرے کام کی جزا دی جائے گی۔ تو یہ امر انہیں بہت مشکل محسوس ہوا اور وہ حیرانی میں پڑ گئے۔ کہ وہ کیا کریں کہ ان سے تو بچنا نا ممکن ہے۔

۵۴ یعنی اس کی محاسبت اور جزا کے بارے میں۔

۵۵ نکبت النون کی زیر بمعنی عتاب۔ غصہ کرنا اور ملامت کرنا اور دوست کا دوست پر غصہ ظاہر کرنا اس کی بے ادبی پر جو اس سے صادر ہوئی ہو۔ حالانکہ دل میں اس کی محبت اور اس کے لیے جذبہ لطف و رحمت موجود ہوتا ہے۔ صراح میں کہا عتاب کا معنی ہے۔ ناز کرنا اور غصہ ظاہر کرنا۔ نکبت وہ حادثات اور تکالیف جو انسان کو پہنچتی ہیں۔

۵۶ اور لوگ عادۃً آستین میں کچھ نہ کچھ رکھ لیتے ہیں۔ اس طرح جیب میں کچھ نہ کچھ پیسے وہ اسے رکھتے ہیں۔

۵۷ اور اس کی حالت غیر ہو جائے اور اس کے بعد فریاد کرے اور غم و اندوہ ظاہر کرے تو یہ شکوہ کرنے لگے یعنی یہ محاسبہ اور جزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی اس کا مواخذہ کرتا اس پر غصہ ہوتا اور عتاب فرماتا ہے اس محاسبہ سے آخرت میں عذاب و عقاب مراد نہیں۔ لہٰذا بندے کو ایسے مصائب و آلام سے گھبرا کر دل میں برا خیال نہ لائے۔ اور غمناک نہ ہو۔ بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور رحمت و عنایت سمجھے یہ اس کے گناہوں کا کفارہ اور بلندی درجات کا ذریعہ ہیں۔ شعر:

۱۔ من ترا غمگین و گریاں از آں کنم — تاکت از چشم بداں پنہاں کنم

۲۔ ناں نہ عجز فشانم [illegible] — بلکہ [illegible] چاشنی

۳۔ زاں حدیث تلخ گویم [illegible] — تا ز تلخیہا فرو [illegible] تیرا

۴۔ [illegible] — [illegible]

ترجمہ اشعار:

۱۔ میں تجھے غمگین و گریاں اس لیے کرتا ہوں تاکہ تو برے لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ رہے۔

۲۔ میں تجھے اس لیے جوش و غصہ میں مبتلا نہیں کرتا کہ تو مجھے ناپسند ہے بلکہ اس بنا پر کہ تجھے [illegible] غم کا چاشنی نصیب ہو۔

۳۔ میں تیرے ساتھ اس لیے تلخ و ترش باتیں کرتا ہوں تاکہ تیری آفت کی تلخیوں کو دھو ڈالوں۔

۴۔ جب تو دنیا کے حوادث و مصائب کی آگوں سے نہ پختہ ہو جائے گا تو آخرت کی تمام تنگیوں سے نجات پا جائے گا۔
شہ قاموس میں کہا تبر (تا کی زبر) سونا چاندی اور پیسے بھی کہتے ہیں جو کان سے نکلے اور ساتھی اسے پگھلا کر سلپے میں نہ ڈالا گیا ہو۔ مجمع البحار میں کہا تبر خالص سونے اور چاندی کو کہتے ہیں۔ اسے سکہ کی شکل دینے سے پہلے۔ جب اسے سکہ کی شکل دے دی جاتی ہے تو پھر اسے عین کہتے ہیں۔

۱۴۶۳ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یُصِیْبُ عَبْدًا نَکْبَۃٌ فَمَا فَوْقَہَا اَوْ دُوْنَہَا اِلَّا بِذَنْبٍ وَمَا یَعْفُو اللّٰہُ عَنْہُ اَکْثَرُ وَقَرَءَ وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے کو مصیبت[1] یا اس سے کم و بیش[2] تکلیف گناہ[3] کے بغیر نہیں پہنچتی اور جو کچھ رب تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ وہ بہت ہے۔ اور یہ آیت تلاوت کی[4] جو مصیبت تمہیں پہنچی تو تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے تھی اور رب تعالیٰ تو بہت ہی معافی عطا کرنے والا ہے۔ (ترمذی)

لہ یعنی چھوٹی بڑی تکلیف و مصیبت۔
۲ہ یہاں فوق کا لفظ زیادہ ہونے اور دون کا لفظ حقیر ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ اور اس کے عکس کا بھی۔ اول احتمال زیادہ ظاہر ہے۔
۳ہ یعنی گناہ اور خطا کی وجہ سے جو اس نے صادر ہو چکا ہوتا ہے۔ ایک درویش کے جوتے کا تسمہ چرا کاٹ گیا تو وہ روتے ہوئے کہتا تھا کہ مجھ سے کیا گناہ سرزد ہو گیا ہے جس کی سزا مجھے ملی ہے۔
۴ہ یعنی اس حال کے موافق یہ آیت تلاوت کی۔ وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ۔ یعنی تمہیں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ اس سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کیا ہوتا ہے۔ یعنی تمہاری ذاتوں سے اور اللہ تعالیٰ اس میں سے بہت سی خطاؤں اور گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

۱۴۶۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا کَانَ عَلٰی طَرِیْقَۃٍ حَسَنَۃٍ مِّنَ الْعِبَادَۃِ ثُمَّ مَرِضَ قِیْلَ لِلْمَلَکِ الْمُوَکَّلِ بِہٖ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ عبادت کے اچھے راستے پر چل رہا ہوتا ہے پھر بیمار ہو جاتا ہے تو اس پر مقرر شدہ فرشتہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کے تندرستی کے زمانہ کے برابر اعمال لکھ[1]

اُكْتُبْ لَهٗ مِثْلَ عَمَلِهٖ اِذَا كَانَ طَلِيْقًا حَتّٰى اُطْلِقَهٗ اَوْ اَكْفِتَهٗ اِلَيَّ۔

یہاں تک کہ میں اسے شفا عطا فرما دوں یا اپنے پاس بلا لوں۔ (شرح سنہ)

سلہ یعنی صحت کی حالت میں جو اعمال خیر بجا لاتا تھا، بیماری کی اس حالت میں بھی اس کے لیے تندرستی جیسے اعمال لکھتا رہ۔

۱۴۵ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا ابْتُلِيَ الْمُسْلِمُ بِبَلَاءٍ فِيْ جَسَدِهٖ قِيْلَ لِلْمَلَكِ اكْتُبْ لَهٗ صَالِحَ عَمَلِهِ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُ فَاِنْ شَفَاهُ غَسَلَهٗ وَطَهَّرَهٗ وَاِنْ قَبَضَهٗ غَفَرَلَهٗ وَرَحِمَهٗ رَوَاهُمَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان کسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو فرشتے سے کہا جاتا ہے کہ اس کے لیے وہی نیکیاں لکھ جو یہ پہلے کرتا تھا، پھر اگر رب تعالیٰ اسے شفا عطا فرماتا ہے تو اسے دھو دیتا اور پاک کر دیتا ہے اور اگر اسے وفات دیتا ہے تو اسے بخش دیتا ہے اور اس پر رحمت نازل کرتا ہے (شرح سنہ)

۱۴۶ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّهَادَةُ سَبْعٌ سِوَى الْقَتْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الْمَطْعُوْنُ شَهِيْدٌ وَالْغَرِيْقُ شَهِيْدٌ وَصَاحِبُ ذَاتِ الْجَنْبِ شَهِيْدٌ وَالْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ وَصَاحِبُ الْحَرِيْقِ شَهِيْدٌ وَالَّذِيْ يَمُوْتُ تَحْتَ الْهَدْمِ شَهِيْدٌ وَالْمَرْاَةُ تَمُوْتُ بِجُمْعٍ شَهِيْدٌ۔

[illegible] (مالک، ابوداؤد، نسائی)

سلہ آپ بڑے مرتبہ والے حضرت جابر بن عتیک انصاری صحابی ہیں۔ آپ کا نام ہے، اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں۔ جنگ بدر میں اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ تقریب میں کہا کہ آپ جلیل القدر صحابی ہیں۔ صاحب تقریب نے ان کے جنگِ بدر میں شرکت سے اتفاق نہیں کیا۔

سلہ یعنی اس کامل اور مشہور شہادت کے علاوہ سات شہید اور بھی ہیں۔

علامہ ضیغم بن شعور بیماری ہے۔ اور دراصل ورم ہوتے ہیں۔ جو پہلو کے اندر دل اور سینہ کے نزدیک پیدا ہوتے ہیں۔ سانس کی آمدورفت کی تنگی اس کا لازمہ ہے۔ ان کے سبب سے اقسام احکام اسباب و علامات ہیں۔ جو کتب طب میں مذکور ہیں۔ شرح سفر السعادۃ میں ان کا کچھ مجمل ذکر دیا گیا ہے۔

سلہ اس کا معنی گزشتہ حدیث کی شرح سے معلوم ہو چکا ہے۔

شہ حدیث میں صاحب الہدم کا لفظ آیا ہے۔ گزشتہ حدیث میں ھدم دال ساکن اور دال کی فتح دونوں کا معنی بیان ہو چکا ہے۔ یہاں دال کی زبر زیادہ مناسب ہے۔

سلہ حدیث میں لفظ جُمع آیا ہے۔ جیم کا پیش۔ بعض نے جیم کی زیر کہا اور میم ساکن۔ بمعنی مجموع یعنی وہ عورت جو پوری حالت میں وقت مر جائے اور بچہ اس کے پیٹ سے باہر نہ آسکے اور جو عورت بچے کی پیدائش کے بعد مرے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ بعض نے لفظ جمع کی تفسیر کنوارے پن سے کی ہے۔ کہ بچہ کی طرح اس میں کنوارا پن موجود اور ساتھ ہوتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو عورت جمع سے مر گئی اور اس سے بچہ وغیرہ باہر نہ آئی تو وہ شہید ہے۔

۱۴۷ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً قَالَ الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ فَاِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ صُلْبًا اِشْتَدَّ بَلَاؤُهٗ وَاِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ رِقَّةٌ هُوِّنَ عَلَيْهِ فَمَا زَالَ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَمْشِيَ عَلَى الْاَرْضِ مَالَهٗ ذَنْبٌ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سخت مصیبت والے لوگ کون ہیں۔ فرمایا انبیاء پھر ترتیب وار افضل لوگ[2]۔ انسان اپنی دینداری کے مطابق مصائب میں مبتلا ہوتا ہے۔ اگر اس کے دین میں تصلب و پختگی ہے تو اس کی بلائیں اور مصیبتیں بھی سخت ہوں گی[3] اور اگر اس کے دین میں نرمی ہے تو اس پر آسانی کی جائیگی[4] ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ زمین پر بے گناہ ہو کر چلے پھرے گا[5]

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

(دارمی)

ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سلہ یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

سلہ یعنی مرتبہ مرتبہ افضل لوگ جیسے اولیاء و علماء اور صلحاء اپنے مختلف مراتب و درجات کے مطابق۔

اور محمد البکری المصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سکرات موت کے سبب میں بہت کی وجوہ بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج شریف تمام مزاجوں سے بڑھ کر حالت اعتدال پر تھا۔ اس وجہ سے موت کا احساس بالم زیادہ ہے اور اس کا اثر بھی زیادہ محسوس کیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ اِنِّیْ اُوْعَکُ کَمَا یُوْعَکُ رَجُلَانِ مِنْکُمْ یعنی مجھے اتنا بخار تھا جتنا تمہارے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔ جیسا کہ پیچھے گزرا۔ دوسری وجہ یہ کہ آپ کی روح مبارک کا آپ کے جسد لطیف سے تعلق و تعشق بہت قوی اور بہت زیادہ تھا۔ تو اس کی جدائی سے آپ کو درد و تکلیف بھی زیادہ ہوئی۔ تیسری وجہ یہ کہ اس میں آپ کی امت کو تسلی دینا مطلوب ہے کہ جب وہ دیکھیں گے کہ آپ کی روح پاک کے جسم اطہر سے منتقل ہونے کی کیفیت و شدت یہ ہے تو پھر ہر امتی پر جان کندن کا معاملہ آسان محسوس ہوگا۔ چوتھی وجہ یہ بیان فرمائی کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت شریف تمام جہانوں کی جامع تھی تو آپ کی روح پاک کا آپ کے جسد اطہر سے الگ ہونا گویا تمام ارواح اور تمام اجسام کے ایک دوسرے سے جدا ہونے کی طرح تھا۔ پانچویں وجہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مملکت الٰہیہ کے متولی و نگران اور درگاہ عزت باری تعالےٰ سے اس پر مقرر تھے اور کون و مکان کے جملہ احکام آپ کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔ کس کا دائرہ حکومت و سلطنت آپ سے وسیع تر ہو سکتا ہے۔ اور حکام کی عادت مستمرہ و جاریہ ہے کہ جب وہ سلطان اعظم کی درگاہ میں پیش ہونے کا ارادہ کرتے ہیں تو انہیں اپنی استعداد و لیاقت کے مطابق اور اپنے حال و مرتبہ کے لائق جو ہر خوف و ہراس طاری ہوتا ہے کہ ہر ہر چیز اور ذمہ داری کے سوال و حساب سے کس طرح خلاصی ملے گی۔

ہمارے شیخ عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ تعالےٰ اپنے شیخ حضرت علی متقی رحمۃ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ وفات کے وقت فرماتے تھے کہ اگر مجھ سے شدت سکرات کا مشاہدہ کرو تو پریشان اور غمناک نہ ہونا۔ کہ یہ شدت مقام و منصب قطبیت کے لوازم سے ہے۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت تنزلات احدیت، تجلیات صمدیت اور اسرار الوہیت و ربوبیت کا نزول ہو رہا تھا۔ جیسا کہ نزول وحی کے وقت ہوتا تھا۔ اور یہ آپ کے اوقات زندگی میں سب سے اہم و اکمل حال تھا۔ اور یہ سکرات دراصل ان مشاہدات و ملاقات کا معائنہ تھا جو کہ جسمانیت کے رشتہ کی برداشت و مجاہدات کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہ آخری وجہ گزشتہ تمام وجہوں سے بہتر اور آپ کے مقام و حال شریف کے زیادہ مطابق و موافق ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بوقت شدت سکرات کی جو کیفیت و حالت آپ پر طاری ہوئی وہ درحقیقت اس ادراک و احساس کی بنا پر طاری ہوئی کہ تھوڑی دیر بعد آپ کو خدا تعالےٰ سے خاص ملاقات ہونے والی تھی۔ اس ملاقات خاص کے مناسب حال آپ پر خوف، خشیت و ہیبت و جلال طاری ہوا۔ کیونکہ آپ جناب ذات خدا تعالےٰ کی رحمت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے۔ اسی وجہ سے قرب الٰہی کے اس مقام میں آپ پر تواضع و نیازمندی اور عبودیت کے

اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدِہِ الْخَیْرَ عَجَّلَ لَہُ الْعُقُوْبَۃَ فِی الدُّنْیَا وَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدِہِ الشَّرَّ اَمْسَکَ عَنْہُ بِذَنْبِہٖ حَتّٰی یُوَافِیَہٗ بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے فوری طور پر دنیا میں سزا میں دے[1] دیتا ہے۔ اور جب کسی بندے کی برائی چاہتا ہے تو اس کی سزا اس کے گناہوں سمیت محفوظ رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے قیامت کے دن پوری پوری سزا دے[2] گا

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

(ترمذی)

[1] کیونکہ دنیا کا عذاب آسان ہے۔ اور دنیا میں رہنے کی مدت بھی بہت تھوڑی ہے۔ جیسے کیسے بھی ہو گزر جاتی ہے۔

[2] عرب کہتے ہیں۔ وافیٰ فلانا حقہ۔ اس نے فلاں کو اس کا پورا پورا حق دے دیا۔

۱۴۸۱/۲۲ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ عِظَمَ الْجَزَآءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَآءِ وَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ اِذَا اَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاھُمْ فَمَنْ رَضِیَ فَلَہُ الرِّضَآءُ وَمَنْ سَخِطَ فَلَہُ السَّخَطُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑا[1] ثواب بڑی بلا کے ساتھ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے مبتلا کرتا ہے[2]۔ پھر جو راضی ہو گیا اس کے لیے رضا و خوشنودی ہے۔ جو ناراض ہوا اس کے لیے ناراضگی ہے[3]۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

[1] عظم (عین کی پیش ظا ساکن) تعظیم سے اسم ہے۔

[2] اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کسی سے دشمنی کرتا ہے تو اسے مبتلا کرتا ہے۔ چونکہ یہ شق عبارت سے سمجھ میں آ جاتی ہے اس لیے اس کا ذکر نہ کیا۔

[3] یعنی بندے کی رضا اور خوشنودی اور اس کا غصہ پروردگار کی رضا ناراضگی اور اس کی محبت و دشمنی کا سبب و علامت ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ایک دوسرے سے دریافت کیا کرتے تھے کہ کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ بندے سے راضی ہے یا ناراض۔ اس کا جواب ان کو یہ دیا جاتا کہ اگر بندہ خدا سے راضی ہے تو خدا بھی اس سے راضی ہے۔ اور اگر بندہ خدا سے ناراض ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہے۔

۱۴۸۲/۲۵ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن مرد

لَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ أَوِ الْمُؤْمِنَةِ فِي نَفْسِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيْئَةٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى مَالِكٌ نَحْوَهٗ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

اور مومن عورت کو اس کی جان و مال و اولاد کی مصیبتیں پہنچتی رہتی ہیں[1]۔ یہاں تک کہ وہ رب تعالیٰ سے اس طرح ملتا ہے کہ اس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ ترمذی اور مالک نے اس کی مثل روایت کی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے

[1] آلام، امراض اور مختلف اذیتوں کی صورت میں کہ اس کی جان اور مال میں تباہی اور نقصان ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح اس کی اولاد میں مرض اور موت کی شکل میں۔ یہ تمام امور گناہوں کا کفارہ اور خطاؤں کے مٹنے کا سبب بنتے ہیں۔

۱۴۸۳/۴۵ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ السُّلَمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهٖ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ فِيْ جَسَدِهٖ اَوْ فِيْ مَالِهٖ اَوْ فِيْ وَلَدِهٖ ثُمَّ صَبَّرَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى يُبْلِغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت محمد بن خالد السلمی[1]۔ وہ اپنے والد اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی بندے کے لیے کوئی درجہ رب کی طرف سے مقدر ہو چکا ہوتا ہے جس تک وہ اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسم مال یا اولاد کی آفت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر اسے اس پر صبر بھی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے جو رب کی طرف سے اس کے لیے مقدر ہو چکا ہوتا ہے[2]۔ (احمد، ابوداؤد)

[1] السلمی (سین کی پیش اور لام مخفف کی زبر) ان کا باپ اور دادا دونوں صحابی ہیں۔

[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ بلا و مصیبت پر صبر کرنے سے اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے جس تک طاعت و عبادت سے نہیں پہنچ سکتا۔

شیخ امام اجل ابو عبداللہ محمد بن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ و قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں اپنی زندگی کے گزشتہ ایام میں سخت بیمار ہو گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا فرمائی تو میں نے عرض کیا اور اپنے نفس کا اندازہ لگایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیماری کی صورت میں میری کتنی اصلاح اور کیا تدبیر فرمائی ہے اور دونوں جہان کی عبادت

جو اس مدت میں ہو سکتی ہے۔ اس کے درمیان فرق کا کوئی اندازہ لگایا تو میں نے اپنے آپ سے کہا اگر مجھے اختیار دیا جاتا اس بیماری اور دونوں جہاں کی عبادت کے درمیان جو اس عرصہ میں ہو سکتی ہے کہ میں ان دونوں میں سے کس طرف کو ترجیح دوں۔ اور کسے اختیار کروں تو میرا عزم صحیح ۔۔۔ میرا یقین ثابت ۔۔۔ اور میری بصیرت اس پر واقع ہوئی کہ جو کچھ میرے پروردگار نے میرے لیے پسند کیا ہے۔ وہ شرف کے لحاظ اکثر اجر کے لحاظ سے بڑا۔ اور انجام کے اعتبار سے زیادہ نفع مند ہے۔ اور وہ بیماری و مرض جسے میرے پروردگار تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے میرے لیے تدبیر کیا۔ وہ ایسی بندگی تھی جو شائبہ عجب وریا سے پاک و منزہ تھی۔ اور مجھے معلوم ہو گیا کہ بلاء و مصیبت کو کیوں ترقیت دی گئی ہے۔ یہ مسئلہ اپنے رسالہ تسلیۃ المصاب تنیل الاجر والثواب میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔

۱۴۸۴ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُثِّلَ ابْنُ اٰدَمَ وَاِلٰى جَنْبِهٖ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ مَنِيَّةً اِنْ اَخْطَاَتْهُ الْمَنَايَا وَقَعَ فِي الْهَرَمِ حَتّٰى يَمُوْتَ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت عبداللہ[1] بن شخیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم[2] کو اس حالت میں پیدا کیا گیا ہے کہ اس کے پہلو میں[3] ننانوے موتیں بھی پیدا کی گئیں۔ اگر وہ ان موتوں کے نرغے سے بچ بھی گیا تو بڑھاپے میں جا گرتا ہے پھر اسے موت آ لیتی ہے[4]۔
اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] حضرت عبداللہ بن شخیر (شین معجمہ کی زیر اور خائے معجمہ مشددہ کی زیر سے) رضی اللہ عنہ۔ آپ صحابی ہیں۔ بصرہ میں اقامت پذیر رہے۔

[2] اصل میں لفظ مُثِّلَ ہے۔ میم کی پیش ثا مشددہ کی زیر یعنی تصویر بنائی گئی۔ اور پیدا کیا گیا۔

[3] اس کے پہلو میں یعنی اس کے قریب اور متصل۔ ننانوے موتوں سے آفات و بلائیں مراد ہیں۔ جو موت و ہلاکت کے اسباب ہیں۔

[4] یعنی اگر وہ آفات و بلیات سے بچ بھی گیا تو بڑھاپے میں جا گرتا ہے۔ یعنی آدم زاد بے انداز مصائب و بلاؤں کے گھیرے میں ہے جس سے خلاصی پانا مشکل امر ہے۔ اور اگر نادرًا ان سے بچ ہی گیا تو بڑھاپے کی عمر میں جا پہنچتا ہے جو درد بے دوا اور بلائے بے انتہا ہے۔ کہ مرے بغیر چارہ نہیں۔ اور بڑھاپا اسے موت کے گھاٹ اتار کر ہی رہتا ہے۔

۱۴۸۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوَدُّ اَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِيْنَ يُعْطٰى اَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْاَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اہل عافیت آرزو کریں گے جب کہ اہل مصائب کو مصائب و آلام برداشت کرنے پر اجر و ثواب عطا کیا جائے گا کہ کاش ان کے چمڑے دنیا میں قینچیوں کے ساتھ کاٹے جاتے۔

اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱۴۸۶ وَعَنْ عَامِرِ نِ الرَّامِ[۱] قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَسْقَامَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَمَوْعِظَةً لَهٗ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ وَاِنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ اُعْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهٗ اَهْلُهٗ ثُمَّ اَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِ لِمَ عَقَلُوْهُ وَلِمَ اَرْسَلُوْهُ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْاَسْقَامُ وَاللّٰهِ مَا مَرِضْتُ قَطُّ فَقَالَ قُمْ عَنَّا فَلَسْتَ مِنَّا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عامر الرام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کا ذکر کیا۔ اور فرمایا جب مومن کو کوئی بیماری پہنچتی ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ تندرستی عطا کرتا ہے تو وہ بیماری اس کے گزشتہ گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتی ہے اور آئندہ کے لیے اسے پند و نصیحت کا کام دیتی ہے اور منافق جب بیمار ہوتا ہے پھر اسے شفا ملتی ہے تو وہ اونٹ کی طرح ہوتا ہے۔ جسے اس کے مالکوں نے باندھا پھر اسے آزاد کر دیا۔ تو وہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں باندھا اور کیوں چھوڑ دیا[۲]۔ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ بیماریاں کیا ہیں۔ اللہ کی قسم میں تو کبھی بیمار نہیں ہوا۔ فرمایا ہمارے پاس سے اٹھ جاؤ تم ہم میں سے نہیں ہو۔

(ابوداؤد)

[۱] الرام رامی کا مخفف ہے جبکہ تیر انداز انہیں عامر بن الرام بھی کہتے ہیں۔ صحیح اول ہے۔ یہ صحابی ہیں۔ ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔ اور سند مجہول سے مروی ہے۔

[۲] یعنی عقل و تمیز نہ ہونے کی وجہ سے نہیں جانتا کہ اسے کیوں باندھا اور کیوں آزاد کر دیا۔ اسی طرح منافق ہے۔

بخلاف مومن کے کہ وہ جانتا ہے کہ اسے بیمار کرنے میں اس کی تادیب و تہذیب مقصود ہے اور عافیت و تندرستی شکر گزاری اور اس کی نعمتوں کی قدر دانی کے لیے ہے۔

سلہ اور رحم سے دور ہوجا۔

سکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص منافق تھا۔ جیسا کہ شرح شیخ میں آیا ہے۔ ورنہ آپ اسے اس شدت و سختی کے ساتھ ایسا نہ فرماتے۔

۱۴۸۷/۵ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْا لَهٗ فِیْ اَجَلِهٖ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَایَرُدُّ شَیْئًا وَیَطِیْبُ بِنَفْسِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اس کے لیے اس کی موت کی کشادگی کی دعا کرو[1] کیونکہ اس سے واپس تو کوئی چیز نہ ہوگی۔ اور اس کا دل خوش ہوجائے گا[2] (ترمذی و ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا۔ یہ حدیث غریب ہے

سلہ جیسے کہتے ہیں غم نہ کر۔ اور کوئی ڈر کی بات نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ تو شفایاب ہوگا اور تیری عمر دراز ہوگی مراد یہ ہے تنفیس یعنی کسی کو آسائش و آرام دینا۔ اور غم سے نجات دلانا۔

سکہ حدیث میں واقع لفظ یطیب تخفیف سے ہے اور بنفسہ میں با زائد ہے۔ بعض نسخوں میں یُطَیِّبُ نفسہ آیا ہے یعنی با کی تشدید اور با کے بغیر یعنی اس کے دل کو خوش کرے۔

۱۴۸۸/۵۱ وَعَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَهٗ بَطْنُهٗ لَمْ یُعَذَّبْ فِیْ قَبْرِهٖ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے اس کے پیٹ نے قتل کر دیا[1]۔ اسے قبر میں عذاب نہ ہوگا۔ (احمد۔ ترمذی) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

سلہ اس کا معنی فصل اول میں لفظ مبطون کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۴۸۹/۵۲ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ غُلَامٌ يَهُوْدِيٌّ يَخْدِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ فَقَعَدَ عِنْدَ رَاْسِهٖ فَقَالَ لَهٗ اَسْلِمْ فَنَظَرَ اِلٰى اَبِيْهِ وَهُوَ عِنْدَهٗ فَقَالَ اَطِعْ اَبَا الْقَاسِمِ فَاَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی بچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار پڑ گیا آپ اس کی عیادت کے لیے اس کے پاس تشریف لائے اور اس کے پاس بیٹھ گئے۔ اور اس سے فرمایا اسلام لے آ۔ اس بچے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے پاس موجود تھا۔ اس نے کہا اے بچے ابوالقاسم کی بات مان لے تو وہ بچہ مسلمان ہوگیا تو آپ یہ کہتے ہوئے وہاں سے باہر تشریف لائے تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں۔ جس نے اس بچے کو آگ سے بچا لیا۔[۳] (بخاری)

[۱] شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے فرمایا میں اس بچے کے نام سے واقف نہیں ہوں لیکن بعض نے کہا اس کا نام عبدالقدوس تھا۔

[۲] ابوالقاسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے۔ یہود اکثر و بیشتر آپ کا ذکر اس کنیت سے کرتے تھے مثلاً آپ کے اسم مبارک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آپ کا ذکر بہت کم کرتے تھے۔ کیونکہ تورات میں مذکور اس نام مبارک سے ان پر الزام عائد ہو۔ (کہ یہود آپ کو پہلے سے جانتے ہیں)

[۳] اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر سے خدمت لینا جائز ہے۔ اور اس کے اسلام کی امید رکھتے ہوئے اس کی عیادت و بیمار پرسی کرنا بھی جائز ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کسی کافر پڑوسی رشتہ دار یا ہمسایہ ہو تو اس کی عیادت کرنا بھی جائز ہے۔

۱۴۹۰/۵۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِيْضًا نَادٰى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مریض کی بیمار پرسی کرتا ہے تو آسمان سے ایک ندا کرنے

مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ طِبْتَ وَ طَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّءْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا.

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

ندا کرتا ہے[۱] کہ تجھے دنیا میں خوشی و مسرت نصیب ہو۔ اور تیرا چلنا پھرنا بھی تیرے لیے خوشی کا باعث بنے[۲]۔ اور تجھے جنت میں ٹھکانا اور منزل نصیب ہو[۳]۔

(ابن ماجہ)

[۱] یعنی فرشتہ۔

[۲] یا تجھے آخرت میں چلنا یا دنیا و آخرت دونوں میں پاؤں سے چلنا پھرنا بھی تیرے لیے خوشی کا باعث بنے۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ عیادت کو پیادہ جانا بہت فضیلت والا کام ہے۔

[۳] یہ تینوں جملے اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیادت کرنے والے کے پسندیدہ حال کی خبر دینے کے لیے ہیں۔

۱۴۹۱/۴۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ عَلِيًّا خَرَجَ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَجَعِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ فَقَالَ النَّاسُ يَا اَبَا الْحَسَنِ كَيْفَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَصْبَحَ بِحَمْدِ اللهِ بَارِئًا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس درد و بیماری میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے باہر تشریف لائے جس میں حضور نے وفات پائی۔ لوگوں نے کہا اے ابوالحسن آج صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال کیسا ہے۔ فرمایا الحمد للہ آپ کی حالت بہتر ہے[۱]۔ (بخاری)

[۱] یعنی الحمد للہ آپ بہتر ہو رہے ہیں۔ اور ادب یہی ہے کہ جب بیمار کا حال دریافت کیا جائے تو اس کے بارے میں بہتر جواب دیا جائے۔

۱۴۹۲/۵۵ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ قَالَ قَالَ لِيْ ابْنُ عَبَّاسٍ اَلَا اُرِيْكَ امْرَاَةً مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ قُلْتُ بَلٰى قَالَ هٰذِهِ الْمَرْاَةُ السَّوْدَاءُ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنِّيْ اُصْرَعُ وَاِنِّيْ اَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللهَ لِيْ فَقَالَ اِنْ

حضرت عطا[۱] بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تجھے وہ عورت[۲] نہ دکھاؤں جو اہل بیت میں سے ہے میں نے کہا ضرور دکھائیں۔ فرمایا یہ کالے رنگ کی عورت ہے[۳]۔ یہ عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تھی اور آپ سے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ! مجھے مرگی کا دورہ[۴] پڑتا ہے۔ اور میں برہنہ ہو جاتی ہوں۔ آپ میرے لیے اللہ سے دعا کریں۔

شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ وَاِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُعَافِيَكِ فَقَالَتْ اَصْبِرُ فَقَالَتْ اِنِّي اَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ لَّا اَتَكَشَّفَ فَدَعَا لَهَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ؎

آپ نے اسے فرمایا اگر تو چاہے تو اس پر صبر کر اور تیرے لیے جنت ہوگی۔ اور اگر تو چاہتی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے عافیت و تندرستی عطا کرے اس نے عرض کیا میں اس بیماری پر صبر کروں گی پھر اس نے عرض کیا میں برہنہ ہو جاتی ہوں آپ میرے لیے اللہ سے دعا کریں۔ کہ میں برہنگی سے بچ جاؤں تو آپ نے اس کے لیے دعا کی ؎ (بخاری و مسلم)

؎۵۱ عطاء بن ابی رباح (راکی زبر اور با مخفف) آپ تابعی ہیں۔ آپ اکابر علماء اور ساجلہ فقہاء میں سے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے میں نے ان سے بڑھ کر کوئی فاضل شخص نہیں دیکھا۔ آپ سیاہ فام یک چشم لنگڑے اور شل ہاتھوں والے تھے۔ اس کے بعد نابینا ہو گئے۔ جس دن آپ فوت ہوئے امام اوزاعی نے کہا زمین میں سب سے پسندیدہ انسان آج فوت ہو گیا۔

؎۵۲ اس عورت کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اس کا نام شعیرہ (سین کی پیش عین کی زبر) تھا۔ بعض نے سقیرہ اور سکیرہ بجائے عین کے قاف یا کاف بتایا۔ بعض نے اس کا نام اشطہ بیان کیا اور بعض نے کہا اس کا نام خدیجہ تھا۔ واللہ اعلم۔

؎۵۳ یہ ایک مشہور بیماری ہے۔

؎۵۴ حدیث میں لفظ اتکشف آیا ہے یعنی تا کو فتحہ ہے یعنی میں برہنہ ہو جاتی ہوں۔ یا مجھے برہنہ ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔ یا میں برہنہ ہونے سے بچنے کی کوشش کرتی ہوں جیسے لفظ تاثم بمعنی گناہ سے بچنا استعمال ہوتا ہے۔

؎۵۵ اس حدیث میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ ثواب آخرت کی امید میں علاج نہ کرنا جائز ہے۔ اور اس امر پر بھی کہ دعا و التجا کے ذریعے امراض کا علاج جائز ہے۔

۱۴۹۳ ؎۵۶ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا جَاءَهُ الْمَوْتُ فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ هَنِيْئًا لَهٗ مَوْتُهٗ يُبْتَلَ بِمَرَضٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں فوت ہو گیا۔ ایک شخص نے اس کی موت پر کہا اس کا مرنا گوارا اور اچھا ہو کہ فوت ہوا ہے اللہ سے کوئی بیماری لاحق نہیں ہوئی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر افسوس اور تعجب تجھے یہ کیسے

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُحَكَ مَا يُدْرِيكَ لَوْ أَنَّ اللّٰهَ ابْتَلَاهُ بِمَرَضٍ فَكَفَّرَ عَنْهُ مِنْ سَيِّئَاتِهِ۔
(رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا)

معلوم ہوا اگر اللہ اسے کسی بیماری میں مبتلا کرتا تو اس کے گناہوں کو مٹا دیتا۔ یہ اس کے لیے بہتر ہے۔
مالک نے اسے مرسلا روایت کیا

لے حضرت یحییٰ بن سعید انصاری تابعی ہیں۔ حضرت انس اور دوسرے صحابہ اور قدماء سے روایت کرتے ہیں۔

۱۴۹۴ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ وَالصُّنَابِحِيِّ أَنَّهُمَا دَخَلَا عَلَى رَجُلٍ مَرِيضٍ يَعُودَانِهِ فَقَالَا لَهُ كَيْفَ أَصْبَحْتَ قَالَ أَصْبَحْتُ بِنِعْمَةٍ قَالَ شَدَّادٌ أَبْشِرْ بِكَفَّارَاتِ السَّيِّئَاتِ وَحَطِّ الْخَطَايَا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ إِذَا أَنَا ابْتَلَيْتُ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنًا فَحَمِدَنِي عَلَى مَا ابْتَلَيْتُهُ فَإِنَّهُ يَقُومُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ مِنَ الْخَطَايَا وَيَقُولُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَا قَيَّدْتُ عَبْدِي وَابْتَلَيْتُهُ فَأَجْرُوا لَهُ مَا كُنْتُمْ تُجْرُونَ لَهُ وَهُوَ صَحِيحٌ
(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت شداد بن اوس اور الصنابحی[1] رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دونوں حضرات ایک بیمار کی بیمار پرسی کو گئے۔ انہوں نے اس سے کہا تیرا کیا حال ہے۔ اس نے کہا: میں اللہ کی نعمت و رحمت کے اندر ہوں۔ حضرت شداد نے کہا: تجھے گناہوں اور خطاؤں کے مٹ جانے کی بشارت ہو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے مومن بندوں میں سے کسی بندے کو بیماری وغیرہ میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ اس ابتلا پر میری حمد و ثنا کرتا ہے تو وہ اپنی بیماری کے بستر سے اس حال میں اٹھتا ہے جیسے اسے ماں نے جس دن جنا تھا کہ وہ گناہوں سے بالکل پاک و صاف تھا۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے (اعمال لکھنے والے فرشتوں کو) میں نے اس بندے کو بیماری میں مقید کیا اور اسے آزمایا۔ اس کے لیے وہی اجر و ثواب لکھو جو تندرستی کی حالت میں اس کے لیے لکھا کرتے تھے۔
(احمد)

لے آپ بھی صحابی ہیں اور آپ کا باپ بھی۔

۵۲ الصنابحی صاد کی پیش سے صنابح بن زاہر کی طرف نسبت ہے۔ ان کا نام عبداللہ ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپ صحابی ہیں یا تابعی۔

۵۳ اصل میں لفظ اجروا آیا ہے۔ ہمزہ کی زبر جیم ساکن۔ اجراء سے۔ بمعنی جاری کرنا اور وظیفہ عطا کرنا۔

۱۴۹۵ / ۵۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَثُرَتْ ذُنُوْبُ الْعَبْدِ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ مَا يُكَفِّرُهَا مِنَ الْعَمَلِ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ بِالْحُزْنِ لِيُكَفِّرَهَا عَنْهُ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندے کے گناہ بہت ہو جاتے ہیں اور اس کے عمل میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو اس کے گناہوں کا کفارہ بنے تو اللہ تعالیٰ اسے غم و اندوہ میں مبتلا کرتا ہے۔ تاکہ اس کے گناہوں کا اسے کفارہ بنا دے۔ (احمد)

۱۴۹۶ / ۵۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِيْضًا لَمْ يَزَلْ يَخُوْضُ الرَّحْمَةَ حَتّٰى يَجْلِسَ فَإِذَا جَلَسَ اغْتَمَسَ فِيْهَا. (رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَحْمَدُ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے وہ مسلسل رحمت الٰہی میں گھستا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ جب بیٹھ جاتا ہے تو مکمل طور پر رحمت الٰہی میں ڈوب جاتا ہے۔ (مالک، احمد)

لے اصل میں لفظ خوض آیا ہے۔ جس کا معنی ہے پانی میں گھس جانا۔

۱۴۹۷ / ۶۰ وَعَنْ ثَوْبَانَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمُ الْحُمّٰى فَإِنَّ الْحُمّٰى قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ فَلْيُطْفِئْهَا بِالْمَاءِ فَلْيَسْتَنْقِعْ فِيْ نَهْرٍ جَارٍ وَلْيَسْتَقْبِلْ جَرْيَتَهٗ فَيَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو بخار آئے کیونکہ یہ بخار آگ کا ایک ٹکڑا ہے پانچے کہ پانی سے اسے بجھائے۔ بہتی ہوئی نہر میں جا گھسے اور جس طرف سے پانی آ رہا ہے ادھر منہ کرے اور کہے اللہ کے نام سے اے اللہ اپنے بندے کو شفا عطا کر۔ اور اپنے رسول کو سچا کر دکھا۔ یہ غسل صبح کے وقت طلوع آفتاب سے پہلے کرے اور چاہیے کہ

وَصَدِّقْ رَسُوْلَكَ بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلْيَنْغَمِسْ فِيْهِ ثَلٰثَ غَمَسَاتٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَاِنْ لَّمْ يَبْرَأْ فِيْ ثَلٰثٍ فَخَمْسٌ فَاِنْ لَّمْ يَبْرَأْ فِيْ خَمْسٍ فَسَبْعٌ فَاِنْ لَّمْ يَبْرَأْ فِيْ سَبْعٍ فَتِسْعٌ فَاِنَّهَا لَا تَكَادُ تُجَاوِزُ تِسْعًا بِاِذْنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔

تین دن روزانہ تین غوطے لگائے۔ اگر تین دن میں تندرست نہ ہو تو پانچ دن کرے اگر پانچ دن میں ٹھیک نہ ہو تو سات دن کرے۔ سات دنوں میں شفا یاب نہ ہو تو نو دن یہ عمل کرے کہ بے شک نہیں قریب کہ نو دن سے یہ بخار تجاوز کرے اللہ کے اذن و حکم سے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ سفر و حضر میں ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے

۲؎ علماء نے کہا ہے کہ یہ طریق علاج بخار کی بعض اقسام کے ساتھ خاص ہے۔ جو حرارت سے لاحق ہوتا ہے جیسکہ اہل حجاز کی عادت ہے اور جیب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمانی علاج کرنا یا تتبع اور ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اور منصب نبوت کا مقصود اصلی روحانی علاج کرنا ہے۔ اس بنا پر آپ نے ہر قسم کے امراض کے علاج کا احاطہ نہ فرمایا۔ بلکہ اکثر و غالب امراض کے علاج کا بیان فرمایا جو بلاد عرب میں پائے جاتے تھے۔ واللہ اعلم۔
اس کی مزید تحقیق کتاب طب و رقی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک اَلْحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ کہ بخار دوزخ کی تپش کی وجہ سے ہے کی شرح میں آرہی ہے۔ مناسب یہ تھا کہ مصنف علیہ الرحمۃ اسے اس کتاب میں ذکر کرتے۔ کیونکہ اس حدیث میں عیادت مریض اور ثواب مرض کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کے بعد حضور نے بخار ٹھنڈا کرنے کا طریقہ ارشاد فرمایا۔

۳؎ حدیث میں لفظ جریۃ آیا ہے جیم کی زبر یا زیر سے

۴؎ جس سے یہ علاج بیان فرمایا ہے اور اطلاع دی ہے کہ جو شخص یہ علاج کرے گا شفا یاب ہوگا۔

۵؎ یہ نہر میں غوطہ لگانے کا بیان اور اس کی وضاحت ہے۔ یہ عبارت یہ احتمال بھی رکھتی ہے کہ تین دن میں تین غوطے لگائے ہر روز ایک غوطہ۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہر دن تین غوطے لگائے۔

۱۴۹۸ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ ذُكِرَتِ الْحُمّٰى عِنْدَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَبَّھَا رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبَّھَا فَاِنَّھَا تَنْقِی الذُّنُوْبَ کَمَا تَنْقِی النَّارُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بخار کا ذکر کیا گیا تو ایک آدمی نے بخار کو گالی دی۔ آپ نے فرمایا اسے گالی نہ دے۔ کیونکہ یہ گناہوں کو اس طرح ختم کرتا ہے جس طرح آگ لوہے کی میل کو ختم کرتی ہے۱؎۔ (ابن ماجہ)

۱؎ یعنی اسے پگھلا کر اس سے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔ اسی طرح بخار بندے کو گناہوں سے پاک صاف کر دیتا ہے اور یہ وصف شکر گزاری کا متقاضی ہے۔ اس وجہ سے مشائخ کرام نے فرمایا بلاء مصیبت کا وظیفہ شکر ادا کرنا ہے۔ جس طرح نعمت میں شکر ادا کرنا لازم ہے۔ کیونکہ یہ خدا تعالے کی نہ محسوس ہونے والی مہربانیوں کو متضمن ہے لیکن چونکہ بندہ ضعیف و ناتواں ہے۔ اس لیے شکر کی جگہ صبر کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۴۹۹/۶۲ وَعَنْہُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَادَ مَرِیْضًا فَقَالَ اَبْشِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ ھِیَ نَارِیْ اُسَلِّطُھَا عَلٰی عَبْدِی الْمُؤْمِنِ فِی الدُّنْیَا لِتَکُوْنَ حَظَّہٗ مِنَ النَّارِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیمار کی بیمارپرسی فرمائی تو اسے کہا تجھے بشارت ہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بخار میری آگ ہے جسے میں دنیا میں اپنے بندۂ مومن پر مسلط کرتا ہوں تاکہ یہ بخار قیامت کے دن کی آگ کا حصہ عوض (بن) جائے۔ (احمد، بیہقی فی شعب الایمان، ابن ماجہ)

۱۴۹۹/۶۳ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الرَّبَّ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی یَقُوْلُ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَا اُخْرِجُ اَحَدًا مِنَ الدُّنْیَا اُرِیْدُ اَغْفِرُ لَہٗ حَتّٰی اَسْتَوْفِیَ کُلَّ خَطِیْئَۃٍ فِیْ عُنُقِہٖ بِسَقَمٍ فِیْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک رب سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں کسی کو دنیا سے نہیں نکالتا جسے میرا بخشنے کا ارادہ ہوتا ہے یہاں تک کہ ہر گناہ کو اس کی گردن سے پورا نہ کر لوں۔ اس کے بدن میں بیماری کے ذریعے یا اس کے رزق میں تنگی پیدا کر کے۲؎

بِدَنِہٖ وَاِقْتَارًا فِیْ مَعِیْشَتِہٖ۔
(رَوَاہُ رَزِیْنٌ)

(رزین)

لے یعنی مجھے اپنی ذات کی عزت اور صفات کے جلال کی قسم۔

ٹے حدیث میں لفظ مُقتَم سین کی پیش یا سین اور قاف کی زبر سے اقتار (ہمزہ کی زیر قاف ساکن) یعنی جو گناہ اس سے سرزد ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کی سزا بھی اسے دنیا میں ہی بیماری اور تنگدستی کی شکل میں دے دیتا ہوں۔ اس طرح وہ عذاب آخرت سے بخش دیا جاتا ہے اور اہل نجات سے کر دیا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ فقر و بیماری اور مصائب و آلام گناہوں کا کفارہ بنا دیے جاتے ہیں۔

۱۵۴۳ وَعَنْ شَقِیْقٍ قَالَ مَرِضَ عَبْدُاللّٰہِ فَعُدْنَاہُ فَجَعَلَ یَبْکِیْ فَعُوْتِبَ فَقَالَ اِنِّیْ لَا اَبْکِیْ لِاَجْلِ الْمَرَضِ لِاَنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْمَرَضُ کَفَّارَۃٌ وَاِنَّمَا اَبْکِیْ اَنَّہٗ اَصَابَنِیْ عَلٰی حَالِ فَتْرَۃٍ وَلَمْ یُصِبْنِیْ فِیْ حَالِ اجْتِہَادٍ لِاَنَّہٗ یُکْتَبُ لِلْعَبْدِ مِنَ الْاَجْرِ اِذَا مَرِضَ مَا کَانَ یُکْتَبُ لَہٗ قَبْلَ اَنْ یَّمْرَضَ فَمَنَعَہٗ مِنْہُ الْمَرَضُ۔
(رَوَاہُ رَزِیْنٌ)

حضرت شقیق[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو ہم لوگ ان کی مزاج پرسی کو گئے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رونا شروع کر دیا۔ اس پر ان کی ملامت کی گئی۔ آپ نے فرمایا میں بیماری کی وجہ سے نہیں روتا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ بیماری گناہوں کا کفارہ ہے میں اس لیے روتا ہوں کہ یہ بیماری مجھے بڑھاپے میں لاحق ہوئی ہے۔ قوت و جوانی کی حالت میں عارض نہیں ہوئی۔ کیونکہ بیماری کے دوران اس کے لیے وہی اجر و ثواب لکھا جاتا ہے۔ جو بیماری سے پہلے اس کے لیے لکھا جاتا تھا۔ اور جس سے بیماری آکر اسے روک دیتی ہے[2]۔

(رزین)

لے حضرت شقیق رضی اللہ عنہ ثقہ اور تابعین اور علماء عاملین میں سے ہیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر آپ کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے آپ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص دوستوں میں سے ہیں۔

ٹے اصل حدیث میں لفظ فَتْرَۃٍ آیا ہے۔ فا کی زبر تا ساکن بمعنی سستی اور ناتوانی۔

ــــ۳ھ اور جب کہ جوانی و قوت اور حالت صحت میں عمل زیادہ ہوتا ہے۔ بیماری میں بھی اسی کا عمل زیادہ لکھا جاتا ہے۔ اور ضعف و پیری کی حالت میں انسان سے نیک عمل کم ہوتا ہے۔ تو اس کا عمل بھی کم لکھا جاتا ہے۔ کاش کہ میں جوانی میں بیمار ہوتا تاکہ میرا عمل زیادہ لکھا جاتا۔ یہاں ایک سوال کیا جاتا ہے۔ کہ جب بیماری میں بھی وہی عمل لکھا جاتا ہے جو وہ حالت صحت میں کرتا تھا۔ تو پھر بیماری میں قوت و کثرت عمل کی آرزو کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آرزو کا تعلق بے مشقت و تھکاوٹ کے کتابت عمل اور اس کے اثبات سے ہے۔ پس اگر بیماری کثرت عمل کے زمانہ میں لاحق ہو تو بے مشقت زیادہ عمل لکھا جاتا ہے یا اس وجہ سے کہ جو عمل حالت مرض میں لکھا جاتا ہے۔ اس میں ریا، سمعہ اور عجب کا کوئی دخل و شائبہ نہیں ہوتا۔ اسے خوب سمجھ لو۔

۱۵۰۱/۶۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعُوْدُ مَرِيْضًا اِلَّا بَعْدَ ثَلٰثٍ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مریض کی مزاج پرسی کو تشریف نہ لے جاتے مگر تین رات گزرنے کے بعد[لہ] (ابن ماجہ) اور بیہقی فی شعب الایمان

لہ واضح ہو کہ بعض محدثین نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ان کے نزدیک عیادت میں سنت یہ ہے کہ اول مرض میں ہی کی جائے نہ کہ تین دن گزرنے کے بعد۔ جیسا کہ شرح شیخ میں مذکور ہے۔ جمہور علماء اس پر ہیں کہ عیادت کسی خاص وقت و زمانے سے مقید نہیں ہے۔ کیونکہ عیادت کے بارے میں مطلق بے قید حکم آیا ہے جب چاہے عیادت کر جا سکتا ہے۔ اول وقت ہو یا آخر وقت اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کا راوی مسلمہ بن علی ہے جو متروک ہے۔ ابو حاتم نے کہا یہ حدیث باطل ہے۔ مگر احیاء العلوم میں لکھا کہ مریض کی مزاج پرسی نہ کی جائے مگر تین دن گزرنے کے بعد اس حدیث کی وجہ سے۔ اور شاید کہ بیماری لاحق ہوتے ہی بیمار پرسی شروع کر دینا مناسب نہیں کہ اس میں گویا اس کے بیمار ہونے پر خوشی کا اظہار ہے۔ مگر صاحب احیاء کا بیان کمزور ہے

۱۵۰۲/۶۶ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰى مَرِيْضٍ فَمُرْهُ يَدْعُوْا لَكَ فَاِنَّ دُعَاءَهٗ كَدُعَاءِ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو کسی مریض کے پاس جائے۔ تو اسے حکم دے کہ وہ تیرے لیے دعا کرے کہ اس کی دعا ملائکہ

الْمَلٰئِكَةِ کی دعا کی طرح ہے[1]۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ) (ابن ماجہ)

[1] شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مرض کے باعث بندہ درگاہ الٰہی کے قریب ہو چکا ہوتا ہے اور بشری احکام کھانے پینے وغیرہ سے بیزار ہو چکا ہوتا ہے۔ اور اسے بیماری کی وجہ سے باطن کی طہارت وصفائی اور ریاضت نفس حاصل ہو چکی ہوتی ہے۔ اور اس کی توجہ عالم غیب کی طرف بندول ہو چکی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۰۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ تَخْفِيفُ الْجُلُوسِ وَقِلَّةُ الصَّخَبِ فِي الْعِيَادَةِ عِنْدَ الْمَرِيضِ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا كَثُرَ لَغَطُهُمْ وَاخْتِلَافُهُمْ قُومُوا عَنِّي۔

(رَوَاهُ رَزِينٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ یہ بات سنت میں سے ہے کہ عیادت کے وقت مریض کے پاس کم بیٹھا جائے۔ اور اس کے پاس شور وغل[1] کم کیا جائے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا[2] کہ جب لوگوں کا شور وغل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادہ ہو گیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ[3]۔

(رزین)

[1] حدیث میں لفظ صخب آیا ہے۔ صاد اور خا کی زبر سے۔ بمعنی سخت آواز۔ نسخ حدیث میں دونوں زبروں اور خا ساکن دونوں طرح آیا ہے۔ اور سین وصاد دونوں لغات ہیں۔ معنیٰ فریاد کرنا اور آوازوں کا ایک دوسری سے ٹکرانا۔

[2] یعنی شور وغل کم کرنے پر استدلال کرتے ہوئے۔

[3] اس سے معلوم ہوا کہ بیمار کے پاس آواز بلند کرنا اور شور کرنا مکروہ ہے (اَللَّغَط لام اور غین کی زبر آخر میں طا مہملہ۔ بمعنی آوازیں یا ایسی آوازیں جن کا معنیٰ سمجھ نہ آئے۔ اس حدیث کی تحقیق باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں انشاء اللہ آرہی ہے۔

۱۵۰۴ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيَادَةُ فَوَاقُ نَاقَةٍ وَفِي رِوَايَةِ سَعِيدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ مُرْسَلًا أَفْضَلُ الْعِيَادَةِ سُرْعَةُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیمار پرسی میں اتنا وقت صرف کیا جائے جتنے وقت میں اونٹنی کا دودھ نکالا جاتا ہے[1]۔ اور حضرت سعید بن المسیب[2] کی ایک روایت میں مرسلاً آیا ہے کہ افضل عیادت

الْقِيَامِ۔ جلدی اٹھ جانا ہے۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ) (بیہقی شعب الایمان)

لہ اونٹنی کا دودھ دوہنے سے مراد یہ ہے کہ جب ایک بار دودھ دوہتے ہیں تو ذرا صبر کرتے ہیں۔ اور اس کے تھنوں کو ملتے ہیں۔ یا اس کے بچے کو چھوڑتے ہیں۔ تاکہ وہ دودھ اتارے۔ لفظ فواق فا کی پیش و زبر دو طرح درست ہے۔

لہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔

لہ اس کی وجہ بیمار کی کوفت و تکلیف اور پریشان ہونے کا خوف دور ہے۔ اور اگر کوئی بیمار کا دوست ہو کہ اس کا بیٹھنا اور باتیں کرنا مریض کو اچھا لگے تو یہ دوسری بات ہے۔ یہ عیادت میں داخل نہیں۔ بلکہ یہ اس کے ساتھ صحبت و مجلس ہے۔ عیادت کا حق علی العموم وہی ہے جو بیان ہوا۔ اسے سمجھو۔

۱۵۰۵/۱۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ رَجُلًا فَقَالَ لَهُ مَا تَشْتَهِي قَالَ أَشْتَهِي خُبْزَ بُرٍّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ خُبْزُ بُرٍّ فَلْيَبْعَثْ إِلَى أَخِيهِ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَهَى مَرِيضُ أَحَدِكُمْ شَيْئًا فَلْيُطْعِمْهُ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کی بیمار پرسی کو گئے اور اس سے فرمایا تیرا دل کیا چاہتا ہے اس نے عرض کیا گندم کی روٹی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس گندم کی روٹی ہو اپنے بھائی کے پاس بھیج دے پھر آپ نے فرمایا جب تمہارا کوئی مریض کسی چیز کی چاہت کرے تو چاہیئے کہ اسے کھلائے [illegible] (ابن ماجہ)

لہ اس سے مراد سچی چاہت ہے۔ اور وہ صحت کی نشانی ہے۔ یہ بات بھی ہے کہ کسی وقت بعض بیماروں کا جسے ان کی طبیعت چاہتی ہو کھا لینا نقصان نہیں دیتا۔ بشرطیکہ تھوڑی مقدار میں ہو کہ وہ طبیعت کو تقویت دیتا اور صحت کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ اس کا ضرر و نقصان غالب نہ ہو۔ مختصر یہ کہ یہ حکم جو آپ نے دیا کلی حکم نہیں بلکہ جزئی حکم ہے۔ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا یہ توکل علی اللہ زندگی سے ناامیدی پر مبنی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ بیمار کو زبردستی کھانا پینا نہ دو۔ کہ انہیں اللہ تعالےٰ کھلاتا پلاتا ہے۔

۱۵۱۰ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ تُوُفِّيَ رَجُلٌ بِالْمَدِيْنَةِ مِمَّنْ وُلِدَ بِهَا فَصَلّٰى عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَالَيْتَهٗ بِغَيْرِ مَوْلِدِهٖ قَالُوْا وَلِمَ ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا مَاتَ بِغَيْرِ مَوْلِدِهٖ قِيْسَ لَهٗ مِنْ مَوْلِدِهٖ اِلٰى مُنْقَطَعِ اَثَرِهٖ فِي الْجَنَّةِ. (رَوَاهُ النِّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ مدینہ میں ہی پیدا ہونے والا ایک شخص مدینہ طیبہ میں فوت ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور فرمایا کاش یہ اپنی جائے پیدائش میں نہ مرتا[1]۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسا کیوں۔ آپ نے فرمایا آدمی جب اپنی غیر جائے پیدائش میں مرتا ہے تو اس کی جائے پیدائش سے اس کے انتہائے سفر تک[2] جنت میں اس کے لیے پیمائش کی جاتی ہے[3]۔ (نسائی۔ ابن ماجہ)

[1] بلکہ غربت و مسافری میں مرتا۔

[2] طیبی رحمہ اللہ نے کہا حدیث میں لفظ اثر سے مراد اس کی مدت حیات ہے۔ یعنی اس جگہ تک جہاں اس کی زندگی ختم ہوئی۔ پہلا معنی جو ہم نے بیان کیا زیادہ ظاہر و نمایاں ہے۔ یہ دوسرا معنی بھی مآل کار اسی کے مطابق بن جاتا ہے۔

[3] یعنی اتنی مسافت کی مقدار سے جنت میں جگہ دی جاتی ہے۔ ظاہری طور پر سمجھ میں یہی بات آتی ہے کہ اسے بہشت میں اتنی جگہ ملتی ہے۔ مگر یہ مراد نہیں ہے۔ کیونکہ مسافت کی اتنی مقدار جنت کی وسعت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگرچہ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جنت میں ایک چابک جتنی جگہ ساری دنیا سے بہتر ہے۔ لہذا یہاں ثواب میں مبالغہ اور کثرت مراد ہے۔ مگر جب کہ یہ مراد لیا جائے کہ وہ مسافر اتنی مقدار مسافت میں اللہ تعالےٰ کی عبادت میں مصروف رہا۔ اور اس کل سے مخصوص نہیں جو اس نے اپنی جائے پیدائش میں کیا تھا۔ طیبی نے کہا مراد یہ ہے کہ قبر سے لے کر اس کی جائے پیدائش تک ایک کھلا دروازہ اس کے لیے بہشت کی طرف کھول دیا جاتا ہے۔ اسے سمجھو۔

۱۵۱۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْتُ غُرْبَةٍ شَهَادَةٌ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفری کی موت، موت شہادت ہے۔ (ابن ماجہ)

۵ یعنی مسافری میں مرنا شہادت کی موت کی طرح ہے۔ مراج میں کہا غربت کا معنی ہے اپنی جگہ سے دور ہونا اہل تحقیق نے فرمایا ہے غربت و مسافری دو قسم ہے ایک دل کی غربت و مسافری جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک میں اشارہ ہے۔ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ وَعُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ۔ دنیا میں مسافر یا راہ گزر آدمی کی طرح ہے۔ اور اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کر۔ یہ غربت و مسافری کا موت ارادی اور ماسوا اللہ سے ترک تعلق سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل اس رسالہ میں موجود ہے۔ جو حضرت شیخ عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ نے غربت و عزلت کی فضیلت میں تحریر فرمایا ہے۔

۱۵۰۸/۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ مَرِیْضًا مَاتَ شَهِیْدًا وَّوُقِیَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَغُدِیَ وَرِیْحَ عَلَیْهِ بِرِزْقِهٖ مِنَ الْجَنَّةِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بیماری کی حالت میں مرتا ہے وہ شہادت کی موت مرتا ہے۔ اور اسے فتنہ قبر سے بچایا جاتا ہے اور اسے صبح و شام جنت سے رزق دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ و بیہقی شعب الایمان میں)

۱ مشکوٰۃ کے نسخوں میں ایسا ہی آیا ہے۔ بعض نے اسے شب و روز غربت سے تبدیل کیا ہے بعض نے کہا مریضاً کے بجائے صحیح مرابطاً کا لفظ ہے۔ اور لکھا ہے کہ سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث باب ما جاء فیمن مات مرابطاً میں مذکور ہے۔ مرابط وہ شخص ہوتا ہے جو سرحد اسلام پر کفار سے جنگ و جہاد کے لیے بیٹھا ہو۔ اس لفظ کا اصل رباط الخیل سے ہے۔ یعنی گھوڑوں کو باندھنا اور کفار سے جنگ کے لیے تیار بیٹھنا۔

۲ یعنی فتنہ قبر اور اس کے عذاب سے بچایا جاتا ہے۔ بعض نسخوں میں او وقی ہے۔ اور کلمہ او یا تو واو کے معنی میں ہے۔ یا راوی کے شک کی بنا پر ہے۔ یا بیان نوع کے لیے ہے۔ یعنی یا تو وہ شہادت کی موت مرتا ہے یا اسے عذاب اور فتنہ قبر سے بچایا جاتا ہے۔

۳ مراد دوام ہے۔ یا نعمتوں سے کنایہ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اہل جنت کی شان میں آیا ہے۔ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا۔ یعنی انہیں جنت میں صبح و شام رزق ملے گا۔

۱۵۰۹/۷ وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَخْتَصِمُ الشُّهَدَآءُ وَالْمُتَوَفَّوْنَ عَلٰی فُرُشِهِمْ اِلٰی رَبِّنَا عَزَّوَجَلَّ فِی الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنَ الطَّاعُوْنِ فَیَقُوْلُ الشُّهَدَآءُ اِخْوَانُنَا قُتِلُوْا کَمَا قُتِلْنَا وَیَقُوْلُ الْمُتَوَفَّوْنَ اِخْوَانُنَا مَاتُوْا عَلٰی فُرُشِهِمْ کَمَا مُتْنَا فَیَقُوْلُ رَبُّنَا اُنْظُرُوْا اِلٰی جِرَاحِهِمْ فَاِنْ اَشْبَهَتْ جِرَاحُهُمْ جِرَاحَ الْمَقْتُوْلِیْنَ فَاِنَّهُمْ مِنْهُمْ وَمَعَهُمْ فَاِذَا جِرَاحُهُمْ قَدْ اَشْبَهَتْ جِرَاحَهُمْ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ)

کہ شہید اور بستروں پر مرنے والے ہمارے رب تعالےٰ کی طرف جھگڑا لے کر آئیں گے۔ طاعون سے مرنے والوں کے بارے میں (جھگڑا لے کر آئیں گے) شہید کہیں گے یہ ہمارے بھائی ہیں کہ یہ اسی طرح قتل ہوئے جس طرح ہم قتل ہوئے اور بستروں پر مرنے والے کہیں گے یہ ہمارے ساتھی اور بھائی ہیں۔ کیونکہ یہ بستروں پر مرے جس طرح ہم بستروں پر مرے۔ ہمارا پروردگار تعالیٰ (ان کا جھگڑا سن کر فرمائے گا۔ ان کے زخموں کو دیکھو۔ اگر ان کے زخم شہیدوں کے زخموں کی طرح ہیں تو پھر یہ ان میں سے ہیں اور ان کے ساتھ رہیں گے تو اچانک طاعون والوں کے زخم شہیدوں کے زخموں کی طرح ہوں گے۔

(احمد۔ نسائی)

لہ عرباض عین کی زیر اور باء آخر میں ضاد معجمہ، ساریہ سین مہملہ۔ اور راء یاء۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ اِذَا مَآ اَتَوْکَ لِتَحْمِلَهُمْ۔ اور نہ وہ لوگ کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ ان کے لیے سواری کا بندوبست کریں۔

۲ہ یعنی جو اپنے گھروں میں فوت ہوئے شہادت کی موت نہ مرے۔

۳ہ کہ طاعون والوں کو یہ زخم جن کے ہاتھ سے پہنچے لکھتے ہیں کہ طاعون والے بعض اوقات یوں محسوس کرتے ہیں کہ کسی نے ان کو نیزہ سے مارا ہے۔ یا کہتے ہیں اس کا نام طاعون رکھا گیا۔ کہ طاعون طعن سے بنا ہے۔ یعنی نیزہ مارنا۔ یہاں سے ظاہر ہوتا ہے کہ البیاسکے ہاں طاعون بمعنی شہادت پر حمل کرنا زیادہ مناسب دکھائی دیتا ہے۔ سمجھ لیجئے۔

۴ہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ جو مرض طاعون سے مرا وہ شہید ہے اور شہیدوں کے ساتھ رہے گا۔

۱۵۱۰/۲۰ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْفَارُّ مِنَ الطَّاعُوْنِ کَالْفَارِّ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون سے بھاگنے والا۔ کفار کے ساتھ جنگ لہ سے

مِنَ الزَّحْفِ وَالصَّابِرُ فِيْهِ لَهٗ اَجْرُ شَهِيْدٍ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

بھاگنے والے کی طرح ہے۔ اور اس میں صبر کرنے والے کو شہید کا ثواب ملے گا۔ (احمد)

لہ حدیث میں لفظ زحف آیا ہے۔ اس کا اصل معنی ہے تشکر کا کسی چیز سے ٹکرانا۔ اور دشمن کی جانب جنگ کے لیے جانے والے لشکر کو اس لیے زحف کہتے ہیں کہ وہ بھی ہجوم اور کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے سے ٹکراتا ہوا جاتا ہے۔

ے۲ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ جس طرح میدان جنگ سے بھاگنا کبیرہ ہے اور اگر یہ عقیدہ رکھ کر بھاگے کہ بھاگ نے سے یقیناً موت سے بچ جائے گا۔ اور نہ بھاگنے سے ضرور مر جائے گا تو یہ کفر ہے۔ حدیث کا ظاہر مفہوم اس امر کو واضح کرتا ہے کہ طاعون میں صبر کرنے والے کو اگرچہ وہ اس مرض میں نہ بھی مرے شہید کا اجر و ثواب ملتا ہے۔

بَابُ تَمَنِّی الْمَوْتِ وَذِكْرِهٖ

موت کی آرزو کرنا اور اس کی یاد کا بیان

یعنی موت کی آرزو اور اس کی یاد کا باب۔ واضح ہو کہ دنیوی تکلیف مثلاً بیماری و ناداری وغیرہ کی وجہ سے موت کی آرزو کرنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے کیونکہ یہ بے صبری، تقدیر الٰہی سے نفرت اور ناراض ہونے کی علامت ہے۔ لیکن لقائے الٰہی کے شوق و محبت اور اس تنگ دنیا سے فراخی پانے اور مکان انس و راحت کی نعمتوں تک پہنچنے کے لیے موت کی آرزو کرنا ایمان اور اس کے کمال کی نشانی ہے۔ اسی طرح دینی فتنہ و نقصان پہنچنے کے خوف سے یہ آرزو کرنا بھی مکروہ نہیں۔ اور موت کی یاد و خدا تعالیٰ کے خوف و خشیت اور اس کے احکام کے مطابق عمل کرنے اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے اور آخرت کو اولیت اور ترجیح دینے سے کنایہ ہے۔ ورنہ عمل کے بغیر صرف زبانی یاد کرنا کوئی چیز نہیں۔ بلکہ ممکن ہے کہ یہ زبانی یاد قساوت قلب کا باعث بن جائے۔ جیسے خدا تعالیٰ کی یاد دل غافل سے۔ ہم اللہ سے عافیت و سلامتی مانگتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — فصل اول

۱۵۲۱ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنَّى أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَزْدَادَ خَيْرًا وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعْتِبَ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی موت کی آرزو نہ کرے کہ یا تو وہ نیکوکار ہوگا۔ تو امید ہے کہ نیکی اور خیر میں اور ترقی کرے گا اور اگر بدعمل ہے تو امید ہے کہ توبہ کر کے اس کی رضا کا طلبگار بن جائے[1]

(بخاری)

[1] یہ اس عبارت کا حاصل معنیٰ ہے۔ ان الفاظ کی تحقیق شرح (عربی) میں ذکر کردی گئی ہے۔

۱۵۱۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنَّى أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ وَلَا يَدْعُ بِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُ إِنَّهُ إِذَا مَاتَ انْقَطَعَ أَمَلُهُ وَإِنَّهُ لَا يَزِيدُ الْمُؤْمِنَ عُمْرُهُ إِلَّا خَيْرًا.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے اور نہ اس کے آنے سے پہلے اس کے لیے دعا کرے کیونکہ جب وہ مرجائے گا تو اس کا ثواب کا طمع منقطع ہو جائے گا[1] اور بے شک واقعہ یہ ہے کہ مومن کی عمر اس کی خیر و نیکی میں اضافہ کرتی ہے۔

(مسلم)

[1] بعض روایات میں یہاں لفظ امل کے بجائے عمل آیا ہے اور یہ زیادہ ظاہر ہے۔ مآل دونوں کا ایک ہے۔ کیونکہ یہاں امل سے طمع ثواب عمل مراد ہے۔ امل مذموم وہ ہے جو عمل صالح میں سستی اور کوتاہی کا باعث بنتا ہے۔

۱۵۱۳ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَهُ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی آدمی دنیوی تکلیف و ضرر پہنچنے کی بنا پر موت کی آرزو نہ کرے۔ اگر وہ موت کی آرزو کرنا ہی چاہتا ہے تو پھر یوں کہے۔ اے اللہ مجھے زندہ رکھ جب تک میرے لیے زندہ رہنا بہتر ہے اور مجھے موت دے جب کہ وفات

إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

میرے لیے بہتر ہو۔

(بخاری ومسلم)

۱۵۱۲ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِقَآءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَآءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَآءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَآئَهٗ فَقَالَتْ عَائِشَةُ اَوْ بَعْضُ اَزْوَاجِهٖ اِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهٖ فَلَيْسَ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا اَمَامَهٗ فَاَحَبَّ لِقَآءَ اللّٰهِ وَاَحَبَّ اللّٰهُ لِقَآءَهٗ وَاِنَّ الْكَافِرَ اِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰهِ وَعُقُوْبَتِهٖ فَلَيْسَ شَيْءٌ اَكْرَهَ اِلَيْهِ اَمَامَهٗ فَكَرِهَ لِقَآءَ اللّٰهِ وَكَرِهَ اللّٰهُ لِقَآءَهٗ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وَفِيْ رِوَايَةِ عَائِشَةَ وَالْمَوْتُ قَبْلَ لِقَآءِ اللّٰهِ۔

حضرت عبادہؓ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ سے ملاقات کی چاہت رکھتا ہے اللہ اس سے ملاقات کی چاہت رکھتا ہے۔ اور جو اللہ سے ملنا ناپسند رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملنا ناپسند رکھتا ہے۔ اس پر حضرت عائشہ یا آپ کی بعض ازواج مطہرات نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ موت کو ناپسند رکھتے ہیں۔ فرمایا اس سے وہ مراد نہیں جو تو سمجھی ہے۔ لیکن مسلمان کو جب موت حاضر ہو جاتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی طرف سے عزت کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ محبوب و پیاری نہیں ہوتی جو اسے سامنے دکھائی دے رہی ہوتی ہے۔ تو وہ اللہ کی ملاقات چاہتا ہے اور اللہ اس کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور بیشک کافر کے سامنے جب موت حاضر کی جاتی ہے۔ تو اسے اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے پس کوئی چیز اس کے نزدیک اس سے زیادہ ناپسند و بری نہیں ہوتی جو اسے سامنے نظر آ رہی ہوتی ہے تو وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند جانتا ہے اور اللہ اس کی ملاقات کو۔ (بخاری ومسلم) اور حضرت عائشہ کی روایت میں ہے کہ موت اللہ کی ملاقات سے پہلے ہے۔

لہ عبادہ ابن کی پیش بعد ہیں یا آپ انصاری ہیں مشہور صحابی ہیں۔ان کے حالات کئی جگہ لکھے جا چکے ہیں۔

سلہ مشہور یہ ہے کہ لقائے الٰہی سے موت مراد ہے۔مگر تحقیق یہ ہے کہ لقائے الٰہی سے دار آخرت میں پہنچنا نہاں اللہ تعالٰی کی عنایات کا طلبگار ہونا۔اس دنیا کی جانب نہ جھکنا اور اس پر نہ مطمئن ہونا مراد ہے۔اس سے موت مراد نہیں۔اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول انا لنکرہ الموت کہ ہم لوگ موت سے گھبراتے ہیں۔موت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس کا وہم ڈالتا ہے۔پس لقائے الٰہی کی محبت موت کو مستلزم ہے جو لقائے الٰہی کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔

سلہ یہ راوی کا شک ہے۔

سلہ یعنی بتقاضائے طبیعت بشری۔

ھہ کہ لقائے الٰہی سے موت مراد ہے اور وہ بشری طبیعت کے لحاظ سے انسان کو پیاری محسوس ہو۔اور بالفعل انسان کو اس کی آرزو کرنی چاہیے بلکہ مطلب و مراد یہ ہے کہ جو شخص رضائے حق کا طالب اور حق تعالٰے کی ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے وہ ہمیشہ موت کو اپنے پیش نظر رکھتا ہے۔اور اسے اس مقصد کا وسیلہ اور رابطہ جانتے ہوئے ارادے اور اختیار سے اس سے محبت و پیار رکھتا ہے۔پھر آخر وقت میں طبعی لحاظ سے بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکن المؤمن اذا حضرہ الموت الخ۔

لہ جیسا کہ آیت کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ۔ بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے۔پھر اس پر استقامت اختیار کی تو ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔اس جانب اشارہ کر رہی ہے۔

کہ یعنی موت اور دار آخرت میں پہنچنا۔

ھہ یہ بندہ مومن محبوب اور راضی و پسندیدہ جو کہ اس جہان کی طرف جاتا ہے۔

لہ یہاں حدیث میں صیغہ مجہول ہے یعنی اس پر موت حاضر کی جاتی ہے۔

سلہ تو دونوں جہان سے اس حالت میں جاتا ہے کہ موت اسے سخت ناپسند ہوتی ہے۔اللہ اس سے بہت ناراض ہوتا ہے۔اور خدا کا غضب و غصہ اس پر نازل ہو رہا ہوتا ہے۔

للہ اور خدا تعالٰے کی ملاقات کا وسیلہ اور مقدمہ ہے۔اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی ملاقات الگ چیز ہے اور موت الگ چیز۔جیسا کہ ہم نے کہا۔

۱۵۱۵ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّهٗ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک

كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرَّ عَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ فَقَالَ مُسْتَرِيْحٌ أَوْ مُسْتَرَاحٌ مِنْهُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا الْمُسْتَرِيْحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ فَقَالَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيْحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَ أَذَاهَا إِلٰى رَحْمَةِ اللهِ وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيْحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَ الشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث پاک بیان کیا کرتے تھے کہ آپ کے پاس سے ایک جنازہ گزارا گیا[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میت یا تو راحت پانے والا ہے یا اس سے لوگوں کو راحت مل گئی ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ "وہ راحت پانے والا ہے یا لوگ اس سے راحت یافتہ ہو گئے ہیں" کا کیا معنی و مطلب ہے۔ فرمایا موت کے ساتھ بندہ مومن دنیا کی مشقتوں اور اس کے رنج و آزار سے راحت پا کر اللہ کی رحمت میں پہنچ جاتا ہے[۳]۔ اور فاجر و فاسق انسان جب مرتا ہے تو بندے اور شہر و درخت اور چوپائے اس سے راحت حاصل کر لیتے ہیں[۴] (بخاری و مسلم)

[۱] حضرت ابو قتادہ انصاری ہیں، فضلائے صحابہ میں سے ہیں، اہل بدر سے تھے، منقول ہے کہ آپ کی آنکھ مبارک بدر یا احد کے دن زخم آنے کی وجہ سے جسم سے الگ ہو گئی اور ان کے ہاتھ پر آ گری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑ کر پھر اسے اپنی جگہ رکھ دیا۔ اور وہ پہلی حالت سے بہتر ہو گئی۔

[۲] حدیث میں لفظ مُرَّ میم کی پیش سے آیا ہے۔

[۳] یعنی موت کے ذریعے بندہ مومن و صالح دنیا اور اہل دنیا کی اذیتوں اور رنج و آزار سے چھوٹ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت میں پہنچ جاتا ہے۔

[۴] یعنی اس کے شر سے نجات پا جاتے ہیں۔ آدمیوں کا اس کے اذیت سے نجات پانا تو ظاہر ہے لیکن شہروں درختوں اور چارپائیوں کا اس کے شر سے نجات پانا یہ معنی ہے کہ فسق و فجور اور ظلم و تعدی سے ملک کا نظام فاسد ہو جاتا ہے ارکان و نظام اور اجزاء میں خلل واقع ہوتا ہے اور فاجر انسان سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے اس کی وجہ سے تمام زمین والے اور جو کچھ زمین میں ہے سب تکلیف و اذیت میں ہوتے ہیں پھر اس فاجر انسان کے گناہوں کی نحوست کے باعث بارش بند ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ مر جاتا ہے تو زمین اور زمین والوں اور جو کچھ اس میں ہے سب کو از سر نو زندگی ملتی ہے۔

[۱۵۱۶/۶] وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِيْ فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْعَابِرُ سَبِيْلٍ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)	فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا[1] پکڑ کر فرمایا دنیا میں بے وطن مسافر کی طرح رہ۔ بلکہ راستہ پر سے گزرنے والے کی طرح[2] اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جب تو شام کے وقت ہو تو صبح کی انتظار نہ کر[3] اور جب صبح کے وقت میں ہو تو شام کا انتظار نہ کر[4] اور اپنی صحت سے اپنی بیماری کے لیے کچھ لے لے[5] اور اپنی زندگی سے اپنی موت کے لیے کچھ بنا لے[6] (بخاری)

[1] بعض نسخوں میں بِمَنْكِبَيَّ شد سے بلفظ تثنیہ آیا ہے یعنی آپ نے میرے دونوں کندھے پکڑے۔

[2] یعنی تو دنیا میں ایک مسافر اور اپنے وطن سے دور افتادہ انسان کی طرح رہ۔

[3] اس فقرے میں زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ مسافر کبھی کبھی دوسرے شہروں میں سکونت اور رہائش پذیر بھی ہو جاتا ہے۔

[4] اور میرا انتظار نہ کر کہ تو صبح تک زندہ رہے گا۔

[5] اور شام کے وقت تک زندہ رہوں گا۔ بیت

غنیمتے شمر اے شمع وصل پروانہ کہ ایں معاملہ تا صبحدم نخواہد ماند

اے شمع پروانے کا وصل غنیمت جان کہ یہ معاملہ صبح ہونے تک باقی نہ رہے گا۔

[6] یعنی تندرستی کے وقت میں اپنی بیماری کے وقت کے لیے توشہ تیار کرلے۔ مطلب یہ ہے کہ تندرستی کے دن غنیمت جان اور اعمال نیک جو ہو سکے اس میں نیک عمل کرلو۔ بیت

غنیمت داں جوانا دولت حسن و جوانی را نہ پنداری کہ ایام جوانی جاودان باشد

اے نوجوان اپنے حسن و جوانی کو غنیمت جان اور یہ گمان نہ کر کہ جوانی کے دن ہمیشہ رہیں گے۔

[7] یعنی اپنی زندگی میں اپنی موت کے لیے توشہ تیار کرلے

۱۵۱۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے

وَسَلَّمَ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِثَلَاثَةِ اَيَّامٍ يَقُوْلُ لَا يَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تین دن پہلے فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حال میں کہ اس کا گمان اللہ تعالیٰ کے متعلق اچھا ہونا چاہیے[1] (مسلم)

[1] اور اس کے کرم و مغفرت کا امیدوار اور اس کے وعدہ کرم پر پورا پورا اعتماد ہونا چاہیے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ سعادت کی علامت یہ ہے کہ زندگی میں خدا تعالیٰ کا خوف و ڈر غالب رہے اور جب موت کا وقت آئے تو اس وقت امید کا نشان ظاہر ہو جائے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ سے نیک گمان رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ نیک عمل کرے۔ یعنی اپنی زندگی میں نیک عمل ہی کرتے رہو تاکہ خدا کے متعلق موت کے وقت تمہارا گمان نیک ہو کیونکہ موت سے پہلے زندگی میں جو بدعمل ہوتا ہے موت کے وقت اللہ تعالیٰ کے متعلق اس کا گمان نیک نہیں رہتا۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ رجا کی حقیقت یہ ہے کہ عمل کرے اور امید خدا سے رکھے۔ مولیٰ تعالیٰ کی خدمت کرے اور اس کی عطا پر نظر رکھے۔ مگر جھوٹی امید پر جو انسان کو عمل سے روک رکھتی اور اسے گناہوں پر آمادہ کرتی ہے امید نہیں بلکہ وہ آرزوئے باطل اور غرور و فریب نفس ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا تم میں سے ایک آدمی کہتا ہے کہ اپنے پروردگار کے متعلق میں نیک گمان رکھتا ہوں۔ مگر وہ جھوٹ کہتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ خدا سے نیک گمان رکھتا تو عمل بھی نیک کرتا۔ عمر بن منصور نے اپنے ایک بھائی کو لکھا تو اپنی عمر کی درازی کے ساتھ اپنی امیدیں بھی دراز کیے ہوئے ہے۔ اور اپنے اعمال بد کے ساتھ آرزو میں لگائے بیٹھا ہے۔ در حقیقت تو ٹھنڈے لوہے کو کوٹ رہا ہے نیک عمل کر اور پھر امید وابستہ کر۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

تیسری فصل

۱۵۱۸ — عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ شِئْتُمْ اَنْبَأْتُكُمْ مَا اَوَّلُ مَا يَقُوْلُ اللّٰهُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَا اَوَّلُ مَا يَقُوْلُوْنَ لَهٗ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مومنوں سے کیا بات کرے گا۔ اور مومن سب سے پہلے خدا تعالیٰ سے کون سی بات کریں گے ہم نے کہا یا رسول اللہ ہاں فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں سے فرمائے گا کیا تم لوگ مجھ سے ملنا پسند

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ هَلْ اَحْبَبْتُمْ لِقَائِيْ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ يَا رَبَّنَا فَيَقُوْلُ لِمَ فَيَقُوْلُوْنَ رَجَوْنَا عَفْوَكَ وَ مَغْفِرَتَكَ فَيَقُوْلُ قَدْ وَجَبَتْ لَكُمْ مَغْفِرَتِيْ۔

کرتے تھے[1] وہ کہیں گے ہاں ہمارے رب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیوں[2]؟ ایمان والے کہیں گے ہم تیری عفو و مغفرت کی امید رکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے اپنی مغفرت و بخشش تمہارے لیے واجب و ثابت کر دی[3]۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ)

اسے "شرح سنۃ" میں روایت کیا اور ابونعیم نے حلیہ میں اسے روایت کیا۔

[1] یعنی ہمارے سامنے پیش ہونے سے پہلے۔

[2] مصابیح کے بعض نسخوں میں لِمَ اَحْبَبْتُمْ آیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرمائے گا جب تم مجھ سے ملنا پسند کرتے تھے تو پھر تم نے گناہ کیوں کیے۔

[3] جب کہ عفو و مغفرت کا حاصل معنیٰ ایک ہی ہے۔ تو ایک ہی کے بیان پر اکتفا کر دیا۔ فافہم۔

۱۵۱۹ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَادِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لذتوں کو پھیکا اور ختم کرنے والی (موت) کی کثرت سے یاد کیا کرو[1]۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

(ترمذی۔ نسائی) (ابن ماجہ)

[1] طیبی کے کلام سے سمجھ آتا ہے کہ حدیث میں واقع لفظ ہادم ہدم سے ہے (دال مہملہ سے) بمعنیٰ ویران کرنا گرانا اور عمارت کی بنیاد اکھیڑنا۔ جیسا کہ لوگوں کی زبانوں پر یہ لفظ چڑھا ہوا ہے۔ لیکن علامہ سنوسی نے "نعمات" میں کہا کہ یہ لفظ ہاذم ہے (ذال معجمہ سے) بمعنیٰ کاٹنے والا۔ جیسا کہ جوہری نے کہا اور سہیلی نے ذال کی روایت کی تصریح کی ہے۔ اور طرانی نے کہا کہ ذال معجمہ سے بھی جائز ہے۔ جیسا کہ حاشیہ کتاب میں مذکور ہے۔

۱۵۲۰ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاتَ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ کرام سے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے اس طرح

يَوْمٍ لِأَصْحَابِهِ اسْتَحْيُوْا مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالُوْا إِنَّا نَسْتَحْيِيْ مِنَ اللهِ يَا نَبِيَّ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ مَنِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَاءِ فَلْيَحْفَظِ الرَّأْسَ وَمَا وَعٰى وَلْيَحْفَظِ الْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَلْيَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ أَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَاءِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حیا کرو جس طرح اس سے حیا کرنے کا حق ہے صحابہ نے عرض کیا یا نبی اللہ ہم تو اللہ سے حیا کرتے ہیں[1]۔ اور اللہ کی حمد بجا لاتے ہیں۔ فرمایا یہ حق حیا نہیں جو تم گمان کرتے ہو[2] بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ایسا حیا کرتا ہے جیسا کہ اس کا حق ہے تو اسے چاہیے کہ سر اور اس میں موجود حواس کی[3] حفاظت کرے اور پیٹ اور جو کچھ اس میں ہے[4] اس کی حفاظت کرے اور موت اور اپنے بوسیدہ و خاک ہو جانے کو یاد کرے[5]۔ اور جو بندہ آخرت چاہتا ہے[6] وہ دنیا کی زینت و آرائش ترک کر دیتا ہے۔ پس جو شخص ایسا کرتا ہے وہ درحقیقت خدا تعالیٰ سے ایسا شرم و حیا کرتا ہے جیسا کہ اس کا حق ہے[7] اسے احمد ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] کہ جہاں تک ہو سکتا ہے۔ اس کے اوامر و نواہی بجا لاتے ہیں اور اس کی توفیق عطا کرنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ آپ فرمائیں وہ حق حیا کیا ہے جو آپ ہم سے چاہتے اور ہمیں حکم دیتے ہیں۔

[2] بلکہ اس کا مقام بڑا اعلیٰ و ارفع ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اپنے تمام اعضا اور ظاہری و باطنی حواس کی پوری پوری حفاظت کرو۔ پھر آپ نے اسے مختصر اور جامع کلام سے بیان کرتے ہوئے فرمایا [illegible]۔

[3] یعنی سر کو غیر حق کے آگے خشوع اور تواضع اور خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوق پر تکبر و سرکشی کرنے سے بچائے۔ اور ان چیزوں کی بھی حفاظت و نگہداشت کرے جو سر میں محفوظ ہیں۔ اور جن کا سر جامع ہے [illegible] کے آلات کان، آنکھ اور زبان اور فکر و سماع وغیرہ۔

[4] کہ اسے حرام و شبہ کے لقمہ سے بچائے۔ اور اس کی بھی حفاظت کرے جو اس میں ہے۔ یعنی دل کہ اسے ان چیزوں سے بے خبر و جاہل رہنے سے بچائے جن سے جاہل و بے خبر رہنے کی گنجائش نہیں یعنی معرفت حق تعالیٰ اور احکام دین۔ اور ما سوا اللہ کی یاد و محبت سے بھی اسے محفوظ رکھے۔ بعض نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ شکم جن چیزوں کو اپنے اندر اور اپنے متصل رکھتا ہے۔ جیسے شرمگاہ، ہاتھ پاؤں سب کو گناہ سے بچائے۔

۵؎ یعنی جسم کی ہڈیوں کے بوسیدہ اور خاک ہو جانے کو یاد کرے۔ بِلی (با کی زیر) بوسیدہ ہونا۔ اور جو شخص یہ جانتا ہے کہ دنیا فانی ہے۔ وہ اس میں زہد کا راستہ اختیار کرتا اور دنیوی لذت و شہوات کو ترک کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا۔ ومن اراد الآخرۃ الی آخرہٖ۔

۶؎ یعنی اس کا ثواب اور اس کی نعمتیں پاتا ہے۔ وہ دنیا کی زیب و زینت سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

۷؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کا حاصل و خلاصہ حق سبحانہ کے قول کا یہ مضمون ہے۔ اِتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ۔ اللہ سے اس طرح ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

شیخ امام عالم ربانی حضرت علی المتقی رحمۃ اللہ علیہ رسالہ تبیین الطرق میں فرماتے ہیں۔ سالک کا حق تعالےٰ سے قرب اس کے غیر سے دور ہونا ہے۔ اور اس کا وصل غیر حق سبحانہ سے قطع تعلق ہے اور غیر حق ممنوع و مباح چیزوں میں ہے۔ یہاں ممنوعات سے ہر قسم کے منہیات حرام کردہ و مشتبہ امور مراد ہیں۔ اور مباح سے مخلوقات آسمان، زمین پہاڑ، درخت اور اسباب معشیت وغیرہ مراد ہیں۔ پس ممنوعات سے سالک کا دور ہونا مباحات سے بے تعلق ہونے کے بغیر ناقص ہے۔ اور جب مباحات سے بھی بے تعلق ہو گیا تو اسے قرب تمام حاصل ہو گیا۔ اور سالک جس قدر غیر سے دور ہوتا جاتا ہے خدا کے قریب ہو جاتا ہے۔ اور جس قدر غیر حق سے تعلق کٹتا چلا جاتا ہے۔ خدا کا وصل مزید در مزید حاصل ہوتا جاتا ہے۔ اسے سمجھو و باللہ التوفیق۔

۱۵۲۱/۱۲ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا تحفہ موت ہے۱؎۔

اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۱؎ صراح میں کہا تحفہ تھیں مرسب ہے۔ قاموس میں کہا تحفہ حا ساکن اور اس کی زبر سے بمعنیٰ نیکی، مہربانی اور طرفہ قاموس میں ہی کہا طرفہ را کی پیش سے بمعنیٰ نیا اور عمدہ مال یعنی پھل وغیرہ۔ صراح میں کہا طرفہ بمعنیٰ پھول۔ مراد یہ ہے کہ موت مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی مہربانی اس کی طرف سے نیکی ، اس کی طرف سے نئی نعمت اور کھلا ہوا عمدہ پھول ہے کہ اس کے ذریعہ بندہ مومن جنت اور اس کے قرب میں پہنچ جاتا ہے اور ما سے دنیا کی مشقت اور اس کی شدت و محنت سے نجات مل جاتی ہے۔

۱۵۲۲/۱۳ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ يَمُوْتُ بِعَرَقِ الْجَبِيْنِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مومن پیشانی پر پسینہ آنے سے مرتا ہے[1]۔ (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

[1] بعض نے کہا یہ شدت وسکرات موت سے کنایہ ہے۔ بعض نے کہا پیشانی کا پسینہ وہ علامت ہے جو مومن پر بوقت موت ظاہر ہوتی ہے۔ اس بات کو حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ سے نقل کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا مومن کو موت سے شدت ومشقت لاحق نہیں ہوتی۔ سوائے اس کے کہ اس کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۲۳/۱۴ وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْتُ الْفُجَاءَةِ اَخْذَةُ الْاَسَفِ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَزَادَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ) وَرَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ اَخْذَةُ اَسَفٍ لِلْكَافِرِ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ.

حضرت عبید اللہ بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچانک موت[1] خدا تعالیٰ کی گرفت اور اس کا غضب ہے۔ "ابوداؤد" اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور رزین نے اپنی کتاب میں زیادہ کیا کہ اچانک موت کافر کے لیے غضب وگرفت اور مومن کے لیے رحمت ہے[2]۔

[1] حدیث میں لفظ فُجَاءَۃ ہے۔ فا کی پیش۔ اور مد وقصر اور فا پر زبر کی صورت میں تعبیر ہے یعنی اچانک و ناگہانی اَخْذَۃ ہمزہ کی زبر خا ساکن یعنی یک لخت دبوچنا اسف ہمزہ اور سین کی زبر یعنی غضب وغصہ اور سین کی زیر سے بمعنی غضب ناک ذات مراد ہے کہ ناگہانی موت بندہ پر غضب الٰہی تعالیٰ شانہ کے آثار وعلامات میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے موقعہ نہ دیا کہ وہ توبہ اور عمل صالح سے آخرت کی تیاری کرتا۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ کافر کے لیے اور اس کے لیے ہے جس کا طریقہ محمود اور سیرت صالح نہ ہو۔ جیسا کہ دوسری روایت میں آیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اچانک اور یکایک مرجانا نیکوں کے لیے نیک اور بدوں کے لیے بد ہے۔

[2] یہاں فاسق کا ذکر نہ کیا۔ ظاہر یہ ہے کہ فاسق مومن میں داخل ہے مگر عدم عمل زیادتی کی گئی ہے اس کا حکم اس کے خلاف جانب میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۵۲۴/۱۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَابٍّ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان پر داخل ہوئے جب کہ وہ عالت موت میں تھا۔ حضور صلی اللہ

فَقَالَ کَیْفَ تَجِدُكَ قَالَ اَرْجُوا اللّٰهَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنِّیْ اَخَافُ ذُنُوْبِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَجْتَمِعَانِ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ فِیْ مِثْلِ هٰذَا الْمَوْطِنِ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ مَا یَرْجُوْا وَاٰمَنَهٗ مِمَّا یَخَافُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ.

علیہ وسلم نے اس نوجوان سے کہا تیرا کیا حال ہے اس نے عرض کیا میں اللہ تعالے سے امید رکھتا ہوں اور میں اپنے گناہوں سے ڈرتا بھی ہوں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دو صفتیں[1] کسی بندے میں اس وقت جمع نہیں ہوتیں مگر اللہ تعالے اسے وہ دے دیتا ہے جس کی وہ امید[2] رکھتا ہے اور اس سے اسے امن عطا کرتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی خوف و رجاء۔

[2] یعنی اپنے فضل و کرم سے اسے نوازتا ہے، اور گرفت اور گناہوں پر سزا سے اسے بچا لیتا ہے۔ جس سے وہ ڈر رہا ہے۔ خیال کر جب رجا کا تعلق خدا سے اور خوف کا تعلق گناہوں سے ہو تو اس میں رجا کا غلبہ اور قوت ظاہر ہوتی ہے۔ یا خوف کا تعلق گناہوں سے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۶۰۵ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمَنَّوا الْمَوْتَ فَاِنَّ هَوْلَ الْمُطَّلَعِ شَدِیْدٌ وَاِنَّ مِنَ السَّعَادَةِ اَنْ یَّطُوْلَ عُمْرُ الْعَبْدِ وَیَرْزُقَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْاِنَابَةَ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت کی آرزو نہ کرو۔ کیونکہ اس جائے اطلاع[1] کا خوف بڑا سخت ہے۔ اور یہ چیز سعادت میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو لمبی عمر عطا کرے اس کے ساتھ اللہ عزوجل اسے رجوع بھی نصیب کرے۔

(احمد)

ل۱ حدیث میں لفظ مُطّلع آیا ہے۔ میم کی پیش ط تشدید طا اور لام کی زبر یعنی جائے اطلاع۔ اور بلند جگہ اور مطلع جبل اس جگہ کو کہتے ہیں۔ جہاں سے پہاڑ پر چڑھ سکیں۔ یہاں وہ چیز مراد ہے جس سے حالات آخرت پر مطلع ہوتے اور قیامت کے مناظر سامنے آتے ہیں۔ یا وہ امور مراد ہیں۔ جن سے انسان برزخ کے حالات سے واقف ہوتا ہے۔ یعنی موت کی آرزو کا کوئی فائدہ نہیں۔ کہ وہ تو شدائد وآلام میں پڑنے کا ذریعہ ہے۔ اور عقلمند کی شان یہ ہے کہ وہ اس چیز کی آرزو نہیں کرتا جس سے وہ شدت و بلا میں مبتلا ہو جائے۔ کہ موت نے تو آ کر ہی رہنا ہے طیبی نے کہا ہول مطلع سے مراد وہ چیز ہے جس سے بندہ سکرات موت کو جھانکنے لگتا ہے۔ یعنی بندہ موت کی آرزو قلت صبر صدمات اور تنگ دلی کے باعث کرتا ہے اور جب اس کی آرزو پوری ہوتی ہے تو اسے صدمہ اور تنگ دلی زیادہ لاحق ہوتی ہے۔ اور وہ زیادہ غضب وغصہ کا مستحق بن جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کی آرزو کرنے سے روکنا اس صورت میں ہے جب کہ بے صبری اور تنگ دلی کی وجہ سے ہو۔ اور جو آرزو و شوق لقائے حق اور عالم آخرت سے محبت کی بنا پر ہو وہ ایک دوسری چیز ہے۔

ل۲ یعنی اپنی ذات پاک کی طرف۔ یہ موت کی آرزو کرنے کی ممانعت کی دوسری علت و وجہ ہے یعنی موت تو بہرحال آنی ہی ہے چند روز دنیا میں رہنا اور کام کرنا اور توشہ آخرت فراہم کرنا غنیمت ہے۔ کیونکہ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

۱۵۲۹/۱۶ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ جَلَسْنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَّرَنَا وَرَقَّقَنَا فَبَكَى سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ فَأَكْثَرَ الْبُكَاءَ فَقَالَ يَا لَيْتَنِي مِتُّ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا سَعْدُ أَعِنْدِي تَتَمَنَّى الْمَوْتَ فَرَدَّدَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ يَا سَعْدُ إِنْ كُنْتَ خُلِقْتَ لِلْجَنَّةِ فَمَا طَالَ عُمُرُكَ وَحَسُنَ مِنْ عَمَلِكَ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے ہمیں آخرت کی یاد دلائی اور ہمارے دلوں کو نرم کر دیا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رو پڑے اور بہت روئے اور کہا کاش کہ میں مر گیا ہوتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد تو میرے سامنے موت کی آرزو کر رہا ہے۔ آپ نے اس بات کا تین بار تکرار کیا۔ پھر فرمایا اے سعد اگر تو جنت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو تیری عمر جتنی دراز ہوگی اور تیرے عمل اچھے ہوں گے۔ وہ تیرے لیے بہتر

فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ۔ بہتر ہے۔[۵]

(رَوَاهُ اَحْمَدُ) (احمد)

[۱] یعنی حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ۔

[۲] اور اس کے حالات اور خوفناک واقعات بیان فرمائے۔

[۳] تاکہ دنیا کی محنت و شدت سے نجات پا جاتا۔

[۴] یعنی موت کی آرزو ممنوع اور خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اس لیے میرے سامنے یہ آرزو کیوں کر رہا ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ میری صحبت اور میری زندگی میں موت کی آرزو کرتا ہے۔ حالانکہ میرے جمال کا مشاہدہ اور میری صحبت کا شرف ہر نعمت سے جو انسان کے تصور میں آ سکتی ہے، بہتر ہے۔ اگرچہ تجھے موت کے بعد آخرت کی نعمتیں اور درجات حاصل ہوں گے مگر وہ سب نعمتیں اور درجات میری کریم ذات کے چہرہ پر نگاہ ڈالنے کے شرف کے برابر نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ دنیا میں ہی بہشت نقد ہے۔ کسی درویش سے پوچھا گیا کہ مومن کے لیے زندگی بہتر ہے یا موت اس نے کہا حضور کے زمانہ میں زندگی بہتر تھی۔ آپ کے بعد موت بہتر ہے۔

[۵] کہ اس طرح تجھے تو آخرت میں مراتب و درجات حاصل کرنے کا مستحق ٹھہرایا جائے گا۔ اگر کہا جائے کہ کلمہ ان کلام عرب میں شک و تردد کے لیے آتا ہے۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ تو پھر ان کنت خلقت للجنۃ اگر تو جنت کے لیے پیدا کیا گیا ہے کا کیا معنیٰ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اس قول کا صدور بشارت سے پہلے ہو۔ یا کلمہ شک و تردد کا لانا معاملہ آخرت کی عظمت بیان کرنے کے لیے ہو کہ اس کے بارے میں جزم و یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

۱۵۲۴ وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُضَرِّبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى خَبَّابٍ وَقَدِ اكْتَوٰى سَبْعًا فَقَالَ لَوْلَا اَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَتَمَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لَتَمَنَّيْتُهٗ وَلَقَدْ رَاَيْتُنِيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَمْلِكُ دِرْهَمًا وَّ اِنَّ فِيْ

حضرت حارثہ بن مضرب[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں حضرت خباب[۲] کے پاس گیا جب کہ حضرت خباب نے اپنے بدن مبارک پر سات جگہ داغ لگا رکھے[۳] تھے حضرت خباب نے کہا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہ سنا ہوتا کہ تم میں کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے تو میں ضرور موت کی تمنا کرتا۔ البتہ بے شک میں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا کہ میں ایک

خَبَّابٍ يَبْتَنِي الْآنَ لَأَرْبَعِيْنَ أَلْفَ دِرْهَمٍ قَالَ ثُمَّ أُتِيَ بِكَفَنِهٖ فَلَمَّا رَآهُ بَكٰى وَقَالَ وَلٰكِنْ حَمْزَةُ لَمْ يُوْجَدْ لَهٗ كَفَنٌ إِلَّا بُرْدَةٌ مَلْحَاءُ إِذَا جُعِلَتْ عَلٰى رَأْسِهٖ قَلَصَتْ عَنْ قَدَمَيْهِ فَإِذَا جُعِلَتْ عَلٰى قَدَمَيْهِ قَلَصَتْ عَنْ رَأْسِهٖ حَتّٰى مُدَّتْ عَلٰى رَأْسِهٖ وَجُعِلَ عَلٰى قَدَمَيْهِ الْإِذْخِرُ۔

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ إِلَّا أَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ أُتِيَ بِكَفَنِهٖ إِلٰى آخِرِهٖ۔

درہم کا بھی مالک نہ ہوتا تھا اور بے شک اس وقت میرے گھر کے ایک کونے میں چالیس ہزار درہم پڑے ہیں۔ حضرت حارثہ فرماتے ہیں پھر حضرت خباب کا کفن لایا گیا (جو کہ بہت عمدہ تھا) جب اسے دیکھا تو رو پڑے اور کہا لیکن حضرت حمزہ کو کفن بھی نصیب نہ ہوا۔ جب ان کا کفن ان کے سر کی طرف کھینچا جاتا تھا تو آپ کے پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور جب آپ کے قدموں کی طرف کھینچا جاتا تو آپ کے سر سے چھوٹا ہو جاتا۔ یہاں تک کہ وہ کفن آپ کے سر کی طرف کھینچا گیا اور آپ کے قدموں پر اذخر (ایک قسم کی گھاس) ڈال دیا گیا۔ احمد ترمذی۔ لیکن ترمذی نے ثم اتی بکفنہ کا لفظ ذکر نہ کیا اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۱؎ حضرت حارثہ بن مضرب (میم کا پیش ضاد کی زبر۔ را مشدد کی زیر) آپ مشہور تابعی ہیں۔

۲؎ خبّاب خا کی زبر با اولیٰ مشدد۔ آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ ہجری مہاجرین میں سے ہیں کوفہ میں رہائش اختیار کی۔ اور وہیں ۳۷ھ میں وفات پائی۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

۳؎ ہو سکتا ہے کہ آپ موت کی آرزو کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں حقیقتاً مرض و مصیبت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس مرض کی شدت کی بنا پر۔ پھر داغ کرنے کے جواز و کراہت میں اختلاف ہے جیسا کہ اس کی تحقیق باب الطب میں آ رہی ہے۔ یا آپ نے اپنی تونگری اور دولتمندی کی وجہ سے موت کی آرزو کا اظہار کیا ہو۔ تاکہ دولت کا زیادہ پن کہیں آخرت ہی خراب نہ ہو جائے۔ اس لیے آپ نے فرمایا۔

۴؎ اور کہا اگرچہ شرع میں اچھا کفن پہننا جائز ہے۔ مگر حضرت حمزہ الی آخرہ۔

۵؎ اذخر (ہمزہ کی زیر۔ ذال معجمہ ساکن) مشہور گھاس ہے جسے مکانوں کی چھتوں میں ڈالتے ہیں۔ اور قبر کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔

بَابُ مَا يُقَالُ عِنْدَ مَنْ حَضَرَهُ الْمَوْتُ

مرنے والے کے پاس کیا پڑھا جائے

باب اس امر کے بیان میں کہ جس کا وقت موت آچکا ہو اس کے پاس کیا پڑھنا چاہیے۔ وقت موت کا آ جانا بطور عادت یقینا معلوم ہو جاتا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ موت کا وقت آ جانے کی علامت یہ ہے کہ اس وقت پاؤں اس قدر سست ہو جاتے ہیں کہ اگر انہیں کھڑا کیا جائے تو کھڑے نہیں رہ سکتے اور ناک کا ٹیڑھا ہو جانا۔ آنکھوں اور کان کے درمیانی حصہ کا لٹک جانا۔ خصیتین کے گوشت کا لمبا ہو جانا۔ کیونکہ اس وقت خصیتین سکڑ جاتے ہیں اس وقت اس کے پاس کیا پڑھا جائے؟ عام ہے کہ لا الٰہ الا اللہ سے اس کی تلقین کی جائے۔ یا انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا جائے۔ اور اس کے لیے دعائے خیر کرنا اور سورۃ یٰسین پڑھنا۔ اور وہ کلمات جو مومن اور کافر کے قبض روح کے وقت ملائکہ پڑھتے ہیں اور اس کی مثل اور کلمات جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۱۵۲۸ / ۱ — عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ دونوں فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللہ سے تلقین کرو۔ (مسلم)

ملحوظہ: یعنی جو مرنے کے قریب ہو چکے ہوں کلمہ طیبہ سے ان کی تلقین کرو۔ لفظ تلقین لقن سے مشتق ہے بمعنی جلد کچھ جاننا اور تلقین کہنا۔ یہاں تلقین سے مراد کلمہ طیبہ کا ذکر ہے۔ اس بندے کے سامنے جس پر وقت موت آچکا ہو۔ بغیر اس کے کہ اسے پڑھنے پر مجبور کریں۔

۱۵۲۹ / ۲ — وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِیْضَ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مریض یا میت کے پاس آؤ تو خیر دعا کی

أَوِ الْمَيِّتَ فَقُولُوا خَيْرًا فَإِنَّ الْمَلٰئِكَةَ يُؤَمِّنُونَ عَلٰى مَا تَقُولُونَ.

کی دعا کرو[۲] کہ بے شک ملائکہ جو کچھ تم اس وقت کہتے ہو اس دعا پر آمین کہتے ہیں۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

[۱] یعنی جو قریب المرگ ہو یہاں کلمہ او راوی کے شک کی وجہ سے ہے۔ اگر مریض سے قریب الموت مراد لیا جائے اور اگر مطلق مراد ہو تو پھر کلمہ او بیان نوع کے لیے ہے۔

[۲] یعنی اپنے لیے خیر کی دعا کرو مریض اور قریب الموت کیلئے شفا اور مغفرت کی۔

۱۵۳۰ / ۳ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيْبُهُ مُصِيْبَةٌ فَيَقُوْلُ مَا أَمَرَهُ اللّٰهُ بِهٖ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَأَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَخْلَفَ اللّٰهُ لَهٗ خَيْرًا مِّنْهَا فَلَمَّا مَاتَ أَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ أَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ مِّنْ أَبِيْ سَلَمَةَ أَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ إِنِّيْ قُلْتُهَا فَأَخْلَفَ اللّٰهُ لِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی مسلمان جسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے پھر وہ وہ کلمہ کہتا ہے جس کا اسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے[۱] یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون[۲]۔ اے اللہ مجھے میری مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس کے بدلے بہتر چیز عنایت کر۔ مگر اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر چیز عطا کرتا ہے پھر جب حضرت ابو سلمہ فوت ہوئے تو میں نے کہا ابو سلمہ سے بہتر کون مسلمان ہو سکتا ہے[۳] جو کہ اول صاحب خانہ ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔ پھر میں نے یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرما دیئے۔ (مسلم)

[۱] مصیبت کے وقت اور اس کے پڑھنے کی فضیلت بیان فرمائی۔

[۲] یعنی ہمارا وجود، ہمارا مال، ہماری اولاد اور ہمارے تمام حالات خدا کے لیے ہیں۔ اور ہم سب خدا تعالیٰ اور سوال و حساب اور اس کے ثواب و عذاب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

سلہ یہ کلمہ اجرنی دو طرح روایت کیا گیا ہے۔ ہمزہ ساکن اور جیم پر پیش۔ ہمزہ کی زبر یا اور رلا اور جیم کی زیر معنی دونوں کا ایک ہے یعنی مجھے اجر عطا فرما۔

سکہ یعنی اس مصیبت میں میرا جو کچھ ضائع ہوا ہے مجھے اس سے بہتر عطا فرما۔ اور کلمہ واخلف ہمزہ کی زبر اور خا ساکن اور لام کی زیر۔ اس کا مصدر اخلاف ہے یعنی واپس اور ضائع شدہ چیز کی جگہ دوسری چیز دے دینا مراد اجر و ثواب ہے یا فوت اور ضائع شدہ چیز کی جنس سے اس سے بہتر چیز عطا کرنا۔ جیسا کہ حدیث کا انداز عبارت واضح کر رہا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مصیبت میں کوئی مسلمان یہ کلمات نہیں پڑھتا۔ مگر الی آخرہ۔

ھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی تھی اور جب حضرت ابو سلمہ جو میرے حضور علیہ السلام سے پہلے شوہر تھے فوت ہو گئے۔ تو میں نے حکم کی بجا آوری اور اس دعا کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے یہ دعا پڑھنا چاہی۔ پھر میں نے دل میں کہا کہ مسلمانوں میں سے کون مسلمان ابو سلمہ سے بہتر ہو سکتا ہے۔ جس کی جگہ اللہ تعالٰی مجھے افضل مرد عطا کرے گا۔ حالانکہ ابو سلمہ کی شان یہ ہے کہ۔

لہ علماء نے کہا ہے کہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی اس ہجرت سے حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت مراد ہے کیونکہ آپ نے پہلے مدینہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کی پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کی جانب دوبارہ ہجرت کی ان دونوں ہجرتوں میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ تھیں۔ حضرت ابو سلمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت برۃ بنت عبد المطلب کے بیٹے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔

ےہ یعنی میں نے اس گوگو کی کیفیت اور اس امر کو بعید جانتے ہوئے کہ حضرت ابو سلمہ سے بہتر خاوند اب مجھے کہاں ملے گا یہ دعا اللھم اجرنی فی مصیبتی الی آخرہ پڑھ ہی لی۔

شہ کہ میں آپ کے نکاح میں آ گئی اور ازواج مطہرات میں داخل ہو گئی۔

١٥٢١ وَعَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِيْ سَلَمَةَ وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهٗ فَاَغْمَضَهٗ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الرُّوْحَ اِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ فَضَجَّ نَاسٌ مِّنْ اَهْلِهٖ فَقَالَ لَا	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو سلمہ کے پاس تشریف لائے۔ جب کہ ان کی آنکھیں کھلی رہ گئیں تھیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھیں بند کیں، پھر فرمایا بے شک روح جب بدن سے نکالی جاتی ہے تو نگاہ اس کا پیچھا کرتی ہے پھر ابو سلمہ

تَدْعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اِلَّا بِخَیْرٍ فَاِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ یُؤَمِّنُوْنَ عَلٰی مَا تَقُوْلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلَمَۃَ وَارْفَعْ دَرَجَتَہٗ فِی الْمَھْدِیِّیْنَ وَاخْلُفْہُ فِیْ عَقِبِہٖ فِی الْغَابِرِیْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ وَافْسَحْ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ وَنَوِّرْ لَہٗ فِیْہِ۔
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

کہ اہل خانہ نے رونا دھونا شروع کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے آپ کے لیے دعا نہ کرو مگر خیر اور نیکی کی کیونکہ جو کچھ تم کہتے ہو اس پر ملائکہ آمین کہتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ ابو سلمہ کو بخش دے اور اس کا درجہ ہدایت یافتہ لوگوں میں بلند فرما اور اس کے پیچھے رہنے والوں کا تو خود خلیفہ بن جا۔ اور اے رب العالمین ہماری اور اس کی مغفرت فرما اور اس کی قبر کشادہ کر اور قبر میں اس کے لیے روشنی کر (مسلم)

۱؎ جیسا کہ موت کے وقت میت کی آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں۔ حدیث شریف میں واقع لفظ شَقَّ شین کی زبر [illegible] کا پیش سے شین کی پیش پڑھنا غیر مختار ہے۔

۲؎ اور اس کی جانب دیکھتی رہتی ہے اس وجہ سے کھلی رہتی ہے۔ اہل خانہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جب یہ الفاظ سنے تو انہیں علم ہو گیا کہ حضرت ابو سلمہ وفات پا گئے [illegible]

۳؎ واویلا نہ کرنا۔

۴؎ یعنی پسماندگان (اولاد، اولاد کی اولاد [illegible]) اس معنی کے مطابق لفظ فی الغابرین فی عقبہ کا بیان ہو گا [illegible] اور رنگ جو کہ سطح زمین پر باقی اور موجود ہیں۔ اس صورت میں فی الغابرین [illegible] ہے اور لام پر پیش اور لفظ عقبہ قاف کی زیر سے لغت کی کتاب صحاح میں کہا [illegible] کی اولاد اور اولاد کی اولاد کی اولاد کی اولاد۔

۱۵۳۲ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ تُوُفِّیَ سُجِّیَ بِبُرْدٍ حِبَرَۃٍ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں [۱۵۳۲] بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہو گئے تو آپ کو حبرہ نامی علاقوں کی بنی ہوئی دھاری دار چادر میں لپیٹ دیا گیا (بخاری و مسلم)

۱؎ حِبَرۃ حا کی زیر با کی زبر، دھاری دار چادر کو کہتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۵۳۳ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ[1] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو گا وہ جنت میں داخل ہو گا۔

(ابوداؤد)

[1] اس حدیث میں میت کو تلقین کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔ جس کا اثر اور نتیجہ یہ ہے کہ وہ جنت میں جائے گا۔

۱۵۳۴ وَعَنْ مَعْقِلِ[1] بْنِ يَسَارٍ[2] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَءُوْا سُوْرَةَ يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ.[3]

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں پر سورۂ یٰسین پڑھو[3]

(احمد۔ ابوداؤد)
(ابن ماجہ)

[1] مَعْقِل میم کا زبر عین ساکن قاف کی زیر۔

[2] یسار یا اور سین مہملہ۔ آپ صحابی ہیں شجرۃ الرضوان کے اصحاب بیعت میں سے ہیں۔ بصرہ میں سکونت اختیار کی۔ علاقہ بصرہ میں معقل نامی نہر انہی کی جانب منسوب ہے۔ آپ سے حضرت حسن بصری وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ آپ حضرت معاویہ کے عہد حکومت کے آخری ایام تک زندہ رہے۔

[3] ظاہر یہ ہے کہ مردوں سے وہ مراد ہے جس کی موت کا وقت آچکا ہو۔ امت کا عمل بھی اسی پر ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ بعد انتقال اس کے گھر میں یا اس کی قبر پر یہ سورت پڑھنا مراد ہو۔ باقی رہی یہ بات کہ اس سورت کی تخصیص کی کیا وجہ ہے تو اس کا علم نبی پاک علیہ السلام کو ہی ہے اور اصول دین میں سے کسی اصل پر مشتمل ہے۔ طیبی نے کہا پڑھنے کا حکم اس سورت اور دوسری کے درمیان مشترک ہے۔ ظاہر یہ ہے (اور اللہ بہتر جانتا ہے) کہ وہ پوشیدہ راز اس سورت کے ابتداء میں ہی موجود ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق نہایت مؤکدہ طریقہ سے۔ پھر سورۃ کا خاتمہ جو ورگار و صمدیت کی طرف رجوع پر مشتمل ہے جو کہ اس وقت و حال کے مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کُنْتُمْ اَمْوَاتًا

الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۔ پاک ہے وہ ذات جس کے دست قدرت میں ہے بادشاہی ہر چیز کی اور اسی کی جانب تم سب لوگ لوٹائے جاؤ گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس سورۃ کے اس قدر فضائل و مناقب کس وجہ سے ہیں۔ آخر کار مجھے پتہ چل گیا کہ اس وجہ سے ہیں۔

۱۵۳۵ / ۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنٍ وَهُوَ مَيِّتٌ وَهُوَ يَبْكِيْ حَتّٰى سَالَ دُمُوْعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى وَجْهِ عُثْمَانَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون[1] رضی اللہ عنہ کا منہ مبارک چوما جب کہ وہ فوت ہو چکے تھے۔ اس وقت آپ رو رہے تھے یہاں تک کہ آپ کے آنسو حضرت عثمان[2] کے چہرہ انور پر بہ پڑے۔ (ترمذی۔ ابوداؤد) (ابن ماجہ)

[1] مظعون ظاء معجمہ کے ساتھ۔

[2] حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ مہاجرین صحابہ میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ طیبہ آکر رحلت کی اور سب سے پہلے شخص ہیں جو جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ اس کے بعد جنت البقیع قبرستان کی شکل اختیار کر گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بہ نفس نفیس ایک بھاری پتھر اٹھا کر ان کی قبر مبارک پر رکھا تاکہ ان کی قبر کا نشان بنا رہے مروی ہے کہ مروان نے اپنے دورِ حکومت میں وہ پتھر اٹھا کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پر رکھ دیا۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ میت پاک ہوتا ہے مگر بعض علماء میت کو ناپاک سمجھتے [illegible] ہیں۔ اور اس واقعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے قرار دیتے ہیں۔ اس بارے میں مزید گفتگو باب غسل میت میں آ رہی ہے۔

۱۵۳۶ / ۹ وَعَنْهَا قَالَتْ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ قَبَّلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مَيِّتٌ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چوما جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وصال کر چکے تھے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

۱۵۳۷ / ۱۰ وَعَنْ حُصَيْنِ بْنِ وَحْوَحٍ اَنَّ طَلْحَةَ بْنَ الْبَرَاءِ مَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت حصین بن وحوح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت طلحہ بن البراء بیمار پڑ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے۔

وَسَلَّمَ يَعُودُهُ فَقَالَ إِنِّي لَا أُرَى طَلْحَةَ إِلَّا قَدْ حَدَثَ بِهِ الْمَوْتُ فَآذِنُونِي بِهِ وَعَجِّلُوا فَإِنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِجِيفَةِ مُسْلِمٍ أَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ أَهْلِهِ.

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

اور فرمایا بے شک میں نہیں دیکھتا طلحہ کو مگر یہ کہ اس پر موت کا وقت آچکا ہے تو مجھے اس کے بارے میں اطلاع دینا۔ اور اس کے کفن دفن میں جلدی کرنا کیونکہ مسلمان مردے کے لیے مناسب نہیں کہ اسے اپنے اہل خانہ کے درمیان روک رکھا جائے۔

(ابوداؤد)

۱ؔ حصین حا کی پیش صاد کی زبر۔

۲ؔ وحوح دو واوں کی پیش کے ساتھ۔ بعض نے کہا دونوں واؤوں پر زبر ہے۔ یہ دوسری روایت زیادہ مشہور اور زیادہ درست ہے۔ اور پہلی حا ساکن آپ انصاری صحابی ہیں۔ اہل بدر میں شمار ہوتے ہیں۔ ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔

۳ؔ حضرت طلحہ بن البراء انصاری صحابی ہیں۔ اہل حجاز میں شمار ہوتے ہیں۔

۴ؔ متن حدیث میں لفظ اُریٰ آیا ہے۔ یعنی میں گمان کرتا ہوں۔

۵ؔ تاکہ میں آجاؤں اور اس پر نماز جنازہ پڑھوں کیونکہ اس کے گندہ ہونے اور بدبو چھوڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے کہ اس سے لوگ اسے برا اور کروہ و ناپاک شمار نہ کرنے لگیں۔ حالانکہ مومن اللہ کے نزدیک معزز و مکرم ہوتا ہے۔ اسی اندیشے کی جانب اشارہ کے لیے حدیث میں اسے جیفہ یعنی مردار سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ وہ گندہ ہونا شروع ہو جائے اور جیفہ جسم میت کو کہتے ہیں جس سے بدبو چھوڑنے کا امکان ہوتا ہے۔

۶ؔ لفظ ظہرانی مذکر ہے۔ اس کی تحقیق شرح (ص پ) میں کر دی گئی ہے۔ حضرت طلحہ بن البراء انصاری ہیں۔ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ جب وہ فوت ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللھم الق طلحہ وانت تضحک الیہ وھو یضحک الیک۔ اے اللہ طلحہ سے اس حالت میں ملاقات کرنا کہ تو اس سے خوش ہو۔ اور ایک روایت حسین ہے اور وہ تجھ سے خوش ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۱۵۴۳ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مردوں کو یہ تلقین کیا کرو لا الٰہ اللہ کے سوا کوئی

اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ لِلْاَحْیَاءِ قَالَ اَجْوَدُ وَ اَجْوَدُ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

معبود نہیں۔ وہ علم والا، کرم والا، پاک اور عرش عظیم کا مالک ہے۔ ساری حمدیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ دعا زندوں کے لیے کیسی ہے۔ فرمایا بہت اچھی۔ بہت اچھی ہے۔

(ابن ماجہ)

۱؎ حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب قرشی ہاشمی صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ آپ بڑے سخی، خوش طبع بردبار بڑے پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے۔ لوگ انہیں بحر الجود (سخاوت کا سمندر) کہتے تھے۔ علماء نے کہا ہے کہ اسلام میں ان سے سخی تر کوئی شخص نہیں ہوا۔

۲؎ اللہ تعالے کو ان دو اوصاف سے موصوف کرنا دراصل عفو و کرم الٰہی کی طرف اشارہ ہے تاکہ مرنے والا اس کے عفو و کرم کی امید میں جان دے دے۔

۳؎ اس میں خدا تعالے کی عظمت و کبریائی کی جانب اشارہ ہے تاکہ درگاہ الٰہی میں نعمت و عزت کے ساتھ حاضر ہونے کے شوق میں پہنچے۔

۴؎ یعنی اس محنت آباد دنیا سے شکر و رضا کی حالت میں جائے یہ یاد رہے کہ سب حمدیں اسی کے لیے ہیں تاکہ معنی ربوبیت کے حضور و تصور سے اللہ تعالے کے فیض و فضل کے سے تیار و مستعد رہے۔

۵؎ یعنی یا رسول اللہ اگر یہ اذکار ہم زندہ لوگ کریں تو کیا ہیں امید تحسین کریں تو کیسا ہے۔

۶؎ آپ نے فرمایا بہت بہتر بہت بہتر ہے۔ کیونکہ خدا تعالے کا ذکر مردے اور زندے دونوں کے لیے تسکین قلب اور جلا ہے روح کا سبب ہے۔ اور ان صفات و معانی کو مرنے والے کہ ذہن میں حاضر کرنا ذوق و حیات جاودانی کا موجب ہے۔ ۱۲

مردہ و زندہ من در قدمت خواہد بود

میں مردہ اور زندہ دونوں حالتوں میں تیرے قدموں میں ہی رہوں گا

۱۵۳۹/۱۲ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمَیِّتُ تَحْضُرُہُ الْمَلٰئِکَۃُ فَاِذَا کَانَ الرَّجُلُ صَالِحًا قَالُوْا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ اگر آدمی نیک ہوتا ہے تو اس سے کہتے ہیں۔ اے پاک روح نکل

اخرجي أيتها النفس الطيبة
كانت في الجسد الطيب اخرجي
حميدة وأبشري بروح و
ريحان ورب غير غضبان
فلا تزال يقال لها ذلك
حتى تخرج ثم يعرج
بها إلى السماء فيفتح لها
فيقال من هذا فيقولون
فلان فيقال مرحبا بالنفس
الطيبة كانت في الجسد
الطيب ادخلي حميدة و
أبشري بروح وريحان و
رب غير غضبان فلا تزال
يقال لها ذلك حتى تنتهي
إلى السماء التي فيها الله
فإذا كان الرجل السوء قال
اخرجي أيتها النفس الخبيثة
كانت في الجسد الخبيث اخرجي
ذميمة وأبشري بحميم
وغساق وآخر من شكله
أزواج فلا تزال يقال لها
ذلك حتى تخرج ثم يعرج
بها إلى السماء فيفتح لها
فيقال من هذا فيقال فلان
فيقال لا مرحبا بالنفس الخبيثة

جو پاک جسم میں تھی۔ نکل۔ قابل تعریف خیریت وراحت
کی حالت میں، اور پاک رزق کے ساتھ۔ اور راضی
رب کی بشارت حاصل کر۔ اس سے یہ کہتے رہتے ہیں
یہاں تک کہ وہ نکل آتی ہے۔ پھر اسے آسمان کی
طرف چڑھایا جاتا ہے۔ اس کے لیے آسمان کھولا
جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ یہ کون ہے۔ فرشتے کہتے
ہیں۔ یہ فلاں ہے۔ تو کہا جاتا ہے کہ خوب آئی پاک
روح جو پاک جسم میں تھی۔ داخل ہو قابل تعریف حالت
میں اور تجھے خیریت وراحت ہے۔ تجھے پاک
رزق اور راضی رب کی بشارت ہو۔ اس سے
یہ کہتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس آسمان
تک پہنچ جاتی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی
تجلی ہے۔ اور جب بُرا آدمی ہوتا ہے تو
کہتے ہیں۔ اے خبیث جان نکل۔ جو خبیث
جسم میں تھی نکل آ۔ ملامت ہوکر۔ تجھے کھولتے
پانی، پیپ اور اس کے ہم شکل دوسرے
عذابوں کی بشارت۔ اس سے یہ کہتے رہتے ہیں
یہاں تک کہ وہ نکل آتی ہے۔ پھر اسے آسمان
کی طرف چڑھایا جاتا ہے تو اس کے لیے آسمان
کھلوایا جاتا ہے۔ پوچھا جاتا ہے یہ کون
ہے۔ کہا جاتا ہے فلاں۔ تو کہا جاتا ہے
اس کے لیے مرحبا نہیں۔ خبیث جان
ہے جو خبیث جسم میں تھی۔ قابل ملامت
حالت میں لوٹ جا۔ کیونکہ تیرے
لیے آسمان کے دروازے نہیں

كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الْخَبِيْثِ ارْجِعِيْ ذَمِيْمَةً فَإِنَّهَا لَا تُفْتَحُ لَكِ أَبْوَابُ السَّمَآءِ فَتُرْسَلُ مِنَ السَّمَآءِ ثُمَّ تَصِيْرُ إِلَى الْقَبْرِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

کمل سکتے۔ پھر اسے آسمان سے پھینکا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ قبر میں آ جاتی ہے۔

(ابن ماجہ)

۱؎ یعنی اس کے مرنے کے وقت۔

۲؎ تو اس کی روح کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

۳؎ یعنی تو خدا اور اس کی مخلوق کے نزدیک قابلِ تعریف و ستائش ہے۔

۴؎ جو تجھے بہشت یا برزخ میں عطا ہوگا۔

۵؎ یعنی آسمان کے دربان۔

۶؎ یعنی اس کی روح کو اٹھا کر لے جانے والے۔

۷؎ یعنی اس کا نام و نشان ذکر کرتے ہیں، جیسے کہ وہ اسے پوری طرح جانتے پہچانتے ہیں۔

۸؎ اور اسے ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک لے جاتے ہیں۔

۹؎ یعنی جہاں خدا تعالٰی کی قدرت اور رحمتِ خاص کا نزول ہوتا ہے۔

۱۰؎ حمیم یعنی گرم پانی۔ اور پیپ جو دوزخیوں کے جسموں سے ٹپک ٹپک کر بہ رہی ہوتی ہے۔ لفظ غساق سین کی شد اور تخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ صراح میں لکھا غساق ٹھنڈا اور گندہ پانی۔

۱۵۴۰/۱۳ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا خَرَجَتْ رُوْحُ الْمُؤْمِنِ تَلَقَّاهَا مَلَكَانِ يُصْعِدَانِهَا قَالَ حَمَّادٌ فَذَكَرَ مِنْ طِيْبِ رِيْحِهَا وَذَكَرَ الْمِسْكَ قَالَ وَيَقُوْلُ أَهْلُ السَّمَآءِ رُوْحٌ طَيِّبَةٌ جَآءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ صَلَّى اللهُ عَلَيْكِ وَعَلٰى جَسَدٍ

انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن کی روح نکل آتی ہے تو اسے دو فرشتے لیتے ہیں، جو اسے بلندی کی طرف لے جاتے ہیں۔ حماد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عمدہ خوشبو اور مشک کا ذکر فرمایا۔ فرمایا کہ آسمان والے کہتے ہیں ایک روح زمین کی طرف سے آئی اللہ تجھ پر اور اس جسم پر رحمتیں کرے جسے تو آباد کرتی تھی۔ پھر اسے رب تعالٰی کے

تَعْمُرِيْنَهٗ فَيُنْطَلَقُ اِلٰى رَبِّهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ انْطَلِقُوْا بِهٖ اِلٰى اٰخِرِ الْاَجَلِ قَالَ وَاِنَّ الْكَافِرَ اِذَا خَرَجَتْ رُوْحُهٗ قَالَ حَمَّادٌ وَذَكَرَ مِنْ نَتْنِهَا وَذَكَرَ لَعْنًا وَيَقُوْلُ اَهْلُ السَّمَاءِ رُوْحٌ خَبِيْثَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْاَرْضِ فَيُقَالُ انْطَلِقُوْا اِلٰى اٰخِرِ الْاَجَلِ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَرَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِيْطَةً كَانَتْ عَلَيْهِ عَلٰى اَنْفِهٖ هٰكَذَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

پاس لے جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے آخر وقت تک وہیں پہنچا دو۔ فرمایا کہ جب کافر کی روح نکلتی ہے۔ حماد فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بدبو اور لعنت کا ذکر فرمایا آسمان والے کہتے ہیں۔ خبیث روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے۔ تو کہا جاتا ہے اسے میعاد تک کے لیے لے جاؤ۔ ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چادر تھی۔ اسے حضور نے اس طرح اپنی ناک سے لگا لیا۔

۱؎ یعنی حماد نے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔

۲؎ یا حضرت ابوہریرہ نے۔ اس کی روح کی خوشبو کا ذکر فرمایا کہ اس روح سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔

۳؎ یہ عبارت اس لیے ہے کہ راوی کو وہ مخصوص الفاظ جو سنے تھے یاد نہ رہے تھے۔

۴؎ حضرت ابوہریرہ نے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

۵؎ اس کی روح کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

۶؎ اللہ اسے زندہ رکھتی تھی۔

۷؎ آخر وقت سے قیامت مراد ہے یعنی اس مدت تک جس کے بعد قیامت قائم ہوگی۔ اس نے برزخ مراد ہے یعنی ایک سے ایک مکان میں لے جاؤ جو روز حشر تک اس کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کے لیے دو اجلیں ہیں۔ اجل اول اور اجل آخر۔ اجل اول موت اور اجل آخر قیامت ہے۔ اور آیۂ کریمہ ثُمَّ قَضٰى اَجَلًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ (پھر اس نے اجل کا فیصلہ کیا اور ایک اور اجل ہے جو اس کے پاس ہے) دونوں کا احتمال رکھتی ہے۔

۸؎ یا حضرت ابوہریرہ نے۔

اُحْتُضِرَ اَتَتْهُ مَلٰٓئِكَةُ الْعَذَابِ بِمِسْحٍ فَيَقُوْلُوْنَ اُخْرُجِيْ سَاخِطَةً مَسْخُوْطًا عَلَيْكِ اِلٰى عَذَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَتَخْرُجُ كَاَنْتَنِ رِيْحِ جِيْفَةٍ حَتّٰى يَاْتُوْنَ بِهٖ بَابَ الْاَرْضِ فَيَقُوْلُوْنَ مَا اَنْتَنَ هٰذِهِ الرِّيْحَ حَتّٰى يَاْتُوْنَ بِهٖ اَرْوَاحَ الْكُفَّارِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ)

آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں نکل اس حال میں کہ تو رب سے ناراض تجھ سے رب ناراض۔ اللہ کے عذاب کی طرف چل تو وہ مردار کی سخت بدبو کی طرح نکلتی ہے۔ یہاں تک کہ اسے زمین[10] کے دروازے تک لاتے ہیں۔ تو کہتے ہیں یہ کیسی سخت بدبو ہے۔ یہاں تک کہ اسے کفار کی روحوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

(احمد)

(نسائی)

۱؎ یعنی رحمت وعنایت خداوندی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے عاقبت کار کی خبر واطلاع مراد ہو یعنی جنت کی نعمتیں۔

۲؎ یعنی روح مومن اس خوشبو کے ساتھ جسم سے باہر آتی ہے۔

۳؎ یعنی فرشتے اسے دست بدست لے کر جاتے ہیں۔

۴؎ یعنی گم شدہ آدمی کے سفر سے واپس آجانے سے خوش ہوتا ہے۔

۵؎ یعنی دنیا میں ان کی جن جن سے آشنائی تھی ان کا نام لے لے کر ان کا حال احوال دریافت کرتے ہیں۔

۶؎ یعنی اسے چھوڑ دو اس سے نہ پوچھو اور اسے شفقت میں چھوڑ دو کہ یہ دنیا کے غم میں تھا اور وہاں سے غم زدہ حالت میں یہاں آیا ہے یہاں تک کہ یہ آرام کرلے اور اپنی حالت پر قائم ہولے۔ پھر اس سے ان کے حالات دریافت کرنا۔

۷؎ یعنی حالت درست ہونے اور ہوش وحواس قائم ہونے پر کہتا ہے کہ جس کا حال تم دریافت کر رہے ہو وہ تو مرچکا ہے کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا۔

۸؎ یعنی جب وہ اطلاع دیتا ہے کہ وہ تو مرچکا ہے اور مومنین کی روحیں اسے اپنے اندر نہیں پاتیں۔ تو ایک دوسری سے کہتی ہیں ٹھکانا ہے اس کی ماں ھاویہ دوزخ میں ڈال دیا گیا ہے۔ اللہ قرآن حکیم میں آتش دوزخ کو دوزخی کی ماں کہہ کر بیان کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ (اس کی ماں ھاویہ دوزخ ہے) آتش دوزخ کو اس کی ماں آگ کے اس کا احاطہ کرنے پر مشتمل ہونے اور اس کے قریب اور متصل ہونے کی بنا پر یہ کہا گیا ہے۔

۹؎ یعنی ٹاٹ کھردرا ٹاٹ۔ جیسا کہ مومن کی روح کے لیے سفید ریشم لے کر آتے ہیں۔ حدیث میں لفظ مسح آیا ہے۔

النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ اُخْرُجِيْ اِلٰى
مَغْفِرَةٍ مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانٍ قَالَ
فَتَخْرُجُ تَسِيْلُ كَمَا تَسِيْلُ
الْقَطْرَةُ مِنَ السِّقَاءِ فَيَاْخُذُهَا
فَاِذَا اَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوْهَا فِيْ
يَدِهٖ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَاْخُذُوْهَا
فَيَجْعَلُوْهَا فِيْ ذٰلِكَ الْكَفَنِ وَ
فِيْ ذٰلِكَ الْحَنُوْطِ وَيَخْرُجُ مِنْهَا
كَاَطْيَبِ نَفْحَةِ مِسْكٍ وُجِدَتْ
عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ قَالَ
فَيَصْعَدُوْنَ بِهَا فَلَا يَمُرُّوْنَ
يَعْنِيْ بِهَا عَلٰى مَلَاءٍ مِّنَ
الْمَلٰٓئِكَةِ اِلَّا قَالُوْا مَا هٰذَا
الرُّوْحُ الطَّيِّبُ فَيَقُوْلُوْنَ فُلَانُ
ابْنُ فُلَانٍ بِاَحْسَنِ اَسْمَآئِهِ
الَّتِيْ كَانُوْا يُسَمُّوْنَهٗ بِهَا فِي
الدُّنْيَا حَتّٰى يَنْتَهُوْا بِهَا اِلَى
السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيَسْتَفْتِحُوْنَ لَهٗ
فَيُفْتَحُ لَهُمْ فَيُشَيِّعُهٗ مِنْ كُلِّ
سَمَآءٍ مُقَرَّبُوْهَا اِلَى السَّمَآءِ الَّتِيْ
تَلِيْهَا حَتّٰى يَنْتَهٰى بِهٖ اِلَى السَّمَآءِ
السَّابِعَةِ فَيَقُوْلُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ
اُكْتُبُوْا كِتَابَ عَبْدِيْ فِيْ عِلِّيِّيْنَ
وَاَعِيْدُوْهُ اِلَى الْاَرْضِ فَاِنِّيْ مِنْهَا
خَلَقْتُهُمْ وَفِيْهَا اُعِيْدُهُمْ وَمِنْهَا

اسے لے لیتے ہیں۔ اور اس کفن اور خوشبو میں
ڈال لیتے ہیں۔ اس روح سے ایسی عمدہ خوشبو
نکلتی ہے جیسے روئے زمین کی بہترین مشک
ہے۔ فرمایا اسے لے کر چڑھتے ہیں۔ تو فرشتوں
کی کسی جماعت پر سے نہیں گزرتے گر وہ کہتے ہیں
یہ کیا ہی عمدہ خوشبو ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ یہ فلاں
بن فلاں ہے۔ اس کا وہ اعلیٰ نام لے کر جو دنیا میں
لیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اسے لے کر آسمان دنیا تک
پہنچتے ہیں۔ اور اس کے لیے کھلواتے ہیں۔ تو وہ
کھول دیا جاتا ہے۔ پھر اسے ہر آسمان کے مقرب
فرشتے دوسرے آسمان تک پہنچانے جاتے ہیں
یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچا دیتے ہیں۔
رب تعالےٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کی کتاب
علیین میں لکھو۔ اور اسے زمین کی طرف واپس
کردو۔ کیونکہ میں نے انہیں زمین سے ہی پیدا کیا
اور وہاں ہی انہیں لوٹاؤں گا۔ اور وہاں ہی سے
دوبارہ انہیں نکالوں گا۔ فرمایا تب اس کی روح جسم میں
واپس کی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور
اسے بٹھا دیتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے
وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے وہ کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے
وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ فرشتے کہتے ہیں یہ
صاحب کون ہیں۔ جو تم میں بھیجے گئے وہ کہتا ہے کہ
یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں تجھے
کیسے معلوم ہوا۔ یہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی
اس پر ایمان لایا اس کی تصدیق کی۔ تو آسمان سے

اَخْرِجُهُمْ تَارَةً اُخْرٰى قَالَ
فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ
فَيَاْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ
لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ
فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا دِيْنُكَ فَيَقُوْلُ
دِيْنِيَ الْاِسْلَامُ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا
هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ
فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ وَمَا
عِلْمُكَ فَيَقُوْلُ قَرَاْتُ كِتَابَ اللّٰهِ
فَاٰمَنْتُ بِهٖ وَصَدَّقْتُ فَيُنَادِيْ
مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ اَنْ صَدَقَ
عَبْدِيْ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ
وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا
لَهٗ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ قَالَ فَيَاْتِيْهِ
مِنْ رَّوْحِهَا وَطِيْبِهَا وَيُفْسَحُ لَهٗ
فِيْ قَبْرِهٖ مَدَّ بَصَرِهٖ قَالَ وَ
يَاْتِيْهِ رَجُلٌ حَسَنُ الْوَجْهِ
حَسَنُ الثِّيَابِ طَيِّبُ الرِّيْحِ
فَيَقُوْلُ اَبْشِرْ بِالَّذِيْ يَسُرُّكَ
هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِيْ كُنْتَ تُوْعَدُ
فَيَقُوْلُ لَهٗ مَنْ اَنْتَ فَوَجْهُكَ
الْوَجْهُ يَجِيْءُ بِالْخَيْرِ فَيَقُوْلُ اَنَا
عَمَلُكَ الصَّالِحُ فَيَقُوْلُ رَبِّ
اَقِمِ السَّاعَةَ رَبِّ اَقِمِ السَّاعَةَ

پکارنے والا پکارتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے اس
کے لیے جنت کا فرش بچھاؤ۔ اسے جنتی لباس پہناؤ
اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔
فرمایا تو اس تک جنت کی راحت و خوشبو آتی ہے
تا حد نگاہ اس کی قبر فراخ کر دی جاتی ہے۔ فرمایا اور
اس کے پاس ایک خوبصورت اچھے کپڑوں اچھی خوشبو
والا شخص آتا ہے۔ اور کہتا ہے اس سے خوش ہو جو
تجھے مسرور کرے گی یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تجھ سے
وعدہ کیا جاتا تھا بندہ مومن کہتا ہے تو کون ہے
تیرا چہرہ بھلائی لاتا ہے۔ وہ کہتا ہے میں تیرا نیک
عمل ہوں تو بندہ کہتا ہے یا رب قیامت قائم کر
قیامت قائم کر۔ تاکہ میں اپنے گھر بار اور مال تک
میں پہنچوں۔ فرمایا کہ بندہ کافر جب دنیا سے خاتمہ
اور آخرت کی آمد میں ہوتا ہے تو اس کی طرف
آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے نازل
ہوتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں تو وہ
اس کافر کی حد نگاہ تک بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت
آتا ہے حتی کہ اس کے سر کے پاس آکر بیٹھ جاتا ہے
اور کہتا ہے اے خبیث جان نکل کر اللہ تعالیٰ کی
طرف نکل فرمایا کہ جان اس کے جسم میں بکھر جاتی
ہے۔ وہ اسے ایسا کھینچتے ہیں جیسے گرم
سیخ بھیگی اون سے کھینچی جاتی ہے۔ پھر اسے
لے لیتے ہیں جب لے لیتے ہیں تو دوسرے
فرشتے وہ جان ملک الموت کے ہاتھ میں پلک
جھپکنے تک نہیں چھوڑتے حتی کہ اسے ان

حَتّٰی اَرْجِعَ اِلٰی اَهْلِیْ وَمَالِیْ قَالَ وَ اِنَّ الْعَبْدَ الْكَافِرَ اِذَا كَانَ فِیْ اِنْقِطَاعٍ مِّنَ الدُّنْیَا وَ اِقْبَالٍ مِّنَ الْاٰخِرَةِ نَزَلَ اِلَیْهِ مِنَ السَّمَآءِ مَلٰٓئِكَةٌ سُوْدُ الْوُجُوْهِ مَعَهُمُ الْمُسُوْحُ فَیَجْلِسُوْنَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ یَجِیْءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتّٰی یَجْلِسَ عِنْدَ رَاْسِهٖ فَیَقُوْلُ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِیْثَةُ اُخْرُجِیْ اِلٰی سَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ قَالَ فَتَفَرَّقُ فِیْ جَسَدِهٖ فَیَنْتَزِعُهَا كَمَا یُنْزَعُ السُّفُّوْدُ مِنَ الصُّوْفِ الْمَبْلُوْلِ فَیَاْخُذُهَا فَاِذَا اَخَذَهَا لَمْ یَدَعُوْهَا فِیْ یَدِهٖ طَرْفَةَ عَیْنٍ حَتّٰی یَجْعَلُوْهَا فِیْ تِلْكَ الْمُسُوْحِ وَیَخْرُجُ مِنْهَا كَاَنْتَنِ رِیْحِ جِیْفَةٍ وُجِدَتْ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ فَیَصْعَدُوْنَ بِهَا فَلَا یَمُرُّوْنَ بِهَا عَلٰی مَلَاٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِلَّا قَالُوْا مَا هٰذَا الرُّوْحُ الْخَبِیْثُ فَیَقُوْلُوْنَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِاَقْبَحِ اَسْمَآئِهِ الَّتِیْ كَانَ یُسَمّٰی بِهَا فِی الدُّنْیَا حَتّٰی یُنْتَهٰی بِهٖ اِلَی السَّمَآءِ

ٹاٹوں میں ڈال لیتے ہیں۔ اور اس سے روئے زمین کے بدترین مردار کی سی سخت بدبو نکلتی ہے۔ وہ اسے لے کر چڑھ جاتے ہیں۔ اور فرشتوں کی کسی جماعت پر نہیں گزرتے مگر وہ یہی کہتی ہے کہ یہ خبیث جان کون ہے وہ اس کے دنیوی بدترین ناموں سے جن سے موسوم کیا جاتا تھا نام لے کر کہتے ہیں۔ کہ فلاں فلاں کا بیٹا۔ یہاں تک کہ اسے لے کر آسمان دنیا تک پہنچتے ہیں۔ تو اس کے لیے آسمان کا دروازہ کھلوایا جاتا ہے مگر وہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی "ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے" پھر رب تعالٰے فرماتا ہے کہ اس کی کتاب نچلی زمین کے سجین میں لکھو۔ پھر اس کی جان پٹخ دی جاتی ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی۔ "اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا گویا وہ آسمان سے گر گیا جسے پرندے اچکتے ہیں۔ یا اسے دور جگہ میں ہوا پھینک دیتی ہے" پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ اور اسے بٹھاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر

الدُّنْيَا فَيَسْتَفْتِحُ لَهُ فَلَا يُفْتَحُ لَهُ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اُكْتُبُوْا كِتَابَهٗ فِيْ سِجِّيْنٍ فِي الْاَرْضِ السُّفْلٰى فَتُطْرَحُ رُوْحُهٗ طَرْحًا ثُمَّ قَرَأَ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ وَيَاْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا دِيْنُكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ اَنْ كَذَبَ فَافْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ فَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى النَّارِ فَيَاْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَ سَمُوْمِهَا وَ يُضَيَّقُ

کہتے ہیں یہ کون صاحب ہیں جو تم میں بھیجے گئے۔ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ اس وقت آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے یہ جھوٹا ہے اس کے لیے آگ کا بستر بچھاؤ اور اس کے لیے آگ کی طرف دروازہ کھول دو۔ تو اس تک دوزخ کی گرمی اور وہاں کی لو آتی ہے اس کی قبر اتنی تنگ کر دی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں اِدھر اُدھر ہو جاتی ہیں۔ اور اس کے پاس ایک بدشکل برے لباس والا بدبو دار آدمی آتا ہے۔ اور کہتا ہے اس کی خبر ہے جو تجھے غم میں مبتلا کرے گا۔ یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ تھا مردہ کہتا ہے کہ تو کون ہے تیرا چہرہ شر (برائی) لاتا ہے وہ کہتا ہے میں تیرے برے اعمال ہوں۔ اور کہتا ہے الٰہی قیامت قائم نہ کریو اور ایک روایت میں اسی کی مثل ہے۔ اس میں اتنی زیادتی ہے کہ جب مومن کی جان نکلتی ہے۔

عَلَيْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ اَضْلَاعُهٗ وَيَاْتِيْهِ رَجُلٌ قَبِيْحُ الْوَجْهِ قَبِيْحُ الثِّيَابِ مُنْتِنُ الرِّيْحِ فَيَقُوْلُ اَبْشِرْ بِالَّذِيْ يَسُوْءُكَ هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِيْ كُنْتَ تُوْعَدُ فَيَقُوْلُ مَنْ اَنْتَ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيْءُ بِالشَّرِّ فَيَقُوْلُ اَنَا عَمَلُكَ الْخَبِيْثُ فَيَقُوْلُ رَبِّ لَا تُقِمِ السَّاعَةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ نَحْوَهٗ وَزَادَ فِيْهِ اِذَا خَرَجَ رُوْحُهٗ صَلّٰى عَلَيْهِ كُلُّ مَلَكٍ بَيْنَ السَّمَآءِ وَفُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ السَّمَآءِ لَيْسَ مِنْ اَهْلِ بَابٍ اِلَّا وَهُمْ يَدْعُوْنَ اللّٰهَ اَنْ يَعْرُجَ بِرُوْحِهٖ مِنْ قِبَلِهِمْ وَتُنْزَعُ نَفْسُهٗ يَعْنِي الْكَافِرَ مَعَ الْعُرُوْقِ فَيَلْعَنُهٗ كُلُّ مَلَكٍ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَكُلُّ مَلَكٍ فِي السَّمَآءِ وَتُغْلَقُ اَبْوَابُ السَّمَآءِ لَيْسَ مِنْ اَهْلِ بَابٍ اِلَّا وَهُمْ يَدْعُوْنَ اللّٰهَ اَنْ لَّا يَعْرُجَ رُوْحُهٗ مِنْ قِبَلِهِمْ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

تو آسمان و زمین کے درمیان کے سارے فرشتے اس پر دعا کرتے ہیں۔ اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں[۱] اور ہر دروازے والے یہی دعا کرتے ہیں کہ اس کی روح ان کی طرف سے چڑھے۔ اور کافر کی جان اس کی رگوں کے ساتھ نکالی جاتی ہے[۲]۔ اس پر آسمان وزمین کے درمیان والے سارے فرشتے اور آسمان کے سارے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ اور آسمان کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ ہر دروازے والے یہی دعا کرتے ہیں کہ الٰہی اس کی روح ان کی طرف سے نہ چڑھے۔

لہ یعنی اس ہیبت اور ادب و وقار سے سر جھکائے ہوئے اور بالکل ساکن اور خاموش گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں کہ اگر ہم سر ہلائیں اور دائیں بائیں دیکھیں تو پرندے اڑ جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں صحابہ کرام کا اس طرح ادب و وقار سے بیٹھنا بہت سی احادیث میں مذکور ہے۔

۲ہ جیسے کوئی فکر مند اور غمگین انسان زمین پر بیٹھ کر لکڑی سے لکیریں کھینچتا ہے۔

۳ہ حدیث کے عربی الفاظ میں خوشبو کے لیے لفظ حنوط آیا ہے۔ حا کی زبر سے۔ یعنی میت کا خوشبو جو اس کے کفن اور بدن کو لگائی جاتی ہے۔

۴ہ جس کا نام عزرائیل ہے۔

۵ہ حدیث میں لفظ مسک سین کی زیر سے آیا ہے۔ یعنی مشک

۶ہ یعنی جب ملک الموت بندے کی روح قبض کرتا ہے۔ تو اپنے ساتھیوں کے حوالے کر دیتا ہے جن کے ہاتھ میں جنت سے لایا ہوا کفن ہوتا ہے۔

۷ہ یعنی اس کی روح کو ساتھ لے کر۔

۸ہ اور یہ کون شخص ہے۔

۹ہ جیسے اس کے وہ القاب جو اس کی مدح پر دلالت کرتے ہیں۔

۱۰ہ علیین ساتویں آسمان میں ایک جگہ کا نام ہے۔

۱۱ہ یعنی اس روح کو اس کے بدن میں واپس لے جاؤ جو زمین میں دفن ہے۔

۱۲ہ جس طرح میں نے پہلے ان کو زمین سے پیدا کیا تھا۔

۱۳ہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف کی جانب اشارہ ہے۔

۱۴ہ کہ تیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے جاننے کی کیا دلیل ہے اور تو کس بنا پر تصدیق کرتا رسول کہتا ہے۔

۱۵ہ وہ جواب دیتا ہے میں نے قرآن پڑھا ہے جو کہ معجزہ ہے۔

۱۶ہ یہاں دو طریقے ہیں۔ ایک اثبات نبوت معجزہ سے اور حضور کے قول مبارک سے قرآن کی قرأت کا ثبوت دوسرا قرآن کا اثبات اس کے اعجاز سے اور نبوت کا اثبات قرآن سے حدیث کی تقریر دوسری وجہ کی جانب مائل ہے۔

۱۷ہ حدیث میں وارد لفظ اُفْسِرَشُوہ ہمزہ کی زبر سے اور ہمزہ قطعی ہے۔

۱۸ہ یعنی جہاں تک اس کی نظر کام کرتی ہے

۱۹ھ حدیث میں واقع لفظ ابشر البشارۃ سے ہے جس کا معنٰی ہے خوشخبری دینا اور بمعنی خوش ہونا بھی آتا ہے۔

۲۰ھ یعنی تیرا چہرہ حسن و جمال میں نہایت کامل ہے۔

۲۱ھ یعنی تیرا چہرہ خیر و بھلائی لاتا اور اس کی بشارت دیتا ہے اور ایسے خوبصورت چہرے کی شان کے لائق یہی ہے کہ وہ نیکی و بشارت کا موجب بنے۔

۲۲ھ یعنی میں تیرا نیک عمل ہوں جو اس صورت میں متمثل ہوکر تیرے سامنے آیا ہوں۔

۲۳ھ یعنی مجھے زندہ کرتا کہ میں دنیا کی طرف واپس جاؤں۔ اور زیادہ نیک عمل کروں۔ تاکہ میرا ثواب و درجہ زیادہ ہو جائے۔ تاہم چونکہ اسے معلوم ہو چکا ہوتا ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی قیامت کو ہوگی۔ اس لیے وہ خدا سے طلب کرتا ہے۔ کہ قیامت قائم ہو۔ دراصل وہ اس سے کنایہ کرتا ہے کہ مجھے زندہ کیا جائے۔ علماء نے ایسا ہی کہا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے قول حتی ارجع الی اھلی ومالی (تاکہ میں اپنے اہل و مال کی طرف لوٹ کر جا سکوں) غایت سرور و خوشحالی کی بنا پر ہو۔ اور اس کی ان کی طرف واپس جانے کی آرزو انہیں اس سرور و خوشحالی سے آگاہ کرنے کے لیے ہو۔ جس طرح ایک مسافر کہتا اور آرزو کرتا ہے جسے غریب الوطنی میں آرام و آسائش حاصل ہوتی ہے۔ کہ میرے عزیز و اقارب میرے اس حال سے واقف و آگاہ ہوں۔

۲۴ھ یعنی اس کی روح جسم میں ادھر ادھر بھاگتی، جسم کی گہرائیوں میں ڈرتی اور اس سے باہر آنے سے گریز کرتی ہے کیونکہ قہر الٰہی کو دیکھ کر جسم سے باہر آنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ بخلاف مومن کی روح کے کہ وہ مشاہدہ انوار اور لطف و کرم کے آثار دیکھ کر خوشی اور نشاط و سرور کے ساتھ بدن سے جلد باہر آنا چاہتی ہے۔

۲۵ھ اور کھینچنے سے اون کے کچھ اجزاء بھی اس سیخ کے ساتھ باہر آتے ہیں۔ اسی طرح جب کافر کی روح جسم سے کھینچی جاتی ہے۔ اور رگوں کی گہرائیوں سے قوت و سختی سے جیسے باہر نکالا جاتا ہے تو اس کی رگیں بھی اس کے ساتھ کھینچتی ہوئی باہر آتی ہیں۔ جیسا کہ دوسری روایت میں آ رہا ہے۔ ان الفاظ حدیث میں انتہائی درد و رنج پہنچانے کا بیان ہے۔ حدیث کے سری الفاظ میں واقع لفظ سفود سین کی زبر فا کی شد بر وزن تنور یعنی لوہے کی وہ سیخیں جن پر کباب بنائے جاتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ جلے ہوئے گوشت کا کچھ حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ اسی طرح جب بھیگی اون میں سے گرم سیخ کو کھینچا جائے۔ تو اون کا کچھ حصہ سیخ کے ساتھ چمٹا رہ جاتا ہے۔

۲۶ھ مختصر یہ کہ کافر کا حال مومن کے حال سے مختلف ہوتا ہے۔ مومن کے لیے فرمایا کہ فرشتے اسے اس جنتی کفن میں ڈال لیتے ہیں۔ اور کافر کی روح کو ان ٹاٹوں میں ڈال لیتے ہیں۔ مومن کے لیے فرمایا کہ اس کی روح سے نفیس ترین خوشبو مہک رہی ہوتی ہے۔ اور کافر کی روح سے بدترین مردار کی بدبو آتی ہے۔ مومن کے لیے فرمایا یہ کتنی طیب اور پاکیزہ روح ہے کافر کے لیے فرمایا ھذا الروح الخبیث یہ خبیث روح ہے مومن کیلیے یہ فرمایا کہ اسے سب

سے اچھے نام سے بلایا جاتا ہے۔ کافر کے لیے فرمایا کہ اسے بدترین نام سے پکارا جاتا ہے۔

۲۷ سجین ساتویں زمین کے نیچے ایک جگہ کا نام ہے۔ جیسے علیین ساتویں آسمان کے اوپر ایک جگہ کا نام ہے۔

۲۸ یعنی بہت ہی بلندی سے جو ایمان و توحید کی بلندی ہے، کفر و شرک کے گڑھے میں گر گیا۔

۲۹ یہ مہلک خواہشات کی تمثیل ہے جو انسان انکا کو پراگندہ رکھتی ہیں۔ اور اسے ذلت و خواری کی وادی میں ڈال کر تباہ و برباد کر دیتی ہیں۔

۳۰ اس میں شیطان کے اسے گمراہی میں ڈالنے اور مقام قرب و وصول سے دور پھینک دینے کی تمثیل ہے۔ پہلی میں صرف فنا و ہلاکت کا بیان ہے۔ دوسری میں بعد و محرومی کا ذکر ہے۔ اور مشرک بھی دو قسم ہیں۔ ایک وہ گروہ جس کی نجات و خلاصی کی قطعاً کوئی امید نہیں۔ دوسرا وہ گروہ جس کے توبہ کر لینے سے نجات کی امید ہو سکتی ہے۔ اگرچہ بظاہر ان کا توبہ کی طرف آنا بعید اور مشکل ہے۔ کذا قال البیضاوی رحمۃ اللہ۔

۳۱ یاد رہے اس حدیث میں واقع کلمہ ھاہ ھاہ اظہار حسرت و حیرت کے لیے آتا ہے۔ مومن کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا اَنْ صَدَقَ عَبْدِی میرے بندے نے سچ کہا۔ مگر کافر کے بیان میں صرف ان کذب (وہ جھوٹا ہے) کہا عبدی کا کلمہ نہ فرمایا۔ اور مومن کے لیے فرمایا من روحہا و طیبہا کہاں تک جنت کی راحت اور خوشبو پہنچتی ہے۔ اس کے برعکس کافر کے لیے فرمایا من حرہا و سمومہا کہاں تک دوزخ کی تپش اور زہریلی ہوا پہنچتی ہے۔ سموم (زمین کی) زہریلا گرم ہوا۔ اضلاع پہلو کی ہڈیاں۔ یعنی کافر پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ادھر ادھر کر دیتی ہے۔ اور یہاں توعد کا لفظ وعید سے مشتق ہے۔ جیسا کہ مومن کے حال میں۔ یہ لفظ وعدہ سے مشتق ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں بھی بطور تہکم و استہزاء وعدہ سے ہی مشتق ہو۔ جیسا کہ کافر کے لیے لفظ بشرٰی استعمال فرمایا۔

۳۲ یعنی اس روایت کے معنی یہی ہیں صرف الفاظ دوسرے ہیں۔

۳۳ بعض نسخوں میں فتحت الباب السماء میں فتحت لہ ابواب السماء آیا ہے۔ یعنی اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

۳۴ جیسا کہ گزشتہ روایت میں مذکور ہوا۔

۱۵۴۳/۱۶ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ كَعْبًا الْوَفَاةُ اَتَتْهُ اُمُّ بِشْرٍ بِنْتُ الْبَرَاءِ بْنِ

حضرت عبدالرحمٰن بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ عبدالرحمٰن نے کہا جب کعب کو وقت آیا تو ان کے پاس ام بشر بنت البراء بن معرور آئی۔ اور کہا اے ابو عبدالرحمٰن اگر

مَعْرُوْرٍ فَقَالَتْ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اِنْ لَقِيْتَ فُلَانًا فَاَقْرِئْهُ عَلَيْهِ مِنِّي السَّلَامَ فَقَالَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكِ يَا اُمَّ بِشْرٍ نَحْنُ اَشْغَلُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَتْ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَمَا سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ طَيْرٍ خُضْرٍ تَعَلَّقُ بِشَجَرِ الْجَنَّةِ قَالَ بَلٰى قَالَتْ فَهُوَ ذَاكَ ۔

تیری فلاں شخص سے ملاقات ہو تو اسے میرا سلام کہنا۔ اس پر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تیری مغفرت کرے۔ اے ام بشر ہم وہاں اس کام سے بہت زیادہ مشغول و معروف ہوں گے حضرت ام بشر نے کہا اے عبدالرحمٰن تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کہ آپ نے فرمایا مومنین کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں میں ہوں گی جو جنت کے درختوں میں چرتے ہوں گے۔ فرمایا ہاں۔ حضرت ام بشر نے کہا تو وہ یہی ہے۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)

اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور بیہقی نے اسے کتاب البعث والنشور میں روایت کیا۔

سلہ حضرت عبدالرحمٰن بن کعب رضی اللہ عنہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں پیدا ہو چکے تھے۔

سلہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ اور شعراء اسلام میں سے ہیں۔ غزوۂ تبوک سے ان کے پیچھے رہ جانے اور ان کی توبہ کا قصہ مشہور و معروف اور نص قرآن میں مذکور ہے۔

سلہ حضرت ام بشر حضرت براء بن معرور (میم کی زبر عین ساکن را اول پر پیش) کی بیٹی ہیں۔ انصار میں سے ہیں۔ جنگ میں سب سے پہلے بیعت کرنے والے حضرت براء ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے قبل مدینہ میں فوت ہونے والے آپ ہی ہیں۔ حضرت ام بشر کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔

وَعَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَيْرٌ تَعَلَّقُ فِيْ شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَهُ

انہی سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درخت میں لٹکایا جاتا ہے حتیٰ کہ جس دن اللہ تعالیٰ اُسے اٹھائے گا تو اس

اللّٰہُ فِیْ جَسَدِہٖ یَوْمَ یَبْعَثُہٗ. (رَوَاہُ مَالِکٌ وَالنَّسَائِیُّ وَ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ کِتَابِ الْبَعْثِ وَ النُّشُوْرِ)

جسم میں لوٹائے گا۔ (مالک، نسائی) بیہقی فی کتاب البعث والنشور۔

سلہ حدیث میں واقع لفظ نسمہ (ن،س،م تینوں پر زبر) کا اطلاق کبھی انسان کے جسم اور کبھی اس کی روح پر ہوتا ہے۔ یہاں روح مراد ہے۔

سلہ واضح ہو کہ اس حدیث کی روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں لفظ طیر آیا ہے۔ ایک دوسری روایت میں فی حواصل طیر (پرندے کی پوٹوں میں) ایک اور روایت میں فی جوف طیر خضر (سبز پرندوں کے پیٹ میں) اور ایک روایت میں کطیر (پرندے کی طرح) ایک روایت میں فی صورۃ طیر (پرندے کی صورت میں) اور ایک روایت میں طیر آیا ہے یعنی مومن کی روح پرندہ ہے۔ ان سب روایات کو کسی ایک معنی پر محمول کرنا ہوگا۔ اور اکثر روایات میں اخضر یا خضر آیا ہے۔ ایک روایت میں طیر ابیض آیا ہے یعنی سفید پرندہ۔ بہرصورت اس کے مراد معنیٰ کا ادراک قیاس عقلی سے بعید ہے۔ تاہم قدرت حق ہر چیز کو شامل ہے۔ پھر روح کا پرندے سے تعلق روح کے بدن کے ساتھ تعلق کی طرح نہیں ہے۔ یعنی جس طرح روح بدن میں تصرف و تدبیر کرتی ہے۔ تاکہ قلب حقیقت لازم آئے۔ اور ان کا مرتبہ حقیقت انسانی سے گر کر صفت حیوانی سے موصوف ہو جائے۔ یہ بات اس بنا پر نہیں کہ بدن حیوانی روح انسانی کے تصرف و تعلق کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ یہ اس وجہ سے ہے کہ جوہر روح کو اس پرندہ میں امانت کے طور پر رکھا جاتا ہے۔ جس طرح صندوق میں جواہرات رکھے جاتے ہیں اور اس طرح ان کی حفاظت و نگہداشت کی جاتی ہے۔ یہ ان ارواح کی تکریم اور انہیں نعمتوں سے سرفراز کرنے کی ایک شکل ہے۔

یہ بھی واضح ہو کہ بعض علماء اسے شہداء کی ارواح سے خاص کرتے ہیں۔ اور بعض تمام اہل ایمان کے لیے عام رکھتے ہیں۔ حدیث کا ظاہر مفہوم بھی یہی ہے۔ ان احادیث میں اس مسئلہ کی دلیل ہے کہ ارواح باقی رہتی ہیں۔ اور انہیں نعمت یا عذاب میں رکھا جاتا ہے۔ واللّٰہ اعلم۔

۱۵۲۵/۱۸ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْکَدِرِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ وَھُوَ یَمُوْتُ فَقُلْتُ اَقْرَأْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلسَّلَامَ.

حضرت محمد بن المنکدر سے روایت ہے فرماتے ہیں میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا جبکہ وہ حالت نزع میں تھے۔ تو میں نے انہیں عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں سلام عرض کرنا

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ) (ابن ماجہ)

۱؎ منکدر میم کی پیش نون ساکن دال کے نیچے زیر۔ یہ حضرت محمد بن المنکدر تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ حضرت جابر بن عبداللہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔

۳؎ یعنی میری طرف سے آپ کو سلام عرض کرنا۔

بَابُ غُسْلِ الْمَيِّتِ وَتَكْفِيْنِهٖ

غسل میت اور اس کی تکفین کا باب

یعنی میت کو غسل دینے اور کفن پہنانے کا باب۔ واضح ہو کہ غسل میت بالا جماع فرض ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ اس غسل کا وجوب میت کے ادائے حق کے لیے ہے۔ اسی بنا پر یہ فرض کفایہ ہے کہ اس کے ادائے حق میں کچھ مسلمانوں کا حق ہی کافی ہے۔ علمار کا اس میں اختلاف ہے کہ وجوب غسل کا سبب کیا ہے۔ اکثر یہ کہتے ہیں کہ میت کو اس لیے غسل نہیں دیا جاتا کہ اس پر موت طاری ہونے کی وجہ سے اس کا جسم نجس و ناپاک ہو جاتا ہے۔ بلکہ بے وضو ہو جانے کی بنا پر۔ کیونکہ موت کی وجہ سے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور عقل زائل ہو جاتی ہے کہ انسان اپنے شرف انسانی کی وجہ سے نجس و ناپاک نہیں ہوتا مگر زندہ انسان میں حدث لاحق ہونے کی صورت میں صرف چار اعضاء دھونے پر کفایت کی گئی ہے کیونکہ بار بار غسل کرنے میں حرج اور تکلیف ہے ہر بار سارا بدن دھونا مشقت کا باعث ہے۔ میت میں چونکہ یہ بات نہیں لہٰذا وہاں اصل پر عمل کیا گیا اور وہ یہ کہ اسے نہلایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نہلانا میت کے نجس ہو جانے کی وجہ سے ہے کیونکہ آدمی رگوں میں خون رکھنے والا حیوان ہے۔ تو وہ موت طاری ہونے سے نجس ہو جاتا ہے۔ جس طرح دوسرے حیوانات۔ اسی بنا پر اگر کسی نے میت کو اس کے غسل دینے سے پہلے ہاتھوں سے اٹھایا تو وہ اٹھانے والا بھی ناپاک ہو جائے گا اور اس کی نماز درست نہ ہوگی۔ اگر میت نجس و ناپاک نہ ہوتا بلکہ صرف بے وضو ہونے والی عدم طہارت ہوتی تو میت کو اٹھانے والے کے باوضو ہونے کی صورت میں اس کی نماز درست ہوتی۔ جس طرح بے وضو انسان کو اٹھانے سے وضو میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نہایت امر یہ ہے کہ مسلمان میت کو نجاست حدث سے لاحق ہوتی ہے غسل سے دور ہو جاتی ہے۔ یہ مسلمان میت کی تکریم و تعظیم کی بنا پر ہے۔ اور یہ زوال نجاست مسلمان کے ساتھ خاص ہے۔ بخلاف میت کافر کے کہ وہ غسل سے بھی پاک نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی مسلمان نے نہلائی ہوئی کافر میت کو اٹھایا تو اس کی نماز درست نہ ہوگی۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ المومن لا ینجس حیا ولا میتا۔ - - - بے شک مومن زندہ ہو یا مردہ ناپاک نہیں ہوتا۔ اس حدیث میں یہ زائد الفاظ سند کے لحاظ سے اگر درجہ صحت تک پہنچے

ہوئے ہیں۔ تو پھر اس قول کو ترجیح حاصل ہوگی کہ میت کو غسل دینا حدث کی بنا پر ہے نہ کہ نجاست کی بنا پر۔
پھر اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ غسل میت میں نیت شرط ہے یا نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ شرط ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک کلی اور ناک میں پانی چڑھانا غسل میت میں نہیں ہے۔ اسی طرح امام احمد کے نزدیک بھی نہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک ہے۔ تکفین یعنی مردے کا کفن تیار کرنا کفن کا اصل معنی ہے پشم لپیٹنا۔ کفن یعنی مردہ کے کپڑے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

١٥٤٦ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَهٗ فَقَالَ اغْسِلْنَهَا ثَلٰثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ اِنْ رَاَيْتُنَّ ذٰلِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَّاجْعَلْنَ فِي الْاٰخِرَةِ كَافُوْرًا اَوْ شَيْئًا مِّنْ كَافُوْرٍ فَاِذَا فَرَغْتُنَّ فَاٰذِنَّنِيْ فَلَمَّا فَرَغْنَا اٰذَنَّاهُ فَاَلْقٰى اِلَيْنَا حَقْوَهٗ فَقَالَ اَشْعِرْنَهَا اِيَّاهُ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلٰثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا وَابْدَاْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا قَالَتْ فَضَفَرْنَا شَعْرَهَا ثَلٰثَةَ قُرُوْنٍ فَاَلْقَيْنَاهَا خَلْفَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت ام عطیہ[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس وقت تشریف لائے جبکہ ہم آپ کی صاحبزادی کو غسل دے رہی تھیں آپ نے فرمایا اس کو غسل دو تین بار یا پانچ بار یا اس سے زیادہ اگر تم مناسب سمجھو [illegible] اور بیری کے پتوں سے اور آخر میں کافور [illegible] جب تم غسل سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔ جب ہم فارغ ہو گئیں تو ہم نے آپ کو اس کی اطلاع [illegible] ہماری طرف اپنا تہبند [illegible] اسے [illegible] کے ساتھ لگا دو [illegible] غسل دو تین [illegible] یا سات بار اور اس کے دائیں [illegible] اور وضو کے اعضاء سے شروع کرنا حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں۔ تو ہم نے ان کے بال بنا کر ان کی تین چوٹیاں کر دیں اور ہم نے ان کی پشت پر ڈال دیں۔ (بخاری و مسلم)

[1] آپ انصاری ہیں اکابر صحابیات میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ زخمیوں

کی طرح صاف کرتی اور بیماروں کی تیمارداری کرتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صاحبزادی یا تو حضرت زینب زوجہ ابوالعاص بن ربیع تھیں یا حضرت ام کلثوم زوجہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہا۔ قول اول زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے۔

؎۲ کم و تر حد دیں جو جیسا کہ روایات میں آیا ہے۔

؎۳ اسراف سے گریز کرنا۔

؎۴ اس طرح کہ بیری کے پتوں کو پانی میں جوش دینا۔ کہ ایسا کرنے سے نظافت اور طہارت اچھی طرح حاصل ہوتی ہے۔

؎۵ یہ راوی کا شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافور فرمایا یا شیئا من کافور فرمایا۔ شیخ (ابن حجر) نے کہا مراد یہ ہے کہ پانی میں کافور گھول دینا۔ جمہور علماء ایسا ہی کرنے کے قائل ہیں۔ کوفی علماء کہتے ہیں۔ کافور کو حنوط میں ڈالیں پھر غسل کے بعد بدن میت خشک ہونے پر مل دیں۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کافور میسر نہ آئے تو کوئی کسی خوشبو دیں کہ اس کے قائم مقام ہو جائے گا۔ ترمذی نے ایک حدیث بھی اس باب میں روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے دریافت کیا کہ کیا میت کو مشک ملنا جائز ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا ہو اطیب طیبکم۔ کہ وہ تمہاری سب سے اچھی خوشبو ہے۔ امام ترمذی نے کہا کہ بعض اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔ اور احمد و اسحاق کا قول ہے۔ اس کے برعکس بعض [illegible] مشک کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

؎۶ [illegible] حدیث میں لفظ حقو (حا کا زبر یا زیر اور قاف ساکن) یعنی ازار اور ازار بند دونوں کے لیے آتا ہے یہاں [illegible] ہے۔

؎۷ [illegible] کو اس کے [illegible] تاکہ اس کی برکت اسے پہنچے۔ لفظ اشعرن شعار سے بنا ہے۔ شعار اس [illegible] کہتے ہیں جو جسم اور اس کے بالوں سے لگا ہوتا ہے۔ اس حدیث میں یہ مسئلہ مذکور ہوا ہے کہ صالحین کے لباس [illegible] کے آثار و نشانات سے بعد موت قبر میں برکت حاصل کرنا مستحب ہے، جس طرح قبل موت بھی [illegible] سے برکت حاصل کرنا مستحب ہے۔ اور روایات میں آ چکا ہے۔

؎۸ [illegible] سے زیادہ بار غسل نہ دیا جائے کہ کروہ اسراف ہے۔

؎۹ شاید کہ یہ بھی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم یا اذن سے کیا یا شرع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل [illegible] معلوم تھا۔ واللہ اعلم۔

۱۵۳۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِيْ ثَلٰثَةِ اَثْوَابٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روئی کے تین کپڑوں میں کفن دیا گیا جن کا رنگ سفید تھا اور

یَمَانِیَةٍ بِیْضٍ سَحُوْلِیَّةٍ مِنْ کُرْسُفٍ لَیْسَ فِیْهَا قَمِیْصٌ وَلَا عِمَامَةٌ.	یمنی میں واقع سحول بستی کے بنے ہوئے تھے ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا
(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)	(بخاری و مسلم)

؎۱ یعنی ازار چادر اور لفافہ

؎۲ یمانیہ یمن کی طرف منسوب۔ بیض ابیض کی جمع بمعنی سفید۔

؎۳ سحولیہ سین کی زبر۔ سحول (یمن کی ایک بستی کی طرف منسوب ہے) بعض نے سحول کا معنی دھوبی کیا ہے۔ اور سحل بمعنی دھونا۔ یعنی وہ کپڑے دھوئے تھے۔ بعض نے سُحولیہ سین کی پیش سے پڑھا ہے۔ جمع سحل بمعنی سفید سوتی کپڑا پاک اور صاف ستھرا۔ مگر جمع کی طرف نسبت شاذ ہے بعض نے کہا سحولیہ (پیش سے) بھی بستی کا نام ہے۔

؎۴ حدیث میں لفظ کرسف آیا ہے۔ کاف اور سین کی پیش را ساکن بمعنی روئی۔

؎۵ حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن مبارک میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ بعض یہ تاویل کرتے ہیں کہ ان سے مراد یہ ہے کہ ان تین کپڑوں میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ بلکہ وہ ان کے علاوہ تھا اور آپ کے کفن کے مجموعہ کپڑے پانچ تھے۔ مگر اول قول زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن کے صرف تین کپڑے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے اسی کو لیا ہے۔ ہم احناف کے نزدیک بھی سنت کفن تین کپڑے ہیں۔ لیکن ہدایہ میں ان تین کپڑوں میں قمیص کو شامل کیا عمامہ کو شامل نہ کیا۔ بعض متاخرین نے معزز و اشراف لوگوں کے لیے عمامہ کو مستحسن قرار دیا ہے۔ اور کہا عمامہ کی دم اس کے ایک پہلو میں ڈالیں پشت کی جانب نہ ڈالیں جس طرح زندگی میں پشت کی جانب ڈالتے ہیں۔ اور عمامہ سے مراد وہ کپڑا ہے جس کے تین لپیٹ کئے جائیں۔ امام احمد کے نزدیک بھی کفن پانچ کپڑے ہیں تحقیق کتب فقہ میں مذکور ہے۔

۱۵۳۸/۳ وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَفَّنَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحَسِّنْ كَفَنَهُ.	حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن دے تو اسے اچھا کفن دے۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	(مسلم)

؎۱ اچھے کفن سے مکمل، پاک و صاف، سفید، اسراف و فضول خرچی سے پاک کفن مراد ہے۔ نیا اور دھویا ہوا دونوں برابر ہے اور وہ جو فضول خرچ لوگ ریا و تکبر کے طور پر کرتے ہیں وہ سخت حرام و مکروہ ہے۔

۱۵۴۹ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا کَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَوَقَصَتْہُ نَاقَتُہٗ وَھُوَ مُحْرِمٌ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اغْسِلُوْہُ بِمَآءٍ وَسِدْرٍ وَکَفِّنُوْہُ فِیْ ثَوْبَیْہِ وَلَا تَمَسُّوْہُ بِطِیْبٍ وَ لَا تُخَمِّرُوْا رَاْسَہٗ فَاِنَّہٗ یُبْعَثُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مُلَبِّیًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اسے اس کی اونٹنی نے گرایا[1] در حالت احرام میں تھا۔ وہ فوت ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور اس کے دونوں کپڑوں[2] میں اسے کفن دو اور اسے خوشبو نہ لگانا اور نہ اس کا سر ڈھانکنا[3] کیونکہ یہ شخص قیامت کے دن تلبیہ کہتے ہوئے اٹھے گا۔ (بخاری و مسلم)

وَسَنَذْکُرُ حَدِیْثَ خَبَّابٍ قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَیْرٍ فِیْ بَابِ جَامِعِ الْمَنَاقِبِ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

اور ہم حضرت خباب[5] کی حدیث کہ حضرت مصعب بن عمیر قتل کیے گئے، انشاء اللہ باب جامع المناقب[6] میں ذکر کریں گے۔

[1] اور اس کی گردن کو توڑ دیا۔

[2] یعنی اس کے احرام کے دو کپڑوں میں۔

[3] کیونکہ وہ محرم کی طرح ہے۔

[4] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم کو حالت احرام جیسا کفن ہی دیا جائے گا۔ امام احمد، شافعی کا مذہب یہی ہے مگر امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک محرم دوسرے مردوں کی طرح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فوت ہونے والے کو دو کپڑوں میں جو کفن دیا وہ ضرورت کے تحت تھا کیونکہ اور کپڑا نہ تھا اور اسے خوشبو نہ لگانا اور سر نہ ڈھانکنا صرف اس کے ساتھ خاص تھا۔ آپ نے یہ حکم سب احرام والوں کے لیے بطور تشریع نہ دیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

[5] خباب خا پر پیش، با شدہ

[6] یعنی جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے۔ کتاب کے آخر میں مناقب صحابہ میں ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۵۵۱ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلْبَسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبَیَاضَ فَاِنَّھَا مِنْ خَیْرِ ثِیَابِکُمْ وَکَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ وَمِنْ خَیْرِ اَکْحَالِکُمُ الْاِثْمِدُ فَاِنَّہٗ یُنْبِتُ الشَّعْرَ وَیَجْلُوا الْبَصَرَ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَ التِّرْمِذِیُّ وَرَوٰی ابْنُ مَاجَۃَ اِلٰی مَوْتَاکُمْ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے کپڑوں میں سے سفید کپڑے پہنو کہ وہ تمہارے کپڑوں میں سب سے بہتر کپڑے ہیں۔ اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مردوں کو کفن دو اور تمہارے بہترین سرموں میں اثمد سرمہ ہے۔ کیونکہ وہ بال اگاتا اور نگاہ کو تیز کرتا ہے۔

ابوداؤد، ترمذی ساتھ ابن ماجہ نے اسے موتاکم تک روایت کیا ہے

۱ے اثمد ہمزہ اور میم کی زیر یعنی سرمہ کا پتھر

۲ے یعنی پلکوں کے بال

۳ے سرمے اور اثمد کا انہوں نے ذکر نہ کیا۔

۱۵۵۲ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَغَالُوْا فِی الْکَفَنِ فَاِنَّہٗ یُسْلَبُ سَلْبًا سَرِیْعًا۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گراں قیمت والے کفن نہ خریدو کیونکہ کفن بہت جلد چھین لیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

۱ے یہ حدیث پاک میں واقع عربی لفظ لَا تُغَالُوْا (زنا اور سلام کی زبر) کا ترجمہ ہے۔

۲ے قبر میں بہت جلد بوسیدہ ہو جاتا ہے۔ یعنی بوسیدہ اور خراب ہو جاتا ہے۔ لہذا نفیس اور گراں قیمت کفن کی کیا ضرورت ہے۔

مقصد حدیث یہ ہے کہ کفن میں اسراف اور فضول خرچی ممنوع ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے وصیت کی تھی کہ انہیں ان کپڑوں میں ہی کفن دے دیا جائے

ابْنُ عُمَيْرٍ وَهُوَ خَيْرٌ مِنِّي كُفِّنَ فِي بُرْدَةٍ إِنْ غُطِّيَ رَأْسُهُ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَإِنْ غُطِّيَ رِجْلَاهُ بَدَا رَأْسُهُ وَأُرَاهُ قَالَ وَقُتِلَ حَمْزَةُ وَهُوَ خَيْرٌ مِنِّي ثُمَّ بُسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا بُسِطَ أَوْ قَالَ أُعْطِينَا مِنَ الدُّنْيَا مَا أُعْطِينَا وَلَقَدْ خَشِينَا أَنْ تَكُونَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِي حَتَّى تَرَكَ الطَّعَامَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

سے بہتر ہے جب شہید ہوئے تو ایسی چادر میں انہیں کفن دیا گیا کہ اگر ان کا سر ڈھکا جاتا تھا تو ان کے پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور اگر ان کے پاؤں ڈھکے جاتے تھے تو ان کا سر ننگا ہو جاتا تھا[۳] میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت حمزہ[۴] جو مجھ سے بہتر تھے وہ بھی شہید ہوئے پھر ہم پر دنیا اتنی پھیلائی گئی جتنی پھیلائی گئی[۵] یا فرمایا[۶] ہمیں دنیا اتنی ملی جو ملی ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا ثواب جلد دے دیا گیا ہو[۷]۔ پھر رونے لگے یہاں تک کہ آپ نے کھانا چھوڑ دیا[۸]۔

(بخاری)

۱؎ یعنی ابراہیم ابن عبدالرحمٰن ابن عوف سے، کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سامنے کھانا لایا گیا۔

۲؎ جو غزوۂ احد شریف میں شہید ہوئے۔

۳؎ کیونکہ وہ چھوٹی چادر تھی۔

۴؎ یعنی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مجھ سے بہت بہتر تھے مگر ان کے کفن کا کپڑا بھی بہت چھوٹا تھا چنانچہ آپ کا سر چادر سے ڈھکا گیا اور پاؤں پر گھاس ڈالی گئی۔ اس طرح ان کے پاؤں چھپائے گئے۔ جیسا کہ باب تمنی الموت کی فصل ثالث کی حدیث حارثہ بن مضرب میں گزرا۔

۵؎ چونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تونگری میں مشہور تھے۔

۶؎ یہ راوی کا اپنا شک ہے۔

۷؎ اور اگلے جہاں میں ہمارے لیے کچھ نہ ہو۔

۸؎ اور آپ نے کھانا چھوڑ دیا۔ حالانکہ آپ نے دن کو روزہ رکھا ہوا تھا۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ بوقت ضرورت جو کفن میسر آ جاسکے وہی سنت ہے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اعلیٰ اور فضلائے صحابہ میں سے تھے

بَابُ الْمَشْيِ بِالْجَنَازَةِ وَالصَّلٰوةِ عَلَيْهَا

جنازے کے ساتھ چلنے اور اس پر نماز پڑھنے کا باب

واضح ہو کہ جنازے کے ساتھ پیادہ اور سواری پر چلنا دونوں طرح جائز ہے تاہم پیدل چلنا افضل ہے اور سوار کو چاہیے کہ جنازے کے آگے چلے۔ پیدل کے لیے جنازے کے آگے اور پیچھے دونوں طرح چلنا جائز ہے۔ ہاں پیچھے پیچھے چلنا افضل ہے اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے کیونکہ اس نماز کی غرض و غایت میت کے حق کی ادائیگی ہے جو کچھ مسلمانوں کے پڑھ لینے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر نماز جنازہ کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں۔ میت کا مسلمان ہونا۔ اس کا پاک ہونا۔ اور اس کا نمازی کے آگے ہونا۔ ان شرائط کی رو سے غائب پر اور سواری پر رکھے ہوئے اور نمازی کے پیچھے پڑے ہوئے جنازہ پر نماز درست نہ ہوگی۔ اور جب کسی میت کو بے غسل دفن کر دیا گیا اور قبر اکھیڑنے کے بغیر اس کا باہر نکالنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں طہارت کی شرط ساقط ہو جاتی ہے۔ اور قبر پر بے غسل نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اور اگر قبر اکھیڑے بغیر میت کو نکالنا ممکن ہو تو پھر اسے نکال کر غسل دیں اور نماز جنازہ پڑھیں اور اگر نماز جنازہ بے غسل اس کی نماز جنازہ پڑھی پھر اکھیڑنے کے بغیر اسے باہر نکال کر غسل دیا گیا تو اب اس کی نماز جنازہ دوبارہ پڑھیں [illegible] غائب پر نماز جنازہ جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھنے کی بحث [illegible] آرہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۵۵۷ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَیْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا اِلَیْهِ وَاِنْ تَكُ سِوٰی ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهٗ عَنْ رِقَابِكُمْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنازے کو جلد پہنچاؤ کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو بہتر ہے کہ تم اسے پہنچاؤ اس بھلائی کی طرف اور اگر وہ اس کے سوا کچھ اور ہے تو اسے جلد پہنچانا رفع شر کا ذریعہ ہے جسے تم اپنی گردنوں سے اتار ڈالتے ہو۔

(بخاری و مسلم)

ـلہ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ میت کو دفنانے تک بیٹھے رہا جائے۔ بعض نے کہا جلدی سے تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا مراد ہے مگر حدیث سیاق کا رخ معنی اول کی جانب ہے جیسا کہ فرمایا۔ الی آخرہ۔

۱۵۵۸ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ فَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلٰی اَعْنَاقِهِمْ فَاِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ قَدِّمُوْنِیْ وَاِنْ كَانَتْ غَیْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ لِاَهْلِهَا یَا وَیْلَهَا اَیْنَ تَذْهَبُوْنَ بِهَا یَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَیْءٍ اِلَّا الْاِنْسَانَ وَلَوْ سَمِعَ الْاِنْسَانُ لَصَعِقَ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میت کو قبرستان لے جانے کے لیے رکھا جاتا ہے اور مرد اسے اپنی گردنوں پر اٹھا لیتے ہیں۔ اگر میت نیک ہوتی ہے تو کہتا ہے مجھے آگے بڑھاؤ[1] اور اگر نیک نہیں ہوتا تو اپنے اہل سے کہتا ہے ہائے افسوس[2] اسے کہاں لے جاتے ہو انسان کے سوا اس کی آواز ہر چیز سنتی ہے[3] اور اگر انسان سن لے تو ہلاک ہو جائے[4] (بخاری)

ـلہ یعنی روح عالم کی طرف یعنی اس کے جسم کی طرف گفتگو کی نسبت مجازی ہے حقیقت میں یہ کلام کرنے والی روح ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت روح کو بھی اس کے جسم کے ساتھ متصل کر دیا جاتا ہو۔ واللہ اعلم۔

ـلہ ظاہر یہ ہے کہ وہ کہتا ہے یا ویل مجھے کہاں لے جاتے ہو۔ مگر جب کہ وہ اپنے آپ کو غیر صالح دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو اپنے سے الگ تصور کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ راوی کا تصرف ہو۔ تاکہ ویل کی نسبت اس کی اپنی طرف نہ ہو۔ ویل کا معنی ہے افسوس، سختی اور دوزخ میں ایک وادی کا نام ہے۔

ـلہ حیوانات نباتات بلکہ جمادات تک سب اس کی آواز سنتے ہیں۔ کہ اس کے مکلف ہونے کی بنا پر یہ جائز اس سے پوشیدہ رکھی جاتی ہے کہ ایمان بالغیب کی خاطر اس آواز کا اس سے پوشیدہ رکھنا مناسب ہے۔

ـلہ اس آواز کی ہیبت اور وحشت کے باعث۔

۱۵۵۹ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَیْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا

انہی سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ[1]۔ اور جو جنازے کے ساتھ

ےہ یعنی اسے بہت اجر و ثواب ملے گا۔ دینار کے بارہویں حصہ کو قیراط کہتے تھے اس کے مطابق ایک قیراط دانق کا نصف ہوگا کہ دانق دینار کے چھٹے حصہ کو کہتے ہیں بعض نے قیراط کو دینار کا چوبیسواں حصہ کہا ہے اس حساب سے ایک قیراط دانق کا چوتھا حصہ ہوگا۔

ےہ یہ عظیم فضیلت و ثواب کی تصویر و تمثیل ہے۔

ےہ یعنی اس کا ثواب اجر اول سے نصف ہوتا ہے۔

۱۵۶۲/۷ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَى لِلنَّاسِ النَّجَاشِيَّ الْيَوْمَ الَّذِي مَاتَ فِيهِ وَخَرَجَ بِهِمْ اِلَى الْمُصَلّٰى فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ اَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نجاشی کا ست کے مرنے کی خبر دی اور آپ لوگوں کے ساتھ عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے اور لوگوں کی صفیں بنائیں اور چار تکبیریں کہیں۔

لہ نجاشی یہ ملک حبشہ کا بادشاہ تھا اور عیسائی تھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا [illegible] ہجرت کی اور اس نے ان کی بڑی خدمت کی۔ نجاشی در اصل بادشاہ حبشہ کا لقب تھا۔ اس کا نام اصحمہ تھا۔ نجاشی [illegible] ہے کہ نون کی زیر جیم اور یا مخفف جس دن یہ نیک بخت انسان دنیا سے رخصت ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] لوگوں کو اس کے وصال کی اطلاع دے دی۔

ےہ یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے [illegible] کہ نجاشی کی میت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت غائب نہ تھی۔ بلکہ اس کا جنازہ [illegible] اور نجاشی کے درمیان واقع تمام پردے اٹھا دیے گئے تھے اور صرف امام [illegible] وسلم سے نجاشی کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ کے غائبانہ نماز جنازہ کی روایت بھی آئی ہے۔ جیسے [illegible] اللہ عنہ جو مدینہ میں فوت ہوئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں تھے اور [illegible] جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہما کہ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی [illegible] کے اسناد میں کلام ہے اور اگر ان کی صحت تسلیم کر لی جائے تو پھر غائبانہ نماز جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص قرار دی جائے گی۔ آج کل حرمین شریفین زادہما اللہ تعالیٰ تشریفاً و تعظیماً میں نماز جنازہ غائبانہ متعارف ہو گیا ہے [illegible] بعض حنفیہ بھی پڑھتے ہیں۔

۱۵۶۴ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی[1] قَالَ کَانَ زَیْدُ بْنُ اَرْقَمَ یُکَبِّرُ عَلٰی جَنَائِزِنَا اَرْبَعًا وَاِنَّهٗ کَبَّرَ عَلٰی جَنَازَةٍ خَمْسًا فَسَاَلْنَاهُ فَقَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُکَبِّرُهَا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابو لیلی سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت زید بن ارقم[2] رضی اللہ عنہ ہمارے جنازوں پر چار تکبیر پڑھتے تھے۔ اور انہوں نے ایک جنازہ پر پانچ تکبیریں پڑھیں۔ تو ہم نے ان سے سوال کیا[3] آپ نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا بھی کرتے تھے[4] (مسلم)

[1] آپ اکابر تابعین میں سے ہیں ایک سو بیس صحابہ کرام کو دیکھا تھا آپ حضرت علی بن ابو طالب حضرت عثمان بن عفان وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ تابعین کوفہ میں سے تھے اپنے وقت کی بے نظیر شخصیت تھے۔

[2] حضرت زید بن ارقم مشہور صحابہ میں سے ہیں۔

[3] کہ آپ ہمیشہ چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ آج پانچ تکبیریں کیوں کہیں۔

[4] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی پانچ تکبیریں بھی کہا کرتے تھے۔ ائمہ اربعہ کا چار تکبیر نماز جنازہ پر اتفاق ہے تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے اس سے زائد بھی مروی اور منقول ہیں۔ علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے آخر جو مروی اور منقول ہے وہ چار تکبیریں ہیں اور اسی پر اتفاق ہے۔ شرح عربی میں یہاں اس سے زائد کلام کیا گیا ہے۔

۱۵۶۵ وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَوْفٍ[1] قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰی جَنَازَةٍ فَقَرَاَ بِفَاتِحَةِ الْکِتٰبِ فَقَالَ لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ. (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ایک جنازہ پڑھا۔ آپ نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور فرمایا[2] تاکہ تم لوگ جان لو کہ یہ سنت ہے۔ (بخاری)

[1] حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف مشہور صحابی ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے برادر زادہ ہیں۔

[2] یعنی میں نے سورۃ فاتحہ اس لیے پڑھی ہے تاکہ تم جان لو کہ نماز جنازہ میں اس کا پڑھنا سنت ہے۔ واضح ہو کہ علماء

تاکہ میں بھی اس پر نماز جنازہ پڑھ سکوں۔

ؔ۲ کہ وہ مسجد میں اس پر نماز جنازہ پڑھیں۔

ؔ۳ ان کے انکار کی تردید کے لیے۔

ؔ۴ ایک کا نام سہیل اور دوسرے کا سہل تھا۔ یہ دونوں بھائی ہیں۔ ماں کی نسبت سے مشہور ہیں اور ان کے باپ کا نام وہب بن ربیعہ ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے لوگوں کا اس عمل مبارک کو جلد فراموش کر دینے پر تعجب ہے۔

واضح ہو کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے خواہ میت اور اس پر نماز پڑھنے والے دونوں مسجد میں ہوں یا نمازی مسجد میں ہوں اور میت مسجد سے باہر ہو۔ یا امام یا بعض نمازی مسجد سے باہر ہوں اور میت اور کچھ لوگ مسجد کے اندر ہوں یا میت مسجد میں ہو اور امام و قوم مسجد سے خارج ہوں اس مطلق کراہت کی وجہ یہ ہے کہ مسجد نماز فرض ادا کرنے کے لیے ہے اور اس کے متعلقات نوافل، ذکر اور درس تعلیم کے لیے بنائی جاتی ہے۔ بعض نے کہا مکروہ نہیں جب کہ میت مسجد سے باہر ہو۔ اس قول کی بنا پر کہ کراہت کی وجہ یہ ہے کہ میت کے مسجد میں ہونے کی صورت میں مسجد کے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ قول اول [illegible] کے زیادہ موافق ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی۔ اول زیادہ ظاہر ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نماز جنازہ مسجد میں بلا کراہت جائز ہے۔ امام مالک کا مذہب احناف کے موافق ہے [illegible] اس بارے میں ہم نے کوئی نص نہیں پائی۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ امام شافعی کے ساتھ ہیں۔ امام شافعی کی دلیل یہی حدیث ہے جو کتاب میں مذکور ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جو شخص جنازے پر مسجد میں نماز پڑھتا ہے اسے کوئی ثواب نہیں ملتا اور حضرت عائشہ کی حدیث ایک مخصوص واقعہ ہے [illegible] نہیں ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] نماز جنازہ ادا کی۔ ہو سکتا ہے کسی ضرورت کے تحت آپ نے ایسا کیا ہو جیسا کہ بارش تھی۔ [illegible] ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معتکف تھے۔ اس وجہ سے آپ نے مسجد میں نماز جنازہ ادا کی۔ [illegible] یا یہ کہ جنازہ مسجد سے باہر تھا۔ اس صورت میں خود حنفیہ کے درمیان [illegible] اختلاف ہے۔ علامہ [illegible] کا مصلا مسجد سے متصل ایک مکان میں تھا۔ لہٰذا یہ احتمال موجود ہے کہ [illegible] نماز جنازہ [illegible] ہونے کی نسبت سے کہہ دیا گیا ہو۔ اور یہ جو مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جنازہ [illegible] مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں کے پاس رکھا گیا۔ یہ بھی قریب مسجد پر مبنی ہے۔ اور ظاہر [illegible] اس روایت کا مبنی یہی ہے کہ جو حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی مسجد نماز جنازہ کے لیے تیار کی گئی ہو تو اس میں بلا کراہت

نماز جنازہ جائز ہے پھر صحابہ و تابعین کا انکار ان [illegible] کثرت کے باوجود اس امر کی دلیل ہے کہ بعد میں مسئلہ مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھنے پر قرار پذیر ہو گیا اور مسجد میں پڑھنا منسوخ ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لوگوں سے [illegible] کرنا ان کا [illegible] حضرت عائشہ فعل سابق کو فراموش کر چکی تھیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے شرح عربی میں یہاں اس سے بڑھ کر گفتگو کر دی گئی ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

۱۰۴۴ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى امْرَأَةٍ مَاتَتْ فِي نِفَاسِهَا فَقَامَ وَسَطَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ایک عورت پر نماز جنازہ پڑھی جو ایام نفاس میں مری تھی۔ تو اس کے وسط[1] کے برابر کھڑے ہوئے۔ (بخاری و مسلم)

[1] لفظ وسط مشہور روایت کے مطابق سین کی زبر سے ہے۔ سین ساکن بھی ایک روایت ہے۔ وسط بمعنی درمیان اور وسط بمعنی درمیان۔ جیسا کہ بعض فرماتے ہیں [illegible] ہے کہ متحرک ساکن ہے یعنی جو ایک ہی ہے۔ حرکت نہیں کرتا اور ایک جگہ [illegible] نہیں [illegible] ساکن متحرک ہے۔ یعنی [illegible] میں رہتا ہے۔ اور متعدد مواضع میں موجود ہوتا ہے [illegible] امام شافعی [illegible] کی دلیل ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ امام کے لیے مستحب ہے کہ عورت کی سرین کے بالمقابل کھڑا ہو احناف کا مذہب یہ ہے کہ میت مرد ہو یا عورت اس کے سینے کے مقابل کھڑا ہو۔ شیخ ابن الہمام [illegible] حدیث سینے کے بالمقابل کھڑے ہونے کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اعضا کے اعتبار سے سینہ وسط [illegible] اوپر ہاتھ اور سر ہے اور سینے سے نیچے پیٹ اور رانیں ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سینے کے بالمقابل کھڑے ہوئے ہوں ذرا سرین کی طرف مائل ہو کر۔ اس سے راوی نے یہ گمان کر لیا کہ آپ [illegible] کے قریب قریب ہونے کی وجہ سے۔ علامہ شمنی نے کہا کہ حضرت ابو حنیفہ [illegible] مستحب ہے کہ امام عورت کی سرین کے سامنے کھڑا ہو۔ جیسا کہ ایک جماعت کا مذہب ہے

۱۰۴۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِقَبْرٍ دُفِنَ لَيْلًا فَقَالَ مَتٰى دُفِنَ هٰذَا قَالُوا الْبَارِحَةَ قَالَ اَفَلَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزرے جسے رات کو دفن کیا گیا تھا۔ آپ نے پوچھا یہ مردہ کب دفن کیا گیا ہے۔ لوگوں نے عرض کی گزشتہ رات۔ فرمایا تم نے مجھے اس کی اطلاع کیوں

۳؎ یہ راوی کا شک ہے کہ جھاڑو دینے والی عورت تھی یا مرد تھا۔

۳؎ بعض نسخوں میں حدیث کا لفظ فقدتھا از فقدہ ہے۔

۴؎ یہ راوی یعنی حضرت ابوہریرہ کا قول ہے۔ یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صحابہ نے اس عورت یا اس مرد کی شان معمولی سمجھی اور اسے حقیر خیال کیا۔ اور یہ خیال کیا کہ یہ عورت یا مرد اس لائق نہیں کہ اس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دی جائے۔ اس میں بھی درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تکریم صحابہ کرام کے ملحوظ خاطر تھی۔

۵؎ واضح ہو کہ قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء اس پر ہیں کہ جائز ہے اس سے پہلے اس پر نماز پڑھی گئی ہو یا نہ پڑھی گئی ہو۔ ابراہیم نخعی امام ابوحنیفہ امام مالک اس پر ہیں اگر پہلے نہیں پڑھی گئی تو قبر پر پڑھنا درست ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت میں ایسا ہی آیا ہے۔ اور امام مالک سے ایک روایت ہے کہ جو شخص ایک بار پڑھ چکا ہو وہ دوبارہ شامل نہ ہو۔ اور جنہوں نے نہیں پڑھی وہ اس کی قبر پر پڑھ سکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ قبر پر نماز جنازہ اس وقت تک پڑھنا جائز ہے جب تک کہ پھٹ گل نہ جائے۔ اس کا اندازہ انہوں نے تین دن تک لگایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال میں کہ اسے کب دفن کیا گیا ہے۔ اسی معنی کی جانب اشارہ ہو سکتا ہے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں کہ احادیث میں قبر پر نماز کا جو ذکر آیا ہے وہ نماز کے طور پر نہیں تھی بلکہ دعا و استغفار کے طور پر ہے۔ اسی بنا پر بعض روایات میں تکبیرات کا ذکر نہیں ہے۔ اور جس روایت میں تکبیرات کا ذکر آیا ہے وہ صحیح نہیں۔ اور جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال کے بعد شہداء احد پر نماز پڑھی تھی۔ وہ آپ کی ان پر الوداعی دعا تھی نہ کہ نماز یا وہ نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھی حتی کہ بعض علماء اسی جانب گئے ہیں کہ قبر پر نماز پڑھنا مطلقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ ان اللہ ینورھا لھم بصلوتی علیھم (بے شک اللہ تعالےٰ میرے ان پر نماز پڑھنے سے ان کی قبروں کو ان کے لیے روشن منور کر دیتا ہے) سے مفہوم ہوتا ہے۔

۱۵ وَعَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ مَاتَ لَهُ ابْنٌ بِقُدَيْدٍ أَوْ بِعُسْفَانَ فَقَالَ يَا كُرَيْبُ انْظُرْ مَا اجْتَمَعَ لَهُ مِنَ النَّاسِ قَالَ فَخَرَجْتُ	حضرت کریب مولا ابن عباس سے وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا مقام قدید یا عسفان میں فوت ہو گیا تو آپ نے فرمایا اے کریب دیکھ کر لوگ اس کے لیے کتنی تعداد میں اکٹھے ہو گئے ہیں حضرت کریب کہتے ہیں میں باہر نکلا۔ تو دیکھا کہ لوگ جمع

لہ گزشتہ روایت میں چالیس کا عدد مذکور ہوا۔ گویا چالیس کم سے کم مقدار ہے جن کی شفاعت و دعا قبول ہوتا ہے اور سو کی تعداد اکثر مقدار ہے۔ علامہ تور پشتی رحمۃ اللہ نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ اصل عدد بیان میں متاخر ہونا چاہیے کہ اس میں اس کے بندوں پر فضل و کرامت اور عزت افزائی کا اظہار ہے۔

۱۵۴۱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرُّوْا بِجَنَازَةٍ فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَبَتْ ثُمَّ مَرُّوْا بِاُخْرٰى فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرًّا فَقَالَ وَجَبَتْ فَقَالَ عُمَرُ مَا وَجَبَتْ فَقَالَ هٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا فَوَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَهٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ لوگ ایک جنازے کے پاس سے گزرے تو اس کی صفت و ثنا کی اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہو گئی۔ پھر ایک اور جنازے کے پاس سے لوگ گزرے تو اس کی برائی بیان کی تو حضور نے فرمایا واجب ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیا چیز واجب ہو گئی فرمایا یہ پہلا شخص وہ ہے جس کی تم نے اچھی صفت و ثنا کی تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ اور اس دوسرے شخص کی تم نے برائی بیان کی تو اس کے لیے دوزخ واجب ہو گئی۔ تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو[1]

(بخاری و مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَلْمُؤْمِنُوْنَ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ۔

اور ایک روایت میں ہے مومن زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں۔

لہ تم لوگ جس کے جنتی ہونے کی گواہی دو گے وہ جنتی ہے اور جس کے دوزخی ہونے کی گواہی دو گے وہ دوزخی ہے۔

لہ صحیح یہ ہے کہ مومنین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اہل خیر و صلاح اور صدق و تقویٰ ہیں۔ اور ان میں کسی نفسانی غرض کا دخل نہ ہو سکتا ہے لوگوں کی گواہی ان مردوں کے جنتی ہونے کی علامت ہے۔ ورنہ اگر بعض فاسق و فاجر کسی غرض کے تحت کسی فاسق و فاجر کی صفت و ثنا کریں۔ یا کسی نیک انسان کی مذمت و برائی کریں تو ان کی گواہی کا کوئی اعتبار نہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق جنتی ہونے کا جو حکم صادر فرمایا وہ ان کی حقیقت حال پر مطلع ہونے کی بنا پر کیا۔ واللہ اعلم۔

۱۵۷۳ وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهٗ اَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ قُلْنَا وَ ثَلٰثَةٌ قَالَ وَ ثَلٰثَةٌ قُلْنَا وَاثْنَانِ قَالَ وَاثْنَانِ ثُمَّ لَمْ نَسْاَلْهُ عَنِ الْوَاحِدِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلم کے نیک ہونے کی گواہی چار آدمی دیں اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا ہم نے عرض کیا اگر تین آدمی گواہی دیں فرمایا اگر تین آدمی اس کے خیر اور نیک ہونے کی گواہی دیں (تو بھی اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا) ہم نے عرض کیا اگر دو آدمی اس کے نیک ہونے کی گواہی دیں فرمایا اگر دو آدمی گواہی دیں (تو بھی اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا) پھر ہم نے آپ سے ایک آدمی کے بارے میں سوال نہ کیا[1] (بخاری)

[1] اور ممکن ہے کہ اگر صحابہ کرام ایک آدمی کی گواہی کے بارے میں سوال کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کی گواہی پر بھی اسے جنتی قرار دے دیتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ خبر بشارت اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت و امید اللہ بندوں پر اس کے فضل و کرم کا بیان ہے۔ اور اس امر کا بیان ہے کہ بندوں کو اس کی درگاہ و رحمت سے توقع اور امید وابستہ رکھنی چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ جب صحابہ کرام نے تین اور دو آدمیوں کی گواہی کا سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ خداوندی میں توجہ اور التماس کی ہو تو اللہ کی طرف سے وحی نازل ہو گئی ہو کہ ایسا ہی ہو گا جس طرح اسے حبیب تو کہہ رہا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب خداوندی سے راضی اور خوش اور اللہ تعالیٰ آپ سے راضی اور خوش ہے۔ اور آپ اس کی درگاہ میں محب و محبوب ہیں۔ آیہ کریمہ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى اس شان کا مظہر امتیاز ہے۔

۱۵۷۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّهُمْ قَدْ اَفْضَوْا اِلٰى مَا قَدَّمُوْا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں کو گالیاں نہ دو کیونکہ انھوں نے جو کچھ آگے بھیجا اس تک پہنچ گئے ہیں۔[1] (بخاری)

لہ یعنی انہوں نے اپنے اعمال کی جزا پالی ہے۔ اگر ان کے اعمال نیک اور خیر ہیں تو انہیں بدی سے یاد کرنا ٹھیک نہیں اور اگر ان کے اعمال برے ہیں تو ہو سکتا ہے انکی بخشش ہو چکی ہو اور اگر ان کی بخشش نہ ہوئی ہو تو تمہارا انہیں برائی سے یاد کرنا لا یعنی کام میں مشغول ہونے کے مترادف ہے۔

۱۵۵۵ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلٰى اُحُدٍ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ ثُمَّ يَقُوْلُ اَيُّهُمْ اَكْثَرُ اَخْذًا لِّلْقُرْاٰنِ فَاِذَا اُشِيْرَ لَهٗ اِلٰى اَحَدِهِمَا قَدَّمَهٗ فِى اللَّحْدِ وَقَالَ اَنَا شَهِيْدٌ عَلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ اَمَرَ بِدَفْنِهِمْ بِدِمَآئِهِمْ وَ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ وَ لَمْ يُغَسَّلُوْا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد کے دو آدمیوں کو ایک کپڑے (کفن) میں اکٹھا کرتے تھے لہ پھر آپ دریافت کرتے تھے کہ ان دونوں میں قرآن زیادہ کس نے حاصل کیا ہے۔ جب آپ کو بتلایا جاتا تو آپ اسے قبر میں پہلے اتارتے تھے۔ اور آپ نے فرمایا قیامت کے دن میں ان پر گواہ ہوں گا۔ اور آپ نے انہیں خون آلود حالت میں دفن کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اور ان پر نماز نہ پڑھی۔ اور نہ انہیں غسل دیا گیا۔

(بخاری)

لہ بعض نے کہا ایک کپڑے سے ایک قبر مراد ہے۔ کیونکہ انہیں برہنہ کرنا جائز نہیں۔ اس طرح کہ دونوں کے بدن ایک دوسرے کے ساتھ لگ جائیں۔ خطابی نے کہا ضرورت کے تحت ایسا کرنا جائز ہے۔ جس طرح ایک قبر میں دو مردوں کو دفن کرنا۔

لہ گویا وہ دوسرے کا امام ہے۔ اس لیے اسے پہلے قبر میں قبلہ رخ رکھا جاتا دوسرے کو اس کے پیچھے۔ کیونکہ وہ دوسرے کی نسبت زیادہ قاری ہوتا تھا۔

لہ یہ کہ راہ خدا میں شہید ہوئے ہیں۔

لہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شہید کے لیے غسل نہیں ہے۔ اور اس پر نماز جنازہ بھی نہ پڑھی جائے گی۔ غسل نہ دینا تو متفق علیہ مسئلہ ہے مگر نماز جنازہ نہ پڑھنے میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ نہیں ہے۔ امام احمد سے اس بارے میں دو قول ہیں ان کا مشہور و مختار مذہب نماز نہ پڑھنا ہے۔ اور ایک قول میں دونوں باتوں کا اختیار ہے۔ کیونکہ اس بارے میں دلائل

متعارض ہیں۔ مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں کہ شافعیہ میں آپس میں اختلاف ہے کہ شہید پر نماز پڑھنے کی ممانعت یعنی حرمت ہے یا یہ کہ واجب و ضروری نہیں۔ اور امام احمد کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں اس باب میں ان آئمہ کی دلیل یہ حدیث ہے جو کہ کتاب میں مذکور ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی دلیل بہت سی احادیث ہیں جو شہید پر نماز پڑھنے کے بارے میں آئی ہیں۔ خصوصاً قصہ احد میں علماء فرماتے ہیں کہ یہ احادیث ایک مسئلے کو ثابت کرتی ہیں اور حضرت جابر کی حدیث اس کی نفی کرتی ہے۔ اور ثابت کرنے والی دلیل نفی کرنے والی دلیل سے مقدم ہے۔ علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر اس دن مصروف تھے۔ کیونکہ ان کے والد اور ماموں دونوں قتل ہو چکے تھے۔ اس وجہ سے آپ مدینہ آ چکے تھے۔ تاکہ ان کی تدبیر کریں اور ان کو اٹھا کر آپ مدینہ طیبہ لے آئے تھے اور وہ حضرات صحابہ جو احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہی رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک کا مشاہدہ کیا وہ اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ حضور نے شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھی۔ علامہ شمنی فرماتے ہیں کہ حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی اور اسے صحیح قرار دیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور ان کا حال جو دین کے دشمنوں نے کر رکھا تھا، دیکھا تو آپ نے آہ و زاری کی اور رو پڑے اور انصار میں سے ایک شخص نے جو اس وقت حاضر خدمت تھا اپنا کپڑا ان کے چہرہ مبارک پر ڈالا۔ اور نماز پڑھی۔ شیخ ابن ہمام اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ اس کے بعد آپ نے شہداء پر نماز جنازہ پڑھی پھر انہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں رکھ دیا گیا۔ اور ان پر نماز پڑھی گئی۔ پھر انہیں اٹھا لیا گیا اور حضرت حمزہ کو ان کی جگہ ہی رہنے دیا گیا۔ حتیٰ کہ آپ نے تمام شہداء احد پر نماز پڑھی علام نے کہا کہ اس حدیث کو حضرت جابر نے روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ مختصر یہ کہ شہداء پر نماز پڑھنے کی احادیث راجح تر اور غالب تر ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۵۷۶/۲۱ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِفَرَسٍ مُعْرَوْرٍ فَرَكِبَهُ حِيْنَ انْصَرَفَ مِنْ جَنَازَةِ ابْنِ الدَّحْدَاحِ وَنَحْنُ نَمْشِيْ حَوْلَهُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بے زین گھوڑے کے پاس تشریف لائے جب کہ آپ ابن دحداح کے جنازے سے واپس ہوئے۔ تو آپ سوار ہو گئے اور ہم آپ کے اردگرد پیادہ چل رہے تھے۔

(مسلم)

۱؎ آپ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔

۲؎ یعنی حضرت ثابت بن الدحداح رضی اللہ عنہ کے جنازہ سے، آپ صحابی ہیں۔ جنازہ سے جاتے وقت حضور

صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے پر سوار نہ ہوئے۔ اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ملائکہ پیادہ چل رہے ہیں۔ اس لیے سوار ہونا مناسب نہیں۔ حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ واپسی کے وقت آپ سوار ہو گئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۱۵۴۷/۲۲ - عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاکِبُ یَسِیْرُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَ الْمَاشِیْ یَمْشِیْ خَلْفَهَا وَ اَمَامَهَا وَ عَنْ یَمِیْنِهَا وَ عَنْ یَسَارِهَا قَرِیْبًا مِنْهَا وَالسِّقْطُ یُصَلّٰی عَلَیْهِ وَیُدْعٰی لِوَالِدَیْهِ بِالْمَغْفِرَةِ وَ الرَّحْمَةِ۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوار جنازے کے پیچھے چلے اور پیادہ جنازے کے پیچھے، آگے دائیں بائیں قریب قریب چلے، ناکمل بچہ جو پیٹ سے گر گیا۔ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ اور اس کے والدین کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کی جائے[۲]

(ابوداؤد)

وَ فِیْ رِوَایَةِ اَحْمَدَ وَالتِّرْمِذِیِّ وَالنَّسَائِیِّ وَابْنِ مَاجَةَ قَالَ الرَّاکِبُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَ الْمَاشِیْ حَیْثُ شَاءَ مِنْهَا وَالطِّفْلُ یُصَلّٰی عَلَیْهِ وَ فِی الْمَصَابِیْحِ عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ زِیَادٍ۔

اور احمد، ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے سوار جنازے کے پیچھے چلے اور پیادہ جیسے چاہے چلے۔ اور بچہ پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اور مصابیح میں اس حدیث کو حضرت مغیرہ بن زیاد سے روایت کیا۔

[۱] عربی متن میں لفظ سقط آیا ہے جو سقوط سے نکلا ہے۔ سقوط یعنی گرنا اور بچہ کا پیٹ سے گر جانا۔ لفظ سقط سین کی زیر اور پیش اور زبر۔ تینوں طرح پڑھا گیا ہے۔

[۲] یعنی اس کے والدین کے لیے دعاء مغفرت و رحمت کی جائے۔ احناف اور شوافع کے نزدیک ساقط شدہ حمل پر اس وقت نماز جنازہ پڑھی جائے گی جب کہ وہ آواز دے اور اس سے ایسی چیز ظاہر ہو جو اس کے زندہ

ہونے پر دلالت کرے جیسے حرکت یا آواز جیسا کہ باب کے آخر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آرہا ہے۔ امام احمد کے نزدیک اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اگرچہ اس سے کوئی آواز نہ نکلی ہو اور نہ کوئی ایسی علامت ظاہر ہو جو اس کی زندگی پر دلالت کرے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ اس میں مطلقاً نماز جنازہ کا ذکر آیا ہے اس کے زندہ ہونے کی کوئی قید اس میں مذکور نہیں۔ ان کی دوسری دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو اس حقیقی میں آئی ہے اور کہا ہے کہ جب بچہ کو شکم میں چار ماہ گزر جائیں تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ اگرچہ پیٹ سے باہر آنے کے وقت وہ زندہ نہ ہو۔ کیونکہ اس میں روح داخل ہو چکی ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس قدر ہے کہ وہ مردہ پیدا ہوا ہے۔ اور مردہ پر ہی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ عرف میں مردہ اسے کہتے ہیں جو زندہ پیدا ہوا ہو اور بعد میں مرے۔

سلے یعنی پیچھے یا آگے دائیں یا بائیں۔

سکے اس روایت میں سقط کے بجائے لفظ طفل واقع ہوا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں طفل سے بھی سقط (ساقط شدہ حمل) ہی مراد ہے۔ ورنہ طفل پر نماز پڑھنے میں کیا اختلاف ہے (کوئی اختلاف نہیں) اور ہو سکتا ہے کہ طفل سے حقیقی طفل مراد ہو اور اس کی نماز جنازہ کا ذکر اس لیے کیا ہو تاکہ اس وہم کو دور کیا جائے کہ بچہ مرحوم و مغفور ہوتا ہے پھر اس کی نماز جنازہ کی کیا حاجت ہے۔ واللہ اعلم۔

ھے علماء نے کہا ہے کہ یہ تحریف ہے اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ تحریف کہاں واقع ہوئی کیونکہ زیاد بن جبیر بن زیاد بالکل مجہول آدمی ہے کہ نہ تو صحابہ میں سے ہے نہ تابعین میں سے۔ پھر یہ حدیث سنن ابوداؤد میں زیاد بن جبیر عن ابیہ عن المغیرہ بن شعبہ واقع ہوئی ہے۔ گویا بعض کاتبین کو اس میں خبط واقع ہو گیا۔ پھر جو لوگ علم حدیث میں احتیاط کے پابند نہیں وہ اس غلطی کی اقتدا کرتے چلے گئے۔ جیسا کہ علامہ توربشتی رحمۃ اللہ نے کہا۔ واللہ اعلم۔

۱۵۷۸/۲۳ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ يَمْشُونَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ وَأَهْلُ

حضرت زہری سے وہ سالم سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ سالم کے باپ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ یہ جنازہ کے آگے آگے چلتے تھے۔

احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ

اور ترمذی نے کہا کہ محدثین کرام گویا خیال

الْحَدِيْثَ كَأَنَّهُمْ يَعُدُّونَهُ مُرْسَلًا۔ کرتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے۔[1]

[1] کیونکہ اس کا راوی زہری ہے۔ یا سالم جو تابعین سے ہے مگر فی الواقع یہ حدیث مرفوع ہے۔ کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی سے مروی ہے۔

۱۵۴۹/۲۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَنَازَةُ مَتْبُوْعَةٌ وَلَا تُتْبَعُ وَلَيْسَ مَعَهَا مَنْ تَقَدَّمَهَا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنازے کے پیچھے چلنا چاہیے جنازے کو پیچھے نہ کرنا چاہیئے۔[1] اور وہ شخص جو جنازے کے آگے چلتا ہے وہ اس کے ساتھ نہیں۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ۔ ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ

قَالَ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ مَاجِدٍ الرَّاوِيْ رَجُلٌ مَجْهُوْلٌ۔ ترمذی نے کہا کہ[2] ابوماجد راوی مجہول آدمی ہے۔

[1] یہ جنازے کے پیچھے چلنے کی تاکید ہے۔ پھر دوبارہ تاکید فرمائی کہ وہ شخص جنازے کے ساتھ ہی نہیں جو جنازے کے آگے چلتا ہے اور اسے جنازے کی ہمراہی کا ثواب بھی نہیں ملتا

[2] یعنی امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا اور کہا کہ ابوماجد جو راوی ہے مجہول آدمی ہے۔ اسے کوئی نہیں جانتا۔ پھر مجہول دو قسم ہے۔ ایک مجہول العین) دوسرا مجہول الحال۔ مقدمہ میں ان دونوں قسموں کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ نسائی نے کہا یہ منکر الحدیث ہے۔ بخاری نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔ اس کی حدیث جنازے کے ساتھ چلنے کے بارے میں آئی ہے۔

واضح ہو کہ علماء کا جنازہ کے ساتھ چلنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہما اللہ تعالیٰ اس پر ہیں کہ جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب تر ہے۔ امام ثوری اور ایک گروہ کہتا ہے کہ آگے پیچھے دونوں طرح چلنا برابر ہے۔ امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جنازے کے آگے چلنا افضل ہے جیسا کہ شمنی نے کہا۔ جنازے کے پیچھے چلنے کی دلیل وہ متعدد احادیث ہیں جو اس باب میں آئی ہیں اور اس بنا پر کہ جنازے کے پیچھے چلنا عبرت گیری اور وعظ و نصیحت اور تفکر و تدبر میں زیادہ ظاہر اور زیادہ موثر ہے نیز مدد اور معاونت کے زیادہ قریب ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی سے نقل کیا کہ میں ایک جنازے میں تھا اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جنازے کے آگے اور حضرت علی جنازے کے پیچھے چل رہے تھے۔ میں نے حضرت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا آپ جنازے کے پیچھے چل رہے ہیں۔ اور یہ دو حضرات اس کے آگے چل رہے ہیں آپ نے اس کا جواب دیا کہ یہ دونوں حضرات جانتے ہیں کہ جنازے کے پیچھے چلنا ایسا ہی افضل ہے جس طرح نماز باجماعت اکیلے نماز پڑھنے سے افضل ہے مگر انہوں نے اس بات کو بہتر جانا کہ لوگوں کے لیے آسانی مہیا کریں اور راستہ تنگ نہ کریں۔ ابن ابی شیبہ کی روایت ختم ہوئی۔ دوسرے تینوں ائمہ کی دلیل سالم سے زہری کی روایت ہے مگر وہ ضعیف ہے جو مذکور ہوئی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قوم میت کی سفارشی ہوتی ہے۔ اور سفارش کرنے والا عرف و عادت میں آگے ہوتا ہے جس کے لیے سفارش ہوتی ہے وہ پیچھے رکھا جاتا ہے۔ اور جو حضرات آگے پیچھے دونوں حالتوں کو برابر قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دلائل متعارض ہیں لہٰذا دونوں طرح جائز ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث بھی پیدل چلنے والے کے لیے دونوں حالتوں کو برابر قرار دیتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول بھی ایسا ہی مروی ہے۔ کتب حنفیہ میں حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا جنازہ کے آگے اور پیچھے دائیں اور بائیں چلنے میں کوئی حرج نہیں۔

۱۵۸۰/۲۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً وَ حَمَلَهَا ثَلٰثَ مِرَارٍ فَقَدْ قَضٰى مَا عَلَيْهِ مِنْ حَقِّهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَقَدْ رُوِیَ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمَلَ جَنَازَةَ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ بَيْنَ الْعَمُوْدَيْنِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے [illegible]

لے یعنی اگلی دو لکڑیاں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک جنازہ اٹھانے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ دو اگلی لکڑیوں کو دونوں کندھوں پر اٹھائے۔ اور جو لکڑی چوڑائی میں ہے اسے اپنی گردن پر رکھے اور چارپائی کے پچھلے حصے کو دو آدمی اٹھائیں۔ ایک دائیں جانب سے دوسرا بائیں جانب سے۔ پچھلی جانب کی چوڑائی میں واقع لکڑی کو گردن پر اٹھانا ممکن نہیں۔ کیونکہ پھر قدم رکھنے کی جگہ نظر نہ آئے گی اور راستہ دکھائی نہ دے گا۔ لہٰذا جنازہ اٹھانے کے لیے تین آدمی

چاہیں۔ بنایہ نے یہ کہا ہے کہ اگر آگے والا ایک آدمی صرف اگلا حصہ ہی اٹھانے کے لیے مستقل طور پر متعین ہو تو دو آدمی اس کے ساتھ اور بھی ہونے چاہیں جو اس کی اعانت کریں۔ پس جنازہ پانچ آدمی اٹھائیں گے۔ کتاب حاوی اور اس کی شرح میں جو امام شافعی کے مذہب میں ہے ایسا ہی مذکور ہے۔ ہدایہ میں کہا کہ امام شافعی کا قول یہ ہے کہ جنازہ دو آدمی اٹھائیں اگلا آدمی اسے گردن پر رکھے اور پچھلا آدمی اپنے سینے پر اٹھائے کیونکہ حضرت سعد بن معاذ کا جنازہ اسی طرح اٹھایا گیا تھا جبکہ یہ امام شافعی کا دوسرا قول ہے۔ ہدایہ کی بعض شروح میں کہا گیا ہے کہ یہ صورت زمین سے جنازہ اٹھانے کے وقت ہے اس کے بعد کوئی حرج نہیں کہ دوسرے بھی ان کی معاونت کریں ساحناف کے نزدیک سنت یہ ہے کہ چار آدمی جنازہ اٹھائیں۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ جنازہ چار جانب سے اٹھایا جائے۔ اسے امام محمد نے آثار میں حضرت امام ابو حنیفہ سے ان کی سند سے ابن مسعود صحابی تک روایت کیا ہے۔ یوں ہی ابو داؤد، طیالسی، ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے از شعبہ از منصور روایت کیا ہے۔ اور شیخ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے دو لکڑیوں کے درمیان جنازہ اٹھانے کا ذکر آثار صحابہ سے کیا ہے۔ اور ایک مرفوع حدیث بھی ذکر کی جسے ضعیف قرار دیا بعد چار آدمیوں کے اٹھانے میں آثار اور احادیث صحیحہ مرفوعہ نقل کیں اور کہا وہ آثار مخصوص حالات پر مشتمل واقعات ہیں۔ جن کے بارے میں احتمال ہے کہ سنت ہو یا کسی عارضے کی بنا پر ہو جیسے خاص حالات کی بنا پر اس کا تقاضا تھا جیسے مکان کا تنگ ہونا یا اٹھانے والوں کا کم ہونا۔ واللہ اعلم۔

<table>
<tr><td>

۱۵۸۱/۸۶ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ فَرَاٰى نَاسًا رُكْبَانًا فَقَالَ اَلَا تَسْتَحْيُوْنَ اَنَّ مَلٰئِكَةَ اللّٰهِ عَلٰى اَقْدَامِهِمْ وَاَنْتُمْ عَلٰى ظُهُوْرِ الدَّوَابِّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوٰى اَبُوْ دَاوٗدَ نَحْوَهٗ قَالَ التِّرْمِذِيُّ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ ثَوْبَانَ مَوْقُوْفًا۔

</td><td>

حضرت ثوبان[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ ایک جنازہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے آپ نے کچھ لوگوں کو سواری پر چلتے دیکھا تو فرمایا تمہیں شرم نہیں آتی کہ ملائکہ تو پیدل چل رہے ہیں۔ اور تم سواریوں کی پشتوں پر سوار ہو۔

ترمذی، ابن ماجہ اور ابو داؤد نے اس کی مثل روایت کیا۔

اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حضرت ثوبان سے موقوفاً روایت کی گئی ہے۔

</td></tr>
</table>

[1] حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ سفر و حضر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر رہتے تھے۔

۵؎ حواشی میں مذکور ہے کہ آپ نے سواروں کو جنازے کے نزدیک دیکھا یعنی اگر سوار جنازہ سے دور فاصلے پر چلیں تو کوئی حرج نہیں۔ فقہی روایات میں مذکور ہے کہ اگر سواری پر چلنے کی ضرورت درپیش ہو تو پھر بلاکراہت جائز ہے۔

۶؎ یعنی یہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا قول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں۔ مگر حکمی مرفوع ہے کیونکہ ملائکہ کے پیدل چلنے کی خبر و اطلاع حضرت نبوت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے سننے کے بغیر ممکن نہیں۔

۱۵۸۲/۲۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پر سورۃ فاتحہ پڑھی ۱؎ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کا اسناد قوی نہیں ہے ۲؎

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے سورۃ فاتحہ نماز جنازہ میں پڑھی۔ جیسا کہ فصل اول میں حدیث ابن عباس میں گزرا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے سورۃ فاتحہ بطور تبرک نماز سے پہلے یا بعد پڑھی ہو جیسا کہ آج کل مختلف د مروج ہے۔ واللہ اعلم۔

۲؎ اور ابراہیم بن عثمان جو اس حدیث کا راوی ہے، منکر الحدیث ہے۔ اس بارے میں جو کچھ ثابت ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے۔ مگر من سنۃ کہا ہے [illegible] یہ قول مرفوع ہونے میں صریح نہیں ہے۔ اور فصل اول میں قدرے بحث گزر چکی ہے۔

۱۵۸۳/۲۸ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ. (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میت پر نماز پڑھو تو اس کے لیے خلوص نیت سے دعا کرو۔ ۱؎ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱؎ اخلاص کا معنی ہے خدا کی طاعت ہے ریا و شہرت اور نفسانی خواہش کی ملاوٹ کے بغیر۔

۱۵۸۴/۲۹ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ

حضرت ابوہریرہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں

اللہِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَ صَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَ ذَكَرِنَا وَ اُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازے پر نماز پڑھتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اے اللہ بخش دے ہمارے زندوں، ہمارے مردوں، ہمارے موجود انسان ہمارے غیر موجود انسان ہمارے چھوٹے ہمارے بڑے ہمارے مردوں اور ہماری عورتوں کو۔ اے اللہ جسے تو نے ہمارے زندوں میں زندہ رکھا ہے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے تو نے ہم میں سے وفات دی ہے اسے ایمان پر وفات عطا کر[1]۔ اے اللہ ہمیں اس کے اجر و ثواب سے محروم نہ کر[2] اور ہمیں اس کے بعد کسی فتنے میں مبتلا نہ کر۔ (احمد، ابوداؤد) (ترمذی) (ابن ماجہ)

عَنْ اَبِيْ اِبْرَاهِيْمَ الْاَشْهَلِيِّ عَنْ اَبِيْهِ وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهٗ عِنْدَ قَوْلِهٖ وَاُنْثَانَا وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِيْمَانِ وَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِسْلَامِ وَفِيْ اٰخِرِهٖ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهٗ.

نسائی نے اسے ابو ابراہیم الاشہلی[3] عن ابیہ سے روایت کیا۔ اور نسائی کی روایت وانثانا پر ختم ہو جاتی ہے اور اللھم من احییتہ منا الی آخرہ اس کی روایت میں نہیں۔ اور ابوداؤد کی روایت میں فاحیہ علی الایمان اور توفہ علی الاسلام آیا ہے اور اس کے آخر میں ولا تضلنا بعدہ (ہمیں اس کے بعد گمراہ نہ کرنا) آیا ہے۔

[1] زندگی کے ساتھ اسلام کا ذکر کیا۔ اور موت کے ساتھ ایمان کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے اور یہ زندگی میں ہوسکتے ہیں۔ مگر موت کے وقت تصدیق قلبی کے سوا بندے کے ساتھ کچھ نہیں ہوتا۔

[2] یعنی وہ اجر و ثواب جو اس مرنے والے کی موت کی مصیبت پر صبر سے ہمیں ملنا چاہیے۔ اور عربی میں واقع لفظ تحرمنا کی زبر اور پیش دونوں طرح مروی ہے۔ حرم اور حرام یعنی کسی چیز سے ناامید کرنا۔

[3] ابو ابراہیم الاشہلی انصاری کو مسلم نے کتاب کنیت میں ذکر کیا ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے

امام بخاری کا بر ایم کے باپ کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ اس کو نہیں جانتے ... مجہول شخص ہیں۔

۴ یعنی زندگی کے ساتھ ایمان کا ذکر کیا اور اسلام کے ساتھ موت کا یعنی اس کے برعکس جو بعض روایت میں آیا ہے اور وجہ مناسبت وہاں معلوم ہو چکی ہے۔ اور جب کہ اسلام اور ایمان حقیقت اور انجام کے اعتبار سے ایک چیز ہے تو دونوں طرح درست ہے۔

۱۵۸۵ / ۳۰ وَعَنْ وَاثِلَةَ ابْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِيْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهٖ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَ عَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَآءِ وَ الْحَقِّ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت واثلہ ابن اسقع سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص پر ہمیں نماز پڑھائی میں نے آپ کو یہ کہتے سنا کہ الٰہی فلاں کا بیٹا فلاں تیرے ذمہ اور تیرے قرب کے عہد میں ہے تو اسے قبر کے فتنہ اور آگ کے عذاب سے بچا لے تو وفا اور حق والا ہے۔ الٰہی اسے بخش دے اور اس پر رحم کر بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱ واثلہ (ثا کی زیر) اسقع (ہمزہ کی زبر، سین ساکن، ق کی زیر)

۲ یعنی آپ نے اس کا اور اس کے باپ کا نام لیا۔

۳ یعنی تیرے عہد و پیمان اور تیری پناہ میں ہے۔

۴ یعنی تیری ہمسائیگی کے عہد میں ہے یہاں حدیث میں لفظ حبل آیا ہے جس کے معنی ... اور عہد و پیمان مراد ہے۔

۵ کہ اپنے بندوں سے جو وعدہ کرتا ہے پورا کرتا ہے ... قول وفعل پورا کرنا سچ خدا ہے کہ جو کچھ تو کہتا ہے اور کرتا ہے سارا حق اور ٹھیک ہوتا ہے۔

۱۵۸۶ / ۳۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر سے روایت ہے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مردوں کی

وَسَلَّمَ اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوْا عَنْ مَسَاوِيْهِمْ.

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں[1] سے باز رہو۔

(ابوداؤد، ترمذی)

[1] یہ حکم مسلمانوں نیکو کار لوگوں اور ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن کا فسق ظلم اشکارہ اور ظاہر نہ ہو

۱۵۸۶ وَعَنْ نَافِعٍ اَبِيْ غَالِبٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَلٰى جَنَازَةِ رَجُلٍ فَقَامَ حِيَالَ رَأْسِهٖ ثُمَّ جَاءُوْا بِجَنَازَةِ امْرَاَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَقَالُوْا يَا اَبَا حَمْزَةَ صَلِّ عَلَيْهَا فَقَامَ حِيَالَ وَسْطِ السَّرِيْرِ فَقَالَ لَهُ الْعَلَاءُ بْنُ زِيَادٍ هٰكَذَا رَاَيْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى الْجَنَازَةِ مَقَامَكَ مِنْهَا وَمِنَ الرَّجُلِ مَقَامَكَ مِنْهُ قَالَ نَعَمْ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوُدَ نَحْوُهٗ مَعَ زِيَادَةٍ وَفِيْهِ فَقَامَ عِنْدَ عَجِيْزَةِ الْمَرْاَةِ.

حضرت نافع ابی غالب[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک کے ساتھ ایک مرد کے جنازے پر نماز پڑھی تو آپ اس کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے پھر لوگ ایک قرشی عورت کا جنازہ لائے بولے اے ابو حمزہ اس پر نماز پڑھئے تو آپ درمیان تخت کے مقابل کھڑے ہوئے۔ ان سے علاء ابن زیاد[2] نے عرض کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنازے پر ایسے ہی کھڑے ہوئے دیکھا جیسے آپ مرد اور عورت کے جنازے پر کھڑے ہوئے[3] فرمایا ہاں۔

(ترمذی)

(ابن ماجہ)

اور ابوداؤد کی روایت میں اسی کی مثل ہے مگر زیادتی کے ساتھ اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ عورت کے سرین کے مقابل کھڑے ہوئے۔

[1] آپ تابعی ہیں ابو غالب آپ کی کنیت ہے اور یہ تابعین میں سے ہیں۔ اور یہ وہ نافع نہیں ہیں جو حضرت ابن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

[2] یہ بھی تابعین میں سے ہیں۔

[3] یعنی کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا دیکھا ہے کہ وہ مرد کے جنازے پر سر کے مقابل کھڑے ہوئے

ہوں اور عورت کی چارپائی پہ درمیان کے مقابل کھڑے ہوتے ہوں۔
سے یہاں عربی میں لفظ نحیزہ بمعنی سرین آیا ہے۔ لفظ نحز (میم کی زبر بریم کی پیش) بمعنی سرین کا آخری حصہ۔ اس بارے میں گفتگو فصل اول میں حضرت سمرہ بن جندب کی حدیث کے تحت ہو چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۵۹۸ / ۳۳ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی ؓ قَالَ کَانَ سَهْلُ ابْنُ حُنَیْفٍ وَقَیْسُ بْنُ سَعْدٍ قَاعِدَیْنِ بِالْقَادِسِیَّةِ فَمَرَّ عَلَیْهِمَا بِجَنَازَةٍ فَقَامَا فَقِیْلَ لَهُمَا اِنَّهَا مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ اَیْ مِنْ اَهْلِ الذِّمَّةِ فَقَالَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتْ بِهٖ جَنَازَةٌ فَقَامَ فَقِیْلَ لَهٗ اِنَّهَا جَنَازَةُ یَهُوْدِیٍّ فَقَالَ اَلَیْسَتْ نَفْسًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی لیلٰی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت سہل ابن حنیف اور قیس ابن سعد قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان پر جنازہ گزارا دونوں صاحب کھڑے ہو گئے ان سے کہا گیا کہ یہ جنازہ زمیندار یعنی ذمی کافر کا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک جنازہ گزرا آپ کھڑے ہو گئے عرض کیا گیا کہ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے۔ فرمایا کیا یہ جان نہیں ہے

سے آپ اکابر تابعین اور کوفہ کے تابعین کے طبقہ اول میں سے ہیں اور قریش معزز اور بزرگ شخصیت ہیں۔ حضرت علی مرتضٰی، حضرت عثمان بن عثمان، حضرت ابوایوب انصاری وغیرہم سے روایت کرتے ہیں۔ یہ عبدالرحمٰن فرماتے ہیں۔ میں نے ایک سو بیس صحابہ کرام کو پایا ہے جو سب کے سب انصاری تھے۔ جناب شیخ عارف فرماتے ہیں میں گمان نہیں کرتا کہ عورتوں نے ان جیسا کوئی بچہ جنا ہو۔ ان کی ولادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ ولادت میں ہوئی جب کہ حضرت عمر کی خلافت کے چھ سال باقی رہ گئے تھے۔ ان کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث سننے میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمر سے کوئی حدیث نہیں سنی۔
سے حنیف (ح کی پیش)
سے قادسیہ (ق کی زبر) یہ کوفہ سے پندرہ میل کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام ہے۔

۷ے زمیندار سے ذمی لوگ مراد ہیں یا ذمیں بلدیہ جاستان کی حقارت اور ذلالت پر کہا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ زمین کے کام کاج کی رغبت اور اسی کا شوق رکھتے ہیں یا اس بنا پر انہیں اہل زمین کہا گیا ہے۔ مسلمانوں نے ان پر زمین میں خراج پوپ مقرر کر رکھا تھا۔

۸ے یعنی کیا یہ جاندار چیز نہیں ہے۔ اس کی موت سے ڈرنا اور عبرت گیر ہونا چاہیے۔

۱۵۸۹/۳۴ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَبِعَ جَنَازَةً لَمْ يَقْعُدْ حَتّٰى تُوْضَعَ فِي اللَّحْدِ فَتَعَرَّضَ لَهُ حَبْرٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ لَهُ اِنَّا هٰكَذَا نَصْنَعُ يَا مُحَمَّدُ قَالَ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ خَالِفُوْهُمْ۔

حضرت عبادہ ابن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جنازہ کے ساتھ جاتے تو نہ بیٹھتے حتیٰ کہ میت قبر میں رکھ دی جاتی آپ کے سامنے ایک یہودی پادری آیا عرض کیا کہ اسے محمد ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں فرمایا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھنے لگے اور فرمایا کہ ان کی مخالفت[۱] کرو۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

ترمذی۔ ابوداؤد ابن ماجہ

وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَبِشْرُ بْنُ رَافِعٍ الرَّاوِيُّ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ۔

ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اور بشر[۲] بن رافع راوی قوی نہیں ہے۔

۱ے ظاہر یہ ہے کہ آپ کو بھی ہوا کہ بیٹھ جایا کریں ورنہ آپ ہر اس کام میں اہل کتاب کی موافقت کو پسند کرتے تھے جس میں آپ کو کوئی حکم نہ ملا ہوتا تھی تو یہ حکم پہلے حکم کا ناسخ بن گیا۔

۲ے یعنی امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور بشر بن رافع جو اس حدیث کا راوی ہے، قوی نہیں ہے۔

۱۵۹۰/۳۵ وَعَنْ عَلِيٍّ رضی قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنَا بِالْقِيَامِ فِي الْجَنَازَةِ ثُمَّ

حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جنازے کے لیے کھڑے ہونے کا حکم دیا تھا اس کے بعد پھر آپ بیٹھنے لگے اس

جَلَسَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَ اَمَرَنَا بِالْجُلُوْسِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

گے بعد پھر آپ بیٹھنے لگے اور ہمیں بھی بیٹھنے کا حکم دیا۔

(احمد)

۱۵۹۱ وَعَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ سِيْرِيْنَ[1] قَالَ اِنَّ جَنَازَةً مَرَّتْ بِالْحَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ فَقَامَ الْحَسَنُ وَلَمْ يَقُمْ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ الْحَسَنُ اَلَيْسَ قَدْ قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجَنَازَةِ يَهُوْدِيٍّ قَالَ نَعَمْ ثُمَّ جَلَسَ[2]۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت محمد ابن سیرین سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک جنازہ حضرت حسن ابن علی اور ابن عباس پر گزرا تو حسن کھڑے ہو گئے ابن عباس کھڑے نہ ہوئے امام حسن نے فرمایا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودی کے جنازے کے لیے نہ کھڑے ہوئے فرمایا ہاں، پھر بیٹھنے لگے۔

(نسائی)

[1] آپ مشہور تابعین میں سے ہیں۔

[2] یعنی پہلے یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ دیکھتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے، بعد میں کھڑا ہونا ترک کر دیا تو پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ نسخ جنازہ یہود (کفار) کے ساتھ خاص ہے یا مطلق ہے (سب کے لیے ہے) ظاہر دوسرا احتمال ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۹۲ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ كَانَ جَالِسًا فَمُرَّ عَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ فَقَامَ النَّاسُ حَتّٰى جَاوَزَتِ الْجَنَازَةُ فَقَالَ الْحَسَنُ اِنَّمَا مُرَّ بِجَنَازَةِ يَهُوْدِيٍّ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى طَرِيْقِهَا جَالِسًا وَكَرِهَ اَنْ يَعْلُوَ رَاْسَهٗ

حضرت امام جعفر بیٹے محمد کے اپنے باپ امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حسن بن علی بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو لوگ کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ جنازہ گزر گیا حضرت حسن نے فرمایا کہ یہ یہودی کا جنازہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے راستے پر تشریف فرما تھے آپ کو یہ بات بری لگی کہ ایک یہودی کا جنازہ آپ کے سر سے بلند ہو اس لیے آپ کھڑے

جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَامَ۔ ہو گئے۔ [1]

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ) (نسائی)

[1] اس لیے نہ اٹھنا چاہیئے۔

[2] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہودی کا جنازہ دیکھ کر جو کھڑے ہوئے تھے اس وجہ سے کھڑے ہوئے تھے یہودی کا جنازہ آپ کے سر مبارک سے بلند نہ ہو جائے۔ یہ حضرت امام حسن کے جنازہ کے لیے کھڑے ہو کھڑے ہونے کے حکم کے منسوخ ہو جانے کے بعد ہے ملیہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے۔ یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ امام محمد کی امام حسین رضی اللہ عنہم سے ملاقات نہیں ہوئی۔

۱۵۹۳/۴۸ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا مَرَّتْ بِكَ جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ اَوْ نَصْرَانِيٍّ اَوْ مُسْلِمٍ فَقُوْمُوْا لَهَا فَلَسْتُمْ لَهَا تَقُوْمُوْنَ اِنَّمَا تَقُوْمُوْنَ لِمَنْ مَّعَهَا مِنَ الْمَلٰئِكَةِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تیرے پاس سے یہودی یا نصرانی یا مسلمان کا جنازہ گزرے [1] تو اس کیلیے کھڑے ہو جاؤ، کیونکہ تم اس کے لیے کھڑے نہیں ہو رہے بلکہ تم تو ان ملائکہ کے لیے کھڑے ہوتے ہو جو اس جنازے کے ساتھ ہوتے ہیں [2]

(احمد)

[1] حدیث کی بعض روایات میں مَرَّتْ بِکُمْ آیا ہے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک فقوموا لها کے زیادہ مناسب ہے۔

[2] یہ ملائکہ یا تو ملائکہ رحمت ہوتے ہیں اگر میت مسلمان ہو یا ملائکہ عذاب ہوتے ہیں اگر میت کافر ہو تو جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کے اسباب مختلف ہیں کبھی تو آپ گھبراہٹ اور جنازہ سے عبرت کے طور پر کھڑے ہوتے تھے کبھی ملائکہ کے اکرام و عزت کی خاطر جو جنازہ کے ساتھ ہوتے ہیں کبھی اس امر کی کراہت کے لیے کہ جنازہ آپ کے سر مبارک سے بلند نہ ہو جائے اور کبھی آپ ان میں سے کسی بات کا اعتبار نہ کرتے حالات و مقامات کے اختلاف کے باعث اس بارے میں اگر کوئی بات ثابت ہوتی ہے تو وہ یہ ہے کہ آخر کار آپ نے کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔ بہرحال آپ کا جو فعل بھی پہلا تھا وہ منسوخ ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

۱۵۹۴/۴۹ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت مالک بن ہبیرہ [1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوْفٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا اَوْجَبَ فَكَانَ مَالِكٌ اِذَا اسْتَقَلَّ اَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَّاهُمْ ثَلٰثَةَ صُفُوْفٍ لِّهٰذَا الْحَدِيْثِ.
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

کو فرماتے سنا۔ کوئی مسلمان نہیں جو مرتا ہے پھر اس پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز پڑھتی ہیں مگر اللہ تعالےٰ ماجبؒ ثابت کر دیتا ہے تو حضرت مالک نے یہ دستور بنا لیا تھا کہ جب جنازہ پڑھنے والوں کی کمی محسوس کرتے تو اس حدیث کی بنا پر تین صفیں بناتے۔

(ابوداؤد)

وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ كَانَ مَالِكُ بْنُ هُبَيْرَةَ اِذَا صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فَتَقَالَّ النَّاسَ عَلَيْهَا جَزَّاهُمْ ثَلٰثَةَ اَجْزَاءٍ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوْفٍ اَوْجَبَ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ.

اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ جب نماز جنازہ پڑھتے اور نمازیوں کی تعداد کم محسوس کرتے تو ان کے تین حصے بناتے پھر فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس جنازے پر تین صفوں نے نماز پڑھی اللہ تعالےٰ نے اس پر واجب و ثابت کر دی اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کی۔

ؔ۱ ہُبیرہ ھا کی پیش، با کی زبر، یا ساکن۔ آپ صحابی ہیں حضرت امیر معاویہ کی طرف سے اسلامی افواج کے کمانڈر تھے، مروان کے دور حکومت میں رحلت فرمائی رضی اللہ عنہ

ؔ۲ یعنی اس فعل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت اور مغفرت واجب کر دی۔

ؔ۳ جنازہ پڑھنے کے لیے موجود افراد تعداد میں کم پاتے تو۔ اللہ اعلم۔

۱۵۹۵/۴۰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا وَاَنْتَ خَلَقْتَهَا وَاَنْتَ هَدَيْتَهَا اِلَى الْاِسْلَامِ وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهَا وَاَنْتَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز جنازہ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ اے اللہ تو اس کا رب ہے اور تو نے اسے پیدا کیا اور تو نے اسے دین اسلام کی ہدایت کی۔ اور تو اس کے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو بہتر جانتا ہے۔ ہم

أَتَيْنَاكَ شُفَعَاءَ لَهُ فَاغْفِرْ لَهُ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

سفارشی بن کر آئے ہیں۔ تو اس کی مغفرت فرما[2]۔ (ابو داؤد)

[1] قبض کا اصل معنی پہنچے پر کسی چیز کو پڑنے کا آتا ہے۔

[2] یعنی ہم لوگ یہ خواہش رکھتے ہوئے تیری بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں کہ تو اسے بخش دے۔

۱۵۹۷/۴۱ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَآءَ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَلٰى صَبِيٍّ لَمْ يَعْمَلْ خَطِيْئَةً قَطُّ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ أَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ایک بچے کی نماز جنازہ پڑھی جس نے کوئی گناہ نہ کیا تھا[1] میں نے آپ کو سنا کہ آپ یہ دعا پڑھتے تھے۔ اے اللہ اسے عذاب قبر سے پناہ میں رکھ[2]۔ (مالک)

وَعَنِ الْبُخَارِيِّ تَعْلِيْقًا قَالَ يَقْرَأُ الْحَسَنُ عَلَى الطِّفْلِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَيَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَّفَرَطًا وَّذُخْرًا وَّأَجْرًا.

اور بخاری سے یہ روایت تعلیقاً[3] مروی ہے۔ اور امام حسن بصری بچے پر سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ اسے ہمارے لیے پیش رو بنا۔ ہمارا اسے فرط[4] اور ذخر اجر بنا۔

[1] کہ وہ ایک غیر مکلف بچہ تھا۔

[2] اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں نابالغ بچوں سے بھی سوال ہوتا ہے اور وہ بھی عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ علماء کا نابالغ بچوں کے سوال و جواب قبر میں اختلاف ہے۔ مگر غیر مکلف کے لیے عذاب قبر قواعد شرع کے خلاف ہے۔ اس مسئلے کی توجیہات باب ایمان بالقدر میں گزر چکی ہیں۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

[3] کہ بطریق تعلیق ترجمہ باب میں کہا۔

[4] فرط مسافروں کے منزل میں پہلے جانے والا۔ فرط وہ شخص جو قافلے میں سے آگے جائے تاکہ گھوڑوں کے لیے چارہ۔ ڈول رسی وغیرہ سامان تیار کرے، اور کنواں وغیرہ پاک و صاف کرے۔ ذخر ذال کی پیش خ ساکن بمعنی وہ مال جو ذخیرہ کیا جاتا ہے اور وقت ضرورت کے لیے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اجر بمعنی اجرت و مزدوری۔

۱۵۹۸/۴۲ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّفْلُ لَا يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَلَا يَرِثُ وَلَا يُوْرَثُ حَتّٰى يَسْتَهِلَّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَلَا يُوْرَثُ۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طفل پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی اور نہ وہ کسی کا وارث بنتا ہے اور نہ اس کا کوئی وارث بنتا ہے جب تک کہ چیخ نہ مارلے[۱]۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ مگر ترمذی نے لفظ لایورث (اس کا کوئی وارث نہیں بنتا) ذکر نہ کیا۔

[۱] یعنی جب تک اس سے زندگی کا نشان ظاہر نہ ہو۔

۵۹۶/۲۴ وَعَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدِنِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَقُوْمَ الْإِمَامُ فَوْقَ شَيْءٍ وَّالنَّاسُ خَلْفَهٗ يَعْنِيْ أَسْفَلَ مِنْهُ۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ فِي الْمُجْتَبٰى فِيْ كِتَابِ الْجَنَائِزِ۔

حضرت ابو مسعود[۱] انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ امام کسی بلند چیز پر کھڑا ہو اور لوگ اس کے پیچھے یعنی اس سے نشیب میں کھڑے ہوں[۲]۔

اسے دارقطنی نے مجتبیٰ میں کتاب الجنائز کے اندر روایت کیا۔

[۱] آپ مشہور صحابی ہیں۔ بعض نے انہیں اصحاب بدر میں شمار کیا ہے مگر تحقیقی بات یہ ہے کہ بدر کی جانب ان کی نسبت اس بنا پر ہے کہ ان کی سکونت بدر میں تھی اس بنا پر نہیں کہ آپ غزوۂ بدر میں شامل تھے۔ واللہ اعلم۔

[۲] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ اکیلا امام کسی بلند چیز پر کھڑا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے کسی پست شے پر کھڑے ہوں یہ حکم تمام نمازوں کیلئے ہے صرف نماز جنازہ کے ساتھ خاص نہیں ہے اور حدیث کے الفاظ بھی اس کے ساتھ خاص نہیں ہیں صرف نماز جنازہ کے ذکر کی مناسبت سے اس باب میں ذکر کر دیا گیا۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا یہ حدیث اسی باب میں وارد ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے لوگوں نے یہ عادت بنا رکھی ہو۔ نماز جنازہ اس طرح پڑھتے ہوں۔ تو انہیں ایسا کرنے سے روکا گیا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ دَفْنِ الْمَيِّتِ

دفن میت کا باب

دفن بمعنی ستر (چھپانا) ہے پھر اس کا استعمال زیادہ تر میت کو زمین میں چھپانے میں ہونے لگا۔ لفظ قبر بھی دفن کے معنی میں ہے۔ پھر اس کا غالب استعمال اس جگہ پر ہونے لگا جہاں میت کو چھپاتے ہیں۔ قبر انسان کے دفن کرنے کے ساتھ خاص ہے۔ مقبرہ (میم کی زبر قاف کے بعد والی میم اور با کی زبر سے بھی آیا ہے) سب سے پہلا شخص جو زمین میں دفن ہوا ہابیل تھا کیونکہ سب سے پہلا مرنے والا انسان یہی ہابیل تھا۔ پھر قبر دو طرح کی ہوتی ہے ایک لحد دوسری شق دونوں جائز ہیں۔ مگر لحد افضل اور سنت کے زیادہ مطابق ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان احادیث کی شرح میں آ رہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — فصل اول

۱۶۰۲: عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ هَلَكَ فِيْهِ اِلْحَدُوْا لِيْ لَحْدًا وَانْصِبُوْا عَلَيَّ اللَّبِنَ نَصْبًا كَمَا صُنِعَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عامر[1] بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس بیماری میں فرمایا جس میں آپ فوت ہوئے، میرے لیے لحد[2] کھودنا اور میرے اوپر کچی اینٹیں[3] کھڑی کرنا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا گیا۔ (مسلم)

[1] آپ مشہور تابعین میں سے ہیں۔

[2] لحد لام کی زبر اور پیش دونوں طرح آیا ہے۔ بعد میں حا ساکن۔ لغت میں اس کا معنیٰ ہے ایک طرف جھکنا۔ شرعاً اس کا معنیٰ قبر کی کھدائی میں ہے جس میں جانب قبلہ گڑھا کھودا جائے۔ حدیث میں وارد لفظ اِلْحَدُوْا ہمزہ کی زیر حا کی زبر اور ہمزہ کی زبر اور حا کی زیر دونوں روایتیں ہیں۔

[3] حدیث میں لفظ لَبِن آیا ہے۔ لام کی زبر با کی زیر پر وزن کَتِفْ اس کا واحد لَبِنَۃ بر وزن کلمہ ہے یعنی لام و با دونوں کا زیر سے بھی آیا ہے۔

۱۶۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جُعِلَ فِيْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطِيْفَةٌ حَمْرَاءُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں سرخ رنگ کا کپڑا رکھا گیا[1] (مسلم)

[1] حدیث میں لفظ قطیفہ آیا ہے یعنی سرخ رنگ کا کمبل یعنی سرخ دھاری دار۔ اسے خمیلہ اور مخمل بھی کہتے ہیں۔ یہ کمبل شریف آپ کی قبر انور میں ڈالنے کی وجہ علماء یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت شقران (شین کی پیش قاف ساکن) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام نے صحابہ کرام کی اجازت اور رضا کے بغیر اسے ڈالا تھا تاکہ آپ کے بعد اسے کوئی اور نہ پہنے۔ علماء نے میت کے نیچے کپڑا بچھانے کو مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ اس میں تضییع اور اسراف ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ کیونکہ آپ اپنی قبر انور میں زندہ اور حیات ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۶۲ وَعَنْ سُفْيَانَ التَّمَّارِ اَنَّهُ رَاَى قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسَنَّمًا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سفیان التمار[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور دیکھی کہ وہ کوہان دار تھی[2] (بخاری)

[1] تمار۔ تا کی زبر اور شد آپ اکابر علماء میں سے ہیں۔ صحابہ کرام نے انہیں پایا مگر ان میں سے کسی سے روایت نہیں کی۔

[2] کتاب مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے کہ حضرت سفیان تمار نے کہا کہ میں اس کمرے میں داخل ہوا جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبور مبارکہ ہیں۔ میں نے ان کی قبور کو اونٹ کی کوہان کی شکل میں دیکھا۔ قبر میں سنت بھی یہی ہے کہ اوپر سے ان کی شکل کوہان کی طرح ہو۔ بہت سی اخبار و آثار صحیحہ اس کے ثبوت میں وارد ہیں۔ پھر افضل یہ ہے کہ قبر انور کی بلندی ایک بالشت کے برابر ہو جیسا کہ کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی بلندی ایک بالشت کی مقدار ہے۔ قبر میں اس قدر بلندی کافی ہے۔

ہمارے ملک ہندوستان میں اگرچہ سطح زمین پر قبر کا نشان مربع بناتے ہیں مگر اس پر چھوٹا سا کوہان نما نشان بھی بنا لیتے ہیں۔ تاکہ سنت کی رعایت بھی ہو جائے۔ امام شافعی کے نزدیک اوپر کا نشان سطح (ہموار نشان) بنایا جاتا ہے۔ کتاب حاوی میں جو ان کے مذہب میں لکھی گئی ہے کہا گیا ہے ہموار بنانا کوہان نما بنانے سے اولی ہے۔ اس کی شرح میں مذکور ہے کہ سطح نشان اس لیے اولی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی قبر سطح بنائی تھی۔ حضرت قاسم بن محمد سے منقول ہے کہ انھوں نے ان تینوں قبور کو سطح شکل میں دیکھا۔ اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے تابعین و صحابہ کی ایک جماعت سے نقل کیا کہ یہ قبریں کوہان نما تھیں یہی صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۶۰۳ وَعَنْ اَبِی الْهَیَّاجِ الْاَسَدِیِّ قَالَ قَالَ لِیْ عَلِیٌّ اَلَا اَبْعَثُكَ عَلٰی مَا بَعَثَنِیْ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّیْتَهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو الہیاج الاسدی[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تجھے اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا۔ وہ یہ ہے کہ کوئی تصویر[2] باقی نہ چھوڑ گرا سے مٹا دے اور نہ کوئی بلند قبر گرا سے زمین سے ہموار کر دے[3]۔ (مسلم)

[1] ابو الہیاج (ھا کی زبر یا مشددہ آخر میں جیم) الاسدی یعنی قبیلہ بنی اسد سے۔ آپ تابعی بزرگ اور صحیح الحدیث ہیں۔

[2] یہ لفظ تمثال کا ترجمہ ہے صراح میں ہے کہ تراشی ہوئی صورت کو تمثال کہتے ہیں۔

[3] یعنی اسے پست کر دے۔ یہاں تک کہ وہ زمین کے اس قدر نزدیک ہو جائے کہ اس سے قدرے نمایاں اور ظاہر دکھائی دے یعنی ایک بالشت بلند ہو جیسا کہ مسنون ہے۔

۱۶۰۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ یُّبْنٰی عَلَیْهِ وَاَنْ یُّقْعَدَ عَلَیْهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چونا گچ کرنے[1] سے منع فرمایا۔ اور اس سے بھی منع فرمایا کہ اس پر کوئی چیز تعمیر کی جائے[2] اور اس پر بیٹھنے[3] سے بھی منع فرمایا۔ (مسلم)

[1] علماء نے فرمایا ہے اگر اس پر مٹی کی لپائی کی جائے تاکہ ویران نہ ہو تو یہ درست اور جائز ہے۔

[2] بعض نے کہا کہ قبر وغیرہ کی عمارت منع ہے۔ بعض نے کہا کہ اس پر خیمہ وغیرہ لگانا ممنوع و مکروہ ہے۔

[3] کیونکہ قبر پر بیٹھنا عبرت گیری اور عزت مومن کے منافی ہے۔ بعض نے کہا قضائے حاجت کے لیے بیٹھنا منع ہے۔ بعض سلف سے قبر پر سونا منقول ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۶۰۵ وَعَنْ اَبِیْ مَرْثَدٍ الْغَنَوِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَیْهَا۔

حضرت مرثد[1] غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو[2]۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)
(مسلم)

لے مرثد (میم کی زبر را ساکن ثا کی زبر) غنوی (بین اور نون کی زبر) آپ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔
۲ے اس بارے میں مفصل گفتگو باب المساجد ومواضع الصلوۃ میں ہو چکی ہے۔

۱۶۰۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ لَاَنْ یَّجْلِسَ اَحَدُكُمْ عَلٰی جَمْرَةٍ فَتُحْرِقَ ثِیَابَهٗ فَتَخْلُصَ اِلٰی جِلْدِهٖ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ یَّجْلِسَ عَلٰی قَبْرٍ۔
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کا آگ کے انگارے پر بیٹھنا جس سے اس کے کپڑے جل جائیں اور وہ آگ اس کے جسم تک پہنچ جائے[۱] قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔
(مسلم)

لے یہ حدیث کے لفظ تخلص کا ترجمہ ہے تخلص خلوص سے بنا ہے۔ یعنی کسی چیز تک پہنچنا لام پرپیش ہے

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۶۰۷ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ قَالَ كَانَ بِالْمَدِیْنَةِ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا یَلْحَدُ وَالْاٰخَرُ لَا یَلْحَدُ فَقَالُوْا اَیُّهُمَا جَآءَ اَوَّلُ عَمِلَ عَمَلَهٗ فَجَآءَ الَّذِیْ یَلْحَدُ فَلَحَدَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔
(رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت عروہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مدینہ منورہ میں دو آدمی تھے۔ ایک لحد بناتا تھا[۱] دوسرا شق[۲] صحابہ نے کہا جو پہلے آجائے وہ اپنا عمل کرے گا[۳] تو پہلے وہ شخص آگیا جو لحد تیار کیا کرتا تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لحد تیار کی گئی[۴]
(شرح سنہ)

لے یعنی حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ۔
۲ے یعنی حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ
۳ے اس اختلاف کے بعد کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لحد قبر تیار کی جائے یا شق۔
۴ے حضرت ابو طلحہ انصاری اور حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہما دونوں صحابی ہیں۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ قبر (شق) جائز ہے اگر ناجائز ہوتی تو حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ یہ قبر کیوں تیار کرتے

۱۶۰۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللَّحْدُ لَنَا وَ الشَّقُّ لِغَيْرِنَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ النَّسَآئِيُّ وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لحد ہمارے لیے اور شق دوسروں کے لیے ہے[1]

ترمذی ۔ ابوداؤد
نسائی ۔ ابن ماجہ
اور احمد نے جریر بن عبداللہ سے روایت کی۔

[1] اور اگر لفظ "ہمارے لیے" سے مسلمان اور "دوسروں کے لیے" سے یہود و نصاریٰ مثلاً مراد ہوں تو پھر اس میں شک نہیں کہ لحد شق سے افضل نہ ہوگی بلکہ شق کردہ ہوگی۔ اور اگر "دوسروں کے لیے" سے گزشتہ امتیں مراد ہوں تو اس صورت میں لحد شق سے افضل ہوگی۔ بہر صورت لحد واجب نہیں اور شق ممنوع نہیں۔ اگر ممنوع ہوتی حضرت ابو عبیدہ اسے تیار نہ کیا کرتے ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابو عبیدہ کا شق قبر بنانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے یا آپ کا سے درست تسلیم کرنے کی بنا پر ہوگا۔ نیز صحابہ کرام کا اس پر اتفاق کرنا کہ جو صاحب پہلے آئے وہ اپنی طرز کی قبر بنائے بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں قسم کی قبر بنانا جائز و درست ہے۔ پس آپ کا یہ فرمانا کہ "لحد ہمارے لیے ہے" اپنی پسند کا بیان ہے۔ سنت کا بیان نہیں۔ یعنی ہم لحد پسند کرتے ہیں۔ اور دوسرے شق جیسا کہ کہا گیا ہے۔ بعض نے کہا کہ "دوسروں کے لیے" سے غیر اہل مدینہ مراد ہیں کیونکہ مدینہ منورہ کی زمین سخت و مضبوط اور لحد کھودنے کے قابل ہے بخلاف دوسرے علاقوں کے اور طیبی نے کہا کہ یہ حدیث ان اخبار میں سے ہے جن میں آئندہ ہونے والے واقعات کی خبر دی گئی ہے یعنی میرے بعد لوگ شق قبر بنایا کریں گے تو یہ آپ کے معجزات میں سے ہے۔

۱۶۰۹ وَعَنْ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ اُحُدٍ اِحْفِرُوْا وَ اَوْسِعُوْا وَ اَعْمِقُوْا وَ اَحْسِنُوْا وَ ادْفِنُوا الْاِثْنَيْنِ وَ الثَّلٰثَةَ فِيْ قَبْرٍ وَاحِدٍ وَقَدِّمُوْا اَكْثَرَهُمْ قُرْاٰنًا۔ رَوَاهُ

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ

حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن فرمایا قبریں کھودو، انہیں کشادہ اور گہری بناؤ، اور اچھی بناؤ۔ اور دو دو اور تین تین آدمی ایک قبر میں دفن کر دو۔ اور جو قرآن زیادہ جانتا تھا اسے قبر میں پہلے اتارو۔

(احمد۔ ترمذی)

اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ اِلٰی قَوْلِہٖ وَاَحْسِنُوْا)

ابو داؤد۔ نسائی اور ابن ماجہ نے لفظ اَحْسِنُوا تک روایت کی۔

۱؎ حضرت ہشام اور ان کے باپ عامر دونوں کو حضور کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی حدیث بصریوں میں مشہور ہے ان سے حضرت حسن بصری وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

۲؎ جب کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت شہید ہو گئی۔

۳؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر گہری کرنا سنت ہے کہ اس میں میت کے ضائع ہونے سے حفاظت ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ قبر کی گہرائی درمیانے قد کے آدمی کے سینے کے اوپر کے حصے تک ہونی چاہیے۔ اگر اس سے بھی گہری کریں تو افضل ہے۔ اور اگر آدمی کے قد کے برابر گہری کریں تو بہت بہتر ہے جیسا کہ کتاب مطالب المومنین میں محیط سے نقل کیا۔

۴؎ یعنی اسے اچھی طرح ہموار کرو اور خس و خاشاک سے خوب صاف ستھری کرو۔ بعض نے کہا احسان سے مراد یہ ہے کہ میت کو نہلانے دھلانے میں نرمی اور شفقت کرو۔ نیز تجہیز و تکفین اسے اٹھانے اور قبر میں اتارنے میں پورا احتیاط سے کام لو۔ جیسا کہ شیخ کی شرح (فتح الباری میں ہے)

۵؎ یہ ضرورت اور مجبوری کے وقت ہے۔ بلا ضرورت درست نہیں۔

۱۶۱۰/۱۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا کَانَ یَوْمُ اُحُدٍ جَاءَتْ عَمَّتِیْ بِاَبِیْ لِتَدْفِنَہٗ فِیْ مَقَابِرِنَا فَنَادٰی مُنَادِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُدُّوا الْقَتْلٰی اِلٰی مَضَاجِعِہِمْ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ وَ لَفْظُہٗ لِلتِّرْمِذِیِّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اُحد کے دن میری پھوپھی میرے شہید والد کو لے کر آئیں تاکہ انہیں ہمارے قبرستان میں دفن کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منادی پکارتا آیا کہ شہیدوں کو ان کی شہادت گاہوں کی طرف لوٹا دو۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی) اور یہ لفظ ترمذی کے ہیں۔

۱؎ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مردہ جس جگہ مرا ہو وہاں سے دوسری جگہ منتقل نہ کیا جائے۔ حضرت جابر اور ان کے باپ کے قصے سے خصوصاً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا ہو تو اسے اپنی جگہ واپس لایا جائے۔ مگر یہ کہ حضرت جابر کی پھوپھی کا حضرت جابر کے باپ کو دوسری جگہ لانے سے لانے کا ارادہ مراد ہو۔

لیکن صحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس موقعہ کے چھ ماہ بعد اپنے باپ کو جنت البقیع میں لائے اور وہاں دفن کیا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا ظاہر یہ ہے کہ اگر کوئی ضرورت اور مجبوری در پیش ہو تو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہے بے ضرورت جائز نہیں۔ کتب فقہ میں اس مسئلہ کی کافی تفصیل ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا کہ اگر میت کو دفن سے پہلے اور اس پر اینٹیں درست کرنے سے پہلے منتقل کریں تو کوئی حرج نہیں۔ جب کہ ایک دو میل کی مسافت پر لے جانا مطلوب ہو کیونکہ عموماً قبرستان اتنے فاصلے پر واقع ہوتے ہیں۔ مستحب یہ ہے کہ ہر شہر کے قبرستان میں دفن کیا جائے جہاں وہ مرا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہما کی زیارت کو گئیں اور وہ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر مرے تھے۔ پھر وہاں سے انہیں منتقل کر کے مکہ لایا گیا تھا، تو فرمایا اگر تیری موت کے وقت میں تیرے پاس موجود ہوتی تو تجھے اس جگہ سے منتقل نہ کرتی بلکہ جس جگہ تو مرا تھا وہیں تجھے دفن کرتی اور دفن کرنے اور اس پر مٹی برابر کرنے کے بعد منتقل کرنا درست نہیں ہے۔ کہ قبر کا اکھیڑنا اگرچہ تھوڑے یا زیادہ وقت کے بعد ہو نا جائز ہے، مگر کسی مجبوری اور عذر کے تحت اور عذر یہ ہے دفن کرنے کے بعد ظاہر ہوا کہ میت کو غصب شدہ زمین میں دفن کیا گیا ہے۔ یا اس زمین کو شفع کرنے والا لے جائے گا اور بہت سے صحابہ کرام حربی زمین میں دفن کیے گئے۔ وہاں سے انہیں منتقل کر کے دوسری جگہ نہ لایا گیا۔ اور اگر مالک زمین، زمین کو ہموار کر کے اس میں کھیتی باڑی کرنا چاہے تو اسے ایسا کرنے کی اجازت ہے کیونکہ مردہ کا حق زمین کے اندر ہے ظاہر سطح زمین سے اس کا حق متعلق نہیں۔ عذروں میں سے ایک عذر یہ بھی ہے کہ لحد میں کسی کا مال یا کپڑا گر گیا ہو اور اسے نکالنا مقصود ہو۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا کہ تمام مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ایک عورت کا بچہ کسی دوسرے شہر میں دفن کر دیا گیا ہو اور عورت اس کے دفن کے وقت وہاں موجود نہ ہو پھر عورت آگاہ ہونے پر بے صبری کرنے لگے اور چاہے کہ اسے وہاں سے منتقل کر دے تو اسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں۔ لہٰذا بعض متاخرین کا اسے جائز قرار دینا غیر معتبر بات ہے۔ اور اگر کوئی میت بے غسل یا بلا نماز جنازہ دفن کر دیا گیا تو اب اسے قبر سے نکالنا جائز نہیں اور جہاں مرا ہو اسی مکان میں دفن نہ کیا جائے کیونکہ جہاں موت واقع ہوئی ہو وہاں ہی دفن کرنا انبیاء کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کا خاصہ ہے۔ بلکہ ہر شخص کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے جس گھر میں مرا ہے وہاں دفن نہ کرنا چاہیے اور دو یا زیادہ کو ایک قبر میں دفن نہ کیا جائے مگر ضرورت کے تحت۔ ابن الہمام کا کلام ختم ہوا

۱۶۱۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سُلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر انور میں سر کی طرف سے داخل کیا گیا لے

(رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ) (شافعی)

ف: حدیث میں لفظ سَلّ آیا ہے۔ لغت میں اس کا معنیٰ ہے کسی چیز کو نرمی سے کھینچنا اور باہر نکالنا جیسے تلوار اور چھری وغیرہ کو نیام سے باہر نکالنا، میت کو سر کی طرف سے کھینچنے کا مطلب یہ ہے کہ جنازہ قبر کی پاؤں والی جانب رکھا جائے پھر اس کے سر کی جانب سے قبر میں لایا جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ احناف کے نزدیک جنازہ قبر کی دائیں جانب رکھا جائے۔ چنانچہ میت کے پاؤں قبر کے پاؤں کی طرف ہوں اور میت کا سر قبر کے سر کی جانب اور میت کو اس طرح اٹھا کر قبر میں رکھا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مردے کو قبر میں اسی طرح رکھتے تھے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ شریف میں اس قدر وسعت و کشادگی نہ تھی کہ قبلہ کی جانب سے آپ کو قبر میں اتارا جاتا۔ کیونکہ آپ کی قبر شریف دیوار کے بالکل ساتھ ہے۔

١٦١٢/١٣ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ قَبْرًا لَيْلًا فَاُسْرِجَ لَهٗ بِسِرَاجٍ فَاَخَذَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَقَالَ رَحِمَكَ اللّٰهُ اِنْ كُنْتَ لَاَوَّاهًا تَلَّاءً لِلْقُرْاٰنِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ اِسْنَادُهٗ ضَعِیْفٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر میں رات کو داخل ہوئے اور آپ کے لیے چراغ جلایا گیا تو آپ نے میت کو جانب قبلہ کی طرف سے پکڑا اور آپ نے کہا اللہ تجھ پر رحمت نازل کرے بے شک تو اللہ کے خوف سے بہت آہ و زاری کرنے والا تھا۔ اور بہت قرآن پڑھنے والا تھا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور شرح سنہ میں کہا اس کی اسناد ضعیف ہے۔

ف: امام ترمذی نے یہاں فرمایا کہ اس باب میں حضرت جابر اور حضرت یزید بن ثابت (جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں) سے احادیث آئی ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے وقت دفن کرنا جائز و درست ہے۔ بعض لوگ رات کے وقت دفن کرنے کو مکروہ کہتے ہیں۔

١٦١٣/١٤ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اُدْخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ. وَفِیْ رِوَايَةٍ عَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے بسم اللہ و باللہ و علی ملۃ رسول اللہ اور ایک روایت میں ہے وعلی سنۃ رسول اللہ

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوٰى اَبُوْ دَاوُدَ الثَّانِيَةَ)

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ[1]) اور ابو داؤد نے دوسری روایت کی

[1] لفظ اُدْخِلَ صیغہ مجہول و معروف دونوں طرح مروی ہے۔

[2] یعنی ان محدثین نے یہ حدیث ان دو الفاظ کے ساتھ روایت کی۔ اور ابو داؤد نے صرف وہی سنۃ رسول اللہ کے الفاظ سے یہ حدیث روایت کی۔

۱۶۴۱/۱۵ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَثَى عَلَى الْمَيِّتِ ثَلٰثَ حَثَيَاتٍ بِيَدَيْهِ جَمِيْعًا وَاَنَّهٗ رَشَّ عَلٰى قَبْرِ ابْنِهٖ اِبْرَاهِيْمَ وَوَضَعَ عَلَيْهِ حَصْبَاءَ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَى الشَّافِعِيُّ مِنْ قَوْلِهٖ رَشَّ)

حضرت جعفر بن محمد[1] اپنے باپ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک سے تین لپ مٹی ڈالی[2] اور بیشک آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم[3] رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا۔ اور اس پر کنکریاں رکھیں۔ اسے شرح سنۃ میں روایت کیا۔ اور امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اسے لفظ رش سے روایت کیا[4]

[1] یعنی حضرت محمد باقر رضی اللہ عنہ سے۔

[2] حدیث میں لفظ حثی آیا ہے۔ یہ حثو سے مشتق ہے۔ یعنی کسی کے چہرہ پر خاک ڈالنا۔ حثی بروزن رمی یعنی دونوں ہاتھوں سے یکبارگی کسی چیز کو اٹھانا۔

[3] یعنی حضرت ابراہیم بن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[4] یعنی حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت کی ابتدا لفظ رش علی قبر ابنہ تا آخر ہے۔ اور حدیث کا اول حصہ کہ حثی علی المیت ہے تا آخر امام شافعی کی اس روایت میں نہیں ہے۔

۱۶۴۲/۱۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقُبُوْرُ وَاَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهَا وَاَنْ تُوْطَاَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو چونا گچ کرنے ان پر کچھ لکھنے[1] اور ان پر کچھ تعمیر کرنے اور انہیں پامال[2] کرنے سے منع فرمایا۔

۱ کیونکہ اس میں تکلف اور آرائش ہے (جس کی ضرورت نہیں) اور امام حسن بصری حنفی علی کی لپائی جو جائز قرار دیا امام شافعی رحمۃ اللہ نے کہ مٹی سے لپائی مستحب ہے۔ فتاوی خانیہ میں کہ مٹی کی لپائی میں کوئی حرج نہیں مگر امام کرخی اس کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ کتاب مطالب المؤمنین میں ہے۔

۲ یعنی خدا و رسول پاک کا اسم گرامی، تا کہ لوگوں کے پاؤں کے نیچے نہ آئے اور اس پر کوئی حیوان بول پیشاب نہ کردے علماء نے یہ بھی کہا ہے قبور پر تحریر شدہ تختیاں کھڑی کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ بے فائدہ فعل ہے۔ مگر جب کوئی غرض صحیح متعلق ہو تو پھر جائز و روا ہے۔

۳ اور یہ بھی مستحب ہے کہ قبروں میں ننگے پاؤں آئیں۔ جیسا کہ کتاب شرعۃ الاسلام میں ہے۔

$\frac{1616}{17}$ وَعَنْهُ قَالَ رُشَّ قَبْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ الَّذِي رَشَّ الْمَآءَ عَلٰى قَبْرِهٖ بِلَالُ بْنُ رَبَاحٍ بِقِرْبَةٍ بَدَاَ مِنْ قِبَلِ رَاْسِهٖ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى رِجْلَيْهِ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَآئِلِ النُّبُوَّةِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا اور جن صاحب نے آپ کی قبر انور پر پانی چھڑکا وہ حضرت بلال بن رباح تھے۔ آپ نے ایک مشکیزے سے پانی چھڑکا آپ کے سر مبارک کی طرف سے شروع کیا یہاں تک کہ چھڑکتے چھڑکتے آپ کے پاؤں مبارک تک پہنچ گئے۔ اسے بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا۔

۱ رَباح را کی زبر سے۔

$\frac{1617}{18}$ وَعَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ اَبِيْ وَدَاعَةَ قَالَ لَمَّا مَاتَ عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ اُخْرِجَ بِجَنَازَتِهٖ فَدُفِنَ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا اَنْ يَّاْتِيَهٗ بِحَجَرٍ فَلَمْ يَسْتَطِعْ حَمْلَهَا فَقَامَ اِلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَحَسَرَ عَنْ ذِرَاعَيْهِ قَالَ الْمُطَّلِبُ قَالَ الَّذِيْ يُخْبِرُنِيْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنِّيْ

حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ [illegible] ہے فرماتے ہیں جب حضرت عثمان بن مظعون [illegible] [illegible] تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ایک پتھر اٹھا کر لائے۔ وہ اس پتھر کو اٹھا نہ سکا حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پتھر کو اٹھانے کے لئے کھڑے ہو گئے اور اپنے بازوؤں سے آستین اوپر چڑھائیں۔ حضرت مطلب فرماتے ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کی مجھے خبر دی تھی اس نے فرمایا تھا گویا

اَنْظُرُ اِلٰی بَیَاضِ ذِرَاعَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ حِیْنَ حَسَرَ عَنْهُمَا ثُمَّ حَمَلَهَا فَوَضَعَهَا عِنْدَ رَأْسِهِ وَ قَالَ اُعْلِمُ بِهَا قَبْرَ اَخِیْ وَ اَدْفِنُ اِلَیْهِ مَنْ مَاتَ مِنْ اَهْلِیْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازوؤں مبارک کی سفیدی دیکھ رہا ہوں، جب کہ آپ نے اپنی آستین اوپر چڑھائیں آپ نے وہ پتھر اٹھایا اور اسے ان کے سر کے قریب رکھ دیا اور فرمایا میں اس کے ساتھ اپنے بھائی کی قبر کا نشان قائم کرتا ہوں۔ اور میں اس کے پاس دفن کروں گا اپنے اہل میں سے جو فوت ہوگا۔

(ابو داؤد)

۱؎ ذَرَاعَۃ واو کی زبر۔ آپ صحابی ہیں فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ یہ حدیث آپ ایک دوسرے صحابی سے روایت کرتے ہیں کیونکہ خود آپ اس وقت موجود نہ تھے۔

۲؎ مظعون ظاء کے ساتھ آپ مہاجرین میں سے پہلے شخص ہیں جو مدینہ منورہ آکر فوت ہوئے اور آپ کا جنازہ باہر جنت البقیع کی طرف لایا گیا اور وہاں دفن کیا گیا۔

۳؎ اپنے دونوں دست مبارک باہر نکالے۔ حسر حا اور سین سے بمعنی برہنہ کرنا۔

۴؎ یعنی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر انور کا۔ اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مروان بن الحکم نے وہ پتھر اٹھا کر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قبر انور پر رکھ دیا۔

۵؎ چنانچہ ان کے بعد سب سے پہلے جو صاحب ان کی قبر کے ساتھ دفن کیے گئے وہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور جب حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے اچھے سلف (حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ) کے ساتھ جا کر مل جاؤ۔

۱۶۴۸/۱۹ وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَةَ فَقُلْتُ یَا اُمَّاهُ اِکْشِفِیْ لِیْ عَنْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ صَاحِبَیْهِ فَکَشَفَتْ عَنْ ثَلٰثَةِ قُبُوْرٍ لَّا مُشْرِفَةٍ وَّلَا لَاطِیَةٍ مَبْطُوْحَةٍ

حضرت قاسم بن محمد سے روایت ہے فرماتے ہیں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے میری ماں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور اور آپ کے دونوں ساتھیوں کی قبر سے پردہ ہٹائیں اور میرے لیے ان کا دروازہ کھولیں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تین قبور کے آگے سے پردہ ہٹایا جو نہ تو زمین کے ساتھ

بِبَطْحَاءِ الْعَرْصَةِ الْحَمْرَاءِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

تھیں اور نہ زمین سے بہت زیادہ بلند تھیں اور وہ سرخ رنگ کی بحری پٹری بڑی بھری تھیں (ابوداؤد)

لے یعنی حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم آپ اکابر تابعین اور افاضل زمانہ اور مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء کرام میں سے تھے۔

سے حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما۔ یہ تینوں قبور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں تھیں جب تک ان قبور مطہرہ منورہ تک پہنچنے کا راستہ موجود تھا ان کے آگے پردہ پڑا رہتا تھا۔ جب زائرین ان کی زیارت سے مشرف ہونا چاہتے تھے تو پردہ اٹھا دیا جاتا اور لوگ اندر اکر زیارت کرتے۔

سے علماء فرماتے ہیں ان کی بلندی ایک بالشت تھی۔

سے بطحاء کشادہ نالے کو کہتے ہیں جس میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں ہوں۔ یہاں بطحاء سے کنکریاں مراد ہیں۔

سے در اصل حریلی کے صحن کو کہتے ہیں اور ہر کشادہ جگہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے بعد میز ملوث کے علاوہ میں واقع ایک مخصوص جگہ کے لیے یہ زیادہ تر استعمال ہونے لگا۔

۱۶۱۹/۴ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةِ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَانْتَهَيْنَا اِلَى الْقَبْرِ وَلَمَّا يُلْحَدْ بَعْدُ فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَجَلَسْنَا مَعَهٗ۔

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں نکلے تو قبر تک پہنچ گئے جو ابھی تک تیار نہ ہوئی تھی تو حضور علیہ السلام بیٹھ گئے اور ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ بیٹھ گئے

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ فِيْ اٰخِرِهٖ كَاَنَّ عَلٰى رُؤُسِنَا الطَّيْرَ)

اسے ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے اس کے آخر میں یہ لفظ زیادہ کئے کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے تھے

لے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں یعنی ہم پر انتہائی خضوع اور سکون طاری تھا۔ یہ حدیث باب ما یقال عند من حضره الموت کی تیسری فصل میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اضافہ کے ساتھ جو وہاں ذکر ہیں گزر چکی ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر تک جنازے کے ساتھ چلنا اور اس کے دفن تک اس کی انتظار میں بیٹھنا سنت ہے

۱۶۲۰/۲۱ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهٖ حَيًّا. (رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْ دَاؤدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا[1] (مالک، ابو داؤد) (ابن ماجہ)

[1] حضرت ابن عبدالبر نے کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام باتوں سے مردے کو بھی تکلیف پہنچتی ہے جن سے زندہ کو تکلیف واذیت پہنچتی ہے۔ اس بات کو یہ امر لازم ہے کہ مردے کو بھی ان تمام باتوں سے لذت محسوس ہوتی ہے جن سے زندہ انسان لذت پذیر ہوتا ہے۔ ابن عبدالبر کا کلام ختم ہوا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۶۲۱/۲۲ عَنْ اَنَسٍ قَالَ شَهِدْنَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُدْفَنُ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ فَرَاَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ فَقَالَ هَلْ فِيْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ لَّمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَنَا قَالَ فَانْزِلْ فِيْ قَبْرِهَا فَنَزَلَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی[1] کی تدفین کے وقت موجود تھے اور درانحالیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس تشریف فرما تھے میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی ایسا ہے جو آج رات اپنی بیوی کے پاس نہ گیا ہو[2] حضرت ابو طلحہ نے عرض کیا میں (یا رسول اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انس پر فرمایا تو اس کی قبر میں اتر آپ اس کی قبر میں اتر گئے۔ (بخاری)

[1] یہ حضرت ام کلثوم تھیں۔ جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔

[2] یعنی جس نے اس رات گناہ نہ کیا ہو یا جس نے آج کی رات اپنی بیوی سے جماع نہ کیا ہو۔ لفظاً اقتراف و مقارفت (بمعنی ارتکاب یعنی قاف پھر فاء) کے دونوں معنی ہیں۔ اور یہاں دونوں معنوں پر محمول کیا گیا ہے۔ محدثین فرماتے ہیں دوسرا معنی زیادہ بہتر اور راجح ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ اس رات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی لونڈیوں میں سے کسی کو طلب کیا اور اس سے جماع کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرماتے ہیں اشارۃً حضرت عثمان کو قبر میں اترنے سے منع فرمادیا۔

اور آپ کے اس فعل کو ناپسند جانا۔ محدثین کرام نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے ایسا کیا اور آپ کا عذر یہ تھا کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی بیماری طوالت اختیار کر چکی تھی۔ حضرت عثمان کا یہ گمان نہ تھا کہ وہ اس رات میں فوت ہو جائیں گی۔ تو بے بس ہو کر آپ نے لونڈی سے جماع کر لیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تو حضرت ابوطلحہ نے عرض کیا۔ الخ۔

سے حضرت ابوطلحہ انصاری جو حضرت انس کی والدہ کے خاوند تھے۔ نے عرض کیا میں وہ شخص ہوں جس نے آج کی رات بیوی سے جماع نہیں کیا۔

کے شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے اپنی شرح میں فرمایا کہ اس حدیث سے یہ اشکال و اعتراض نہ کیا جائے کہ اس کام کے لیے خاوند اور ذی رحم رشتہ دار، غیر رشتہ دار نیک لوگوں سے بہتر ہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عثمان کے لیے قبر میں اترنے سے کوئی امر مانع ہو۔ امام نووی نے ایسا ہی کہا ہے۔ اور فرمایا کہ اس حدیث سے یہ ماخوذ ہوتا ہے کہ جسے بیوی سے جماع کیے کافی وقت گزر چکا ہو وہ اس کام کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ اسے خوب سمجھو۔

۱۷۲۲ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لِابْنِهٖ وَهُوَ فِيْ سِيَاقِ الْمَوْتِ اِذَا اَنَا مِتُّ فَلَا تَصْحَبْنِيْ نَائِحَةٌ وَلَا نَارٌ فَاِذَا دَفَنْتُمُوْنِيْ فَشُنُّوْا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ اَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِيْ قَدْرَ مَا يُنْحَرُ وَ يُقْسَمُ لَحْمُهَا حَتّٰى اَسْتَاْنِسَ بِكُمْ وَ اَعْلَمَ مَاذَا اُرَاجِعُ بِهٖ رُسُلَ رَبِّيْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا جب کہ آپ پر سکرات موت طاری ہو چکی تھی، جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے ساتھ کوئی بین کرنے والی نہ جائے اور نہ میرے ساتھ آگ جائے اور جب مجھے دفن کر چکو تو میرے اوپر مٹی چھڑک دو پھر میری قبر کے ارد گرد اتنی دیر کھڑے رہو جتنی دیر اونٹ ذبح کرنے اور اسے تقسیم کرنے میں صرف ہوتی ہے۔ تاکہ میں تم سے سکون حاصل کروں اور یہ جان لوں کہ خدا تعالیٰ کے فرستادہ فرشتوں کا کیا جواب دیتا ہوں۔ (مسلم)

لہ آپ مشہور صحابی ہیں رضی اللہ عنہ

کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ میت کے ساتھ آگ لے کر جاتے تھے تاکہ مشک وغیرہ سلگانے کے کام آسکے۔

سے یعنی مجھ پر تھوڑی تھوڑی کر کے مٹی ڈالنا اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ میت ہر ایسی چیز سے درد وغیرہ محسوس کرتا ہے۔ شُنُّوا شین کی پیش نون مشدد اور شَنّ شین اور نون شد کے ساتھ یعنی پانی چھڑکنا۔ یہاں مٹی چھڑکنے کے لیے

استعمال ہوا ہے۔

ــکـہ حدیث کے بعض الفاظ میں لفظ جزور (جیم کی زبر) آیا ہے یعنی اونٹ ذبح کرنا۔

ــھـہ اصل میں لفظ "استانس" آیا ہے جو انس سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ہے کسی چیز سے سکون اور آرام پانا۔

ــتـہ جو قبر میں آتے اور سوال کرتے ہیں۔

۱۶۳۳/۲۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوْهُ وَ أَسْرِعُوْا بِهٖ عَلٰى قَبْرِهٖ وَلْيُقْرَءْ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَاتِحَةُ الْبَقَرَةِ وَ عِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَقَالَ وَالصَّحِيْحُ أَنَّهٗ مَوْقُوْفٌ عَلَيْهِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب تم میں سے کوئی مر جائے تو اسے روک نہ رکھو بلکہ اسے قبر کی طرف جلدی لے جاؤ اور اس کے سر کی جانب سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات[۱] اور اس کی پائنتی کی جانب سورۃ بقرہ کی آخری آیات پڑھی جائیں[۲]
اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا اور کہا صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر پر موقوف ہے۔ (اور ان کا قول ہے)

لـہ یعنی اول سورت سے مفلحون تک۔

ــلہ یعنی آمن الرسول سے تا آخر سورت بقرہ۔ اور آثار میں سورۃ فاتحہ معوذتین (سورۃ قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس) اور سورۃ قل ھو اللہ احد پڑھنے اور اہل قبور کے لیے ثواب کمانے کا ذکر آیا ہے۔ میت کے لیے قرآن کا ثواب کمانے اور اسے ثواب پہنچنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ قول صحیح یہ ہے کہ ثواب پہنچتا ہے۔ شیخ عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ نے روض الریاحین میں نقل کیا ہے عزالدین عبدالسلام رحمۃ اللہ کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ ہم نے دنیا میں یہ فتویٰ دیا تھا کہ قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا مگر اس عالم برزخ میں اس فتویٰ کے خلاف سامنے آیا ہے۔ اور وہ یہ کہ میت کو اس کا ثواب پہنچتا ہے۔ اور قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ یہی صحیح ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا۔

ــتـہ یعنی بطریق مرفوع حدیث روایت ہوگی۔

۱۶۳۴/۲۵ وَعَنِ ابْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ

حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما

بِالْحُبْشِيِّ وَهُوَ مَوْضِعٌ فَحُمِلَ إِلٰى مَكَّةَ فَدُفِنَ بِهَا فَلَمَّا قَدِمَتْ عَائِشَةُ أَتَتْ قَبْرَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَتْ۔

وَكُنَّا كَنَدْمَانَيْ جَذِيْمَةَ حِقْبَةً مِّنَ الدَّهْرِ حَتّٰى قِيْلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَأَنِّيْ وَمَالِكًا لِطُوْلِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً مَّعًا

ثُمَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ لَوْ حَضَرْتُكَ مَا دُفِنْتَ إِلَّا حَيْثُ مُتَّ وَلَوْ شَهِدْتُكَ مَا زُرْتُكَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حبشی[2] (ایک جگہ کا نام ہے) میں فوت ہوئے اور ان کا جنازہ وہاں سے اٹھا کر مکہ شریف لایا گیا اور وہاں دفن کیا گیا[3] جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں[4] تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہما کی قبر پر بھی آئیں۔ تو کہا[5]

ہم دونوں عرصہ دراز تک جذیمہ کے دو ساتھیوں کی طرح رہے حتیٰ کہ کہا جانے لگا یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ پھر جب ہم میں جدائی واقع ہو گئی تو اس کے باوجود کہ ہم عرصہ دراز تک اکٹھے رہے، ایسا محسوس ہوا کہ ہم نے کبھی ایک رات بھی اکٹھے نہیں بسر کی۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اللہ کی قسم اگر تیری موت کے وقت میں تیرے پاس ہوتی تو تو وہیں دفن ہوتا جہاں فوت ہوا تھا اور اگر میں بوقت موت تیرے پاس موجود ہوتی تو آج تیری زیارت کو نہ آتی۔ (ترمذی)

۱؎ مُلیکہ میم کی پیش، لام کی زبر یا ساکن۔ آپ مشہور تابعین سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مکہ معظمہ کے قاضی تھے۔

۲؎ حُبشی حا کی پیش، با ساکن بعد میں شین تین نقطوں والا۔ آخر میں یا مشدد، مکہ معظمہ کے قریب ایک بستی یا جگہ ہے بعض نے کہا کہ یہ جگہ مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔

۳؎ یعنی جنت المعلیٰ میں۔

۴؎ یعنی مکہ معظمہ میں حج کے لیے تشریف لائیں۔ تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی قبر کی زیارت کے لیے بھی تشریف لے گئیں۔ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے، دونوں کی والدہ حضرت ام رومان ہیں۔

۵؎ اور تمیم بن نویرہ کے دو شعر پڑھے جو اس نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کے مرثیہ میں پڑھے تھے جبکہ اسے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے خلافت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قتل کیا تھا کیونکہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کی تھی۔

لے جَذِیمہ (جیم کی زبر ذال نقطہ والی کی زیر) جیسا کہ پڑھنے جاننے والے نسخوں میں اس کی تصحیح کی گئی ہے اور جذیمہ (جیم کی پیش ذال کی زبر) سے بھی پڑھا گیا ہے۔ چنانچہ لغت کی کتاب صحاح میں کیا جزیمہ عراق کے ایک بادشاہ کا نام تھا جس نے جزیرہ عرب کو بھی اپنے قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ اس بادشاہ کے دو ساتھی تھے۔ ایک کا نام مالک دوسرے کا عقیل یہ دونوں مسلسل چالیس برس ایک دوسرے کے ساتھی اور بادشاہ کے ہمنشین رہے۔ اور ان دونوں کو نعمان نے قتل کیا تھا ان کے قتل کا قصہ عجیب و طویل ہے جو کہ مقامات حریری کی شرح میں مذکور ہے۔ حِقبۃً (حا کی زیر قاف ساکن) بمعنیٰ مدت دراز حا کی پیش سے بمعنیٰ اسی سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ کو کہتے ہیں۔ اس کے لیے لفظ دہر بھی آتا ہے۔ لغت کی کتاب مراح میں کہا حِقبہ حا کی زیر سے بمعنیٰ سالہا سال۔ اور حُقُبٌ و حُقْبٌ بمعنیٰ اسی یا اس سے بھی زیادہ سال کا عرصہ جیسا کہ خدائے تعالیٰ کے قول مبارک اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا اور لٰبِثِیْنَ فِیْهَآ اَحْقَابًا میں ہے تو شاعر کہتا ہے ہم دونوں جذیمہ کے دو ساتھیوں کی طرح تھے جو مدت دراز تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ کہا گیا کہ یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے اور جب ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو گویا میں اور مالک عرصہ دراز تک اکٹھے رہنے کے بعد اس طرح ہو گئے کہ ایک رات بھی اکٹھے نہیں رہے۔ شعر میں لِطُوْلِ کا لام بمعنیٰ بعد یا مع ہے یہ دو شعر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پڑھے۔

لے کیونکہ جہاں مرے وہیں میت کو دوسری جگہ منتقل نہ کرنا سنت اور افضل ہے۔

لے کیونکہ زیارت قبر کوئی لازم و ضروری کام نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ازواج مطہرات عدت گزارنے والی عورتوں کی طرح ہیں جن کے لیے گھروں میں ہی رہنا لازم و ضروری ہوتا ہے۔ سوائے ضروری کام مانند حج وغیرہ باہر نکلنا جائز و درست نہیں۔ پھر ظاہر حدیث عورتوں کے قبور کی زیارت کو جانے کی ممانعت میں ہے۔ اگرچہ بعض حضرات ممانعت کی حدیث کی تاویل کرتے اور اسے منسوخ قرار دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ تیری جائے موت سے دوسری جگہ دفن کے لیے لے جانا میرے نزدیک مکروہ ہے مگر چونکہ میں تیری موت کے وقت تجھ سے ملاقات نہ کر سکی اس لیے تیری قبر کی زیارت کے لیے آئی ہوں تاکہ زیارت قبر تیری ملاقات کے قائم مقام ہو جائے۔ ورنہ ترک زیارت بہتر تھا۔ اسے سمجھ لو۔

۱۶۲۵ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ سَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْدًا وَرَشَّ عَلٰى قَبْرِهٖ مَآءً (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو قبر میں اتارا اور ان کی قبر پر پانی چھڑکا۔[1] (ابن ماجہ)

لے مسلمان کے اظہار عزت و تکریم اور ان پر خصوصی مہربانی اور عنایت کے لیے۔

۱۶۲۶/۷۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر

عَلٰی جَنَازَۃٍ ثُمَّ اَتَی الْقَبْرَ فَحَثٰی عَلَیْہِ مِنْ قِبَلِ رَاْسِہٖ ثَلَاثًا۔

نماز جنازہ پڑھی پھر قبر کے پاس آئے اور میت کے سر کی طرف سے اس پر تین بار مٹی ڈالی [۱]

(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ) (ابن ماجہ)

[۱] یعنی اپنے دست مبارک سے۔

۱۶۲۴/۲۸ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَ رَاٰنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّکِأً عَلٰی قَبْرٍ فَقَالَ لَا تُؤْذِہٖ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا تو فرمایا اس قبر والے کو تکلیف نہ دے یا اسے تکلیف نہ دے۔ (احمد)

[۱] حزم (حا کی زیر زا ساکن) حضرت عمرو بن حزم صحابی ہیں۔ غزوۂ خندق کے سال پندرہ برس کی عمر میں ایمان لائے اور سترہ سال کے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن میں نجران کا عامل مقرر فرما کر بھیجا۔

[۲] یہ راوی کا شک ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لاتؤذ صاحب ھذا القبر فرمایا یا لا تؤذہ فرمایا یعنی لفظ صاحب ھذا القبر کے بجائے ضمیر سے بیان فرمایا۔ اور شاید اس سے مراد یہ ہے کہ میت کی روح اس کو برا سمجھتی ہے۔ اور تکیہ لگانے سے راضی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس میں میت کی اہانت اور اس کی حقارت ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْبُکَاءِ عَلَی الْمَیِّتِ

میت پر رونے کا باب

میت پر بے نوحہ اور آواز بلند کیے بغیر رونے میں حرج نہیں۔ مگر واویلا نوحہ کرنا اور میت کا حد سے زیادہ اچھی صفت بیان کرنا، سینہ کوبی کرنا، گریبان پھاڑنا، منہ نوچنا، بال بکھیرنا، سر پر خاک ڈالنا، اور تعریف و ستائش کرنا جو محال و ناممکن کے مشابہ ہو، مکروہ اور منع ہے۔ تاہم میت کی صفت و ثنا اعتدال کے ساتھ جبکہ واویلا کی شکل میں نہ ہو، مکروہ نہیں ہے۔ پھر مصائب پر تین دن سے زیادہ اور قبر پر جا کر سوگ منانا مکروہ ہے۔ تعزیت بھی دفن سے پہلے اور اس کے بعد تین دن تک جائز ہے۔ تعزیت یعنی ماتم پرسی کا معنیٰ ہے مصیبت زدہ کو صبر و برداشت کی تلقین کرنا۔ عزا بھی صبر ہے۔ پھر ماتم داری کے لیے دروازے پر بیٹھنا مکروہ ہے۔ مگر بعض مشائخ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ ماتم داری کے لیے تین دن تک بیٹھنا جائز ہے۔ اس سے زیادہ دن مکروہ ہے۔ بعض نے سات دن تک جائز قرار دیا ہے۔ عطاء خراسانی سے جو تابعین میں سے ہیں، منقول ہے کہ انہوں نے کہا جب آدم علیہ السلام فوت ہوئے تو

ساری مخلوق سات روز تک بدون آئینہ ہی بہت سے متاخرین نے کہا ہے کہ اہل بیت کے گھر جمع ہونا مکروہ ہے اور یہ بھی مکروہ ہے کہ وہ اپنے گھر کے دروازے سے باہر بیٹھیں اور لوگ وہاں جمع ہو کر آئیں تعزیت کریں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ جلدی ہی دفن سے فارغ ہوں اور واپس لوٹیں تو منتشر ہو جائیں، صاحب میت کو چاہیے کہ اپنے کام میں مشغول ہو جائے اور باقی لوگ بھی اپنے اپنے کام میں مصروف ہو جائیں۔ اور تعزیت ایک بار سے زیادہ دفعہ نہ کرنی چاہیے۔ بعض مشائخ بخارا نے کہا میت حاضر کی تعزیت تین روز تک ہے اور میت غائب کی صرف ایک دن۔ بعض نے کہا غائب کے لیے تین دن تک تعزیت کے لیے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔ گھروں میں بیٹھے یا مسجد میں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفر بن ابو طالب، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کے قتل کی خبر سن کر مسجد میں بیٹھے اور لوگ تعزیت کے لیے آتے تھے۔ اور جو تکلفات لوگوں نے آج کل اختیار کر رکھے ہیں سب بدعت وقبیح ہیں ان کا کرنا جائز نہیں۔ اور اگر تعزیت کنندہ یوں کہے کہ تجھے بہت بڑی یا سخت مصیبت لاحق ہوئی ہے۔ بعض نے کہا کہ ایسا کہنا کفر ہے۔ بعض نے کہا کفر تو نہیں مگر گناہ بہت بڑا ہے۔ اور بعض نے اس کے جواز کا فتویٰ بھی دیا ہے۔ اور اگر یوں کہے کہ جتنی زندگی اس کی کم ہوئی اتنی تجھے زیادہ مل جائے تو یہ کلمہ بھی کفر ہے۔ اور اگر اس طرح کہے تیری عمر زیادہ ہو تو یہ بھی خطا اور جہالت ہے۔ یہ سب باتیں کتاب مطالب المومنین میں مذکور ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۷۲۲ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِىْ سَيْفِ الْقَيْنِ وَكَانَ ظِئْرًا لِاِبْرَاهِيْمَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِبْرَاهِيْمَ فَقَبَّلَهٗ وَشَمَّهٗ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ وَاِبْرَاهِيْمُ يَجُوْدُ بِنَفْسِهٖ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ

پہلی فصل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو سیفؓ لوہار کے ہاں گئے۔ وہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ کے شوہر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کو پکڑا اور انہیں چوما اور سونگھا اس کے بعد پھر ہم لوگ آپ کے ساتھ حضرت ابراہیم کے پاس گئے۔ اس وقت وہ اپنی جان، آفرین کے سپرد کر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسوؤں سے بہنا شروع ہو گئیں۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ بھی؟ (رو رہے ہیں) فرمایا اے

عَوْفٍ وَّ اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ يَا ابْنَ عَوْفٍ اِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ اَتْبَعَهَا بِاُخْرٰى فَقَالَ اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ابن عوف یہ رحمت و محبت کے لطف میں شامل ہے۔ پھر بھی آپ کے آنسو بہتے رہے۔ اور آپ نے فرمایا آنکھ آنسو بہاتی ہے۔ دل غم میں ڈوبا ہوا ہے مگر ہم زبان سے وہی بات کہیں گے جو ہمارے رب تعالیٰ کو پسند ہے اور اے ابراہیم بے شک ہم تیری جدائی اور فراق پر غمناک ہیں۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی حضرت ابو سیف حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی دایہ کے شوہر تھے۔ ان کا نام براء بن اوس تھا اور ان کی زوجہ کا نام خولہ بنت المنذر تھا۔ حدیث میں جو لفظ ظئر آیا ہے لغت میں اس کا معنی ہے دوسرے کے بچے پر مہربانی اور شفقت کرنے والا۔

۲؎ یعنی ان کی جان نکلنے کے قریب تھی۔ حضرت ابراہیم اس وقت دو سال کے تھے۔ بعض نے کہا اس وقت آپ سولہ ماہ اور آٹھ دن کے تھے۔ اور ایک روایت کے مطابق ایک سال دو ماہ اور چھ دن کے تھے الغرض آپ شیر خوارگی کی عمر میں رحلت کر گئے۔

۳؎ حدیث میں لفظ تذرفان آیا ہے یہ لفظ ذرف و ذال نقطہ دار سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے آنسوؤں کا جاری ہونا

۴؎ یعنی اس معرفت اور جلالت شان کے باوجود آپ رو رہے ہیں اور اشک بہا رہے ہیں۔

۵؎ یعنی یہ جان دینے والے پر رحمت و رقت کے آنسو ہیں جو کمال کے منافی نہیں بلکہ یہ کیفیت نازک جسم کے ساتھ اس شدت تکلیف میں مبتلا ہے یہ آنسو بے صبری اور قضا پر ناراضگی کی وجہ سے نہیں جیسا کہ تم نے خیال کیا ہے۔

۶؎ حدیث کے ان عربی الفاظ کا دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ نے اس کے بعد دوسری بار بھی آنسو بہائے۔

۷؎ اس باب میں تحقیق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال کمالِ بشریت ہے جو تمام اوصاف انسانی ظاہری و باطنی کو شامل ہے جیسا کہ بشر کے حال کے لائق و مناسب ہے کہ وہ روح، نفس اور طبیعت کے جملہ صفات کا جامع ہوتا ہے بخلاف ملائکہ کے حال کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور مبارک تھا کہ آپ ہر چیز کا اس کا حق عطا کرتے تھے اور آپ سے تمام حواس و قویٰ کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ لہٰذا جو کچھ آپ کے مقدور میں ہوتا وہ آپ سے قدرت و اختیار سے صادر ہوتا تھا اور جو کچھ غیر مقدور ہوتا وہ بتقاضائے طبیعت اور غیر اختیاری طور پر ظاہر و صادر ہوتا تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو نقص

لازم آتا۔ اور یہ سب کچھ حق و حکمت کے عین موافق ہے۔ اور یہ آپ کے حواس وتری کے سلامت اور درست ہونے کی دلیل وعلامت ہے۔ خلاصہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر مرتبہ تمام وکمال حاصل تھا۔ اور یہ بوقت نزع آپ کو تکلیف پہنچنے کی وجوہات میں سے ایک وجہ ہے۔ محققین صوفیہ فرماتے ہیں کہ ارباب تمکین و ولایت کے لیے ان کی طبیعت، نفس روح، قلب اور سِر کے لطائف جدا جدا آپس میں خلط ملط کے بغیر اپنے اپنے عمل اور کام میں مصروف رہتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے آثار و نتائج ان پر مرتب اور صادر ہوتے رہتے ہیں۔ لطیفہ سر تو خدا تعالیٰ وتقدس کی ذات سے متصل رہتا ہے۔ اور روح اس کی محبت میں مستغرق قلب اس کے ذکر میں مشغول، نفس اس کی خدمت میں لگا رہتا ہے اور لطیفہ طبیعت ان حظوظ و لذائذ میں مصروف رہتا ہے جو انسان کے قوام بدن کے لیے درکار ہیں۔ مگر سب کے سب لطائف حق تعالیٰ کے مطیع و منقاد ہوتے ہیں۔ اور سارے عوامل میں مصروف رہتے ہیں۔ جن کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۷۲۹ وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ اَرْسَلَتِ ابْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِ اَنَّ ابْنًا لِّيْ قُبِضَ فَأْتِنَا فَاَرْسَلَ يُقْرِئُ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى وَكُلٌّ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَاَرْسَلَتْ اِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَاْتِيَنَّهَا فَقَامَ وَمَعَهٗ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَاُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَرِجَالٌ فَرُفِعَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبِيُّ وَنَفْسُهٗ تَتَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذَا فَقَالَ هٰذِهٖ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے آپ کی طرف کسی کو بھیجا کہ میرا ایک بچہ حالت نزع میں ہے اس لیے آپ ہمارے پاس تشریف لائیں۔ آپ نے اس کے جواب میں کسی کو ان کی طرف بھیجا کہ حضور علیہ السلام سلام کہتے اور فرماتے ہیں کہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ وہ لیتا ہے اور اسی کا ہے جو وہ عطا کرتا ہے۔ ہر چیز کی اس کے ہاں ایک مدت معین ہے۔ لہٰذا اسے صبر کرنا اور طالب اجر و ثواب بننا چاہیے۔ اس پر آپ کی صاحبزادی نے پھر کسی کو آپ کی طرف بھیجا اور عرض کیا کہ میں قسم دے کر کہتی ہوں کہ آپ ضرور اپنی صاحبزادی کے ہاں تشریف لائیں۔ تو آپ کھڑے ہو گئے اور آپ کے ساتھ حضرت سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل و ابی بن کعب و زید بن ثابت اور کچھ اور لوگ بھی آئے۔ تو وہ بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اٹھا کر لایا گیا۔ اس وقت اس کی

اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ وَاِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَآءَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جان حرکت کر رہی تھی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیا ہے آپ نے فرمایا یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ان پر رحم کرتا ہے جو رحیم اور مہربان ہوتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

لہ یہ حضرت زینب زوجہ ابو العاص بن الربیع ہیں۔
لہ اور اس کی جان نکلنے کے قریب ہے۔
لہ لہٰذا اس بچے کی زندگی بھی اس مدت معین تک ہے۔
لہ حدیث میں لفظ تتقعقع آیا ہے جو تعقعقہ سے نکلا ہے اس کا معنی وہ آواز ہے جو ہتھیاروں اور کھانے کے وقت دانت زور سے ایک دوسرے پر مارنے سے بلند ہوتی ہے۔ اسی طرح خشک چیز کو زور سے مارنے سے جو آواز نکلتی ہے۔ جیسا کہ قاموس میں ہے صراح میں ہے۔ تعقعہ ہتھیاروں کی آواز اور زین کے اندر گھسنے کی آواز۔
لہ یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص نے عرض کیا۔
لہ یعنی یہ کیا بات ہے کہ آپ بظاہر قوی حوصلہ ہوتے کے باوجود رو رہے ہیں اور اشک بہا رہے ہیں۔

۱۶۳۰/۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اشْتَكٰى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ شَكْوٰى لَهٗ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ وَسَعْدِ ابْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ وَجَدَهٗ فِيْ غَاشِيَةٍ فَقَالَ قَدْ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ ایک بیماری میں مبتلا ہوئے ان کی بیمار پرسی کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت آپ کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت سعد بن ابی وقاص لہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بھی تھے جب حضور ان کے پاس پہنچے تو انہیں غشی کی حالت میں پایا۔ آپ نے فرمایا آن کی زندگی کے دن پورے

لہ اشعۃ اللمعات کے موجودہ نسخہ میں سعد بن ابی وقاص ہی ہے۔ شاید شیخ رحمۃ اللہ نے کسی روایت میں ایسا ہی پایا ہو۔ ورنہ ظاہر یہ ہے کہ سعد سے حضرت سعد بن عبادہ قبیلہ خزرج کے سردار مراد ہیں۔ فاللہ اعلم۔

قُضِیَ قَالُوْا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَبَکَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَاٰی الْقَوْمُ بُکَآءَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَکَوْا فَقَالَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَیْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ وَلٰکِنْ یُّعَذِّبُ بِهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰی لِسَانِهٖ اَوْ یَرْحَمُ وَاِنَّ الْمَیِّتَ لَیُعَذَّبُ بِبُکَاءِ اَهْلِهٖ عَلَیْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

کر دیئے گئے ہیں تب صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ابھی نہیں مرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے جب لوگوں نے آپ کو روتے دیکھا تو وہ بھی رو پڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نہیں سنتے کہ اللہ تعالیٰ آنکھ سے صرف آنسو بہانے پر عذاب نہیں دیتا اور نہ دل کے غمناک ہونے پر بلکہ اس پر عذاب دیتا ہے اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا۔ یا زبان کے فعل پر رحمت کرتا ہے۔ اور بے شک میت کو اس کے اہل و عیال کے اس پر رونے سے عذاب دیا جاتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ حدیث میں لفظ غاشیہ آیا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے ایسا ڈھانپ جس نے انہیں چھپا لیا اور ان کا احاطہ کر لیا ہے یہ شدت مرض اور رنج و درد سے کنایہ ہے۔ غاشیہ ایسے کام کو کہتے ہیں جو بہت سخت و دشوار ہو کہ انسان کا گھراؤ کرے یعنی مرض وغیرہ اسی معنیٰ کے اعتبار سے قیامت کو غاشیہ کہا گیا ہے۔ صراح میں ہے غاشیہ بمعنیٰ قیامت، درد اور شکم کا جاری۔ بعض نے کہا حدیث میں غاشیہ سے مراد وہ جماعت ہے جس نے ان کا احاطہ کر رکھا تھا اور جو ان کے ارد گرد بیٹھی ہوئی تھی۔

۲؎ انہیں سخت حالت میں دیکھ کر۔ یا آپ نے استفہام کے طور پر فرمایا۔

۳؎ یعنی کیا اس پر موت طاری کر دی گئی اور اس کی زندگی کا کام ختم کر دیا گیا ہے۔ اور حدیث میں واقع لفظ (قضی) بصیغہ معلوم بھی روایت کیا گیا ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ وقضی نحبہ میں۔ یعنی اس نے اپنی مدت حیات پوری کر لی ہے۔

۴؎ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت فاروقی یا صدیقی کے دور میں رحلت فرمائی۔

۵؎ یعنی شرعی احکام سنو کہ خدا تعالیٰ الخ

۶؎ یعنی اس کے فعل پر عذاب دیتا ہے۔

۷؎ یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب اور اس کی رحمت زبان کے فعل پر مرتب ہوتی ہے۔ اگر زبان سے بین اور نوحہ کیا۔

اور نامناسب الفاظ کہے تو عذاب کا مستحق بنتا ہے۔ اور اگر خدا تعالےٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے اور انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے تو رحمت و ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

۵ ؎ اس کی تحقیق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آرہی ہے۔

۱۶۳۱/۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاهِلِيَّةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں[۱] جس نے رخسار پیٹے گریبان پھاڑے۔ اور دور جاہلیت کے دعوی کیے[۲] (بخاری و مسلم)

۱ ؎ یعنی ہمارے طریقہ پر چلنے والے لوگوں میں سے نہیں۔

۲ ؎ جیسے نوحہ گری اور واویلا وغیرہ۔

۱۶۳۲/۵ وَعَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ قَالَ اُغْمِيَ عَلٰی اَبِيْ مُوْسٰی فَاَقْبَلَتْ امْرَاَتُهٗ اُمُّ عَبْدِ اللّٰهِ تَصِيْحُ بِرَنَّةٍ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَلَمْ تَعْلَمِيْ وَ كَانَ يُحَدِّثُهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا بَرِيْءٌ مِمَّنْ حَلَقَ وَ صَلَقَ وَخَرَقَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِمُسْلِمٍ)

حضرت ابو بردہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ (اشعری) پر بے ہوشی طاری ہو گئی[۲] تو ان کی بیوی ام عبداللہ[۳] آئی جو آواز سے رو رہی تھی۔ پھر وہ ہوش میں آ گئے اور فرمایا کیا تجھے علم نہیں؟ اور وہ اپنی بیوی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کیا کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا میں اس شخص سے بیزار ہوں جو سر منڈائے اور آواز بلند کرے اور گریبان پھاڑے (بخاری و مسلم۔ حدیث کے لفظ مسلم کے ہیں)

۱ ؎ بردہ (با کی پیش را ساکن) آپ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے بیٹے ہیں۔ تابعین سے ہیں۔

۲ ؎ حدیث میں لفظ اُغْمِیَ آیا ہے جو غمی سے مشتق ہے (غ کی زبر اور الف مقصورہ) بمعنی بے ہوشی و اغماء یعنی بے ہوش کرنا۔ غُمِیَ علیہ و اُغْمِیَ علیہ دونوں طرح صیغہ مجہول استعمال ہوتا ہے۔

۳ ؎ یعنی ان کی کنیت ام عبداللہ ہے۔

ئے حدیث میں لفظ رَنَّۃ آیا ہے۔ (را کی زبر نون کی شد) رونے کی وہ آواز جو بلند اور پست کی جائے یعنی جو آواز گلے میں گھمائی جائے۔

ہے یعنی مصیبت کے وقت

۱۶۲۳ وَعَنْ اَبِیْ مَالِکِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ اَمْرِ الْجَاھِلِیَّۃِ لَا یَتْرُکُوْنَھُنَّ اَلْفَخْرُ فِی الْاَحْسَابِ وَالطَّعْنُ فِی الْاَنْسَابِ وَ الْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُوْمِ وَالنِّیَاحَۃُ وَقَالَ النَّائِحَۃُ اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِھَا تُقَامُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَعَلَیْھَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو مالک اشعری سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں چار باتیں دور جاہلیت کی ہیں جنہیں لوگ نہ چھوڑیں گے اپنے حسب پر فخر[1]۔ دوسروں کے نسب پر اعتراض[2] ستاروں سے بارش طلب کرنا[3] اور ماتم میں نوحہ کرنا۔ اور آپ نے فرمایا نوحہ کرنے والی جب موت سے پہلے توبہ نہ کر لے[4] تو اسے اس حال میں کھڑا کیا جائے گا کہ اس پر تارکول[5] کا لباس اور خارش کی قمیص ہوگی۔ (مسلم)

لہ یعنی حسب پر ناز کرنا اور نفس کا اس کی مدح و ثنا کرنا۔ حسب ان صفات خصائل اور شرف و مجد سے عبارت ہے جو کسی انسان اور اس کے باپ دادا میں پائے جاتے ہوں اور انسان انہیں گن گن کر بیان کرے۔

ئے دوسری یعنی لوگوں کے نسب میں طعن کرنا اور اس میں عیب نکالنا ہے۔ اپنے نسب پر فخر اور اس کی مدح کرنا ان دونوں باتوں کا مقصد در اصل اپنے نفس کی تعظیم اور دوسروں کی تحقیر ہوتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں مذموم ہیں۔ ہاں اسلام پر فخر اور شکر کی تعبیر سے نعمت و رحمت اور ٹھیک ہے۔

ئے یعنی ستاروں کے اپنی منزلوں میں داخل ہونے پر بارش کا آنا سمجھے جیسا کہ کہتے ہیں جب فلاں ستارہ اپنی منزل میں پہنچے گا تو بارش ہوگی جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ مُطِرْنَا بِنَوْءِ کَذَا یعنی فلاں ستارے کے اپنی منزل میں پہنچنے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی ہے۔ اس جملے میں در اصل قواعد نجوم اور اس کے احکام پر عقیدہ رکھنے سے ممانعت اور ڈانٹ ہے۔

ئے یعنی اس دنیا سے توبہ کر کے نہ جائے۔ تو میدان محشر میں کھڑا کی جائے گی۔

ھے حدیث میں لفظ قطران آیا ہے۔ (قاف کی زبر طا کی زیر اور سکون کے ساتھ بھی آیا ہے) یہ ایک روغن ہے

جو ایک مشہور درخت سے نکالا جاتا ہے۔ پھر چیا رنگ میں ڈال کر اسے جلاتے اور خارش زدہ اونٹوں کو اس سے طلا کرتے ہیں اس روغن کی یہ خصوصیت ہے کہ اس سے آگ بہت بھڑکتی ہے۔ اور یہ بہت جلد جیز کر جلاتا ہے۔

سلے جَرَب جیم و را کی زبر۔ یہ ایک مشہور مرض ہے۔ جسے خارش کہتے ہیں اور حدیث میں واقع لفظ "دِرْع" کا معنی ہے عورت کا کرتا، پیرہن یعنی کرتا عورت کا ہو خواہ مرد کا یعنی اس کے جسم پر خارش مسلط کی جائے گی۔ پھر اس کے جسم پر قطران (رال) سے طلا کیا جائے گا۔ تاکہ درد و سوزش زیادہ ہو۔ بعض علما نے حل نوحہ گری اور جرب (خارش) کی صورت میں اس کی جزا میں یہ مناسبت بیان کی ہے کہ جب کہ نوحہ گر عورت اپنے چہرے کو کھرچتی اور اپنے کپڑے پھاڑتی تھی تو اسے تکلیف میں مبتلا کیا جائے گا جسے وہ برداشت نہ کر سکے گی۔ یعنی اپنے آپ کو ہر وقت کھرچتے رہنا اور کپڑے پھاڑتے رہنا۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے رقت انگیز کلمات کے ساتھ مصیبت زدہ لوگوں کے دلوں کو خراشتی اور ان کے باطن کو زخمی کرتی تھی لہٰذا اس کے مناسب سزا میں اسے ڈالا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

۱۶۲۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِامْرَاَةٍ تَبْكِيْ عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ اتَّقِي اللّٰهَ وَاصْبِرِيْ قَالَتْ اِلَيْكَ عَنِّيْ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِيْبَتِيْ وَلَمْ تَعْرِفْهُ فَقِيْلَ لَهَا اِنَّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَتْ بَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهٗ بَوَّابِيْنَ فَقَالَتْ لَمْ اَعْرِفْكَ فَقَالَ اِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰى۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کے پاس رو رہی تھی آپ نے فرمایا اللہ سے ڈر اور صبر کر[1]۔ اس نے عرض کیا آپ مجھ سے دور رہیں کہ آپ میرے جیسی مصیبت سے دوچار نہیں ہیں۔ وہ اس وقت آپ کو پہچان نہ سکی۔ اس عورت سے کہا گیا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر آئی تو آپ کے دروازے پر کوئی دربان نہ پایا[2]۔ عرض کی میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا صبر تو صدمہ کے شروع میں کیا جاتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

سلے یعنی جس بات سے خدا تعالیٰ نے منع کیا ہے اس سے صبر کر اور خدا تعالیٰ سے ڈر۔

سلے جس طرح بادشاہوں اور امرا کے دروازوں پر دربان ہوتے ہیں۔ اس نے آپ کے در اقدس سے اندر جانے میں کوئی رکاوٹ نہ پائی۔ اس عورت کو گویا خوف و ہیبت لاحق تھی۔ اس کا گمان تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی بادشاہوں

اور سلاطین کی طرح ہوں گے۔ اور اسے آپ کے پاس پہنچنے کی مجال و گنجائش اور اجازت نہ ہوگی تاکہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر کر سکے۔

۴؎ یعنی اس عورت نے معذرت کرتے ہوئے عرض کیا "میں شناخت نہ کر سکی کہ آپ پیغمبر خدا ہیں تاکہ میں آپ کا حکم بجا لاتی اور بے ادبی کی مرتکب نہ ہوتی"

۵؎ یعنی صبر و برداشت معتبر اور پسندیدہ نہیں مگر صدمہ پہنچنے کے ابتدا میں ہی۔ مصیبت کی حالت میں کچھ وقت گزرنے کے بعد تو مجبوراً صبر کرنا ہی پڑتا ہے۔ صدم کا معنیٰ ہے کسی سخت چیز کو دوسری سخت چیز پر زور سے مارنا جیسا کہ یہاں مصیبت کو جو سخت چیز ہے دل پر ڈالنا کہ دل بھی شدائد و تکالیف کے سہنے کے اعتبار سے ایک سخت شے ہے۔ مصیبت اپنی شدت کے ساتھ دل سے آکر ٹکراتی ہے اور اسے پاش پاش کرنا چاہتی ہے۔ صدم کا معنیٰ کسی چیز کے پہنچنے کا بھی آتا ہے جیسے کسی بلا و مصیبت کا پہنچنا۔ یہ دوسرا معنیٰ زیادہ ظاہر ہے مگر پہلے معنیٰ میں بلاغت زیادہ ہے۔

۱۶۳۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَمُوْتُ لِمُسْلِمٍ ثَلٰثَةٌ مِّنَ الْوَلَدِ فَیَلِجَ النَّارَ اِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے تین بچے فوت نہیں ہوتے۔ پھر وہ دوزخ میں بھی جائے۔ مگر قسم پوری کرنے کے لیے ۲؎۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی جس مسلمان کے تین بچے فوت ہو گئے وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔

۲؎ یعنی دوزخ میں صرف قسم حلال اور پوری کرنے کے لیے جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بندوں کے دوزخ میں جانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا۔ تم میں سے کوئی نہیں مگر وہ دوزخ میں داخل ہو کر رہے گا۔ یعنی اگرچہ صرف ایک آن کے لیے ہو۔ جیسے چمکنے والی بجلی اور چلنے والی ہوا۔ عرب کہتے ہیں میں نے یہ کام صرف قسم پوری کرنے کے لیے کیا ہے۔ یعنی صرف اتنی دیر کے لیے کیا ہے۔ جس سے میں اپنی قسم کی ذمہ داری پوری کر سکوں۔ اس کے لیے ادنیٰ فعل یعنی صرف ایک بار کر لینا کفایت کرتا ہے۔ پس جس مسلمان کے تین بچے فوت ہو گئے وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا مگر اتنی دیر کے لیے کہ قسم پوری ہو جائے۔

۱۶۳۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِنِسْوَةٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ لَا یَمُوْتُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی چند عورتوں کو فرمایا تم میں سے کسی کے تین بچے

اِحْدٰىهُنَّ ثَلٰثَةٌ مِّنَ الْوَلَدِ فَتَحْتَسِبُهُ اِلَّا دَخَلَتِ الْجَنَّةَ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِّنْهُنَّ اَوِ اثْنَانِ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اَوِ اثْنَانِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

فوت ہوں گے پھر وہ اس پر اجر و ثواب کے لیے صبر بھی کرے مگر وہ عورت جنت میں داخل ہوگی۔ (یہ بات سن کر) ان میں سے ایک عورت نے عرض کیا یا دو مرے ہوں یا رسول اللہ۔ فرمایا یا دو ہی مرے ہوں [2] (مسلم شریف)

وَفِىْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا ثَلٰثَةٌ لَّمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ.

اور بخاری و مسلم دونوں کی ایک روایت میں ہے تین بچے جو گناہ [3] کی عمر کو نہ پہنچے ہوں۔

[1] یعنی یا رسول اللہ آپ اس طرح فرمائیں کہ تین بچے مرے ہوں یا دو مرے ہوں ۔اس اجر و جزا کو تین کے ساتھ خاص نہ کریں۔

[2] آپ کا یہ فرمانا اس امر کا احتمال رکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درگاہِ صمدیت حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے اسی وقت یہ وحی ہوئی ہو۔ یا اس دوسری عورت کے عرض کرنے پر آپ نے دعا کی ہو اور آپ کی دعا قبول ہو گئی ہو۔

[3] یعنی جو بلوغت کی عمر کو نہ پہنچے ہوں کہ اس عمر کو پہنچ کر کوئی فعل گناہ متصور ہوتا ہے۔ اور اس پر سزا مرتب ہوتی ہے۔ بلکہ وہ صغر سنی میں ہی فوت ہو جائیں۔ یہ دستور ہے کہ عورتیں چھوٹے بچوں پر زیادہ مہر و شفقت کرتی اور ان کی موت کا صدمہ از حد محسوس کرتی ہیں اور چھوٹے بچے زیادہ تر عورتوں کے تابع اور ماں کے ساتھ ہی رہتے ہیں بخلاف بالغ اولاد کے (کہ وہ کام کاج کے لیے ان سے دور بھاگے پھرتے ہیں)

۱۶۳۹ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللهُ مَا لِعَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ عِنْدِيْ جَزَآءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهٗ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهٗ اِلَّا الْجَنَّةُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ [1] تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندۂ مومن کا میرے پاس کچھ نہیں جب کہ میں اس کے اہلِ دنیا سے اس کے کسی خالص دوست [2] کی روح قبض کر لیتا ہوں پھر وہ اس پر اجر و ثواب کے لیے صبر کرتا ہے۔ مگر جنت (بخاری)

[1] یعنی حدیث قدسی میں فرمایا۔

[2] خالص دوست وہ ہوتا ہے جس کی دوستی میں تکلف و بناوٹ کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ جیسے بچہ وغیرہ جاہل دنیا

یں سے ہے یہ پہچانے کہ اہل احقیت یہاں سے ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۷۳۸- عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ النَّآئِحَةَ وَ الْمُسْتَمِعَةَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور اسے سننے والی پر لعنت کی ہے۔[1]

(ابوداؤد)

[1] یعنی جو رضا و رغبت سے نوحہ اور بین سنے۔ لفظ مونث اس بنا پر آیا ہے کہ نوحہ گری زیادہ تر عورتوں کا کام ہے یا نوحہ گروں کی جماعت مراد ہے۔ یا نوحہ کرنے والی ذات مراد ہے۔ اس معنی کے مطابق یہ لفظ مردوں کو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ گر معنی اول زیادہ ظاہر ہے۔

۱۷۳۹- وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَجَبٌ لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَهٗ خَیْرٌ حَمِدَ اللّٰهَ وَشَکَرَ وَاِنْ اَصَابَتْهُ مُصِیْبَةٌ حَمِدَ اللّٰهَ وَصَبَرَ فَالْمُؤْمِنُ یُؤْجَرُ فِیْ کُلِّ اَمْرِهٖ حَتّٰی فِی اللُّقْمَةِ یَرْفَعُهَا اِلٰی فِیْ اِمْرَاَتِهٖ۔

(رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مومن کا کام عجیب ہے اگر اسے خیر[1] پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا اور اس کا شکر بجا لاتا ہے اور اگر اسے مصیبت[2] پہنچتی ہے تو اس کی حمد کرتا اور صبر اختیار کرتا ہے تو مومن کو اس کے ہر کام میں[3] اجر و ثواب ملتا ہے یہاں تک کہ اس لقمے میں بھی جو وہ اپنی عورت کے منہ کی طرف اٹھاتا ہے۔[4]

اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

[1] خیر یعنی نیکی، نعمت مال و جمال، تندرستی وغیرہ۔

[2] مصیبت یعنی سختی اور غم و صدمہ وغیرہ کیونکہ مومن اللہ تعالیٰ کی صفات جمال و جلال اور اس کے لطف و قہر کا مشاہدہ کرتا ہے۔ بندے پر مختلف حوادث و مصائب اور حالات وارد کرنے سے خدا تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ بندہ اسے پہچانے اور جب اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوئی تو بندے پر اس نعمت کا شکر لازم ہو جاتا ہے۔

[3] یعنی مومن کو ہر کام اور ہر حال میں نعمت ہو یا مصیبت شکر ہو یا صبر، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب ملتا ہے

۷۔ یعنی دوستی اور رحمت کے تحت ادائیگی نفقہ کی نیت سے۔ یہ فعل اگرچہ بظاہر شہوت اور حظ نفس کے طور پر ہوتا ہے مگر فی الحقیقت ادائے حق ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بے شک تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے۔ مشائخ شاذلیہ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ ایسے افعال سے مقصود حق کی موافقت ہے۔ نہ کہ نفس کی مخالفت۔ اس حدیث میں تمام حالات میں اجر وثواب کی تاکید وتائید ہے۔ حقوق ہوں یا عبادات، حظ نفس سے تعلق امور ہوں یا عادات میں سے کیونکہ یہ نیک نیتی پر مبنی ہیں۔ اور مباح امور اگرچہ بظاہر قبیلہ شہوات نفسانی میں سے ہوں جب وہ نیت عبادت پر مشتمل ہوں تو مستحبات کے زمرہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور عادات عبادات کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں

۱۶۴۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَلَهٗ بَابَانِ بَابٌ يَصْعَدُ مِنْهُ عَمَلُهٗ وَ بَابٌ يَنْزِلُ مِنْهُ رِزْقُهٗ فَاِذَا مَاتَ بَكَيَا عَلَيْهِ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی مومن مگر اس کے لیے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازہ وہ ہے جس سے اس کے عمل اوپر چڑھتے ہیں[۱] دوسرا وہ ہے جس سے اس کا رزق اترتا ہے[۲]۔ جب مومن فوت ہو جاتا ہے تو دونوں اس پر روتے ہیں[۳] تو یہ ہے اللہ تعالیٰ کا وہ قول جو فرمایا "تو نہ روے ان پر آسمان[۴] اور زمین"۔ (ترمذی)

۱۔ کہ اس کے راستے اس کا عمل آسمان میں اس جگہ پہنچتا ہے جہاں لکھا جاتا ہے۔ اور یہ زمین میں لکھنے کے بعد ہوتا ہے۔

۲۔ یعنی زمین میں جس جگہ لوگوں کے رزق کا مرکز ومستقر ہے وہاں اس کا رزق اترتا ہے۔

۳۔ حقیقۃً روتے ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ آسمان والے (ملائکہ) و زمین والے اس پر روتے ہیں۔ لیکن ضعیف معنی اول میں ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔
جس دروازے سے اعمال اوپر جاتے ہیں۔ وہ تو اس لیے روتا ہے کہ وہ نیک اعمال سے مشرف ہوتا تھا۔ رزق والا دروازہ اس لیے روتا ہے کہ رزق بندے کے عمل صالح میں مددگار ہوتا ہے تو دونوں دروازے اس سعادت سے محروم ہونے اور اس نعمت کے فقدان پر روتے ہیں۔

۴۔ یعنی دروازہ صعود اور دروازہ رزق۔ مومن کے لیے یہ رونا اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مراد ہے۔ جس کی نفی کفار سے کی ہے اور فرمایا ہے فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ تو ان پر آسمان وزمین نہ روئے۔

قریبی کفار سے متعلق ہے۔ اس کے مقابل مسلمانوں پر آسمان و زمین کا رونا معلوم ہوتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اعمال اوپر چڑھنے کا دروازہ اور رزق کا دروازہ دونوں آسمان میں ہیں تو پھر زمین کا رونا کس بنا پر ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آسمان سے رزق آتا ہے۔ تو زمین پر رزق اترنے کی جگہ رہتی ہے۔ جیسا کہ ترجمہ میں ہم نے اس جانب اشارہ کیا ہے

۱۷۲۳/۱۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهُ فَرَطَانِ مِنْ أُمَّتِيْ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ مِّنْ أُمَّتِكَ قَالَ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ يَا مُوَفَّقَةُ فَقَالَتْ فَمَنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ فَرَطٌ مِّنْ أُمَّتِكَ قَالَ فَأَنَا فَرَطُ أُمَّتِيْ لَنْ يُّصَابُوْا بِمِثْلِيْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے لیے میری امت میں سے دو پیش رو ہوں گے اللہ تعالیٰ ان دونوں کے سبب اسے جنت میں داخل کرے گا۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا آپ کی امت میں جس کے لیے ایک ہی پیش رو ہو۔ (کیا وہ بھی جنت میں داخل ہوگا) آپ نے فرمایا اسے توفیق یافتہ خاتون جس کے لیے ایک ہی فرط (پیش رو) ہوگا[۲] (وہ بھی جنت میں داخل ہوگا) اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا جس کے لیے کوئی فرط (پیش رو) نہ ہوگا (اس کا کیا بنے گا؟) آپ نے فرمایا تو میں اپنی امت کا فرط (پیش رو) ہوں گا۔ اور میری موت جیسی کوئی مصیبت میری امت پر پیش نہ آئے گی[۳] (ترمذی) اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] یعنی وہ ان کی موت کی مصیبت اور ان کی شفاعت سے بہشت میں جائے گا۔ حدیث میں واقع لفظ فرط (فا اور را کی زبر) کا معنی ہے لشکر یا امت میں سے پانی کی طرف آگے جانے والا۔ جو منزل پر پہلے پہنچ کر حوض اور ڈول وغیرہ درست کرے تاکہ پانی اسے ملے اور جس جس چیز کی وہاں ضرورت و حاجت ہو اسے تیار کرے۔ یہاں حدیث میں فرط سے مراد بچہ ہے جو مر جاتا ہے۔ گویا وہ بچہ ماں باپ سے آخرت کی جانب پہلے جاتا ہے تاکہ ان کے لیے بہشت میں جگہ بنائے۔

[۲] یعنی جس کا ایک ہی بچہ مرا ہو اس کا کیا حال ہوگا کیونکہ آپ نے تو یہ بشارت دو بچوں کی موت پر دی ہے۔

[۳] تم نے پہلے دو کا ذکر اس لیے کیا کہ پہلے یہ حکم دو سے ہی متعلق تھا۔ پھر ہم نے بارگاہ الٰہی میں درخواست کی تو اس کی وسیع رحمت کے تحت ایک پر بھی یہ بشارت مل گئی۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کے لیے لفظ یا موفقہ فرمایا یعنی اسے وہ خاتون جسے نیکیوں، شرائع اور احکام سیکھنے اور ان کے بارے میں سوال کرنے کی توفیق عطا

کی گئی ہے۔ یہ حضرت عائشہ کو ندا ہے۔ اور یہ لقب عطا کر کے آپ نے ان کی بزرگی ظاہر فرمائی۔ کہ یہ لقب فضائل و کمالات کا جامع ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں یہ رسائی حاصل تھی کہ آپ علم و شریعت کے احکام کے بارے میں سوالات کرتی رہتی تھیں۔ یہ درجہ دوسری ازواج مطہرات کو حاصل نہ تھا۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صفت و شوق پر حضرت عائشہ کی مدح فرمائی اور دین سیکھنے کی انہیں ترغیب دی تو حضرت عائشہ نے (بعض لوگوں کے) اس نعمت سے سرفراز ہونے پر اظہارِ حسرت و افسوس کے طور پر مزید اگلا سوال کر دیا۔ (کہ جس کا کوئی بچہ فوت نہ ہوا ہو)

سے کہ اس جہاں میں میں ان کا کارساز ہوں گا۔ اور یہ جزا و ثواب انہیں بچے کی موت پر حاصل ہوگا لیکن اس طرح درد و مصیبت اور صدمہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور میری امت کے لیے میری موت جیسی کوئی مصیبت و صدمہ نہیں کیونکہ میں ان کے نزدیک ان کے ماں باپ، اولاد اور ہر چیز جس سے وہ تعلق رکھتی ہے سب سے محبوب تر ہوں۔

$\frac{1644}{15}$ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لِمَلٰٓئِکَتِہٖ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِیْ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیَقُوْلُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَۃَ فُؤَادِہٖ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیَقُوْلُ مَاذَا قَالَ عَبْدِیْ فَیَقُوْلُوْنَ حَمِدَکَ وَاسْتَرْجَعَ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ ابْنُوْا لِعَبْدِیْ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَسَمُّوْہُ بَیْتَ الْحَمْدِ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی بندے کا بچہ مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے تم نے میرے بندے کی روح قبض کی ہے وہ عرض کرتے ہیں ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم نے اس کے دل کا پھل توڑ لیا۔ وہ عرض کرتے ہیں ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے کیا کہا۔ فرشتے کہتے ہیں اس نے تیری حمد کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ له

(احمد، ترمذی)

له کیونکہ وہ اس جہان میں درد و مصیبت اور محنت و غم میں رہا ہے۔ اب اُسے جنت میں نعمتوں اور حور و غلمان سے شاد اور مسرور ہونا چاہیے۔ اور جب کہ اس کا بچہ مر جانے کے باعث اس کے سکون و خوشی کا خانہ ویران ہو چکا ہے تو اس کے لیے بہشت میں اس سے بہتر گھر بناؤ۔ درحقیقت یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی صفت جلال و جمال کا ظہور ہے کہ وہ

زندگی عطا کرتا ہے پھر اتا ہے اور لاتا ہے اور ہنساتا ہے۔ بیت

گہے بخرمتا ضمد ورد ناگ گہے بیکند آتش از دیدہ پاک

کبھی مارتا ہے تاکہ بندہ درد و الم محسوس کرے اور کبھی آنکھوں سے آنسو پاک و صاف کرتا ہے

سہ گہ بغضم سے نوازد گہ بناز م میکشد زندہ سے سازد و مرا آن شوخ باز م میکشد

کبھی تو معانی گفتگو سے مجھے نوازتا ہے کبھی اپنے ناز سے مجھے قتل کرتا ہے۔ وہ شوخ مجھے زندہ کرتا ہے پھر مجھے قتل کرتا ہے۔

سے کہ یہ اس کی حمد، رضا اور تسلیم کی جزا ہے جو اس نے مصیبت کے وقت کی۔

۱۶۴۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزّٰى مُصَابًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مصیبت زدہ انسان کی تعزیت[۱] کی اسے اس کی مثل اجر ملتا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا نَعْرِفُهٗ مَرْفُوْعًا اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَلِيِّ بْنِ عَاصِمٍ الرَّاوِيْ وَقَالَ وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوْقَةَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مَوْقُوْفًا۔

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے ہم اسے مرفوع حدیث سے نہیں جانتے۔ مگر علی بن عاصم راوی[۲] کی حدیث سے اور کہا کہ بعض نے اسے محمد بن سوقہ[۳] سے اسی اسناد کے ساتھ روایت کیا۔

سلہ یعنی صبر کی تلقین کی اور مصیبت زدہ انسان کو تسلی دی۔

سلہ کاشف میں ہے کہ ائمہ نقد و جرح نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

سلہ محمد بن سوقہ (بضم سین مہملہ کی پیش واو ساکن اور قاف) سے اسی اسناد سے" یعنی اس اسناد سے جو حضرت عبداللہ بن مسعود پر موقوف ہے۔ اور محمد بن سوقہ ثقہ و پسندیدہ راوی ہے۔

۱۶۴۵ وَعَنْ اَبِيْ بَرْزَةَ[۱] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزّٰى ثَكْلٰى

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اس عورت کو تسلی دی جس کا بچہ فوت ہو گیا ہو اسے جنت

كُسِيَ بُرْدًا فِي الْجَنَّةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

میں دھاری دار (عمدہ) لباس پہنایا جائے گا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

لے حدیث میں لفظ ثکلی آیا ہے (ثا اور کاف ساکن) یعنی وہ عورت جس کا بچہ مرگیا ہو۔ قاموس میں کہا ثکل (ثا کی پیش) یعنی موت وہلاکت اور دوست یا بچے کا گم ہو جانا۔ مرد کے لیے لفظ ثاکل اور ثکلان آتا ہے۔ عورت کے لیے ثکلی اور ثکلانہ مگر ثکلانہ کا استعمال قلیل ہے اور حدیث میں واقع لفظ برد (با کی پیش) یعنی دھاری دار کپڑا۔ یہ مشہور کپڑا ہے۔

۱۶۴۷/۱۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ لَمَّا جَاءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اصْنَعُوْا لِاٰلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَقَدْ اَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب حضرت جعفر کی موت کی خبر پہنچی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو۔ کہ ان کے پاس وہ چیز آئی ہے جس نے انہیں کھانے پینے سے مصروف کر رکھا ہے۔ (ترمذی۔ ابوداؤد، ابن ماجہ)

لے یعنی عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے تھے۔

ع۲ حدیث میں لفظ نعی آیا ہے جو نعی سے مشتق ہے (نون کی زبر عین ساکن) یعنی موت کی خبر اور نعی (نون کی زبر ع کی زیر اور یا کی شد) بھی روایت ہے یعنی موت کی خبر دینے والا۔ مگر اول روایت زیادہ ظاہر ہے۔

ع۳ یعنی جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ خویش، ہمسایہ اور دوستوں کے لیے مستحب ہے کہ اہل میت کے لیے کھانے تیار کریں بعض نے کہا پہلے دن اہل مصیبت کے لیے کھانا پکانا مکروہ نہیں کیونکہ وہ اس دن میت کی تجہیز میں مصروف ہوتے ہیں۔ (کھانا پکانے کا وقت نہیں ملتا) مگر دوسرے دن مکروہ ہے اگر اہل میت کے ہاں بین کرنے والی عورتیں جمع نہ ہو چکی ہوں، کیونکہ یہ گناہ و معصیت پر مدد و اعانت ہے۔ پھر اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ غیر اہل مصیبت کے لیے اس طعام میں سے کھانا جائز ہے یا نہیں۔ ابن القاسم نے کہا کہ اس شخص کے لیے کھانے میں حرج نہیں جو میت کی تجہیز میں مصروف رہا ہو۔ جیسا کہ کتاب مطالب المؤمنین میں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۶۴۸/۱۹ عَنِ الْمُغِيْرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ نِيحَ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يُعَذَّبُ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرماتے سنا ہے کہ جس پر نوحہ کیا گیا اسے قیامت کے روز اس چیز[1] عذاب دیا جائے گا جس سے اس کا نوحہ کیا گیا۔ (بخاری و مسلم)

[1] چیز سے مراد وہ کلمات ہیں جو نوحہ کرنے والی میت کے لیے استعمال کرتی ہے۔ اور جو استہزاء اور تمسخر کے طور پر کہے جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آ رہا ہے گویا کہ وہ مرنے والا ان صفات کے ساتھ متصف اور ان پر راضی اور خوش ہے۔ لہٰذا وہ زجر اور ڈانٹ کا مستحق قرار پاتا ہے۔

۱۸۳۴ وَعَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ[1] اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ عَآئِشَةَ وَذُكِرَ لَهَا اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ عَلَيْهِ تَقُوْلُ يَغْفِرُ اللّٰهُ لِاَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَمَا اِنَّهُ لَمْ يَكْذِبْ وَلٰكِنَّهُ نَسِيَ اَوْ اَخْطَاَ اِنَّمَا مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى يَهُوْدِيَّةٍ يُبْكٰى عَلَيْهَا فَقَالَ اِنَّهُمْ لَيَبْكُوْنَ عَلَيْهَا وَاِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِيْ قَبْرِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمرہ[1] بنت عبدالرحمٰن سے روایت ہے بیشک انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا جب کہ حضرت عائشہ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میت کو زندہ انسان کے اس پر رونے سے عذاب دیا جاتا ہے۔ فرمانے لگیں کہ اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمٰن[2] کی مغفرت کرے۔ آگاہ رہو کہ اس نے جھوٹ نہیں بولا[3] بلکہ وہ بھول گئے یا ان سے خطا ہو گئی۔ اس کے سوا نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مری ہوئی یہودی عورت کے پاس سے گزرے جس پر لوگ رو رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ لوگ تو اس پر رو رہے ہیں۔ اور وہ اسے قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے۔ (بخاری و مسلم)

[1] عمرہ (عین کی زبر میم ساکن) بنت عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آغوش میں پرورش پائی۔ آپ حضرت عائشہ کی بہت سی احادیث کی راوی ہیں۔

[2] یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے یہ کلمہ وہاں کہتے ہیں کہ کسی سے غلطی سے کوئی بات نکل گئی ہو۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے اور اسے بخشے۔

[3] یعنی حضرت ابن عمر نے دانستہ جھوٹ نہیں بولا۔ اور وہ دانستہ جھوٹ بول بھی کیسے سکتے ہیں۔ جب کہ ان کی

شان اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔

کے یعنی انہوں نے جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اسے بھول گئے اور انہوں نے سننے اور سمجھنے میں خطاء کی ہے اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خطا بیان فرمائی۔

ھ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فقرہ خاص ایک یہودی عورت کے لیے فرمایا اور دوسرے کفار اس یہودی عورت کی طرح ہیں خاص اس کے لیے بھی یہ نہیں فرمایا کہ وہ ان کے رونے کی وجہ سے عذاب میں ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ تو اپنے کفر کی وجہ سے عذاب میں ہے۔ جیسا کہ کفار کے لیے خدا تعالیٰ کا دستور ہے اور لوگ اس پر رو رہے ہیں۔ اور اسے عزیز جانتے اور مرحوم خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ خوار اور ملعون ہے۔ یہاں سے حضرت ابن عمر نے سمجھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور کلیہ فرمایا ہے کہ میت کو قبر میں اس کے زندہ لواحقین کے اس پر رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ اس کلام کی مکمل شرح آئندہ حدیث میں آ رہی ہے۔

۱۶/۲۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ قَالَ تُوُفِّيَتْ بِنْتٌ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ بِمَكَّةَ فَجِئْنَا لِنَشْهَدَهَا وَ حَضَرَهَا ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنِّيْ لَجَالِسٌ بَيْنَهُمَا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لِعَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ وَهُوَ مُوَاجِهُهٗ اَلَا تَنْهٰى عَنِ الْبُكَاءِ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَدْ كَانَ عُمَرُ يَقُوْلُ بَعْضَ ذٰلِكَ ثُمَّ حَدَّثَ فَقَالَ صَدَرْتُ مَعَ عُمَرَ مِنْ مَكَّةَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ فَاِذَا هُوَ بِرَكْبٍ تَحْتَ ظِلِّ سَمُرَةٍ فَقَالَ

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی مکہ معظمہ میں ایک لڑکی فوت ہوگئی ہم لوگ آئے تاکہ ان کے جنازے میں شامل ہوں حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے میں ان دونوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت عمرو بن عثمان سے فرمایا جبکہ وہ ان کے روبرو تھے آپ رونے سے کیوں نہیں روکتے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیشک میت کو اس کے گھر والوں کے اس پر رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بعض ایسی باتیں کرتے تھے۔ پھر حضرت ابن عباس نے ایک حدیث بیان فرمائی۔ کہا کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے واپس[۲] آیا۔ یہاں تک کہ ہم مقام بیداء[۳] میں پہنچ آئے۔ تو اچانک حضرت عمر

اذْهَبْ فَانْظُرْ مَنْ هٰؤُلَاءِ الرَّكْبُ فَنَظَرْتُ فَإِذَا هُوَ صُهَيْبٌ قَالَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ ادْعُهُ فَرَجَعْتُ إِلَى صُهَيْبٍ فَقُلْتُ ارْتَحِلْ فَالْحَقْ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فَلَمَّا أَنْ أُصِيبَ عُمَرُ دَخَلَ صُهَيْبٌ يَبْكِي يَقُولُ وَا أَخَاهُ وَا صَاحِبَاهُ فَقَالَ عُمَرُ يَا صُهَيْبُ أَتَبْكِي عَلَيَّ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ بِبَعْضِ بُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَلَمَّا مَاتَ عُمَرُ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَائِشَةَ فَقَالَتْ يَرْحَمُ اللّٰهُ عُمَرَ لَا وَاللّٰهِ مَا حَدَّثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَزِيدُ الْكَافِرَ عَذَابًا بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ وَقَالَتْ عَائِشَةُ حَسْبُكُمُ الْقُرْآنُ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عِنْدَ ذٰلِكَ وَاللّٰهُ أَضْحَكَ وَأَبْكٰى قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ فَمَا قَالَ ابْنُ عُمَرَ شَيْئًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کی ملاقات چند سواروں سے کیکر کے درخت کے نیچے ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جاؤ دیکھو یہ سوار کون لوگ ہیں۔ میں نے دیکھا تو وہ صہیب رومی تھے میں نے حضرت عمر کو اس کی خبر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے بلا لاؤ۔ میں حضرت صہیب کے پاس لوٹ کر گیا۔ میں نے کہا چلیے اور امیر المومنین کی خدمت میں پہنچے۔ پھر جب حضرت عمر مصیبت زدہ ہو گئے (آپ پر قاتلانہ حملہ ہو گیا) تو حضرت صہیب اندر آئے۔ یہ کہتے ہوئے "ہائے میرے بھائی ہائے میرے دوست" حضرت عمر نے فرمایا اے صہیب تو مجھ پر روتا ہے۔ باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میت کو اس کے اہل کے کچھ رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو میں نے یہ گفتگو حضرت عائشہ سے ذکر کی حضرت عائشہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے خدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ میت کو اس کے اہل وعیال کے اس پر رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے اہل کے اس پر رونے سے اس کے عذاب میں اضافہ ہو جاتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تمہارے لیے قرآن پاک کافی ہے کہ کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی اس آیت کے مضمون پر حضرت ابن عباس نے قرآن کی یہ آیت پڑھی وَاللّٰهُ أَضْحَكَ وَأَبْكٰى (اللہ تعالیٰ ہنساتا اور رلاتا ہے) حضرت ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں۔ کہ پھر حضرت ابن عمر نے کوئی بات نہ کی۔ (بخاری ومسلم)

۱؎ ملیکہ میم کی پیش لام کی زیر یا ساکن آپ مشہور تابعین سے ہیں۔

۲؎ بعض نسخوں میں یہاں مشکوٰۃ میں وادِ ثانی واد کے ساتھ ہے۔ صحیح بخاری میں بھی ایسا ہی ہے۔ معنیٰ کے اعتبار سے یہ روایت زیادہ ظاہر ہے۔

۳؎ یعنی عورتوں کو رونے سے کیوں نہیں روکتے۔

۴؎ یعنی جیسی بات ابن عمر کر رہے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بعض ایسی ہی باتیں کیا کرتے تھے۔ بعض کا لفظ اس وجہ سے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ عبارت میں کمی بیشی ہوگئی ہو۔ یا حضرت عمر اس طرح فرماتے ہوں: بعض بکاء اہلہ جس طرح حضرت ابن عباس آگے چل کر یہی الفاظ کہیں گے۔

۵؎ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور یہ اس سال کا واقعہ ہے جس میں حضرت عمر کی شہادت کا حادثہ پیش آنا تھا۔

۶؎ بیدار بروزنِ صحرار (با کی زیر یا ساکن) یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

۷؎ یعنی ایک درخت کے سایہ میں جس کا نام سمرہ تھا۔ (سین کی زبر میم کی پیش)

۸؎ اور ان کے ساتھ کچھ اور سوار بھی تھے۔

۹؎ یعنی جب وہ مدینہ منورہ پہنچ گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوگیا تو صہیب اس واقعہ کے پیش آنے پر روتے ہوئے حضرت عمر کے پاس آئے۔

۱۰؎ یعنی ان کو رونے سے منع کرتے ہوئے فرمایا

۱۱؎ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ (بعض) کا لفظ اس لیے فرمایا ہوگا کہ وہ رونا ممنوع ہے جو نوحہ اور جزع فزع کی صورت میں ہو۔ یا مراد یہ ہے کہ میت پر رونا اسے عذاب میں مبتلا کرنے کا موجب بن سکتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب میں ڈال دے۔ اسے سمجھو۔

۱۲؎ یعنی حضرت عمر اور صہیب رضی اللہ عنہما کی گفتگو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ ان المیت یعذب الی آخرہ۔

۱۳؎ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے لیے آپ نے یغفر اللہ فرمایا تھا۔ یہاں مغفرت کا ذکر کیا۔ جو کہ گناہ اور خطا پر مبنی ہوتا ہے بخلاف رحمت کے کہ اس کا مورد و استعمال عام ہے۔

۱۴؎ یعنی اس معنی و مفہوم میں کوئی حدیث وارد نہیں۔ یہ تاویل اس لیے کی گئی ہے کہ حدیث صحیح تو بلاشبہ وارد ہے اختلاف تعیین مراد میں ہے۔ حضرت عمر و ابن عمر رضی اللہ عنہما تو فرماتے ہیں۔ کہ مومن و کافر کو اس کے لواحقین کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یہ صرف کافر کے لیے ہے۔ اور وہ عذاب دیں ہوتا ہے۔ رونے والے

اس پر روئیں یا نہ روئیں۔ رونے کی صورت میں عذاب رونے کے ساتھ مل جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ عذاب رونے کے ساتھ ہو سکتا ہے رونے کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ یہ مضمون اگر ملی زبان میں ادا کیا جائے تو بات زیادہ واضح ہو جائے گی اور وہ یہ کہ کلمہ با حضرت ابن عمر کے نزدیک سببیت کے لیے ہے۔ حضرت عائشہ کے نزدیک با ملابست کے لیے ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ مسلمان کو قبر میں عذاب ہوگا تو محض اس صورت میں کہ گریہ عذاب کے ساتھ ملا ہوا ہوگا۔ گریہ عذاب کا سبب نہ ہوگا۔ اور گریہ کی وجہ سے عذاب نہ ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب و موقف یہ ہے کہ یہ حدیث کافر کے بارے میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کا معنیٰ و مطلب یہی ہے جو آپ نے فرمایا و لکن اللہ تعالیٰ یزید الکافر عذابا ببکاء اہلہ علیہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کافر کا عذاب زیادہ کر دیتا ہے جب کہ اس کے اہل و عیال اس پر روتے ہیں۔ مگر یہ عبارت اس پر دلالت کرتی ہے کہ رونے سے کافر کے عذاب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہوگا کہ کافر اس بات پر راضی ہوتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا اہل و عیال مجھ پر روئے اور گریہ کرے۔ بلکہ بعض کفار اپنے اوپر گریہ و نوحہ اور دیگر خلاف شریعت کاموں کی وصیت کر کے مرتے تھے۔ تو گریہ کے سبب عذاب ہونا اس وجہ سے تھا۔ بعض علما گریہ کے سبب عذاب دیے جانے کی یہی وجہ بیان کرتے ہیں۔ جہاں میت رونے کی وصیت کر گیا ہو۔ اور نوحہ و گریہ پر راضی ہو۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت کی رسم و عادت تھی۔ اس میں غور کرو۔

اس کے بعد حضرت عائشہ اہل و عیال کے گریہ کے سبب عذاب نہ ہونے پر استدلال کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔

(تمہارے لیے قرآن کافی ہے کیونکہ قرآن پاک میں ہے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی یعنی کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ یعنی ایک کا گناہ دوسرے پر نہ ڈالا جائے گا۔ اور جب کہ گریہ اور نوحہ اہل میت کا فعل ہے تو اس کی سزا میت کو نہ ملے گی اس نے کیا گناہ کیا ہے کہ اسے ان کے فعل کی وجہ سے عذاب ہو۔ یہ مضمون و بیان سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت قرآنی پڑھی۔ وَ اللّٰهُ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى - اللہ ہی ہنساتا اور رلاتا ہے۔ یہ تقریر بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مذہب کی نفی میں ہے کہ بہت کو اس کے اہل کے اس پر رونے سے عذاب دیا جاتا ہے کہ انسان کا رونا، اس کا غم اور اس کی خوشی سب خدا کی طرف سے ہے۔ جو وہ انسان میں پیدا اور ظاہر کرتا ہے۔ لہٰذا وہ کسی کے عذاب کا سبب نہیں ہو سکتا۔ گریہ اس صورت میں ہے جب کہ ہنسنا اور رونا بے اختیاری ہو اور تکلف و اختیار اور دوسرے اسباب کا اس میں دخل نہ ہو۔ اسے سمجھ لو۔ واللہ اعلم۔

فما یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ کی اس تقریر کے بعد کوئی بات نہ کی۔ بلکہ آپ کی بات کو تسلیم و قبول کر لیا اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ مجتہد اپنی دلیل کا پابند ہوتا ہے اور اسے یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ دوسرے مجتہد کی دلیل کو غلط قرار دے اگرچہ وہ دوسرا مجتہد اس سے بزرگ تر اور زیادہ عالم اور بلند شان کا مالک ہو۔ جیسے حضرت عمر حضرت عائشہ کے سامنے کہ حضرت عمر حضرت عائشہ سے بلند مرتبہ تھے۔ اور جب حق ظاہر ہو جائے تو اسے قبول کرے اور خاموشی

اختیار کرے، تاکہ نزاع اور جدال زیادہ نہ ہو جائے۔

۱۶۱۶ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا جَاءَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَتْلُ ابْنِ حَارِثَةَ وَ جَعْفَرٍ وَ ابْنِ رَوَاحَةَ جَلَسَ يُعْرَفُ فِيْهِ الْحُزْنُ وَاَنَا اَنْظُرُ مِنْ صَائِرِ الْبَابِ تَعْنِىْ شَقَّ الْبَابِ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ اِنَّ نِسَاءَ جَعْفَرٍ وَ ذَكَرَ بُكَاءَهُنَّ فَاَمَرَهُ اَنْ يَنْهَاهُنَّ فَذَهَبَ ثُمَّ اَتَاهُ الثَّانِيَةَ لَمْ يُطِعْنَهُ فَقَالَ انْهَهُنَّ فَاَتَاهُ الثَّالِثَةَ قَالَ وَاللّٰهِ غَلَبْنَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَزَعَمَتْ اَنَّهُ قَالَ فَاحْثُ فِىْ اَفْوَاهِهِنَّ التُّرَابَ فَقُلْتُ اَرْغَمَ اللّٰهُ اَنْفَكَ لَمْ تَفْعَلْ مَا اَمَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ تَتْرُكْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْعَنَاءِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن حارثہ، جعفر اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کے قتل کی اطلاع پہنچی تو آپ بیٹھ گئے[1] اس وقت آپ میں غم کا نشان نمایاں تھا اور میں دروازے کے شگاف[2] سے دیکھ رہی تھی اسی دوران ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور عرض کی کہ جعفر کی عورتیں اور ان کے رونے[3] کا ذکر کیا۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ انہیں منع کر دے[4] وہ آدمی گیا پھر آپ کے پاس واپس آیا کہ عورتوں نے اس کی بات نہیں مانی[5] آپ نے پھر فرمایا انہیں منع کر۔ وہ مرد تیسری مرتبہ آپ کے پاس آیا اور کہا اللہ کی قسم یا رسول اللہ! وہ عورتیں ہم پر غالب آگئی ہیں۔ حضرت عائشہ کا گمان ہے[6] کہ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے فرمایا کہ ان عورتوں کے منہ میں مٹی ڈال[7] حضرت عائشہ کہتی ہیں[8] میں نے اپنے دل میں کہا اللہ تعالیٰ تیری ناک خاک آلودہ کرے[9] تو نے وہ کام بھی نہ کیا جس کا تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور نہ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے نجات دی۔ (بخاری مسلم)

[1] یعنی حضرت زید بن حارثہ حضرت جعفر بن ابو طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی اطلاع جو غزوہ موتہ میں شہید ہوئے تھے۔ ان حضرات کی شہادت کا واقعہ احادیث و سیرت کی کتابوں میں مذکور و مسطور ہے۔

[2] یعنی مسجد میں ان کی تعزیت کے لیے۔

[3] حدیث میں واقع لفظ صائر کا معنی دروازے کا شگاف ہے۔ جیسا کہ راوی حدیث نے بعد "تعنی شق الباب"

سے تعبیر کی ہے (راوی کا کتاب ہے کہ معاشرے حضرت عائشہ کی مراد دروازے کا شگاف ہے)

سے کہ بہت رو رہی ہیں۔

شہ یعنی تاکہ انہیں رونے سے منع کرے۔

ھہ اور اس کے کہنے کے باوجود رونے سے باز نہیں آئیں۔

ئے بعض نسخوں میں زَعَمْتُ بلفظ متکلم کی تصحیح کی گئی ہے۔ تو یہ حضرت عائشہ کا قول ہوگا کہ انہوں نے فرمایا میں نے جان لیا۔

شہ یہ انہیں رونے سے روکنے میں مبالغہ اور زور دیکر ممانعت کی گئی ہے۔

وہ میں نے اس مرد سے مخاطب ہوتے ہوئے اپنے دل میں کہا۔

نلہ یہ خواری اور اہانت سے کنایہ ہے۔

للہ یعنی عورتوں کو رونے سے باز رکھنا۔

ٹلہ یعنی بار بار منع کرنے کی مشقت سے نجات کیوں نہ دی۔ اور تو نے بار بار آ کر یہی کہا ہے کہ وہ عورتیں رونے سے باز نہیں آتیں۔ اس طرح تو نے آپ کو تکلیف و مشقت میں ڈالا ہے۔

۱۶۲۸ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لَمَّا مَاتَ اَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ غَرِيْبٌ وَّ فِيْ اَرْضِ غُرْبَةٍ لَاَبْكِيَنَّهُ بُكَاءً يُتَحَدَّثُ عَنْهُ فَكُنْتُ قَدْ تَهَيَّأْتُ بِالْبُكَاءِ عَلَيْهِ اِذْ اَقْبَلَتِ امْرَاَةٌ تُرِيْدُ اَنْ تُسْعِدَنِيْ فَاسْتَقْبَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتُرِيْدِيْنَ اَنْ تُدْخِلِي الشَّيْطَانَ بَيْتًا اَخْرَجَهُ اللّٰهُ مِنْهُ مَرَّتَيْنِ وَكَفَفْتُ عَنِ الْبُكَاءِ فَلَمْ اَبْكِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب حضرت ابوسلمہ فوت ہوئے تو میں نے کہا ابوسلمہ غریب اور وطن سے دور زمین میں ہیں[۱]۔ میں اس پر ایسا گریہ کروں گی کہ لوگ اس کا چرچا کریں گے میں اس پر رونے کے لیے بالکل تیار تھی کہ اچانک ایک عورت آئی جو میرے ساتھ رونے میں موافقت کرنا چاہتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کے سامنے تشریف لے آئے۔ اور فرمایا کیا تو یہ چاہتی ہے کہ شیطان کو اس گھر میں داخل کرے جس سے اللہ تعالیٰ اسے دو مرتبہ باہر نکال چکا ہے۔ اور میں رونے سے رک گئی اور ان پر گریہ نہ کیا۔ (مسلم)

لہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوسلمہ کے بارے میں یہ لفظ اس لیے کہے کہ حضرت ابوسلمہ تو مکہ سے

حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کی جانب اور آپ مؤدب و اجنبی تھے کہ کسی کے ساتھ گفتگو اور سروکار نہ رکھتے تھے۔

سلہ کہ فلاں عورت اپنے مرد پر بہت روئی ہے اور اس نے رونے کی مدد کری ہے۔

سلہ ایک بار اسلام لانے کے وقت۔ دوسری بار مکہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کے وقت۔ یا ایک بار مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کے وقت دوسری بار حبشہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے وقت۔ یا ایک بار اسلام میں آنے کے وقت اور دوسری بار دنیا سے آخرت کی طرف رحلت کے وقت۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث میں واقع لفظ مرتین قال کے متعلق ہو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ یہ کلمات ارشاد فرمائے۔

۱۶/۱۴ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ أُغْمِيَ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ فَجَعَلَتْ أُخْتُهٗ عَمْرَةُ تَبْكِيْ وَاجَبَلَاهُ وَكَذَا وَكَذَا تُعَدِّدُ عَلَيْهِ فَقَالَ حِيْنَ أَفَاقَ مَا قُلْتِ شَيْئًا إِلَّا قِيْلَ لِيْ كَذٰلِكَ زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَمَّا مَاتَ لَمْ تَبْكِ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ پر غشی طاری ہوئی تو ان کی بہن عمرہ نے ان پر رونا شروع کر دیا۔ اور یوں کہنا شروع کیا واجبلاہ اے پہاڑ اے ایسے اور ایسے ان کے اوصاف و کمالات شمار کرتی ہوئے جب حضرت عبداللہ بن رواحہ ہوش میں آئے تو فرمایا تو نے کوئی کلمہ زبان سے ادا کیا مگر مجھ سے کہا گیا کیا تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تیرے متعلق کہا گیا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں پس جب حضرت ابن رواحہ فوت ہوئے تو عمرہ ان پر نہ روئی تھیں (بخاری شریف)

سلہ آپ صحابی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت آٹھ سال کے تھے۔

سلہ جب کہ آپ بیمار تھے اور قریب الموت ہو چکے تھے۔ اگرچہ آپ بیماری سے فوت نہ ہوئے بلکہ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے۔

سلہ جس طرح عورتیں نوحہ اور آہ و بکا کے وقت کرتی ہیں۔

سکہ یعنی حضرت عمرہ سے فرمایا۔

سلہ یعنی مجھ سے بطور تمسخر[1] و ایذا رسانی کہا گیا۔

سلہ یعنی اس پر نوحہ نہ کیا گیا۔ یہ حضرت عمر و ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ۔

---

[1] زیادہ مناسب یہ ہے کہ ملائکہ نے یہ لفظ مذاق و ترحم کے طور پر کہا۔ مترجم غفرلہ

(میت کو اس کے اہل کے اس پر رونے سے عذاب دیا جاتا ہے) کا ایک توجیہ ہے)

۱۶۵۴ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ مَيِّتٍ يَمُوتُ فَيَقُومُ بَاكِيهِمْ فَيَقُولُ وَاجَبَلَاهُ وَ سَيِّدَاهُ وَ نَحْوَ ذٰلِكَ إِلَّا وَكَّلَ اللهُ بِهٖ مَلَكَيْنِ يَلْهَزَانِهٖ وَيَقُولَانِ أَهٰكَذَا كُنْتَ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے۔ ایسی کوئی میت نہیں جو مر جائے تو ان کا رونے والا اٹھ کر کہے ہائے میرے پہاڑ ہائے میرے سردار وغیرہ[1] مگر اللہ اس پر دو فرشتے مقرر کرتا ہے جو اسے جھنجھوڑتے[2] کہتے ہیں کیا تو ایسا ہی تھا۔

(ترمذی)

اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] جو ندبہ اور جزع فزع کے وقت کہے جاتے ہیں۔

[2] حدیث میں لفظ یَلْهَزَانِهٖ ہے۔ جو لہز سے نکلا ہے یعنی جھنجھوڑنا اور دھکیلنا اور سینے پر مکا مارنا فتح۔ تفتیح کے باب سے آتا ہے۔

۱۶۵۵ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَاتَ مَيِّتٌ مِنْ اٰلِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْتَمَعَ النِّسَاءُ يَبْكِيْنَ عَلَيْهِ فَقَامَ عُمَرُ يَنْهَاهُنَّ وَ يَطْرُدُهُنَّ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُنَّ يَا عُمَرُ فَإِنَّ الْعَيْنَ دَامِعَةٌ وَ الْقَلْبَ مُصَابٌ وَالْعَهْدَ قَرِيْبٌ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی میت فوت ہوئی تو عورتیں جمع ہو کر اس پر رونے لگیں حضرت عمر کھڑے ہو کر انہیں منع کرنے اور ڈانٹنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر انہیں چھوڑ دو۔ کیونکہ آنکھیں بہتی ہیں دل مصیبت زدہ ہے اور واقعہ غم تازہ ہے[1]

(احمد۔ نسائی)

[1] شاید وہ نوحہ اور واویلا کے بغیر رو رہی تھیں۔ جیسا کہ سیاق حدیث اس پر دلالت کرتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مطلقاً رونے کو مکروہ جانتے تھے۔ اور یہ عورتیں شاید بلند آواز زور زور سے رو رہی تھیں۔

۱۶۵۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَاتَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَكَتِ النِّسَاءُ فَجَعَلَ عُمَرُ يَضْرِبُهُنَّ بِسَوْطِهٖ فَأَخَّرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ وَقَالَ مَهْلًا يَا عُمَرُ ثُمَّ قَالَ إِيَّاكُنَّ وَنَعِيْقَ الشَّيْطَانِ ثُمَّ قَالَ إِنَّهٗ مَهْمَا كَانَ مِنَ الْعَيْنِ وَمِنَ الْقَلْبِ فَمِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَمِنَ الرَّحْمَةِ وَمَا كَانَ مِنَ الْيَدِ وَمِنَ اللِّسَانِ فَمِنَ الشَّيْطَانِ.
(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں. حضرت زینب[۱] بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئیں عورتیں روئیں تو حضرت عمر انہیں اپنے کوڑے سے مارنے لگے[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے دست مبارک سے ہٹا دیا اور فرمایا اے عمر چھوڑ دو پھر فرمایا[۳] شیطانی آواز سے بچنا پھر فرمایا جو کچھ آنکھ اور دل سے ہو وہ اللہ کی طرف[۴] سے ہے اور رحمت سے ہے. اور جو ہاتھ اور زبان سے ہو وہ شیطان کی طرف سے[۵] ہے.

اعمس

۱ آپ حضرت ابوالعاص بن ربیع اموی کی زوجہ پاک تھیں.
۲ یعنی عورتوں سے فرمایا.
۳ یعنی نوحہ اور ندبہ سے. حدیث میں واقع لفظ نعیق کا اصل معنی کوے اور گدھ کے کی آواز ہے.
۴ کہ وہ اس سے ناراض نہیں ہوتا.
۵ کہ وہ اس طرح انسان کو معصیت اور گناہ میں مبتلا کرتا ہے.

۱۶۵۷ وَعَنِ الْبُخَارِيِّ تَعْلِيْقًا قَالَ لَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ ابْنُ الْحَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ ضَرَبَتِ امْرَأَتُهُ الْقُبَّةَ عَلٰى قَبْرِهٖ سَنَةً ثُمَّ رُفِعَتْ فَسَمِعَتْ صَائِحًا يَقُوْلُ أَلَا هَلْ وَجَدُوْا مَا فَقَدُوْا فَأَجَابَهٗ

بخاری سے تعلیقاً روایت ہے فرماتے ہیں جب حضرت حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم فوت ہوئے تو انکی بیوی نے انکی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا پھر اٹھا لیا تو کسی پکارنے والے کو سنا جو کہتا تھا کیا انہوں نے جو کھویا تھا وہ پایا. دوسرے نے جواب دیا بلکہ مایوس

اٰخَرُ بَلْ يَئِسُوْا فَانْقَلَبُوْا۔ ہو کر چل دیئے۔

لہ یعنی حسن بن امام حسن اور انہیں حسن مثنٰی بھی کہتے ہیں۔ اور تعلیق کا معنٰی مقدمہ میں بیان ہو چکا ہے۔

لہ قبہ یعنی خیمہ۔ وہ اس خیمہ میں ایک سال بیٹھی رہیں۔ اور ہر روز درد مصیبت اور صدمہ فراق کو تازہ کرتی تھیں۔

لہ۔ شعر

وعوضت اجراً من فقید فلا تکن　　فقیدک لایاتی واجرک ذاہب

تجھے گم شدہ چیز (فوت ہو جانے والے انسان) پر اجر و ثواب ملے گا۔ اب ایسا نہ ہو کہ گم شدہ چیز تو واپس نہ آئے مگر تیرا اجر و ثواب برباد ہو جائے۔ (نوحہ اور بے صبری کی وجہ سے۔

۱۷۵۸/۲۹ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَّ اَبِيْ بَرْزَةَ قَالَا خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةٍ فَرَاٰى قَوْمًا قَدْ طَرَحُوْا اَرْدِيَتَهُمْ يَمْشُوْنَ فِيْ قُمُصٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبِفِعْلِ الْجَاهِلِيَّةِ تَاْخُذُوْنَ اَوْ بِصَنِيْعِ الْجَاهِلِيَّةِ تَشَبَّهُوْنَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَدْعُوَ عَلَيْكُمْ دَعْوَةً تَرْجِعُوْنَ فِيْ غَيْرِ صُوَرِكُمْ قَالَ فَاَخَذُوْا اَرْدِيَتَهُمْ وَلَمْ يَعُوْدُوْا لِذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عمران بن حصین اور ابی برزہ سے روایت ہے دونوں صحابی فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں باہر نکلے تو آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ انھوں نے اپنی چادریں پھینک ڈالی ہوئی ہیں۔ اور وہ قمیصوں میں چل رہے ہیں لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم لوگ جاہلیت کا عمل و طریقہ اختیار کرتے ہو۔ یا پیشہ جاہلیت کے ساتھ مشابہت پیدا کرتے ہو لہ البتہ بیشک میں نے قصد کر لیا تھا کہ میں تم پر ایسی بد دعا کروں جس سے تمہاری صورتیں انسانی صورتیں نہ رہیں لہ راوی کہتا ہے کہ لوگوں نے اپنی چادریں اوڑھ لیں اور پھر کبھی اس رسم جاہلیت کو دوبارہ نہ کیا۔ (ابن ماجہ)

لہ یہ جاہلیت کا رسم تھا کہ جب جنازے کے ساتھ چلتے تو چادریں نہ پہنتے تھے۔ اور یہ پریشان حالی اور بے سروسامانی کی طرف اشارہ ہوتا تھا۔

لہ یا تم لوگ اپنے آپ کو اہل جاہلیت جیسا بنا رہے ہو کلمہ یا راوی کے شک کی وجہ سے ہے یا تشبیہ کی متعدد انواع بیان کرنے کے لیے۔ حدیث میں واقع لفظ تَشَبَّهُوْنَ تا کی زبر یا شدہ کے ساتھ۔ یا تا کی پیش اور با کی زیر سے بھی ایک روایت ہے۔

۳ے یعنی تمہاری انسانی صورتیں انسانی صورتیں نہ رہیں یعنی تم مسخ ہو جاؤ اور معاذ اللہ خنزیر و بندر بن جاؤ۔ یا معنی یہ ہے کہ جب تم لوگ اپنے گھروں کو لوٹو تو تمہاری یہ صورتیں نہ ہوں یعنی جب کہ تم نے اپنی وضع اور لباس کو حق کے مطابق تبدیل نہ کیا تو تمہاری صورتیں جو اسلاح کا لباس ہیں۔ ان میں بھی تبدیلی آ جائے گی۔

۱۶۵۹/۳۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُتْبَعَ جَنَازَةٌ مَعَهَا رَانَّةٌ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے جنازے کے ساتھ چلنے سے منع فرمایا جس کے ساتھ نوحہ کرنے والی ہو۔ (احمد۔ ابن ماجہ)

لے یعنی جنازہ کے ساتھ جانا سنت ہے لیکن یہ سنت ترک کر دی جائے گی جب کہ اس کے ساتھ نوحہ کرنے والی عورت یا جماعت موجود ہو۔ جس طرح دعوت طعام قبول کرنا سنت ہے۔ مگر لہو و لعب اور غیر شرعی حرکات کی موجودگی میں اس سنت کو ترک کر دیا جائے گا۔

۱۶۶۰/۳۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لَهٗ مَاتَ ابْنٌ لِّیْ فَوَجَدْتُّ عَلَيْهِ هَلْ سَمِعْتَ مِنْ خَلِيْلِكَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ سَلَامُهٗ شَيْئًا يُطَيِّبُ بِاَنْفُسِنَا عَنْ مَوْتَانَا قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِغَارُهُمْ دَعَامِيْصُ الْجَنَّةِ يَلْقٰى اَحَدُهُمْ اَبَاهُ فَيَاْخُذُ بِنَاحِيَةِ ثَوْبِهٖ فَلَا يُفَارِقُهٗ حَتّٰى يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاَحْمَدُ وَاللَّفْظُ لَهٗ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک ایک شخص نے کہا میرا ایک بیٹا فوت ہو گیا ہے جس پر میں غمزدہ ہوں کیا تو نے اپنے دوست یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی بات سنی ہے جس سے ہمارے فوت ہونے والوں کے بارے میں ہمارے دل خوش ہوں۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے جنت میں ہر جگہ کے اندر داخل ہونے والے ہوں گے۔ بچوں میں سے ایک اپنے باپ سے ملاقات کرے گا تو وہ اس کے کپڑے کا کنارہ پکڑے گا اور اس سے جدا نہ ہوگا یہاں تک کہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (مسلم، احمد) اور لفظ احمد کے ہیں۔

لے یعنی جو جنس اولاد سے ہوں کر وہ مرنے کے بعد ہمیں نفع دیں گے۔

۲ے یہاں حدیث میں لفظ دعامیص آیا ہے۔ جمع دعموص (دال کی پیش) دراصل یہ ایک کیڑے کا نام ہے جو

پانی میں غوطہ مارتا اور نکلتا ہے۔ اور یہ اس شخص کے معنیٰ میں بھی آتا ہے جو ہر کام میں دخل دیتا ہے اور بادشاہوں اور امراء کے پاس آنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ چھوٹے بچے بہشت میں بے روک ٹوک ادھر ادھر گھومیں پھریں گے اور جہاں چاہیں گے جائیں گے۔ اور جس کام میں بھی چاہیں گے دخل دیں گے۔ جس طرح دنیا میں بچوں کی عادت ہوتی ہے۔

۳؎ یعنی والدہ اور والد کا ذکر یا تو اس بنا پر کیا کہ وہ اصل و متبوع ہے۔ ماں تابع اور فرع ہے۔ یا اس وجہ سے کہ مرد زیادہ صابر ہوتے ہیں۔ نہ کہ عورتیں۔ لہٰذا صبر کرنے والے کی نجات بچہ پہلے کرائے گا۔) بعض احادیث میں ماں کا ذکر ہے اور بعض میں ماں اور باپ دونوں کا۔ ظاہراً یہ اختلاف مقام و حرف کے اعتبار سے ہے۔ یہ ظاہری مفہوم معنیٰ کلام کے زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۶۶۱ / ۳۲ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَاَۃٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ذَھَبَ الرِّجَالُ بِحَدِیْثِکَ فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ نَّفْسِکَ یَوْمًا نَاْتِیْکَ فِیْہِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَکَ اللّٰہُ فَقَالَ اجْتَمِعْنَ فِیْ یَوْمِ کَذَا وَ کَذَا فِیْ مَکَانِ کَذَا وَکَذَا فَاجْتَمَعْنَ فَاَتَاھُنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَعَلَّمَھُنَّ مِمَّا عَلَّمَہُ اللّٰہُ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْکُنَّ امْرَاَۃٌ تُقَدِّمُ بَیْنَ یَدَیْھَا مِنْ وَّلَدِھَا ثَلٰثَۃً اِلَّا کَانَ لَھَا حِجَابًا مِّنَ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَاَۃٌ مِّنْھُنَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوِ اثْنَیْنِ فَاَعَادَتْھَا مَرَّتَیْنِ ثُمَّ قَالَ وَ اثْنَیْنِ وَ اثْنَیْنِ وَ اثْنَیْنِ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ مرد آپ کی احادیث لے گئے۔ اپنی ذات شریف سے ہمارے لیے بھی کوئی دن مقرر فرمائیں کہ ہم اس میں آپ کی خدمت میں آیا کریں کہ آپ ہمیں بھی اس میں سے سکھائیں جو اللہ نے آپ کو علم عطا فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا فلاں فلاں دن فلاں فلاں جگہ جمع ہو جایا کرو۔ عورتیں اس جگہ جمع ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے آپ نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے انہیں بھی سکھایا۔ پھر آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی عورت نہیں جو اپنے آگے تین بچے بھیجتی ہے مگر وہ اس کے لیے آتش دوزخ سے پردہ بن جائیں گے۔ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ یا دو بچے آگے بھیجے ہوں اس عورت نے یہ کلمہ دو مرتبہ دہرایا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو بھی دو بھی۔ دو بھی۔

(بخاری شریف)

۱؎ اور آپ کے تمام مواعظ و نصائح انہوں نے سیکھے ہیں۔
۲؎ اور انہیں آتش دوزخ میں نہ گرنے دیں گے۔

۱۶۶۲/۲۳ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يُتَوَفّٰى لَهُمَا ثَلٰثَةٌ اِلَّا اَدْخَلَهُمَا اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهٖ اِيَّاهُمَا فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوِ اثْنَانِ قَالَ اَوِ اثْنَانِ قَالُوْا اَوْ وَاحِدٌ قَالَ اَوْ وَاحِدٌ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّ السِّقْطَ لَيَجُرُّ اُمَّهٗ بِسَرَرِهٖ اِلَى الْجَنَّةِ اِذَا احْتَسَبَتْهُ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوٰى ابْنُ مَاجَةَ مِنْ قَوْلِهٖ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہیں دو مسلمان (ماں اور باپ) جن کے تین بچے فوت ہو جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل رحمت سے جنت میں داخل کرے گا (بعض نسخوں میں بفضلہ ورحمتہ ایاھما آیا ہے یعنی دونوں کو اپنے فضل و رحمت سے جنت میں داخل کرے گا۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یا دو بچے فرمایا یا دو بچے۔ لوگوں نے عرض کیا یا ایک ہی بچہ۔ فرمایا یا ایک ہی بچہ پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ ناتمام بچہ جو شکم سے گر جاتا ہے بیشک وہ اپنی ماں کو اپنے نارو سے جنت کی طرف کھینچے گا جب کہ وہ ثواب کی امیدوار ہو۱؎ (احمد ابن ماجہ نے والذی نفسی بیدہ سے روایت کی۲؎

۱؎ یعنی جب کہ وہ نہ روئے، اور ثواب پر نگاہ رکھے۔ حدیث میں واقع لفظ سَرَر (سین مفتوحہ کی زبر) وہ آنت (نارہ) جو ناف سے کاٹا جاتا ہے۔ یہ اس تعلق کی طرف اشارہ ہے جو اس بچے اور ماں کے درمیان ہوتا ہے۔ گویا وہ نارہ ایک رسی کی طرح ہو جائے گا۔ جس سے کھینچ کر بہشت میں لے جائے گی۔
۲؎ یعنی اس حدیث کو ابن ماجہ نے حضور علیہ السلام کے قول والذی نفسی بیدہ سے تا آخر روایت کیا اور اول حدیث مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ الٰی آخرہٖ روایت نہ کیا۔

۱۶۶۳/۲۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَدَّمَ ثَلٰثَةً مِّنَ الْوَلَدِ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس (مسلمان) نے تین نابالغ بچے آگے بھیجے وہ اس کے لیے آتش دوزخ سے مضبوط قلعہ ہوں گے

كَانُوْا لَهٗ حِصْنًا حَصِيْنًا مِّنَ النَّارِ فَقَالَ اَبُوْذَرٍّ قَدَّمْتُ اِثْنَيْنِ قَالَ وَاثْنَيْنِ قَالَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ اَبُوالْمُنْذِرِ سَيِّدُ الْقُرَّاءِ قَدَّمْتُ وَاحِدًا قَالَ وَ وَاحِدًا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حضرت ابوذر نے کہا میں نے تو دو ہی بچے آگے بھیجے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اور دو بچے ہی۔ حضرت ابی بن کعب ابو المنذر[1] سید القراء نے عرض کیا میں نے تو ایک ہی بچہ آگے بھیجا ہے فرمایا اور ایک بچہ بھی[2]۔
اسے ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا۔
اور ترمذی نے کہا۔ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] حضرت ابی کی کنیت ابو المنذر ہے۔ اور ان کی شان میں سید القراء واقع ہوا ہے۔ یعنی سب سے بہتر قرآن پڑھنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سید الانصار فرمایا۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے انکو سید المسلمین کا لقب دیا۔

[2] اس کی توجیہ گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ کہ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ مبارک سے اسی وقت اس بارے میں وحی نازل ہوئی۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور آپ کی دعا قبول ہوئی۔

۱۶۶۴/۳۵ وَعَنْ قُرَّةَ الْمُزَنِيِّ اَنَّ رَجُلًا كَانَ يَاْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهٗ ابْنٌ لَّهٗ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُحِبُّهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَبَّكَ اللّٰهُ كَمَا اُحِبُّهٗ فَفَقَدَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا فَعَلَ ابْنُ فُلَانٍ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا تُحِبُّ اَنْ لَا تَاْتِيَ بَابًا مِّنْ اَبْوَابِ

حضرت قرۃ المزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا کرتا تھا اس کے ساتھ اس کا بچہ ہوتا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کیا تجھے اس بچے سے محبت ہے۔ اس شخص نے کہا اللہ تعالیٰ آپ سے بھی ایسی محبت کرے جیسی مجھے اس بچے سے ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کو گم پایا۔ اور نہ دیکھا۔ تو فرمایا فلاں کے بچے کو کیا ہوا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ تو مر گیا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تجھے یہ بات پسند نہیں کہ تو جنت کے کسی دروازے پر پہنچے گا اسے تیری انتظار میں پائے گا۔ ایک شخص نے

الْجَنَّةِ إِلَّا وَجَدْتَهُ يَنْتَظِرُكَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَهُ خَاصَّةً أَمْ لِكُلِّنَا قَالَ بَلْ لِكُلِّكُمْ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

نے عرض کی یا رسول اللہ یہ بشارت خاص اسی شخص کے لیے ہے۔ یا ہم سب کے لیے فرمایا بلکہ تم سب کے لیے۔

(اسے احمد نے روایت کیا)

لے قُرّۃ (قاف کی پیش راشدد) المزنی (میم کی پیش زا کی زیر اور نون) آپ صحابہ کرام میں سے ہیں۔

۲ے یعنی مجھے اس سے سخت محبت ہے۔

۳ے اور وہ کہاں چلا گیا ہے اور اس کا کیا حال ہے۔

۴ے گویا وہ مرد بھی اس مجلس میں حاضر و موجود تھا۔ اسی لیے اس کی طرف رخ کر کے فرمایا لیکن اس کے شدید مصیبت میں ہونے کی وجہ سے اسے مخاطب نہ فرمایا اور اس سے دریافت نہ کیا مگر بشارت دینے میں اسے مخاطب فرمایا۔

۵ے اور تجھے اپنے ساتھ بہشت میں لے کر جائے۔

۱۶۶۵/۳۶ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ السِّقْطَ لَيُرَاغِمُ رَبَّهُ إِذَا أَدْخَلَ أَبَوَيْهِ النَّارَ فَيُقَالُ أَيُّهَا السِّقْطُ الْمُرَاغِمُ رَبَّهُ أَدْخِلْ أَبَوَيْكَ الْجَنَّةَ فَيَجُرُّهُمَا بِسَرَرِهِ حَتّٰى يُدْخِلَهُمَا الْجَنَّةَ.

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچا حمل سے ناکمل گر جانے والا بچہ سب سے جھگڑے گا جب کہ اس کے والدین کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں داخل کرے گا تو اس سے کہا جائے گا اے رب سے جھگڑنے والے بچے اپنے ماں باپ کو جنت میں لے جا تو پھر وہ اپنے ناف سے ان دونوں کو کھینچتے جائے گا اور جنت میں داخل کرے گا۔ (ابن ماجہ)

لے حدیث میں مراغم آیا ہے جو مراغمت سے نکلا ہے اس کا اصل معنی ہے مٹی کو غصہ میں لانا یعنی جھگڑنا اور مجادلہ کرنا مراد ہے۔

۱۶۶۶/۳۷ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ابْنَ آدَمَ إِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم کے بیٹے اگر پہلے صدمہ کے ساتھ تو نے صبر کیا اور ثواب کا

عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰى لَمْ نَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

طلب گار بنا تو میں تجھے جنت سے کم کوئی ثواب دے کر دینے پر راضی نہ ہوں گا۔[1] (ابن ماجہ)

[1] یعنی میں تجھے ضرور جنت میں داخل کروں گا۔

۱۶۲۸ وَعَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ وَلَا مُسْلِمَةٍ يُصَابُ بِمُصِيْبَةٍ فَيَذْكُرُهَا وَإِنْ طَالَ عَهْدُهَا فَيُحْدِثُ لِذٰلِكَ اسْتِرْجَاعًا إِلَّا جَدَّدَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عِنْدَ ذٰلِكَ فَأَعْطَاهُ مِثْلَ أَجْرِهَا يَوْمَ أُصِيْبَ بِهَا. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا نہیں کوئی مسلمان مرد و عورت جو مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے پھر اس مصیبت کو یاد رکھتا ہے اگرچہ کتنا ہی زمانہ دراز گزر جائے اور ہر دفعہ اس مصیبت پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ و تبارک ہر بار اسے نیا ثواب دیتا ہے اور اسے اس کی مثل اجر عطا کرتا ہے جتنا مصیبت پہنچنے کے دن اسے ثواب عطا کیا تھا۔ (احمد اور بیہقی شعب الایمان میں)

۱۶۲۹ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ أَحَدِكُمْ فَلْيَسْتَرْجِعْ فَإِنَّهُ مِنَ الْمَصَائِبِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے جوتے کا تسمہ[1] ٹوٹ جائے تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے کہ تسمہ کا ٹوٹ جانا بھی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت ہے۔

[1] حدیث میں شسع آیا ہے شین کے زیر اور سین ساکن جوتے کا تسمہ۔

۱۶۳۰ وَعَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَالَ يَا عِيْسٰى إِنِّيْ بَاعِثٌ مِنْ

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے حضرت ابوالدرداء سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بیشک اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تیرے بعد ایک امت اٹھانے والا ہوں

بَعْدِكَ اُمَّةً اِذَا اَصَابَهُمْ مَا يُحِبُّوْنَ حَمِدُوا اللهَ وَاِنْ اَصَابَهُمْ مَا يَكْرَهُوْنَ احْتَسَبُوْا وَ صَبَرُوْا وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ فَقَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ يَكُوْنُ هٰذَا لَهُمْ وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ قَالَ اُعْطِيْهِمْ مِنْ حِلْمِيْ وَ عِلْمِيْ۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

جب انہیں وہ چیز ملے گی جسے وہ چاہتے ہوں گے تو اللہ کی حمد کریں گے اور اگر انہیں وہ چیز پہنچے گی جسے وہ نہ چاہتے ہوں گے تو ثواب کے طلبگار بنیں گے اور صبر و تحمل سے کام لیں گے۔ حالانکہ ان میں بردباری اور عقل و تدبیر نہ ہوگی۔ اس پر حضرت عیسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب یہ مقام انہیں کیسے حاصل ہوگا جبکہ ان میں علم و عقل نہ ہوگا فرمایا میں انہیں اپنے علم و حلم سے عطا کروں گا۔ ان دونوں احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

لے آپ حضرت ابوالدرداء کی اہلیہ محترمہ تھیں۔

۲ے یہ حدیث کے الفاظ احتسبوا اور صبروا کے مفہوم کی تاکید ہے کیونکہ احتساب کا معنیٰ وہ احساس و جذبہ ہے جو اخلاص عمل اور رضا حق تعالیٰ کی طلب کا باعث بنے، نہ کہ علم و عقل اس کا باعث ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان میں علم و عقل نہ ہوگا وہ کس طرح صبر و احتساب کریں گے۔ جیسا کہ فرمایا اے میرے رب الیٰ آخرہ۔

۳ے جیسا کہ کہا گیا ہے اور ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ علم و عقل نہ ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ مصیبت صدمہ کی وجہ سے وہ مدہوش ہو چکے ہوں گے۔ اس کے باوجود وہ صبر کریں گے اور ثواب کے طلب گار بنیں گے۔ اس عبارت کا ایک اور معنیٰ بھی خیال میں آیا ہے جو شرح (عربی) میں مذکور ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ واللہ اعلم

بَابُ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ

زیارت قبور کا باب

واضح ہو کہ زیارت قبور بالاتفاق مستحب ہے کیونکہ یہ دل کی نرمی، موت کی یاد، ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے اور فنائے دنیا وغیرہ فوائد کا سبب و ذریعہ ہے۔ زیارت میں عمدہ چیز مردوں کے لیے استغفار ہے۔ اس بارے میں سنت وحدیث وارد ہو چکی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع شریف میں تشریف لے جاتے اور اہل بقیع کو سلام کہتے اور ان کے لیے استغفار کرتے باقی رہا اہل قبور خیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا غیر انبیاء علیہم السلام سے مدد طلب کرنا تو بہت سے فقہا اس کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ زیارت صرف مردوں کے لیے دعا و استغفار اور

تلاوت قرآن کے ذریعے نفع پہنچانے کے لیے ہے۔ مگر مشائخ صوفیہ اور بعض فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اولیاء کرام سے مدد حاصل کرنے کو ثابت اور جائز قرار دیا ہے۔ اور یہ عقیدہ اہل کشف اور ان کے کاملین کے ہاں محقق اور طے شدہ عقیدہ ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے حضرات کو ان کی ارواح سے فیوض و فتوح حاصل ہوئے ہیں۔ اور اس گروہ صوفیہ کی اصطلاح میں انہیں اویسی کہتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ کاظم کی قبر انور قبولیت دعا کے لیے تریاق مجرب ہے۔ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی نے فرمایا جس سے اس کی زندگی میں مدد لینا جائز ہے۔ اس سے بعد وفات بھی مدد طلب کرنا جائز ہے۔ مشائخ عظام میں سے ایک نے فرمایا ہے میں نے چار مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی قبور میں اس طرح تصرف کرتے ہیں جس طرح اپنی زندگی میں تصرف کرتے تھے۔ یا اس سے بھی بڑھ کر حضرت شیخ معروف کرخی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور دو اور بزرگ شمار کیے۔ اور ان چار میں حصر مقصود نہیں۔ جو کچھ اس بزرگ نے خود دیکھا اور پایا اس کا بیان کر دیا۔

سیدی احمد بن زروق رضی اللہ عنہ کہ اعاظم فقہاء علماء اور مشائخ دیار مغرب میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ ابو العباس حضرمی نے مجھ سے دریافت کیا کہ زندہ کی امداد زیادہ قوی ہے یا میت کی میں نے کہا ایک قوم کہتی ہے کہ زندہ کی امداد قوی تر ہے اور میں کہتا ہوں کہ میت کی امداد قوی تر ہے۔ شیخ نے فرمایا ہاں۔ کیونکہ وفات یافتہ بزرگ حق تعالیٰ کی درگاہ میں اس کے سامنے ہے۔ اس بارے میں اس گروہ صوفیہ سے اس قدر روایات منقول ہیں کہ حد و شمار سے باہر ہیں۔

پھر کتاب و سنت اور اقوال سلف صالحین میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس عقیدہ کے منافی اور مخالف ہو۔ اور اس کی تردید کرتی ہو بلکہ آیات و احادیث سے تحقیقی طور پر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ روح باقی ہے اور اسے زائرین اور ان کے حالات کا علم و شعور ہوتا ہے اور یہ کہ ارواح کاملین کو جناب حق تعالیٰ میں قرب و مرتبہ حاصل ہے جس طرح زندگی میں انہیں حاصل تھا بلکہ اس سے بڑھ کر۔ اور اولیاء کرام کی کرامات برحق ہیں اور انہیں کائنات میں تصرف کی قوت و طاقت حاصل ہے یہ سب کچھ ان کی ارواح کرتی ہیں۔ اور وہ باقی ہیں۔ اور متصرف حقیقی تو اللہ عزشانہ ہے۔ یہ سب کچھ حقیقۃً اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ یہ حضرات اپنی زندگی میں اور بعد از وصال جلال حق میں فانی و مستغرق ہیں۔ لہٰذا اگر کسی کو دوستان حق کی وساطت سے کوئی چیز اور مرتبہ حاصل ہو جائے تو کوئی بعید نہیں (اور اس کا انکار درست نہیں) جیسا کہ ان کی ظاہری زندگی میں تھا اور حقیقۃً تو فعل و تصرف حق جل جلالہ و عم نوالہ کا ہوتا ہے اور ایسی کوئی دلیل و وجہ موجود نہیں جو زندگی اور موت میں فرق کرے۔

حضرت شیخ ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث پاک لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ (اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا) کی شرح

یں فرمایا کہ یہ اس صورت میں ہے کہ ان کی تعظیم کی خاطر ان کی قبور کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے کہ ایسا کرنا بالاتفاق حرام ہے۔ لیکن کسی پیغمبر یا ولی کے پڑوس میں مسجد بنانا اور اس کی تعظیم کے ارادہ اور قبر کی طرف توجہ کیے بغیر نماز ادا کرنا جائز ہے بلکہ حصول مدد کی نیت سے تاکہ اس کی قبر کی برکت سے عبادت کا ثواب کامل ملے اور اس کی روح پاک کا قرب و پڑوس نصیب ہو تو اس میں کوئی حرج و ممانعت نہیں۔ اس بارے میں مزید کلام اس باب کے آخر میں آرہا ہے۔ اور یہ بحث انشاء اللہ تعالیٰ کتاب الجہاد کے شہداء بدر کے بیان میں مکمل ہوگی۔ واللہ اعلم۔

پھر آداب زیارت قبور میں سے ایک ادب یہ ہے کہ بوقت زیارت منہ قبر کی طرف اس کے بالمقابل ہو اور پشت قبلہ کی جانب اس طرح کھڑا ہو کر صاحب قبر کو سلام عرض کرے۔ مگر ہاتھ سے قبر کو نہ چھوئے اور نہ اسے بوسہ دے اور نہ جھکے اور چہرے پر قبر کی مٹی نہ ملے کہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک قبر کے پاس قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ حضرت صدر الشہید رحمۃ اللہ نے جو مشائخ حنفیہ میں سے ایک ہیں۔ امام محمد کے قول کو لیا ہے اور اس پر فتویٰ ہے۔ شیخ امام محمد بن الفضل رحمۃ اللہ نے کہا کہ مکروہ بلند آواز سے قرآن پڑھنا ہے۔ آہستہ قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگرچہ سارا قرآن ختم کرے۔ شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ قبر کے پاس سورۃ تبارک الملک پڑھے بلند آواز سے یا پست آواز سے۔ کہ بلند یا آہستہ پڑھنے سے کوئی فرق نہیں۔ یہ مسئلہ ظاہر روایت میں موجود ہے اور اس کے جواز میں اثر وارد ہو چکا ہے حضرت شیخ ابوالحسن بن سعد رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ زیارت قبور کے وقت سورۃ اخلاص سات مرتبہ پڑھے اور اس کا ثواب صاحب قبر کو بخشے۔ صحیح ترین بات یہی ہے کہ میت کو ثواب پہنچتا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ قریب ہو کر گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے اس کے بعد بیٹھ جائے۔

جمعہ کے دن زیارت قبور بہت افضل ہے۔ دوسرے دنوں کی نسبت خصوصاً بعد جمعہ کے اول وقت میں حرمین شریفین زادھما اللہ تعظیماً و تشریفاً میں یہی متعارف و مروج ہے کہ جمعہ کے روز اول وقت میں جنت المعلیٰ اور بقیع شریف کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ دوسرے دنوں اور اوقات کی نسبت جمعہ کے دن میت کو زیادہ علم و ادراک عطا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ میت دوسرے دنوں کی نسبت جمعہ کے دن زائر کو زیادہ پہچانتا ہے اور جو یہ دیار ہندوستان میں جو عادت ان کی میں مشہور ہو چکا ہے کہ جمعہ کے دن زیارت قبور سنت ہے۔ اور ممانعت میں جو اثر در روایت نقل کی جاتی ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں اور قبور پر بے ضرورت پاؤں رکھ کر چلنا مکروہ ہے۔ مستحب ہے کہ میت کے اس دنیا سے جانے کے بعد سات دن تک اس کی طرف سے صدقہ و خیرات کیا جائے کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنا اسے فائدہ دیتا ہے۔ اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور اس کے جواز میں خصوصاً احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ میت کو صرف صدقہ اور دعا کا ثواب پہنچتا ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ میت

کی روح شب جمعہ کو اپنے گھر آتی اور دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے کوئی صدقہ کرتا ہے یا نہیں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۱۶۹۰ عَنْ بُرَيْدَةَ[1] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا وَنَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْاَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلٰثٍ فَاَمْسِكُوْا مَا بَدَا لَكُمْ وَنَهَيْتُكُمْ عَنِ النَّبِيْذِ اِلَّا فِيْ سِقَاءٍ فَاشْرَبُوْا فِي الْاَسْقِيَةِ كُلِّهَا وَلَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا، اب زیارت کو جایا کرو[2] اور میں نے تمہیں تین دن سے زیادہ قربانی کے گوشت (جمع رکھنے) سے بھی منع کیا تھا اگر اب تم اپنی حاجت کے مطابق رکھ سکتے ہو[3] اور میں نے تمہیں غیر مشکیزہ چھوڑ کر مشک کے علاوہ باقی سب برتنوں میں رکھنے سے منع کیا تھا مگر اب تمہیں تمام برتنوں میں رکھنے کی اجازت ہے۔ اور نشہ آور کوئی چیز نہ پینا۔[4] (مسلم)

[1] بریدہ ابن الحصیب راوی زبر اآپ مشہور صحابی ہیں۔

[2] یعنی اس سے پہلے میں نے زیارت قبور کی ممانعت کی تھی، مگر اب میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں تو پہلے حکم کو منسوخ سمجھو۔ علماء نے لکھا ہے کہ ممانعت کی وجہ عہد جاہلیت کا قرب تھا اور اس امر کا اندیشہ تھا کہ لوگ وہ کچھ کہیں اور کریں گے جو وہ جاہلیت میں کہتے اور کرتے تھے۔ اب چونکہ دلوں میں قواعد اسلام اور اس کی تعلیمات مضبوط و مستحکم ہو چکی ہیں لہٰذا یہ خطرہ باقی نہیں رہا، پھر عورتوں کے زیارت قبور کے لیے جانے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا یہ اجازت صرف مردوں کا ہی ہے۔ عورتوں کے لیے اب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت قبور سے ممانعت باقی ہے۔ بعض نے کہا یہ اجازت و رخصت مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ زیارت قبور کے لیے جانے والی عورتوں پر لعنت کرتا ہے اور وہ حضرات جو عورتوں کے لیے بھی زیارت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں

---

[1] اس مسئلہ کے جواز میں امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلیٰحضرت جناب مولانا محمد احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ عنہ نے ایک مستقل اور جامع رسالہ مسمٰی بہ اتیان الارواح لدیارہم بعد الرواح تالیف فرمایا ہے۔ مزید اطمینان و ایقان کے لیے اس کا مطالعہ کیا جائے۔ مترجم غفرلہ

کہ یہ حدیث اجازت سے پہلے وقت سے تعلق رکھتی ہے۔

؎۳ یعنی جب تک تمہاری طبیعت چاہے اور جتنے وقت کے لیے تمہاری رائے ہو۔ پہلے قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ عرصہ ذخیرہ کرنے سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ان فقراء ومساکین کو گوشت کی ضرورت ہوتی تھی جو خود قربانی کرنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے۔ اس کے بعد جب لوگوں کے مال اور اقتصادی حالات بہتر ہو گئے اور ایک دوسرے سے لے کر کھانے کی ضرورت نہ رہی تو اس بات کی اجازت مل گئی کہ قربانی کا گوشت جب تک چاہیں ذخیرہ کر سکتے ہیں۔

؎۴ یعنی مشک اور غیر مشک ہر برتن میں شیرہ کھجور ڈال سکتے ہو۔ حدیث میں واقع لفظ اسقیہ سے برتن اور ظروف مراد ہیں۔ مشک کے علاوہ دوسرے برتنوں میں ڈالنے سے ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ مشک میں پانی ٹھنڈا رہتا ہے۔ گرم نہیں ہوتا اور شیرے میں تیزی نہیں آتی دوسرے برتنوں میں گرم ہو جاتا ہے اور سخت وتیز ہو جاتا ہے اور اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ شراب کی کیفیت اختیار کرے اور حرام ہو جائے اور لوگوں کے لیے شراب حرام ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ابھی ان کے سروں میں شراب کی لذت اور خواہش باقی تھی تو اس بات کا امکان تھا کہ پھر شراب نوشی کے مرتکب ہو جائیں اور جب شراب کو حرام ہوئے ایک عرصہ گزر گیا اور لوگ اس سے دور رہتے اور پرہیز کرنے کے خوگر اور عادی ہو گئے تو اس کے ارتکاب کا احتمال باقی نہ رہا۔ اس بنا پر ہر برتن میں شیرہ کھجور ڈالنے کی اجازت مل گئی جب کہ وہ تند وتیز نہ ہو جائے اور نشہ آور نہ ہو اور اگر نشہ آور ہو جائے تو پھر اس سے پرہیز ضروری ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ کوئی نشہ آور چیز نہ پیو۔

؎۵ ابتداء میں شراب پینے کے برتن باقی تھے۔ ان کے استعمال سے روک دیا گیا صرف مشک کے استعمال کی اجازت دی گئی۔ پھر آخر وقت میں ہر برتن استعمال کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ مذہب امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ہے۔ دوسرے آئمہ کے نزدیک شراب کے برتنوں کا استعمال اب بھی جائز ہے۔ جیسا کہ کتاب الایمان میں مذکور ہوا۔ شیرہ کھجور کا معنیٰ ہے کہ کھجور یا انگور کو کوٹ پیس کر پانی میں کچھ وقت کے لیے ڈال دیا جائے کہ کچھ قدرے تیزی آ جائے۔ پھر اسے پی لیں۔ یہ حلال رہتا ہے۔ اور اگر تیزی زیادہ اور سخت ہو جائے اور نشہ آور ہو جائے تو حرام ہے۔ کتاب الاشربہ میں اس کی مفصل تر معلومات فراہم کی جائیں گی۔

۱۶/۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ زَارَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَ اُمِّهٖ فَبَكٰی وَ اَبْكٰی مَنْ حَوْلَهٗ فَقَالَ اسْتَاْذَنْتُ رَبِّیْ فِیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ یُؤْذَنْ لِیْ وَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کا قبرانور کی زیارت کی تو رو پڑے اور اپنے ارد گرد والوں کو بھی رلایا۔ پھر فرمایا میں نے اپنے رب سے والدہ کے لیے استغفار کی اجازت چاہی مجھے اس کی

اسْتَأْذَنْتُهٗ فِيْ اَنْ اَزُوْرَ قَبْرَهَا فَاَذِنَ لِيْ فَزُوْرُوْا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اجازت نہ دی گئی پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی اس کی اجازت دے دی گئی تو اے لوگو قبور کی زیارت کیا کرو کہ وہ موت یاد دلاتی ہے۔[۲] (مسلم)

[۱] یعنی آپ اس قدر روئے کہ آپ کے رونے سے دوسرے بھی متاثر ہوئے اور رونے لگے

[۲] واضح ہو کہ اس حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ متقدمین کا طریقہ ہے۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس باب میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا ہے۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى۔ نبی علیہ السلام اور ایمان والوں کے لیے جائز نہیں کہ مشرکین کیلئے دعائے بخشش کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی کیوں نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (فعل نہی صیغہ معلوم کی قرارت میں) اور اے نبی دوزخ والوں کے متعلق سوال نہ کر۔ لیکن متاخرین علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین بلکہ حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباء و امہات کا ایمان ثابت کیا ہے۔ اس اثبات کے لیے انہوں نے تین طریقے اختیار کیے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سب حضرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے۔ دوسرا یہ کہ ان حضرات کو دعوت اسلام نہ پہنچی بلکہ یہ حضرات زمانہ فترت میں ہی انتقال کر چکے تھے ان کو حضور کی نبوت کا زمانہ نہ ملا۔ تیسرا طریقہ یہ کہ آپ کے والدین کریمین کو خدا تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے آپ کے دست اقدس پر دوبارہ زندگی عطا فرمائی اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کے زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ اپنی حد ذات میں ضعیف ہے لیکن متعدد طرق سے اس کی تصحیح اور تحسین کر دی گئی ہے اور یہ بات گویا متقدمین سے پوشیدہ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت متاخرین علماء پر کھول دی۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء بما شاء من فضلہ۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے جس چیز سے چاہے اپنی رحمت و فضل سے خاص کرے۔ حضرت شیخ جلال سیوطی رحمۃ اللہ نے اس بارے میں رسائل تصنیف کیے اور دلائل سے اس مسئلہ کا اثبات فرمایا۔ مخالفین کے شبہات کے جوابات دیے۔ ان دلائل اور جوابات کو اگر یہاں نقل کیا جائے تو بات لمبی ہو جائے گی۔ ان کے رسائل میں دیکھ لیا جائے۔ واللہ اعلم۔

١٦٤٣ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُمْ اِذَا خَرَجُوْا اِلَى الْمَقَابِرِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب لوگ قبروں کی طرف نکلتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یہ الفاظ سکھاتے تھے السلام علیکم اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔ اے مومنوں اور مسلمانوں کے گھر والو تم پر سلام ہو

إِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُونَ نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انشاء اللہ ہم بھی تم سے ضرور ملنے والے ہیں، ہم اللہ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت اور عذاب دنیا و آخرت کی سلامتی مانگتے ہیں۔ (مسلم)

لہ علماء نے کہا ہے کہ یہاں سلام تسلیم و رضا کے معنی میں ہے۔ دیار دار کی جمع ہے۔ دار اس حویلی کو کہتے ہیں جس میں صحن اور کھلی جگہ موجود ہو۔ اس کا استعمال زندہ لوگوں کے گھروں اور قبر والوں کے لیے بھی ہوتا ہے۔

لہ یہاں انشاء اللہ کا استعمال تبرک و رغبت کے لیے ہے۔ جس طرح بیمار کو کہتے ہیں۔ کہ انشاء اللہ تو صحت یاب ہو جائے گا۔ یا ایمان پر مرنے میں شک کی وجہ سے ہے۔ یا وقت موت قریب ہونے کی وجہ سے۔ بیت

گر نہ قضا بود کہ با ہم بردیم
پیر سد آں وقت کہ با ہم بردیم

ترجمہ۔ اگر قضاء و قدر میں یہ نہ تھا کہ ہم اکٹھے جیئں تو وہ وقت بھی آرہا ہے کہ ہم بھی چل پڑیں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۶۴۱ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُوْرٍ بِالْمَدِيْنَةِ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ وَأَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبور مدینہ کے پاس سے گزرے تو اپنے چہرہ انور سے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے اہل قبور تم پر سلام اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم سے پہلے جانے والے ہو اور ہم تمہارے پیچھے آرہے ہیں۔ (ترمذی) اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۶۴۲ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّمَا كَانَ لَيْلَتُهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی باری میرے پاس ہوتی تو رات کے آخری حصے میں آپ بقیع کی طرف نکلتے اور فرماتے اے مومنین کے گھر والو

يَخْرُجُ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ اِلَى الْبَقِيْعِ فَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَاَتَاكُمْ مَّا تُوْعَدُوْنَ غَدًا مُّؤَجَّلُوْنَ وَ اِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تم پر سلام تمہارے پاس وہ چیز آ پہنچی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ کل کی نہیں نسبت ملی ہوئی ہے۔ انشاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ خدایا بقیع غرقد والوں کو بخشش دے

(مسلم)

لہ بقیع (با اور قاف سے) مدینہ منورہ کے قبرستان کا نام ہے۔

لہ اس قبرستان کو بقیع الغرقد اس وجہ سے کہتے ہیں۔ کہ بقیع اس زمین کو کہتے ہیں جس میں درخت ہوں۔ غرقد (غین اور قاف) ایک قسم کا درخت ہے جو یہاں قبرستان بننے سے پہلے بہت تھا۔

۱۶۰۳ وَعَنْهَا قَالَتْ كَيْفَ اَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَعْنِيْ فِيْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ قَالَ قُوْلِي السَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں یا رسول اللہ میں کیا کہا کروں کس طرح کہا کروں اور کیا پڑھا کروں یعنی زیارت قبور کے وقت لہ آپ نے فرمایا کہ السلام علی اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین ویرحم اللہ المتقدمین منا والمتاخرین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون۔ اے مومنو اور مسلمانوں کے گھروں والو تم کو سلام اللہ تعالیٰ ہمارے پہلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے اور ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ تم سے آکر ملنے والے ہیں۔ (مسلم)

لہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کے لیے بھی زیارت قبور جائز ہے اور اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ زیارت قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت اجازت سے پہلے تھی۔

۱۶۰۴ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ لہ يَرْفَعُ الْحَدِيْثَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدِهِمَا فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَ لَهٗ وَ كُتِبَ بَرًّا۔

حضرت محمد بن النعمان لہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اس حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے دونوں والدین یا ان میں سے ایک کی قبر کی۔ ہر جمعہ زیارت کی تو اسے بخشش دیا جاتا ہے اور اس کا فرمانبردار لکھ دیا

بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اِنَّ هٰذَا كَانَ قَبْلَ اَنْ يُّرَخِّصَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَلَمَّا رَخَّصَ دَخَلَ فِيْ رُخْصَتِهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّمَا كَرِهَ زِيَارَةَ الْقُبُوْرِ لِلنِّسَاءِ لِقِلَّةِ صَبْرِهِنَّ وَكَثْرَةِ جَزَعِهِنَّ ثُمَّ كَلَامُهٗ۔

قبور کی اجازت دیے جانے سے پہلے کی بات ہے۔ جب آپ نے اجازت دی تو اس میں مرد و عورتیں دونوں داخل ہو گئے۔ اور بعض نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لیے زیارت قبور کو اس لیے مکروہ قرار دیا کہ وہ صبر کم کرتی اور جزع فزع زیادہ کرتی ہیں۔ امام ترمذی کا کلام مکمل ہوا۔

ف ف

لہ یعنی ان عورتوں پر جو زیارت کے وقت جزع فزع کریں اور نوحہ اور آہ و بکا سبب کریں۔

۱۷۶۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَدْخُلُ بَيْتِيَ الَّذِيْ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنِّيْ وَاضِعٌ ثَوْبِيْ وَ اَقُوْلُ اِنَّمَا هُوَ زَوْجِيْ وَاَبِيْ فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَاللّٰهِ مَا دَخَلْتُهٗ اِلَّا وَ اَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِيْ حَيَاءً مِّنْ عُمَرَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں اپنے گھر میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں اس حال میں داخل ہوتی تھی کہ میں نے چادر اتاری ہوتی تھی اور میں کہتی تھی کہ وہ تو میرے خاوند اور میرے باپ ہیں۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن ہوئے تو اللہ کی قسم میں اس گھر میں داخل نہ ہوتی تھی مگر اس حالت میں کہ میرے کپڑے مجھ پر بندھے ہوتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیا اور شرم کی وجہ سے۔ (احمد)

لہ یعنی مدفون ہیں۔ پھر یہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی دفن ہوئے۔

سہ یعنی میں اپنے دل میں کہتی تھی۔ یا اگر کوئی مجھے پوچھتا تو میں یہی جواب دیتی کہ یہاں ایک تو میرے شوہر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دوسرے میرے باپ حضرت ابوبکر ہیں رضی اللہ عنہ۔

سہ کیونکہ وہ بیگانے تھے، اس حدیث میں اس امر پر واضح دلیل ہے کہ میت زندہ ہے اور اس کا علم موجود و قائم ہے۔ اور یہ کہ میت کی زیارت کے وقت اس کا احترام واجب و ضروری ہے۔ خصوصاً صالحین کی زیارت کے وقت اور ادب کی رعایت حسب مراتب ہے۔ جس طرح ان کی زندگی میں کیونکہ صالحین ان کی زیارت کرنے والوں کے مطابق ان کی زیارت و مدد کرتے ہیں۔ جیسا کہ شرح شیخ میں مذکور ہے۔

خدائے بزرگ و برتر کی حسن توفیق سے کتاب برکت انتساب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ از کتاب الصلوٰۃ تا کتاب الجنائز کے اردو ترجمہ کی جلد دوم اختتام پذیر ہوئی۔ فالحمد للہ علی ذالک وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا ومولانا محمد والہ واصحابہ وازواجہ وجمیع امتہ۔

مترجم۔ محمد سعید احمد نقشبندی مجددی غفرلہٗ
امام وخطیب جامع مسجد حضرت علی بن عثمان الہجویری
معروف بہ داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۹ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۲ء
بروز بدھ ۱۱ بجے شب !!

فہرست مضامین کتاب مستطاب اشعۃ اللمعات اردو جلد دوم

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ واصحابہ
وسلم کثیرا کثیرا

محمد سعید احمد نقشبندی مجددی غفرلہ
۱۱ر فروری ۱۹۸۳ء بروز جمعۃ المبارک